

نَضْرُ الْبَارِي

شَرْعُ رُدُو

صَحِيحُ الْبَخَارِيِّ

مولفہ

مَضَرَّتُ الْعَلَامَہ مَوْلَانَا مُحَمَّدُ عَفَمَانُ غَفَقِی

شیخ الحدیث مظاہر العلوم وقف سہارنپور

شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا مسدیر حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث: ۱-۱۳۴

باب: ۱- ۹۵

پارہ: ۱

جلد: اوّل

کتاب الوحي، کتاب الايمان، کتاب العلم

مکتبۃ الشیخ

ناشر

۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی نمبر ۵۔ فون: 021-34935493

نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

نَصْرُ الْبَارِي

شرح اردو

صَحِيحُ الْبَارِي

مولفہ

عَفَّتِ الْعِلَامَةُ نَوَّلَانَا مُحَمَّدٌ عَفَمَانِ نَفْتَحِ

شیخ الحدیث ظاہر العلوم وقف سہانہ نو

شاگرد رشید شیخ الاسلام عَفَّتِ نَوَّلَانَا سَتِير حَسِين (عَدَدَتِي فِي رُؤُوسِ الْاَلَمِ)

جلد: اول ج ۱ پارہ: ۱ ج ۱ باب: ۱ - ۹۵ ج ۱ حدیث: ۱ - ۱۳۲

کتاب الوحي ، کتاب الايمان ، کتاب العلم

مکتبۃ الشیخ

۳۳۵/۳، بہادر آباد، کراچی نمبر ۵۔ فون: 021-34935493

پاکستان بھر میں جملہ حقوق ملکیت بحق مکتبہ الشیخ کراچی محفوظ (c)

نام نظم النبائی رحمہ اللہ صحیح البخاری ﴿جلد اول﴾

مؤلف حضرت العلامة مولانا محمد عثمان مفتی رحمہ اللہ

ناشر مکتبہ الشیخ ۳۳۵/۳ بہار آباد، کراچی نمبر ۵۔

﴿انتباہ﴾

پاکستان میں ہر الباری مکمل ۱۳ جلدوں کی طباعت کے جملہ حقوق مؤلف سے باہمی معاہدہ کے تحت بحق مکتبہ الشیخ کراچی محفوظ ہیں۔ کاپی رائٹس آف پاکستان سے رجسٹرڈ ہے اس کتاب کا کوئی حصہ، صفحہ، پیرا ادارہ کی مصدقہ تحریری اجازت کے بغیر پاکستان بھر میں ”طبع“ نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی فرد یا ادارہ اس کی غیر قانونی طباعت و فروخت میں ملوث پایا گیا تو بغیر ”پیشگی اطلاع“ کے ”قانونی کارروائی“ کی جائے گی۔

اسٹاکسٹ: مکتبہ خلیلیہ

دوکان ۱۹، اسلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 0321-2098691

قدیمی کتب خانہ، کراچی	دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی	زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی
کتب خانہ شرفیہ، اردو بازار، کراچی	کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی	مکتبہ انعامیہ، اردو بازار، کراچی
اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی	مکتبہ عدوہ، اردو بازار، کراچی	مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی
مکتبہ العلوم، بنوری ٹاؤن، کراچی	مکتبہ رحمانیہ، لاہور	ادارہ اسلامیات، لاہور
مکتبہ قاسمیہ، لاہور	مکتبہ حریم، لاہور	المیزان، لاہور
مکتبہ حقانیہ، ملتان	ادارہ تالیفات، ملتان	مکتبہ امدادیہ، ملتان
مکتبہ العارفی، فیصل آباد	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ	مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی

﴿ہر دینی کتب خانہ پر دستیاب ہے﴾

تقریظ

از فقیہ الاسلام خطیبِ ملت حضرت الحاج مولانا مفتی مظفر حسین صاحبِ ملت ہاتھ

ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامع صحیح بخاری کو حدیث کی تمام کتابوں میں گونا گوں خصوصیات، امتیازات اور صحت و مقبولیت کے لحاظ سے جو تفوق و برتری حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اسی لئے جمہور محدثین کی رائے ہے: "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ، الجامع الصحیح للبخاری"۔
محدثین نے ہر زمانہ میں درس و تدریس، تحشیہ و تشریح اور تحقیق ابواب و تراجم وغیرہ مختلف حیثیات سے اس کتاب کی طرف توجہ مبذول فرمائی ہے، اردو زبان میں بہت سے حضرات نے اپنے اپنے انداز میں اس کی شروح تحریر فرمائی ہیں، جن میں اپنے اپنے نقطہ نظر سے اس کتاب کی خدمت کی ہے۔

ایسی سلسلہ میں رفیقِ محترم الحاج علامہ عثمان غنی صاحب استاذِ حدیث مظاہر علوم (وقف) سہارنپور نے بھی اردو زبان میں ادلا بخاری جلد ثانی کی شرح مرتب فرمائی، کیونکہ اس حقہ کی عالم طور پر اردو زبان میں کوئی شرح موجود نہ تھی، چنانچہ اللہ کا فضل ہے کہ مولانا کی یہ مخلصانہ کوشش مقبول ہوئی۔

مولانا نے اسی انداز میں جلد اول کی شرح بھی مرتب فرمائی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، انشاء اللہ اساتذہ اور طلبہ سبھی کیلئے مفید ہوگی۔

حق تعالیٰ مولانا کی یہ کوشش بھی قبول فرمائے اور ذریعہ سعادت بنائے۔ آمین۔

العبد

مظفر حسین مظاہری، ناظم اعلیٰ مظاہر علوم (وقف)،

سہارنپور یوپی،

۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

تقریظ از حضرت مولانا الحاج حکیم محمد (سلا) انصاری صاحب تہذیب و تمدن اسلام میث خلیفہ و مجاز حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

آمین! اعلیٰ نبویہ کی مدون کتابوں میں صحیح بخاری شریف کو اللہ تعالیٰ جو مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ ظہر من الشمس ہے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اس کتاب پر معنی توجہ فرمائی ہے کتاب اللہ کے بعد اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور جس طرح کتاب اللہ کے بعد صحت کے اعتبار سے اس کا درجہ ہے ٹھیک اسی طرح امت اسلام نے اس کو کتاب اللہ کے بعد ہر دور میں مرکز توجہ بنایا اور اتنی شہر میں لکھیں کہ عقل حیران ہے۔ علامہ کرمائی، علامہ خطابی، علامہ نجم الدین نسفی، علامہ بدر الدین عینی، حافظ عسقلانی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ کی تالیفات کو عام اور زبان زد محدثین عظام ہیں۔ اور اس کتاب عظیم اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کی خدمت ہر محدث اپنے اپنے دور میں کرتا رہا ہے مگر یہ سب کی ایک عظیم ترین اور مقبول درس گاہ مدرسہ نور الاسلام کے بارِ اتمام کی وجہ سے یہ تجربہ ہو کہ موجودہ دور میں پچند وجوہ بالخصوص طلبہ میں ہمت و محنت کی کمی اور تکاسل کا تقاضہ ہے کہ پوری بخاری شریف کی شرح حنفی کتب خیال کی طرف سے نہایت ضروری ہے۔ کتب متداولہ حدیث کے ترجمے اور شروع اردو میں دوسرے حضرات نے کئے ہیں مگر انتہائی تشہر ہیں۔

لاشبہ علمہ احناف کے بھی کچھ شرح اردو زبان میں شائع ہو چکے ہیں بالخصوص علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشادات و تحقیقات بنام انوار الباری اور حضرت علامہ فخر الدین صاحب کے امالی بنام ایضاح البخاری۔ لیکن صحیح بخاری شریف کی پہلی جلد بھی مکمل نہ ہو سکی، مکمل تو کیا عرصہ پچیس سال سے بھی زیادہ گزرا ہو گا مگر اب تک بخاری شریف کے ابتدائی چند پارے شائع ہو سکے۔ انتہائی خوشی ہوئی کہ ہمارے محترم حضرت علامہ عثمان فنی صاحب محدث مظاہر علوم وقف سہارنپور نے بخاری شریف کی جلد ثانی سے ابتدائی اس سے علامہ صاحب کا خلوص اور طلبہ حدیث سے انتہائی محبت و ہمدردی کا اندازہ ہوتا ہے کہ طلبہ حدیث کو جلد اول کی ضرورت کچھ تو پوری ہو جاتی ہے مگر جلد ثانی کیلئے طلبہ پریشان ہوتے ہیں۔ ہمارے علامہ نے نعم الباری شرح بخاری کی دو جلدیں (کتاب المغازی مکمل، اور کتاب التفسیر مکمل) شائع کر کے طلبہ پر بڑا احسان فرمایا ہے جو الحمد للہ توفیق سے زیادہ مقبول ہوئی۔ اہل علم اور تعلیمی اداروں نے جو پذیرائی کی یہ سب محض اللہ رب العزت کا احسان اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے انوار گوہر آبدار کی برکت ہے۔ اب علامہ صاحب نے چند احباب و مخلصین کے امر پر بخاری شریف جلد اول کی شرح شروع کی ہے، الحمد للہ بہت اعتدال کے ساتھ چل رہے ہیں نہ تو زیادہ طویل ہے کہ طلبہ طول خاطر ہوں اور نہ ہی اتنا مختصر کہ تشنگی رہ جائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے تشنگان علوم نبوت کو سیراب فرمائیں اور اصل کی طرح بارگاہ قبولیت میں جو عنایت فرمائیں۔ وماذا لك على الله بعزیز و صلی اللہ علیہ وسلم خیر خلق محمد

والس و صحبہ اجمعین عر اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سخنہائے گفتنی

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي شَرَحَ صُدُورَنَا لِلْإِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ أُمَّةٍ حَبِيبَةٍ سَيِّدِ الْأَنَامِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ
وَالسَّلَامِ وَادْرَجَنَا فِي سُلْسَلَةِ عَقْدِ أَمْرِ دِينِهِ الْقَوِيمِ وَوَقَفَ أَقْلَامَنَا لِتَشْرِيحِ حَدِيثِ نَبِيِّهِ الْكَسِيِّ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَنَبِيُّهُ الَّذِي لَا نَبِيَّ
بَعْدَهُ صَلَّي اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ أَجْمَعِينَ صَلَاةً
وَسَلَامًا مَسْلُوسِينَ مَتَوَاتِرِينَ دَائِمِينَ غَيْرَ مُتَقَطِّعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ وَعَلَيْهِمَا مَعَهُم بِرَحْمَتِكَ
يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ وَيَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ وَيَا أَجْوَدَ الْأَجْوَدِينَ۔

امّا بعد۔ احقر نگاہ داس کا بن تھا کہ اجمع للکتاب بعد کتاب الشرح الصحیح البخاری کی شرح کہنے کی جرات کرے، مگر بیڑ
قلم و جہول اپنے رب کریم کی رحمت واسعہ کا بلا استحقاق امیدوار بنا دینے۔

کہاں میں اور کہاں یہ کہتے تھے : نسیم صبح تیسری ہیرا باقی
لیکن حق تعالیٰ رب العالمین جب کسی کو اپنے فضل و کرم سے نوازا نا چاہتا ہے اور کوئی عزت و شرف بخشنا چاہتا ہے تو اس کے لئے
کسی قابلیت کی چنداں ضرورت نہیں، وہ تو بہر حال ملکر ہی رہتی ہے۔

دو حق و قابلیت شرط نیست : بلکہ شرط قابلیت دار نیست۔

خدا نے ہم پر نازل دلائل کے لئے حدیث کراروں کا استواری سے تدلیسی خدمت کا شرف بخشا، چنانچہ تقریباً ۱۱۵ سال قبل ۱۹۵۵ء میں
صوبہ بہار کے مرکزی مدرسہ میں سے ایک مشہور و معروف مدرسہ ”مدرسہ رشیدیہ للعلوم حجازیہ“ کے اندر مسلم شریف اور ترمذی شریف وغیرہ کا
درس دیا، پھر چند سال ”مدرسہ تحفہ رشیدیہ“ اور مدرسہ رشیدیہ دیگھی ضلع بھاگلپور میں متوسطات پڑھانے کے بعد ۱۹۶۳ء میں مدرسہ عالیہ
فتیہ فرزہ شریف دیگھی سے خطوط آئے، احقر نے تدریس حدیث کے فرائض کو غنیمت سمجھ کر اور حاضر فرزہ شریف پر کرم دینی ماحول اور پرسکون
فضا دیکھ کر تقریباً بارہ سال رہا اور تدریس حدیث میں مشغول رہا۔ زیادہ تر احقر کے زیر درس بخاری شریف جلد اول اور تفسیر کشاف وغیرہ
رہی، یہاں بھی احقر نے اپنے معمولی کے مطابق تالیف و تصنیف ترجمہ و شرح کا سلسلہ جاری رکھا، چنانچہ تفسیر کشاف بقدر تصاب کے
مشکل مقامات کا حل، بالغیر ص عالیہ نوڈ کے سہ ماہیے گذشتہ کے سوالات کا حل بنام ”الشفاف نوٹ کشاف“، التقریر الکا فی نوٹ
بیضاوی، رد و حجتہ ہدایہ ثالث اور ہدایہ رابع کا نوٹ بنام سقایہ وغیرہ اسی مدرسہ تحفہ فرزہ شریف کے زمانہ میں لکھی، جو ہندوستان کے
مشہور و معروف کتب خانہ ”عاجی محمد سعید تاج کوٹہ ویسلی اسٹریٹ کلکتہ“ سے شائع ہوئیں اور بار بار اشاعت ہوئیں۔

بہار بخاری شریف کے سوالات کا حل بنام ”تحفۃ البہاری نوٹ صحیح البخاری“ بھی اسی زمانہ میں بھائی فرید صاحب مالک کتب خانہ لاہور کی

فرمانش بہ حق تعالیٰ تھی جس کی کذابت و تصحیح بھی چوبیس کی تھی، صرف طباعت باقی تھی کہ احقر کلکتہ چھوڑ کر چند ہی سال کے بعد کجرات کے معروف مدرسہ دارالعلوم تاراپور پہنچ گیا، جہاں صمیم بخاری شریف کامل اور جامع ترمذی کامل کا درس احقر کے سپرد کیا گیا۔

اس مقام پر حقیقت حال دیکھ کے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ مدرسہ دارالعلوم تاراپور جو معیار تعلیم کے لحاظ سے کجرات کا ایک عظیم مرکز ہے، سیرانی طلبہ کو دونوں وقت کھانے کے علاوہ ناشتہ اور چائے کا بھی مدرسہ ہی کی طرف سے نظم ہے۔ حضرت بہتم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی تمام لڑکے چوڑاٹا کے ساتھ شریک اسباق ہو جاتے ہیں۔

دارالعلوم تاراپور کے بانی و مہتمم حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دامت برکاتہم ایک خوار سیدہ بزرگ کے ساتھ ساتھ جید عالم اور اس دور کے عظیم محدث ہیں، بلاشبہ حق یہ تھا کہ بخاری خود پڑھاتے لیکن مدرسہ کا سارا نظام اور روح تنہا انھارے کے بعد تعمیری ترقیات کی فکر کی وجہ سے بخاری و ترمذی احقر کے سپرد فرمائی، اور خود اہتمام کی انتہائی مشغولیت کے باوجود طہادی شریف وغیرہ کا درس دیتے، مہتمم صاحب کا ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ تعلیمی نگرانی پر پوری توجہ فرماتے ہیں۔ احقر نے اکثر دیکھا کہ اساتذہ مسیح پڑھا رہے ہیں اور مہتمم صاحب درسگاہوں کے سامنے چہل قدمی نہ رہا کرتے ہیں۔ بظاہر نگاہ نہی ہے مگر پوری توجہ اساتذہ کی تقریر پر ہے، اب اگر کسی مدرسہ کے اندر ناقابل برداشت غامی دیکھی تو شبہاں میں سکھو دش کر دیا۔

احقر نے دو سال کے تدریس بخاری میں دیکھا کہ جلد اول کے شروع مثلاً ایضاح البخاری، فضل الہاری اور انوار الہاری وغیرہ طلبہ خریدتے اور مطالعہ کر لیتے ہیں، لیکن بخاری شریف جلد ثانی کیلئے کوئی اردو شرح دستیاب نہیں، حالانکہ بخاری جلد ثانی جلد اول سے زیادہ مشکل اور اہم ہے اسلئے کہ نصف پارہ کے بعد کتاب الوضوء سے مکمل، جلد اول فقہی مسائل و طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ، یہی جو تقریباً پانچ سال تک نوزل ایضاح سے ہدایہ تک طلبہ پڑھتے ہیں، پھر مشکوٰۃ میں پورے طور پر مسائل طلبہ کے سامنے آجاتے ہیں، لیکن بخاری شریف جلد ثانی کے مباحث بالکل نئے ہوتے ہیں۔

اور یہ خیال صرف احقر ہی کا نہیں ہے بلکہ ملک کے ایک عظیم محدث صاحب نسبت بزرگ یعنی شیخ الحدیث حضرت الحاج مولانا عبدالحی صاحب اعظمی دامت فیوضہم و برکاتہم سے احقر نے خود سنا، فرمایا، "سلامہ صاحب! بخاری جلد ثانی بہ نسبت جلد اول زیادہ مشکل ہے۔ طلبہ دورہ حدیث نے بار بار دریافت کیا کہ "حضرت کیا دیکھوں؟ کسی شرح کی رہنمائی فرمائیے، احقر نے ہمیشہ "صحیح التیسر" کا مشورہ دیا چونکہ شیخ العرب والعم شیعہ و استاد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلد ثانی کیلئے اصح التیسر دیکھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

لیکن حدیث پاک کا ترجمہ اور وہ اشکالات جو دوران و کس سامنے آتے تھے ان اشکالات کا حل "نرجزہ الباب کی حدیث پاک سے مطابقت وغیرہ کی شکایت باقی رہ جاتی، تو احقر نے باوجود احساس تہی دامن و ادکم علی کے جلد ثانی کی شرح بنام "نصر الہاری شرح بخاری" رب العالمین پر بکھر دے کر دی، اور دو سال تک خاموشی کے ساتھ بوقت فرصت کام کرتا رہا، جب معتد بہ حقہ یعنی بخاری شریف جلد ثانی کا سوا طرہاں پارہ مکمل اور سترہواں کا نصف سے زیادہ حصہ ہو گیا تو جناب مہتمم حضرت الحاج مولانا عبدالاحد صاحب مدظلہ العالی کو دکھلایا، تو مہتمم صاحب موصوف نے اظہارِ مسرت فرما کر نظر ثانی کے لئے تقریباً ایک ہفتہ سے زیادہ وقت دیا، پھر احقر نے کتابت کیلئے کاتب کے حوالہ کر دی اور کتاب المغازی کی تکمیل میں مشغول رہا۔ دارالعلوم تاراپور کے قیام میں احقر کا معمول یہ تھا کہ شبانہ اور شوال یعنی وطن جانے

اور آئے ہیں اپنے پیر و مرشد فقیر الامت خطیب ملت حضرت الحاج الشاہ مولانا حافظہ القاری مفتی مظہر حسین صاحب دامت فیہم و برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہفت عشرہ روزہ کا استفادہ کے بعد وطن یا مدرسہ پہنچنا، مگر ہر سال اور بار بار یہ کتاب ہوتی کہ کاش سیدی و مولائی حضرت اقدس مفتی صاحب دامت فیہم کے قریب رہے مہو قے میسر ہو جائے، چنانچہ مولانا نذر توحید جتوئی سے اس خیال و خواہش کا بار بار احقر نے اظہار بھی کر دیا تھا۔ اتنے میں مدرسہ مظاہر علوم و دقت، سہارنپور اخلاف کا شکار ہوا جسے بظاہر ایک عظیم حادثہ ہی سمجھا جائے۔ جس کی بنا پر مدرسہ مظاہر علوم کے دو کمرے ہو گئے، اور صحیحین کے استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی جدید مظاہر علوم چلے گئے۔ تو احقر کو حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم نے حکم دیا کہ اب گجرات سے تمام سامانوں کے ساتھ چلے آؤ، اور مدرسہ مظاہر علوم میں چارے ساتھ رہو۔ بس کیا تھا، ادنیٰ خواہش و تمنا پوری ہوئی، احقر حاضر مدرسہ ہو گیا، احقر کے دست بخاری شریف جلد ثانی اور سلم شریف کامل اور طحاوی شریف کے اسباق سپرد کیے گئے، جو تا دم آخر تحریرا احقر کے زیر دس ہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

پھر کینہ بخاری شریف جلد ثانی کی ارد و شرح یعنی الفہر الباری کتاب المغازی کا اکثر حصہ تو گجرات کی معروف درس گاہ "دارالعلوم تاراپور دی" میں لکھا کہ کتب کے حوالہ کر دیا تھا لیکن اس کی تشکیل ہندوپاک کی مرکزی و معروف درس گاہ "مدرسہ مظاہر علوم و دقت، سہارنپور" کی۔

مقام تشکر اب سب سے اہم اور مشکل مسئلہ یہ تھا کہ ساڑھے پانچ سو صفحات کی کتابت اور طباعت کیلئے سرمایہ کہاں سے آئے؟ اور کتب سے رقم کا مطالبہ شروع کر دیا، کچھ رقمیں ادا بھی کر دی گئیں، لیکن معمولی تنخواہ سے گھر کے ضروری اخراجات بھی پورا کرنا مشکل ہوتا تھا، اس لئے کتابت کی رقم رک جانے کی وجہ سے کتب صاحب کے کتابت بند کر دی، اور کتب شہہ اجراء و مسودہ کی داپھی کے لئے رقم کی ادائیگی مشروط قرار دی، میرے لئے انتہائی پریشان کن مسئلہ تھا کہ پروردگار عالم نے ایک عالم دین بزرگ، کو متوجہ کر دیا، یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مظاہر ہری مدظلہ العالی ناظم مجلس خیر سورت نے مبلغ پچیس ہزار روپے کی بڑی رقم دیکر حوصلہ افزائی فرمائی، اور کرم بلائے کرم یکساں رقم کی کتابتیں مجلس خیر سورت کے ہتھ پر چھاپ کر کتابیں سورت بھیجیں اور جو کچھ میرے پاس کچھ بھی رقم نہیں تھی تو سیدی و مولائی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم و دقت، سہارنپور نے کسی اہل خیر سے بطور قرض باقی رقم دلوائی، اور کتاب المغازی مکمل چھپ گئی۔

اور نام خدا و دوسری جلد یعنی کتاب التفسیر شروع کر دی، اسی دوران میں ایک محترم رفیق جناب مولانا محمد اسلام صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ دارالعلوم شاہ بیلولی سہارنپور نے مشورہ دیا اور پروردگار افرمایا کہ اس کے بعد بخاری شریف کا پہلا بارہ پہلی فرصت میں لکھئے، احقر نے وعدہ بھی کر لیا کہ آپ کا مشورہ بمنزل حکم ہے، اللہ الشرائع ای ہو گا۔

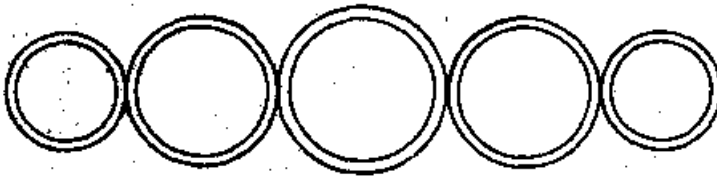
لیکن کتاب التفسیر کتاب المغازی سے ضخیم ہو گئی، تو مصیفہ میں کافی عذرت و اختصار پر بھی تقریباً آٹھ سو صفحات کی جلد ہو گئی، پھر کتابت و طباعت کے لئے سرمایہ کی فکر دامگیر ہو گئی، نیز کتابت کی اجرت دو گنی ہو گئی، انتہائی پریشان تھا مگر مسبب الاسباب رب العالمین نے میرے قلم بزرگ کے ذریعہ اس فکر کو دور فرمایا کہ حضرت الحاج مولانا عبد اللہ صاحب قاسمی مدظلہ العالی ہتم دارالعلوم تاراپور نے بیس ہزار بطور قرض عانت فرمایا، اور پورے گجرات کے سب سے عظیم کمر لیس دارالعلوم کنٹھاریہ کے ہتم حضرت الحاج مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم نے بطور قرض کتب ساڑھے باہ ہزار اور سیدی و مولائی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم و دقت، سہارنپور نے باقی رقم دیکر حوصلہ افزائی فرما کر احسان فرمایا۔ بڑی نامناسبی ہو گئی اگرچہ رفیق مولانا عبدالرحمن صاحب ہند شہری سابق مدرس مظاہر علوم و دقت، کا

مشکر بہ ادا نہ کروں کہ مولانا موصوف نے دس ہزار کی بڑی رقم عین وقت پر بھیجی۔

حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اسے پروردگار عالم ان کرم فرماؤں کو داریں میں اپنے خزانہ غیر متناہیہ سے اپنی شایان شان جملہ ترقیت سے مالا مال فرما۔ آمین۔

نیز تمام ناظرین سے میری گزارش و درخواست ہے کہ وہ ان معادین علماء کرام کو ادران کے ادارے کو دعواتِ صالحہ سے ہرگز فراموش نہ کریں، بلکہ ہمیشہ کے دعاۓ خیر فرماتے رہیں کہ حق تعالیٰ ان بزرگوں کے جان و مال میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین۔

احقر عبد اللہ الرحمن المدعو بحمد عثمان غفر اللہ عنہما ان اللہ ان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ
والمسلمین وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وعلینا معهم یا ارحم الراحمین۔

”مقدمہ“

ہمیشہ سے اہل علم اکابر اور مشائخ دینی کا دستور رہا کہ وہ ہر علم کے اندر ہر کتاب کے شرط میں خاص طور پر علم حدیث کے شرط سے قبل بطور
مقدمہ اس علم کے مبادی سے متعلق کچھ مباحث بیان کرتے ہیں تاکہ علمی وجہ البصیرت کتاب کا افتتاح ہو سکے۔
ان مباحث کو ”رؤس ثمانیہ“ کہا جاتا ہے جو آٹھ باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(۱) علم کی تعریف، (۲) موضوع (۳) غرض و غایت (۴) وجہ تسمیہ (۵) علم کی فضیلت (۶) مصنفات فی الحدیث کے احوال
(۷) علم کی تاریخ تدوین (۸) اجناس علوم میں اس کا مقام وغیرہ۔

اب بھی علم حدیث کے تمام اساتذہ اس جانب توجہ کو مفید سمجھ کر اپنی اپنی بصیرت کے مطابق کتب حدیث کی ابتدا میں کچھ ضروری ارشاد فرماتے
ہیں اس مقدمہ میں رؤس ثمانیہ مذکورہ کے علاوہ کچھ ضروری باتیں اس علم کے متعلق بیان کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس مقدمہ کے مباحث
”رؤس ثمانیہ“ کی ترتیب سے قدرے مختلف ہوں گے۔

بحث اول علم حدیث کی تعریف | حدیث کے لغوی معنی کلام کہہ ہی، یعنی لغت کے اعتبار سے ہر قسم کے کلام کو حدیث کہا جاتا ہے۔
اصطلاح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال تقریرات و احوال کو حدیث
کہتے ہیں، جیسا کہ مانظ ابن حجر نے فرماتے ہیں۔ الحدیث فی حدیث ما یضاهی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قولا وفعلا ووصفا وبقیہ اکتفاء اریحہ مقابلاتہ القصہ ان لفظ قد یعبر۔ یعنی حدیث شریعت کی
اصطلاح میں ہر وہ چیز ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہو چاہے قول ہو یا فعل، صفت ہو یا تقریر، تقریر کا مطلب یہ ہے
کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی فعل کرتے دیکھا اور سکوت فرمایا ہو۔

یہ تو مندرجہ حدیث کی تعریف تھی۔ اب علم حدیث کی تعریف ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ بدر الدین عینی نے یہ تعریف نقل کی ہے۔ ”فہو
علم بحدیث فیہ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واحوالہ“ (معجم الفقاری ص ۱) یعنی وہ علم
ہے جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کی معرفت حاصل ہو۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تعریف
بیان کی ہے۔

اقسام علم حدیث | یوں تو علم حدیث کی ساٹھ سے بھی زائد اقسام بیان کیے گئے ہیں، لیکن عام طور پر پہلے سے تین اقسام کے
بحث نہیں ہوتی ہے، بلکہ صرف روایت حدیث اور درایت حدیث کی بحث ہوتی ہے، چنانچہ علامہ ابن الاکفانی نے

”ارشاد القاصد“ میں لکھا ہے کہ علم حدیث کی ابتدا دو قسمیں ہیں۔ (۱) علم روایت الحدیث (۲) علم درایت الحدیث۔
علم روایت الحدیث | هو علم لا یشتمل علی نقل احوالہ صلی اللہ علیہ وسلم قولاً وفعلاً او تقریراً او وصفہ
 یعنی جس علم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو نقل کیا جائے، چاہے آپ کے اقوال کو نقل
 کیا جائے یا افعال و تقریر کو یا کسی صفت کو۔

اس تعریف میں احوال عام ہے جس میں افعال اختیاریہ کے علاوہ افعال غیر اختیاریہ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صلیب
 مبارک، آپ کی رفتار و رفتار آپ کی ولادت و وفات کے واقعات و روایات سب داخل ہیں، اس لئے عام طور پر حدیث کی تعریف
 ان الفاظ سے مشہور ہے۔ الحدیث ما اُضيف الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولاً وفعلاً او تقریراً
 او وصفہ حتی الحکامات و التکلیفات فی البیضة و المناہم۔

علم درایت الحدیث | وہ علم ہے جسکی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کی شرح معلوم ہو، یعنی
 الفاظ حدیث کے معانی و مطالب کو سمجھنا، اس سے مسائل کا استنباط کرنا، احادیث متعارضہ الظاہر
 میں تطبیق دینا وغیرہ درایت الحدیث کہلاتا ہے۔

حدیث اور سنت میں فرق | حدیث کا اطلاق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال پر ہوتا ہے جن میں جائز الاتباع
 اور منکر الاتباع دونوں قسمیں شامل ہیں۔ ممنوع الاتباع سے مراد حضور اقدس کے خصوصیات
 میں جیسے ایک وقت ازواج تسعة (نہ بیویوں) کو اپنے نکاح میں رکھنا، اسی طرح منوم وصال وغیرہ، کبر افعال حضور اقدس کے
 خصوصیات میں سے ہیں، امت میں سے کسی مسلمان کے لئے ایک وقت چار بیویوں سے زیادہ جائز نہیں، بالکل حرام ہے۔
 ہر حال لفظ حدیث دونوں قسموں کو شامل اور عام ہے، بخلاف سنت کے، کہ سنت کا اطلاق صرف جائز الاتباع پر ہوتا ہے
 ممنوع الاتباع پر سنت کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے ارشاد نبوی ہے: ”علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین
 المہدیین“ نیز ارشاد دگر ای ہے، ”ترکت فیکم امر بن لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنتہ
 سر سولہ“ آپ نے ”حدیث رسولہ“ نہیں فرمایا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ حدیث اور سنت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، کہ حدیث عام ہے
 اور سنت خاص

حدیث و خبر | بعض حضرات کے نزدیک دونوں مساوی و مترادف ہیں، لیکن راجح قول یہ ہے کہ ان دونوں میں علوم
 خصوص مطلق کی نسبت ہے، خبر عام ہے اور حدیث خاص، اس طرح کہ حدیث تو حضور اقدس کے ساتھ
 خاص ہے اور خبر کا اطلاق احادیث پاک کے علاوہ اخبار مملوک پر بھی ہوتا ہے۔ اور اخبار مملوک کو حدیث نہیں کہا جاسکتا، خبر کے
 عمومی کی وجہ سے اخبارات کو اخبار کہتے ہیں۔ لیکن حضرات محدثین حدیث و خبر، اسی طرح از و سنت میں ایک کو دوسرے کی جگہ
 بکثرت استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی کتاب ”شرح معانی الآثار“ اور حدیث کی مشہور کتاب ”مشقی الاخبار من
 کلام سید البراءہ“ مثلاً ہے۔

حدیث قدسی

قدسی، کلام کی طرز منسوب ہے، لفظ قدس بضم قاف اور کون اللہ تعالیٰ، ہر دو صورت میں اصل معنی پاک کن ہے، اسی سے ارض مقدسہ اور بیت المقدس ماخوذ ہے، اسمائے حسنی یعنی حق تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام قدس بھی ہے جس کا مفہوم دہنی ہے ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ذات۔

احادیث کو قدس کی طرف نسبت کرنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ ان احادیث کے معنی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہیں، چنانچہ احادیث قدسیہ کو احادیث الہیہ و احادیث ربانی بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانہ سے بلا واسطہ صبریل علیہ السلام (یا رب) یا سے صادقہ کے ذریعہ اپنے الفاظ میں نقل فرمائیں، جیسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ کتب کتابا قبل ان یخلق الخلق ان رحمۃ سبقت غضبی فهو مکتوب عندا فوق العرش (بخاری ص ۱۲۴) خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث میں نسبت الی اللہ کی تصریح ہو وہ حدیث قدسی ہے اور جہاں نسبت الی اللہ کی تصریح نہیں ہے وہ حدیث حدیث نبوی ہے۔

الفرق بین الحدیث القدسی والقرآن

قرآن حکیم اور حدیث قدسی میں کئی طرح سے فرق بیان کیا جاتا ہے مثلاً قرآن مجید معجز ہے اور حدیث قدسی معجز نہیں۔

مثلاً قرآن مجید کے الفاظ اور معانی دو لال کا من اللہ ہونا ضروری ہے اور حدیث قدسی میں صرف معنی و مفہوم کا من اللہ ہونا ضروری ہے۔ حدیث قدسی کی نسبت جس طرح حق تعالیٰ کی طرز ہوتی ہے، اسی طرح خبر ہونے کی حیثیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز بھی ہوتی ہے۔ بخلاف قرآن پاک کے، کہ اس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی جاسکتی ہے۔

مثلاً قرآن پاک ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں توازن کے ساتھ منقول ہے لیکن حدیث قدسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

مثلاً قرآن پاک کی ادائیگی قرآن مجید کی قرات ہی سے ہوتی ہے، حدیث قدسی سے نہیں ہوتی۔

مثلاً قرآن حکیم کا منکر کافر ہے اور حدیث قدسی کا منکر کافر نہیں۔

دوسری بحث حدیث کا موصوفہ

علامہ عینی فرماتے ہیں، "فموضوع علوم الحدیث هو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، و سلمون حیث انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

و سلمون (عہدہ) یعنی من حدیث کا موصوفہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حیثیت کی قید سے سارا اعتراض اٹھتا اور اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

تیسری بحث غرض و غایت

علم حدیث کی غرض و غایت ہے الاہتداء بجمہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے ہدایت یا ہونا۔

(۲) علامہ مائی فرماتے ہیں، "الفوج بسعادۃ المستارین" یعنی دونوں جہان کی سعادت حاصل کرنا۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے قول سے اجمالی طریقہ پر علم حدیث کی غرض و غایت معلوم ہوگی، لیکن تفصیل طور سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ علم حدیث کا اہم ناکوہ یہ ہے کہ مستعمل بالحدیث میں صحابیت کی شان پیدا ہوتی ہے۔

اهل الحديث هم اهل النبي وان : ليرى صلبوا انفسه الفاسه صلبوا

۱۳۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی عمر من و غایت کیلئے صرف اتنا کافی ہے کہ اس میں اللہ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس احوال و اقوال ہیں، ہم محبت رسول میں اور آپ سے کبھی محبت کے دعویدار ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے وطن سے، اس کے درد و پرہیز سے، اس کے جملہ آثار سے کبھی محبت ہو جاتی ہے، اس کے تذکرہ میں مزہ آ جاتا ہے، محبوب کا خط آ جائے تو کبھی چومتا ہے کبھی آنکھوں سے لگاتا ہے، ایک ایک جملہ کو بار بار پڑھتا ہے، اور ہر مرتبہ قند مکر کا لطف حاصل کرتا ہے، اس کی ہر ادھر ہٹتا ہے۔ پس جب ہم محبت رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے قلب میں ساری مخلوق سے زیادہ ہے تو ہمیں علم حدیث اسلئے پڑھنا چاہیے کہ محبوب کا کلام ہے اور اس کو محبوب کے ساتھ نصیبت ہے، اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو انشاء اللہ ضرور لذت و حلاوت حاصل ہوگی۔

پھر حضرت شیخ (یعنی شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب) نے فرمایا کہ علم حدیث کی تعریف کا خلاصہ تذکرہ ہے اور موضوع کا خلاصہ عظمت، اور عرض و غایت کا خلاصہ لذت، پس اگر علم حدیث کو تذکرہ، عظمت اور محبت کے ساتھ پڑھو گے تو انشاء اللہ غایت مرتب ہوگی، درجہ جیسی نیت و ایسی برکت (امداد الباری ص ۱۷)۔

۱۴۔ مشتعل بالحدیث، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق پیدا ہوتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھنے پڑھانے اور تکمیل سلوک کے بعد حرمین شریفین کا سفر کیا وہاں ان کو کچھ مبشرات نظر آئے، روحانی فیوض حاصل ہوئے، جن کو حضرت شاہ صاحب موصوف نے اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں جمع کیا ہے۔

اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کی جانب توجہ کی تو مجھے محسوس ہوا کہ نبی اکرم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے نور کے خطوط دھماگے، نکل رہے ہیں اور ہر مشتعل بالحدیث کے قلب تک یہ نورانی دھماکہ جا رہا ہے۔

پھر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے میری کتاب کے دیکھنے والو، تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم حدیث کا شغل قائم رکھو تاکہ وہ نورانی دھماکہ (نور کا کشن) تمہارے سینے کے ساتھ قائم رہے۔ اشتغال خواہ درس و تدریس کی صورت میں ہو خواہ تصنیف و تالیف کی، خواہ مطالعہ کی صورت میں، بہر حال حدیث پاک کا شغل ضروری ہے۔

چوتھی بحث وجہ تسمیہ | اس فن کو فن حدیث کہتے ہیں، فن حدیث کی وجہ تسمیہ یعنی اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں تسمیہ کیا ہے؟ اقوال مختلف ہیں۔

۱۔ حدیث کے لغوی معنی کلام کے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو حدیث کہا جاتا ہے۔ رہا یہ اشکال کہ احادیث تو صرف آپ کے کلام یعنی اقوال ہی نہیں ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال بھی ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ احوال و افعال کو تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

۲۔ حدیث بمعنی حادث ہے قال العلامة السیوطی فی التدریب ص ۳۲ الحدیث اصلہ ضدّ القدیم

وقد استعمل في قليل الخبر وكثيره لانه يحدث شيئا هشيئا. یعنی حدیث اصل لغت کے اعتبار سے قدیم کی ضد ہے، اس لئے ہر حادث کو حدیث کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ حدیث کا لفظ بھی حادث پر دلالت کرتا ہے اور خبر بھی یک ایک صادر نہیں ہوتی، بلکہ یکے بعد دیگرے صادر ہوتی ہے، تو چونکہ کلام اللہ قدیم ہے اس لئے کلام الرسول کو حدیث کہہ دیا گیا۔

۳۔ آل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل کو حدیث کہے گا ماخذ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعضے ارشادات ہیں، ارشاد نبوی ہے "حدثوا عني ولا حس" نیز مسلم شریف کی روایت ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو واحد الكاذبين۔" پانچویں بحث فضیلت علم حدیث مشرقت اور فضیلت کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر ہے اور اول مرتبہ کہتے ہیں یعنی قرآن حکیم کا ہے، اصول فقہ کی کتابوں میں اس کو اصل ثانی قرار دیا گیا ہے، حضرت زہریؒ کی روایت ہے قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لعن الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه الحديث (ابوداؤد ص ۵۱)۔

نیز امام ترمذیؒ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے (ترمذی ص ۵۱) یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو توبہ تازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اس کو یاد کیا تاکہ دوسروں تک پہنچائے۔ بس علم حدیث کی فضیلت کے لئے یہ کافی ہے کہ مشغل ہا حدیث کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ علم حدیث تو ایسا علم ہے جو سارے علوم دینیہ کی اصل ہے، کہ یہ قرآن مجید کی تفسیر بھی ہے اور فقہ کی اصل بھی ہے اور تصوف کا ماخذ بھی۔

بحث سادس النواع المصنفات في الحديث | علم حدیث میں مختلف حیثیتوں سے کتابیں لکھی گئی ہیں، محدثین مختلف نے احادیث جمع کرنے میں مختلف اسلوب و طریقے تجویز کئے ہیں چنانچہ مصنفات فی الحدیث یعنی کتب حدیث وضع اور ترتیب مسائل کے اعتبار سے بہت سے اقسام ہیں، جن میں سے ہر ایک کا ایک خاص اصطلاحی نام ہے، یہاں سب کو بیان کرنا مشکل ہے۔ اس لئے صرف چند مشہور انواع کو بیان کرتا ہوں جن کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ کتب حدیث کے مشہور اقسام سات ہیں (۱) الجوامع۔ یہ جامع کی جمع ہے، جامع حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن میں آٹھ مضامین کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں جن کو کسی نے ایک شعر میں جمع کر دیا ہے۔

۲۔ سیر آداب و تفسیر و عقائد۔ فتن و احکام و شرائط و مناقب سیرت کی جمع ہے یعنی وہ مضامین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدمہ کے واقعات پر مشتمل ہیں ۳۔ آداب۔ ادب کی جمع ہے، مراد ہیں آداب العاشرت، مثلاً کھانے پینے کے آداب۔ ۴۔ تفسیر۔ یعنی وہ احادیث جو قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق ہیں۔

عقائد :- وہ احادیث جن کا تعلق عقائد سے ہے۔

فتن :- فتنہ کی جمع ہے، یعنی وہ بڑے بڑے واقعات جن کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

احکام :- یعنی احکام علیہ جن پر فقہ مشتمل ہوتا ہے۔

اشیاء :- یعنی علامات قیامت۔

مناقب :- مناقب کی جمع ہے یعنی صحابہ کرام اور صحابیات اور مختلف قبائل کے فضائل۔

غرض جو کتاب ان مضامین ثنائیہ پر مشتمل ہو اسے "جامع" کہا جاتا ہے۔

صحابہ ستہ میں سے صحیح بخاری شریف اور ترمذی شریف کے جامع ہونے پر اتفاق ہے البتہ صحیح مسلم شریف کے

بارے میں اختلاف ہے لیکن صحیح اور حقیقی یہ ہے کہ صحیح مسلم بھی جامع ہے۔

(۲) التثنی :- حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن میں احکام کی احادیث کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہو، جیسے نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ، اس اعتبار سے ترمذی شریف کو بھی کہنا جاسکتا ہے کہ اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ کتاب الایمان سے شروع کرنے کے ترمذی شریف کو کتاب الطہارت سے شروع کیا گیا ہے، چنانچہ سنن ابولح کا لفظ بول کر یہی چار کتابیں مراد لی جاتی ہیں، انسانی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔

(۳) المسانید :- مسند کی جمع ہے، ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں احادیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہو، یعنی ایک صحابی کی تمام روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو، خواہ کسی مسئلہ سے متعلق ہو، پھر دوسرے صحابی کی وہ توجہ ہے۔ پھر اس ترتیب میں بھی مختلف صورتیں ہیں، بعض حروف تہجی کا لحاظ کرتے ہیں یعنی سب سے پہلے ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایتوں کو جمع کرتے ہیں جن کے نام کے شروع میں ہمزہ (یعنی الف) ہو، اس صورت میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مقدم ہوں گے۔ بعض تقدم فی الاسلام کا لحاظ کرتے ہیں، پس جو شخص اسلام لانے میں مقدم ہو گا اس کی روایتوں کو پہلے جمع کر دیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ مگر مسند کی یہ قسم مفقود ہے۔

بعض محدثین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مراتب کے لحاظ سے مسانید لکھی ہیں، ان میں سب سے اول خلفاء راشدین علی ترتیب الخلاف، پھر بقیہ مشرہ مبشرہ، پھر اصحاب بدر پھر مشرکہ بیعت الرضوان، پھر فتح مکہ سے قبل ہجرت کرنے والے، پھر فتح مکہ کے موقع پر سلمان ہونے والے، پھر اصحاب صحابہ، پھر مردوں کے عورتوں کی احادیث اس طرح پر کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مقدم کیا جائے گا، اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سے روایات نہیں ملتی مگر روایات قلیلہ سیدۃ النساء اہل البیت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں اس لئے کہ تمام صاحبزادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی میں انتقال فرما گئیں، مرن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں پھر ان کی بھی وفات ہو گئی۔ اس لئے ان سے بھی روایتیں زیادہ نہیں ہیں۔

(۴) معاجرو :- معجم کی جمع ہے، معجم وہ کتاب ہے جس میں شیوخ و اساتذہ کی ترتیب پر حدیث کو جمع کیا گیا ہو، اس طرح پر کہ پر شیخ کی تمام احادیث کو یکجا کر دیا گیا ہو، خواہ کسی مضمون کی ہو جیسے معجم طبرانی۔

(۵) جلد ۱۶۔ وہ کتاب جس میں صرف ایک مسئلہ سے متعلق روایات کو جمع کر دیا گیا ہو، جیسے جزاء القراءۃ، جزاء رفع الیدین، جغاتیہ۔
(۶) مفرد (۷) غریب (۸) مستخرج (۹) مستدرک وغیرہ۔

بحث سابع اجناس علوم میں اس کا مقام | علوم کی اجناس مقرر ہیں اور اس کی تقسیم مختلف طریقہ سے کی گئی ہے۔
مثلاً یہ علم عقل ہے یا نقلی، عقل جیسے منطق، فلسفہ، نقلی ہے تو پھر
اس کی بھی دو قسم ہیں، شرعی ہے یا غیر شرعی؟ پھر شرعی کی بھی دو قسم ہیں، اصلی یا فرعی۔ اس تفصیل کے بعد کیا جائیگا کہ علم حدیث
نقلی شرعی اصلی ہے، نقلی ہوتا تو صاف ظاہر ہے کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال ہی نقل کئے جاتے ہیں۔
اور شرعی اس لئے کہ اس پر دین و شریعت کا مدار ہے، احکام شرعیہ کی تفصیلات اسی سے معلوم ہوتی ہیں۔ اصلی اس لئے کہ اصول
شرع میں سے اصل دوم یہی ہے۔

بحث ثامن حکم شرعی | علم حدیث کا شرعی حکم یہ ہے کہ جس علاقہ میں صرف ایک ہی مسلمان ہو وہاں وہاں تو علم حدیث پڑھنا
فرض عین ہے، اور جہاں بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے۔ سفیان ثوری درم فرماتے
ہیں: لا اعلم علما افضل من علو الحدیث لمن اراد به وجہ اللہ تعالیٰ ان الناس یحتاجون
الیہ حتی فی طعامہم وشرابہم فہو افضل من التطوع بالصلاۃ والصیام لانه فرض
کفایہ۔

یہی حکم علم فقہ کے، کیونکہ احادیث کی تفصیل و تشریح فقہ پر ہی موقوف ہے۔

حجیت الحدیث | پوری دنیا کے علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کے بعد حدیث پاک دین کا دوسرا اہم ماخذ
اور اصول ہے، اسلام میں تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو مستفقہ طور پر محبت سمجھا جاتا تھا،
حتیٰ کہ معتزلہ ظاہر ہوئے ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا، انہوں نے حشر و نشر، رویت ہادی تعالیٰ، وزن اعمال اور اس قسم کی
ادعا حدیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا اور اپنے اس مزاجی فساد کی وجہ سے اخبار متواترہ کے سوا البقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا
اور بہت سی قرآنی آیات میں جو اپنے مذاق کے خلاف دیکھیں تاویلیں کر ڈالیں۔

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ: "اہل سنت، خوارج، مشیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث
کو جو ثقہ زویلہ سے منقول ہوں برابر قابل محبت سمجھتے رہے یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے
اس اجماع کے خلاف کیا (ترجمان السنۃ جلد اول ص ۱۱۰ بحوالہ الاحکام ص ۱۱۰)۔

حافظ ابن حجر نے اربعہ علی حیاتی معتزلی سے نقل فرمایا کہ حدیث کی محبت کیلئے عزیز ہونا شرط ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے
کہ انکے حدیث سے ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط
بنیاد پر قائم ہو گئی تھی لیکن انیسویں صدی میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی نظریاتی تسلط پڑھا تو دین سے ناواقف مسلمانوں کا
ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی انکار سے بے حد مرعوب تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی بغیر تقلید مغرب کے حاصل نہیں ہو سکتی اور
اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اسلئے اس نے اسلام تحریف کا سلسلہ شروع کیا تاکہ اسے

مغربی انکار کے مطابق بنایا جائے کہ اس طبقہ کو ماہل تجدید کہا جاتا ہے۔ اسکی صاف ظاہر ہے کہ اس دور کا فتنہ علم و فہم پر مبنی نہیں بلکہ جہل و عناد پر مبنی ہے، اس کا مقصد مذہب کی گرفت ڈھیلی کرنا اور اس کو ایسی صورت میں پیش کرنا ہے جو ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے، اس لئے اب انکار حدیث کے لئے کسی بڑی دلیل کی ضرورت بھی نہیں رہی بلکہ صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے بقیہ تمام احادیث کو بے دلیل کر دیا گیا۔

ہندوستان میں سید احمد خاں، مصر میں ملا حسین، ترکی میں ضیا گوک اسب اس طبقہ کے رہنما ہیں، اس طبقہ کے مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے تھے جب تک حدیث کو راستہ سے نہ ہٹایا جائے کیونکہ احادیث میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ایسی مفصل ہدایات موجود ہیں جو مغربی انکار سے صراحتہ متصادم ہیں۔ چنانچہ اس طبقہ کے بعض افراد نے حدیث کو حجت ماننے سے انکار کیا، یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سید احمد خاں اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کی لیکن انہوں نے انکار حدیث کے نظریہ کو عملی الاعلان اور بوضاحت پیش کرنے کے بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف نظر آئی اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو اور ساتھ ہی کہیں کہیں اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجودہ دور میں حجت نہیں ہونی چاہئیں، اور اس کے ساتھ بعض مقامات پر مفید مطالب احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا رہا۔ اسی ذریعہ سے تمہارتی سود کو حلال کیا گیا، معجزات کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سند جواز دی گئی۔

ان کے بعد نظریہ انکار حدیث میں اور ترقی ہوئی اور یہ نظریہ کسی قدر منظم طور سے عبداللہ جگر الوی کی قیادت میں آگے بڑھا، یہ ایک فرقہ گاہانی تھا جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا تھا، اس کا مقصد حدیث سے کلیتہً انکار کرنا تھا، اس کے بعد اسلم جبر اجپوری نے اس نظریہ کو اور آگے بڑھایا یہاں تک کہ غلام احمد پر دیز نے اس فتنہ (فتنہ انکار حدیث) کی باگ ڈور سنبھالی اور اسے ایک منظم نظریہ اور مکتب فکر کی شکل دیدی، نوجوانوں کے لئے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی اس لئے اس کے زمانے میں یہ فتنہ سب سے زیادہ پھیلا، ہم یہاں اس فتنہ کے بنیادی نظریات پر مختصر گفتگو کرینگے۔

منکرین حدیث کے تین نظریات منکرین حدیث کی طرف سے جو نظریات اب تک سامنے آئے ہیں وہ تین قسم کے متضاد نظریات و خیالات ہیں۔

(۱) قرآن سمجھنے کیلئے حدیث کی حاجت نہیں ہر شخص اپنے دماغ و عقل سے قرآن مجید سمجھ سکتا ہے، حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ صرف قرآن مجید ہو چکا تھا، اطاعت صرف قرآن کی واجب ہے۔ آپ کی اطاعت من حیث الرسول نہ صحابہ پر واجب تھی اور نہ ہم پر واجب ہے (معاذ اللہ) اور وحی صرف منقولہ ہے اور وحی غیر منقولہ کوئی چیز نہیں ہے۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے وہ صرف حضور کے زمانے کے ساتھ مخصوص تھے ہر زمانے کے لحاظ سے ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔ یعنی آپ کے ارشادات و احکام آپ کے زمانے میں حجت تھے ہم پر حجت نہیں۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل یعنی حدیث پاک حجت تو ہے لیکن موجودہ احادیث ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں ہوئیں، اسلئے ہم انھیں ماننے کے مکلف نہیں۔

منکرین حدیث کے ان مختلف اور متضاد خیالات دیکھ کر اہل علم و عقل کے لئے دو مشقوں میں سے ایک کا تسلیم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے یعنی یا تو ان کو محضوں اور دیوانہ سمجھ کر مفرد خیال کیا جائے یا یوں کہا جائے کہ ان کا کوئی نصب العین اور نظریہ معین نہیں ہے بلکہ اس ساری تنگ و دوسے ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے ہر طرح سے آزادانہ زندگی بسر کریں اس لئے جس قسم کا مونیع پاتے ہیں دیسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔

اس وقت ہم ان تین قسم کے متضاد نظریات میں سے ہر ایک پر مختصر بحث کرتے ہیں۔

(۱) نظریہ اولیٰ کی تردید | وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا بِالْآيَةِ بَيِّنَةٍ ۚ ع ۱۶ اس آیت میں وحی کو ارسال رسول کے مقابلہ میں ذکر

کرنا دال ہے کہ بغیر ارسال رسول کے بھی وحی ہوتی ہے، یہی وحی غیر متلو (یعنی حدیث) ہے۔ (۲) ارشاد الہی ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتُمْ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ (پ ۱۷) اس آیت میں القبلۃ سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کی طرف رخ کرنے کے حکم کو باری تعالیٰ نے جعلنا کے لفظ سے اپنی جانب منسوب فرمایا، حالانکہ پورے قرآن حکیم میں کہیں بھی بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم مذکور نہیں، لہذا محالہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ تھا اور اسے اپنی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ وحی غیر متلو کا حکم بھی اسی طرح واجب التعمیل ہے جس طرح وحی متلو کا۔

(۳) ارشاد خداوندی ہے۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ (پ ۱۸) یہ آیت غزوہ اہد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں انزال ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا، حالانکہ قرآن میں موقع بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں، معلوم ہوا کہ انزال ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

(۴) ارشاد ربانی ہے۔ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلَوْنَ أَنْفُسَكُمْ ۚ (پ ۱۹) اس آیت میں سے رمضان المبارک کی رات میں جماع کرنے کو خیانت سے تعبیر کیا گیا اور بعد میں اس کی اجازت دیدی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں رمضان المبارک کی رات میں جماع کرنا حرام تھا حالانکہ یہ حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں، لہذا محالہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ تھا۔

(۵) وَإِذْ يَخِذُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغْمِ إِذْ هَبَّتِ الْغُلَامُ ۚ (پ ۲۰) اس میں بھی جس وعدہ کا ذکر ہے وہ وحی غیر متلو کے ذریعہ ہوا تھا، کیونکہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

(۶) وَإِذْ أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَشَرَ مَنَافِعَ ۚ (پ ۲۱) عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلَوْنَ أَنْفُسَكُمْ ۚ (پ ۲۲) قَالَ نَبَاتِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (پ ۲۳) سورہ تحریم

اس میں صاف مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پورا واقعہ اللہ تعالیٰ نے حفصہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

ظاہر فرمادیا اور قرآن میں کہیں یہ واقعہ مذکور نہیں، لہذا محالہ یہ دجی غیر متلو کے ذریعہ تھا۔

(۷) سَيَقُولُ الْخَلَفَاءُ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِلِكُمْ تَتَذَكَّرُونَ وَهَذَا رُؤْيَا نَسْتَكْفُرُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامِ إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامِ لَكُمْ عَذَابٌ أَكْبَرُ اللَّهُ قَالَ الْكُفَرَاءُ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِئٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامِ

اس آیت میں تصریح فرمائی جارہی ہے کہ منافقین کو غزوہ غیر میں شرکت کی اجازت نہ دے گا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے کر دیا تھا حالانکہ اس آیت کے علاوہ اس فیصلہ کا قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ وحی غیر متلو سے ہوا تھا۔

(۸) لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِذْ رَفَعُوا

اس آیت مبارکہ میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ایک ڈاکے کی طرح محض پیغام پہنچا دینا ہی نہیں تھا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلم اور مسلمانوں کے لئے مزی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا شرف من جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگا گیا، آپ اس فرض منصبی کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے کسی آیت کے بارے میں دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تھے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش فرما دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوت ملن اور معام کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں؟ اور اگر دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے؟ اور اپنی زبان سے کوئی تشریح نہ کرے، معلم کا فرض ہے کہ کتاب کے محملات کی تفسیر اور تشریح کرے، طلبہ کے اعتراضات اور اشکالات کو حل کرے، کتاب کے مفہوم اور مضامین کو واضح طور پر سمجھائے، اگر قرآن مجید کے لئے حدیث کی ضرورت ہی نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے تو پرہیز (علیہ ما علیہ) نے معارف القرآن لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہ ہو ادا اس گستاخ (خاک بدھنش) کی تفسیر قبول ہو۔

بلاشبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و فعل سے قرآن مجید کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ فرماتے تھے۔

(۹) وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ لَا يَهْدِي اللَّهُ ذَلَالًا

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین و تشریح ہے۔

(۱۰) قرآن حکیم میں جگہ جگہ أَطِيعُوا اللَّهَ کے ساتھ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کے الفاظ مذکور ہیں جو صراحۃً بحیث حدیث پر دلالت کرتے ہیں، اس کے بارے میں منکرین حدیث عثمائیہ کہا کرتے ہیں کہ یہ اطاعت بحیثیت حجت فی التشرع ہونے کے نہیں بلکہ بحیثیت مرکز ملت یا حاکم ہونے کے ہے یعنی آپ کے ارشادات ایک حکمران کی حیثیت سے آپ کے زمانہ کے لوگوں کے لئے واجب العمل تھے اور آپ کے بعد جو بھی حاکم آئے اس کی اطاعت کی جائے گی نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اس کے دو جواب ہیں، پہلے ایک یہ کہ حاکم کی اطاعت کا ذکر مستقل طور سے آگے کیا گیا ہے یعنی اولی الامر منکر، لہذا اطاعت رسول کو اس پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے یہاں اطيعوا الرسول میں اطاعت کی علت رسالت ہے نہ کہ حاکمیت۔

(۱۱) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُخَيَّمُوا بِكَ فِيمَا تُنْجِرُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يُغْنِي عَنْهُمُ غَضَابًا قَاسِيًا وَيُسَلِّمُوا سَلِيمًا (پہ ۶۷) اس آیت سے صاف واضح ہے کہ آپ کے ارشادات کی اطاعت نہ صرف واجب بلکہ مدار ایمان ہے۔

(۱۲) قرآن مجید میں کچھ مقامات پر انبیاء سابقین کی احادیث منقول ہیں اور ان کے ارشادات کو ان کی امتوں کے لئے واجب العمل تسلیم کیا گیا ہے اور مانع ہر عذاب نازل کیا گیا ہے، یہ بات حجت حدیث کی واضح دلیل ہے۔

(۱۳) انبیاء سابقین میں سے متعدد حضرات ایسے ہوئے ہیں جن پر کوئی کتاب نہیں اتری، اگر ان کے ارشادات واجب العمل نہ تھے تو انہیں بھیجا ہی کیوں گیا؟

(۱۴) قرآن کریم میں حضرت ہر ایم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں ذبح و دلد کا حکم دیا گیا تھا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ وحی غیر منکوبہ۔

عقلی دلائل قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے اور اس کی تشریح و تفصیل حدیث میں ہے، نمازوں کے انگنائے خمسہ، تعداد رکعات، فرائض و واجبات کی تفصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک قربانی وغیرہ، نیز خرید و فروخت، امور خانہ داری، ازدواجی معاملات اور مباشرت کے قوانین، ان سب امور کی تفصیلات اور ان پر عمل کے طریقے سب احادیث نے بتائے، لہذا احادیث حجت نہیں تو اَقِمُوا الصَّلَاةَ پر عمل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ صلوٰۃ کے معنی عربی لغت کی رُو سے تحریک العلویں ہے لہذا اَقِمُوا الصَّلَاةَ کا مطلب یہ ہے کہ قفس کے اوڑے قائم کرو تو اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

نیز بول دہرا اور کہتے، گیدڑ وغیرہ کی حرمت کا قرآن مجید میں ذکر نہیں، چنانچہ اس اعتراض سے بچنے کے لئے منکرین حدیث ان جملہ اشیاء غیبیہ کی حلت کے قائل ہیں بلکہ محمد صبح ایڈوکیٹ لکھتا ہے کہ قرآن میں مذکورہ چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا حرام ہے، کھانے سے انکار کرنا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔ (ارشاد القاری بحوالہ طلوع اسلام جون ۱۳۷۷ء) یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا سنی کر پیشاب یا خاند وغیرہ کا کھانا حرام ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر مذکورہ چیزیں مشہاد روز مرے لیکر کھاتے ہوں گے۔ سورۃ الشرحہ۔

(۲) مشرکین عرب کی یہ خواہش تھی کہ کتاب اللہ کو اسطر رسول بھیجنے کے بجائے براہ راست ہم پر اتارا جائے، حَتَّىٰ نُنَزِّلَ عَلَيْكَ مَائِدًا تَقَرُّوْكَ، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں معجزہ بھی زیادہ ظاہر ہوتا اور مشرکین کے ایمان لانے کی امید بھی زیادہ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا۔

یا ان کی توضیح کیلئے کسی رسول کی حاجت نہیں۔

(۳) منکرین حدیث کہتے ہیں کہ آیت کریمہ "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (الایہ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے ان انوں کی طرح ان قرار دیا گیا ہے لہذا یہ آیت صریح ہے کہ آپ صبر نازل ہوئے والی وحی منلو تو واجب الاتباع رہے لیکن خود آپ کے ارشادات واجب العمل نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ استدلال آیت کو اس کے سیاق سے الگ کر کے کیا گیا ہے، درحقیقت یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں آئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کیا کرتے تھے، جواب میں فرمایا گیا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں اس لئے اپنی مرضی سے معجزہ دکھانے پر قادر نہیں، تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مِثْلُكُمْ میں تشبیہ صرف عدم القدرة علی المعجزہ بذریعہ اللہ میں ہے من کل الوجہ نہیں۔ دوسرے اسی آیت میں دوسرے انسانوں کے ساتھ ماہ الفرق وحی کو تسلیم کر دیا گیا ہے اور وحی کا لفظ مطلق استعمال کیا گیا ہے جو وحی منلو اور غیر منلو دونوں کو شامل ہے، لہذا اس سے واجب الاتباع نہ ہونے پر استدلال محض لغوی ہے۔

(۴) منکرین حدیث ان واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل پر قسراں کریم میں عتاب نازل ہوا مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دینا، ان کا کہنا یہ ہے کہ اس واقعہ میں قرآن مجید نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ رضا خداوندی کے موافق نہ تھا، اس لئے آپ کے اقوال داخل کو علی الاطلاق کیسے حجت کہا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان واقعات میں بیشک آپ سے اجتہادی لغزش ہوئی جس پر بذریعہ وحی تنبیہ کر دیا گیا لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی واقعہ حقیقت حدیث پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جب تک قرآن نے اس لغزش اجتہادی پر تنبیہ نہیں کی اس وقت تک تمام صحابہ رضائے اس حکم پر آپ کا اتباع کیا اور جب قرآنی تنبیہ نازل ہوئی تو اس میں آپ پر تو یہ مجبوراً عتاب ہوا کہ مَا كَانَ لِطَيْبِي أَنْ يَكُونَ لَكَ أَشْرَى (الایہ) لیکن صحابہ رضائے کوئی عتاب نہیں ہوا کہ اس فیصلہ میں انہوں نے آپ کی اتباع کر کے اپنا فریضہ ادا کیا تھا اور آپ کے فیصلہ کی تمام تر ذمہ داری خود آپ پر تھی۔

(۵) منکرین حدیث اس واقعہ سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں آپ نے انسا و مدینہ کو تائید و تائید سے منع فرمایا صحابہ کرام نے تائید کو چھوڑ دیا تو پیدادار گھٹ گئی اس پر آپ نے فرمایا "أَشْتَرُ أَعْلَمُ بِمَا مَوْرَدُ نِيَاكُم" یعنی اسی معاملہ میں میری اتباع تم پر واجب نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی رد حقیقت میں ایک وہ ارشادات جو آپ نے بحیثیت رسول بیان فرمائے۔ اور دوسرے وہ ارشادات جو شخصی مشوروں کی حیثیت میں صادر ہوئے رہے استم اعلو یا مورد نیاکوم کا تعلق دوسری قسم کے ارشادات سے ہے اور محل بحث پہلی قسم کے ارشادات ہیں۔ لہذا یہ استدلال درست نہیں ہے۔

اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ پتہ لگانا ہمارے لئے مستعذر ہے کہ کونسا ارشاد کس حیثیت کا ہے اس لئے آپ کے اقوال و افعال کو علی الاطلاق حجت نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی اصل حیثیت رسول کی حیثیت ہے

لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کو اسی حیثیت پر محمول کر کے حجت قرار دیا جائے گا۔ لہذا یہ کہ کسی جگہ کوئی دلیل یا قرینہ اس بات پر قائم ہو جائے کہ یہ ارشاد شخصی مشورہ کی حیثیت رکھتا ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ پورے ذخیرہ احادیث میں شخصی مشورہ کی مثالیں گنی جتی ہیں، اور ایسے مقامات پر یہ تصریح موجود ہے کہ یہ ارشاد شرعی حکم نہیں بلکہ شخصی مشورہ ہے۔ ان چند مقامات کے سوا باقی تمام ارشادات بحیثیت رسول صادر ہوئے ہیں اور حجت ہیں۔ (ارشاد القاری، درس ترمذی)

نظر یہ ثانیہ کی تردید

اس نظر یہ کے مطابق احادیث نبویہ صحابہ کے لئے حجت تھیں لیکن ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ یہ نظریہ اتنا بدیہی البطلان ہے کہ اس کی تردید کے لئے کسی تفصیل کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیام قیامت تک کے لئے عام نہیں بلکہ آپ کی رسالت صرف محمد صحابہ تک مخصوص تھی، حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کر رہی ہیں۔

(۱) قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّبِعُوا رِسُولَ اللَّهِ الْيَكْمُ جَمِيعًا۔ (اعراف)

(۲) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (سورہ انبیاء)

(۳) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سورہ سبا)

(۴) تَبَارَكَ الَّذِي فَرَّلَ الْفَسَادَ عَلٰی عِبَادٍ كَآلِكَوْنَ لِّلْعَالَمِينَ فَنَذِيرًا (فرقان)

اس کے علاوہ بنیادی سوال یہ ہے کہ ہم قرآن کے لئے تعلیم رسول کی حاجت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کو بھیجا ہی کیوں گیا؟ اور اگر ہے تو عجیب معاملہ ہے کہ صحابہ کو تو تعلیم کی حاجت ہو اور ہمیں نہ ہو۔ حالانکہ صحابہ نے نزول قرآن کا خود مشاہدہ کیا تھا، اور ہم ان سب چیزوں سے محروم ہیں، اس کے جواب میں منکرین حدیث دیہی پرانی بات بکھارتے ہیں کہ آپ کی اطاعت صحابہ پر امر پر بحیثیت مرکز ملت واجب تھی نہ بحیثیت رسول، لیکن اس کی تردید پہلے کی جا چکی ہے۔

نظر یہ ثالثہ کی تردید

یہ کہنا بالکل باطل ہے کہ احادیث حجت تو ہیں لیکن ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں، اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) ہم تک قرآن مجید بھی ان ہی واسطوں سے پہنچا ہے جن واسطوں سے حدیث آئی ہے، اب اگر یہ واسطے ناقابل اعتماد ہیں تو قرآن سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ منکرین حدیث اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قرآن نے اِنَّا نُنَزِّلُ الْكِتَابَ لَعَلَّكُمْ تَحْفَظُوْنَ کہہ کر اپنی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، حدیث کے بارے میں ایسی کوئی ذمہ داری نہیں لی گئی۔

لیکن اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اِنَّا نُنَزِّلُ الْكِتَابَ لَعَلَّكُمْ تَحْفَظُوْنَ کی آیت بھی تو ہم تک ان ہی واسطوں سے پہنچی ہے جو بقول آپ کے ناقابل اعتماد ہیں، تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت کسی نے اپنی طرف سے نہیں بڑھائی۔

(۲) دوسرا اس میں قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہے اور قرآن باتفاق امولیین نام ہے نظم اور معنی دونوں کا، اس لئے یہ آیت صرف الفاظ قرآن کی نہیں بلکہ معانی قرآن کی بھی ضمانت لیتی ہے اور معانی قرآن کی تعلیم حدیث میں ہوئی۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ قرآن ذکر ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر ہیں اور احادیث نبویہ اس کی تفسیر ہیں۔

لہذا اس آیت سے احادیث کی حفاظت کا وعدہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔

تدوین حدیث

متکثر حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ احادیث تیسری صدی ہجری میں مدون کی گئیں اس لیے یہ اعتماد نہیں ہے کہ وہ اصل صورت پر باقی رہی ہوں، لیکن یہ مغالطہ بنیاد ہے اس لیے کہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ حدیث کی حفاظت کا عہد رسالت سے لیکر اب تک کیا اہتمام ہوا۔

حفاظت حدیث کا راستہ صرف کتابت ہی نہیں ہے بلکہ دوسرے قابل اعتماد ذرائع بھی ہیں اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں حفاظت حدیث کیلئے تین طریقے استعمال کئے گئے، جو درج ذیل ہیں۔

حفظ حدیث

حفاظت حدیث کا پہلا طریقہ احادیث کو حفظ (یاد) کرنا ہے، عہد نبوی میں حدیثوں کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ اہتمام تھا کہ صحابہ رضہ حدیثوں کا دور کرتے تھے، چنانچہ حضرت انس رضہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے حدیثیں سننے رہتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دور کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی کی حدیثیں بیان کر جاتا، پھر دوسرا پھر تیسرا، بسا اوقات ساتھ ساتھ آدمی مجلس میں جوتے تھے اور ساتھیوں باری باری سے بیان کرتے تھے اس کے بعد جب ہم اٹھتے تھے تو حدیثیں اس طرح ذہن نشین ہوتی تھی کہ گویا ہمارے دلوں میں بودی گئی رہیں، (جمع الزوائد ص ۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضہ فرماتے ہیں انما کنا نحفظ الحدیث والحديث يحفظ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الخ (مقدمہ مسلم ص ۴) (ابن ماجہ ص ۴)

اور یہ طریقہ اس دور کے لحاظ سے انتہائی قابل اعتماد تھا، اہل عرب کو حق تعالیٰ نے غیر معمولی حافظے عطا فرمائے تھے، وہ عشر اپنے ہی نہیں بلکہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب نامے ازبر یاد کر لیا کرتے تھے، ایک ایک شخص کو ہزاروں اشعار حفظ ہوتے تھے اور بسا اوقات کسی بات کو ایک بار سن کر یاد رکھ کر پوری طرح یاد کر لیتے تھے، تاریخ میں اس کی بیشمار مثالیں ملتی ہیں جن میں سے ایک دو یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت جعفر بن عمر بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عبید اللہ بن عدی بن الحیار کے ساتھ حضرت حنیفہ رضہ سے ملے گیا، عبید اللہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ مجھے بھیانتے ہیں؟ تو حضرت حنیفہ رضہ نے فرمایا کہ میں آپ کو بھیانتا تو نہیں، البتہ مجھے اتنا یاد ہے کہ آج سے ساٹھ سال پہلے میں ایک دن عدی بن الحیار نامی ایک شخص کے یہاں گیا تھا اس دن عدی کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، میں اس بچہ کو چادر میں لپیٹ کر اس کی مرضیہ کے پاس لے گیا تھا، بچہ کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا صرف پاؤں میں نے دیکھے تھے، تمہارے پاؤں اس بچہ کے پاؤں کے ساتھ بہت مشابہ ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے جو قوم اتنی معمولی باتوں کو اتنے وثوق کے ساتھ یاد رکھتی ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال یاد رکھنے کا کتنا اہتمام کر لگی جبکہ وہ انہیں اپنے لیے راہ نجات سمجھتے ہوں، خاص طور سے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے سامنے آچکا تھا کہ نصر اللہ امرأ سمع متا شیئا فبلغه كما سمعه فرب

صالح اوعی لہ من سامع (رواہ الترمذی وابن ماجہ ورواہ الدارمی عن ابی الدرداء متکوۃ ص ۳۵)

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "المصاب" میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ عبدالملک بن مردان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظ کا امتحان لیتا چاہا اور انہیں ہلا کر احادیث بیان کرنے کی درخواست کی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت سی احادیث سنائیں، ایک کاتب ان کو لکھتا رہا یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چلے گئے، عبدالملک نے اگلے سال انہیں پھر بلوایا اور ان سے کہا کہ جو احادیث آپ نے پچھلے سال لکھوائی تھیں وہی احادیث اسی ترتیب کے ساتھ سنائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر احادیث سنائی شرم و حشمت کا کتب اپنی کتاب سے ان کا مطالعہ کرتا رہا، کسی جگہ ایک حرف، ایک نقطہ، ایک شوشہ کی تبدیلی نہیں کی، انتہا یہ ہے کہ ترتیب بالکل وہی تھی اور کوئی حدیث مقدم مؤخر نہیں ہوئی، اس قسم کے حیرت انگیز واقعات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو غیر معمولی حافظہ، حدیث کے لئے عطا فرمائے تھے، بلاشبہ ایسے حافظے حدیث کے لئے اتنے ہی قابل اعتماد و ذرا لے میں جیسے کتابت۔

دوسرا طریقہ تعامل حفاظت حدیث کا دوسرا طریقہ جو صحابہ نے اختیار کیا تھا وہ تعامل تھا یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال پر کچھ نہا عمل کر کے اسے یاد کرتے تھے، بہت سے صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا اور اس کے بعد فرمایا: "ھکذا رايت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل" یہ طریقہ نہایت قابل اعتماد طریقہ ہے اس لئے کہ جس بات پر انسان خود عمل کرے وہ ذہن میں کائنات نقش علی الحجر ہوتی ہے۔

تیسرا طریقہ کتابت احادیث کی حفاظت کتابت کے ذریعہ سے بھی کی گئی، اور تاریخی طور پر کتابت حدیث چار مراحل پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) متفرق طور سے احادیث کو قلمبند کرنا۔

(۲) کسی ایک شخص میں صحیفہ میں احادیث کو جمع کرنا، جس کی حیثیت ذاتی یادداشت کی ہو۔

(۳) احادیث کو کتابی صورت میں بغیر تنویب کے جمع کرنا۔

(۴) احادیث کو کتابی صورت میں تنویب کے ساتھ جمع کرنا۔

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں کتابت کی پہلی دو قسمیں اچھی طرح رائج ہو چکی تھیں۔

مسکین حدیث عہد رسالت میں کتابت حدیث کو تسلیم نہیں کرتے اور مسلم شریف کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "لا تکتبوا سنتی ومن کتب عنتی غیر القسۃ" (فلیحۃ مسلم ص ۳۱۱)

مسکین حدیث کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابت حدیث سے منع فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس دور میں حدیثیں نہیں لکھی گئیں، نیز اس کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ احادیث حجت نہیں درند آپ انہیں اہتمام کے ساتھ قلمبند فرماتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتابت حدیث کی یہ مخالفت ابتداء اسلام میں تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک قرآن کریم کسی ایک نسخہ میں مدون نہ ہوا تھا بلکہ متفرق طور سے صحابہ کے پاس لکھا ہوا تھا، دوسری طرف صحابہ کرام کئی ایک نیک سلوب قرآن سے اتنے مانوس نہ تھے کہ وہ قرآن اور غیر قرآن میں باؤل نظر تمیز کر سکیں۔ ان حالات میں اگر احادیث بھی لکھی جاتیں تو غلطو

کہ وہ قرآن کے ساتھ گڑبڑ ہو جائیں، اس خطرہ کے پیش نظر اور اس کے ازالہ کے لئے آپ نے کتابت حدیث کی ممانعت فرمادی لیکن جب صحابہ کرام رضہ اسلوب قرآن سے پوری طرح مانوس ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی اجازت بھی دیدی جس کے متعدد واقعات کتب حدیث میں منقول ہیں۔

(۱) ترمذی شریف میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب العلم میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ باب ملجاء فی الرخصة فیہ۔ اور اس میں حضرت ابوہریرہ رضہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ۔

قال کان رجل من الانصار يجلس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسمع من النبي صلى الله عليه وسلم الحديث فيعجبه ولا يحفظه فشكى ذلك الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اتى لا أسمع منك الحديث فيعجبني ولا احفظه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم استعن بيمينك واوماً بيسدا الخط (ترمذی جلد ۲ ص ۱۷)

(۲) امام ابی داؤد رحمہ اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ کتب اکتب کل شیئ سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسید حفظہ فنهتني وقالوا اکتب كل شیئ سمعہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر يتكلم في الغضب والرضا فامسكت عن الكتابة فذكرت ذلك الى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوماً باصبعه الى فيه فقال اكتب فوالذي نفسي بيده ما ينجس منه الا حق (ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۳۷ تا ۱۳۸ کتاب العلم)

(۳) عن ابی ہریرۃ رضہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب فذک قصۃ فی الحدیث فقال ابوشایہ اکتبوا فی بارسل اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکتبوا لای شایہ فی الحدیث قصۃ هذا حدیث حسن صحیح (ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۷ ابواب العلم) (بخاری ج ۱ باب کتاب العلم ص ۲۲۱) یعنی فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابوشایہ یحییٰ کی درخواست پر وہ خطبہ لکھ کر انھیں دیا۔ ہذا انما یستعمل حدیث النہی عن الکتابۃ واجمع الامۃ علی جوازها وقیل النہی عن جمعه مع القس ان فی صحیفۃ لثلاث یخلط فیشتبه لانه کان وقت نزول القس ان فلما امن نسخ کذا فی المجمع وغیرہ (ماشیہ ترمذی ص ۱۷۷)

اس قسم کی احادیث اس بات کی دافعیہ دلیل ہیں کہ کتابت حدیث کی ممانعت کسی امر عارض کی بنا پر تھی اور جب وہ عارض مرتفع ہو گیا تو اس کی اجازت بلکہ حکم دیا گیا۔

علامہ نزوی رحمہ نے منع کتابت حدیث کی ایک اور توجیہ ذکر کی ہے اور وہ یہ کہ مطلقاً کتابت کسی بھی زمانہ میں منہی نہیں ہوئی بلکہ بعض حضرات صحابہ ایسا کرتے تھے کہ آیات قرآنی لکھنے کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفسیر بھی اسی جگہ لکھ لیا کرتے تھے، یہ صورت بڑی خطرناک تھی کیونکہ اس سے آیات قرآنی کے ملتبس ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا اس لئے صرف اس صورت کی ممانعت کی گئی تھی، قرآن مجید سے الگ احادیث لکھنے کی کوئی ممانعت نہیں تھی

علامہ نووی رحمہ اللہ کی توجیہ بہت قرین قیاس ہے اور اس کی تائید سنن نسائی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو انما انی نے "کتاب الصلوٰۃ" باب الحافظۃ علی الصلوٰۃ العصر میں نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک غلام کو قرآن کریم لکھنے کا حکم دیا اور جب وہ اس آیت پر پہنچا کہ حَافِظُوا عَلَی الصَّلَاٰتِ وَالصَّلَاٰتِ الْوُسْطٰی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لفظ وسطیٰ کے بعد وصلوۃ العصر پڑھانے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ لفظ العصر قرآن مجید کا جز نہیں تھا بلکہ بطور تشریح پڑھا دیا گیا تھا، اور اس زمانہ میں چونکہ متن اور شرح میں امتیاز کی وہ علامات رائج نہیں تھیں جو بعد میں رائج ہو گئے، اسلئے یہ لفظ متن ہی کے ساتھ لکھ دیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہؓ بھی آپؐ کی بیان فرمودہ تشریحات اسی طرح لکھ لیتے ہوں گے، ظاہر ہے کہ اگر اس رداح کو عام ہوسنے دیا جاتا تو متن قرآن کی تعین اور حفاظت ایک درد سر بن جاتی۔ درحقیقت ممانعت کتابت حدیث کے ذریعہ اسی عظیم خطرہ کا سد باب کیا گیا تھا، لیکن قرآن کریم سے الگ احادیث لکھنے کا رداح ہر دور میں جاری رہا چنانچہ عہد صحابہؓ میں حدیث کے کئی مجموعے جو ذاتی نوعیت کے تھے تیار ہو چکے تھے، اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) الصحیفۃ الصادقہ - مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے احادیث کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام "الصحیفۃ الصادقہ" رکھا تھا۔ یہ عہد صحابہؓ کے حدیثی مجموعوں میں سب سے زیادہ ضخیم صحیفہ تھا، اس کی احادیث کی کل تعداد یقینی طور سے معلوم نہیں ہو سکتی، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۷ کتاب العلم باب کتابۃ العلم وغیرہ میں موجود ہے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد الا کثر حدیثا عنہ، رای عن النبی ص، حتی الاما کان من عبد اللہ بن عمر وفا منہ کان یکتب ولا ینکب۔

اشکال مع جواب

بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث سے زیادہ تھیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوبیس ہے، لہذا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرویات زیادہ ہونی چاہئے، حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی مرویات جو کتب حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں ان کی تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات سے کم ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عبادت میں زیادہ مشغول رہتے تھے، تعلیم اور بیان حدیث کی نوبت کم آتی تھی۔ جواب ۲ کسی کے پاس حدیثوں کا ذخیرہ زیادہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ ساری حدیثیں دوسروں کے سامنے روایت بھی کی گئی ہوں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدیرہ طبع میں تھے جو اس دور میں طالبان علم دین کا مرکز تھا، اسلئے انھیں روایت حدیث کے مواقع زیادہ ملے، اسی کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ شام و مصر میں رہے، جہاں حدیث کے طلبہ کا اتنا رجوع نہ ہو سکا، اسی لئے باوجودیکہ ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ تھا لیکن مرویات بھی تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات سے کم رہیں۔

مراکز علم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم کے تین مراکز تھے، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، اور کوفہ۔ مکہ معظمہ کے

صدر مدرس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو ذکے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما۔

(اعلام المؤمنین)

بہر حال صحیفہ صادقة اس زمانہ کا صحیح ترین مجموعہ حدیث تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اسے نہایت حفاظت سے رکھتے تھے، ان کی وفات کے بعد یہ صحیفہ ان کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب کے پاس منتقل ہوا جو اکثر عن ایبہ عن جند کا کی سند سے احادیث روایت کرتے ہیں، بلکہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام یحییٰ بن معین اور علی بن ابی نعیم کا قول نقل کیا ہے کہ جو حدیث بھی عن عمار بن شعیب عن ایبہ عن جند کا کی سند سے آئے تو سمجھ لیں چاہے کہ وہ صحیفہ صادقة کی حدیث ہے۔

(۲) صحیفہ علی رضی اللہ عنہ ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۲۸۵ کتاب المناسک باب فی تحریم المدینہ کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے ما کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا النکاح وما فی ہذا الصحیفۃ الخ یہی روایت بخاری میں چار مقامات پر اور مسلم میں دو مقام اور ابی داؤد میں بھی عشرہ کج کی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ ان کی تنویر کی نیام میں رہا تھا، اور اس روایت کے متعدد الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دیات اور معاقل، فدیہ اور قصاص، احکام اہل ذمہ لصلاب زکوٰۃ اور مدینہ طیبہ کے حرم ہونے سے متعلق ارشادات نبوی درج تھے۔

(۳) کتاب الصدقات ۱۔ یہ ان احادیث کا مجموعہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود املا کر لائی تھیں، اس میں زکوٰۃ و صدقات اور عشرہ وغیرہ کے احکام تھے اور سن ابی داؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب آپ نے اپنے عمال کو بھیجنے کے لئے لکھوائی تھی، لیکن ابھی آپ سے بھجوانہ سکے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی پھر ان کے دو صاحبزادوں حضرت عبداللہ اور حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئی، پھر ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حاصل کر کے اسی کی نقل کی، اور ان سے حضرت سالم بن عبداللہ کے پاس منتقل ہوئی، حضرت سالم سے امام ابن شہاب زہری رح نے اسے حفظ کیا اور دوسروں کو پڑھایا۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۱۹)

اس کے علاوہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے پاس نوشتہ احادیث بھی موجود تھیں۔

(۴) صحیفہ عمار بن حنظلہ رضی اللہ عنہ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بخران کا عامل بنا کر بھیجا تو ایک صحیفہ ان کے حوالہ کیا جو آپ کی احادیث پر مشتمل تھا اور اسے حضرت ابی بن کعب نے لکھا تھا ابوداؤد وغیرہ میں اس صحیفہ کے جو اقتباسات آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج و عمرہ، جہاد، سیر و مخائیم وغیرہ سے متعلق احادیث درج تھیں۔

(۵) صحیفہ سمیۃ بن جندب رضی اللہ عنہ۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے کہ سلیمان بن عمرو نے اپنے والد عمرو بن جندب رضی اللہ عنہ سے ایک خط التہذیب روایت کیا ہے، اور امام محمد بن سیرین رح فرماتے ہیں کہ ان الرسائل التي کتبها سمیۃ لاولادها يوجد فیہا علم کثیر۔

(۶) صحیفہ ابی ہاشم رضی اللہ عنہ۔ امام حاکم نے مستدرک میں اور علامہ ابن عبد البر رح نے جامع بیان الباری میں

حضرت حسن بن عمرو کا یہ واقعہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، حضرت ابو ہریرہ نے اس حدیث سے ناواقفیت کا اظہار فرمایا، میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے، اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ حدیث میں نے بیان کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، چنانچہ وہ کچھ کتاب میں نکال کر لائے، جن میں احادیث درج تھیں ان میں تلاش کیا تو وہ حدیث مل گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی تمام مرویات لکھی ہوئی موجود تھیں گو یا اس سے پانچ ہزار تین سو چوبیس ہزار احادیث کے مکتوب ذخیرہ کا پتہ چلتا ہے، لیکن اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد شیخے گزر چکا ہے کہ میں احادیث نہیں لکھا کرتا تھا، پھر اس روایت کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت و اور خلفاء کے ابتدائی دور میں احادیث نہیں لکھتے تھے، لیکن آخری عمر میں یہ خیال ہوا ہوگا کہ کہیں میں یہ روایتیں بھول نہ جاؤں، اس لئے انہوں نے اپنی مرویات کو جمع کر دیا، لہذا کوئی غلطی تعارض نہ رہا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف کئی صحیفے منسوب ہیں۔

والف، مسند ابی ہریرہ ۱۔ امام ابن سعد نے ”طبقات“ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ عبدالعزیز بن مردان نے مصر کی گورنری کے زمانہ میں کثیرین سترہ کو خط لکھا کہ آپ کے پاس صحابہ کی روایت کردہ جتنی حدیثیں ہوں وہ سب میرے پاس بھیج دیجئے۔ الامکان من حدیث اخی حبیبہ خاندہ عندنا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات ان کے پاس مکتوب شکل میں موجود تھیں۔

رج، مؤلف بشیر بن نبیک ۱۔ حضرت بشیر بن نبیک رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور امام دارقطنی نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنتا اسے لکھ لیتا تھا، بعد میں میں نے یہ مجموعہ حضرت ابو ہریرہ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہاں۔
رج، صحیفہ عبدالملک بن مردان ۱۔ شیخے ذکر آچکا ہے کہ عبدالملک بن مردان نے امتحاناً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کی کچھ روایات لکھ لی تھیں۔

د، صحیفہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ۔ حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ہیں انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام حاجی خلیفہ نے ”کشف الظنون“ میں ”الصحیفۃ الصحیحہ“ ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اس صحیفہ کو بتماہل نقل کر دیا ہے۔

ام، مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح میں بہت سی احادیث اس صحیفہ کے واسطے سے لائے ہیں جب وہ اس صحیفہ کی کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں عن ہمام بن منبہ قال هذا ما حدثنا به ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذاکس احادیث منها وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”حسن التفان سے چند سال پہلے اس صحیفہ کا اعلیٰ محفوظ دریافت ہو گیا ہے، اس کا ایک نسخہ جرمنی میں برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے، دوسرا نسخہ دمشق کے کتب خانہ ”مجمع علمی“ میں سیرت اور تاریخ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان

دو تون سون سے اس کا مقابلہ کیا تو کہیں ایک حرف یا ایک نقطہ میں بھی تسرق نہیں تھا۔

چند مثالیں اس بات کو واضح کرنے کیلئے کافی ہیں کہ ہر رسالت اور عہد صحابہ میں کتابت حدیث کا طریقہ خوب اچھی طرح رائج ہو چکا تھا۔ یہاں ہم نے صرف بڑے مخبروں کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انفرادی خطوط تحریر فرمائے، یا کسی کو کوئی بات لکھ کر دی یا کوئی خراسین جاری کئے وہ اس کے علاوہ ہیں، اس کی تفصیل مطولات میں دیکھی جاسکتی ہے (درس ترمذی)

یہ درست ہے کہ تدوین حدیث کی یہ ساری کوششیں انفرادی نوعیت کی تھیں اور غیر مرتب طریقہ پر، عام طور سے کتالی شکل میں احادیث کے جمع کرنے کا اہتمام نہیں تھا اور فنی حیثیت سے ان کو مستقل کتابیں نہیں کہہ سکتے، یہاں تک کہ صحابہ کو امراض جہاد و تبلیغ اور تعلیم کے لئے نیز فتوحات و ملکیت کے باعث مختلف بلاد و اقطار میں منتشر ہو گئے اور کچھ شہید بھی ہو گئے پھر جب تابعین کا زمانہ آیا اور مختلف فرق باطلہ پیدا ہوئے، خوارج، روافض، معتزلہ قدریہ وغیرہ کے مہیب فتنے سرا بھارتے گئے اور اغراض فاسدہ و عقائد باطلہ کی ترویج کیلئے حدیثیں گڑھنا شروع کیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ احادیث کو مدد و تسہیل کیا جائے، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دل میں جمع احادیث کا جذبہ پیدا ہوا اور اپنی تمام قلمروں میں تدوین حدیث کا حکم دیا۔

مختصر سیرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

نسب نامہ

عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس۔

ابو جعفر کنیت ہے، عمر نام تھا، والد کا نام عبد العزیز اور والدہ کا نام ام عاصم ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ حضرت عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی تھیں : علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ طیبہ کا گشت لگا رہے تھے کہ ایک دیوار کے کنارے ٹھک کر بیٹھ گئے، گھر کے اندر ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھ کر دودھ میں پانی ملا دے، لیکن لڑکی نے کہا ”امیر المؤمنین نے عام منادی کرادی ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے“ ماں نے کہا، اس وقت عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے منادی دیکھ نہیں سکتے تم دودھ میں پانی ملا دو، اسی نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں امیر المؤمنین کی امانت کروں اور خلوت میں ان کی نافرمانی کا داغ اپنے دامن پر لگاؤں،

بعض کتابوں میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اس نے یہ بھی کہا کہ امیر المؤمنین تو نہیں دیکھتے لیکن خیر اور امیر المؤمنین کا اور سب کا خدا تو دیکھتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ساری گفتگو سن لی، اسلم سے کہا، ”اس ہکان اور دروازہ کو خوب یاد رکھو، صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے تحقیق کیلئے بھیجا کہ وہ کون عورتیں ہیں؟ ان کے شوہر ہیں یا نہیں؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ماں بیوہ ہے اور لڑکی کنواری، فقہہ مختصر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے عاصم سے اس کا نکاح کر دیا، اور اسی لڑکی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہما عبد العزیز رحمہ اللہ کی ماں ام عاصم پیدا ہوئیں، اور اس لحاظ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے

پر نام ہیں۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے، راجح یہ ہے کہ ۱۱۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور حجب ان کے والد ۱۱۵ھ میں مصر کے گورنر ہوئے تو اپنی بیوی ام عاصم کو لکھا کہ مجھ کو لیکر یہاں آجائیں ام عاصم نے اپنے چچا عبداللہ بن عمر سے تذکرہ کیا تو چچا نے کہا کہ تم جلی جاؤ اور بچے کو ہمارے یہاں چھوڑ دو، کیونکہ وہ تم صبی میں بہت سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، چنانچہ وہ عمر بن عبد العزیز کو ان کے پاس چھوڑ کر مصر چلی گئیں، گویا ابتدائی تربیت حضرت ابن عمر کی خدمت میں ہوئی، اس کے بعد باپ کے پاس آئے، تھوڑی مدت قیام کیا پھر مدینہ منورہ تعلیم کیلئے بھیج دیے گئے اور صالح بن کیسان کی تربیت میں رہے، پچھن ہی میں قرآن مجید حفظ کیا، حدیث کی روایت اگرچہ مختلف شیوخ سے کی جن میں تابعین کے علاوہ متعدد صحابہ بھی شامل تھے لیکن وہ اس مقدس فن میں زیادہ تر عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ بن مسعود کے مرہون منت ہیں۔ (کافی تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۱)

علامہ ذہبی نے ان کے تعارف میں لکھا ہے کان اما ما حقیقھا مجتہدا اعارضا بالثبوت کبیر الشان ثبتا حجة حافظا قانتا للہ اواقاھا منیبا وسیرتہ تھقل مجلدا۔

مجاہد کا قول ہے کہ ہم عمر بن عبد العزیز کے پاس پہنچے آئے کہ وہ ہم سے کچھ سیکھیں گے مگر ان کے پاس آکر ہم کو خود ان ہی سے بہت کچھ سیکھنا پڑا۔

محمد بن علی بن حسین سے کسی نے ان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ بنی امیہ کے خبیث ہیں اور قیامت میں بعورۃ امت واحدہ انقیس گئے۔ اگرچہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے فضل و کمال کا سب سے موزوں مظہر مسند و کس ہو سکتا تھا لیکن خاندانی تعلقات کی بنا پر مسند حکومت تجویز کیا گیا، ۱۱۵ھ میں مدینہ طیبہ کے گورنر ہوئے اور بڑے بڑے کاربائے نمایاں انجام دیے۔ ۱۱۳ھ تک مدینہ طیبہ کے گورنر رہے، پھر حجاج کے اشارے پر ولید نے ان کو معزول کر دیا انہوں نے استعفا دیدیا، دونوں میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے، ولتفصیل مقام آخر۔

۱۱۶ھ بروز جمعہ کو سلیمان بن عبد الملک کا انتقال ہوا تو اس نے انتقال سے پہلے ہی حضرت عمر بن عبد العزیز کو خلیفہ مقرر کر دیا اور ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی کل خلافت کا زمانہ دو برس پانچ مہینے چند دن ہوتے ہیں، لیکن تاریخ اسلام میں ان کا دور حکومت اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے نظم و نسق کو دوبارہ قائم کیا، علامہ ابن فلدون لکھتے ہیں۔ و توسط عمر بن عبد العزیز فلتزع الخی طریقت الخلفاء الاسبقۃ والصحابۃ جہد کذلک ولعزمہ قل (مقدم ابن فلدون ص ۱۱۱)

یعنی عمر بن عبد العزیز دم مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے، انہوں نے اپنی تمام تر توجہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے طریقہ کی جانب مبذول فرمادی، ذرا سی بھی سستی نہ کی۔

اصلاح کی ابتداء اپنی ذات، اپنے گھر، اپنے خاندان سے کی، سب سے پہلے حجب ان کو معلوم ہوا کہ جھکو خلیفہ بنایا گیا تو اس بارِ عظیم پر اتھاہ پڑھا، سلیمان بن عبد الملک کی تجہیز و تکفین کے بعد شاہی سواریاں جن میں ترکی گھوڑے وغیرہ تھے

حاضر کئے گئے تو ان کو واپس کر دیا اور کہا کہ میرے لئے یہ خیر کافی ہے، انصر پولیس نیزہ لیکر چلا تو اسکو سٹا دیا اور کہا کہ میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں، جب گھر میں آئے تو آپ کی دائرگی آنسوؤں سے تر تھی، بیوی نے گھر کر پوچھا کیوں خیریت تو ہے؟ آپ نے فرمایا، خیریت کہاں ہے میری گردن میں امت محمدیہ کا بوجھ ڈال گیا ہے، رنگے، بھوکے، پیار، مظلوم، مسافر، قیدی، بوڑھے، بچے، کم حیثیت عیالدار و یتیم کی ذمہ داری مجھ پر آگئی، اسی خوف سے رو رہا ہوں کہ کہیں قیامت میں مجھ سے پرسش ہو اور میں جواب نہ دے سکوں، پھر آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے زیورات تمہارے باپ نے بیت المال کے حق سے بنوائے ہیں تو فیصلہ کر چکا اب تم کو فیصلہ کرنا ہے یا تو زیورات یا میں، دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، فوراً بیوی نے زیورات اتار دیئے اور بیت المال میں پہنچا دیا گیا، اسی طرح جو جائدادیں اپنے یا اپنے خاندان کے پاس ناجائز طریقہ سے تھیں سب کو صحیح مصرف میں خرچ کیا، سب کا حق دلایا، بنی ہاشم کے ساتھ بہت مراعات کی، ان کا اعزاز کیا، فداک وغیرہ واپس کیا، شاہی خاندان کے ساتھ کوئی رعایت نہ رکھی اور اپنے اپنے پہلے ہی خطبہ میں تمام امور کی جانب اشارہ کر دیا تھا، طبقات ابن سعد میں ان کے خطبہ میں یہ بھی ہے کہ لو ان کل سنة یرفعھا اللہ علی یدی ولوان کل بدعة یمیتھا اللہ علی یدی ولو ان آتس ذلک علی قطرة دمی لکان فی اللہ یسیرا، جس کا حاصل یہ ہے کہ میری دلی تمنا ہے کہ ایک ایک سنت کو زندہ کروں اور ایک ایک بدعت کو مٹا دوں، احیاء سنت اور امانت بدعت کیلئے مجھ کو اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو یہ اللہ کے راستے میں آسان ہے، اسی خطبہ میں یہ بھی کہہ دیا کہ لا طاعة لخلق فی معصية الخلق یا در کھو کہ احکام الہی کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، پھر اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جو نظام سلطنت عدل و انصاف کی سطح پر رکھنا چاہتے تھے وہ قائم نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ سابقہ عمال کو معزول نہ کیا جاتا اس لئے اموال مخصوبہ کی واپسی کے بعد ہی کام کیا۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ کے مکان میں بنو امیہ کے اکثر اشراف و سردار بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں تمہیں کسی لشکر کا سردار اور کسی علاقہ کا مالک و حاکم بنا دوں، یا در کھو میں اس بات کا کبھی رد و انکار نہیں ہوں کہ میرے مکان کا نسر قس تمہارے پیروں سے ناپاک ہو، تمہاری حالت بہت افسوسناک ہے میں تم کو اپنے دین اور مسلمانوں کے مصالح کا مالک کسی طرح نہیں بنا سکتا، انھوں نے عرض کیا ہم کو بوجہ قرابت کوئی حق اور کوئی فضیلت حاصل نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں تمہارے اور ایک ادنیٰ مسلمان کے درمیان میرے نزدیک ایک رتی برابر فرق نہیں، اس قسم کے واقعات تھے جن کی بنا پر خاندان میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں تو کوثر کہ ایک خطبہ میں فرمایا "ان فی بنی مروان لذخا وایم اللہ لو کان ہذا الذبح علی یدی" یعنی معلوم ہوتا ہے کہ احیاء حق کے لئے مجھے اپنے خاندان کو ذبح کرنا پڑے گا، فدا کی قسم اگر اس کی ضرورت پیش آئی تو میں اس سے بھی دریغ نہ کروں گا، خاندان والوں کو یہ بھی خیال ہوا کہ اگر ان کی خلافت کا زمانہ طویل ہوا تو حکومت کا معاملہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور یہ کسی باصلاحیت اور مشروع اور متدین ہی کو اپنا قائم مقام بنائینگے اس لئے ان کو زہر دیدیا گیا قال الجنائری فی توجیہ النظم و کانت مباحثہ بالخلعة فی صفر سنة تسع و تسعين

ووفاته لخمس بقین من رجب سنة احدى ومائة وعاش اربعین سنة وكان موته بالسوفان بنی امیة ظهر لهم انه ان امتدت ایامه خرج الامر من یدیه وولع بعد الاولین یصلح له فعاجلوا وفی تذکرة الحفاظ فسموا۔

علامہ عینی رحمہ اللہ میں فرماتے ہیں احدث الخلفاء الس اشدین ومدة خلافته سنتان وخمسة اشهر نحو خلافة الصديق فملأ الوسع قسطا وعدلا ملأها۔

امام شافعی رحمہ نے بھی ان کو خلیفہ راشد کہا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

ان کے کارنامے کی اہمیت اسوجہ سے بھی زیادہ ہے کہ عبد الملک بن مروان جیسے بادشاہ کے بھتیجے بھی تھے اور امام ابو ان کے خاندان کے سبھی لوگ بڑے بڑے عہدوں پر تھے، انھوں نے ایسے وقت میں عدل قائم کیا جبکہ عدل کا عدم ہو چکا تھا علامہ نذوی رحمہ نے تہذیب الاسما میں لکھا ہے کہ یہ پہلی صدی کے مجدد ہیں، امام احمد رحمہ اور بہت سے علماء سے بھی یہی منقول ہے، انھوں نے تدرین حدیث کا حکنامہ جاری کیا اور جمع شدہ احادیث کے مجموعے تیار کر کے ممالک محمدیہ میں تقسیم بھی کیا (جامع بیان العلم مشہد و تدریس فیہ) اور الباری جلد اول۔

حاصل یہ کہ باضابطہ کتابی شکل میں منظم طور پر تدرین حدیث کی ضرورت کا احساس حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ کو ہوا، جو امت کے سب سے پہلے مجدد تھے، چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ کے امیر وقاصی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری المتوفی ۱۳۰ھ کو لکھا انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاكتبها فاخافه خفت دروس العلم وذہاب العلماء الخ (نکاری ص ۳۷)

موطا امام محمد رحمہ میں بھی یہ خط مروی ہے اور موطا میں اس طرح ہے کہ احادیث نبوی یا سنن رسول یا حدیث عمر یا مثل اس کے (دیگر صحابہ کبار کے آثار) سب جمع کر کے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (موطا امام محمد ص ۳۱)

صحیح بخاری اور موطا امام محمد رحمہ میں یہ حکم صرف وقاصی مدینہ ابوبکر حرمی رحمہ کے نام آیا ہے لیکن حافظ ابن حجر فتح الباری مطبوعہ پاکستان، باب کتابہ العلم مشہد میں فرماتے ہیں۔ واؤل من دون الحدیث ابن شہاب الزہری علی رأس المائۃ جابر عس بن عبد العزیز۔ اسی طرح علامہ سیوطی رحمہ نے الفیہ اور تدریب میں امام زہری کو اول مدون قرار دیا ہے۔

الغرض اول مدون میں دو قول ہیں۔ علامہ امام زہری رحمہ ابوبکر حرمی رحمہ اور دونوں کا زمانہ ایک ہے۔ بظاہر تقاضا معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت کوئی تقاضا نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ نے دونوں کو حکم دیا تھا، چونکہ زمانہ دونوں کا ایک ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے تہذیب میں لکھا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر حرمی کو لکھا کہ احادیث کو لکھ کر بھیجو فتویٰ عمر وقد کتب ابن حزم کتابا قبل ان یبعث بہا الیہ۔ یعنی ابن حزم نے چند کتابیں لکھی لیکن انھوں میں سے کبھی ان کا یہ کارنامہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو عمر بن عبد العزیز رحمہ وفات پا چکے تھے اس لیے ان کی خدمت میں یہ کتابیں روانہ نہ کر سکے۔

علامہ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں امام زہری رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ہم کو عمر بن عبد العزیزؒ نے ستن کے جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر گھر ڈالے، پھر انہوں نے پوری مملکت میں ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

شاہد یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین نے امام زہری رحمہ اللہ کو اول مدون کہا ہے، امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔ "اول من دکن الحدیث ابن شہاب زہری کما اخرج ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء عن مالک رحمہ اللہ۔"

ایک مخالف اور اس کا ازالہ

یہاں ایک مخالف کا ازالہ ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب کیف یقبض علی العلم" میں بطور تعلیق حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا فرمان مذکور (انظر ما کان الامام کو ذکر کیا ہے

اور اس کے بعد یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھایا کہ "ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی سوائے حدیث رسولؐ اور کوئی چیز نہ لو۔ یہاں بعض طلبہ کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ یہ جملہ بھی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا ہی ہے حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے جیسے کہ خوارزمی بخاری رحمہ اللہ کی دوسری تعلیق "حدثنا العلاء بن عبد الجبار انہ سے ظاہر ہے کہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا فرمان مذکور صاحب العلم عام تک ہے، چنانچہ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فبقیمہ من کلام الصنف او سدا مخرج کلامہ" اور اسی کی طرف علامہ عسقلانی رحمہ اللہ نے اس مقام پر ان الفاظ سے وضاحت کی۔ "قال المحقق ابن حجر و محتمل لان یکون ما بعدہ لیس من کلامہ" (مستطاب ص ۳۳۵)

حاصل یہ کہ مدونین کے پہلے طبقہ میں اولیت ابن شہاب زہری کو ہے جنہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز المتوفی ۱۰۱ھ کی حیات ہی میں مدون کیا اس وقت متعدد صحابی رحمہ اللہ دنیا میں تھے، آخری صحابی ابو الطفیل رحمہ اللہ کی تکمیل میں وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی، اکاصحہ اللہ بھی متدریب مثلاً، اس سے ظاہر ہے کہ تین صدیوں بعد کے دور میں جو کچھ تھی اگرچہ بطاہر ترتیب و تدوین (یعنی باضابطہ کتابی شکل میں مرتب) اس دور میں نہ تھی۔

دوسرا طبقہ

اس کے بعد ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہ کا دور آتا ہے اور ان کو بھی اول مدون کہا گیا ہے، حافظ نے مقدمہ فتح الباری میں ان کو اول جامع کہا ہے اور حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "فکانوا یصنفون کل باب علی حدیث" یعنی ہر باب کی حدیثوں کو الگ الگ لکھتے مثلاً کتاب الصلوٰۃ کو علیحدہ، کتاب الزکوٰۃ کو علیحدہ۔

علامہ حلبی نے کشف الظنون میں ربیع بن صبیح کو اول من صنف فی الاسلام لکھا ہے۔

تیسرا طبقہ

اس کے بعد تیسرا طبقہ آتا ہے جنہوں نے مختلف ابواب کو ایک جگہ لکھنا شروع کیا، یہ طبقہ تقریباً ۱۵۰ھ کے بعد شروع ہو رہا ہے اس کی بہترین نظیر مؤطا امام مالکؒ ہے، اس طبقہ میں بھی ایک جماعت ہے اس دوسری صدی کی چند مستحکم کتابیں یہ ہیں۔

- (۱) مؤطا امام مالک بن انس رحمہ اللہ المتوفی ۱۶۹ھ۔
- (۲) مصنف اللیث بن سعد رحمہ اللہ المتوفی ۱۷۵ھ۔
- (۳) مصنف صفیان بن عیینہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۵ھ۔
- (۴) مصنف الامام الثقفی رحمہ اللہ المتوفی ۲۰۳ھ۔

ان حضرات کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک کو اول مدون کہا گیا ہے۔ بعض بزرگوں نے تطبیق دی ہے کہ یہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مکہ معظمہ میں ابن جریر، شام میں ادراعی، مدینہ منورہ میں امام مالک، خراسان میں حلیہ بن مبارک، یمن میں معمر۔

ان حضرات نے مختلف ابواب کو تو جمع کیا لیکن احادیث رسول کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین کو بھی جمع کیا، ائمہ کے فقہی اقوال بھی اس میں آگئے۔ اس کے بعد تقریباً سترہ میں ایک جماعت کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ صرف احادیث رسول کو جمع کیا جائے تو عبداللہ بن موسیٰ علی نے مسند لکھی، پھر نعیم بن حماد خراسانی نے ایک مسند لکھی، پھر تو مسانید کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مکمل شد مسانید لکھی گئیں جن میں مسند ابن جنبل بہت معروف و مشہور ہے۔

ان حضرات نے اگرچہ صرف احادیث مرفوعہ کو جمع کیا لیکن صحیح کا التزام نہیں کیا، ان کی کتابیں صحاح، حسان اور ضعاف سب پر مشتمل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس تیسری صدی میں تدریس حدیث کا کام اپنے شباب پر پہنچ گیا، ایک مرتبہ اسمٰعیل بن راہویہ رحمہ کی مجلس میں اس کا ذکر ہوا اور کسی نے خیال ظاہر کیا کہ صحیح حدیث کا غیر صحیح سے امتیاز عام لوگوں کے لئے دشوار ہوتا ہے اس سے کوئی کتاب ایسی ہونی چاہیے کہ جس میں صرف صحیح مرفوعات ہوں، امام اسحاق رحمہ نے اپنے شاگردوں کو خطاب کر کے کہا کہ تم میں سے جو اس کام کو کر سکے ضرور کرنا چاہیے، اس مجلس میں امام بخاری رحمہ موجود تھے، انہوں نے اسی وقت دل میں ارادہ کر لیا اور صحیح مجرد جمع کرنے کا اہتمام کیا پھر تو بہت سے محدثین نے امام بخاری رحمہ کی اقتدار کی، اور صحیح مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ کی تالیف ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول مدون کا اطلاق بہت سے لوگوں پر کیا گیا لیکن تحقیق یہ ہے کہ اول مدون علی المطلق امام زہری رحمہ یا ابوبکر بن حزم رحمہ ہیں، اس کے بعد ہر باب کو علیحدہ لکھنے والے ربیع بن صلیح، سعید بن ابی سرور ہیں، اس کے بعد مختلف ابواب کو جمع کرنے والی ایک جماعت ہے، اس کے بعد صرف احادیث رسول کو جمع کرنے والے اصحاب مسانید ہیں، اس کے بعد صرف صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والی ایک جماعت ہے جس کے قائد امام بخاری رحمہ ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ نے الفیہ میں اول مدونین کو اشعار میں جمع کر دیا ہے۔

اول جامع الحدیث والاشعر	ابن شہاب آمر لہ عمی
واول الجامع للابواب	جماعة فی العصر ذواقتراب
کان جیح وھشیر مالک	ومعمو وولد المبارک
واول الجامع باقتصار	علی الصحیح فقط البخاری

اس میں علامہ سیوطی رحمہ نے اول مدونین کا تین طبقہ قرار دیا ہے، بہر کیف اول میں اختلاف ہوا، اس میں تین طرح سے تطبیق دی گئی، ایک تو یہ کہ آج کی طرح رسل و رسائل کے وسائل نہیں تھے ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق کسی کو اول مدون کہا، دوسرے یہ کہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے تیسرے یہ کہ اولیت باعتبار الزمان کے ہے۔

(نوٹ) ایک الفیہ حافظ ابن حجر کے استاد علامہ عراقی کی ہے اور وہ بہت مشکل ہے جو الفیہ عراقی کے ساتھ مشہور ہے دوسری الفیہ علامہ سیوطی کی ہے یہ الفیہ سیوطی کے نام سے مشہور ہے اور یہ دونوں الفیہ فن حدیث کے اندر ہیں۔ تیسری الفیہ نحو کے اندر ہے جو الفیہ ابن مالک کے نام سے مشہور ہے ان تینوں کو الفیہ اس درجہ سے کہتے ہیں کہ ہر ایک کے ہزار اشعار ہیں۔

هو ابو بكر محمد بن مسلم بن عبيد الله بن عبد الله بن شهاب بن عبد الله بن الحارث بن زهراء الفقيه نسب الى جد جدته لشهيدته الزهراء نسبا الى جدته الاعلى زهراء بن كلاب وهو من رباط امم النبي صلى الله عليه وسلم اتفقوا على نقادته وامامته (فتح الباری ص ۲۲)

کتابوں میں اکثر ابن شہاب یا زہری ملتا ہے، کہیں محمد بن مسلم بھی ہے سب سے مراد ایک ہی ہیں، ان کے دادا بہت مشہور تھے اس نسبت سے ابن شہاب کہا جاتا ہے، اور ان کے جد اعلیٰ زہرہ بن کلاب تھے اس سے زہری کہا گیا محمد بن مسلم نام ہے۔

امام زہری رحمہ کی پیدائش ۱۲۵ھ میں اور وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی۔

ترجمہ الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت صدق ۱۹۲ھ عمر مبارک ۷۳ سال وفات نور ۲۵۶ھ

امام بخاری رحمہ کا نام محمد ہے کنیت ابو عبد اللہ، لقب امیر المؤمنین فی الحدیث، نیز محدثین کرام و علماء اسلام سے یہ القاب بھی منقول ہیں۔ مآثر ناصر الحدیث النبیہ، مآثر ناشر المورث الحدید، لیکن مشہور و معروف لقب امیر المؤمنین فی الحدیث ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔

سلسلہ نسب جعفی، یا نسب ہے جعفی عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

امام بخاری رحمہ کے پردادا مغیرہ نے یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا جو اس وقت بخارا کے حاکم تھے اور پھر بخارا ہی میں سکونت پذیر ہو گئے، اور چونکہ عرب کا یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا تھا اسی سے نسبت ولا متعلق ہو جاتی تھی۔ حضرات احناف اسی کے قائل بھی ہیں اور اس سلسلہ میں احناف کے پاس ابو داؤد و ترمذی کی روایت ہے۔

عن تميم الداري اخيه قال يا رسول الله حضرت تميم داری سے روایت کیا انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں شخص کے پاس ما السنۃ فی السجل یسلم علی یدی الرجل میں کیا الفیہ جو مسلمانوں میں سے کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے، فرمایا ہوں میں من المسلمین قال هو اولى الناس بحیاة تمام لوگوں میں سب سے اولیٰ ہے اس کی زندگی اور موت میں۔ ومما تہ۔ (ابو داؤد و ترمذی کتاب الفرائض)

لیکن ان کے والد بزرگوار، رفیع البار الوحده و سکون الرار الجملہ و کسر الدال الجملہ و سکون الزار المعجم و فتح البار الوحده بعد باء، فتح، قس، فارسی النسل مجوسی تھے اور انتقال بھی حالت کفری میں ہوا۔
لفظ بزرگوار فارسی میں کاشنکار کو کہتے ہیں، بزرگوار کہتی کرتے تھے۔

ابراہیم یعنی انا بخاری رحمہ کے جدا نجد کے متعلق حافظ عسقلانی رحمہ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا البتہ امام علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت العلامة اسماعیل رحمہ محدثین کبار میں شمار کئے جاتے تھے، بہت بخیرین ان سے روایت کرتے ہیں، جلیل القدر محدث تھے ان کی کنیت ابو الحسن تھی یہ امام مالک کے شاگرد تھے اور حضرت عبداللہ بن مبارک سے بھی شرف صحبت حاصل رہا ہے۔ علامہ ذہبی کی تاریخ الاسلام اور خود تاریخ بخاری میں اس کی تصریح ہے کہ ابن مبارک کی صحبت رہی ہے، آپ ستورہ صفات بڑے متقی تھے آپ کے ایک شاگرد احمد بن حفص کا بیان ہے کہ میں وفات کے وقت حاضر خدمت تھا اس وقت اسماعیل نے فرمایا کہ میں اپنے کسب کردہ مال میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں پاتا، کچھ کو یہ معمولی بات ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت اہم اور بڑی چیز ہے کہ کوئی درہم مشتبہ بھی نہ ہو حرام تو درکنار۔

امام کی پرورش اس مال سے ہوئی تھی، والدین کے تقویٰ اور اخلاص کا اثر بلاشبہ اور غرور اور لادپر ہوتا ہے کافی

القرآن الحکیم "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ"

امام کے مختصر حالات
 امام بخاری رح ۱۹۳ھ میں ۳۱ شوال المکرم بعد نماز جمعہ شہر بخارا میں جلوہ فرمائے عالم جوئے
 ایک طرف شوال المکرم ہے جو اشہر حرم کا پہلا مہینہ ہے اور دوسری طرف جمعہ ہے جو دوسرے

دلوں پر فضیلت رکھتا ہے جس کی معلوم ہوتا ہے کہ انام بخاری روح کی تار کی پیداوار کی بھی ممتاز خصوصیت رکھتی ہے۔
آپ لاغر جسم اور میانہ قد و قامت تھے، طبعاً صفائی پسند اور انتہائی سادہ، ڈاڑھی مبارک گنجان تھی، چہرہ انور کو
دیکھتے ہی انسانی نگاہ عقیدت و محبت سے جھلک جاتی تھی، سخاوت خانہ دانی و درمیں ملی تھی۔

امام بخاری رحمہ کسین ہی تھے کہ باپ کا سایہ اٹھ گیا اور آپ کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ محترمہ پر آ گئی۔
امام کی والدہ ماجدہ بڑی عبادت گزار و خدا رسیدہ خاتون تھیں، امام بخاری رحمہ کچن ہی میں کسی عارضہ کی وجہ سے ٹائیفا ہو گئے
تھے جس سے والدہ کو غیر معمولی صدمہ ہوا، شوہر یعنی حضرت اسماعیل رحمہ کی وفات کا سانحہ ہی کچھ کم نہ تھا کہ ادھر نور چشم حجت جگر
کی بیٹائی بھی جاتی رہی، بہت علاج کرایا گیا لیکن بیٹائی سے محرومی رہی، امام کی والدہ نے خوب زرد و کر بارگاہِ انبی میں
بیٹے کی بیٹائی کے لئے دعائیں مانگی، ایک رات حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ و علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب
میں دیکھا وہ فرما رہے ہیں کہ تمہاری دعائیں قبول ہو گئیں اور تیرے حجت جگر کو پھر نور البصارت سے نوازا دیا گیا ہے،
چنانچہ صبح کو دیکھا کہ امام کی آنکھیں درست تھیں بیٹائی واپس آ گئی، کھٹی اور قوت بیٹائی ایسی ہوئی کہ تاریخ کبیر کا
مسودہ جانورنی رات میں لکھا۔

اب امام پانچ سال کی عمر میں مکتب کے سپرد کئے گئے اور عمر کے دسویں سال میں مکتب کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔
 امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد و صاحب نسخہ فربری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو جعفر محمد بن حاتم و راق سے سنا

وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے خود امام بخاری رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ کيف كان بدء امره؟ یعنی آپ اس شان تک کیسے پہنچے؟ جواب میں فرمایا: "الهمت حفظاً للحديث وانا في المكتب، قلت وكم اراقى عليك اذا لك فقال عشر سنين او اقل۔" یعنی میں ابھی مکتب ہی میں تھا کہ میرے دل میں حفظ حدیث کے اہتمام کا افاقہ کیا گیا حالانکہ میری عمر اس وقت دس برس یا اس سے بھی کم تھی، چنانچہ مکتب کے زمانہ میں متفرق طور پر جہاں کہیں کوئی حدیث ملتی تھی تو فوراً اس کو یاد کر لیتا تھا، کبھی یہ سے احادیث نبوی کا بے حد شوق تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تخلیق ہی علم حدیث کے لئے کی گئی تھی، چنانچہ دس سال کی عمر میں مکتب سے فارغ ہو کر درس حدیث کے مختلف حلقوں میں شامل ہونے لگے، ۲۰ سالہ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں ایک روز محدث داخلی کے درس میں گئے، جن کا حلقہ اس وقت سب سے بڑا تھا محدث داخلی نے کسی حدیث کی سند اس طرح بیان کی: "حدثنا سفيان عن ابی الزبير عن ابراهيم۔" امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک کونے سے عرض کیا: "سند اس طرح نہیں ہے کیونکہ ابوالزبير کی ملاقات ابراہیم سے ثابت نہیں ہے، محدث داخلی نے امام بخاری کو ایک طفل مکتب سمجھ کر ڈانٹ دیا لیکن امام بخاری نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ اگر آپ کے پاس اصل بیاض موجود ہو تو مراجعت فرمائیں، بات معقول تھی، محدث داخلی اٹھے اور بیاض دیکھنے پر معلوم ہوا کہ امام بخاری کی بات درست ہے پھر محدث داخلی نے فرمایا کہ: "لوطی کے اصل سند کیا ہے؟" امام بخاری نے کہا الزبير هو ابن عدي عن ابراهيم، محدث داخلی نے تصدیق کی، گو یا حضرت استاد محدث داخلی کو علامہ ابوالزبير اور زبير بن عدي میں التباس پیدا ہوا، پھر تو امام بخاری مقبول نظر ہو گئے، کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ فرمایا: "گیارہ سال۔" یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شہرت کا پہلا دن تھا اور اسی دن سے امام بخاری کا چرچا چوسنے لگا، یہاں تک کہ امام بخاری جب اکابر محدثین کے درس میں پہنچ جاتے تو وہ سنبھل جاتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے حافظہ کے بہت سے واقعات مشہور ہیں، چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ امام کو کہیں ہی میں شستر ہزار حدیثیں یاد تھیں، حافظہ قسطلانی نے بیان کیا ہے کہ عاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ امام بخاری ہمارے ساتھ بقرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے، ہم لوگ تو کہتے تھے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کچھ نہ لکھتے تھے، ہم لوگ طعن کے طور پر کہا کرتے تھے کہ جب آپ کچھ لکھتے نہیں ہیں تو خواہ مخواہ تصنیع اوقات کیوں کرتے ہیں؟ ایک روز بخاری کو جو شش آیا اور کہا کہ تم نے بہت کچھ کہہ لیا، لاؤ دیکھوں تم نے کیا لکھا ہے، ہم نے ضبط کردہ تحریریں دکھادیں، جو پندرہ ہزار سے بھی کچھ زائد حدیثیں تھیں، بخاری نے تمام حدیثوں کو اپنے حفظ سے فرغ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ہم نے اپنی نوشتہ تحریروں کی ان کے حفظ سے اصلاح کی۔

دہری الساری مقدمہ فتح مبارک

بغداد شریف علوم اسلامیہ کا مرکز تھا، حدیث کے بکثرت شیوخ وہاں موجود تھے جب امام بخاری رحمہ اللہ بغداد شریف پہنچے، تو ان کا امتحان لیا گیا، وہاں کے علمائے سواد نے سو حدیثوں کو منتخب کیا اور پہلے ہی سے دس آدمیوں کو دس دس حدیثیں یاد کرا دی، اس طرح سے کہ متن و سند کو منقلب کر دیا، ایک کی سند دوسرے کے متن کے ساتھ جوڑ دیا جب

امام۔ احب تشریف لائے اور مجلس منعقد ہوئی تو ان دس آدمیوں نے غلط مسلط حدیثیں باری باری پڑھنا شروع کیں، ہر حدیث پر امام بخاری فرماتے تھے "لا اعرفہ" عوام میں تو مختلف چرمیگوں کی مشرور ہو گئیں، لیکن علماء محققین نے اندازہ کر لیا کہ کامل میں، جب ہر ایک کے تمام حدیثیں سنائیں تو امام بخاری نے نمبر وار ہر ایک کو بلایا اور فرمایا "تم نے پہلی روایت اس طرح پڑھی یہ غلط ہے، اسی طرح اسی طرح ترتیب وار دوسری کی اصلاح کی، اب سب پر واضح ہو گیا کہ یہ باہر فن ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں تعجب اس پر نہیں کہ انہوں نے غلطی کی اصلاح کی وہ تو حافظ حدیث تھے ان کا تو کام ہی یہ ہے، تعجب تو حقیقت میں اس بات پر ہے کہ غلط احادیث کو ایک ہی مرتبہ سن کر ترتیب وار محفوظ رکھا۔

امام نے پہلے تمام کتب متداولہ اور مشائخ بخاری کی کتابوں کو محفوظ کر لیا، پھر سترہ برس کی عمر میں حجاز کا قصد کیا۔ کی صبر و ہمت و الحافظ ابن حجر۔

سولہ برس کی عمر ۲۱۰ھ میں حج بیت الشکر کا ارادہ کیا والدہ ماجدہ اور بھائی احمد کے ساتھ۔ والدہ اور بھائی احمد فراغت حج کے بعد وطن واپس آ گئے اور امام نے مکہ معظمہ میں طلب علم کے لئے قیام کیا، ۲۱۲ھ میں مدینہ منورہ کا سفر کیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں قضایا الصحابہ والتابعین لکھی، جسکی اماں کی عظیم الشان شہرت ہوئی، اور اسی سفر میں امام بخاری نے مدینہ طیبہ ہی کے اندر "تاریخ کبیر" کا مسودہ چاندنی رات میں لکھا یہ امام کی دوسری تصنیف ہے۔ بقول امام بخاری حجاز کی مدت اقامت چھ سال ہے لیکن پوری مدت ایک سفر کی نہیں ہو سکتی، ہو سکتا ہے کہ درمیان میں کسی دوسری جگہ کا سفر بھی پیش آیا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اقامت حجاز کی مجموعی مدت چھ سال ہے، مدینہ طیبہ کے بعد بصرہ کا رخ کیا، امام کا خود بیان ہے کہ میں بصرہ چار مرتبہ گیا اس کے بعد کوفہ کا قصد کیا، دراق بخاری نے کوفہ اور بغداد کے مطلق امام کا یہ منقول نقل کیا ہے لا اخصی کمر رحلت الی الکوفۃ وفقد ادم مع المحققین (میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں محدثین کے ہمراہ کوفہ اور بغداد کتنی بار جا چکا ہوں) رحلت اصطلاح محدثین میں اس سفر کو کہتے ہیں جو طلب حدیث کیلئے یا حدیث کی اعلیٰ سند کو حاصل کرنے کے لئے ہو، صحابہ کرام اور تابعین عظام کو اس کا خاص جذبہ رہا ہے۔

امام بخاری رحمہ کو اس سلسلہ میں طویل اسفار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ امام بخاری رحمہ کا دور تعلیم فتوحات کا دور تھا اور فلک اسلامی کی وسعت کی وجہ سے حاملین حدیث دور دور تک پھیل گئے تھے، کتب حدیث و تاریخ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ایک ایک حدیث کیلئے ایک ایک ماہ کی مسافت کا سفر کرتے تھے، بخاری شریف جلد اول ص ۱۷ میں ہے رجل جابر بن عبد اللہ مسیری شہس، الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد "قرآن حکیم نے بھی خلولا نفس من کل فسیقۃ الخ سے تفقہ فی الدین کے لئے سفر کی تاکید کی ہے۔

ایسے سفر کے لئے مشہور بزرگ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ کا منقول ہے کہ اصحاب حدیث جو سفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس امت کی بلاؤں کو اٹھا لیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ کو طلب علم کے دوران فائدہ بھی کرنا پڑا، درخت کے پتے اور گھاس بھی کھائی پڑی، فائدہ کے وقت کپڑے بھی پہنے پڑے مگر ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی تذبذب نہ پیدا ہوا، اور سالن تو تقریباً زندگی کے اکثر حصہ میں استعمال ہی نہ کیا۔

ایک مرتبہ امام بخاری رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو ان کا تہ روزہ اطباء کو دکھایا گیا تو انہوں نے کہا: "یہ تہ روزہ ان پادریوں کا معلوم ہوتا ہے جو سالن کبھی نہیں کھاتے، امام بخاری نے تقدیر کی لاد کہا کہ اس نے چالیس برس سے سالن استعمال نہیں کیا ہے، اطباء نے سالن تجویز کیا لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آرام طلبی کو منظور نہ کیا، صرف اتنا منظور فرمایا کہ وہ کسی کو شکر کے ساتھ کھانوں کا حقیقت پس ہے کہ لایس سال العلو براحة الجسم عیش و آرام، راحت طلبی میں علم نہیں ملتا، علم کی دولت تو نہایت جدوجہد، تکلیف و مشقت سے ملتی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اسی لئے امیر المؤمنین فی الحدیث ہو گئے اور ان کی تعریف بڑوں نے بھی کی اور چھوٹوں نے بھی، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی مائتہ جہت خراسان مثل محقق بن اسماعیل۔

امام مسلم نسروا تے ہیں۔ اشہد انہ لیس فی الدنیا مثلاً۔ حاکم ابو عبد اللہ نے تاریخ غیثا پور میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام مسلم امام بخاری کے پاس آئے اور دونوں آنکھوں کے درمیان ریشائی پر بوسہ دیکر فرمایا: "عنی اقبل روحیك یا استاذ الاستاذین ویاسید المحدثین ویاطیب الحدیث فی عللہ۔"

احادیث میں اشارہ جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ اہل فارس میں سے ہیں اور سلمان فارسی رحمہ اللہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لو کان السیدین بالشری المسالہ رجال من ابناء فارس" علامہ عزالدین فرماتے ہیں کہ اس کے اولین مصداق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ ہیں، اسی طرح قرآن مجید میں ہے: "واخی بن منہولما یلحقوا بجمہ صحابہ کرام رحمہ اللہ" اس آیت کے متعلق عرض کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رجال من ابناء فارس، اس کے بھی مصداق امام الاثر امام ابو حنیفہ اور امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔

دوران بخاری نسروا تے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شریف لیما رہے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ آپ کے پیچھے قدم بہ قدم چلتے ہیں، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا متبع سنت ہونا ظاہر ہے۔

فربری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا: آپ نے ارشاد فرمایا: "ابن ترقید، میں نے عرض کیا: محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس جا رہا ہوں تو ارشاد فرمایا: اقبہ اللہ منی السلام۔"

حقیقت یہ ہے کہ متبع سنت اور احیائے سنت کرنے والے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ اتباع سنت بھی کرتے تھے اور احیائے سنت بھی۔ اور بخاری جیسی عظیم الشان کتاب اور دوسری کتب لکھ کر دینی خدمت بھی کی اور حدیث کی تعلیم بھی دیتے رہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سلام کی بشارت بھی ملتی ہے۔

احتیاط و تقویٰ امام بخاری رحمہ اللہ جس طرح علم و فضل اور کمال میں اعلیٰ دار فبع تھے اسی طرح ہر چیز نگار و دیکھا کو بھی تھے فرماتے ہیں: "ما اغتبت احدا منذ علمت ان الغیبة حلیم" یہ بھی فرمایا کرتے تھے انشاء اللہ

غیبت کے معاملہ میں قیامت کے دن کسی کا ہاتھ میرے دامن میں نہ ہوگا، یا میرا اس کسی کے ہاتھ میں نہ ہوگا، اس سے ہم طالب علموں کو نصیحت و عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ جس فاضل اجل کی عظیم کتاب ہم پڑھتے ہیں اس سے تو کسی کی ایک مرتبہ بھی غیبت نہ کی اور ہر رات دن غیبت میں منہمک رہتے ہیں تو جھگلا ہمیں کیا ناگزیر ہوگا، کسی کی غیبت سے پہلے سوج لیا چاہئے کہ ہم جس کی غیبت کرتے ہیں اس کا تو کچھ نقصان نہیں ہونا البتہ اپنا ہی نقصان ہے کہ قیامت کے دن دوسرے کو ہماری نیکیوں و مستط

کر دیا جائیگا، امام الامام ابو حنیفہ رحمہ بھی اس سلسلہ میں بہت محتاط تھے، صفیان ثوری سے کسی نے کچھ کہا امام ابو حنیفہ رحمہ کسی کی غیبت نہیں کرتے تو جواب دیا کہ وہ بہت عقلمند ہیں کہ اپنی نیکیوں پر کسی کو مسلط نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن انہوں نے یہ ہے کہ اس دور میں تباہی و فساد کی کثرت ہے اسی وجہ سے غیبت میں بھی ابتلا زیادہ ہے، امثل مشہور ہے العلماء عاشد الناس تباغضا و تحاسدا۔ علماء کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے، حسد سے کبھی دوسرے کا تو نقصان ہوتا نہیں البتہ حسد کی نیکیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں الخسد یا کل الحسنات کما تاكل النار الحطب۔ شیطاں جب چاہ۔ حسد و تکبر میں مارا گیا، علماء کو اس میں مبتلا کر کے ہلاک کرنا چاہتا ہے ہم کو امام بخاری رحمہ کی سیرت سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ حسد و تکبر، غیبت، حب جاہ صرف معصیت اور حرام ہی نہیں بلکہ ماحمی کی جڑ ہے، علم کے لئے قوت یادداشت ضروری ہے اور گناہوں سے حافظہ خراب ہو جاتا ہے۔

فاوصاني الى طريق المعاصي
وفضل الله لا يعطي لعاصي

شكوت الى وكيل سوء حفظي
فان العلم فضل من الله

علمی وقار کی حفاظت

علمی وقار کی حفاظت

حافظ ابن حجر نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کو ایک مرتبہ دریا کا سفر پیش آیا، امام ایک ہزار اشتر فیاں لیکر بحری جہاز میں سوار ہوئے، ایک شخص نے عقیدت مندی کا اظہار کیا اور اتنی نیاز مندی ظاہر کی کہ امام کو اس پر اعتماد ہو گیا، اپنے پورے حالات اس کو بتا دئے یہ بھی بتا دیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشتر فیاں ہیں، ایک صبح جب وہ سکار اٹھا تو دریا چلانا شروع کیا اور کہنے لگا کہ میری ایک ہزار اشتر فیوں کی تعمیل غائب ہو گئی، اس کے حال زار پر کشتی والوں کو رحم آیا، جہاز والوں کی تلاشی شروع ہوئی امام نے موقع دیکھ کر جھپکے سے وہ تعمیلی مسند میں گرا دی، امام کی بھی تلاشی لگی، لیکن جب کسی کے پاس وہ تعمیلی نہ ملی تو کشتی والوں نے اس کو ملامت کیا، جہاز سے اترنے کے بعد وہ امام کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے، حضرت وہ اشتر فیاں کیا ہوئیں؟ امام نے فرمایا کہ مسند میں گرا دی، اس نے کہا اتنی بڑی رقم کا ضیاع؟ امام نے فرمایا کہ جس دولت ثقاہت پر میں نے اپنی پوری زندگی ختم کر دی وہی میری اصل کمائی ہے اس کو چند اشتر فیوں کے عوض برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اسکے ہم کو سب لینا چاہئے کہ ہم اپنے برہنہ ہر جس کے علمی وقار کو روپے پیسوں کے عوض بر باد نہ کریں۔ واقعات تو بہت سے ہیں لیکن ایک واقعہ اور سنئے، مقدمہ راج میں ہے، منقول ہے کہ امام بخاری رحمہ کے والد ماجد نے کافی مال چھوڑا تھا مگر امام نے یہ خیال غلط کیا کہ میں تجارت میں مشغول ہوتا ہوں تو علمی نقصان ہوگا، اس لئے اپنا مال مضاربت پر دیدیا۔ ایک مرتبہ ایک مضارب نے پچیس ہزار لکیر دو ستر ملک میں سکونت اختیار کر لی، امام سے لوگوں نے کہا کہ مقامی حاکم کا خط لیکر اس علاقہ کے حاکم کے پاس پہنچا دو روپہ آسانی سے مل جائیگا امام بخاری نے فرمایا اگر میں اپنے روپے کیلئے حکام سے مضارب لکھ دوں تو کسی حکام میرے دین میں دخل دیگے، اور میں اپنے دین کو دنیا کے عوض میں ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

پچیس ہزار کا یہ معاملہ اور امام کی یہ ہمت ہمارے لئے سبق آموز ہے (امداد الباری جلد اول)

مسئلہ خلق قرآن اور نیشاپور کا فتنہ

مسئلہ خلق قرآن ایک اہم مسئلہ ہے جو عقائد کی کتابوں میں موجود ہے، صاحب روح المعانی نے بھی اس کو مقدمہ میں بیان کیا ہے خود امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب خلق افعال العباد میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور محدثان رنگ میں باطل عقائد کی تردید کی ہے، بخاری شریف کا کتاب الفوائد علی الجہت صحیحہ میں بھی مختلف عنوان سے اس کی طرف توجہ فرمائی ہے، اس مقام پر مفصل بحث مقصود نہیں ہے اور وہی اس وقت اس کی چند نکات ضرورت ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ قدیم میں تو ظاہر ہے کہ اس کی صفت بھی قدیم ہوگی لہذا قرآن قدیم غیر مخلوق ہے، اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے۔ معتزل کا مسلک یہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے، حادث ہے، ایک زمانہ میں یہ فتنہ بہت شدت پر تھا حتیٰ کہ حکومت وقت بھی معتزلہ کے دام تودیر میں مبتلا ہو گئی، اس وقت کے علماء نے جان بچھیلی پر لکھا کہ اس فتنہ کا مقابلہ کیا، بالخصوص امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس میں بہت اہم کردار ادا کیا اور بہت تکلیفیں اٹھائیں یہاں تک کہ یہ فتنہ ختم ہو گیا تاہم یہ کہ جب کسی بدعت میں ابتکار زیادہ ہو تو علماء برحق کو اس میں زیادہ شدت اختیار کرنی پڑتی ہے اور فاسد عقیدہ کی پرکھ پر بشر تنزیل کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کوئی شخص کسی سوچ لفظ سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے، اس لئے امام احمد نے کہا کہ ہر شخص یہ کہے کہ مغلطی، بالقسم ان مخلوق، "تو وہ جیسے میں نے ہے" اسی طرح جو لوگ اس مسئلہ میں سکوت کرنا چاہتے تھے اس پر بھی تنبیہ کی اس لئے کہ غلط فہمیاں ان کے سکوت سے لوگ غلط فہمیاں اٹھائیں گے، بعض مبتدعین بالقسم ان مغلطی مخلوق، "کہتے تھے تو احتیاطاً امام احمد نے لفظی بالقرآن سے بھی منع فرما دیا حالانکہ ان دونوں میں بہت فرق ہے لیکن فرق ہر شخص پر ظاہر نہیں ہوتا۔ ہر کہیں معتزلہ کا فتنہ تو ختم ہو گیا لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بعض معتقدین نے اس مسئلہ میں بہت غلو کیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ قرآن فرشتے وقت جو آوازاں کی ہوتی ہے وہ کچھ شرک ہے (مقدمہ جامع ص ۱۱۱)

حافظ مسلمان در مقدمہ فتح الباری ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں کہ حاکم ابو عبد اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام بخاری نیشاپور میں ۲۵۵ھ میں تشریف لائے ان کی تشریف آوری سے پہلے محمد بن یحییٰ ذہلی در ابو عبد اللہ شریف محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن خالد اللہی النیشاپوری نے اپنی مجلس میں اعلان کیا جو محمد بن اسماعیل کا استقبال کرنا چاہتا ہے وہ استقبال کرنے میں خود ان کے استقبال کے لئے جانے والا ہوں، جو کہ امام ذہلی نیشاپور کے معروف و مشہور محدث تھے، عوام و خواص کے مرجع اعظم تھے اس لئے ان کے ترغیب پر بہت بڑا مجمع گیا اور امام بخاری رحمہ اللہ اس شان سے نیشاپور آئے کہ اس وقت تک اس شان و شوکت کا استقبال نیشاپور کی تاریخ میں کسی عالم کا ہوا تھا اور کسی حاکم کا، دو دو منزل تین تین منزل سے لوگ استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور بخاریوں کے علماء میں اترے، امام ذہلی نے لوگوں کو تنبیہ کر دی تھی کہ امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیث سنو، لیکن علم کلام کا کوئی مسئلہ نہ پوچھنا، خدا نخواستہ اگر ہمارے خلاف کوئی بات ان کی زبان سے نکلی تو رافضی، ناقصی، امری اور قبیحی خوش ہوں گے۔

ہر کیف امام کی خدمت میں لوگ بکثرت حاضر ہونے لگے، مکان چھتیس سب بھر جائیں، حتیٰ کہ نیشاپور کے پہنے والے امام مسلم جو خود ایک امام کا درجہ رکھتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ کے درس میں شریک ہو کر تلذذ اختیار کیا، دوسرے یا تیسرے دن ایک آدمی اٹھا اور اس کی

کہا۔ لفظ بالقرآن کے متعلق کیا خیال ہے؟ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "افعالنا لمخلوقہ والفاظنا من افعالنا" اسی میں شور و غلبہ ہو گیا، کسی نے کہا لفظی بالقرآن مخلوق کہا، کسی نے کہا یہ جس کہا، یہاں تک کہ دست بگمیاں ہوئے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو گھر والوں نے سب کو لٹکا لٹکایا۔ ابو احمد بن عدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے مشائخ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی مقبولیت عام سے بعض شیوخ وقت کو حسد ہو گیا اور انھوں نے لوگوں سے کہا کہ امام بخاری کہتے ہیں کہ لفظی بالقرآن مخلوق ہے۔ دوسرے یا تیسرے دن ایک آدمی نے اٹھ کر سوال کیا تو امام بخاری نے اعراض کیا اور کچھ جواب نہیں دیا، اس شخص نے تین بار سوال کیا امام نے جواب نہیں دیا، جب اس شخص نے اصرار کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و افعال العباد مخلوقۃ و الامتحان بداعۃ۔"

اسکی شور مچایا کہ یہ تو کہتے ہیں کہ لفظی بالقرآن مخلوق، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے بار بار کہا من زعموا فی قلت لفظی بالقرآن ان مخلوق فھو کذا احب۔ جو یہ کہتا ہے کہ میں نے لفظی بالقرآن مخلوق کہا ہے وہ جھوٹا ہے، میں نے تو یہ کہا ہے القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و افعال العباد مخلوقۃ۔ اور یہ بالکل صحیح ہے، قرآن عزیز میں ہے واللہ خلقکم وما تعملون، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان اللہ یصح کل صالح و صنعتہ۔ (مقدمہ نسخ الباری صفحہ ۴۹)

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ان مخلوق و حادث ہے تو اس کے سارے افعال مخلوق حادث ہوں گے، ان کی آواز، اسکی کتابت، اسکی روشنائی اور کاغذ سب حادث ہوں گے۔

مسئلہ تو بالکل واضح اور صاف تھا لیکن بعض لوگوں نے بدنام کر دیا۔ محمد بن یحییٰ ذہبی رحمہ اللہ نے اعلان کر دیا کہ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق ومن زعم لفظی بالقرآن ان مخلوق فھو مبتدع ۶۔ اس سے بات چیت سلام کلام سب بند کر دیا جائے اور جو اس کے بعد محمد بن اسماعیل کے پاس جائے اسے منہم جانو، کیونکہ ان کی مجلس میں وہی جائے گا جو ان کے مذہب پر ہوگا، اس اعلان کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ اور احمد بن سلمہ کے سوا سب نے امام بخاری کی مجلس سے قطع تعلقی کر لیا۔ پھر امام ذہبی نے کہا من قال باللفظ فلا یحضر مجلسنا، تو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی چادر اٹھائی اور فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، ان کے ساتھ احمد بن سلمہ بھی چلے آئے، امام مسلم رحمہ اللہ نے آتے ہی جتنی احادیث امام ذہبی سے لکھی تھیں سب اونٹ پر لا کر واپس کر دی۔

حاکم نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب امام مسلم رحمہ اللہ اور احمد بن سلمہ ذہبی کی مجلس اٹھ کر چلے آئے تو ذہبی نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ شخص (یعنی میرے اس شہر میں نہیں رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد احمد بن سلمہ امام بخاری رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ یہ شخص (یعنی محمد بن یحییٰ ذہبی) پر رے غرسان بالخصم اس شہر (نیشاپور) میں مقبول ہے، ہم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ ذہبی سے اس معاملہ میں بات کر سکے، آپ نے کیا سوچا ہے؟ یہ مسکرا کر امام بخاری نے اپنی ڈالیمیشی میں سے پکڑ کر کہا۔

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر
بالعباد اللہم انک تعلم انی لم
میں اپنے معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بلاشبہ اللہ تمام بندوں کو
دیکھ رہا ہے، اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں نے نیشاپور میں کیا

ارد المقام بنیسا پور اشرا و لا بطس و لا طلبا اپنی بڑائی و بزرگی ظاہر کرنے اور ریاست حاصل کرنے کا ارادہ نہیں
لےا یا سقہ۔ (مقدمہ نہر الباری ص ۴۹) کیا ہے۔

اور آپنا محمد بن سہل سے کہا۔ اے احمد میں کبھی صبح بھوکے کچ کر جاؤں گا چنانچہ امام بخاری نیشاپور سے رخصت ہو گئے۔
بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ میں اختلاف ہے، حالانکہ دونوں میں حقیقت کے
فائدہ ۱ اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں، امام احمد رحمہما اللہ نے ان کلام اللہ غیری مخلوق۔

امام بخاری رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام بخاری رحمہما اللہ نے ان کلام اللہ غیری مخلوق کی تو آواز حادث ہے اس لئے کہ قاری حادث ہے
تو اس کی آواز بھی حادث ہی ہوگی، امام احمد رحمہما اللہ سے یا امام احمد کے کسی امام شاگرد سے یا سلف سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے
نہ ان میں سے کسی نے کہا کہ قاری کی آواز قدیم ہے، بلکہ امام احمد رحمہما اللہ نے متعدد جگہ تصریح فرمائی ہے کہ قاری کی قرأت کے
وقت جو آواز سنائی دیتی ہے وہ قاری ہی کی آواز ہے اور اس کی تائید زینبوا القرآن جاصوا لکھو۔ سے بھی ہوتی
ہے، امام احمد رحمہما اللہ نے تو اتنا کہا کہ من خالی لفظی بالقرآن مخلوق فہو جہمی۔ لوگوں نے سمجھا کہ لفظ اور صوت
دونوں ایک ہیں اس لئے کہہ دیا کہ امام احمد رحمہما اللہ کو قدیم کہتے ہیں اور امام بخاری رحمہما اللہ کو گویا حالانکہ امام احمد رحمہما اللہ
نے صوت کو قدیم نہیں کہا، اسی لئے امام بخاری رحمہما اللہ نے اپنی کتاب ”خلق افعال العباد“ میں لکھا ہے کہ لوگوں نے
امام احمد رحمہما اللہ کی بات کو سمجھا نہیں۔

بہر حال قرآن مجید کا لفظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے قدیم ہے، غیر مخلوق ہے، البتہ ہمارے افعال آواز
وغیرہ حادث ہیں پس کوئی اختلاف نہیں۔ (امداد الباری)

فائدہ ۲ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں امام احمد رحمہما اللہ اور امام بخاری رحمہما اللہ کو شذائہ کا مقابلہ
کرنا پڑا، لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں کا معاملہ ایک ہی تھا یہ درست نہیں، امام احمد رحمہما اللہ نے تو معتزلہ
کا مقابلہ کیا اور استقامت دکھائی اور امام بخاری رحمہما اللہ نے معتزلہ دین حنابلہ کے مقابلہ میں تکلیف اٹھائی اور عزیمت اختیار کیا
چنانچہ امام بخاری رحمہما اللہ جہاں تشریف لیجاتے آزمائش میں پھنس جاتے، تو آخر میں سب جگہ سے مایوس ہو کر اپنے وطن بخارا
تشریف لے آئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان اور وفات حسرت آیات

امام جب نیشاپور سے وطن کے لئے روانہ ہوئے اور بخارا والوں کو معلوم ہوا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی اور کئی میل
تک شامیائے اور خیمے نصب کئے گئے، پورے شہر والے استقبال کے لئے نکلے اور بڑے تزک و احتشام اور
شان و شوکت سے امام کو میکہ شہر آئے۔

امام نے بخارا جو درس حدیث شروع کر دیا، تلمیذان علم حدیث جو درجہ شریک درس ہوتے تھے، مگر حاسدوں
نے یہاں بھی امام بخاری رحمہما اللہ کا پیچھا نہ چھوڑا، جن کے مشورے سے خالد بن احمد ذہبی والی بخارائے امام کے پاس درخواست کی،

کہ آپ دربار شاہی میں تشریف لاکر مجھے اور صاحبزادوں کو بخاری شریف اور تاریخ کا درس دیں لیکن امام صاحب نے اسی قاصد کی زبان پہلا بھیجا کہ لا اذل العلم ولا احملہ الخ ابواب الشیخ طین (میں علم کو سلاطین کے دروازوں پہلے جا کر ذلیل نہیں کروں گا، جسے بڑھاپا میرے پاس آکر پڑھے، وہی مجھ سے دوبارہ پہلے آئے گا اگر تشریف نہیں لاسکتے تو شہزادوں کے لئے کوئی مخصوص وقت عنایت فرمادیں کہ ان کے ساتھ کوئی دوسرے لوگ شریک نہ ہوں، امام نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا اور فرمادیا کہ اتحاد رسول پوری امت کے لئے یکساں ہیں، اس کی سماعت سے میں کسی کو محروم نہیں کر سکتا اگر میرا یہ جواب ناگوار ہو تو حجت میرا درس روکدو تاکہ میں خدا کے دربار میں عذر پیش کر سکوں، اس جواب سے حاکم بخارا سخت ناراض ہو گیا، حاسدوں نے حاکم وقت کے اشارہ پر امام کو دین و عقائد کے بارے میں منہم کیا، بدعتی ہونے کا الزام لگایا پھر حاکم نے بخارا سے نکلنے کا حکم دیا، امام نے انتہائی کبیرہ خاطر ہو کر اپنے مخالفین کیلئے بددعا کی۔

اللہم ارحموا مقصدی فی التفسیر
واولادہم و اہلہم
ایہ اشتر جن طرح اس امیر نے مجھے ذلیل کیا ہے اسی طرح ان کو
(ان ذات اپنی اولاد اور اپنی اہل کی بے عزتی و ذلت دکھا دے۔)

(مقدمہ نسخہ للہاری پاکستانی صفحہ ۴۹)

چنانچہ ابھی ایک ماہ بھی نہیں گزرا کہ خلیفۃ السلیمین اس امیر سے کسی وجہ سے سخت ناراض ہو کر اس کو معزول کر دیا، اس کی جگہ دوسرا حاکم بھیجا اور حکم دیا کہ معزول امیر کا منہ کالا کر کے گدے پر سولہ کر کے پورے شہر میں اس کی تذلیل کر دو پھر قید کر دیا گیا جہاں وہ انتہائی ذلت و رسوائی سے چند دن گزار کر مر گیا۔ نیز حاکم بخارا کے معاونین حریت بن دورقار وغیرہ مختلف جلاوطن میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے۔ من عادی فی دنیا فقد آذنتہ بالحب۔

پھر حال امام دہاں سے نکل کر میکندہ پہنچے لیکن امام کے بارے میں وہاں بھی اختلاف ہو گیا، اس لئے وہاں قیام مناسب نہیں تھا، اتنے میں اہل سر قند نے آپ کو دعوت دی، آپ نے قبول فرمالیا اور سر قند کا ارادہ بھی فرمایا لیکن راستہ میں خرتنگ تھا جہاں کچھ اعزاء و اقربا رہتے، ماہ مبارک کی وجہ سے وہیں قیام کیا اسی دوران سر قند سے اطلاع آئی کہ یہاں فضا سازگار نہیں ہے یہاں بھی لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے اس لئے امام نے عشرہ اخیرہ میں تھک کر نماز کے بعد دعا کی۔

اللہم صاقت علی الارض بما رحبت
فاقبضنی الیہ
خدا یا امیرے اوپر زمین بادرود و صحت کے تنگ ہو گئی ہے
اس لئے مجھے اپنے پاس بلا لے۔

اہل سر قند نے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ الزام غلط ہے، پھر متفقہ طور سے دعوت پیش کیا، امام نے سواری طلب کی دو آدمی کے سہارے چند قدم چلے گئے کہ فرمایا ضعف بڑھتا جا رہا ہے پھر کچھ دعا کی اور لیٹ گئے جسم اقدس سے پسینہ نکلنا شروع ہوا اور آپ نے جان جان آخری کے سہرہ کر دی۔

اس طرح تیرہ دن کم یا ستر سال کی زندگی گزرا کہ شب عبد الغفر (یکم شوال کی رات) میں علم و فضل کا وہ عظیم آفتاب غروب ہو گیا جس کے علم و فضل کی روشنی سے بخارا، سر قند، اخرا و اور نیشاپور کے بے شمار عوام و خواص اپنے دلی و دماغ کو منور کر رہے تھے عبد الغفر کے دن شنبہ کے روز بعد نماز ظہر مقام خرتنگ میں اس مجتہد نورانی گنجینہ کو امت کو سپرد خاک کیا گیا۔ دفن کے بعد آپ کی

قبر مبارک سے ایک مدت تک مشک کی خوشبو آتی رہی، لوگ دور دور سے آکر مٹی اٹھا کر لیجاتے جس سے گڑھا ہو گیا، اس نے قبر کی حفاظت کیلئے احاطہ کیا گیا مگر پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور لوگ احاطہ کے باہر سے مٹی لی لے لگے، بالآخر متعلقین میں ایک بزرگ کی دعا سے یہ خوشبو بند ہو گئی۔ یہ خوشبو کیا تھی؟ کیسی تھی؟ ظاہر ہے کہ خوشبو سید الکونین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کی برکت تھی گو پایہ قبر اطہر کی مٹی زبان حال سے کہہ رہی تھی۔

مکے خوشبو سے در حتام روز سے + رسید از دست محبوبے پرستم
 بود گفتم کہ مشک یا عسیری + کہ از بوسے و لادیز تو مستم
 بگفتا من مکے ناچیز بودم + ولیکن مدتے باحل نشستم
 جمال بمنشیں در من اثر کرد + و گر من ہماں خاکم کہ بہستم

بارگاہ رسالت میں مقبولیت | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی جان ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو محبت تھی وہ اس کی ظاہر ہے کہ امام نے اپنی پوری زندگی اتباع سنت اور احادیث نبویہ کی نقیض و تحقیق اور پھر اشاعت میں صرف کی۔

دوران کایان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لیا ہے، میں اور کچھ بچے امام بخاری بھی جا رہے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے ہیں، امام بخاری بھی جا رہے ہیں، میں بھی جا رہے ہیں، امام بخاری بھی جا رہے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے مشہور و معروف تلمیذ و صاحب نسخہ کایان ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں کسی جگہ جا رہا ہوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ محمد بن اسماعیل کے پاس، اور شافعی فرمایا ان سے میرا سلام کہنا۔ عبدالواحد بن آدم طوالتی کایان ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ چند اصحاب کرام کے ساتھ کسی کے منتظر ہیں، میں نے سلام کے بعد عرض کیا کہ حضور کس کے منتظر ہیں؟ فرمایا کہ محمد بن اسماعیل کا انتظار ہے۔ طوالتی کہتے ہیں کہ چند دن کے بعد جب امام بخاری رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر ملی، میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ امام کا انتقال اسی رات میں ہوا جس رات میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی۔

وقد جمع البعض تاریخ ولادته و مدہ حیاتہ و وفاتہ فی البیتین

کان البخاری حافظاً و محدثاً جمع الصحیح مکمل التحصیل
 میلاد کا صدق و مدۃ عملا فیہا حمید والنقض فی نویر

صدق ہے تاریخ ولادت و تاریخ وفات : عمر مبارک حمید ہے ملکوتی صفات
 فاری۔ ولادت صدق و عمر اد حمید است : بگیر از نور سال جاں سپاری
 و نشر صدق حمید نور (یعنی سچ کہا حمید نے کہ وہ نور تھے)

اشکال و جواب | اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب احادیث میں تھناے موت کی مخالفت ہے تو اتنے بڑے عظیم محدث نے یہ دعا
 فا قبضنی الیہ کیوں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیاوی مصیبت کی وجہ سے تمنائے موت ممنوع اور ناجائز ہے لیکن اخروی مصائب پر یا دینی فتنہ سے بچنے کیلئے تمنا جائز ہے جیسے شہادت کی تمنا۔

أحوال الجامع الصحيح

امام بخاری رحمہ کی یہ کتاب اگرچہ مشہور ہے، بخاری شریف سے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤلف رحمہ کا وطن بخارا ہے مگر خود مؤلف عظام رحمہ نے اس کا نام یہ رکھا تھا۔ الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه (معدة القارى)

درجہ تسیہ بخاری شریف جامع تو اس وجہ سے کہ اس کے اندر حدیث کے آٹھوں انواع موجود ہیں۔ سیرۂ آداب وتفسیر وعقائد فتن و اشراط احکام و مناقب سیرۂ سیرت کی جمع ہے یعنی وہ احادیث جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات بالخصوص اہم واقعات یعنی عز و ات پر مشتمل ہیں۔

آداب۔ ادب کی جمع ہے مراد میں آداب المعاشرت، مثلاً کھانے، پینے کے آداب وغیرہ ذالک۔ تفسیر۔ یعنی وہ احادیث جو تفسیر قرآن سے متعلق ہیں۔ عقائد۔ وہ احادیث جن کا تعلق عقائد و ایمان سے ہے۔

فتن۔ فتنہ کی جمع ہے یعنی وہ اہم واقعات جن کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اشراط۔ یعنی علامات قیامت۔ احکام۔ یعنی شرعی مسائل۔

مناقب۔ مناقب کی جمع ہے یعنی معابد کرام و صحابیات اور مختلف قبائل و طبقات کے فضائل۔

مسند۔ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ سند متصل کے ساتھ مرقوعاً منقول ہیں، آثار وغیرہ جو مذکور ہیں وہ بالفتح ہیں اور تراجم میں ہیں الصحيح۔ اور صحیح اس وجہ سے کہ امام بخاری رحمہ نے اس میں صحت کا التزام کیا ہے ان کی تحقیق کے مطابق اس میں کوئی روایت ضعیف نہیں ہے۔

المختصر۔ سے اشارہ ہے کہ یہ کتاب بھی مختصر ہے اس میں تمام صحیح حدیثوں کو جمع نہیں کیا ہے خود مؤلف کتاب امام بخاری رحمہ سے منقول ہے کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے اس کتاب کو منتخب کیا ہے، یہ بھی منقول ہے کہ مکاتبت فی کتاب الجامع الاصاصح وشرکت من الصحاح لحال الطول۔ اس میں حتی حدیثیں ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو طول سے بچنے کیلئے میں نے ترک کر دیا ہے من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و اقوال کی طرف اشارہ ہے۔

وسندہ۔۔۔ سے آپ کے انحال و تقریرات کی طرف اشارہ ہے، وایا مآل سے غزوات کی طرف اور ان تمام واقعات و حالات کی جانب اشارہ ہے جو آپ کے جد مبارک میں پیش آئے، امام نے بہت سی روایتیں ایسی ذکر کی ہیں جو نہ قولی ہیں نہ فعلی اور نہ تقریری، وہاں حضرات شرع کو اشکال پیش آیا ہے لیکن اگر اس کتاب کا پورا نام مستحضر ہو تو کوئی اشکال ہی پیدا نہ ہوگا۔
الغرض اس تالیف کا نام طویل ہے جو اپنے مضامین کے لحاظ سے جامع و مانع ہے لیکن اختصار میں زبان زد خلایق بخاری شریف یا صحیح البخاری ہے۔

حضرات محدثین رحمہم سے صحیح بخاری کی تالیف کے تین وجوہ منقول ہیں لیکن ان وجوہ میں کوئی تعاون نہیں ہے ان تینوں وجوہ کے مجموعے سے عزم و اہواز میں کھینکی ہوئی اور امام نے اصح الکتاب کی تالیف کی۔

سبب تالیف

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ کی سوانح حیات سے معلوم ہو چکا ہے کہ صرف دس سال کی عمر سے احادیث نبویہ کے حفظ کا بے پناہ شوق دامن گیر ہوا اور اس کیلئے مختلف ممالک کے ایک ہزار سے زائد شاخ حدیث والہ کبار سے اخذ حدیث کیا، چنانچہ جب تیس سال کی عمر ہوئی تو امام کے پاس چھ لاکھ حدیثوں کا ذخیرہ جمع ہو گیا، تین لاکھ سچے ہیں (یعنی حفظ) اور تین لاکھ سفینے (یعنی بیاض) ہیں۔ تو دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ احادیث صحیحہ کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیجائے جس میں ہر قسم کی صحیح احادیث موجود رہے۔

(۲) ابھی یہ داعیہ صرف ایک خیال پردہ گرام کی شکل میں تھا کہ ایک روز استاد محترم شیخ دقت امام اکثبن بن راہویہ نے دربان دکن فرمایا: لوجمعت کتابا مختصرا فی الصحیح لسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استاذ کے فرمانے سے اس خیال میں قوت پیدا ہو گئی، اور یہ چیز دراصل تالیف صحیح کیلئے اصل محرک بنی اور امام بخاری نے عزم کر لیا کہ ایسی صحیح کتاب لکھوں گا۔

(۳) نیز امام بخاری رحمہم سے خود منقول ہے: رايت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام انه يعني میں نے خواب میں حضور القدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ میں خدمتِ اقدس میں کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں پتھر ہے جس کے ذریعہ جمع اہل بیت مکہ کو دفع کر رہا ہوں، بعض معجزاتی (تعبیرِ خواب کے ماہرین سے) تفسیر پوچھی تو اس کی تفسیر سنائی کہ تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دفع کر دے گے یعنی احادیث کے ذخیرہ سے موضوع اور ضعیف حدیثوں کو چھانٹ کر نکال دو گے۔ اس تعبیر کے بعد امام نے صحیح بخاری کی تالیف فرمائی۔

تعداد روایات بخاری صحیح بخاری میں کل کتنی حدیثیں ہیں؟ شیخ تقی الدین ابن الصلاح کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح بخاری میں کل احادیث مع مکررات سات ہزار دو سو پچتر ہیں عداد احادیث صحیح البخاری

سبعة آلاف ومائتان وخمسة وسبعون بالاحاديث المكمرة (مقدمہ نفع الہادی ص ۲۷۵)

علامہ نووی رحمہم سے بھی یہی تعداد منقول ہے لیکن علامہ نووی نے شرح میں مسند کا قید کا اضافہ کیا ہے،

ولفظه جملة ما في صحيح البخاري من الاحاديث المسندة فذكره الحدیث ۷۱۶۰

سبعة آلاف ومائتان وخمسة وسبعون بالمكمرة (واسقاط المكمرة الاربعة الاف

حافظ قسطلانی کہتے ہیں کہ یہ تعداد صحیح نہیں ہے، پھر حافظ نے ہر باب کی احادیث صحیح طرز سے شمار کر کے لکھا ہے کہ اس احادیث سنہا کا تعداد سات ہزار تین سو ستائیس ہے یعنی تحقیق کے بعد ۷۷۵۷ کے عدد پر ایک سو بائیس کا اضافہ کیا لہذا اس تعداد ۷۸۹۷ ہو گئیں، اس کے اس مقدمہ کے آخر میں سنہ ۳۶۹ پر لکھتے ہیں فجملة ما في الكتاب من التعليلات والتبعية على اختلاف الروايات حدیثا یعنی کل تعلیق (مجموعہ تعلقات) کی تعداد ایک ہزار تین سو گنا تیس ہے اور کل متابعات و تنبیہ علی اختلاف الروایات تین سو چالیس ہیں دو سطر کے بعد لکھتے ہیں وجملة ما فيه من المتابعات والتنبيه على اختلاف الروايات ثلاثمائة واحد واربعون حدیثا مقدار مقدمہ ۳۶۹، شاید کہ اربعۃ واربعون کے بجائے ظم کے چوکے احد واربعون ہو گیا اور اس چوک کی دلیل یہ ہے کہ مجموعہ میں فرماتے ہیں تسعة آلاف واثنان وثمانون حدیثا اور یہ مجموعہ اسی وقت درست ہو گا جبکہ متابعات کی تعداد تین سو چالیس ہوگی۔

الحاصل ۱۔ احادیث سنہا	۷۸۹۷	ایضا قسطلانی سنہ
مجموعہ تعلقات	۱۳۴۱	
کل متابعات	۳۴۲	ایضا قسطلانی

مجموعہ احادیث ثانی البخاری ۹۰۸۲

اسی صاف معلوم ہوتا ہے کہ متابعات کی تعداد میں سبقت ظم یا سہو کا نتیجہ بجائے تین سو چالیس کے تین سو گنا تیس ہو گیا ہے لیکن مجموعہ سیزدان ۹۰۸۲ صحیح ہو گیا جیسا کہ مقدمہ قسطلانی میں جوئی التوافق مقدمہ فتح الباری کی تکمیل ہے، فقہر کے ہے وجملة ما فيه من المتابعات والتنبيه على اختلاف الروايات ثلاثمائة واربعۃ واربعون حدیثا فجملة ما في الكتاب على هذا بالمعنى تسعة آلاف واثنان وثمانون حدیثا خاصا جازا عن الموقوفات على الصحابة والمقطوعات على التابعين فمن بعدهم رتبة قسطلانی سنہ، اور مؤلف مکررات کے بعد دو ہزار پانچ سو تیرہ وجميع ما فيه موصولاً ومعلقاً بغير تكرار الغا حدیث وجملة مقدمہ حدیث وثلثة عشر حدیثا (مقدمہ لامع سنہ)

صحیح بخاری کی تالیف

تالیف کی ابتداء کب ہوئی اور فراغت کب؟ اس کے بارے میں شراح و مؤرخین خاموش ہیں لیکن اتنا مؤرخین بھی لکھتے ہیں اور خود مؤلف کا لفظ رکھی ہے کہ یہ کتاب سولہ برس میں مکمل ہوئی اور امام بخاری نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس کتاب کو میں نے اپنے اساتذہ امام احمد، علی بن یزید، یحییٰ بن عیینہ کی خدمت میں پیش کیا، وقال ابو جعفر: لعقبی لما صنف البخاری کتاب الصحیح عرضہ علی ابن الدینی و احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین وغیرہم فاستحسنوا وشهدوا له بالصحة الا اربعة ثلعا دیش، قال لعقبی القول فی قول البخاری وهي صحيحة ايضا وقال في موضع آخر سوي الفهرست عن البخاري قال ما دخلت في الصحيح حديثا الا بعد ان استخضت

الشیخ و توفیق صحیحہ۔ (مقدمہ جامع ص ۲۳۳) ایضا تسلطانی۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے پہلے کئی بن معین کا وصال ہوا ۲۳۳ھ میں، اور علی بن مدینی کا انتقال ہوا ۲۳۴ھ میں۔ اور امام احمد بن حنبل کی وفات ہوئی ۲۴۱ھ میں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح بخاری کی تصنیف سے ۲۳۳ھ سے قبل ہی فارغ ہو گئے تھے یعنی کئی بن معین کی وفات سے قبل۔

ادریہ تو بالکل ظاہر ہے کہ اس کے بعد فراغت نہیں ہوئی البتہ یہ ممکن ہے کہ کئی بن معین کی وفات سے چند سال پہلے فراغت ہوئی ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ فراغت کے بعد کچھ اضافہ بھی ہوا ہو۔ پس جب ۲۳۳ھ میں فراغت تسلیم کر لی جائے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ابتداء ۲۳۳ھ میں ہوئی جبکہ امام کی عمر تیس برس کی تھی تاکہ سو سال کا حساب درست ہو جائے، لیکن چونکہ یہ یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ کئی بن معین کی خدمت میں ان کی وفات کے سال کتاب پیش کی گئی اس لئے ابتداء کا یقین بھی دشوار ہے، ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ تکمیل ۲۳۳ھ یا اس سے پہلے ہوئی، اسی لحاظ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابتداء ۲۱۶ھ یا اس سے پہلے ہوئی۔

(امداد)

تلاشیات بخاری اس کے لئے احقر کی نہر الباری کتاب المغازی ص ۲۴۳ ملاحظہ فرمائیے۔

صحیح بخاری کی عظمت و فضیلت

ابوزید روزی کا بیان ہے کنت نالما بین السکن والمقام فی ایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنار فقال لی یا ابا زید الخ متی تدرس کتاب الشافعی وما تدرس کتابی فقلت یا رسول اللہ وما کتابک قال جامع محمد بن اسمعیل۔

(مقدمہ تسلطانی ص ۲۳۳، مقدمہ جامع ص ۲۳۳)

یعنی میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابوزید! تم کب تک شافعی کی کتاب کا درس دیتے رہو گے؟ اور میری کتاب کا درس نہ دو گے؟ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ کی کتاب کو نہیں ہے؟" ارشاد فرمایا "جامع محمد بن اسمعیل" (یعنی بخاری شریف) گو یا اس میں اشارہ ہے کہ بخاری شریف نہایت صحیح جامع ہے جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کتاب فرمایا۔

ختم بخاری کے برکات علماء کبار نے بار بار تجویز کیا ہے اور لکھا ہے کہ کوئی بڑی مصیبت یا مشکل پیش آئے اور اس مشکل کے حل کے لئے بخاری شریف کا ختم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرمادیتے ہیں،

طاعون کی وبا ہو یا قحط ہو تو اس میں ختم بخاری مجرب ہے، یہ بھی آزمودہ ہے کہ جس کشتی میں بخاری شریف ہو وہ کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہتی ہے، اسی طرح شفا مرض کے لئے اس کا پڑھنا بہت نافع ہے، اہم مقدمات میں بھی ختم بخاری مجرب ہے، الغرض استجاب دعا، حل مشکلات اور قضاء حاجات کے لئے ختم بخاری مفید اور آزمودہ ہے۔ چنانچہ علمی اور دینی مراکز مثلاً مظاہر علوم (دوقف)، سہارن پور اور دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں اکابر و اسلاف کے وقت ہی سے معمول ہے۔

تراجم بخاری کی اہمیت

علمنا محشی کرام اپنی کتابوں میں اپنے مذاق کے لحاظ سے ترجمہ الباب منعقد کرتے ہیں، امام مسلم نے تو کوئی ترجمہ الباب لکھا ہی نہیں۔ ترمذی اور ابو داؤد کے تراجم بہت آسان ہیں ان میں تفویض کی ضرورت پیش نہیں آتی الامثال، الاثر، لیکن پھر ابو داؤد کا ترجمہ الباب ترمذی سے اعلیٰ ہے اور ان دونوں ترمذی اور ابو داؤد سے نالی شریف کا ترجمہ الباب اعلیٰ ہے اور قدرے مشکل ہے۔ بعض مقامات پر تو امام بخاری کی مشاگردی کا حق ادا کر دیا ہے اس لئے اس میں تامل و تدبیر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بعض بعض مقامات پر دونوں کا ترجمہ الباب ایک ہی ہے۔

تو ارد ممکن ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ شیخ کی اتباع ہی راجح معلوم ہوئی ہو، شیخ کا ترجمہ الباب زیادہ پسند آ گیا ہو، بہر حال امام بخاری کا ترجمہ الباب اپنی باریکی میں وقت نظر کے لحاظ سے، تدبیر و فقاہت کے اعتبار سے مشہور و ممتاز ہے۔ یہ تو قدین حدیث کی مذکورہ تقاریر کے اخیر میں معلوم ہو چکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اصل مقصد اور اولین داعیہ خالص صحیح مرفوعہ کا مجموعہ تیار کرنا اور مسائل کا استنباط کرنا ہے لیکن اس کتاب کی اہم خصوصیت جس سے امام کی انفرادی شان اور امتیازی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے وہ اس بخاری شریف کے تراجم میں درج جس کے پاس چھ لاکھ حدیثوں کا ذخیرہ موجود ہے اس کو دس ہزار حدیثوں کے انتخاب میں سو سال کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا ترجمہ الباب سب سے اعلیٰ بالا اور نرالا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اکثر ترجمہ الباب کے ساتھ آیت کریمہ بھی لاتے ہیں جس سے اس طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔
جميع الحلوف في القسآن لكن : تقاصع عن افهام السجالي
قال الله تعالى : وانزلنا اليك الذكرتين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون.
ذکر سے قرآن اور تبیین سے حدیث اور تفکر سے استنباط مراد ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کتاب الام میں فرماتے ہیں کہ آئندہ جوئے والا کوئی حادثہ ایسا نہیں جس کا حکم قرآن نے نہ بیان کیا ہو۔
حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کسی نے کہا کہ اپنی رائے سے مسائل بیان فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی مسئلہ بیان کرتا ہو اس کا ماخذ قرآن ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابی ترجمہ الباب لکھا، ان سے پہلے کسی نے ابی ترجمہ الباب لکھا اور ان کے بعد کسی نے ان کی پوری نقالی کی کوشش کی، گویا اس دروازے کے یہی فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی۔ مشہور ہے کہ "فقه الباری فی تراجمنا" امام کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فقہ کی کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی، اگر ان کے مسائل فقہیہ کو معلوم کرنا ہو تو تراجم بخاری سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس جملہ کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ امام بہت بڑے ذہین و فقیہ ہیں ان کے فقہ ذہانت کا اندازہ لگانا ہو تو ترجمہ الباب دیکھو۔ اسی وجہ سے علامہ ابن خلدون نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت امت مسلمہ پر امام بخاری رحمہ اللہ کا قرض ہے، لیکن حق یہ ہے کہ علامہ بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی علمی ذکاوت اور دور بینی سے ایک حد تک اس قرض کو اتار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر پھر بھی بعض مقامات پر ہتھیار ڈال دیا ہے، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی دقت نظر اور باریکی بینی کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ

امام نووی رحمہ اللہ کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں: "وَلَكِنَّ مِنْهَا هَذَا كَرِوَا فِي غَيْرِ بَابِهِ الَّذِي يَسْبِقُ إِلَيْهِ
الْمَقْصِدُ الْمَذْكُورُ" (مقدمہ نووی ص ۱۷)

در اصل عام طور پر محدثین کے نزدیک ترجمہ الباب بہتر نہ دعویٰ کے ہوتا ہے اور پیش کردہ احادیث بہتر نہ دلیل کے ہوتی ہے
اسی لحاظ سے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ترجمہ الباب اور حدیث میں مطابقت کیا ہے؟ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ محدثین کے قاعدہ کے پابند
نہیں ان کی مثال تو ایسی ہے کہ

ہم ہمدردی قیس نہ فرما د کریں گے : ہم اک طرز جنوں اور ہی ایجا د کریں گے

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب میں بہت سے علوم کو جمع کر دیا ہے کہیں حدیث کی تشریح یا توجیہ مقصود ہوتی ہے تو
کہیں اجمال کی تفصیل، کہیں دفع دخل مقدر ہوتا ہے تو کہیں کسی کی تردید، کہیں آیات و روایات میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا
ہے تو ترجمہ الباب سے اس کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو مسئلہ مستحق متعین ہوتا ہے، اس کو ترجمہ الباب سے ظاہر فرماتے ہیں
اور اگر کسی مسئلہ میں امام کو تردد ہوتا ہے یا جانین کی گنجائش ہوتی ہے یا دلائل متعارض ہوتے ہیں تو قطعی حکم نہیں دیتے اور
مختلف روایتیں ذکر کر کے ہر ایک کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، پھر کسی ترجمہ الباب کی ہر روایت ترجمہ الباب کے مطابق
ہوتی ہے کہی تمام روایات کے مجموعہ سے ترجمہ الباب کا اثبات مقصود ہوتا ہے۔

تزام بخاری کے متعلق محققین کی تحقیق یہی ہے کہ ہر روایت سے پورے ترجمہ الباب کا ثابت ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر
روایت سے ترجمہ الباب کے کسی جز کا ثابت ہونا کافی ہے البتہ مجموعہ سے مجموعہ کا ثبوت ہونا چاہیے۔

کبھی امام ایک حدیث کو ترجمہ الباب کی مناسبت سے ذکر کرتے ہیں پھر دوسری حدیث ایسی لاتے ہیں جس کا ترجمہ الباب سے بظاہر
کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق حدیث سابق سے ہوتا ہے، اس کی تفصیل یا حدیث سابق کی سند یا متن کے متعلق کسی خاص
تحقیق کی جانب اشارہ ہوتا ہے وغیرہ ذلک۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہیں تو ترجمہ الباب ذکر نہیں کرتے اور حدیث لے آتے ہیں جس کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) تالیف کے وقت امام کے ذہن میں مناسبت ترجمہ الباب نہیں آیا آئندہ پر جمعہ ذکر آگے بڑھ گئے کہ بعد میں مذکور حدیث
سے استنباط کر کے ترجمہ الباب لکھ دیا جائیگا مگر وقت نہ ملا۔

لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ایک جگہ امام بخاری نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب کو یحییٰ بن معین کی
خدمت میں پیش کیا، اور یحییٰ بن معین کی وفات ۲۴۳ھ میں ہوئی اور امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی، اس لحاظ
سے کتاب کی تالیف کے بعد کم از کم تینیس برس اس دنیا میں رہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ نوے ہزار انسانوں نے امام سے اس
کتاب کو سنا، پس موقع نہ ملنے کا عذر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ناقلین کی غلطی ہے، امام نے ترجمہ الباب لکھا تھا نقل کرنے والوں کی غلطی سے چھوٹ گیا، اس
جواب کی کمزوری بھی ظاہر ہے اسلئے کہ امام نے تالیف کے بعد مسلسل تینیس برس دیکھا، ہزاروں کو سنایا، پھر ناقلین کی
غلطی کی کیا دلیل ہے اور وہ اصل نسخہ کہاں ہے؟ جس میں امام کا ترجمہ الباب موجود ہے۔ اگر کوئی نسخہ ایسا نہیں ہے

تو پھر نقل کرنے والوں کو خطا کا رکبنا دعویٰ بلا دلیل ہے اور فہم نارسا کا قصور ہے۔

(۳) حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ایسا باب سابق باب کا تتمہ ہے یعنی کالغصل من الباب السابق۔ آئندہ مضمون نہ تو باب سابق سے بالکل متحد ہے نہ بالکل مفارک بلکہ من وجہ باب سابق سے متعلق ہے اسلئے ترجمہ الباب کی ضرورت نہیں اور من وجہ مفارک ہے، اس لئے لفظ جاب۔ لکھ دیا گیا۔

یہ توجیہ بہتر ہے اکثر شراح نے اس کو پسند کیا ہے، پوری تفصیل تو وہاں معلوم ہوگی جہاں باب بلا ترجمہ ہے انشاء اللہ۔
(۴) امام ترجمہ الباب کو جعفر طبرانی نے طلبہ حدیث کا امتحان اور ان کے ذہن کی تمرین کرنا چاہتے ہیں، کہ وہ از خود حدیث ذیل سے کوئی مناسب مسئلہ اخذ کر کے ترجمہ الباب میں رکھیں، کہیں اس کے برعکس ترجمہ الباب تو لکھتے ہیں مگر اس کے تحت کوئی روایت نہیں لاتے، اس کی بھی وہی وجہ بیان کی گئی، یہی ہے کہ امام رحمہ کو اپنی شرائط کے مطابق کوئی روایت نہ ملی یا یہ کہ روایت تلاش کر کے یہاں لکھنے کا ارادہ تھا مگر وقت نہ ملا، یہاں بھی بہتر جواب وہی ہے کہ طلبہ حدیث کے ذہن کی تمرین کیلئے ایسا کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ کے تراجم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جگہ جگہ موقع بہ موقع قرآن حکیم کی آیتیں بھی پیش فرماتے ہیں، اقوال صحابہ اور تابعین سے اپنے دعویٰ کو مدلل فرماتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ کا مقصد صرف احادیث صحیحہ کو جمع کرنا ہی نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت بھی مقصود ہے، اس کے لئے اگرچہ مستقل کتاب التفسیر ہے لیکن ہر مضمون کے مناسب آیت اسی مقام پر موقع فی النفس ہوتی ہے۔

اسی طرح احادیث سے مسائل کا استنباط اور اس کا طریقہ، نیز قرآن و حدیث اور فقہ کا ربط بھی بتانا چاہتے ہیں، تراجم بخاری کا اہتمام ہمیشہ ہمارا ہے، محدثین کرام نے تراجم بخاری پر تصنیفات فرمائی ہیں، چنانچہ حضرت مسند البند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ نے ایک عربی رسالہ بنام ”شرح تراجم ابواب صحیح البخاری“ لکھا ہے جو بخاری شریف کے شروع میں ملحق ہے۔
(۵) حضرت شیخ البند مولانا محمد حسن رحمہ نے بھی اردو زبان میں الابواب والترحاجم کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

(۶) ان اکابر بزرگوں کے بعد حضرت علامہ الشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ساہی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور نے تراجم بخاری پر نہایت جامع اور مفصل کتاب بنام ”الابواب والترحاجم لصحیح البخاری“ لکھی جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

امام بخاری رحمہ سے ترجمہ الباب سے متعلق کسی خاص قاعدے اور اصول کی تشریح متقول نہیں ہے، بعد کے علماء کبار نے اپنی تحقیق کے مطابق کچھ اصول اخذ کئے ہیں جن کو حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرتد نے مقدمہ لامع میں جمع کر دیا ہے جو مشترک اصول ہیں اور قابل مطالعہ ہیں۔

اگر علامہ ابن خلدون ہوتے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ کی کتاب ”الابواب والترحاجم“ دیکھ لیتے تو شاید یہاں تک کہ یہی کتراجم کا حق ادا ہو گیا ہے اور امت مسلمہ پر سے امام بخاری رحمہ کا قرض اتار دیا گیا ہے، انشاء اللہ الرحمن نصر الباری

میں احقر بھی حسب موقعتہ تشریح کرتا رہیگا۔

صحاح ستہ

حدیث کی پانچ کتابیں بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی تو بالاتفاق صحاح میں داخل ہیں۔
ابنماہ میں صحاح خمسہ کی اصطلاح مشہور تھی، چھٹی کتاب میں اختلاف ہے بعض حضرات نے مؤطا امام
مالک کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگرچہ مؤطا صحیح ہے مگر اس میں احادیث کم ہیں اور آثار زیادہ اس لیے یہ صحاح
ستہ میں داخل نہیں، اس کی جگہ بعض حضرات نے طحاوی کو اور بعض نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں داخل کیا۔

سب سے پہلے حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر التوفی مشہور نے اپنی کتاب "اطلاق الکتاب المستتہ" اور اسی طرح شعروط
الادب المستتہ میں ابن ماجہ کو بھی صحاح کی فہرست میں داخل فرمایا پھر حافظ عبدالغنی مقدسی المتوفی ستہ ہجری نے اپنی
کتاب اسماء الرجال میں فتحة النسا۔

پھر تو اکثر حضرات نے ابن ماجہ کو اس کی حسن ترتیب کی بنا پر صحاح ستہ میں شامل کیا چنانچہ آج کل یہی اصطلاح مشہور ہے
صحاح ستہ اور ابن ماجہ چھٹی کتاب ہے۔ پھر ابن ماجہ کا درجہ دوسری صحاح جیسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں تقریباً بیس
احادیث موضوع ہیں اور ایک ہزار کے قریب ضعیف، ابوالجراح المزنی نے تو یہاں تک کہدیا کہ کل ما انفک دجہ ابن ماجہ
فہو ضعیف، مگر بلا دلیل علی الاطلاق یہ حکم گناہ درست نہیں، کذا قال ابوالحسن السندی رحمہ فی تعلیقہ والحافظ ابن حجر رحمہ
بعض حضرات نے مسند احمد بن حنبل کو صحاح ستہ میں داخل کیا ہے لیکن ابن ماجہ کی مقبولیت پر دھندلا سا پردہ بھی نہ پڑ سکا۔
ابن سادات بزور بازی نیست + تا نہ بخشد خداے بخشندہ

شروط المئمہ

شروط المئمہ یعنی ائمہ حدیث نے اپنی کتاب میں حدیث درج کرنے کیلئے کیا شرائط پیش نظر رکھی ہیں؟
یہ ایک اہم اور مشکل سوال ہے کیونکہ ائمہ حدیث اور مؤلفین حضرات نے اپنی کتابوں کی کوئی مشروط نہیں ذکر فرمائی
البتہ بعد کے علماء نے ان کی کتابوں کو چھانسنے کے بعد تدریج کے ساتھ مطالعہ کیا، ان کی شرائط کو تلاش و تتبع کے بعد انھیں ان کی کتابوں سے
مستنبط کیا، اس کے متعلق مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جس میں دور مسائل معروف اور متداول ہیں، اما ابوبکر حازمی رحمہ کی مشروط
الائمہ المئمہ اور حافظ ابوالفضل کی مشروط الائمہ الستہ۔

ہر روایت میں دو چیزیں اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہوتی ہیں، ایک راوی کی اپنی حیثیت، اس کا ذاتی جوہر یعنی عادل، ثقہ
صاحب ضبط و اقلان وغیرہ بنایا، دوسری چیز اس کا اپنے شیخ سے تعلق مثلاً صرف معاشرت ہی ہے یا ملاقات بھی،
پھر ملاقات کیسی؟ کتنی؟ سرسری ملاقات ہے یا اطمینانی؟ شیخ کی خدمت میں حاضری کم ہوئی یا بکثرت؟ صرف حضر کی صحبت
حاصل ہے یا حفسہ و سفر دونوں کی، بعض محدثین ان تمام امور پر نظر فرماتے ہیں اسلئے کہ انسان کا اصل جوہر سفر میں کھلتا ہے
حضرت عرض سے کسی نے ایک شخص کی تعریف کی تو فرمایا کہ کیا تو کسی سفر میں اس کے ساتھ رہا؟ اس نے کہا نہیں، تو فرمایا۔ پھر
تعریف کیسی؟

حازمی رحمہ فرماتے ہیں کہ اگر سے تو صراحتہ شرائط منقول نہیں البتہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے ان کی شرائط کا اندازہ ہوتا ہے۔
راوی کی پانچ قسمیں۔ ۱۔ کثیر الشبوط والاتقان کثیر الملازمۃ مع الشیخ یعنی رواقہ اعلیٰ وجہ کا حافظ رکھتے ہوں اور نردی عنہ

کے ساتھ کثیر المذازم ہو۔

(٢) كثير الفسب والافتقار قليل الملازمة مع الشيخ.

(٣) قليل الفسبض والاتقان كثير الملازمة مع الشيخ.

(٣) قليل الضبط والاتقان قليل الملازمة مع الشيخ .

(۵) بجای ایل وضعفار۔

اما بخاری رحمہ اللہ کی احادیث کو بالاستیجاب لیتے ہیں البتہ کبھی کبھی استشہاد کے طور پر طبقہ ثانیہ کی حدیث لے آتے ہیں۔
اما مسلم رحمہ اللہ اور طبقہ ثانیہ کی احادیث کو مستقلاً بالاستیجاب لیتے ہیں اور کبھی کبھی بطور استشہاد طبقہ ثالثہ کی روایت بھی لے آتے ہیں۔

امام ثانی اور ابو داؤد ان طبقات ثلاثہ کے علاوہ طبقہ راجع میں سے بھی مشاہیر کی روایت کو لیتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ چاروں طبقات (ع ۱ ع ۲ ع ۳ ع ۴) کو بالاستیعاب لیتے ہیں اور کبھی طبقہ خاص سے بھی روایت لے آتے ہیں۔ مذکورہ تقریر سے واضح ہو گیا کہ کتب صحاح میں باعتبار صحت کے معقن ترتیب اس طرح ہوگی۔

علاء بخاری شریف، مسلم شریف، نسائی شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، پھر آخری درجہ یعنی چھٹا درجہ ابن ماجہ کا ہوگا چونکہ ابن ماجہ میں ضعیف اور منکر روایات ہیں بلکہ بعض روایات موضوع بھی ہیں۔ دانشرا علم۔
نوٹ:- طحاوی شریف باعتبار صحت کے ابوداؤد کے درجہ میں ہے۔

مجاہد نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے اور حافظ ابوعلی نیشاپوری کے

صحیحین میں موازنہ اور قول فیصل

اس ارشاد سے استدلال کیا ہے، ”ما تحت اذیہ السماء کتاب اصح من مسطور“ جوہر علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس جملہ سے صحیح بخاری پر ترجیح ثابت نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس قول میں تساوٰی کا احتمال ہے، نیز تادیل ہو سکتی ہے کہ حافظ عیشا پوری کا مقصد کلام مذکور سے یہ ہے کہ صحیح مسلم حسن ترتیب کے اعتبار سے راجح و افضل ہے۔

جہود علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ محنت کے اعتبار سے صحیح بخاری افضل ہے اور حسن ترتیب کے لحاظ سے مسلم شریف افضل ہے
کما قال ابن العری۔ ۵

تَنَازَعُ قَوْمٌ فِي الْبُخَارَى وَمُسْلِمٌ : لَدَى فَقَالُوا اتَى ذِينَ يَقْدُمُ

فقلت لقد فاق البخاري صحة ، كما فاق في حسن الصناعة مسلم

بہر حال یہ دونوں (بخاری و مسلم) امت مسلمہ کیلئے احادیث و روایات صحیحہ کا عظیم مجموعہ ہیں۔

قال العلامة العيني رحمه الله تعالى: «اتفق علماء الشرق والغرب على أنه ليس بعد كتاب الله

تقانی اصح من صحیح البخاری ومسلک الخ (عمدة القاری ص ۵)

صحیح مسلم علامتوں اور اسانید کو یکجا جمع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے حدیث کی جستجو میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ امام بخاری نے حدیثا اور اخبار فائیں کوئی فسرق نہیں کیا، مسلم نے ان کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے مثل الصحیحین کما لعینین او الہدین بل کالقصین۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود مندرجہ ذیل وجہ سے بالخصوص باعتبار صحت کے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فضیلت و فوقیت حاصل ہے۔

(۱) صحیح بخاری کی مسلک فیہ روایات کی تعداد ایک سو دس اور صحیح مسلم کی ایک سو تیس^{۱۳۲} ہیں جیسا کہ علامہ سیوطی نے ابجد ہوز کے حساب سے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔

هذا عدد لجعفی و قاف لمسلم ۵ بل لهما فاحفظ وقیت من الردی

اس شعر میں قاف زمانہ ہے اور د عدد کے عدد اٹھتر ہیں۔ جعفی سے مراد امام بخاری رحمہ ہیں۔

اور قاف کے عدد ستتر ہیں۔ دوسرے مصرع میں لفظ بل دو وزن کے لئے جس کا عدد بیست ہے پس اس شعر کو یاد کرنا مسلک فیہ روایات سے واقفیت ہو جائے گی اور ہلاکت سے بچ جاؤ گے۔

(۲) صحت کا دارمؤدرا اتصال مسند پر ہے امام بخاری رحمہ نے بخاری شریف روایت کے لئے راوی اور مروی عنہ استاد و شاگرد میں ثبوت لقار کو ضروری قرار دیا ہے جبکہ امام مسلم رحمہ کے یہاں معاشرت و امکان لقار کافی ہے۔

(۳) ان دو وجہ کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری خود امام مسلم سے فائق ہیں، امام مسلم شاگرد ہیں اور برابر امام بخاری سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ امام بخاری حدیث کے دقائق اور علل کی معرفت میں امام مسلم سے بہت فائق ہیں وغیرہ پس ظاہر ہے کہ اعلیٰ اور فائق کی کتاب فائق ہوگی۔ چنانچہ شاہ عبداللہ علی محمد تہذیب دہلوی رحمہ فرماتے ہیں فاعلم ان الذی یقتصر عند جہور المحدثین ان صحیح البخاری مقدم علی سائر الکتاب الحدیثیہ کتاب اللہ صحیح البخاری (مقدمۃ)

تعدد نسخ اور وجہ اختلاف

صحیح بخاری شریف کے نسخے متعدد اور مختلف ہیں اس تعدد اور اختلاف کا سبب ظاہر ہے کہ پہلے زمانہ میں موجودہ دور کی طرح نسخہ و اشاعت کے ذرائع تھے کہ ایک کتاب چھپو اگر سکرٹس اور پاکستان، مصر و شام سمجھو جاسے، اس دور میں تعلیم و علم کا طریق صرف یہ تھا کہ استاد اپنی یاد سے یا اپنی بیاض سے بیان کرتے اور تلامذہ اپنے استاد سے سنتے اور لکھ لیتے تھے اور ہمیشہ یہ دستور رہتا تھا کہ ہر سال شاہین علم کما شیخ کے پاس جاتے، شیخ سناتا اور تقریر کرتا اس گرو سننے اور لکھ لیتے تھے۔

اور یہ معلوم ہے کہ امام بخاری رحمہ سے نوے ہزار تلامذہ نے صحیح بخاری کی سماعت فرمائی، اور تقریریں ایسی کہ استاد ہر سال پڑھائے گا تقریر کرے گا تو کچھ نہ کچھ فسرق الفاظ کے اندر، تفصیل و اختصار کے لحاظ سے ہونا ناگزیر ہے اور چونکہ احادیث کو مختصر کرنا یا بالعمی روایت کرنا جائز ہے اس وجہ سے اس وقت کے اساتذہ کبھی ایسا کر لیا کرتے تھے کہ کسی حدیث کو ایک سال تفصیل سے بیان کیا دوسرے سال اختصار کر دیا، دوسرے سال دوسری حدیث پر تفصیل بیان کر دیا، اس بنا پر شاگردوں کے لکھے میں کبھی اختلاف ہوتا رہتا تھا، چنانچہ حافظ عسقلانی، علامہ تطلانی وغیرہ نے جو اپنی سندیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں نسخے تو بخاری شریف کے منسہر و متعارف ہیں۔

ایک علامہ ابراہیم نسفی کا۔ دوسرا بزدوی کا۔ تیسرا حماد بن شاکر کا اور چوتھا فربری کا۔ اور ایک پانچواں بھی محاملی کا ہے جو مختلف فیہ ہے کہ آیا اسکی حیثیت مستقل نسخہ کی ہے یا نہیں؟ علامہ کرمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ مستقل نسخہ ہے چنانچہ انہوں نے اپنی سند محاملی تک پہنچائی ہے مگر حافظ ابن حجر اس کا انکار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محاملی امام بخاری رحمہ کے شاگرد تو ہیں لیکن انہوں نے بخاری کی حجت خود امام سے نہیں فرمائی بلکہ اس کی نقول اور املا میں کی ہیں، بہر حال ہمارے سامنے جو نسخہ موجود ہے اور چاروں نسخوں میں سب سے زیادہ معتبر واضح اور مقبول نسخہ ہے وہ فربری کا ہے جسکو فربری رحمہ نے امام بخاری سے دومرتبہ سنا کر اشاعت فرمائی ہے۔ وعلیہ مدار الروایات فی ہذا الزمان۔

علامہ فربری رحمہ ان کا نام ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر فربری ہے۔ فربری بکسر الفار و لغتھا ایضاً فتح الرار الاولی و سکون الباء الموحده ایک گاؤں کا نام ہے جو بخارا سے بیسٹھ یا پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور بیسٹھ شوال ۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا، کل عمر نوے سال ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ کے انتقال کے وقت ان کی عمر پچیس سال تھی گویا چونسٹھ برس بعد تک زندہ رہے اور دس حدیث دیتے رہے اور ہر سال شاگردوں نے پڑھا اور لکھا اسلئے یہی نسخہ سب سے زیادہ متعارف اور متداول رہا اور ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ علامہ فربری رحمہ نے امام بخاری رحمہ سے دومرتبہ بخاری شریف پڑھی، اول مرتبہ ۲۳۸ھ میں اور دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ علامہ فربری نے تین مرتبہ پڑھی تیسری مرتبہ ۲۵۹ھ میں جس سال امام بخاری کا وصال ہوا۔ واللہ اعلم۔

خود علامہ فربری رحمہ کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمہ سے صحیح بخاری نوے ہزار اشخاص نے سنی لیکن ان سے روایت کرنے والا میرے علاوہ اس وقت کوئی باقی نہیں رہا۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ شیخ بزدوی ان کے بعد تک باقی رہے پس علامہ فربری رحمہ کے اس کلام کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے یہ اپنے علم کے اعتبار سے فرمایا۔

فربری سے نقل کرنے والے بارہ شاگرد ہیں ان میں سے نو کا ذکر حافظ ابن حجر نے کیا ہے اور امام نووی اور علامہ کرمانی ان کے علاوہ دس شاگردوں کا اور تذکرہ کیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ نے ایک اور شاگرد کا تذکرہ فرمایا ہے، واضح کے مقدمہ میں میں نے ایک نقشہ میں اس کی تفصیل لکھی ہے (مقولہ تقریر شیخ الحدیث رحمہ)

فربری کے نسخوں میں اختلاف کے وجوہات یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ کے شاگردوں کے نسخوں میں اختلاف ہو تو بر محل ہے کیونکہ جب مصنف نظر ثانی کرتا ہے

تو ضرور خود اشبات کرتا ہے۔ لیکن فربری سے پڑھنے والوں کے نسخوں میں اختلاف کی کیا وجہ؟

اس کے دو جواب ہیں ایک معقول دوسرا غیر معقول، غیر معقول ہی زیادہ قوی ہے وہ یہ کہ پہلے زمانے کے اندر جیسا کہ بیان کر چکا ہوں کہ استاد املا کرتا تھا اور شاگرد لکھتے تھے مگر چونکہ سارے شاگرد ایک ہی درجہ کے متیفظ اور میرا نہیں ہوتے اسلئے کسی نے کچھ لکھا اور کسی نے کچھ۔ جیسے کہ امتحان کے پرچوں میں دیکھتے ہیں کہ محض ایک ایک حرف بولتے پھر بھی لکھتے ہیں تغیر ہو جاتا ہے۔ ایک وجہ جو معقول ہے وچرائی قوی بھی نہیں، وہ یہ ہے کہ فربری نے اپنے استاد کے ساتھ غایت محبت

کی بنا پر دونوں نسخوں کی روایات لے لیں اگرچہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آخری نسخہ سچی ہے اور دوسرا نسخہ آخری نہیں جیسے کہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو دو سووٹیں ملا کر ایک رکعت میں پڑھتے تھے تو میرے حضرت نے غایت محبت کی بنا پر نسخہ دیا۔ ذکر یا سمجھے بھی ایک پرچہ پر لکھ کر یہ ترتیب دیدینا کہ آج ہجری ہی طرح پڑھیں گے۔ تو باوجودیکہ قرآن اور اس کی ترتیب مصحف عثمانی کے خلاف ہے لیکن غایت تعلق کی بنا پر حضرت نے اس کو پڑھا۔ (امداد الباری)

ایک غلط فہمی کا ازالہ بلاشبہ صحیح بخاری شریف اجمع الکتاب بعد کتاب اللہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بخاری شریف کا ایک ایک لفظ قرآن مجید کی طرح صحیح اور درست ہے۔ اس پر نکتہ چینی اور ضعیف کہنا جائز نہیں خواہ وہ احادیث ہوں یا مؤلف علام کے اقوال و فرمودات ہوں۔ یہ خیال خام اور غلط ہے، بلاشبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فطانت اور رقابت کے ساتھ سولہ سال دن رات کی تحقیق و تفتیش کے بعد اپنی وسعت بھر پوری کوشش کی کہ اس کتاب میں کوئی ضعیف اور غیر صحیح حدیث نہ آئے ہو اور کوئی لغزش نہ ہو مگر ابی اللہ العصمة الاولیٰ الامۃ و لہ سولہ فصیحان من لا یشی۔

بلکہ اجمع الکتاب کا مطلب صرف یہ ہے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتب میں لکھی گئی ہیں ان سب میں سب سے زیادہ صحیح حدیثیں بخاری ہی میں ہیں اور دوسری تمام کتب حدیث کے اعتبار سے بخاری شریف میں ضعیف حدیثیں کم ہیں اس لحاظ سے بخاری شریف اجمع الکتاب ہے۔

یہ بات خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جن حضرات اکابر نے بخاری شریف کو اجمع الکتاب کہا ہے وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم و فرمودات کو اس میں داخل نہیں کیا ہے اس لئے امام بخاری سے بھی اس بخاری شریف میں بعض بعض لغزش ہوئی ہے۔

مسامحات بخاری امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام علمی و فنی کمالات کے باوجود ایک انسان اور بشر تھے اس لئے صحیح بخاری کی تالیف میں ان سے سہو و لیاں، لغزش و تسامح کا واقع ہونا کوئی امر محال نہیں ہے، جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ بخاری شریف میں ہر حدیث صحیح ہی ہے اور سند و متن کے بیان میں امام بخاری سے غلطی نہیں ہوئی ہے یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ صحیح اور حق یہ ہے کہ صحیح بخاری میں بھی تسامح ہوا ہے، صحیح بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد کافی ہے جو قدری، چھٹی، شیعہ، ناموسی فقائے کے حامل تھے، نیز بخاری میں ایسے راوی بھی ہیں جو منکر الحدیث اور وہی تھے چنانچہ ان تمام کی تفصیل حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مہدی الساری مقدمہ فتح الباری میں بیان کی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۳۸۳ تا ۳۸۶ تک)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اعتراضات و تنقیدات کی مدافعت میں اپنی پوری تقاہت و علمی و کادت صرف کرنے پر کہنا پڑا لکن جواد کبیرۃ ہر تیز رو گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے۔

اور حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ قیمتی مقولہ نقل فرماتے ہیں:-

وقال ابن معین لست اعجب مقفلاً اور یحییٰ بن معین نے بیان کیا ہے کہ مجھے امام بخاری کی تعجب نہیں ہے جو حدیث

وكان من المرجحة قال له البخاری
 واوردة في الضعفاء لا رجاء لك
 والعجب من البخاری يفمنه
 وقد احتج به۔

(۳) اسی طرح ایک راوی ہے۔ اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی۔ جس کے متعلق اسی کتاب الضعفاء میں امام بخاری
 لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان عن هشام بن عمار
 متروک الحدیث کنتہ ابو اسحاق
 (کتاب الضعفاء ص ۲۵۲)

امام بخاری رحمہ اللہ اس کو خود متروک الحدیث فرماتے ہیں اور اس متروک سے ایک نہیں صحیح بخاری میں متعدد حدیثیں لی ہیں، چنانچہ حافظ عسقلانی
 بری الساری میں لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد
 شیوخ البخاری ولم یکن منہ۔
 (بری الساری پاکستان ص ۳۰)

ان منکوحہ راویوں کے علاوہ اگر آپ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب الضعفاء کا مطالعہ کر لیں اور مندرجہ ذیل راویوں پر امام بخاری کی جرح
 دیکھ لیں کہ امام نے خود جن راویوں کو مجروح اور ضعیف قرار دیا ہے پھر صحیح بخاری میں ان لوگوں کی روایات کو درج کیا ہے۔
 زبیر بن محمد بن عیسیٰ، سعید بن ابی عروبہ، عبد اللہ بن لیبید، عبد الملک بن اعین، عبد الوارث بن سعید، کہس بن منہال، عطاء بن یزید،
 حذوفہ بن یمان بن حطان جیسے غلامی بلکہ رئیس الخواص سے بھی ایک روایت کتاب اللباس ص ۵۸ میں لایا ہے، یہ عمران بن
 حبیب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاضی عبد الرحمن بن ملجم جیسے شقی کا مرثیہ لکھا۔ . . . اور اس کے قتل سیدنا
 علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمسین کی تھی، یہ عمران شاعر تھا اس نے ایک شعر کہا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "ایک تقی نے کیسی اچھی ضرب لگائی"
 حبیب اس کی نیت خدا کی رضا حاصل کرنی تھی۔ اس طرح جس شقی عمران نے دوسرے شقی (مدیرۃ العلم امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ
 کے قاتل) کو متقی قرار دیا اور رحمت و درمناں کا بھی ستم قرار دیا نیا للعجب کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس کی روایت صحیح بخاری میں جرح فرمائی۔
 (۲) مردان بن حکم جیسے مشہور شاعر سے بھی کتاب المناقب میں دو روایت لی ہے (دیکھو بخاری ص ۵۲)۔

یہ وہی مردان ہے جس کی شہادت اور دسیہ کاری کی وجہ سے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے جس نے
 حضرت طلحہ بن عبید اللہ العشرۃ المبشرۃ کو تیر مار کر زخمی کیا جس زخم کی وجہ سے وہ شہید ہوئے۔

(۳) بخاری کتاب التفسیر سورۃ الفال کے تحت ایک سند میں ابن ابی نجیح "راوی آیا ہے۔
 هو عبد الله واسم ابنه ابی نجیح یسار الشقی قال یحیی القطان کان قد ریا
 (نعمانیاری کتاب التفسیر ص ۱۳۳، عمدة القاری)

سند کے بیان میں تسامح

ضعیف راویوں سے روایت کے علاوہ بعض بعض جگہ امام بخاری رحمہ سے راویوں کے نام کے سلسلہ میں بھی غلطی ہوئی ہے چنانچہ بخاری ص ۳۲ کی دوسری صفحہ ۷۷ وقال عطاء عن ابن عباس الخ یہ عطاء خراسانی ہے جو ضعیف ہے لیکن امام بخاری رحمہ نے اس کو عطاء بن ابی رباح سمجھ کر روایت لی ہے کہ قال القسطلانی رحمہ لکن البخاری ما تصحیجہ الا انہ من رواية عطاء بن ابی رباح لان الخ اسانی لیس علی شیطہ (قسطلانی فی تفسیر ص ۷۷) (۲) بخاری اول ص ۹۰ باب اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة کے تحت جو حدیث ہے اس کی سند اس طرح بیان کی گئی ہے حد ثنا عبد العزیز بن عبد اللہ قال حد ثنا ابراہیم بن سعد عن ابيہ عن حفص بن عاصم عن عبد اللہ بن مالک ابن بحدیث قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واللہ اس سند میں امام بخاری رحمہ سے دو تسامح ہوا ہے ایک تو یہ کہ مالک بن بحدیث کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیث (لعم المودودہ) رفع الہما مالک کی مال ہے حالانکہ حضرت بحیث مالک کی زوجہ ہیں اور عبد اللہ بن مالک ہیں۔ دوسرا یہ کہ تحویل سند کے بعد ہے سمعت رجلا من الازد یقال لہ مالک بن بحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا (الحدیث)

اس حدیث کا راوی مالک کو بتایا ہے حالانکہ اس کے راوی مالک کے بیٹے عبد اللہ بن مالک تو صحیح قول پر مشرف باسلام بھی نہیں تھے۔ حافظ قسطلانی فرماتے ہیں حکم الحفاظ یحییٰ بن معین واحد وغیرہما، بالوہو فیہ موضعین احدا ان بحیث والد عبد اللہ لا مالک، وثانیہما ان الصحیبة والروایۃ لعبد اللہ لا لمالک۔

رفع الباری پاکستان ص ۱۳۹، حیدر القاری ص ۸۳ کتاب الاذان،

اس پر پوری تفصیلی بحث اپنی جگہ آئے گی انشاء اللہ۔ ابن ماجہ میں بعینہ ترجمہ الباب ہے ص ۳۲ پر نیز مسلم شریف اور نسائی نے بھی اس سند کو بیان کیا ہے لیکن ان کی سندیں یہ غلطیاں نہیں ہیں۔

(۳) باب غنم و ذوات الرقاع وحی غزوۃ محارب خصفۃ من بنی ثعلبہ من غطفان (بخاری ص ۹۱) علامہ قسطلانی فرماتے ہیں قال ابن حجر ولیس کذا لان غطفان هو ابن سعد بن قیس بن غیلان فمحارب وغطفان ابنا عم کلین یكون الا علی منسوباً الى الادنی والصواب ما فی الباب الا لاحق وهو مند ابن اسماعیل وغیرہ وبنی ثعلبہ لبوا والعطف حکم انہ علی ذالک ابو علی الفسافی فی اوہام الصحیحین (قسطلانی)

(تفصیل کیلئے دیکھئے نصر الباری کتاب البخاری ص ۱۴۹)

(۴) بخاری جلد ثانی باب غزوۃ خیبر کے تحت یہ حدیث ہے ان اباہس برق قال شہدنا الخیر اس کی ایک سند امام بخاری رحمہ نے یہ ذکر کی قال الزہری واخبرنی عبد اللہ بن عبد اللہ وسعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ص ۳۲)

اس پر امام علی خبانی نے یہ اعتراض کیا کہ صحیح عبد الرحمن بن عبد اللہ ہے مگر امام بخاری نے بجائے عبد الرحمن کے عبد اللہ

لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ "وفیه وھم فی قولہ قال الزھری واخبرنی عبد اللہ بن عبد اللہ وسعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان عبد اللہ بن عبد اللہ لا یعرف والقوادب انشاء اللہ عبد الرحمن بن عبد اللہ وھو ابن کعب قال وکنت اظن ان اللہو فیہ ممن دونی البخاری الی ابنہ رأیتہ فی التاریخ قد ساقہ کما ساقہ فی التصحیح سواء (مقدمہ نسخ البخاری ص ۳۶۹)

صحیح بخاری کتاب الزکوۃ میں ایک حدیث ہے۔

مقتن حدیث میں تسامح

من عائشۃ ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اناس یسرعون بالحد لحدوا قال اطولکن یدنا فاخذوا قصبة یدنا سعوئھا فکانت سودۃ اطولھن یدنا فاعلمنا بعد انسا کانن اطول یدھا الصدقة وکانن اسرعنا لحدوا صلی اللہ علیہ وسلم وکانن تحب الصدقة (بخاری ص ۱۱۱)

اس حدیث کے اندر دو کانت اسرعنا لحدوا صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کا مرجع بظاہر سورہ بی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ الزنا صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے حضرت سورہ رد کا وصال ہوا حالانکہ تمام اصحاب سیر و اہاب تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ الزنا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رد کا حضرت عمر فاروق رد کے در خلافت میں وصال ہوا اور حضرت سورہ رد کا وصال حضرت مطویہ کے در ۲۳ھ میں ہوا ہے۔ کافی الحاشیۃ ایضا عمدۃ القاری۔ نیز یہ تحقیق امام نووی رد اور ابن بطلال رد کہ ہے۔

(۲) باب اخذ ادماء علی غیل زوجھا۔ عورت کا اپنے خاوند کے سوا کسی اور پر سوگ کرنا، کے تحت دوسری حدیث یہ ہے۔

عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت لما جاء لعی حضرت زینب بنت ابی سلمہ کا بیان ہے کہ جب شام سے ابوسفیان کے مرنے ابی سفیان من الشام دعت اہم حبیبہا بصفرة کا خبر آئی تو ام المؤمنین ام حبیبہ نے تیسرے دن زرد رنگ کا خوشبو لگا کر اپنے فی الیوم الثالث فمسحت عارضیھا وذر اعیھا لان لاون اور ہاتھوں میں لگا کر اپنی سوگ ختم کر دیا، (بخاری ص ۱۱۱)

اما بخاری رد کا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ابوسفیان کے مرنے کا خبر شام سے آئی تھی جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابوسفیان کا انتقال شام میں ہوا تھا حالانکہ یہ قلم ہے تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابوسفیان رد کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔

وفی قولہ من الشام نظیر لان اباسفیان مات اس روایت میں من الشام پر اعتراض ہے اس لئے کہ مدینہ منورہ میں سب کا

بالمدينة بلا خلاف بین اہل العلم والافتاء اس پر اتفاق ہے کہ اس سفیان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جمعہ کے نزدیک
والجمہور علی انہ مات سنة اثنتین وثلاثین ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰
وقبل سنة ثلاث و لعمري شيء من طرق هذا سفیان بن عیینہ کی روایت کے سوا میں نے اور کسی نہیں دیکھی اور میرا
الحديث يقتضي ان الله الاف رواية سفیان خیال ہے کہ یہ راوی کا دم ہے۔
بن عیینة هذه واظنها وعمار بن عمار ۳۵۱

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو درج بخاری کرنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ نے باب فضل من شهدا بعدہ کے تحت مشہد میں اور باب غزوۃ الرجب میں مشہد پر
ایک طویل حدیث میں فرمایا۔ وكان حبيب هو قتل الحارث بن عامر يوم بدر، یعنی حضرت حبیب رضی
لے غزوہ بدر میں حادثہ بن عامر کو قتل کیا تھا۔

اس طویل حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد مشہد تا مشہد ۳۳۳ میں بھی درج فرمایا ہے اور ہر جگہ یہی جملہ ہے جس سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ امام کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور اصل حبیب نام کے دو شخص ہیں، ایک حبیب بن عدی خزرجی ہیں اور
دوسرے حبیب بن اساف جو اوسی ہیں، تا مگر اہل معاذی کا اتفاق ہے کہ جس حبیب نے غزوہ بدر میں حادثہ بن عامر کو قتل
کیا تھا وہ قبیلہ اوس کے حضرت حبیب بن اساف ہیں اور امام بخاری نے اس حدیث میں جس حبیب کا ذکر کیا ہے اس کو شریکین
نے گرفتار کر کے مکہ میں مولیٰ دیدی تھی وہ حضرت حبیب بن عدی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت حبیب بن عدی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے
اور انہوں نے حادثہ بن عامر کو قتل کیا، لہذا ان کے متعلق امام بخاری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حبیب نے حادثہ کو قتل کیا تھا
چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

قال الشرف السامعي لم يثبت كراحد من اهل المعاذي ان حبيب بن عدی شهد بدر
ولا قتل الحارث بن عامر وانما ذكروا ان الذي قتل الحارث بن عامر بعد حبيب بن اساف
وهو غير حبيب بن عدی وهو خزرجي وحبيب بن عدی اوسی ۱۰ (قسطلانی باب غزوۃ الرجب،
ایضاً حیدرہ القاری، ایضاً فتح الباری)

(۴) امام بخاری رحمہ اللہ نے باب غزوۃ الطائف کے تحت جو تھی حدیث میں لکھا ہے وہو نازل بالجمع انہ بین مکة
والمدينة ۳۵۲ (بخاری مشہد ۳۵۲ دوسری سطر)

اسکی معلوم ہوتا ہے کہ جعفر انہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
والقبوای بین مکة والطائف ومعه جزمه النوى وغيره ۱۰ (قسطلانی باب غزوۃ طائف ایضاً حاشیہ
۳۵۲)

(۵) باب مناقب عثمان بن عفان کے تحت ایک طویل حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ "ثود عاليا فامرنا
ان یجلدوا فجلدوا ثمانین ۵۲۲" پھر حضرت عثمان رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر کوڑے لگائے کہ

حکم یا چنانچہ انہوں نے اشی کوڑے دلیہ کو لکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت میں اشی کوڑے مارنے کا ذکر کیا ہے، لیکن حافظ عسقلانی فرماتے ہیں
فی رواية معمر فجلد الوليد اربعين مكرًا روايت میں ہے کہ ولید کو چالیس گھوٹے لگائے (مکر کے روایت
جلدۃ وھذا الروایۃ اصح من روایۃ بخاری ص ۵۲۲) اور یونس کی روایت بخاری ص ۵۲۲ سے صحیح ہے
یونس والوھو فیہ من الزاویۃ۔ اس یونس کی روایت میں راوی کو دہم لاحق ہوا ہے۔

رفع، عمہ، قس، ایضا ماشیہ بخاری

(۶) باب ما ذکر فی الاسواق کے تحت ایک حدیث ہے،

عن ابی ہریرۃ التّدوسی قال سمع النبی جرت ابیہم برہ وہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملک کے امت
صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفتہ النہار۔ باہر لکھا میں اور آپ دونوں غاموش تھے، یہاں تک کہ انہیں قینقا
لا یکمنی ولا لکمہ حتی اتی سوق بنی قینقاع کے بازار میں آئے اور حضرت فاطمہ کے گھر کے صحن میں بیٹھ گئے
فجلس بفناء بیت فاطمۃ الحدیث۔

(بخاری اول ص ۸۵ کتاب البیہر)

اس حدیث سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا گھر بنی قینقاع کے بازار میں تھا حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ سیبہ فاطمہ
لا مکان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی (دع مطہرات کے مکاتوں کے درمیان تھا، ناقل کو اس روایت میں دہم ہوا ہے
صحیح مسلم کی روایت میں یہ دہم نہیں ہے اس میں اس طرح ہے حتی جاء سوق بنی قینقاع (قرآن ص ۱۱۱) حتی
اتی فناء فاطمۃ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنی قینقاع کے بازار میں تشریف لائے پھر واپس پرے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ
کے صحن میں داخل ہوئے چنانچہ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:-

قال التّدوسی سقط بعض الحدیث ذورۃ لہ کہا کہ ناقل سے حدیث کے بعض الفاظ ساقط ہو گئے یا اس نے یک
عن الناقل او ادخل حدیثا فی حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دیا کہ یہ کو حضرت فاطمہ کا مکان بنی قینقاع
لوان بیت فاطمۃ لیس فی سوق بنی قینقاع انتہی وما ذکر فی اولہا الواقع کے بازار میں نہیں تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ذورۃ نے جو پہلا احتمال
ذکر کیا ہے (یعنی ناقل سے بعض الفاظ ساقط ہو گئے ہیں) اصل میں واقعہ

یہی ہے۔ (الشرع المسلم)

(رفع الباری، عمدة القاری)

(۷) امام بخاری رحمہ اللہ باب فضل من شہدا بعد را کے بعد ایک باب بلا ترمہ قائم کر کے ایک حدیث ذکر فرمائی
عن ابی اسید رضی اللہ عنہ قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم ربذا اذا اکثروا کو
جی کثروا کو فارموا و استبقوا انبکم (بخاری ثانی ص ۵۲۷ تا ص ۵۲۸)

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:- ہذا التفسیر من بعض الرواۃ لا یصح اھل اللغة۔

علامہ علی بن فراتے ہیں:- ہذا التفسیر لا یصح اھل اللغة (عمدة القاری) ملاحظہ فرمائیے نصر الباری کتاب المغازات ص ۵۲۔

استنباط مسائل میں تسامح

ہم اس سے پہلے عنوان "تراجم بخاری کی اہمیت" کے اندر بیان کر چکے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد صحیح بخاری کی تالیف سے صرف احادیث صحیحہ کو جمع کرنا نہیں ہے بلکہ اہم مقصد احادیث سے مسائل کا استنباط ہے اور اسی مقصد کے ماتحت تراجم ابواب قائم کرتے ہیں بشرطی تقاضا سے مسائل کے استنباط میں بھی امام بخاری سے لغزش ہوئی ہے اور اس لغزش کی تعداد تو بہت زیادہ ہے جو نصر الباری میں اپنی جگہ پر مفصل اور مدلل بحث آئے گی انشاء اللہ۔ ہم یہاں بطور نمونہ چند مثالیں پیش کرتے ہیں:-

(۱) باب اذا شرب الكلب في الاضواء کے تحت دوسری حدیث اپنی سند کے ساتھ یہ ذکر فرمائی ہے۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم ان رجلا رأى كلباً ياكل الثريد من العشب فاحذى الرجل فخلف يده حتى اذى اذنا فاشكر الله له فادخله الجنة.

ابو اکرم علی اشرف علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص نے ایک کتا دیکھا جو پیر کی شرت کے درے میں مٹی چاٹ رہا تھا اس نے اپنا سوزہ اٹھا اور اس میں پانی بھر کر اسے چلو سے بلا تا شروغ کیا یہاں تک کہ اس نے کتے کو سیراب کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کام کی قدر فرمائی اور اس کو جنت عطا فرمائی۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:-

استدل به المصنف على طهارة سور الكلب الخ۔ (صحیح البیہقی ص ۲۴۸ ایضاً ص ۲۲۳) مصنف رحمہ نے اس حدیث سے کتے کے جھوٹے کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔

اس باب میں ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے۔

قال كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم قلم يكوئوا يرشون شيئا من ذلك۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جہز رسالت میں کتے مسجد نبویؐ میں آتے جاتے تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وجہ سے پانی نہیں پھڑکتے تھے۔

اس حدیث کے ذکر سے بھی امام بخاری رحمہ کا مقصد بظاہر ہی ہے کہ کتے کا لعاب پاک ہے حالانکہ بالکل ابتدائی دور کی بات ہے جب مسجد میں دروازے نہیں تھے اور بعد میں مسجد کی تطہیر اور تکویم کا حکم ہوا اور مسجد میں دروازے لگائے گئے تو کتوں کا آنا جانا بالکل بند ہو گیا، اس پر مفصل اور مدلل بحث نصر الباری میں ہو گی انشاء اللہ۔

تاہم انا ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مسجد کے دروازے سے لعاب کلاب کا پاک ہونا ہرگز نہیں ثابت ہوتا ہے کیونکہ زمین پر اگر میٹھا گر جائے اور دھوپ سے خشک ہو جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔ یہی فقہائے اہل سنت رحمہ کہتے ہیں۔

(۲) امام بخاری رحمہ نے ایک باب قائم کیا ہے باب نقض الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت۔

(یعنی حائضہ عورت (رحیم کی حالت میں) حج کے تمام ارکان ادا کر سکتی ہے مگر طواف بیت کی اجازت نہیں۔

امام نے اس باب کے تحت ایک روایت تعلقاً ذکر فرمائی ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ القرآن
على كل أحيائه. (بخاری اول ص ۳۲)

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد کیا ہے؟ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

اراد البخاری ما يرا د هذا و بما ذكره
في هذا الباب الاستدلال على
جواز قراءة الجنب والمأفون
الذكر أعز من أن يكون بالقسمان
أو بخير. (رد المحتار القاري پاکستان ص ۲۴۳)

حافظ مسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

ان مراد الاستدلال على جواز قراءة
المأفون والجنب الإذعان بخبر مصر ص ۳۲۳
پاکستان ص ۳۴۳

مفضل بحث تو اپنے مقام پر آئیگی ان شاء اللہ۔ یہاں صرف اتنا ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جمہور احاف و شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک تلاوت کی نیت سے مکمل ایک آیت بھی جائز نہیں۔

ابا امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ذکر کو عام رکھا جائے حالانکہ یہ محتمل ہے کہ یہاں ذکر سے مراد ذکر تلبی ہے یا تسبیحات و اذعیہ میں واذ اجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

ضروری تنبیہ | احقر نے ”مسامحات بخاری“ کا عنوان قائم کر کے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اکابر محدثین کی تحقیقات کی نقل میں، احقر کے پاس نہ اتنا علم ہے اور نہ اتنی نظر، یہ خاکسار تو فقط ناقل ہے اور اس نقل سے میرا مقصد صرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر دور ہی سے فقہاء اسلام و محدثین کرام رحمہم اللہ نے شرعی مسائل و احکام کے اندر چھان بین، تحقیق و تدقیق جاری رکھی، یہ حضرات پیکر اقلان تھے ان مشیدایان اسلام و حامیان علوم نبویہ نے کسی مشہور و مقبول ترین شخصیت کی بھی دینی معاملہ میں رعایت نہیں کی البتہ ان حضرات نے تنقید کے اندر بھی توجہ کی آئینش سے مکمل پرہیز کیا، خود امام بخاری رحمہم اللہ اپنے شیخ الشیخ امام الاکبر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رعایت نہیں کی اور صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر قال بعض الناس سے تعبیر فرمایا اگرچہ اس کی اصل درجہ امام اعظم رحمہم اللہ کے مسئلے ناواقفیت اور غلط فہمی ہے۔

بلاشبہ صحیح بخاری شریف اصح الکتاب لہو کتاب اللہ ہے مگر اس سے یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ اس کی کلی حدیث صحیح میں اس کے کسی رواد غیر مشکوٰۃ میں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر کتب احادیث کے مقابلے میں بخاری شریف کے اندر معاف انتہائی کم ہیں، نیز اس بات کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ امام کے تراجم ابواب اور ان کا استنباط تو کسی نے اصح نہیں کہا ہے اور وہ اس کی مقیم ہیں

اور پیرائی ہے وہ یہ بھی ائمہ متبرعین میں سے ہوتے۔ اور ان بشری خامیوں کے باوجود امام بخاری رحمہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری کی تالیف کر کے اسلام کی عظیم ترین خدمت سر انجام دی ہے اور مسلمانوں پر امام بخاری رحمہ کا عظیم احسان ہے جن تعالیٰ سے دعا ہے کہ امام بخاری رحمہ کے درجات کو بلند فرمائیں اور ہمیں احادیث بخاری کے انوار و برکات سے بہرہ مند فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

شرح بخاری

صحیح بخاری کی مقبولیت کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ کتب حدیث میں سب سے زیادہ صحیح بخاری کی شرح لکھی گئی ہیں، کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ۱۳۰۰ تک پچاس شرح کا تذکرہ کیا ہے پھر اس کے بعد ہر سال یہ سلسلہ جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اب تک عربی، فارسی اور اردو شرح و تراجم کا تعداد سو سے بڑھ چکا ہے، ان سب کا تذکرہ تو مشکل ہے، صرف چند اہم اور مشہور مقبول شرحیں درج ذیل ہیں۔
 اتنی بات ذہن نشین رہے کہ اگلے اور پچھلے تمام شرح میں حق تعالیٰ نے تین شرحوں کو سب سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ ذوالک فضل الشریف تیس منی اشار۔
 ان تین شرح کو ترتیب وار پہلے ذکر کیا جا رہا ہے۔

عمدة القاری المعروف بہ علینی ۱۔ یہ شرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ کے معاصر (بلکہ استاد) شیخ الاسلام علامہ بدر الدین ابو محمد محمد بن احمد بن موسیٰ المعروف بالہمد والحمی رحمہ کی شرح ہے، علامہ عینی رحمہ، در رمضان المبارک ۷۲۷ھ میں بمقام عین تاب جلوہ فرما سے عالم ہوسے اسی نسبت سے آپ علامہ عینی سے مشہور ہوئے، علامہ عینی نے اس شرح (عمدة القاری) کو ۸۳۱ھ لکھنا شروع کیا اور جمادی الاولیٰ ۸۳۴ھ میں اس کو پچیسویں اجزاء میں مکمل کیا جو آج بارہ مجلدات پر مشتمل ہے، خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ شکر و کرم ہے کہ پاکستان میں نہایت عمدہ کاغذ پر شائع ہو گئی ہے۔
 (۲) نسج الباری ۱۔ یہ شرح حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۷۵۲ھ کی تصنیف ہے یہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مشہور و معروف ہیں آپ شعبان ۷۵۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے آپ نے صحیح بخاری کی عظیم شرح فتح الباری کے نام سے ۷۸۱ھ میں لکھنی شروع کی اور ۸۳۲ھ میں مکمل کیا جو آج ۱۷۰۰ مقدمہ چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی میں معاصرانہ جھگڑا بھی تھا علامہ عینی رحمہ جامع مویدی کے شیخ الحدیث تھے اور برج شامی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے، اس جامع مویدی کا ایک منارہ بوسیدہ ہو کر جھک پڑا تھا اس کو جدید تعمیر کیلئے گر لیا گیا، اس موقع پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ اشعار کہے۔

لجامع مولانا المؤید رونق منار تہ بالحسن تزھود و نرین
 نقول وقد مالت علیہم و قہم لوا فلیس علی حسنی اضی من العین
 جامع مؤید بڑی بارونق ہے اس کا منارہ نہایت حسین و خوبصورت تھا وہ جھکتے وقت زبان حال سے کہہ رہا تھا مجھے
 چھوڑ دو (یعنی گرنے دو) میرے حسن کیلئے عین یعنی نظر بد سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں۔ اس میں حافظ عسقلانی رحمہ نے

عین (نقرب) سے علامہ عینی رحمہ کا تو یہ کیا ہے۔

علامہ عینی رحمہ نے جب یہ اشارہ کیے تو علامہ نے حافظ عسقلانی کو یہ جواب بھیجا کہ

مناراً لکھنویں الحسن قد حلیت وهدمها بقضاء الله والقدر
قالوا اصيبت بعین قلت ذل غلط ما آفة الهدم الا حسنة العجر

منارہ دہلیں کی طرح حسین و جمیل تھا جس کا گرنا درحقیقت بقضاء و قدر کی وجہ سے ہے

لوگوں نے کہا اسے نظر لگ گئی ہے میں نے کہا یہ غلط ہے یہ جھوٹا پتھر یا این چو، کی خست یعنی شکست کی وجہ سے گرا۔

علامہ عینی اور حافظ عسقلانی رحمہ دونوں بزرگوں نے ایک ہی زمانے میں بخاری کی شرحیں لکھی ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ حافظ عسقلانی رحمہ

پہلے شروع کر چکے تھے یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی نے ۸۱۶ھ میں شروع فرمایا اور ۸۴۲ھ میں پچیس سال کے اندر مکمل کر لیا۔

اور علامہ عینی رحمہ نے ۸۳۶ھ میں شروع فرما کر ۸۶۲ھ میں پچیس سال کے اندر مکمل فرمایا۔ چونکہ حافظ عسقلانی رحمہ چار سال پہلے

لکھنا شروع کر چکے تھے اور حافظ عسقلانی رحمہ ہر مہینہ اپنے تلامذہ کو جمع کرتے اور پورے مہینہ کا لکھا ہوا اپنے تلمیذ خاص برہان

بن اخضر کو دیتے وہ سب کو سناتے اور سب کے سب نقلیں بھی کرتے۔ ان ہی برہان بن اخضر سے حافظ عسقلانی کی شرح

علامہ عینی رحمہ عاریۃ لیکر دیکھ لیا کرتے تھے پھر اپنی شرح میں جا بجا ذکر کرتے گئے ’جب علامہ کی شرح مکمل ہو کر لوگوں کے سامنے آئی

تو سب حیران رہ گئے پھر حافظ عسقلانی رحمہ نے علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب الایضا اذہ ۹۰۰ عتراضہں کے نام سے

ایک کتاب لکھنی شروع کر لی لیکن زندگی نے وفات کی اور کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی وفات پا گئے۔

بہر حال یہ دونوں مشہور بخاری میں عظیم شرحیں ہیں اگرچہ فوائد و نکات معانی و بیان کے لحاظ سے عمدۃ القاری کو

ترجیح حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) ارشاد الساری :- یہ شرح علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی کی شرح ہے اس شرح میں مذکورہ

دونوں (نسخہ البخاری، عمدۃ القاری) سے استفادہ کیا گیا ہے اگرچہ اصل ماخذ نسخ البخاری ہے یہ شرح خاصہ طلبہ کے لئے

بہت مفید ہے۔ پہلے دس جلدوں میں آئی تھی لیکن اب سیرت سے نہایت عمدہ کاغذ پر پندرہ جلدوں میں آرہی ہے اور یہی

نسخہ احقر کے سامنے ہے۔

علامہ قسطلانی کی ولادت ۸۵۲ھ میں اور وفات بروز جمعہ ۹۲۳ھ میں ہوئی۔

(۴) تیسیر القاری :- یہ شرح فارسی زبان میں چار جلدوں پر مشتمل ہے مشہور امام محدث حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ

کے صاحبزادے حضرت شیخ نورالحق کی لطیف تالیف ہے اور بہت مفید ہے، معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں چھپ گئی ہے۔

(۵) لامع الدراری :- یہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ کے ارشادات کا مجموعہ ہے جس کو حضرت

مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مرتب فرمایا اور اس کی تصحیح حضرت مولانا ذکریا صاحب سائی مشیخ الحدیث

مدیر مظاہر علوم سہارن پور مہاجر مدنی رحمہ نے فرمائی یہ شرح نہ صرف طلبہ حدیث بلکہ حضرات محدثین کے لئے بھی

مفید ہے۔

ابنم فائده

اہم نائدہ قاضی ابوالعباس ولید بن ابراہیم جب زی کی قضا سے معزول ہوئے تو خود قاضی صاحب کا بیان ہے کہ مجھے علم حدیث کا شوق دانگلیر ہوا تو میں امام بخاری رحم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مقصد ظاہر کر کے میں نے درخواست کی کہ مجھ پر جو فضائل ارشاد فرمایا، اسے بیٹے طوسی کام کو اس وقت تک مشرودع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مفاد پر کی معرفت نہ حاصل کرو۔ میں نے عرض کیا، ”حضور والا، اشر آپ کو جسزائے خیر عطا فرمائے میں نے جو مقصد آپ کے سامنے پیش کیا ہے یعنی علم حدیث کے حدود اور مفاد پر کہ بسیار فرمادے مجھے، تو ارشاد فرمایا۔“

اعلم ان الرجل لا يصير موحدا كاملا في حديثه الا بعد ان يكتب اربع اربع
كاربع مثل اربع في اربع عند اربع باربع على اربع عن اربع لاربع وكل هذه الرباعيات
لوقتها الواربع مع اربع فاذا تمت له كلها كان عليه اربع وابتلى باربع فاذا صبر
على ذلك اكرمه الله تعالى في الدنيا باربع واثابه في الآخرة باربع.

یعنی یاد رکھو کہ بغیر ان رباعیات کے کوئی کامل محدث نہیں بن سکتا۔ ہے اور جب یہ بارہ رباعیات یعنی اڑتالیس امور کوئی شخص مکمل کر لے اور اس کو لغیب ہو جائے تو پھر چار چیزیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں یعنی اس کی نفس میں بمقابلہ علم سچ ہو جاتی ہیں اور چار چیزوں سے اس کا امتحان ہو گا پھر جب ان چودہ رباعیات پر صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا اور آخرت میں ایک رباعی یعنی چار نقیب عطا فرمائے گا۔

قاضی ولید کہتے ہیں کہ یہ سنکر میں نے عرض کیا کہ اس کی شرح فرمادیں تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ان رباعیات کی شرح فرمائی۔

(۱) ان یکتب اربعہ۔ یعنی چار چیزیں لکھے۔۔۔

۱۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث ۲۔ صحابہ کرام رضی کی روایات اور ان کی تعداد ۳۔ تابعین رضی کی روایات و احوال۔
۴۔ بعد کے علماء کی روایات اور ان کی تاریخ۔

(۲) مع الاربع :- چار چیزوں کے ساتھ لکھے۔

۱۔ مادہ پر ان کی کیفیت ہے ان کی سکونت یعنی مکان ہے ان کا زمانہ یعنی ولادت و وفات کی تاریخ۔

(۳) کارِ ربع - چار کے مانند (چار کی طرح) ،

۱۔ جیسے جیسے خطبہ یعنی تقریر کے ساتھ اللہ کی حمد ۷ توکل کے ساتھ دعا ۷ اور سورۃ کے ساتھ بسم ۷ نماز کے ساتھ تکبیر ۷

(۴) مثل اربعہ :- چار کے مثل ۔

۱۔ مسدودات۔ ۲۔ مراسلات ۳۔ موقوفات ۴۔ مقطوعات۔

(۵) فی اربع :- چاروں :-

عالم سنی ۲ جرائی ۳ ادھیڑ عمر میں ۴ بڑھاپے میں۔

(۶) عند اربع یارمالتون میں۔

۱۔ فرصت کے وقت میں مشغولیت کے وقت یعنی عظیم الغرض میں تنگدستی کے وقت میں خوشحالی کے وقت۔

(۷) بار اربع :- چار مقامات میں :- چار پہاڑوں میں میں سمندروں میں میں شہروں میں میں جنگلوں میں۔

(۸) علیٰ اربع :- چار چیزوں پر :- میں پتھروں پر میں ٹھیکروں پر میں چمڑوں پر میں بڑیوں پر کھجے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(۹) عن اربع :- چار سے :- میں اپنے بڑوں سے میں ہم عمروں سے میں اپنے چھوٹوں سے میں اپنے والد کی کتاب سے بشرطیکہ یقین ہو کہ باپ ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

(۱۰) لا اربع :- چار مقصد کے لئے :- میں لوجہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے میں اس پر عمل کرنے کے لئے جو کتاب اللہ کے موافق ہو میں طلبہ اور علم سے محبت کرنے والوں میں پھیلانے کے لئے میں اور تالیف کے لئے جگہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔ یہ دس ربا عیاں بغیر ان دو ربا عیوں کے پوری رہوں گی۔

(۱۱) الابرار :- ان چار کے بغیر پوری نہیں گی میں کتابت کی معرفت یعنی لکھنے کا ڈھنگ میں علم لغت میں علم نحو میں علم صرف۔

(۱۲) مع اربع :- ان چاروں کے ساتھ جو عطائی میں میں قدرت میں صحت میں شوق میں قوت حافظہ۔ جب یہ بارہ ربا عیاں یعنی اربعائش چیزیں نصیب ہو جائیں تو پھر یہ چار چیزیں الگ کی نظر میں بھیج ہو جاتی ہیں یعنی مقابلہ علم یہ چار چیزیں بھیج ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) ہان علیہ اربع :- میں میری میں مال میں اولاد میں وطن۔

(۱۴) وابستہ اربع :- اور چار چیزوں میں استقامت ہوتا ہے میں دشمنوں کی شہادت یعنی عداوت میں دوستوں کی ملازمت میں جاہلوں کے طعن میں علماء کے حسد سے۔

(۱۵) اگر وہ اللہ عز وجل فی الدنیا اربع :- اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا۔

میں قناعت کی عسرت میں سببیت نفس یعنی باریب ہوگا میں علم کی لذت میں حیات ابد سے۔

(۱۶) واثابہ فی الآخرة اربع :- اور حق تعالیٰ آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا۔

میں اپنے متعلقین میں سے جس کی چاہے سفارش کرے میں عرش الہی کا سایہ جس روز دوسر کوئی سایہ نہ ہوگا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے جس کو پلانا چاہے پلائے گا۔ میں اور جنت میں، علیٰ علیین کے اندر انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت و قسب عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا :- میں نے جو اپنے اساتذہ سے متفق ہوں تھا ان کو بتا دیا اب تمہاری مرضی علم حدیث حاصل کر دیا اس ارادہ کو ترک کر کے کچھ مسائل و احکام سیکھ لو۔

قاضی ولید کا بیان ہے کہ اس تقریر نے مجھ کو گھبراہٹ میں ڈال دیا اور میں ادب سے گردن جھکا کر سر چپے ڈھکا۔ جب امام بخاری نے میری کیفیت (فکر مند، دیکھی تو فرمایا :- اگر تم میں ان مشفقوں کا ٹھکانے کی طاقت نہیں تو تم فقہ حاصل کرو، علم فقہ گھر بیٹھ کر حاصل کرنا ممکن ہے اس کے لئے بدر دراز کا سفر و شہر شہر گھر سے، سمندروں اور دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں۔ دراصل ایک فقہ بھی حدیث کا شرفہ ہے اور آخرت میں فقہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اور دنیا کی عزت محدث سے کم ہے قاضی ولید کہتے ہیں کہ حلیہ میں نے در سناتو طلب حدیث کا ارادہ ختم کر دیا اور فقہ حاصل کرنے

لگا یہاں تک کہ اس میں آگے ہو گیا۔

بلاشبہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک عظیم محدث تھے، امیر المؤمنین فی الحدیث تھے لیکن فقہ میں ان کا مرتبہ ائمہ مجتہدین بالغیر من قبہم کے مقابلے میں کم ہے اس لئے فقہ کے سلسلے میں ان کا قول حجت نہیں۔

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ فقہ کی بنیاد تین اصولوں پر ہے مکتبہ الشریعہ سنت رسول اللہ (یعنی احادیث) و اجماع امت۔ اور یہ اصولی مسئلہ ہے۔ اب غور کیا جائے کہ فقہ کی بنیاد جن چیزوں پر ہے ان میں سے ایک حدیث پاک ہے اور بقول امام بخاری "علم حدیث کیلئے اتنی رہا عیاں ضروری ہیں تو پھر عرض یہ کرنا ہے کہ کتاب الشریعہ کتنی چاہئیں، پھر اجماع امت کیلئے کتنی چاہئیں؟ جب اصولی بات معلوم ہوئی کہ مبانی فقہ میں سے حدیث ایک جزو ہے تو کل کا کیا حال ہوگا؟

ظہر قیاس کن زنگستان من بہار مرا۔

معلوم ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا فقہ کو آسان کہنا صریح اس وجہ سے ہے کہ حضرت امام نے فقہ کی پوری علادت نہیں پائی لیکن کچھ پامانی چکے تھے جس کی وجہ سے یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔ لیس ثواب الفقیہ دون ثواب الحدیث فی الآخرۃ ولا عنانہ باقل من عز المحیثات (تسطانی ص ۳۶)

آخر اس ارشاد کا کیا مطلب ہے جبکہ قانون خداوندی ہے اجور کو علی نصب کرو۔ العطا یا بقدر السبایا

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وهو (ای الفقہار) اعلو جمعا فی الحدیث (ترمذی جلد اول ص ۱۷۷)

یعنی حدیث پاک کا اصل معنی اور صحیح مفہوم فقہار زیادہ جانتے ہیں،

امام بخاری رحمہ اللہ کے استنباطی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر لڑکے اور لڑکی نے ایام رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیا تو دونوں میں رضاعت کا رشتہ ثابت ہو جائیگا جس سے طہار بخارا میں

مسئلہ رضاعت

چہ میگوئیں شروع ہوئیں حالانکہ امام ابو حفص کبیر رحمہ اللہ کو استنباط و اجتہاد سے منع فرمایا تھا کہ آپ مسائل و فتاویٰ آپ کا فن علم حدیث ہے آپ حدیث پاک کا درس دیں۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابو حفص رحمہ اللہ کی نصیحت قبول نہیں کی اور ایسا فتویٰ دیا کہ طہار بخارا سخت ناراض ہو گئے چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں و نقل ان الامام محمد بن اسماعیل البخاری صاحب الصحیح افتی فی بخاری بلبوت الحرمة بین صیین ارتضاعا شاة فاجتمع علما وھا علیہ وکان سبب خسر وجه منها (فتح القدیر ص ۳۲۲ کتاب الرضاع)

یہی مولانا جلال الدین صاحب "کفایہ" کہتے ہیں۔ وکان محمدا بن اسماعیل رحمہ اللہ صاحب الحدیث یقول ثبت بہ حرمة الرضاع فانه دخل بخارا فی زمن ابي حفص الکبیر وجعل یفتی فقال له الشیخ لا تفعل فلیس ہنا لاک (یعنی آپ ترمذی باری نہ کیے کبیر کو آپ اس کے سختی نہیں میں، فانی ان یقبل نصیحتہ حتی استغنی عن ہذا المسئلة اذا ارضع صبیان بلبن شاة فافقی بشووت الحرمة فاجتمعوا واجر جوا من بخارا بسبب ہذا الفتوی۔

کفار مشرعیہ علی فتح القدیر کتاب الرضاع

بعض حضرات کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس فتویٰ کی نسبت صرف فقہائے احناف نے امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف کی ہے حالانکہ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ قاضی حسین بن محمد مالک رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔ (دیکھو تاریخ الخلفاء ص ۳۸۶)

نیز علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ (الخیرات الحسان ص ۵۸)

ولقد قدر القائل . ومن لم يصدق نظره في مناحل الاحكام وحكمها اكثر خطوؤا .

بہر کیف امام بخاری رحمہ اللہ مؤلفین فی الحدیث تھے لیکن تقابہت میں مکرور ضرر دیتے تھے لکن فخر رجال .

مقام طور ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص بلکہ خلیفہ و جانشین تھے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہیں بھی ان کو ائمہ مجتہدین کی صف میں شمار نہیں کیا۔ "مقدّمہ فی الترمذی"

سلسلہ اسناد | سلسلہ اسناد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرہ اعتیاد ہے، یہ سلسلہ دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں قطعاً نہیں پایا جاتا خواہ وہ دین سہادی ہو یا غیر سہادی کہ وہ کسی بات کو بالاسناد متصل ذکر کرتا ہو، پورے عالم میں اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ وہ اپنے پیغمبر یا مقتدا کے اقوال و افعال و احوال کو سند متصل سے بیان کرتے ہوں یا کر سکتے ہوں، مسلمانوں کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو ایمانی تعلیمات و محبت ہے، دیگر امتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ گزشتہ امتوں میں اس کی نظیر تلاش کرنا کہ گندہ کاہ بر آوردن کا معنی ہے اور یہ ہونا بھی چاہیے تھا جو جانتے کے لئے آیا وہ وقت کے ساتھ چلا گیا، اس کی حفاظت ضروری تھی اور نہ خالق کائنات کی جانب سے اس کا وعدہ ہی ہوا تھا۔ یہ رسالت چونکہ آخری رسالت ہے اور اس کے تاقیامت بقا و دوام کا فیصلہ ہے اس لئے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی ہوا۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا نحن لهما فخلون "اور قدرت کی جانب سے ایسا ہی مستحکم نظام قائم کیا گیا تاکہ کسی وقت کسی کو اصل دین کی تلاش و جستجو میں ناکامی کا عذر پیش کرنے کی گنجائش نہ ہو۔

بہر کیف سلسلہ اسناد صرف اسی امت مرحومہ کی خصوصیت ہے جس کا اقرار غیر مسلم مورخین و محققین کو بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ کتب احادیث میں روایات کو مع السند بیان کیا گیا اور اس کی تحقیق کے لئے نہایت عظیم الشان اصول بھی مقرر کئے گئے۔ پھر مشائخ حدیث کا یہ دستور چلا کر رہا ہے کہ وہ اپنی اسناد کتاب و ہاں تک بیان کر دیتے ہیں جہاں تک معروضہ نہ ہو۔

علی العموم اسناد حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی سند بیان کر دیتے ہیں اس لئے کہ اس کے آگے کے اسناد مطلوبہ ہیں، خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ "اورشاد الخی امہات الاسناد" میں اپنی تمام سندوں کو بیان کر دیا ہے، اسی طرح حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کی السناد الخی فی اسناد عبد الغنی، کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہے۔ (ماخوذ از جامع الدراری)

میری سند | احقر نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن "دینی مکتبہ جلیل" میں حاصل کرنے کے بعد عربی کی ابتداء مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹھنہ چوک بازار ڈھاکہ میں کی وہاں چار برس پڑھنے کے بعد چند سال بعض مجبوریوں کی بنا پر تعلیمی سلسلہ بند رہا پھر چند سال مختلف مدارس کی خاک چھانٹنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند پہنچا اور چار سال رہ کر دورہ حدیث سے مشرف ہوا بخاری شریف مکمل (اول و ثانی)، اور ترمذی جلد اول شیخ العرب والعم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

نور الشرم قدسہ سے پڑھے کا شرف حاصل ہوا، اور ترمذی شریف جلد ثانی مع شمائل ترمذی اور البراد و شریف مکمل شیخ الادب والفقر حضرت مولانا اعجاز علی صاحب نور الشرم قدسہ سے پڑھی اور سلم شریف کامل جامع النقول والمعقول حضرت علامہ ابراہیم صاحب بیادای نور الشرم قدسہ سے پڑھی اور لائی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحب نور الشرم قدسہ سے پڑھی۔
اب پوری سند مندرجہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تک ملاحظہ ہو:-

قال العبد الضعیف محمد عثمان غنی بن مولوی عبد اللہ الصمد یقی حد ثنا شیخ الاسلام السید حسین احمد المدنی قال حد ثنا شیخ الہند محمود حسن الدیوبندی عن شیخہ الحجة العارف محمد قاسم النانوتوی وعن شیخہ المحدث الفقیہ الشیخ رشید احمد الکنکومی کلہما عن المحدث الشیخ عبد الغنی الجددی الدہلوی وعن الشیخ احمد علی السہارنپوری وعن الشیخ محمد مظہر النانوتوی وعن الشیخ القاری عبد الرحمان الفانیفتی وھو لواء الاربع عن الشیخ المحدث محمد اسحاق الدہلوی عن جدہ لومہ المحدث الحجة الشاہ عبد العزیز الدہلوی عن والدہ الامام الشاہ ولی اللہ الدہلوی واسانیدہ الی اصحاب السنن مذکورۃ فی رسالتہ " الارشاد الی مهمات علم الاسناد "

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلاة والسلام علی سیدنا ومولانا
محمد اکرم الاولین والاخرین وعلیٰ آلہ واصحابہ وذریتہ اجمعین وعلینا
معہم یا ارحم الراحمین۔

اما بعد فان اصدق الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي سیدنا ومولانا
محمد صلی الله علیہ وسلم وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة
وكل ضلالة في النار وبالسند المتصل من الامام الحافظ الحجة امیر المؤمنین فی الحديث
ابی عبد الله محمد بن اسماعیل بن ابراهیم بن المغيرة بن بردزبة الجعفی البخاری
رحمہم الله تعالیٰ ونفعنا بعلومہ آمین امه قال۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اما بخاری نے اس اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کو بسم اللہ سے شروع فرمایا چونکہ مصنف عثمانی میں باجماع صحابہ
سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی گئی ہے، نیز ارشاد نبوی کی اتباع ہے اس لئے کہ حدیث پاک "سل امرؤی بال لہو
یسبأ فیہ" بسم اللہ الرحمن الرحیم فہو اقطع " میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تسمیہ سے ہر ذی بال اور اہم
چیز کی ابتدا کا حکم دیا ہے، نیز آپ کے گرامی قدر مکاتیب و تحریرات کی ابتدا تسمیہ ہی سے ہے۔ ہر دو سو دو توں کے درمیان بھی فصل
کے لئے موجود ہے، ہر ذی کتاب کی ابتدا میں اسی کا جلوہ ہے، پھر بخاری شریف میں جتنا بسم اللہ کا اہتمام ہے اتنا غالباً کسی کتاب
میں نہیں ہے۔

احقر نے اپنی بخاری میں شمار کیا تو ایک سو تیس مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پایا۔

اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ اپنے کاموں کو بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے اسی رسم جاہلیت کو مٹانے کیلئے قرآن حکیم
کی صریح پہلی آیت جو جبریل امینؑ نے کر آئے اس میں قرآن مجید کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا۔ اقرآن مجید
علامہ سیوطی نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے سوا دوسری تمام آسمانی کتاب میں بھی بسم اللہ سے شروع کیا گیا ہے اور بعض علماء
نے فرمایا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے، دوسری قول کہ خصوصیت یہ کہ اللہ کے
نام سے شروع کرنا تمام آسمانی کتابوں میں مشترک ہے مگر الفاظ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن حکیم کی خصوصیت ہے جیسا کہ بعض
روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتداء میں ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرتے تھے، لہذا بسم اللہ الرحمن الرحیم
کہتے اور لکھتے تھے جب آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو انہیں الفاظ کو اختیار فرمایا اور ہمیشہ کے لئے یہ سنت جاری ہوئی۔
غلام یہ ہے کہ بسم اللہ درحقیقت شاہی مہر ہے، دستور یہ ہے کہ جب کوئی چیز حکومت کو پسند آجاتی ہے تو شاہی مہر لگا کر

لگا کر وہ خزانہ میں داخل کر دی جاتی ہے پھر اس کی حفاظت اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح شاہی خزانہ کی نگہبانی ہوتی ہے۔ پس لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرنا کہ وہ عند اللہ مقبول ہو اور بابرکت ہو جائے۔

بسم اللہ علیہ السلام الرحمن الرحیم
اسقطت الاولیاء لکثرة استعمالها وطلوت الباء عوضاً قال البغوی
قال عمر بن عبد العزیز طولوا الباء واطهسوا السین ودوروا
المیم تعظیماً لکتاب اللہ (تفسیر المنہج ص ۷)

یعنی قاعدہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ الف کے ساتھ (بسم اللہ) لکھا جائے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے الف کو ماقط کر دیا گیا اور اس کے عوض میں باء کو طویل کر دیا گیا۔ علامہ بغوی رحمہ فرماتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز رحمہ نے فرمایا باء کو طویل کر دو اور سین کے دانستہ کو ظاہر کر دو، بسم کو گول لکھو کتاب اللہ کی تعظیم کے لئے اس لئے کہ اس سے صورت میں تحسین خط ہے، اہتمام لفظ پر محافطت بھی ہے اور تعظیم بھی۔

ترکیب

بسم اللہ الہ یا عرن جار اسم مضاف اللہ موصوف رحمن صفت اول رحیم صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ ہوا اسم مضاف کا، اسم مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور کے لئے کوئی ایسا متعلق نکالنا چاہیے جو جملہ میں کے چونکہ جار مجرور نہ تو جملہ ہے اور نہ بغیر کسی متعلق کے جملہ میں ممکن ہے تو چونکہ باء حرف جار ہے اور اس کا متعلق مذکور نہیں ہے پس اس کا متعلق یا تو اسم ہوگا یا فعل، پھر ان دونوں صورتوں میں عام ہوگا یا خاص، پھر جاردل صورتوں میں مقدم ہوگا یا مؤخر؟ یہ آٹھ صورتیں ہوں گی۔

اہل البصر کہتے ہیں کہ متعلق اسم مقدم ہے یعنی ابتدا ای کاٹن بسم اللہ الہ اور اہل کونہ کے نزدیک فعل مقدم پوشیدہ ہے۔ بہر حال نخیوں کے نزدیک خواہ اہل کونہ ہوں یا اہل بصر وہ سب کے نزدیک متعلق خواہ اسم ہو یا فعل مقدم ہوگا چونکہ عامل معمول پر مقدم ہوتا ہے۔

لیکن ابن جریر، ابن کثیر، علامہ زعزعی، تاجی بیضاوی وغیرہم عقین نے فعل خاص کو اور وہ بھی مؤخر کو راجع قرار دیا ہے یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم أصف یا اقرأ یا آمل ذخیرہ۔

ایک اشکال

حدیث میں ہے کہ کل کلام لا یدلأ خیر، الحمد للہ فھو اجزأ (ابن ماجہ ص ۲۱۵) ایضاً سنائی۔
وفی رواية کل امرؤ یال لا یدلأ خیر، بالحمد اقطع (ابن ماجہ ص ۲۱۵) (ابن کثیر ص ۱۸۷)

ورواہ ابن حبان وابوعوانة فی صحیحہما وقال ابن الصلاح ہذا حدیث حسن بل صحیح (الابن ماجہ ص ۲۱۵)
اب اشکال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ نے اپنی عظیم الشان کتاب صحیح بخاری کو حمد سے کیوں نہیں شروع فرمایا؟

جوابات

اولاً تو یہ اشکال قابل تسلیم نہیں، امام بخاری رحمہ نے اپنی دقت نظر اور باریک بینی سے بسم اللہ سے آغاز کر کے حمد اللہ کی حدیث پر بھی عمل فرمایا ہے کیونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں الرحمن اور الرحیم موجود ہیں اور یہ دونوں اوصاف ربانی ہیں، حمد سے مقصود بھی اللہ تعالیٰ کے اوصاف عالیہ وکمالیہ کا اظہار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقصد کی تکمیل بسم اللہ الرحمن الرحیم سے بخوبی ہو جاتی ہے لہذا اشکال کی گنجائش ہی نہیں، بصورت تسلیم اس اشکال کے متعدد جوابات متقول ہیں۔

۱۔ ان میں واضح ترین جواب یہ ہے کہ یہ روایت مختلف الفاظ سے منقول ہے، بعض روایت میں بسم سے شروع کرنا مذکور ہے بعض میں الحمد للہ اور بعض میں ذکر اللہ ہے۔ علامہ زوی نے یہ قول الفاظ کو پیش نظر رکھ کر یوں تفسیق دی ہے کہ مقصود تدریجاً ہے یعنی ذکر اللہ کا تحقق، خواہ الحمد للہ سے ہو یا بسم اللہ سے۔ اس لئے امام بخاری رحمہ نے بسم اللہ کو کافی سمجھا۔

اس کا معاملہ یہ نکلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صخر ایک لفظ استعمال فرمایا تھا اور اغلب یہ ہے کہ وہ اسم اللہ یا ذکر اللہ کا لفظ عام تھا جس میں حمد اور شہادت بھی داخل ہو جاتی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ذکر اللہ سے ابتداء تھا لہذا بعض راویوں نے اسے حمد سے تفسیر کر دیا اور بعض نے شہادت سے،

الفرض بہتم بالشد کی ابتداء ذکر اللہ سے ہونی چاہئے خواہ وہ ذکر کسی صورت سے ہو، البسم سنون طریقہ یہ ہے کہ خطبوں (تقاریب) کی ابتداء حمد سے کی جائے اور مکاتیب (کتب و خطوط) کی ابتداء بسم اللہ سے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طریقہ یہی تھا۔ علامہ زرقانی رحمہ شرح موطا میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل جو ہمیں تتبع سے معلوم ہوا یہ تھا کہ خطبات کی ابتداء تہمید سے اور کتب و خطوط کی ابتداء تسمیہ سے فرماتے تھے، چنانچہ ہر نقل وغیرہ کے نام خطوط اور حدیث کے صلیح نام میں تسمیہ سے ابتداء فرمائی۔

۲۔ قرآن مجید کی پہلی آیت اقراراً باسم ربہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام سے قرأت کا حکم ہے اس میں حمد کا حکم نہیں، تو چونکہ صحیح بخاری کتاب ہے اس لئے اس کے مناسب بھی تھا کہ آپ کے خطوط، کتب اور قرآن مجید کا اتباع کیا جائے۔ علامہ الزیلعی اکتفاء علی الواحد کی صورت میں یہی طریقہ چلا آتا ہے کہ تسمیہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

انیارسلین علی نبینا وعلیہم السلام کے خطوط میں بھی بسم اللہ تحریر ہوتی تھی۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط منقول ہے جو بہت مختصر اور پُر معنی ہے، ایسا بلیغ اور پُر شوکت خط صفحہ ہستی پر کسی غیر نبی نے تحریر نہیں کیا۔ فرماتے ہیں اس نے من سلیمان وادخلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ان لا تغفلوا علی واولئک المسلمین۔

اس کے قریب قریب ہارون الرشید کا وہ شاندار خط ہے جو انہوں نے قیصر روم یقفور کے نام لکھا تھا بعض تواریخ میں یقفور لکھا ہے، جبکہ اس نے جسزید دے سے الکار کر دیا تھا اور کہا کہ مجھ سے پہلی ملکہ نسوانی ضعف و حماقت کی وجہ سے جزیہ ادا کرتی رہی ہے۔ جب میرا خط پہنچے تو ملکہ کے دے ہوئے اموال فوراً واپس کر دیں ورنہ میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ ہارون الرشید نے اس کے خط کی پشت پر یہ جواب لکھا من ہارون امیر المؤمنین الخ یقفور کلب الروم قد قرأت کتابک یا ابن الکافر الخ والجواب ما تراه لا ما تسمعه۔

اور اسی روز ایک لشکر جراریکو اس کی سرکوبی کے لئے چلا دے (ارشاد القاری بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی رحمہ)

۳۔ بعض نے تجہید سے شروع نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مگر یہ شان بخاری رحمہ کے مناسب نہیں جب کہ امام بخاری رحمہ ہر حدیث سے قبل غسل، و درگفت لعل اور استنجا کا اہتمام فرماتے تھے، حالانکہ ان امور کے متعلق کوئی ضعیف روایت بھی نہیں تو باب فضائل میں باریہ بالتجید کو ضعیف سند کی وجہ سے چھوڑ دینا معقول نہیں۔

علامہ الزیلعی چار رجال حدیث یعنی حافظ ابن علقمہ، ابو عوانہ ابن حبان اور تاج الدین سبکی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کتاب بالتحید شرط نہیں صرف تلفظ باللسان بھی کافی ہے۔ خطیب نے جامع میں روایت کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر پہنچتے تو صرف زبان سے درود شریف پڑھ لیتے تھے لکھتے نہ تھے۔ (فتح المبارکی ص ۳۳)

حضرت مولف کا ہستم بالشان آغاز

سہ گلاب رنگ نگ سے ہے زمینت جیسن و اسے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے
یہ تو ظاہر ہے کہ جمن میں اگر ایک ہی قسم کے پھول پتے ہوں تو بھی جمن جمن ہی ہے لیکن اگر مختلف انواع و اقسام کے رنگ بزرگ کے پھول پتے ہوں تو جمن کی رونق دو بالا ہو جاتی ہے۔

نہین غلام نے اپنی اپنی کتابوں کا آغاز اپنی اپنی فکر کو نظر کے لحاظ سے مختلف مضامین سے کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے شروع کرنے کیلئے ہستم بالشان اور بیانیہ مضامین کو اختیار فرمایا۔

مثلاً امام مسلم رحمہ اللہ نے سب سے پہلے مسئلہ اسناد کو پیش فرمایا کیونکہ دین کا مدار سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اور سنت میں صحیح و سقیم کا امتیاز صرف اسناد کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ۱۔

الاسناد من الدین ولو لا الاسناد لقال من شاء فاشاء ومقدمہ مسلم ص ۳۳۰ ایضاً ترمذی جلد ثانی ص ۳۳۰

(کتاب العلل)

اور اگر مقررہ کو صحیح مسلم سے خارج مانیں تو کہا جائیگا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الایمان سے اقتباس کیا ہے اس لئے کہ مکلف پر سب سے پہلے اور اہم فریضہ ایمان ہے اور اس پر سارے اعمال کا دار و مدار ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ بغیر ایمان کوئی عبادت معتبر نہیں اور نہ کوئی عمل نجات من النار کا باعث ہوگا۔

امام سائی، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ نے خیال فرمایا کہ ہماری کتاب اہل ایمان کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے اور ایک مومن کے ذمہ سب سے اہم فریضہ نماز ہے، دین کا ستون ہے اس لئے نماز کا بیان مقدم ہونا چاہیے لیکن چونکہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے، مفتاح الصلوٰۃ الطہور اور شرط کا مشروط سے پہلے ہونا ضروری ہے اس لئے ان حضرات نے اپنی اپنی کتابوں کو طہارت سے شروع کیا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی طہارت ہی سے کتاب کا افتتاح کیا لیکن ان کی توجہ اس جانب رہی کہ طہارت صغریٰ ہو یا کبریٰ، وضو ہو یا غسل، ہر ایک کے لئے پانی درکار ہے اس لئے پانی کی طہارت و نجاست کے مسئلہ کو مقدم کیا۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اتباع سنت سے ابتداء کی اس لئے کہ دین سنت کا نام ہے اگر سنت و بدعت کا امتیاز اٹھ جائے سنت کے ساتھ بدعت کا اختلاط ہو جائے تو دین کی حقیقت ہی ختم ہو جائے، نیز قرآن مجید کی تفسیر وہی مقبول ہوگی جو سنت میں ان کو ملے گی۔ اس کے بعد مناقب صحابہ کو اسلئے بیان فرمایا کہ انہیں حضرات رضی اللہ عنہم کے توسط سے دین و قرآن ہم کو ملا پس ان پر اعتماد ضروری ہے۔ جب تک ان حضرات پر اعتماد نہ ہوگا اس وقت تک قرآن پر ایمان کامل ہو سکتا ہے، نہ سنت پر۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مولیٰ کی ابتداء اوقات حلاوت سے فرمائی ہے کیونکہ

نماز کے لئے وقت سبب ہے۔ وقت سے پہلے نہ تو نماز فرض ہوتی ہے نہ صحیح ہوتی ہے۔ ارشاد الہی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔

تو چونکہ اسلام کا اہم ترین فریضہ یعنی نماز موقوف ہے تعین وقت پر، اس لئے امام مالک رحمہ اللہ اوقات صلوٰۃ سے ابتدا فرمائی۔ ان تمام محدثین کرام سے بالکل الگ اپنے مقام رفیع کے مناسب نہایت بہ مہتمم بالشان اور بنیادی چیز بداء الوحی سے شروع فرمایا ہے۔

۱۔ گستاخیں جہاں پر اک گل کو دیکھا : نہ تیری ہی رنگت نہ تیری ہی بو ہے
۲۔ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الایمان سے پہلے باب بداء الوحی سے ابتدا کر کے اشارہ کیا ہے کہ کوئی ایمان دایمانیات میں قابل قبول نہیں جب تک کہ وہ مستند الی الوی نہ ہو۔ معلوم ہو گا کہ دین کا مدار وحی الہی پر ہے، سارے امور شرعیہ کا منبع دستر شدہ وحی ہے، مرفیات الہی کا علم بغیر وحی ہو ہی نہیں ہو سکتا لہذا سب سے زیادہ اعتماد اور وثوق کی چیز وحی ہے خواہ وحی مستل ہو یا غیر مستل۔

فلا مدخل لمن لم یحکم فیہ : تعصم مراعاتھا الذھن عن الخطأ فی الفکر۔ حالانکہ منطق خود غلطی سے معصوم نہیں تو دوسروں کے لئے عام حکم کیونکر ہوگی؟ چنانچہ فلا مدخل میں سیکڑوں اختلافات پائے جاتے ہیں کوئی جسم کو بہوئی اور صورت سے مرکب مانتا ہے اور کوئی اجزاء دیکھ کر اطمینان سے، پہلے کسی زمانے میں زمین کے متحرک ہونے کا خیال تھا پھر ایک طویل زمانے تک جملہ عقلاء آسمانوں کو متحرک مانتے رہے، اور درجہ حاضر کے سائنسدان پھر زمین کو متحرک کہنے لگے۔

نور دل از سیدہ سینا مجو : روشنی از چشم نابینا مجو
صدر اوقاضی مبارک : غرضی : عمر در تحفیل : این ضائع کنی
چند خوانی حکمت یونانی : حکمت ایمانی : راہم بخوال
صحت این حسن بگوید از طبیب : صحت آن حسن بگوید از حبیب

تحصیل علم کے تین اسباب ہیں، شرح عقائد میں ہے۔ اسباب العلو ثلاثہ الخواص السلیمة والعقل والخبر الصادق۔ پھر خبر صادق کی دو قسمیں ہیں علم خبر متواتر وحی۔ اس طرح اسباب علم چار ہو گئے لیکن عقل اور نقل ثابت ہے کہ ان سب میں سب سے زیادہ قابل اعتماد وحی ہے۔

عقل میں غلطی واقع ہونا اور ثابت ہو چکا کہ اہل عقل میں اختلافات کثیرہ اور ایک دوسرے پر تردد پائی جاتی ہے۔ اسی طرح حس بھی غلطی کرتی ہے چنانچہ جانوریات میں بادل چلتے ہیں مگر بھی دکھائی دیتا ہے کہ چاند بھاگا جا رہا ہے۔ ایسے ہی دہل گاڑی پر سوار ہوں اور قریب سے دوسری گاڑی گزرے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری گاڑی چل رہی ہے، چلتی گاڑی سے باہر نظر ڈالیں تو رخت دغیرہ چلتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ تو نظر کی غلطی ہوئی، اسی طرح قوت سامعہ، ذائقہ وغیرہ حواس سے بھی غلطی ہوتی ہے چنانچہ غلبہ صغریٰ کی حالت میں شہر ہر گڑوا معلوم ہوتا ہے، یرقان والا ہر چیز کو زرد دیکھتا ہے، احوال ایک کو دُور دیکھتا ہے، پس غلطی سے منزہ اور پاک صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو مستند الی الوحی ہو۔ خبر متواتر اگرچہ قابل اعتماد ہے مگر یہ محسوس ہی تک محدود ہے غیر محسوس میں اس کا قابل اعتماد و یقین ہونا ضروری نہیں۔

اولیاء القرب کے کشف بھی مختلف ہوتے ہیں، دنیا میں سب سے زیادہ مقدس جماعت حضرات صحابہ و انبیاء کی ہے مگر وہ بھی

اختلاف سے بچ سکے۔

صرف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت ہی ایسی ہے کہ ان میں کوئی اصولی اختلاف نہیں پایا جاتا، اس کی جزئیہ میں جو انبیاء علیہم السلام کا اختلاف نظر آتا ہے وہ بھی حقیقت میں اختلاف نہیں بلکہ اختلاف جزئیات اختلاف ازمہ کی بنا پر ہے۔ اس کی مثال یوں کہیں کہ کوئی مریض کسی طبیب کے پاس جاتا ہے، طبیب نے اپنے ذہن میں اس کے مکمل علاج کا خاکہ یوں تیار کیا کہ پہلے چند روز تک منفعی دیا جائیگا پھر سہل پھر مہر دات پھر مقویات۔ یہ طبیب منفعی دے چکا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا، اب یہ مریض دوسرے طبیب کے پاس گیا تو وہ اب منفعی کے بجائے سہل دیتا ہے اس کے بعد اگر تیسرے طبیب کے پاس جائیگا تو مہر دات تجویز کریگا، چوتھے طبیب کے پاس گیا تو وہ مقویات استعمال کریگا۔ بظاہر مریض یہ سمجھ گیا کہ ہر نئے طبیب نے پہلے طبیب کے نسخہ کو بدل دیا ہے اور کہیگا کہ ان اطباء کے علاج میں اختلاف ہے حالانکہ حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں اگر طبیب اول کا علاج ہی جاری رہتا تو وہ بھی اپنے ذہنی نقشہ کے مطابق موت معینہ کے بعد نسخہ بدل دیتا۔ غرضیکہ انبیاء علیہم السلام میں حقیقت کوئی اختلاف نہیں، حدیث میں ہے الانبیاء اخوة لعلات امہاتہم وشتی و دینہم واحد (متفق علیہ)

مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مبدأ فیض واحد ہے یعنی وحی الہی۔ اس لئے اصول میں کوئی اختلاف نہیں البتہ قبل یعنی طبائع اہم کے اختلاف کی وجہ سے جزئی اختلافات پائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کی تخلیط و تکزیب کرے۔ جیسا کہ ادھر فرقوں کے اختلافات میں ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تخلیط و تکزیب کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ جب تک امتداد الی الوحی نہ ہو اس وقت تک کسی امر کی صحت پر اعتقاد نہیں کیا جاسکتا۔ نبی کی رائے من حیث الراۃ بھی حجت نہیں جب تک کہ وحی سے نہ ہو جیسے کہ نقشہ بریرہ اور واقعہ تائیر تخیل سے واضح ہے۔ پس خاتمی کائنات خداوند قدوس کی مرضیات و نامرضیات کے معلوم کرنے کے لئے کسی قطعی یقینی اور جامع مانع ہر گیر ہدایت کی ضرورت ہے اور وہ وحی کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں صرف وحی قطعی اور یقینی اور ہمہ جود علاج و کامیابی کی متکفل ہے، ارشاد الہی ہے۔

وامنہ لکتاب عن یزید یا تیہ الباطل من بین یدیدہ ولان خلفہ تنزیل من احکیم حمید۔ (پ ۲۴ آخری کوہر)

اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے کتاب کی ابتدا فرمائی۔

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا کہ وحی کے ساتھ اقتراح کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا تعلق وحی ہی کے ذریعہ قائم ہوتا ہے پھر اس ثبوت کی ضرورت ہے کہ ہم

خدا سے متعلق ہیں یعنی ایمان۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تعلق (یعنی ایمان) عمل کو چاہتا ہے اور عمل کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ اس سے مناسبت سے امام نے وحی کے بعد کتاب الایمان پھر علم کے ابواب لائے اور پھر اعمال کا سلسلہ شروع فرمایا۔
 غرض کہ کتاب کی ابتداء وحی سے فرمائی پھر وحی کے احکام اصول و فردہ بیان فرمائے اور کتاب کا اختتام مسلمات و حقیقتات الی اللہ الرحمن غنیفات علی اللغات الخ پر کیا تاکہ وحی کے ذریعہ نازل شدہ احکام کی جزا پر تنبیہ ہو جائے۔
 ● باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عن وجہ
 انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح و القیین من بعدہ ●

ترجمہ ۱۔ یہ باب اس بیان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الہی کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ہم نے آپ کی طرف وحی کیجیے جس طرح نوح اور ان کے بعد والے انبیاء کے پاس بھیجی تھی۔
 تشریح ۱۔ باب اصل میں بوز یعنی الواو تھا، داؤد کو مکمل فتح کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا اس کی جمع ابواب آتی ہے، الباب اصلہ البوب قلبت الواو لخصر کما والفتاح ما قبلہا وجمع علی ابواب
 البس اذ من الباب ھینا النوع (عمۃ ص ۳۶)

اصطلاح ۱۔ مؤثرین کرام و فقہائے عظام کا مستند ہے کہ ان کی تالیفات کا جو حصہ مختلف المانواظ مسائل پر مشتمل ہو اس کی تعبیر کتاب سے کرتے ہیں اور جو حصہ متحد النوع مسائل پر مشتمل ہو اس کی تعبیر باب سے کرتے ہیں اور کسی ایک ضیف یا جزئی کی تالیف کو فصل کہتے ہیں پس کتاب بمنزلہ جنس کے ہے جیسے حیوان اور باب بمنزلہ نوع کے ہے جیسے انسان۔

وجہ تسمیہ ۱۔ باب کے لغوی معنی مدخل یعنی دروازہ کے ہیں جس طرح دروازہ کے ذریعہ مکان اور گھر میں داخل ہوتے ہیں اسی طرح باب کے ذریعہ گویا ایک نوع کے مسائل میں داخل ہوتے ہیں اسلئے کہ یہاں الباب البیت اس کو باب کہتے ہیں۔

سوال ۱۔ امام نے باب کا لفظ کیوں لکھا؟ کتاب سے کیوں تعبیر نہ فرمایا؟
 جواب ۱۔ اصل کتاب تو ایمان سے شروع ہے اسلئے وہاں کتاب الایمان کہا، یہ مقدمہ ہے اس لئے باب سے تعبیر فرمایا۔ ایک نوٹ یعنی وحی کا بیان ہے اس لئے باب سے تعبیر کیا دستور کے مطابق۔
 دوسری قسم ہے ایمان، ایمانیات، عبارات و معاملات وغیرہ سب قسمیں ہیں وحی کی، پس اگر اس جگہ بھی کتاب لکھتے تو ایمان ہوتا کہ وحی اور ایمان وغیرہ ایک دوسرے کے قسم ہیں پس کوئی مقسم نہ رہتا اسلئے فرق پیدا کرنے کیلئے مقسم کو باب سے اور بقیہ قسموں کو کتاب سے تعبیر کیا (عمدہ)

بعض نسخوں میں تو یہاں باب کا لفظ ہے ہی نہیں جیسا کہ فتح الباری میں دیکھا جاسکتا ہے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں
 مکذبات لا بد والاصیل باسقاط لفظ باب الخ (قسطلانی ص ۳۶)

لفظ باب کو تین طرح پڑھنا جائز ہے۔

۱۔ باب بالقون فیہ خبر مبتدأ محذوف الی بابا باب فی الوحی۔

۲۔ باب کیف کان بالاضافۃ یعنی رفع بغیر تونین۔ اس صورت میں باب کا لفظ ما بعد کی جانب مضاف ہوگا یعنی ہذا باب کیف کان جنء الوحی الم اس صورت میں بھی ہذا مبتدأ محذوف ہوگا اور باب الخ خبر ہے۔

۳۔ بابے وقف کے ساتھ بلا اعراب اسماء معدودہ کے طریقہ۔

آخری دونوں صورتیں یعنی بلا تونین اضافت کی صورت اور بغیر صورت وقف کی اشکال و جواب سے خالی نہیں اسلئے صحیح افضل پہلی صورت ہے یعنی تونین کے ساتھ باب۔

مثلاً دوسری صورت میں (یعنی باب اضافت کے ساتھ پڑھا جائے تو) اشکال یہ ہوگا کہ باب مضاف اور کیف مضاف الیہ۔ ملاحظہ کیے مصادرت کلام کو چاہتا ہے اور مضاف الیہ ماننے کی صورت میں کیف کی مصادرت باقی نہیں رہتی ہے کیونکہ کیف باب کے تحت واقع ہو رہا ہے، علامہ قسطلانی رحمہ فرماتے ہیں: ثم ان الجملة من كان ومعمولها في محل بفتح طاء بالاضافه ولا تخفى بحکمت هذا من الصدوقية لان المصدر من كون الاستفهام له المصدر ان يكون في صدر الجملة التي هو فيها (قن ص ۳۶)

بالفاظ قسطلانی رحمہ فرماتے ہیں کہ بکثاری کے بعض نسخوں میں اس جگہ لفظ باب موجود نہیں ہے، اس صورت میں عدم مصادرت کا اشکال ہی نہیں ہوگا۔

اس صورت میں دوسرا اشکال یہ ہے کہ کتب نحو سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ کی طرف صرف آخر الفاظ کی اضافت جائز ہے۔ ولایضاف الی الجملة الا ثمانية (امداد الباری بحوالہ مفتی محمد ۲۱ ایضاً قسطلانی ص ۳۶) یعنی جملہ کی طرف صرف آخر الفاظ کی اضافت ہو سکتی ہے بشرائط بعض کی وجوہاً بعض کی جوازاً۔ اسماء المنان۔ حیث۔ اثباتاً بمعنی ملائت و ذو۔ ولیدت۔ ورثت۔ وقول۔ وقائل۔ اور لفظ باب ان میں سے نہیں ہے پس اضافت کیونکر درست ہو سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ بدر الدین دہلوی نے مصابیح الجامع میں لکھا ہے کہ جملہ سے مراد لفظ ہو تو یہ مفر د کے حکم میں ہے پس پورا جملہ مضاف الیہ ہو سکتا ہے اور یہاں الفاظ ہی مراد میں تقدیر عبارت یہ ہے باب جواب کیف کان یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ کیف کان بدر الوحی تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے جو اس باب میں مذکور ہے فلا اشکال (قن ص ۳۶) اور بغیر صورت یعنی وقف کی صورت میں اشکال یہ ہے کہ وقف اشیاء معدودہ میں وہاں ہوتا ہے جہاں ان کے درمیان فصل ہو اور یہاں ابواب کے درمیان فصل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صورت یعنی تونین کے ساتھ قلیل و قال سے پاک ہے۔

اصطلاحات المحررین ایک اصطلاح تو یہ ہے کہ باب کے بعد حد ثنائی جو عبارت آتی ہے اسے "نزجۃ الباب" کہا جاتا ہے نیز اسی کو مترجم یہ، عنوان اور دعویٰ کہا جاتا ہے اور اس کے بعد حد ثنائی سے

جو حدیث آتی ہے اسے مترجم لا کچھ میں نیز معزول لا اور دلیل بھی کہا جاتا ہے۔

پھر حدیث میں چنانک ردائق کے اہام ہوتے ہیں اسے سند الحدیث اور آگے جہاں سے مضمون حدیث شروع ہوتا ہے اسے متن الحدیث کہتے ہیں۔ مترجم لا اور معزول لا میں لام تعلیل و سببیت کیلئے ہے چونکہ یہ ترجمہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے اسلئے ان احادیث کی وجہ سے یہ ترجمہ قائم کیا گیا ہے اس لئے دونوں میں مناسبت ہونی چاہئے۔

ترجمہ بخاری | یہ ایسا بڑا عرک لفظ ہے کہ اس میں بڑے بڑے غواصوں کے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ

حقہ البخاری فی تراجمہ "مقدم میں گزرا ہے کہ اس میں اصل مفہوم فقہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بخاری کے تراجم سے امام بخاری رو کے فقہ اور توفیق دین کی شان معلوم ہوتی ہے انتہائی دقت نظر اور باریک بینی سے احادیث لئے آئے ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی۔ تفصیل تراجم بخاری کی اہمیت میں گزر چکی ہے۔

قال ابن خلدون ربيع الخار وكون الامم ولقد سمعت كثيرا من شيوخنا رحمهم الله يقولون شرح كتاب البخاري دين على الامة يصون ان احدا من علماء الامة لم يعرف ما يجب له من الشرح بهذا الاعتبار

علامہ ابن خلدون نے اچھا مقدم میں امام بخاری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم نے اپنے اکثر مشوخ رو سے سنا ہے فرماتے تھے کہ امام بخاری رو کی کتاب صحیح بخاری مشیخین کی شرح و مباحث امت پر دین (رض) ہے یعنی علماء امت میں سے کسی نے بخاری کے شاہان کا حقہ شرح کا حق ادا نہیں کیا مگر جو بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں لیکن بخاری کا دین بہت بڑا ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن خلدون اور حافظ مسطلانی رو نے عمدۃ القاری اور نسخ البخاری لکھ کر امت کی طرف سے شرح حدیث کا ترمیم نامہ دیا ہے مگر تراجم کا یہی باقی رہ گیا تھا کسی نے تراجم بخاری سے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

اجم فحول الصرح ووزوا + ابد الافی الابواب من اسوار

فازوا من الادواق منه بما جئوا : منها ولم يصلوا الى الاثمار

ترجمہ بخاری پر تصانیف | اصل تراجم کے لئے مستقل تالیفات بھی موجود ہیں اور ہمیشہ ہی اس کا اہتمام کیا گیا

ناصر الدین بن النیر نے کتاب التواری علی تراجم البخاری لکھی ہے۔ اسی طرح ابن رشید نے ترجمان التراجم لکھی ہے اور قاضی بدیع الدین بن عابد نے ابن منیر کے رسالہ کی تفصیل کی ہے اور کچھ اصناف بھی حضرت مسعود شاہ دیوبند صاحب رو نے بھی تشریح تراجم کے لئے ایک عربی رسالہ لکھا بعدہ حضرت شیخ الہند رو نے اردو زبان میں "الابواب والتراجم" کے نام سے ایک رسالہ لکھا مگر دونوں بزرگوں میں سے کوئی بھی تکمیل تک پہنچا سکے اور دارالافتار کا سفر کر گئے۔

آخر میں درجہ سطر علم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رو نے تحقیقات اکابر کے ساتھ ساتھ مزید جدید تحقیقات سے مزین کر کے "الابواب والتراجم لصحیح البخاری" کے نام سے چھ جلدوں میں مکمل فرمایا جو قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں۔ خیر اہم اللہ خیر الجہراء

ترجمہ الباب کا مقصد

باب کیف کان بدء الوحی الخ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باب کی چھ حدیثوں میں سے بجز ایک دو حدیثوں کے کسی حدیث کی بھی ترجمہ الباب کے ساتھ کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی اکثر روایات ابتداء کے ذکر سے خالی ہیں چنانچہ پہلی حدیث "انما الاعمال بالنیات" بظاہر بالکل مناسبت نہیں رکھتی، اور دوسری اور چوتھی میں کیفیت وحی کا ذکر تو ہے مگر بدء کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ تیسری حدیث جس میں "اول ما جئنی به" ہے ترجمہ الباب کے موافق نظر آتی ہے پھر پانچویں حدیث میں کسی چیز کا ذکر نہیں، نہ تو وحی کا ذکر ہے اور نہ ہی ابتداء وحی کا۔ اسی طرح چھٹی روایت جس میں ہر قل کا قہقہہ ہے جو نبوت کے آخری دور میں واقع ہوا بدر الوہی کے ساتھ بظاہر اس کا بھی تعلق و مناسبت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ وقد اعترض محمد بن اسمعيل التميمي رد على هذه الترجمة فقال لو قال كيف كان الوحي لكان احسن الخ (فتح الباری ص ۱۷۱) یعنی اسماعیلی نے اس ترجمہ الباب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کیف کان بدء الوحی کے بجائے کیف کان الوحی ہوتا تو بہتر تھا۔

مگر اسماعیلی کے قول پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ پہلی حدیث "انما الاعمال بالنیات" میں تو وحی کا بھی ذکر نہیں تو انہوں نے اپنی مستخرج میں انما الاعمال بالنیات کی حدیث کو باب سے پہلے ذکر کیا کہ یہ حدیث بمنزلہ خطبہ کے ہے اس لئے اسے پہلے ہونا چاہیے۔ گویا رد تصرف کے بعد اسماعیلی کے نزدیک اس حدیث کی مطابقت ترجمہ الباب سے ہو سکتی ہے، یہ درحقیقت امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض ہے لیکن اسماعیلی کا یہ اعتراض دقیق نہیں ہے اس لئے کہ اگر ترجمہ الباب بدر الوحی میں اضافت بیان مان لی جائے تو بدر اور وحی ایک ہو جائیں گے اور عبارت ہوگی کیف کان بدء الوحی، اس ضرورت میں ترجمہ الباب کا مفہوم ہوگا "کیف کان الوحی الخ" جو حضرت اسماعیلی نے احسن کہا تو اب اعتراض درست نہ رہا۔ شراحین نے مناسبت کی بہت سی توجیہات بیان کی ہیں مگر اکثر غیر شافی ہیں جن سے تشنہ تحقیق سیر نہیں ہو سکتا۔ صرف چند بہتر توجیہات ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) وحی کو عام رکھا جائے، خواہ وحی متلو ہو یا غیر متلو، اور بدء کو بھی عام لیا جائے کیونکہ بدء کسی قسم کا ہونا ہے مثلاً یہ کہ کس زمانے میں وحی کی ابتداء ہوئی؟ کس مکان میں ہوئی؟ کیسے لوگوں سے ہوئی؟ کن حالات میں ہوئی؟ وغیرہ۔ فتدخل فيه كل ملحد على عظمة شان الوحي اليه۔

(۲) بعض مفسرین بدایت بول کر جمیع حالات مقصود ہوتے ہیں چنانچہ جب امام بخاری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کیف کان بدء الوحی؟ تو انہوں نے صرف اپنی پیدائش ذکر کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مفصل حالات بیان فرمائے کہ فلاں فلاں مدرسہ میں داخل ہوا اور فلاں فلاں واقعات پیش آئے۔ اسی طرح صحیح بخاری کے تفسیریں یا رہ کی ابتداء کی ہے کتاب بدء الخلق ص ۲۵۳ دیکھئے جس میں صرف بدایت کا ذکر نہیں ہے بلکہ مخلوق سے متعلق جملہ احکام ان ابواب میں آگئے ہیں۔

(۳) کبھی حدیث کو ترجمہ الباب کے مدلول مطابق سے مطابقت نہیں ہوتی بلکہ مدلول التزامی سے مناسبت ہوتی ہے

(۳۰) کبھی حدیث کو ترجمہ الباب کے مدلول مطابق سے مطابقت نہیں ہوتی بلکہ مدلول التزامی سے نہایت ہوتی ہے صحیح بخاری کو باب کیف کان بدر الوحي سے شروع کرنے کی حکمت کا مفصل بیان اوپر گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی چیز قابل اعتماد نہیں جب تک وحی کی طرف منسوب نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ وحی کی فحامت و عظمت اور جلالت شان اس باب کا مدلول التزامی ہے اور ترجمہ الباب سے یہی مقصود ہے، گویا کہ یہ باب ساری کتاب کا ایک مقدمہ یعنی کبریٰ ہے اور اصل کتاب کتاب الایمان سے شروع ہوتی ہے جو بمنزلہ صغریٰ ہے پس کتاب کی ہر حدیث کے متعلق کہا جائیگا کہ ہذا من الوحي اور باب بدر الوحي کا خلاصہ یہ ہوا کہ ما کان من الوحي فهو موجب للعمل تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہذا موجب للعمل اس تقریر کے بعد احادیث باب کی مناسبت ترجمہ الباب کے ساتھ ظاہر ہے لاذہذا دالۃ علی عظمۃ الوحي

اس موقع پر قابل غور یہ ہے کہ انا بخاری روئے باب کی ابتدا کی کیف سے اور کیف سے جس طرح کسی چیز کی حالت دریافت کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح کبھی یہ لفظ کیف اظہار عظمت کیلئے آتا ہے۔ کمال الترتیل اعظم۔ اے مخاطب کیا قوتے نہیں دیکھا کہ تیرے رب کے اصحاب فیما کیسا کھڑے کیا کیا۔

ع۔ بالترکیب فعل بک باصخب الفیل

کیسے اللہ نے بتائے سات اسماء ہند برتر۔

ع۔ کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے کیسا (ادکھا اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اس کو آراستہ کیا (اسی کام کا بل کیو ج سے) اہیں خند تک نہیں۔

ع۔ اخلو سفل والی السماء فوقہم کیف بنینہا وزینتہا وما لہا من فروج۔

اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جہاں کیف کا لفظ ہے لیکن وہاں سوال کیفیت یا کوئی سوال مراد نہیں بلکہ اسمیت اور اظہار تعظیم و تفعیم مقصود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تو کوں نے کیف اور سوال کیفیت ہی کے لئے مانا جس کی وجہ سے اشکال پیش آیا اگر عظمت کے معنی کی طرف توجہ ہوتی تو کوئی غلطی نہ پیش آتا۔

انشاء اللہ ہر حدیث کے بعد شرح کے اندر ترجمہ الباب کی مطابقت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کی جائیگی۔ جیسا کہ اس سے قبل دو جلدوں نہر الباری کتاب لغازی ع۔ نہر الباری کتاب التفسیر میں بیان کی گئی ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ جذا رفیع الباری و سکون الدوال یعنی ہمز اللام کے معنی آغاز اور ابتداء کے ہیں اور علامہ علی رحم نے ایک نسخہ جذا و بعم الاول والثانی و تشدید الواو نقل کیا ہے جس کے معنی ظہر کے ہیں رفیع الباری عمدة القاری

الوحي قال لمانظ۔ والوحي لغة الاعلام فی خفاء رفیع، یعنی لغت میں وحی کے معنی میں پوشیدہ طور سے کسی کو کچھ بتانا، انا راغب نے مفردات القرآن میں لکھا ہے۔ واصل الوحي الاشارة السريعة

طویل سلام کو مختصر طریق سے ادا کرنے کا اشارہ کہتے ہیں مثلاً اقرب میں آج بخاری شریف کے لئے تم مسلم شریف کیلئے۔ و
الوداؤد شریف کے لئے۔ ت ت زوی شریف کیلئے۔ ست لائی شریف کے لئے۔ خود بخاری شریف کے حاشیہ میں لفظ
کرمانی فتح الباری اور آج عمدۃ القاری کی طرف اشارہ ہوتا ہے، پھر اشارہ کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے اور کبھی سر سے
اور کبھی زبان سے جیسے لغو اور لا۔

سلاطین کے اشارات ان کے مقرین ہی سمجھا کرتے ہیں اسی طرح وحی الہی کا سمجھنا صرف رسولوں کا کام ہے
جو مقرین بارگاہ الہی میں ان پیغمبروں کے داغ اس قدر اعلیٰ ہوتے ہیں کہ فوراً اس کی گہرائی تک پہنچ جاتے ہیں گویا امام
راغب نے اعلام کے بجائے اشارہ کا لفظ لاکر بڑے پتہ کی بات فرمائی ہے کہ وحی میں اشارہ ہوتا ہے یعنی مبسوط چیز کو
مختصر پیرایہ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

واقعہ ہے کہ ایک شخص من مجلس میں شیر شاہ نے یک بیک زمین پر لکیر کھینچ دی لوگوں نے خیال کیا کہ
شیر شاہ نے یہ کیا بچوں کی سی حرکت کی ہے مگر اس کے ذریعے کہا کہ وہ جہاں پناہ ایسا ہی ہو گا۔ اور ایک بڑی طرح ہنوا دی۔
اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام اشارہ کو سمجھ لیتے ہیں۔

دوسرے لفظ السریحہ ہے یعنی نزول وحی آنا ٹانا ہوتا ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ نبی آن واحد میں وحی کر سکتا
بھی ہے سمجھتا بھی ہے اور حفظ بھی کر لیتا ہے۔

امام راغب نے اگرچہ خفیہ کا لفظ نہیں ذکر کیا ہے لیکن اشارہ میں اجنبی سے اخفا بھی ہوتا ہے پھر اہل لغت نے خفا
کی قید لگائی ہے لہذا وحی میں اخفا کے معنی بھی ہیں اس لئے تفسیری چیز وحی میں اخفا بھی ہے اس کی مثال تار برقی جیسی
سمجھیں کہ دو شخص آپس میں بات کر رہے ہیں مگر قریب بیٹھے والا کچھ نہیں سمجھتا۔

وحی کا اطلاق | وحی لغوی کا اطلاق ذی روح اور غیر ذی روح دونوں پر ہوتا ہے۔ ثانی کی مثال باق رقبہ
اوچی لہا (پارہ تم) اس میں زمین کی طرف وحی کی نسبت لگائی ہے، پھر ذی روح میں سے

ذی العقول اور غیر ذی العقول دونوں پر اطلاق ہوتا ہے، ثانی کی مثال وادھی س بک الی التحل ان اتخذنی
من الجبال بیوفا الخ۔ (سورۃ النمل پ) پھر ذی العقول میں اس وجہ دونوں پر اطلاق ہوتا ہے ثانی کی مثال
یوحی بعضہما الی بعض نصف القول غی ورا (سورۃ النمل پ) پھر انساؤں میں سے نبی وغیر نبی
دونوں کی طرف نسبت کی گئی ہے، ثانی کی مثال وادھیما الی أمرو منی الخ (سورۃ القصص پ) ایضا وادھی
او حیث الی الحواس پ (سورۃ المائدہ پ) اور وحی نبی کی مثال ترجمۃ الباب میں مذکور ہے یعنی اتنا او حیثا
الیک کما او حیثا الی لوح والتبلیک من بعد الخ (سورۃ النساء پ)

وحی شرعی | منہ آخری قسم کو کہا جاتا ہے یعنی جو نبی کی طرف ہر وحی الی غیر الہی وحی شرعی نہیں بلکہ وحی لغوی
ہے وحی اصطلاح الشریعۃ ہو کلام اللہ المتزل علی نبی من انبیائہ

(عمدۃ ص ۱۰۰ فتح مشرق)

یعنی شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں وحی اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو کسی نبی پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اس وقت اصطلاح الشرع اعلام اللہ تعالیٰ انبیاء الشیء اما بکتاب او برسالة ملائک او منام او الہام (قسطلانی ص ۳۳۱) یعنی شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیوں کو کسی چیز (حکم پیغام) کی خبر دینا خواہ کتاب کے ذریعہ ہو یا فرشتہ کو بھیج کر یا خواب یا الہام کے ذریعہ۔ مقصد یہ ہے کہ وحی اللہ کا حکم و پیغام ہے جو بغیر دل کو بھیجا جاتا ہے۔

اقسام وحی

انبیاء علیہم السلام کے حق میں وحی الہی کی کتنی قسمیں ہیں؟ علمائے احوال مختلف ہیں:- علامہ حلی نے چھ قسمیں ایسی قسمیں بیان کی ہیں اس کا مبنی اور ماخذ صحیح بخاری کی وہ روایت ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رُؤِیا المؤمن جنہ من ستۃ اربعین جنہ من التنبؤۃ (بخاری جلد ثانی ص ۱۳۵) یعنی مومن کا خواب نبوت کا چھیا لیسوا حصہ ہے۔ قرآن مجید میں وحی انبیاء علیہم السلام کی تین قسمیں مذکور ہیں:- وما کان لبشر ان یشیر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب اور یسل رسولہ (شمارہ ۲۵) الا وحیا ای فی المنام او بالالہام۔ او من وراء حجاب سے یہ مراد ہے کہ بلا واسطہ کلام ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ المعراج میں۔

علامہ سیبوی نے نزول وحی کی کل سات صورتیں بیان کی ہیں یعنی وحی کا نزول کل سات طریقے سے ہوتا ہے۔ (۱) رؤیا سے: قصائد، سچا خواب یعنی انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل شروع کر دی، اور اسی وجہ سے بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سو رہے ہوں تو ان کو جگانا درست نہیں، مگر یہ کہ خواب میں وحی آ رہی ہو۔

(۲) القار فی القلب:- یعنی دل میں کسی چیز کا ڈالنا جیسا کہ حدیث میں ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نقش فی روحی (الحديث) یعنی روح القدس کسی میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے رزق کو مکمل نہ کر لے گا الخ۔

اور اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کسی دلی کے قلب پر کسی بات کا القاء ہو تو اوّل فی فی اصطلاح میں اس کو الہام و کشف سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس دونوں القار فی القلب میں فرق یہ ہے کہ نبی پر القار وحی کہلاتا ہے اور ہمیشہ صواب ہوتا ہے غلطی کا احتمال نہیں، اور دلی کا الہام صواب اور خطا دونوں کا محتمل ہوتا ہے۔ ملا جیونہ فرماتے ہیں:-

یشترک فیہ الاولیاء ایضا وان کان الہام میں اولیاء بھی شریک ہیں اگرچہ ان کے الہام میں صواب و خطا دونوں کا کھٹکا لگتا رہتا ہے لیکن نبی کا الہام

الہام مہم یحتل الخطاء والصواب

والهامہ لا یحتمل الا الصواب — صواب کے سوا کسی بات کا احتمال ہی نہیں رکھتا۔

(نور الانوار ج ۱ ص ۲۱۴)

(۳) اللہ تعالیٰ کا کلام من وراء الحجاب مٹتا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سنا تھا۔

(۴) صلصلة الجرس، یعنی گھنٹی کی آواز کی صورت میں آئے جس کی تفصیل حدیث ۷ میں آئے گی انشاء اللہ۔

(۵) تمثیل ملک، یعنی فرشتہ کسی انسانی شکل میں اگر کلام ربانی پیش کرے، جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت رحیمہ کی شکل میں آنار دایات سے ثابت ہے۔

(۶) فرشتہ کا اپنی اصلی (ملکوتی) شکل میں آپ کے پاس اگر پیغام ربانی پہنچانا، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے۔ انہما ای جبرئیل لہ ستماۃ جناح (بہاری ص ۳۸) بعض روایت میں ہے لہ ستماۃ جناح یشتر منها اللؤلؤ والیاقوت۔ (عمدہ ص ۱۵۸) ایضاً ما شہ بہاری ص ۳۸، یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چھ سوزاؤں میں جن سے یاقوت اور موتی جھڑتے ہیں۔

ایسا دومرتبہ ہوا ہے جیسا کہ سورۃ نجم میں مذکور ہے، ولقد رآنا نزلة اخی۔

(۷) وحی اسرائیل علیہ السلام کما فی مسند احمد باسناد صحیح عن الشعبي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نزلت عليه النبوة وهو اجتمع اربعين سنة فخرن بنبوته اسرائيل عليه السلام ثلاث سنين الحج (عمدہ ص ۳۸)

یعنی مسند احمد بن حنبل میں سند صحیح کے ساتھ امام شعبی سے منقول ہے کہ جب حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی، اس کے بعد تین برس تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اور حضرت اسرائیل علیہ السلام کو قدرت نے آپ کے لئے مقرر فرمایا وہ کبھی کبھی کوئی کلمہ آپ کو بتاتے رہتے تین برس کے بعد پھر جبرئیل علیہ السلام مقرر کئے گئے اور وحی کا سلسلہ جاری ہوا۔ (عمدہ القاری ص ۳۸)

○ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلِّیْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ○

رسول اللہ کا لفظ اگرچہ عام ہے، ہر رسول کو رسول اللہ کہا جاسکتا ہے لیکن یہاں حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، اس لئے کہ مشہور قاعدہ ہے المطلق اذا بطلق بمراد به البغداد الماثل عطا یہاں اصناف عہدی ہے اس لئے مراد ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

یا چونکہ دوسرے تمام انبیاء اور رسل کے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں، قیامت تک کیلئے آپ ہی رسول ہیں یہاں تک کہ قرب قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع کریں گے اس لئے رسول وقت ہونے کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔

مے یا یہ کہا جائے کہ یہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرنے کیلئے لکھی گئی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں، نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیامبر اور واسطہ ہوتے ہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ رسول اور نبی ہم معنی ہیں اور ایک ہی ہیں۔ لیکن راجح یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے، ارشاد الہی ہے وما ارسلنا قبلك

نبی اور رسول کا فرق

من رسول ولا نبي الاية۔ اس میں نبی کا عطف رسول پر ہے اور عطف مغایرت کی دلیل ہے۔ پھر عام طور سے رسول اور نبی میں یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ رسول صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی کیلئے یہ ضروری نہیں بلکہ نبی پر پیغمبر کو کہتے ہیں، مگر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر کوئی مستقل کتاب نازل نہ ہوئی تھی، مع ہذا قرآن مجید میں ان کے بارے میں وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا دار ہوا ہے (سورہ مریم)

حافظ ابن تیمیہ نے کتاب الغوات میں بہترین فرق بیان کیلئے ان کی تقریر سب سے عمدہ ہے، فرماتے ہیں کہ نبی وہ ہے جسے اصلاح ناس کیلئے بھیجا گیا ہو، اور رسول وہ ہے جسے دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کا حکم بھی ہو، خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ نبی اور رسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے لیکن علی العموم نبی کو عام اور رسول کو خاص کہا جاتا ہے، اس لئے کہ انسانی نبی اور رسول مراد ہوتے ہیں، پس اس صورت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، سب سے پہلے اعداد دین کے ساتھ مقابلہ کی نوبت حضرت نوح علیہ السلام کو پیش آئی، اس لئے آپ سے رسالت کا دور شروع ہوا کان الناس اقعة واحدة فبعث اللہ الانبیاء (پٹ ۱۰) سے ثابت ہوتا ہے کہ شروع میں کوئی اختلاف نہ تھا، ابن عباس رضی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن گزرے ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں تھا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلا اختلاف حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے، تو ثابت ہوا کہ سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں، صحیح بخاری کتاب الرقاق کی حدیث شفاعت میں ہے۔ ائمتنا نوحا اول رسول بعثہ اللہ (بخاری ص ۹۰، مسلم ص ۱۱۱)

فائدہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام وغیرہ رسول میں نبی نہیں۔ لیکن یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ فرشتوں کی رسالت خاصہ ہے کہ حضرت جبریل ابنِ انبیاء کے پاس وحی لمبیکر آتے ہیں یا کبھی عذاب کیلئے یا کسی خاص نعمت یا خاص حکم کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں، ان کو براہ راست کسی قوم یا ملک کی ہدایت و رہبری کیلئے نہیں بھیجا جاتا اسی لئے جب رسول کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے انسانی رسول مراد ہوتے ہیں فرشتے مراد نہیں ہوتے۔

○ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ○

علامہ عینی فرماتے ہیں "جملة خبریة لکشفها لما كانت دعاء صادرة انشاء لون المعنی اللہ صلی وکذا السلام فی سلم۔ (عمدة القاری ص ۱۰۱)

مسئلہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے جو حکم صلوٰۃ جو شعبان ۱۲۸۰ء میں نازل ہوا۔

اگر ایک مجلس میں کبھی بار آپ کا نام پاک ذکر کیا جائے، جیسا کہ دریں حدیث میں بکثرت اس کا موقع ہوتا ہے، تو امام طہادی رحمہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار میں ذکر کرنے والے اور سنے والے پر درود شریف پڑھنا واجب ہے، مگر مفتی یہ قول یہ ہے کہ ایک بار پڑھنا واجب ہے پھر سبب ہے، یہی امام کرنی رحمہ کی تحقیق ہے۔

○ قول اللہ عن وجل ○

اگر قول کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا عطف باب پر ہوگا اور جبری صورت میں باب کے تحت میں ہوگا اور کیفیت کان پر عطف ہوگا۔

○ اِنَّا اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالتَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ○

ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے جیسے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے انبیاء کی طرف بھیجی تھی۔
انتخاب آیت میں امام بخاری کا کمال
 وحی کے متعلق قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں لیکن مولف علامہ امام بخاری رحمہ نے ترجمۃ الباب میں ایک ایسی آیت کو منتخب فرمایا ہے جس میں وحی کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، یہ انتخاب امام بخاری رحمہ کی خدا داد ذہانت و دقت نظر و صحت علم اور فہم و فراست کی تین دلیل ہے۔

پھر یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ آیت کا صوف مذکورہ ٹکڑا ہی یہاں مراد نہیں ہے بلکہ ماقبل کا کوئی بھی مراد ہے کیونکہ وہ سائل کا سوال اور اس کا الزامی جواب ہے اور اِنَّا اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ سے تحقیقی جواب ہے، اور پھر صوف کما اَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالتَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ تک ہی مقصود نہیں بلکہ عمدۃ القاری اور ارشاد الساری میں ہے اِنَّا اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مابعد کا حقیقہ بھی مراد ہے، علاوہ بریں معنیوں پر بھی غور فرمائیے تو صاف معلوم ہوگا کہ آئندہ کی آیت وَالتَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ کی تفصیل ہے جس میں بہت سے انبیاء کا اجمالی اور گیسارہ کا تو ان کے اسمائے شریفہ کے ساتھ تذکرہ ہے، اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک خصوصیت کو بیان کیا ہے وَاتَّبَيْنَا دَاوُدَ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے وَكَلَّمْنَا مُوسَىٰ وَتَكَلَّمَ اللَّهُ۔

غلام یہ ہے کہ اہل اور مابعد کو ملاحظہ فرمائیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وحی کا اتنا مبسوط اور مشرح بیان کسی دوسری آیت میں نہیں۔ تفسیر خازن میں ہے کہ ایک بار یہودیوں سے کعب بن اشرف اور فحاض بن عاذر را نے سید الدین والاخرین علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے پاس آسمان سے ایک ہی دفعہ پوری کتاب

لئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔

ان اہل کتاب کا یہ سوال الیمان قلب، طلب ہدایت و اتباع کیلئے نہ تھا بلکہ ازراہ تعنت و عناد تھا اس پر آیت یس ۱۷ اہل الکتاب الہ نازل ہوئی اور پورے رکوع میں ان کی اور ان کے آباء و اجداد کے شرارتوں کا ذکر ہے۔ اور ایک نوع سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ ابھی تو انھوں نے آپ کو مانا نہیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام کو تو نبی مان چکے تھے پھر بھی کیسے کیسے سوال کرتے تھے اور کیسی کیسی سے حکم صادر کیا کرتے رہے، تو ریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات و اشیاء الدلائل دیکھنے کے بعد بھی ان کا سوال ختم نہ ہوا، باوجودیکہ ہم نے تو ریت کو یکبارگی ہی نازل کیا تھا لیکن خوئے بدرابہانہ بسیار، بجائے اطاعت کے انھوں نے خدا کو علاوہ دیکھنے کا سوال کر دیا، اگر قرآن عزیز کو یکبارگی ہی نازل کر دیا جاتا تو کوئی اور ہی حل کھلاتے۔

اٹا او کھینا ہے تحقیق جواب دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا بکثرت انبیاء علیہم السلام آئے جن میں سے گیارہ کے اسماء مبارکہ یہاں بیان فرمادے گئے ہیں ان سب حضرات میں سے کسی پر یکبارگی کتاب نازل نہ ہوئی حالانکہ اہل کتاب ان کو نبی مانتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ یہود کے یہاں بھی نبوت کے لئے ایک مرتبہ مکمل کتاب کا نازل ہونا ضروری نہیں تھا اس سے ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرنا ازراہ بغاوت و سرکشی ہے، رسولوں کی بعثت سے مقصد ہدایت خلق اور ان کو توحید و معرفت کا درس دینا، تزکیہ اور تربیت ہے، کتاب کے متفرق طور پر نازل ہونے سے یہ مقصد علی الوجہ الام حاصل ہوتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا آسانی و دلنشین ہو جاتا ہے، ادھر کسی نے سوال کیا فوراً جواب آگیا، کوئی مشکل پیش آئی فوراً اس کا حل بھی سکون قلب کا باعث ہو گیا، یہ صورت زیادہ اذیت ناک نہیں ہوتی ہے اور انشراح قلب بھی اس میں زیادہ حاصل ہوتا ہے، پھر یہ قوم امتی بھی تھی اس کے لئے اسی میں آسانی بھی تھی، نظام تربیت اور اصلاح کا تقاضا بھی یہ تھا کہ احکام کا نزول تدریجی ہو، پس اس سے حکمتوں کو دیکھنا اور طرح طرح کے لایعنی سوالات کو ناکمال حماقت ہے، پھر آئینہ داؤد زیوراً میں اشارہ کر دیا کہ بیشک ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عنایت کی لیکن ان کو بھی ایک ہی مرتبہ ساری کتاب نہیں دی بلکہ مہجما قسط وار نازل کی، کافی روح المعانی ص ۱۷ و کان انزلناہ علیہ علیہ السلام مہجما پس اگر تعبد حق نبوت کے لئے ایک دفعہ کتاب کا نزول ضروری ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو تم نبی کیوں مانتے ہو؟ اس سے بھی تمہاری بحث دھری اور عناد ظاہر ہے۔

نیز کلمہ اللہ موسیٰ تکلیما سے یہودیوں کو نہایت مسکت اور دنداں شکن جواب دیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر کلام فرمایا اسی وقت سے ان کی نبوت ثابت ہو گئی اور فرعون اور اس کی قوم کے پاس دعوت و تبلیغ اور انذار کے لئے باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تو اصولاً وہ رسالت

سے بھی مشرف ہو گئے اور اُسے اہل کتاب کو ہر طور کے کلام ہی سے حضرت موسیٰ ع کو تم رسول و نبی مانتے ہو حالانکہ اس وقت تک ان پر کوئی کتاب نازل نہ ہوئی تھی، بلکہ کتاب توراۃ تو ان کو ملی فرعون اور اس کی قوم کے غرقاب ہونے کے بعد، پس جب تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرتے ہو بغیر کسی کتاب کے نازل ہونے کے تو پھر میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کیلئے کتاب کی شرط مزید برآں جملہ واحدہ کے قید کیسی؟ یہ مندو عناد اور شرارت نہیں تو ادر کیا ہے۔ (ماخوذ از امداد)

ترجمہ الباب کے آیت کی مناسبت ترجمہ الباب ہے کیف کان بدء الموحی، یعنی وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ آیت کریمہ میں دو جواب

مذکور ہیں، ایک تو وحی کے اصل سرچشمہ کا بیان ہے اور وہ انا و حسینا میں ہے کہ اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ میں، دوسرا نوعیت وحی کے مبدی زمانی کا بیان ہے اور وہ کما و حسینا الہم میں ہے کہ اس نوعیت کی وحی حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوئی۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت مبارکہ سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ وحی کیلئے تین چیزیں لازم ہیں، ایک مرسل یعنی نوعی و سرچشمہ وحی، وہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، دوسری چیز مرسل الیہ، موحی الیہ وہ انبیاء میں اور حضور اقدس علیہم الصلوٰۃ والسلام، اور تیسری چیز واسطہ، آیت مبارکہ کا مقصد جملہ لوازمات کو بیان کرنا ہے۔

اشکال و جواب یہاں اشکال یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بطور خاص کیوں فرمایا گیا جب کہ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل اور بھی انبیاء گزرے ہیں

مثلاً حضرت آدم، حضرت شیت اور حضرت ادریس علیہم السلام گزرے ہیں اور ان حضرات پر بھی وحی آئی ہے۔ اس کے متعدد جوابات منقول ہیں، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی تخصیص سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس طرح حضرت نوح ع کو ان کی قوم نے ستایا اور انہوں نے صبر کیا اسی طرح آپ کو بھی تکلیفیں ہوں گی مگر صبر کرنا ہوگا۔

نوح علیہ السلام سے پہلے اگرچہ انبیاء تھے لیکن رسول نہ تھے، حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں اور ان کے بعد بہت سے رسول ہوئے۔ آیت سے اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسول ہیں۔

نوح علیہ السلام شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ان سے پہلے کفر کا شیعہ نہیں ہوا تھا تو اس سے اشارہ کر دیا کہ آپ بھی شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ہیں وغیرہ۔

حضرت شیخ البندرم نے الی نوح و التبیین من بعدہ کی تخصیص کی ایک اور لطیف وجہ بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام سے قبل امور معاشرت کی وحی ہو کر تھی یعنی کسب معاش

کے ذرائع اور منابع وغیرہ کی تسلیم دی جاتی تھی مثلاً حضرت آدم کو مکان بنانے کے، حضرت شیث علیہ السلام کو زراعت کے اور حضرت ادریس کو خیاطی کے طریقے بتائے گئے، اور حضرت نوح سے وحی شریعہ کا آغاز ہوا جس کی تکمیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، جیسے بچے کو ابتدائی امور معاشرت کی تعلیم دی جاتی ہے، جب ذرا بڑھ کر سنبھالنا توکل طبعی اور معمولی طور پر دین کی باتیں سکھائی جاتی ہیں، پھر مدرسہ سے مانوس کیا جاتا ہے، جب کچھ پڑھنے لگتا ہے اور عقل میں اضافہ ہوتا ہے تو سختی کیجاتی ہے اور ضابطہ سے تعلیم کا آغاز ہوتا ہے اور امتحان کی صورتیں جھیلنی پڑتی ہیں اور فائزین و خائبین کی دو جماعتیں ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح زمین ایک مدرسہ ہے اس کے معلم اول حضرت آدم علیہ السلام تھے جو کہ وہ زیادہ طفولیت کا تھا اس لئے پہلے زیادہ تر معاشرت کے احکام سکھائے گئے اور قدر سے دینی احکام کی بھی تعلیم دی گئی، چلتے چلتے حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا جہاں سے باضابطہ تعلیم دین کے دارالعلوم کا آغاز ہوتا ہے، اس میں خیل ہونے والوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا گیا، پھر نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے از سر نو دنیا کا آغاز ہوا، گویا کہ نوح علیہ السلام آدمی بنی ہیں، پھر زمانہ ترقی کرتا رہا اور اس کے مناسب بنی آتے رہے، بالآخر اس علم و عمل کے دارالعلوم کا نصاب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا، چنانچہ ارشاد ہے المیوم اکملت لکم دینکم وانتم صرتم علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔

حاصل یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل وحی دوسری نوعیت کی تھی یعنی امور معاشرت کی وحی ہوتی تھی اور حضرت نوح سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک امر آخرت کی وحی ہے، اس لئے آپ کی وحی کہ نوح علیہ السلام دینِ مجدد کی وحی سے تشبیہ دی گئی۔

① حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْمَنْبَرِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا لَوْنُو فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَتْلِكُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَبَ إِلَيْهَا۔

ترجمہ

(امام بخاری رو فرماتے ہیں کہ، ہم سے بیان کیا حمیدی نے، حمیدی نے کہا کہ ہم سے بیان کیا سُفیان نے انہوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا یحییٰ بن سعید انصاری نے انہوں نے کہا مجھ کو خبر دی محمد بن ابراہیم تمیمی نے کہ انہوں نے علقر بن وقاص لیثی کو یہ کہتے سنا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے

اور ہر شخص کو وہی ملیگا جس کی اس نے نیت کی ہے، پس جس کی ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہو، پس اس کی ہجرت (اپنی نیت کے مطابق) اسی کیلئے ہوگی جس کیلئے ہجرت کی ہے۔

نوٹ - صرف ابتداء میں چند حدیثوں کی سند کا ترجمہ لکھا جائے گا تاکہ طلبہ عزیز کو طرز معلوم ہو جائے، کتاب الایمان سے صرف حدیث شریف کا ترجمہ لکھا جائے گا انتشار الشرح۔

یہ روایت بخاری شریف میں سات جگہ مذکور ہے، ایک تو یہی حدیث ص ۳۲۳، ۵۵۱، ۵۹۰، ۵۹۱، ۱۰۲۵۔
چھ جگہ پر بصیغہ مفرد یعنی نیتہ ہے، ملاحظہ ہو، ص ۱۳، ۳۲۳، ۵۵۱، ۵۹۰، ۵۹۱، ۱۰۲۵۔

تعدد الحدیث فی الصحیح

اس بارے میں شرح حدیث کے مختلف اقوال ہیں۔

مطابقتہ للترجمة

(۱) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ترجمہ الباب کے کوئی مناسبت نہیں، کیونکہ حدیث میں نہ تو ابتداء کا بیان ہے اور نہ دہی کا، صرف تبرک کیلئے ابتداء میں لائے ہیں۔

(۲) بعضوں نے کہا ابتداء کتاب میں اس حدیث کے لانے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ میں نے یہ کتاب خالصاً لوجہ اللہ لکھی ہے اور یہ بطور تدریث لغت کے ہے، ضمناً پڑھنے پڑھانے والے کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ تم بھی اپنی اپنی نیت کو خالصاً لوجہ اللہ کر لو۔

مگر یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اگر امام بخاری کا یہ مقصد ہوتا تو صاحب مشکوٰۃ کی طرح ترجمہ الباب سے پہلے لائے تاکہ انشراح سے قبل نیت کی معافی اور دعوت افلاص کا مقصد پورا ہو جاتا۔

(۳) صحیح تخریج وہ ہے جو علامہ ابن بطلال نے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا تعلق ترجمہ الباب میں مذکورہ آیت یعنی انا و احینا الیہ کما و احینا الی نوح الخ سے ہے ہمیں یہاں طور کہ ترجمہ الباب کا مقصد تھا کہ آپ کی طرف دہی کی ابتداء کیلئے ہوئی؟ آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ جیسی انبیاء سابقین کی طرف ہوئی، حدیث میں حسن نیت و افلاص کی تاکید ہے اور یہی دہی تمام انبیاء کی طرف آئی، وما امرنا الا لیعبدا وادنا مخلصین لہم القدیم حنفاء، معلوم ہوا کہ آیت میں جو تشبیہ (کما و احینا میں) تھی اس کی مثال کے طور پر انما الاعمال بالنیات کی حدیث کو بیان کیا، پس مناسبت ظاہر ہے۔

(۴) ابن منیر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ہجرت کا تذکرہ ہے اور دہی کی ابتداء ہجرت ہی کی حالت میں ہوئی، اس طرح ہر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتیں دو ہیں، ایک ہجرت گھر سے نکل کر غار حراء کی طرف، دوسری ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف، پہلی ہجرت سے (یعنی غار حراء سے) دہی کی حقیقی ابتداء ہوئی اور دوسری ہجرت مدینہ طیبہ سے دہی کا ظہور و شیوع ہوا، پس ترجمہ الباب سے مطابقت واضح ہوگی۔ (عمدہ)

(۵) ایک لطیف مناسبت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس حدیث کے پہلے راوی حمید بن مکی ہیں، پس امام نے مکی سے ابتداء کرنے کے اشارہ کر دیا کہ دہی کی ابتداء مکہ سے ہوئی۔

(۶) ایک عمدہ ترین جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو ترجمہ الباب کے مدلول التزامی یعنی وحی کی عظمت شان سے مناسبت ہے اس طور پر کہ وحی الہیہ ہو سکتا ہے جس میں حسن نبوت ہو، جیسے سلاطین کے یہاں منصب وزارت صرف اسی کو تفویض کیا جاتا ہے جس کے اخلاص پر بادشاہ کو پورا پورا اعتماد ہو اور بغاوت کا وہم تک نہ ہو، محض وہم بغاوت سے معزول کر دیا جاتا ہے مگر سلاطین دنیا کا علم ناقص ہے اس لئے جس پر اعتماد کیا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ بغاوت کر دے، بغاوت نہ بھی کرے تو امکان بغاوت تو ضرور ہے برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کے علم میں خطا کا کوئی احتمال نہیں، لہذا جسے وہ منتخب فرماتے ہیں اس میں بغاوت کا امکان بھی نہیں ہوتا، ارشاد ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّصُوحةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ

(۷) مائلا مستلانی فرماتے ہیں ومن المناسبات البدیعة الوحیة ان الکتاب لما کان موشو لجمع وحی السنۃ صدرک مبدء الوحی لبيان الاعمال الشریعة صدرک بحديث الاعمال یعنی بہترین اور مختصر مناسبت یہ ہے کہ چونکہ کتاب لکھی گئی ہے وحی سنت کے جمع کرنے کیلئے، اس لئے بدوحی کو پہلے بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کتاب میں جو کچھ ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اور وحی سے مقصود اعمالی شرعیہ کا بیان کرنا ہے، اس لئے سب سے پہلے اجمالاً اعمال کی حدیث لایا جس میں اعمال کو درست کر نیک طریقہ بتایا گیا ہے۔

وحی کیلئے حسن نبوت کی شرط ہے یہ وہم نہ ہو کہ وحی کسی ہے جیسا کہ معتزلہ اور قادیانی کہتے ہیں، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وحی نبوت محض الہیہ ہے، کوئی کفنی ہی ریاضت و مجاہدہ کیوں نہ کرے اور اس کے اندر کتنی ہی قابلیت و استعداد کا جوہر کیوں نہ ہو مگر بغیر مشیت الہیہ کے وحی الہیہ نہیں بن سکتا۔

غرضیکہ نبوت و رسالت کوئی ڈگری نہیں بلکہ عہدہ ہے جو بغیر تفویض کے نہیں مل سکتا، دنیا میں خدا لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کی ہیں مگر کسی عہدہ پر فائز نہیں ہو سکے، اسی طرح روئے زمین پر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے قلوب میں نبوت کا بار عظیم اٹھانے کی صلاحیت ہے مگر نبی نہیں کیونکہ یہ عہدہ ہے، یہ عطیہ خداوندی ہے جسے چاہے دیں اور جسے چاہیں محروم رکھیں، قال اللہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ما یشاء

اللہ صلی علیہ وسلم من الناس من انزلنا منہ اللہ تعالیٰ ملائکہ اور الناس ان میں سے رسولوں کو منتخب فرماتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبوت ڈگری نہیں بلکہ عہدہ ہے تو مالک حبیب تک چاہے عہدہ کو باقی رکھے اور جب چاہے توڑ دے، پس عہدہ رسالت جلیل اکرم فہی الشریعہ و حکم کے بعد توڑ دیا گیا۔ اب کوئی ہزار صلاحیتیں پیدا کر کے بھی نہیں ہو سکتا، اگر باب نبوت میں دراصل یہی تو سچ ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ضرور سچ ہوتے۔

کما قال صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی لکان عسیراً۔
 نبوی

حد ثنا الحمیدی

حد ثنا | تحمل روایت کے سلسلے میں محدثین کے اصطلاحی الفاظ میں سے ایک لفظ یہ (حد ثنا) ہے جیسے
 اخبرنا اور انبانا وغیرہ میں۔

مقدمین اور ائمہ مقبولین نیز اہل بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک تہذیب، اخبار اور انباء میں کوئی فرق نہیں، راوی کو اختیار
 ہے جن الفاظ سے چاہے روایت کرے، البتہ متاخرین اور اہل امام مسلم رحمہ کے نزدیک فرق ہے قراۃ الشیخ علی التلیذ
 یعنی استاد پڑھے اور شاگرد (سنے)، تو روایت کے وقت شاگرد کو حد ثنا فلان، یا سمعت فلانا کہنا چاہیے، اور اگر
 قراۃ التلیذ علی الشیخ ہو یعنی استاد کے سامنے شاگرد نے قرأت کی ہے تو روایت کے وقت شاگرد کو اخبرنا کہنا چاہیے
 یہی مسلک امام شافعی اور امام نسائی کا بھی ہے۔

تحمل روایت کے جملہ طرق کو امام بخاری رحمہ نے کتاب العلم میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اس لئے تفصیل تو اپنے
 مقام پر آئے گی، لیکن چونکہ یہ لفظ ابتداء ہی میں آیا ہے اس لئے صرف چند باتیں گوش گزار کر دیتی ہیں۔
 (۱) بخاری شریف اور مسلم شریف میں بکثرت حد ثنا اور نسائی شریف میں بکثرت اخبرنا اور مصنف عبدالرزاق
 اور مصنف ابن ابی شیبہ میں انبانا سے لگا۔

(۲) محدثین کا دستور یہ ہے کہ ابتداء سند میں حد ثنا ہو یا اخبرنا جلی قلم سے لکھتے ہیں اس کے بعد اسی سند میں
 دوبارہ یہ الفاظ لاتے ہیں تو کتاب کی عام عبارت کے موافق لکھتے ہیں تاکہ ابتداء اور درمیان میں امتیاز ہو جائے
 اور جلی کو دیکھ کر اول نظر میں معلوم ہو جائے کہ سنہ کی ابتداء یہاں سے ہے۔

(۳) ایک دستور یہ بھی ہے کہ درمیان سند میں حد ثنا، اخبرنا لکھتے ہیں تو ان الفاظ سے پہلے لفظ قال
 کو بھی لکھتے ہیں لیکن کبھی قال کو کتابت میں حذف کر دیتے ہیں مگر قرأت میں باقی رہتا ہے اس لئے قال
 حد ثنا قال اخبرنا پڑھنا چاہیے۔

(۴) ایک دستور تحقیق کا بھی زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ حد ثنا کے بجائے صرف ثنا یا صرف نا لکھتے
 ہیں اور اخبرنا کے بجائے آقا لکھتے ہیں، پڑھتے وقت حد ثنا اور اخبرنا پڑھنا چاہیے۔

(۵) ابیہم الحار وفتح المیم، کے نام سے دو محدث گذرے ہیں یہ امام بخاری رحمہ کے شیخ اور امام
 شافعی رحمہ کے معاصر ہیں ان کا نام عبد اللہ بن زبیر اور کنیت ابو بکر ہے، یہ اپنے جد اعلیٰ
 حمید بن اسامہ کی نسبت سے حمیدی کہلاتے ہیں ان کی وفات مکہ مکرمہ میں ۲۱۹ھ میں ہوئی۔ (عمدہ)

حمیدی | حمیدی شیخ بخاری پڑھے پایہ کے محدث بھی ہیں اور مصنف بھی، مسند حمیدی آپ کی بلند پایہ تالیف
 ہے جو محدث جلیل ابوالحسن حلیب الرحمن اعظمی رحمہ کی اہم تعلیقات کے ساتھ حیدر آباد میں
اہم فائدہ

طبع ہو چکی ہے، ناظرین کرام کی خدمت میں مسند حمیدی کا ایک بہترین تحفہ ہم یعنی حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی (رح) پیش کرنا چاہتے ہیں، ملاحظہ ہو مسند حمیدی ۲۰ حدیث ۶۱۳۔

حد ثنا الحمیدی قال ثنا الزهری قال أخبرني سالم بن عبد الله عن أبيه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من السكوع فلا يرفح ولا بين السجدة تين فاعتنق وتشم (جامع الدرراری ص ۱۵۲)

ایک دوسرے حمیدی بعد میں گزرے ہیں جو الجمع بین الصحیحین کے مصنف ہیں ان کا نام محمد بن ابی نضر اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، ان کی وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی۔

قال حد ثنا سيفيات یہ سفیان بن عیینہ ہیں جو امام اعظم رحمہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور امام شافعی رحمہ کے اساتذہ میں سے ہیں، انکی تیس برس کی عمر میں ۱۹۸ھ میں وفات ہوئی۔ ولد سنة سبع ومائة وتوفي غرة رجب سنة ثمان وتسعين ومائة (عمہ) یہ تبع تابعین میں سے ہیں۔

مشہور تابعی اور محدث اور فقیہ ہیں ۳۳۲ھ میں وفات ہوئی۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ، امام مالک رحمہ

قال حد ثنا يحيى بن سعيد اللفظی

جیسے ائمہ نے ان سے روایت کی ہے۔

لفظ ابن کے ہمزہ کا ضابطہ پہلے علم کی صفت ہو اور وہ ابن مضاف ہو دوسرے علم کی طرف اور مفرد ہو

تو ابن کا ہمزہ حذف کر دیا جائے گا لیکن اگر ایک مشبہ بھی مفرد ہو تو ہمزہ لکھا جائے گا، مثلاً یحییٰ بن سعید میں لفظ ابن دو متناسل علموں کے درمیان واقع ہے اور ابن یحییٰ کی صفت ہے اور سعید یحییٰ کے باپ ہیں اور ابن کا لفظ مفرد بھی ہے اور دوسرے علم سعید کی طرف مضاف ہے لہذا یحییٰ بن سعید میں ابن کا الف حذف کر دیا جائیگا، نیز اگر ابن سے پہلے کوئی علم نہ ہو تو ابن کا ہمزہ لکھا بھی جائیگا اور پڑھا بھی جائیگا، مثلاً ابن عمر، ابن عباس، ابن مسعود وغیرہ۔

یہ مشہور ثقات تابعین میں سے ہیں حضرت ابن عمر رحمہ سے شرف سماع ہے ان کی وفات ۲۲۸ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔

محمد بن ابراہیم التیمی

ان کی کنیت ابو واقد اور نام علقمہ (لفح العین) ہے، وقال بتشدید القاف جہور کے نزدیک

انه سمع علقمة بن وقاص الليثي

تابعین میں سے ہیں و ذکرہ ابن مندہ فی الصحابة وغيرہ فی التابعین المتوفی بالمدينة أيام عبد الملك بن مروان (قسطانی ص ۵۶)

تنبیہ

ہمارے بخاری شریف کے ہندوستانی نسخہ کے حاشیہ میں قسطلانی کے حوالہ سے ذکر کیا ابن المنذر من الصحابة کی عبارت میں کاتب کی غلطی ہے، کاتب نے ابن منذر کے بجائے ابن المنذر لکھ دیا ہے ملاحظہ ہو قسطلانی ص ۳۳۰، علامہ عینی رحمہ حفظہ قسطلانی رحمہ سب نے یہی لکھا ہے۔

عمر بن الخطاب رضی

آپ کا اسم گرامی عمر (بضم العین) ہے اور کنیت ابو حفص لقب فاروق ہے، آپ رضی کی ولادت واقعہ فیصل کے تیرہ برس بعد ہوئی، آپ ستائیس برس کی عمر

میں مسند نبوی میں مشرف باسلام ہوئے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسند میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور دس برس چھ مہینے پانچ دن تخت خلافت کو زینت بخشی، فجر کی نماز میں ابو لؤلؤ نجوسی کے ہاتھ سے ستائیس ذی الحجہ ۲۳ء بروز چار شنبہ زخمی ہوئے اور پانچویں دن یکم محرم بروز یکشنبہ بعتر تریب طہ سال شہید ہو گئے، روضہ مطہر میں صدیق اکبر رضی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تشریح حدیث

یہ حدیث صحیح بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث ہے جس کی ابتداء سند میں امام بخاری رحمہ کے شیخ حمیدی میں اور صحیح بخاری کی سب سے آخری حدیث کی ابتداء سند میں امام بخاری رحمہ کے شیخ احمد بن اشکاب میں اور دونوں کا مادہ حمد ہے یہ امام بخاری رحمہ کی دقت نظر اور باریک بینی کا کمال ہے کہ حمد سے ابتداء کر کے حمد پر ختم کیا ہے جو الحمد للہ و آخرہ کی طرف لطیف اشارہ ہے۔

انما الاعمال بالنیات

جہر اہل لغت کے نزدیک انما حاضر کیلئے آتا ہے، علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں انما الحصر وهو اثبات المحکم المذکور، ونفیہ عما

ع ۵۱۵ - (عمدہ ص ۲۸)

اعمال عمل کی جمع ہے صاحب قاموس عمل و فعل کو مترادف قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے، اگرچہ کبھی کبھی دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، فعل عام ہے مطلق کام کو کہتے ہیں، اختیاری ہو یا غیر اختیاری، اور عمل صرف مکلف کے فعل اختیاری کو کہتے ہیں، غالباً اسی وجہ سے حدیث شریف میں انما الاعمال فرمایا گیا ہے افعال نہیں، اسلئے کہ افعال کا اطلاق انسان اور حیوان دونوں کے افعال پر ہوتا ہے اور اعمال کا اطلاق انسان کے ساتھ خاص ہے پس فعل البہائم کہا جائے گا ولا یقال عمل البہائم یقال عمل الانسان۔

نیات

نیۃ (مبتدئہ الیاء وقد تحفت) کی جمع ہے، نیت کے لغوی معنی دل کے پختہ ارادہ اور قصد کے ہیں خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔

شریعت کی اصطلاح میں اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کیلئے عبادت کے ارادہ کو نیت کہتے ہیں۔

عزم، قصد، نیت

پختہ ارادہ ہونے میں تو مشترک ہیں مگر فرق ہے۔ عزم وہ ارادہ ہے جو فعل پر مقدم ہو، قصد وہ ارادہ جو فعل سے مقتدر ہو اور فعل کے ساتھ پایا جاتا ہو۔ نیت وہ ارادہ ہے جو عمل سے مقتدر و متصل ہو اور منوی معلوم ہو یعنی عمل کی غایت

و مغرطس مالمو ط س ر

پھر نیت، عزم، قصد تینوں ارادہ کا نام ہیں اسی لئے ان کا اطلاق باری تعالیٰ پر نہیں ہوتا اور چونکہ ارادہ میرے حدود کی خصوصیت نہیں اس لئے ارادہ کا اطلاق اشر تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے جیسے میں اللہ بکرا کیسرہ کیونکہ افعال باری تعالیٰ محفل بالاعراض نہیں۔

بحث و نظر

اشتمال الاعمال بالذنیات :- یہاں سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ ماہرِ عارف کا متعلق جو مقدّر ہے وہ کیا ہے ؟ تاکہ حدیث کا مطلب واضح ہو سکے

چنانچہ حضرت شوافع رحمہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قصہ صحیح مقدار ہے یعنی انہما لا عملان تصحح بالنیات یا انہما صحۃ الاعمال بالنیات، یعنی کوئی عمل بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا، تو اب اس عموم میں وضو بھی داخل ہے، پس اگر کسی نے بغیر نیت کے وضو کیا تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوا اور اس وضو سے نماز نہیں ہوگی۔

اور حضرات احناف روکتے ہیں متشابہ مقدس ہے یعنی انما الاعمال متشابہ بالنیات، یا ثواب الاعمال بالنیات
الغرض ہر ایک اپنے مسلک کی رعایت سے مقدر نکالتے ہیں۔

الغرض ہر ایک اپنے مسلک کی رعایت سے مقدار لکھائے ہیں۔
 اس بات پر دونوں فریق کا اتفاق ہے کہ اعمال سے مراد عبادات ہیں، کیونکہ الاعمال میں الف لام استغفار
 نہیں ہے، کیونکہ چھت پر سے گرنے والا گرنے کی نیت نہیں کرتا، مگر کھانے والا کھانے کی نیت نہیں کرتا، نیز کوئی
 بھی کپڑے اور ہون کی صفائی اور چھوری و زنا میں حد جاری کرنے کیلئے نیت کی شرط نہیں لگاتا، اسی طرح قتل غلط
 اس کو خطا کہا ہی جاتا ہے، اسلئے کہ اس میں قتل کی نیت نہیں ہوتی، اس کے باوجود سب اس میں دیت (تاوان) کا
 حکم دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ لام اعمال میں الف لام عہدی ہے اور مراد اعمال سے عبادات ہیں، اور عبادات مقصودہ
 مثلاً نماز روزہ، حج، زکوٰۃ میں بالاتفاق سب کے نزدیک نیت شرط ہے، بغیر نیت کے کوئی عمل عبادت کے درجہ میں
 نہیں آئے گا نہ اس پر عبادت کا ثواب ملے گا، پس وضو بلا نیت فی نفسہ صحیح ہو جائیگا للہیۃ اس وضو پر ثواب ہو گا
 جس طرح آیت کا شان نزول ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات احادیث کا بھی

حدیث کا شان و ورود

مشان درود (مورد و سبب) ہوتا ہے یعنی جس واقعہ پر حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی، چنانچہ علامہ علی بن ابی حمزہ نے
"جبل خطبہ" میں لکھا ہے: "ام قیس خاتمہ" (عمرہ منہ)، یعنی ایک شخص نے ایک عورت ام قیس
کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو ام قیس نے یہ شرط لگا دی کہ اگر تم ہجرت کرو تو تم سے نکاح کروں گی، چنانچہ
انھوں نے نکاح کی خاطر ہجرت کی، ان کو ہم لوگ مہاجر ام قیس کہتے تھے۔

حضور کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور خطبہ میں یہ حدیث بیان کی انشاء اللہ اعمال بالنیات الخ اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ اس زمانے میں ہجرت فرض تھی، پس اگر بقول شوافع ہر عمل کی صحت کیلئے نیت ضروری تھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی تنبیہ پر اکتفا کیوں فرمایا؟ اس سے

آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تمہاری ہجرت صحیح نہیں ہوئی تم لوٹ کر مکہ جاؤ اور پھر ہجرت کر کے آؤ جس طرح قصہ فصل فائدہ لے لیا تھا، تعجب تو یہ ہے کہ جو حدیث حنفیہ کی دلیل ہے اور شوافع کے خلاف ہے، شوافع اسی کو اپنی دلیل اور حنفیہ کے خلاف بتاتے ہیں، سنئے ہجرت بھی عبادت غیر مقصودہ ہے جس طرح وضو، کیونکہ اصل مقصد تو اقامت دین ہے جب احکامات شرعیہ کی ادائیگی میں دشواری ہو جاتی ہے تو شرائط کے مطابق ہجرت کا حکم ہوتا ہے ورنہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ کتب مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا حجۃ بعد الفتح پس جس طرح وضو عبادت غیر مقصودہ ہے اسی طرح ہجرت بھی، اور مہاجر ام قیس کی ہجرت نیت شرعیہ سے نہیں ہوئی لیکن حضور ص نے ان کی ہجرت کو باطل نہیں قرار دیا بلکہ جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہی ہے کہ ان کی ہجرت مقبول نہیں اس پر ثواب نہیں ملے گا، اسی طرح حنفیہ بھی سمجھتے ہیں کہ وضو بدو نیت صحیح ہو جائیگا، البتہ عبادت نہ ہوگا ثواب نہ ملے گا، پس ثابت ہو گیا کہ یہ روایت حنفیہ کی دلیل ہے شوافع رحمہ کو جواب دینا ہے۔

ائمہ کرام کا اصل اختلاف

احناف رحمہ بھی وضو کے عبادت ہونے کیلئے نیت کو شرط قرار دیتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ وضو بغیر نیت کے عبادت کے درجہ میں نہیں آئے گی لیکن یہ کہ وہ مفتاح صلوٰۃ بھی نہ بن سکیگی یہ درست نہیں، اس لئے کہ وہ اعمال جو مسائل میں اور نماز کے لئے مشروط ہیں جیسے ستر عورت، اور طہارت ثوب و بدن ہے، اگرچہ حصول ثواب کیلئے نیت ضروری ہے مگر صحت کیلئے اور وسیلہ بننے کے لئے نیت ضروری نہیں، کیونکہ اس صورت میں وضو بنفسہ خود عبادت نہیں بلکہ وسیلہ عبادت ہے، اس وضو سے نماز صحیح ہو جائے گی۔

اشکال و جواب

احناف رحمہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح وضو عبادت غیر مقصودہ ہے اسی طرح تیمم بھی عبادت غیر مقصودہ ہے پھر کیا وجہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک وضو میں نیت فرض نہیں اور تیمم میں فرض ہے؟

جواب ۱۔ قرآن حکیم نے وضو کے متعلق فاغسلوا الخ فرمایا ہے اور تیمم کے متعلق فتیمموا صلیبا طیباً غسل کا لفظ نیت پر نہیں دلالت کرتا ہے اور تیمم کا لفظ نیت پر دلالت کرتا ہے، پس حنفیہ نے عنوان قرآنی کی رعایت کی لہذا حنفیہ کا یہ طریقہ قابل تحسین ہے نہ قابل اعتراض۔

۲۔ وضو میں اگر نیت کو فرض قرار دیتے ہیں تو خبر واحد محتمل و مبہم سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آتی ہے اور یہ درست نہیں، اور تیمم میں نیت کو ضروری قرار دینے سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم نہیں آتی بلکہ ارشاد الہی کی تکمیل ہوتی ہے۔

۳۔ پانی مطہر بالطبع ہے ارشاد باری ہے وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا (سورہ فرقان) وَ یَنْزِلُ عَلَیْکُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ لَّیْسَ بِهَآؤٍ (الانفال) معلوم ہوا کہ پانی مطہر بالطبع ہے اور وضو سے مقصود طہارت ہی ہے بخلاف مٹی کے کہ بطبعہ مطہر نہیں بلکہ ملوث ہے لہذا اس سے طہارت نیت

پرموقوف ہے، نیز تیمم کے معنی بھی قصد و ارادہ کے ہیں۔
 ۱۔ پھر اصل اصل ہے اور غلیفہ غلیفہ، پس اصالت اور نیابت کا تقاضا بھی ہے کہ تیمم میں نیت کو ضروری قرار دیا جائے۔

وامضا کل امری مانوی

اس روایت کے تین اجزاء ہیں، تین جملے ہیں۔
 پہلا جملہ امضا الاعمال بالنیات کا حاصل یہ ہے کہ عمل کا وجود عند اللہ نیت سے ہو جاتا ہے یعنی وہی عمل معتبر ہوگا جس میں نیت ہو۔
 دوسرا جملہ "امضا امری مانوی" سے مقصد یہ ہے کہ جیسی نیت ہوگی اور جتنی نیت ہوگی عمل کا وجود اسی طرح اور اسی قدر مرتب ہوگا، یعنی نیت میں جتنا اخلاص زیادہ ہوگا اتنا ہی اس پر ثواب زیادہ ہوگا، نیز ایک عمل میں جتنی نیتیں ہوں گی (یعنی ایک عمل میں متعدد نیتیں جمع ہو جائیں)، تو سب کا اجر ملے گا، اتنے ہی اعمال کا ثواب ہوگا۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں صرف نماز پڑھنے آتا ہے اور دوسرا ساتھ ہی اعتکاف کی نیت بھی کر لیتا ہے تو پہلے کو ایک عمل کا اور دوسرے کو دو عملوں کا ثواب ملے گا۔

اشکال وجواب

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جیسی نیت کرے گا وہی مرتب ہوگا فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رمضان میں نفلی روزے کی نیت کرے تب بھی فرض ہی واقع ہوگا، تو یہاں پر مانوی مرتب نہ ہوا۔
 جواب یہ ہے کہ رمضان چونکہ نفل کا عمل نہیں ہے اسلئے نفل کی نیت لغو ہو جائیگی، نیز یہ بھی جواب دیا جاسکتا ہے کہ فرض کے اندر نفل داخل ہے گو یا فرض عبادت نافلہ مع شیئی زائد ہے تو اس صورت میں مانوی مرتب ہوا لیکن مع شیئی زائد۔

تیسرا جملہ "حنن کانت حجتہ" جملہ ثانیہ کی تفصیل ہے اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے تخم اور شجرہ شتر ہے، نیت بمنزلہ تخم (بیج) ہے، اس تخم سے درخت کا پیدا ہونا عمل ہے اس پر مالک کی بہ تن مصروفیتوں سے کم و بیش سات سو دانے لگ گئے، اگر تخم لوٹنے کے بعد اس کی آبیاری اور نگہداشت نہ کرتا تو ایک دانہ بھی نہ آتا، آگے اس کے شجرہ پھل، کی حلاوت یا ترشی وغیرہ تخم کی جلنسیت پرموقوف ہے اسی طرح نیت شتر ہوگی تو شتر بھی شتر مرتب ہوگا اور نیت خیر پر خمرہ خیر کا مرتب ہوگا۔

اختصار حدیث

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اختصار حدیث جائز ہے یا نہیں؟ (عمدہ، فتح، ریح الاقوال اور صحیح ترمذیہ یہ ہے کہ ماہرین کیلئے جائز ہے غیر ماہر کیلئے ناجائز) وجہ ظاہر ہے کہ غیر ماہر کے اختصار میں خطرہ ہے کہ بقیہ حدیث کا مضمون ضبط ہو جائے بخلاف ماہر کے کہ ماہر آخر سے یا درمیان سے کہیں سے بھی اختصار کرے گا تو اس بات کا ہندو خیال رکھیں گے کہ روایت کے بقیہ مضمون میں خلل نہ ہو صحیح بخاری کی یہ پہلی حدیث ہے جس میں امام بخاری رحمہ نے ایک جملہ یعنی "حنن کانت حجتہ"

ہجرت الی اللہ ورسولہ فہجرت الی اللہ ورسولہ، کو غن کر کے جواز اختصار کی طرف اشارہ کر دیا، نیز امام بخاری رحمہ کی دقت نظر اور باریکی بینی ہے کہ ایک لطیف انداز میں تنبیہ فرمادی کہ علم دین کی تحصیل میں معلم اور متعلم کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم قبیح نیت نہ ہو کیونکہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت پر، پس امامائے فطن کانت ہجرت الی اللہ ورسولہ فہجرت الی اللہ ورسولہ، چھوڑ دیا کہ قبیح نیت نہ ہو ہاں اگر حسن نیت ہو تو نور علی نور۔

اشکال وجواب | جملہ اولیٰ فطن کانت ہجرت الی اللہ ورسولہ فہجرت الی اللہ ورسولہ میں شرط و جزا میں تغایر ضروری ہے اور یہاں اتحاد ہے۔

جواب یہ ہے کہ تغایر کبھی لفظی ہوتا ہے اور کبھی معنوی جیسے شعری شعری، انا انا، انا ابو النجم وغیرہ کے اندر بھی لفظاً اتحاد ہے مگر معنی میں تغایر ہے، مراد یہ ہے شعری شعر الکامل، انا انا الکامل، انا مشہور بالی النجم۔ اسی طرح یہاں بھی مراد ہے من کانت ہجرت الی اللہ ورسولہ نیتاً وقصداً فہجرت الی اللہ ورسولہ لاجباً اولیٰ۔

اولیٰ امر ان ینکحہا الذی | اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب عورت بھی دنیا میں داخل ہے تو اسے علیہ کیوں ذکر فرمایا؟ اس کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں۔

(۱) یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبل سے ہے، فتن دنیا میں سے عورت کا فتنہ سب سے بڑھا ہوا ہے، لہذا قال تعالیٰ زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطر المقنطرات الذی (آل عمران) اس آیت کریمہ میں نبوی ساز و سامان میں سے نسا کی تقدیم ان کے فتنہ عظیم پر دلیل ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے: "انما اموالکم واولادکم فتنۃ" جب مال و اولاد فتنہ ہیں تو عورتیں جن کا ذکر مزیات (مشتہات) میں سب سے مقدم کیا گیا کتنا خطرناک فتنہ ہوں گی؟ ارشاد نبوی ہے "ما ترک بعدہی فتنۃ اضرب علی التاجا لی من النساء (رداء البخاری و سلم)

اگر نیک بودے ہمہ کار زن + زنا را رازن نام بودے نہ زن

اگر بے نہ تھے کبھی برکش کی فوج سے

لیکن شہید ہو گئے بیگم کی فوج سے

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَجْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَا فَأَيُّ تِلْكَ مِثْلُ

صَلَاةَ الْجَسَسِ وَهُوَ شَدَّكَ عَلَى فَيْصِمٍ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالُوا وَاحْيَانًا
يَتَمَثَّلُ لِي الْمَلَكُ رَجُلًا فَيَكَلِّمُنِي فَأَعْيِي مَا يَقُولُ قَالَتْ عَالِشَةُ رَضَتْ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ
يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَأَنْ جَبِينَهُ لَيَنْفُصِدُ
عَسَا قَا -

ترجمہ

عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ امام مالک نے ہشام بن عروہ سے یہ روایت بیان کی کہ انہوں
نے عروہ سے بطریق ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بیان کیا کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ انداز وحی میرے
اوپر زیادہ سخت ہوتا ہے، پس یہ کیفیت ختم ہوتی ہے اس حال میں کہ میں فرشتہ وحی کی بات کو محفوظ کر چکا
ہوتا ہوں، اور کبھی ایل ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو میں اس کے کلمات محفوظ کر لیتا
ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں آپ کو سخت سردی کے دن اس حال میں دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہوتی
تھی اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ جاری ہونے لگتا۔

یہ حدیث امام بخاری نے صحیح بخاری میں ذکر کی ہے بدرالوحي ص ۲۵۰، بدرالخلق ص ۲۵۰
نیز مسلم شریف ص ۲۵۰، ترمذی کتاب المناقب ص ۲۱۳، نسائی کتاب الاقبح ص ۱۳۳

تعدد الحدیث

تا ۱۳۸

وَجَمَّ سِتَّةَ عَشَرَ عَبْدَ اللَّهِ بْنِ يُوسُفَ إِمَامَ بَخَارِي رَحِمَهُ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ أَوْرَاقًا ذُلِي جَبِي
مُحَدِّثِينَ كَيْسَ فِيهِ، أَوْرَاقًا مَالِكُ دَلِيثُ بْنُ سَعْدٍ جَبِي جَلِيلُ الْقَدْرَانِ كَيْسَ شَاكِرُ دِينِ،
مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ فِيهِ، أَوْرَاقًا كَوْنِي دُوسَرَا عَبْدَ اللَّهِ بْنِ يُوسُفَ نَبِي هِيَ أَنْ كِي وَفَاتِ مَعْرِ فِي ۲۱۸ مَعْرِ فِي هِيَ

بیان رجالہ

تَنْتَبِهُ (بِكَبْرِ النَّارِ وَالنَّوْنِ الْمَكْسُورَةِ الْمَشْدُودَةِ وَسُكُونِ الْيَاءِ وَفِي آخِرِهِ سَيْنٌ مَهْمَلَةٌ، أَيْ شَهْرٌ تَقَرَّرَ فِيهِ بَنِي حَامٍ
بَنِي نَوْحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْسَ تَامَ بِمَعْرِ كَيْسَ طَرَانِ فِي سَاوِلِ بَحْرٍ أَبَادَتْهَا لَيْكِنَ ابْنُ (عَلَامَةُ عَيْنِي رَحِمَهُ كَيْسَ فِيهِ) دِيرَانِ
بُورِ كَيْسَ هِيَ اِشِي كِي طَرَنَ نَسَبَ كَرَكِي أَنْ كَوْنِي مَعْرِ كَيْسَ جَانَا هِيَ -
يُوسُفَ عِبْرَانِي لَفْظًا هِيَ عِبْرَانِي زَبَانِ فِيهِ اس كَيْسَ مَعْنَى جَبِيلِ الْوَجْهِ كَيْسَ فِي لَهْزَا عَجْرٍ أَوْرَاقَاتِ كِي وَجْهِ
فِي مَعْرِ هِيَ - (عَمْدَةُ الْقَارِي ص ۲۱۳)

أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ مَجْتَمِعِينَ فِيهِ مِنْ سَبْعَةِ جَلِيلِ الْقَدْرَانِ هِيَ، إِمَامُ شَاغِي رَحِمَهُ أَوْرَاقًا مُحَمَّدُ
جَبِي مَعْرِ هِيَ ان كَيْسَ شَاكِرُ دِينِ، وَوَلَدَاتِ ۲۱۸ مَعْرِ وَوَفَاتِ ۲۱۸ مَعْرِ قَبْرِ مَبَارَكِ مَدِينَةِ مَعْرِ فِي بَقِيْعِ كَيْسَ
أَوْرَاقَاتِ -

ہشام بن عروہؓ بلند پایہ کے تابعی مدنی حافظ حدیث تھے ان کی ولادت ۱۱۳ھ اور وفات بغداد میں ۱۳۵ھ میں ہوئی۔

عن ابیہ یعنی عروہ بن زبیر ہشام مذکور کے والد ہیں، ان کی کنیت ابو عبد اللہ اور نام عروہ المتوفی ۹۳ھ جلیل القدر تابعی ہیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہائے سلف مشہورہ میں سے ایک یہ بھی ہیں، صحاح ستہ میں ان کے علاوہ عروہ بن زبیر کوئی نہیں ہے، صحابہ میں بھی عروہ بن زبیر کوئی نہیں۔ (مدہ)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا اسم مبارک عائشہ ہے اور لقب ہدلیقہ اور کنیت ام عبد اللہ ہے آپ کی ہمیشہ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نسبت کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ام عبد اللہ رکھی، تمام ازدواج مطہرات اہبات المؤمنین ہیں جیسا کہ ارشاد الہی ہے
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (سورہ احزاب ۴، ۵) بنی کی بیویاں امت کی مائیں ہیں۔ ان کے والد خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں یہ بھی قدرت کی عظیم الشان عنایت ہے کہ باپ رفیق غار میں تو بیوی رفیقہ حیات، آپ کی والدہ ماجدہ ام رومان زینب بنت عامر ہیں، حضرت ہدلیقہ رضی اللہ عنہ نبوی میں پیدا ہوئیں اور چھ سال کی عمر میں ہجرت سے قبل ۱۱ھ نبوی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ام المؤمنین کے خطاب سے مشرف ہوئیں اور تین سال کے بعد نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اٹھارہ برس کی تھیں عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وہی بنت ست سنین و بنی بہا وہی تسع سنین (بخاری جلد ۱ ص ۱۷۷)

پھر چھیا سٹھ سال کی عمر میں، ۱۲ھ رمضان ۱۱ھ مدینہ منورہ میں دصال فرمایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اہبات المؤمنین ہیں کقولہ تعالیٰ وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُنَّ مِمَّا كَفَتْ لَكُمْ (احزاب) اس سے معلوم ہوا کہ ازدواج مطہرات امت پر محرمات موبدہ ہیں، تمام امت پر والدہ کی طرح ہمیشہ کیلئے حرام ہیں تو پھر ان سے پردہ کیوں ہے؟

جواب :- جن عورتوں میں حرمت موبدہ نسبی قرابت یا مصاہرت یا رضاعت کی وجہ سے ہو ان سے پردہ نہیں ہوتا، ازدواج مطہرات کی حرمت ان تینوں اقسام سے جدا گانہ محض ادب و احترام، تعظیم و توقیر کے لحاظ سے ہے، تمام احکام میں نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد سے دوسرے مسلمانوں کو نکاح کرنا جائز ہے۔

۱۳ھ :- حرمت الازدواج حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر ہے جیسے کہ حیات کے اور بھی بہت سے احکام انبیاء کرام علیہم السلام پر جاری ہوتے ہیں، مثلاً اجساد انبیاء کو مٹی کا نہ کہنا، میراث تقسیم نہ ہونا، اسی طرح ازدواج مطہرات کی حرمت اس لئے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا سے رخصت ہو جانے

کے بعد بھی دنیوی حیات کے چند احکام و آثار مرتب ہوتے ہیں، پس ازواج مطہرات رضازات زوج ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور حرمت المنکوحہ پردہ کے منافی نہیں۔

حارث بن ہشام | یہ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضہ کے چچا زاد بھائی اور ابو جہل فرعون مکہ کے حقیقی بھائی تھے، غزوہ بدر و احد میں یہ بھی کفار قریش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تھے، فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور غزوہ یرموک ۱۵ھ میں شہید ہوئے، فضلاء صحابہ میں سے تھے۔

کیف یا تلیک الوسی۔ حضرت حارث بن ہشام رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟

اس نے علوم ہر اکھ صاف نفس نبی کے متعلق سوال کرنا جائز ہے، چونکہ وحی ایک عجیب و غریب امر تھا اس لئے شدت اشتیاق کی بنا پر وحی کی کیفیت سے سوال کیا، یہ سوال نزول وحی میں تردد و شک کی بنا پر قطعاً نہیں تھا، سوال عن الکلیفیت تو دلیل یقین ہے کیونکہ جب تک کسی چیز کے وجود کا یقین نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی کیفیت دریافت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خصائص الہیہ سے متعلق سوال کیا تھا رِبِّ ارْزُقْ کَیْفَ نَحْنِ الذَّوْقُ۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تکرار کے جواب میں ارشاد فرمایا اور جواب میں وحی کی دو قسمیں بیان فرمائیں:-

(۱) احیاناً یاتینی مثل صلصلة الجرس۔ کبھی تو میرے پاس (وحی) گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے۔

احیاناً منصوب علی الظرفیۃ ہے والعامل فیہ قولہ یاتینی موخر (عمرہ ص ۲۴) احیان حین کی جمع ہے جس کے معنی مطلق وقت کے ہیں، قلیل و کثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے والمحصل ان الحین یطلق علی لحظة من الزمان فما فوقہ (عمرہ)

صلصلة الجرس مثل صلصلة لفظ اس آواز کو کہتے ہیں جو لوہے یا پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے پیدا ہوتی ہو جس سے اس گونگ ویا گھنٹی کو کہتے ہیں جسے جانوروں کے گلے میں ڈال دیتے ہیں تاکہ چلتے وقت حرکت سے آواز پیدا ہوتی رہے۔

بحث و نظر | اس میں بحث ہے کہ مثل صلصلة الجرس (گھنٹی کی آواز کی طرح) یہ آواز کس چیز کی تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے کلام نفس قدیم کی آواز ہوتی تھی یعنی صوت وحی، صوت باری تعالیٰ۔

(۲) حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کی اصلی آواز ہوتی تھی۔

(۳) جبرئیل ع کے پرروں کی یہ آواز ہوتی تھی جس میں حکمت یہ تھی کہ آپ وحی کی طرف متوجہ ہو جائیں جیسے ٹیلیفون میں پہلے متوجہ کرنے کیلئے گھنٹی بجتی ہے پھر بات شروع ہوتی ہے۔

مگر جمہور محدثین کہتے ہیں کہ یہ وہی ہی کی آواز تھی، امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی رجحان ہے، حافظ عسقلانی وغیرہ کی یہ تحقیق کہ یہ صوت وہی کی تھی، پس جیسے ہم کہتے ہیں کہ یہ لیس کیدنا اولہ ساق لیس کسا قنا، اسی طرح صوت باری کے متعلق بھی کہیں گے کہ یہ صوت لیس کصوتنا چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوا تو اس میں آواز کسی ایک جانب سے سنائی دینے کے بجائے ہر جانب سے سنائی دیتی تھی۔

اسی طرح بخاری میں ارشاد نبوی ہے:-

اذا قضی اللہ الامور فی السماء ضربت الملائكة باجنحتها خضعا لقوله كأنه تقرؤا فی الطرانی، تو ملائکہ عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں سلسلۃ علی صفوان الخ

بخاری ج ۲ صفحہ ۱۱۲ کی آخری حدیث،
ہوتی ہے جیسے چکنے پتھر پر زنجیر کھینچنے سے۔
اس کے بعد جب ملائکہ ہوش میں آتے ہیں تو ملارا اعلیٰ کے ملائکہ (یعنی مقرب ملائکہ) سے دریافت کرتے ہیں کہ ہوا پر درگاز نے کیا ارشاد فرمایا؟ (وہ مقرب فرشتے) کہتے ہیں بجا ارشاد فرمایا وہ بلند و بزرگ ہے۔
نیز اسی باب میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یحشر اللہ العباد فینادیہم بصوت یسمعون من بعد کما یسمعون من قبا الخ

بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ (قیامت میں) بندوں کو جمع فرمائیں گے پھر ان کو ایسی آواز سے پکارے گا کہ نزدیک اور دور والے سب برابر سنیں گے۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

اس قسم کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ امام بخاری صوت باری کے قائل ہیں اور مثل سلسلۃ الجرس خود وہی کی صوت ہے، باقی رہی یہ بات کہ صوت وہی کی صحیح حقیقت کا ادراک؟ تو یہ انسانی عقل و فہم سے بالاتر ہے۔

سہ نہر جائے مرکب تو اس تاخفتن کہ جا با سپر باید انداختن

مشبہ محمود اور مشبہ بہ مذموم

یہ صوت جس چیز کی بھی ہو مگر یہ بہت محمود صوت تھی کیونکہ اس کا تعلق بارگاہ الہی سے تھا، حدیث میں اسکو سلسلۃ الجرس کے ساتھ تشبیہ دی حالانکہ سلسلۃ الجرس بہت مذموم چیز ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ارشاد نبوی ہے لا تصحب الملائكة سرفقة فیہا جاس (مسلم شریف)، یعنی جس قافلہ میں جس ہوتا ہے اس قافلہ کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں رہتے، مگر چونکہ وجہ تشبیہ ظاہر ہے اور وہ اتصال و تدارک ہے اس لئے کچھ حرج نہیں۔ اس قسم کی تشبیہات احادیث میں بکثرت

موجود میں اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص مثل شیر کے ہے تو کیا تمام باتوں میں تشبیہ مقصود ہے ؟ ہرگز نہیں بلکہ وجہ تشبیہ ایک خاص وصف ہے یعنی شجاعت، ایسے ہی یہاں وجہ تشبیہ کا اعتبار ہے تشبیہ کا مقصد مشبہ کو واضح کرنا ہوتا ہے اس لئے اسے اختیار کیا اور یہ بھی کی مثال ہے کہ ایسی بلیغ تشبیہ دے اس سے بہتر تشبیہ ہو نہیں سکتی صحیح مسلم شریف میں ہے۔

ان الاشیاء لیارز الی المدینۃ اسلام لوطی گامدین کی طرف جیسا کہ سانپ اپنے بلی
کما تارز الحیۃ فی جحہا (سورۃ) کی طرف لوٹتا ہے۔

اگر ہمارے بزرگوں میں سے کوئی بزرگ یہ تشبیہ دیتا تو کافر سادہ فہم کو کفر کرنے، ہمارے اکابر نے مسائل کی تفہیم میں تشبیہات سے کام لیا ہے، ان کا مقصد تو یہ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو جہالات جاری کر رکھی ہیں وہ اسی ازل کے مشابہ میں جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس قسم کی تکلیف ضرور یک ظلم ہے، یہاں ایمان جیسی مبارک شئی کو سانپ سے جس کا حرم میں بھی ممانعہ جانتے ہیں تشبیہ دیدی، غرض واضح ہے کیونکہ سانپ نہیں پھر تادہ ہے لیکن لوط کر اپنے بلی میں آتا ہے، اسی طرح اسلام فتنہ و فساد کے وقت اپنے مستقر میں پناہ لے گا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
حبسہا حبس النبیل۔ اصحاب نبیل کو روک دینے کے لئے اس ادنیٰ کو روک دیا۔

یہاں حبس ناقہ کو حبس نبیل (نبی) سے تشبیہ دی حالانکہ وہ استیصال و تخریب کیلئے آیا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نیت خیر لیکر گئے تھے مگر مقصد صرف مشیت ایزدی کو جتلا نا تھا۔

غرضیکہ ہمیشہ تشبیہ کی غرض کو دیکھا جاتا ہے یہاں حدیث میں غرض بساطت و انقال اور تدارک کا بتلانا تھا اس لئے ایسا فرمایا گیا۔

وہو اشد لا علی [اور یہ مصلحتہ الحس کی صورت میرے اور سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے] شدت کی وجہ یہ تھی کہ افادہ و استفادہ کے لئے مشکل اور مخاطب کا ہم صفت

ہونا ضروری ہے یعنی قائل اور سامع میں مناسبت ضروری ہے تو کبھی مشکل یعنی فرشتہ سامع یعنی نبی اکرم ص کی صفت و صورت اختیار کرتا ہے اور کبھی سامع یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشکل کی صفت کو غالب کیا جاتا ہے یہی دوسری صورت سخت گراں ہوتی تھی کیونکہ نبی کی حالت میں تغیر ہوتا تھا اور لوازم بشریت سے ایک گورہ مجرہ و ہر صفات ملکیت سے متصف ہونا پڑتا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین ہوتی تھی۔

(۲) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری قسم میں فرمایا یتھشل فی الملائکۃ ساجدہ اور کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا ہے رجلا منسوب بنزع الخافض ہے عبارت ہوگی یتھشل فی الملائکۃ ای یتصور فی الملائکۃ تصور رجلی (عہد صلی)

فیصلہم فی ثلاث روایات الادلی وہی افصح بالفتح الیاء الخ (عہد صلی)

یعنی یفصم میں تین روایتیں ہیں۔

(۱) بفتح الیاء واسکان الفاء وکسر القاد یعنی مضارع معروف از باب ضرب یضرب، یہی اشرار اور افسح ہے۔

(۲) مضارع مجہول (۳) بضم اولہ وکسر الثانی یعنی مضارع معروف از باب افعال اور یہ لغت تلیل الاستعمال ہے، فصح کے لغوی معنی قطع اور کاٹنے کے ہیں۔

ما قبل میں جو وحی کی تعریف و تقسیم مقدمہ میں ذکر کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا تھا کہ نزول وحی کے ساتھ طریقے میں پھر اس حدیث میں دو ہی پر اکتفا کر کیا دجہ ہے؟

اشکال

جواب ۱۔ یہ دونوں طریقے کثیر الوقوع تھے اس لئے اہم اور کثیر الوقوع ہو نیکی دجہ سے دو ہی کے بیان پر اکتفا کر لیا گیا باقی صورتیں نادر الوقوع ہو نیکی دجہ سے ذکر نہیں فرمائیں۔

قالہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک وهو اشد علیّ کی توضیح و تبیین فرمادی ہیں ولقد رايتہم وادّٰقہم لام تاکید اور قد التحقیق ہے اپنا مشاہدہ بیان فرمادی ہیں کہ قسم بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سخت سردی کے زمانہ میں بھی جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا۔

وان حبیبہ لیقتصد عنہا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی نور، حضرت جبریل علیہ السلام بھی نور، پس اجتماع نورین کی وجہ سے حدت و گرمی پیدا ہو جاتی تھی اس لئے پسینہ آجاتا تھا، پھر تیسرا نور وحی الہی کا بھی ہوتا تھا اناسنق علیہ قولہ ثقیلا پھر جب تینوں ایک ساتھ جمع ہو گئے تو گرمی پیدا ہونا لازمی ہے اور یہ طبعی امر ہے کہ جب اندر گرمی زیادہ ہو جائے تو طبیعت اس کو باہر پھینکتی ہے اور جب پسینہ کی صورت میں اندر کی گرمی نکلی اور مسامات کھل گئے تو آب ہوا جو بدن کو لگے گی اور مسامات سے اندر ٹھہرے گی تو مزہ در سردی محسوس ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقلونی فقلونی۔

مطابقة الحديث للترجمة علامہ سندھی رحمہ کی تحقیق کی بنا پر تو کوئی اشکال ہی نہیں اچلے کہ علامہ سندھی نے فرمایا کہ بداء کی اصناف وحی کی جانب بیان ہے، اس صورت میں

ترجمۃ الباب کیف کان بداء الوحی کے معنی ہوئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کیسے آئی؟ حدیث میں اس کا جواب ہے کہ فرشتہ وحی لیکر آتا ہے کبھی مصلطۃ الجرس کی شکل میں اور کبھی انسانی شکل میں۔

(۲) ترجمہ کے دو رخ تھے ایک ظاہری اور ایک حقیقی۔ ظاہری پہلو کے اعتبار سے اس حدیث کا تعلق یہ ہے کہ حدیث میں نزول وحی کی عام صورت بتائی گئی کہ کبھی مصلطۃ الجرس اور کبھی فرشتہ کی وساطت سے وحی کا نزول ہوتا ہے، فرشتہ یا تو انسانی صورت میں آتا ہے یا بصورت ملک، بہر کیف جب عمومی طریق

معلوم ہو گیا تو اس سے ابتداء سے وحی کے بارے میں ایک روشنی حاصل ہو گئی کہ وہ بھی اسی طرح نازل ہوئی ہوگی۔
دوسرا اس ترجمہ کا حقیقی پہلو ہے کہ اس ترجمہ سے مقصد عظمت وحی کا بیان کرنا ہے، اس لحاظ سے یہ حدیث قطعاً واضح ہے، حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ جب وقت جسد و جہتہ آپ نزول وحی کے وقت پہنچتے ہوئے اور چہرہ اقدس متغیر ہو جاتا تھا، پھر یہ کیفیت ایک دو مرتبہ پیش نہیں آتی جب بھی وحی آتی تھی یہ کیفیت پیش آتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن اطہر وحی کے وقت خیرط جاتا تھا، معلوم ہوا کہ وحی عظمت کی چیز ہے اور آپ کی عظمت کا بیحد حصہ اسی کیفیت کو برداشت کرتے ہوئے گزر گیا اگر تصنیف ہوتا تو انسان ایک دن میں کئی مرتبہ اسے برداشت نہیں کر سکتا، حضرت آدم علیہ السلام پر پوری عمر میں صرف دس مرتبہ نزول وحی ہوا، حضرت نوح علیہ السلام پر پورے دو در نبوت میں پچاس مرتبہ وحی آئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اڑتالیس مرتبہ اور عیسیٰ علیہ السلام پر صرف دس مرتبہ نزول وحی ہوا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس ہزار بار وحی نازل ہوئی اور اتنی ہی مرتبہ آپ نے یہ تکلیف اٹھائی اس سے آپ کی صداقت کے ساتھ عظمت وحی بھی بخوبی معلوم ہوتی ہے۔

(۳) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلَ مَا بَدَأَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الْفُضَالَةَ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فُلَانٍ الْقَبِيحِ ثُمَّ حُتِبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِأَرْحَلٍ فَيَتَحَدَّثُ فِيهِ وَهُوَ التَّصَدُّقُ الْبَيِّنَاتِي ذَوَاتِ الْأَعْيُنِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لَذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ جِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاحْذَرِي فَقَطَطِي حَقِّي بِلُغٍ مَنِ الْجَهْدِ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ إِهْمُ أَفَلَتَكِ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَاحْذَرِي فَقَطَطِي الثَّلَاثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ إِهْمُ أَبَا سُرَيْجٍ الَّذِي خَلَقَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ عَنَقِي إِهْمُ أَوْ رَبِّكَ الْأَكْرَمُ فَجَعَلَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجِعُ هُوَ أَوْ كَمَا كَانَ عَمَلٌ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ نَعْمَانٍ فَقَالَ رَمِلُونِي فَنَمِلُونِي فَنَمِلُونِي حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرُّوحُ فَقَالَ خَدِيجَةُ وَاخْتَبَرَهَا الْقَدْحَشِيكُ عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّوْا اللَّهُ مَا يَكْزِيكُمُ اللَّهُ أَفَدَا إِلَهُكُمْ لَتَحْمِلَ الرَّحِمُ وَتَحْمِلَ الْبُكْلُ وَتَكْسِبَ الْمَعْدُومُ وَتَقْبِرَ الْضَعِيفُ وَتُعَلِّمَ عَلَى نَوَاصِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلٍ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزْزِيِّ ابْنَ عَمْرِو خَدِيجَةَ وَكَانَ أَمْرًا تَنْصُرُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْأَنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ يَا ابْنَ عَمْرِو اسْمَعْ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِي

ماذا تری فاعبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر ما رای فقال له ورقة هذا
الناسوس الذي نزل الله على موسى ياليتني فيها جنداً ما ياليتني اكون حياً اذ يخبرني
قومك فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اَوْحَسِ حَتَّى هَمَّ قَالَ لَعَنَ لَعْنَاتِ رَجُلٍ
قَطًّا بَعَثَ مَا جِئْتُ بِهِ الْاَعُوذِي وَاِنْ يَدُ رِكَنِي يَوْمَكَ اَنْصُرَكَ نَصْرًا مَوْثِقًا
لَعَنَ لَعْنَتَيْنِ وَرَقَةُ اَنْ تَوُفِّي وَفَتَرَ الْوَحْيَ قَالَ ابْنُ شَهَابٍ وَاخْبَرَنِي ابُو سَلَمَةَ
بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ اَنْ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْاَنْصَارِي قَالَ وَهُوَ يَحَدِّثُكَ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ
فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ بَيْنَا اَنَا وَمَشْيَا اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَاِذَا
الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحَسَاءِ عَالِي السُّعْيِ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَرُعِبْتُ
مِنْهُ فَهَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمَلُونِي زَمَلُونِي فَاَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ اَنْذِرْ
وَرَبُّكَ فَكَبَّرْتُ وَثَابَتَكَ فَطَهَّرْتُ وَالرَّجَاءُ فَاهْجُرْ فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَنَابَعَ تَابِعَهُ
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوْسُفَ وَابُو صَالِحٍ وَتَابِعَهُ هَلَالُ بْنُ سَرْدَاذٍ عَنِ الزَّهْرِيِّ
وَقَالَ يُونُسُ وَمَعْمَرُ بَوَادِشَ ۛ

ترجمہ

اہم سے یحییٰ بن کبیر نے حدیث بیان کی کہ لیث نے عقیل (ابن خالد) سے اور انھوں نے ابن شہاب
زہری سے بروایت عروہ بن زبیر حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی
کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ پہلی چیز جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا ہوئی روایا جملہ
تھے جن میں آپ خواب میں دیکھتے تھے چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپید صبح کی طرح سامنے آجاتا
پھر غلوت گزرتی آپ کے نزدیک محبوب کر دی گئی اور آپ غار حرا میں غلوت گزرتی فرماتے اور اپنے اہل
کی طرف اشتیاق سے پہلے کسی کسی رات تک اس میں عبادت فرماتے تھے اور اس کیلئے سامان خورد و نوش
ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور اتنی ہی راتوں کے لئے پھر سامان ہتیا فرماتے
یہاں تک کہ حق آگیا یعنی وحی الہی آگئی جبکہ آپ غار حرا میں تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا "اقم" (پڑھ) آپ نے فرمایا کہ میں جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا
آپ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور دایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا پھر
اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقم (پڑھ) پھر میں نے کہا "میں نہیں پڑھ سکتا" پھر فرشتے نے مجھے
پکڑا اور دوسری مرتبہ دبوچا یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری انتہا کی طاقت کو پہنچا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا
اور کہا اقم (پڑھ) میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس نے
مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ دبوچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقم (پڑھ) اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا
میں نے فرمایا کہ میں نہیں پڑھ سکتا اور کہا اقم (پڑھ) میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا اور کہا اقم (پڑھ) میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا

اس کے بعد وہی پے در پے آئے گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے یحییٰ بن بکیر کی متابعت کی (یہ متابعت تامہ ہے) اور عقیل کی متابعت ہلال بن رداد نے زہری سے کی ہے (یہ متابعت ناقصہ ہے) اور یونس اور عمر نے یرجف خوادک کے بجائے یرجف بخوادک کہا۔

تعدد الحدیث یہ حدیث امام بخاری رحمہ نے صحیح بخاری میں چار جگہ بیان کی ہے (۱) بدر الوی ص ۲، (۲) کتاب الانبیاء ص ۴۸، (۳) کتاب التفسیر ص ۴۳۹، (۴) کتاب التفسیر ص ۱۰۳۳۔

مسلم شریف کتاب الایمان ص ۴۸ وغیرہ۔

بیان رجالہ وہم ستۃ یحییٰ بن بکیر۔ ان کا نام یحییٰ اور کنیت ابو زکریا ہے والد کا نام عبداللہ ہے اور بکیر (بضم الباء وفتح الکاں) دادا ہیں، ولادت ۳۵ھ وقیل ۳۷ھ۔ وفات ۲۳۱ھ امام بخاری رحمہ نے دارا کی طرف نسبت کر کے یحییٰ بن بکیر کہا چونکہ اسی طرح مشہور تھے، دہون کہار حفاظ المصرین (عمدہ)

اخبرنا اللیث۔ ان کا نام لیث والد کا نام سعد دادا کا نام عبدالرحمان اور کنیت ابو الحارث ہے، تبع تابعی، ولد بقلۃ شہدہ علی بن اربع فراخ من القابریہ سنۃ ثلاث واربع وثلثین یعنی ۳۳ھ یا ۳۴ھ میں پیدا ہوئے ومات فی شعبان سنۃ خمس و سبعین وماتہ وقبرہ فی قبا اہلۃ مصر بنزار وکان اماما کبیرا مجمعا علی جلالة وثقته وکرمہ وکان علی مذاہب الامام ابی حنیفۃ رحمہ قالہ القاضی ابن خلکان (عمدہ ص ۴۳) صحاح ستہ میں ان کے علاوہ کوئی لیث بن سعد نہیں، پس صحاح ستہ میں جس جگہ بھی لیث بن سعد ہوں اس سے یہی مراد ہے۔

عن عقیل (بضم العین وفتح القاف) ای بالتفسیر، یہ عقیل بن خالد ہیں ان کی کنیت ابو خالد ہے اور دادا یعنی خالد کے والد کا نام عقیل (بفتح العین وکسر القاف) ہے، امام زہری سے روایت کرنے والے اثبت رواۃ میں سے ہیں ۱۳۵ھ میں مصر کے اندر انتقال ہوا، ولیس فی الکلب السنۃ من اسمہ عقیل (بضم العین) غیرہ (عمدہ ص ۴۳)

عن ابن شہاب یہ امام زہری میں ان کے حالات مقدم میں گزر چکے ہیں سوانح امام بخاری رحمہ سے قبل دیکھئے۔ صحاح ستہ میں ابن شہاب عن عائشہ حضرت عمر بن ابی سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے حالات دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔

عن عائشۃ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا قالت الخ یہ حدیث بظاہر مرسل ہے کیونکہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں لیکن اقرب یہ ہے کہ بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کو براہ راست سنا ہو، اس صورت میں یہ روایت بلاشبہ منقطع ہو جائیگی لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور ص سے نہیں سنا تو کسی صحابی سے سنکر بیان فرما رہی ہوں گی مگر پھر بھی کوئی

کی تعبیریں قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی تعبیر علم اور قمیص کی دین بیان فرمائی۔
غرضیکہ بعض دفعہ خواب کی تعبیر اس کے ظاہر کے سوا کچھ اور ہوتی ہے اسی طرح یہاں ذبح و لد کی تعبیر
ذبح کبش تھی مگر فرط اشتغال کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دھیان اس طرف نہ گیا اور ذبح و لد ہی پر
تیار ہو گئے۔

شیخ اکبر رحمہ اللہ کا یہ جواب تشفی بخش نہیں اس میں کسی قبائح ہیں۔

(۱) نئی سے اگرچہ اجتہادی خطا واقع ہو سکتی ہے جس پر بعد میں تنبیہ کر دی جاتی ہے مگر بلا وجہ تعلیط نبی
صیح نہیں ہاں اگر کوئی اور توجیہ نہ ہو سکتی تو مجبوراً خطا اجتہادی پر محمول کرنے کی گنجائش تھی۔

(۲) اگر ذبح کبش مقصود تھا تو حد صدقہ وقت اللہ ڈیا کیوں فرمایا؟

(۳) وہ نہ بنا نہ صدقہ عظیم اس پر دلیل ہے کہ اصل حکم ذبح و لد ہی کا تھا ذبح کبش تو بطور فدیہ ہوا ہے۔
فدیہ بدل کو کہا جاتا ہے۔

(۴) اگر ذبح و لد کا حکم نہ تھا تو اسے بلا زمین کیوں فرمایا؟ ذبح کبش تو کوئی بڑی بات نہیں۔

علاوہ حضرت انور شاہ صاحب رحمہ فرماتے ہیں کہ جتنا واقعہ خواب میں دیکھا اس کا وقوع خارج میں بھی ہوا ہے
خواب میں صرف ذبح کرتے دیکھا اذ بحمدہ یہ نہیں دیکھا کہ ذبح ہو بھی گئے ہیں لہذا خواب کے صدق
میں کوئی اشکال نہ رہا۔

اس پر بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کو اس کا علم تھا کہ میرے ذبح کرنے پر نتیجہ مرتب
نہ ہوگا تو یہ بلا زمین نہ ہوا اور اگر اس کا علم نہ تھا تو وہی تعلیط نبی لازم آئے گی، مگر یہ اعتراض صحیح نہیں اسلئے
کہ نبی کو کسی غیر شرعی امر کا علم نہ ہونا باعث انقص نہیں اور نہ ہی ایسے علم کی نفی کو تعلیط نبی کہنا صحیح ہے۔

ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ حکم ذبح و لد کا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام
اسے سمجھ بھی چکے تھے اور عمل پر آمادہ بھی ہوئے بلکہ شریعت بھی کر دیا مگر
قبل العمل حکم منسوخ ہو گیا اسلئے کہ مقصد صرف امتحان تھا۔

اس تقریر پر زیادہ سے زیادہ قول نسخ قبل العمل لازم آیا اور اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ واقعہ ہے
چنانچہ لیلۃ المعراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں مگر قبل العمل منسوخ ہو کر پانچ رہ گئیں۔

(ارشاد القاری بالاختصار)

فكان لا يرى سوى الاوجاع مثل خلق الصبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خواب میں
دیکھتے وہ سبیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا یعنی آپ کو کوئی خواب دیکھتے تھے اس کی تعبیر بالکل واضح اور
کھلی ہوتی تھی جیسا کہ صبح صادق کی روشنی بالکل ظاہر اور کھلی ہوتی ہے طلوع صبح میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

یہ روایہ صالحہ نبوت کی تہذیب تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب تین صفات سے متصف تھے، صالحہ، صادقہ، واضحہ۔
 صالحہ جس کا ظاہر بھی مبارک ہو اور اس کی تعبیر بھی خوشگوار ہو، منور کا پہلو اس میں مدہو۔
 صادقہ جو سچا ہو اس کی تعبیر واقع کے مطابق ہو آگے عام ہے کہ خوشگوار ہو یا اس میں کوئی منور کا پہلو ہو۔
 جیسے غزوہ احد میں آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے تلوار کو حرکت دی تو وہ کچھ ٹوٹ گئی، پھر دوسری حرکت دی تو وہ درست ہو گئی اور آپؐ نے ایک گائے مذبح دیکھی جس کی تعبیر یہ بیان فرمائی کہ تلوار کا ٹوٹنا احد میں مسلمانوں کی عافیت کی شکست ہے اور مذبح گائے شہداء سے تعبیر ہے، اس میں بظاہر مسلمانوں کے ہر تھاں مگر واقع کے مطابق تھا لہذا صادقہ تو ہے صالحہ نہیں۔ مگر یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہر خواب صادقہ صالحہ بھی ہیں اگرچہ دنیوی لحاظ سے بظاہر صالحہ مذہب سے چنانچہ یہاں بھی راہِ خدا میں شہید ہونا بلاشبہ حیاتِ ابدی دنیوی حیات سے بہتر و صالح ہے۔

واضحہ، جس کی تعبیر بالکل واضح اور کھلی ہوئی ہو، مثلاً نزولِ وحی سے پہلے آپؐ کا غلبہ آواز شننا، اجمار و اشجار کا سلام و کلام کرنا، چنانچہ آپؐ فرماتے تھے کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھے سلام کرتا تھا۔ یہ سب امور آپؐ کو وحی سے مانوس کرنے کے لیے اور وحی کی عظمت و جلالت شان ظاہر کرنے کے لیے تھے، جیسے ریل گاڑی آنے سے قبل اسٹیشن پر سگنل، گھنٹی اور جھنڈیوں وغیرہ کے انتظامات شروع ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بہت اہم اور تیز رفتار میل (مثلاً راجدھانی میل) آرہی ہو تو بہت پہلے ہی سے اس کیلئے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔

مثل خلق المسحح علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ مثل منصوب ہے اور مصدر مخذوف کی صفت ہے۔
 تقدیر عبارت یہ ہے الا جاعت مجیثا مثل خلق المسحح ای شبیہۃ لضعاء المسحح (مروءۃ)۔
 خلق (بفتح الفاء واللام) کے معنی میں بچاؤنا، پیرنا کما فی القرآن اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْغَابِ وَالنَّوٰی۔
 (بیشک اللہ تعالیٰ بچاؤنے والے میں دانہ اور گٹھلیوں کو) صبح صادق کو خلق المسحح کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ رات کی اندھیری کو بچاؤ کر نکلتی ہے۔ علامہ ابن ابی جرہ نے منتخب بخاری پر ہیجۃ النفوس کے نام سے شرح لکھی ہے ان سے حافظ نے نقل کیا ہے، علامہ ابن ابی جرہ فرماتے ہیں کہ اس تشبیہ میں ایک خاص لطیف نکتہ ہے کہ انبیاء سابقین چاند ستاروں کے مثل ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شمس (آفتاب) جیسے کہ جس کے طلوع سے کافی وقت پہلے صبح صادق اس کی خبر دیتی ہے کہ عنقریب آفتاب عالم تاب طلوع ہونے والا ہے ایسے ہی یہ روایے صالحہ آفتاب نبوت کے مبادی اور پیش خیمہ تھے، نبوت سے قبل چھ ملائکہ یہ سلسلہ جاری رہا، ربیع الاول میں روایے صالحہ کی ابتداء ہوئی اور رمضان المبارک میں وحی شروع ہوئی۔

فَوَحَّیَ الْیَسَّۃَ الْخَلَّاءَ قَالَ الْعَبْدُ رَمِ الْخَلَّاءَ بِالْمَدِّ وَهُوَ الْخَلْوَةُ مَقْصِدُ یَہُیْہُ کہ خلا سے مکان خالی

مراد نہیں ہے بلکہ مراد مصدر یعنی خلوت کا اختیار کرنا ہے۔ یعنی پھر خلوت گزینی آپ کو محبوب بنا دی گئی۔
 محبت بصیغہ مجہول، جس سے معلوم ہوا کہ یہ خلوت گزینی طبعی نہ تھی بلکہ قدرت کی جانب سے تھی، صوفیاء کرام کہتے ہیں
 کہ جب ذکر کے آثار شروع ہوتے ہیں تو آدمی کو خلوت محبوب ہو جاتی ہے۔ دکان یخلو بخار حیا ۶۱ اور آپ
 غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے تھے۔ جہاں بکسر الحار و تخفیف الرار صحیح قول یہ ہے کہ مذکر اور منصرف ہے (قسطلانی)،
 یہ حرار مکہ معظمہ سے تین میل کے قریب مٹی کو جاتے ہوئے بائیں جانب پڑتا ہے اب اس کو جبل النور کہتے ہیں۔

انتخاب حرار کے وجوہ | خلوت گزینی کیلئے آپ نے غار حرا کو کیوں منتخب فرمایا؟ علامہ قسطلانی رحم
 لکھتے ہیں کہ قریش میں سب سے پہلے آپ کے دادا عبد المطلب نے اس میں
 خلوت گزینی کی تھی (قسطلانی ص ۳۳) دادا کے ساتھ آپ بھی کبھی کبھی تشریف لے جایا کرتے تھے اسی وقت سے آپ
 کو اس مقام سے انس تھا۔ مگر یہ توجیہ تشفی بخش نہیں اس لئے کہ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے دادا نے
 انس غار کا انتخاب کیوں فرمایا؟

(۲) قال الحافظ في كتاب التصدير قال ابن أبي جرادة الحكمة في تخصيصه بالتخلي فيه ات
 المقصود فيه كان يمكنه رومية الكعبة فيجتمع لمن يخلو فيه ثلث عبادات الخلوة والتعب
 وسروية البيت۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں خلوت گزینی میں تین عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں۔
 (۱) خلوت یعنی کفار و مشرکین سے اعتزال و علیحدگی (۲) وہ ذکر و اذکار جس میں آپ مشغول رہتے۔
 (۳) بیت اللہ کو دیکھنا، روایت میں ہے کہ بیت اللہ کی جانب ہر نظر پر خدا کی بیٹیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔
 (۳) غار حرا کا معائنہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ توجیہات کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ اسکا
 محل وقوع ہی کچھ ایسا ہے کہ خلوت و عبادت کے لئے عین مناسب ہے، شہر سے نہ زیادہ قریب
 کہ خلوت کا مقصد ہی حاصل نہ ہو اور نہ اتنا بعید کہ وہاں پہونچنا متعسر (مشکل) ہو اسی طرح غار کی
 بلندی نہ اتنی کم کہ ہر شخص بسہولت وہاں پہنچ جائے اور نہ اتنی زیادہ کہ وہاں جانا متعذر ہو، پھر غار
 کی نوعیت ایسی ہے کہ گویا قدرت نے عبادت ہی کے لئے اس کو چھوٹا سا کمرہ بنا دیا ہے اور کچائی
 اتنی کہ آدمی اس میں بسہولت گھوم پڑ سکے اور وسعت اتنی کہ سجدہ بسہولت ہو سکے غرضیکہ اس کی
 بناوٹ اور محل وقوع دیکھنے کے بعد کسی دوسری توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

فما حثت فيه وهو التعب الليلي كمنى رات دن مسلسل اس میں عبادت کرتے تھے۔
 وهو التعب بؤكى ضمير تحثت کی طرف راجع ہے اور یہ تفسیر امام زہری کی ہے۔ حثت کے معنی گناہ
 کے آتے ہیں لیکن چونکہ باب تفضل کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے اسلئے تحثت کے معنی ترک حثت کے
 ہوئے یعنی گناہ سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے گناہ سے بچنا عبادت ہے پس یہ تحثت کے

حقیقی معنی نہیں بلکہ معنی التزامی ہے۔

غار حرا میں عبادت کی نوعیت

اسی میں کلام ہوا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں کس دین کے مطابق عبادت کرتے تھے؟ دین نوح، ابراہیم موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام مختلف اقوال بیان کئے گئے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ سے منقول ہے کہ مکان عبادتہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل البعثۃ علی ملۃ ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام (تیسرے القاری ۱۲۱ ص ۱)

یعنی آپ اپنے جدا جدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اتباع فرماتے تھے اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ نیز سیرت ابن ہشام کی روایت میں یہ ہے کہ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی اتباع تھی۔ لیکن آپ دین حنیف کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے ممکن ہے کہ روادۃ نے فاکوٹا سے بدل دیا جو اصل روایت فاکوٹا کے ساتھ ہی ہو، حافظہ فرماتے ہیں کہ فاکوٹا سے بدلنا عرب کا عام دستور ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں تحریف ہو چکی تھی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بقایا غیر تحریف کا علم کیسے ہوا؟ اس کا معتبر ذریعہ کیا تھا؟ اس لئے راجح وہی ہے جو صاحب در مختار نے کہا والمختار عندنا انہ کان یحصل بما ظہر لہ من الکشف الصادق من شریحۃ ابراہیم وغیرہ (در مختار جلد اول) یعنی ہمارے دو احکامات کے نزدیک مختاری یہ ہے کہ کشف صادق اور الہام صحیح سے جو ظاہر اور کشف ہوتا اسی کے مطابق عمل فرماتے کسی خاص نبی کی اتباع نہ فرماتے تھے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کشف صادق اور قدرتی القار ملتیں ابراہیمی کے مطابق ہوتا ہو جیسا کہ بعد میں ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا۔ قبل ان ینزع الخا اھلہ یعنی جب تک محمد والوں کی طرف اشتیاق نہ ہوتا تھا آپ وہاں سے رہتے کبھی کبھی ایک، دو تک ٹھہرنے کی نوبت آتی، کما فی حدیث مسلم جاوید بحسبہ شہداء (یعنی میں حرا میں ایک مہینہ رہا)۔

ویقرؤ للٹالکھ اور آپ صابان خورد و نوش بھی ساتھ لے جاتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب توکل ترک نہ کرنا چاہیے، حقیقت میں ترک اسباب توکل نہیں تعطل ہے البتہ یہ ضرور خیال رہے کہ یہ اسباب ہیں، اسباب نہیں، ان اسباب کے باوجود حق تعالیٰ چاہیں گے تو کام ہو گا وہ نہیں۔ حتیٰ جاءہ الحق و هو فی غلو حواء یہاں تک کہ حق آگیا جبکہ آپ غار حرا میں تھے یعنی اچانک اور غیر متوقع طور پر آپ کے پاس حق آگیا، چنانچہ بخاری کتاب التفسیر ص ۳۹ میں ہے حتیٰ فجاءہ الحق اور حق سے مراد وہی ہے۔

فجاءہ الحق فقال اقمہا چنانچہ آپ کے پاس فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) پہنچا یوم الاربعین سبع عشرۃ من رمضان وهو ابداً وینسب سبعة (عمرہ، ص ۱۱۵ ایضاً قسطلانی) اور اس

کہا۔ اقرار پڑھے۔

خجاء کا میں قانع نہیں ہے اس لئے کہ فرشتہ کا آنا دمی کے بعد نہیں ہوا ہے بلکہ فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام ہی دمی لیکر آئے۔ اس لئے یہ قانع نہیں ہے تفصیل یہ ہے۔

فقہان اقصیٰ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے کو معلوم تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتی تھے اور اتی کو پڑھے کا حکم دینا تکلیف مالا یطاق ہے پھر فرشتہ کی طرف سے امر قرأت کیوں؟

جواب یہ ہے کہ یہ امر تکلیفی نہیں تلقینی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں پڑھتا ہوں آپ بھی میرے ساتھ پڑھئے، لہذا یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قرأت کا حکم نہیں دیا بلکہ تعلیم قرأت کا حکم ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر الفاظ سے خیال فرمایا کہ قرأت کا حکم کیا جا رہا ہے اس لئے جواب فرمایا "ما انا بقاری"۔

حب یہ معلوم ہو گیا کہ اقصیٰ امر تلقینی ہے تو اس کا ترجمہ یہ کرنا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، درست نہیں کیونکہ نبیانی تعلیم و تلقین سے تلقین کردہ الفاظ کو پڑھنا اقیات کے منافی نہیں جیسا کہ مکاتب و مدارس میں رات دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہو یا امتنا بقاری کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ دمی کھشمت و ثقل کی وجہ سے میری زبان نہیں چلتی یعنی میں پڑھ نہیں سکتا۔

ثقل دمی کا بیان دوسری حدیث میں گزر چکا، خود قرآن حکیم میں ہے انا شقی علیہ قولہ لیلہ اور لو انزلنا ہذا القرآن ان علی جبل لرأتہ حاشا متصدعا من خشية الله

بخاری شریف میں متعدد جگہ یہ روایت ہے کہ حضرت زید بن فرما تے ہیں کہ صرف غیر اولی الضروس کا نزول ہوا اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زانوئے مبارک میرے زانو پر تھا تو مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرا زانو پارہ پارہ ہو جائے گا۔ پس خیال فرمائیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا وزن ہوتا ہوگا، پھر اس آیت کا نزول عزوجل

بر سے متعلق ہے اور مکہ معظمہ میں تیرہ برس تک دمی کا نزول ہوتا رہا اور بدر تک مدینہ منورہ میں۔

جب اس وقت کے ثقل کا یہ حال ہے تو اول مرتبہ میں کتنا ثقل و وزن محسوس ہوگا؟ بالکل ظاہر ہے کہ کسی

امتی کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی، حقیقت تو یہ ہے کہ عظمت کلام قدرت نے حکمت کی بنا پر غنی فرمایا ہے ورنہ

قرآن عظیم کی تلاوت مشکل ہو جاتی، کلام خداوندی کے روحانی وزن کا کسی امتی کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے، لیکن

کلام رسول کے وزن کا ایک جھلک کا اندازہ ایک مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا فضل رحمان صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے اونچے اور ممتاز اولیاء کرام

میں سے تھے اپنے زمانہ حوث و غلب تھے، حید عالم بھی تھے حضرت مختاری بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو چکے

ہیں اور ایک رسالہ میں ان کے کلمات و غیرہ کو بیان بھی کیا ہے۔

ہر کیف ایک عالم فاضل بخاری شریف کے پڑھانے والے استاد حضرت کی خدمت میں اجازت کیلئے حاضر

ہوئے، ساتھ ہی مٹ گردوں کو بھی لائے تھے حضرت مولانا نے حسب دستور بخاری شریف کھول کر ان کے سامنے

رکھ دی اور فرمایا کہ پڑھئے، انہوں نے پڑھا شروع کیا ترجمہ الباب پڑھا سند پڑھی جب حدیث پر پہنچے تو خاموش

ہو گئے، حضرت فرماتے ہیں پڑھ لیکن ان کی زبان نہیں کھلتی، نہ کتاب کے حروف ہی نظر آتے ہیں، جب بہت دیر ہو گئی تو حضرت نے فرمایا: "جائیے وہ استاد حدیث چلے گئے، طلبہ نظامہ سخت متحیر تھے کیا وجہ ہے کہ حضرت استاد عبارت بھی نہ پڑھ سکے، اپنے شیخ سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں حدیث پر پہنچا تو زبان جواب دے چکی تھی، آنکھوں نے اندھیرا چھا گیا تھا، حضرت مولانا گنج مراد آبادی رحمہ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے وزن کی ایک جھلک دکھلا دی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ زبان دنگاہ لے جواب دے دیا اسی سے اعجاز ہو سکتا ہے کہ جب کلام رسول کے وزن کی ایک جھلک کا یہ حال ہے تو کلام الہی کے وزن کا کیا حال ہوگا۔ حقیقت یہی ہے لا یحد ولا یتعوس (امداد الہادی)

حق بلغ منی الجہد۔ جہد میں چار احتمال ہیں بغض الجہم و فقر، و برفع الدال و نصبہا، جہد بغض الجہم اور جہد بغض الجہم دونوں کے تین معنی آتے ہیں طاقت، مشقت اور غایت۔
بہالت رفع مشقت کے معنی میں ہوگا اور بلغ کا فاعل ہوگا اور مفعول مخذوف ہوگا عبارت ہوگی حتی بلغ منی الجہد مبلغہ اختصار کیلئے مبلغہ مفعول کو حذف کر دیا ترجمہ یہ ہوگا، فرشتہ نے مجھے پکڑا اور دبوچا یہاں تک کہ میری مشقت و تکلیف اپنی انتہا کو پہنچ گئی، یعنی اس سے زیادہ مشقت میری برداشت سے باہر تھی یا میری طاقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی، یعنی اس سے زیادہ قوت کا فاعل نہیں رکھتا تھا۔
(۲) بحالت نصب الجہد بلغ کا مفعول ہوگا اور فاعل کی ضمیر ملک کی طرف راجع ہوگی۔ یہاں ملک کی صورت بشریہ مراد ہے ورنہ ملک اپنی اصلیت پر ہوتے ہوئے کسی کو پوری قوت سے دبائے تو اس کا قتل انسان کیلئے مشکل ہے اس صورت (بحالت نصب) میں ترجمہ ہوگا کہ یہاں تک کہ فرشتہ اپنی طاقت یا مشقت کے انتہا کو پہنچ گیا (یعنی اس اور سے دبا یا کہ خود پسینہ پسینہ ہو گئے)۔

ایک اشکال و جواب | اشکال یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت ملکی ہے جس کے متعلق قرآن حکیم میں ذی قوتہ ای قوتہ عظیمۃ فرمایا گیا ہے، تو مولا کی بستی کو اپنے پردوں پر اٹھا کر الٹ دیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی انتہائی قوت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برداشت کر لیں؟

جواب یہ ہے کہ جو چیزیں (خواہ فرشتہ ہو یا جن) مختلف اشکال میں مشکل ہوتی رہتی ہیں وہ جس صورت میں ہوتی ہیں اسی طاقت میں بھی ہو جاتی ہیں لہذا جب جبریل علیہ السلام کی قوت ملکی میں ہوئے تو صرف ایک انسان کے طاقت میں ہو گئے اور یہ معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار انسانوں کی طاقت دی گئی تھی، اسی نوع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت عزرائیل علیہ السلام کے تھپڑ مار کر آنکھ کا لکڑیانا ہے، نبی کی قوت و استعداد کا اعجاز اس سے لگائیے کہ تجلی الہی سے جبل طور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر صرف تھوڑی دیر کے لئے یہ پوشی طاری ہوئی۔

دبوچنے کی حکمتیں از جامع الدراری شرح بخاری

(۱) علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی تحقیق انیق مع توضیح۔

حقیقت یہ ہے کہ جبرئیل امین نے بحکم الہی شوق صدر کے ذریعہ روحانی بجلی کا عظیم الشان پاور آپ کے قلب مبارک میں بکھریا تھا پھر قول لتقلیل باعظمت کلام کی قرأت کا امر کیا، آپ پر سخت شدت طاری تھی، جبرئیل ۷۰ کا دبوچنا شدت و ثقل کی تسہیل اور آسانی کیلئے تھا۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض نئی روشنی والوں نے (غالبا علامہ شبلی نعمانی مراد میں) کہا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کو دباہیں، آپ اس کو محسوس فرمائیں اور سہولت ہو جائے آپ پڑھنے لگیں۔ ہم کہتے ہیں کہ شروع سے آخر تک کوئی بات سمجھ میں آنے کی ہے؟ وحی کی حقیقت ہی کسی اتنی کو معلوم نہیں ہو سکتی (کم از کم) اس سلسلہ کی سب باتیں ہماری عقل سے باہر ہیں تو کیا سب کا انکار کر دو گے؟ علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیفیت کچھ بیان نہیں ہو سکتی، مگر مجھ پر خود ایک واقعہ گزرا ہے، میں حیدر آباد کے شفا خانہ میں گیا تو ڈاکٹر نے بجلی سے علاج کے بہت سے کرشمے دکھائے، پھر کہا فرمائیے تو آپ کے جسم میں بجلی پہنچاؤں، میں پہلے گھبرا ہوا مگر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پتیل کا ایک دستہ پکڑ لیا، انہوں نے مشین چلائی اور تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ ہم اتنی بجلی آپ کے بدن میں پہنچا چکے ہیں، مجھے تعجب ہوا، مگر انہوں نے کہا آپ متعجب نہ ہوں ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا اور مولوی یحییٰ سے کہا "انہیں ذرا ہاتھ لگاؤ" انہوں نے ہاتھ قریب کر کے ایک انگلی بڑھائی ہی تھی کہ میں نے دیکھا کہ انگلی سے ایک شعاع نکلا، وہ سمجھے کہ انگلی جل گئی اور مجھے تکلیف محسوس ہوئی، اب معلوم ہوا کہ کوئی اجنبی چیز بدن میں جو پھر مولوی یحییٰ سے کہا کہ ایک دم زور سے پکڑ لو، اب کچھ اثر نہ تھا یوں ہی پکڑے ہوئے رہے کہ تیسرے آدمی سے کہا کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ، ہاتھ قریب کرنا تھا کہ وہی کیفیت پیدا ہوئی، پھر زور سے پکڑا تو کچھ اثر نہ ہوا، میں نے کہا کہ آج ایک بڑا مسئلہ حل ہو گیا، معلوم ہوا کہ زور سے پکڑنے میں بھی بعض اوقات آسانی ہو جاتی ہے، جبرئیل ۷۰ کا جب اتصال ہوا اور نور کی نور سے ملاقات ہوئی تو آواز بہت دقت ہوئی اور جب زور سے دبایا تو وہ لتقلیل چیز سہل ہو گئی۔ (فتح الملہم ص ۳۲)

(۲) حضرت شیخ الہندؒ کی توجیہ

حاصل یہ ہے کہ معلم حقیقی تو اصل حضرت حق جل جلالہ میں اور جبرئیل امین واسطہ فی التعليم ہیں جیسے قلم یا آئینہ بر دار ہیں۔

خداوند قدوس نے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کے ساتھ تکمیل و اتمام کو وابستہ کر دیا تھا اور آپ کے لئے سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء والمرسلین ہونے کا فیصلہ روز اول سے ہی ہو چکا تھا۔ لیکن آپ کی

عبدیت کامل تھی، غارِ حرار کی غلو توں نے اسے انتہائی سرور تک پہنچا دیا تھا اور آپ مقامِ عبدیت کے مراقبہ میں مستغرق تھے، اسلئے جب جبرئیل امین نے "اقسم" کہہ کر کمال کی دعوت دی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقامِ عبدیت کے استغراق کی وجہ سے فرمایا "ما انا بقاری" اور یہ فرمانا بالکل طبعی اور فطری چیز ہے اس لئے کہ اب تک آپ کے کمالاتِ عبدیت کے پردے میں مستور تھے، بحکمِ الہی جبرئیل علیہ السلام دبوچ دبوچ کر آپ کو اس مقامِ استغراق سے ابھارنا شروع کیا اور اپنے آئینہ میں آپ کے کمالاتِ خفیفہ کو دکھانا اور اجاگر کرنا شروع کیا یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ آپ کے کمالاتِ خفیفہ ذہن نشین ہو گئے تو جبرئیل امین نے اقدسِ اسمِ ربک الہی کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کر دیا اور یہ عمل تدریجاً تین مرتبہ میرے کیا گیا کہ اگر ایک مرتبہ میں کیا جاتا تو شاید آپ کے قویٰ عقل نہ ہوتے۔

الغرض جبرئیل امین نے کوئی نئی چیز نہیں پیدا کی بلکہ جو چیز اب تک حکم و مصالح کی بنا پر غفلت رکھی گئی تھی اسکو بحکمِ الہی دکھلادیا، کیونکہ آپ کو عظیم الشان منصب کی ذمہ داری سپرد کی جانے والی ہے۔

حضرت شیخ الہند نے ایک مثال بھی پیش فرمائی کہ جیسے کسی حسین نے کبھی آئینہ نہ دیکھا اور اسے اپنے حسن و جمال کا احساس نہ ہو لیکن دفعۃً اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے تو اپنی صورت اور خودِ خال کو دیکھ کر خود اپنے قبولِ صورت کا گردیدہ ہو جائے گا حالانکہ آئینہ نے کوئی نئی چیز پیدا نہ کی، یہی حال یہاں ہے۔ ہمارے امیر شاہ خان کا شعر کتنا بر محل ہے۔

ترسم کہ خوری زخے از تیر نگاہ خود آئینہ میں ہرگز اے خوجہ تماشائی
یعنی تم آئینہ نہ دیکھنا ورنہ مجھے ڈر ہے کہ تمہاری تصویر تمہیں مجروح نہ کر دے۔

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ کی تحقیقِ انیق یہ ہے کہ یہ بھیچنا اور دبوچنا، بحکمِ الہی نسبتِ اتحادی پیدا کرنے اور آپ کی

مبارک روح میں اعلیٰ درجہ کی تاثیر پیدا کرنے کے لئے تھا جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں توجہ کہتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ معلمِ حقیقی تو باہمی اخالی ہیں اور جبرئیل امین واسطہ فی التعلیم ہیں اور قاصدِ پیوستہ اور دستور یہ ہے کہ جب ایک صاحبِ کمال دوسرے کو اپنے کمال سے فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو خود کو اسکی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اس توجہ کی چار صورتیں ہیں ۱۔ انعکاسی ۲۔ القائی ۳۔ اصلاحی ۴۔ اتحادی۔

(۱) انعکاسی اس کا حاصل یہ ہے کہ شیخ اپنے ذکر و شغل اور انفسِ قدسیہ کی برکت سے حاضرینِ مجلس کے قلب میں یادِ الہی کی نورانی روح پیدا کر دے، جب تک شیخ

مجلس میں موجود ہے اس کے اثراتِ حاضرین پر بقدرِ استعداد پڑ رہے ہیں، دل و دماغ سے دنیا فراموش ہو گئی ہے لیکن جہاں شیخ نے مجلس کو چھوڑا وہ کیفیت ختم ہو گئی، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شیخ خوب معطر لگا کر مجلس میں آئے اور اس کے معطر کی خوشبو حاضرین کو معطر کر دے، لیکن یہ توجہ کی کمزور قسم ہے کیونکہ اس کا

اثر صرف اسی مجلس تک ہے جب تک صحبت ہے پھر کچھ نہیں لیکن فائدہ سے خالی نہیں

(۲) القافی :- دوسری قسم جو انفکاسی سے اونچی ہے وہ توجہ القافی ہے کہ شیخ اپنے قلب کی نورانیت سے مرید کے اندر ایک نورانی کیفیت کا القاء کرتا ہے اور اپنے انوار باطنیہ کے چراغ سے مرید کے چراغ قلب کو روشن کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے پاس چراغ بھی ہو اور تیل دستی بھی ہو، اب کسی دوسرے ایسے شخص کے پاس پہنچتا ہے جو اپنا چراغ پہلے سے روشن کئے ہوئے ہے اور کہتا ہے کہ میرا چراغ روشن کر دیجئے، اس نے اپنے روشن چراغ سے اس کے چراغ کو روشن کر دیا، اس میں پہلے سے کچھ قوت زیادہ ہے کہ مجلس کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے اب مرید کا کام ہے کہ ذکر و مشغل کا تیل ڈالتا رہے، نیز معاصی کی ہوا سے اسکی حفاظت رکھے ورنہ چراغ گل ہو جائے گا۔

(۳) اصلاحی :- یہ توجہ کی تیسری قسم ہے جو اول اور ثانی سے قوی ہے اس میں مرید اپنے قلب کو ریاضات و مجاہدات سے بالکل صاف کر لیتا ہے پھر شیخ توجہ ثالثہ کر اپنے انوار کا ایک دائرہ مرید کو عنایت کرتا ہے اور مرید صفائی قلب کے باعث اس کی نورانیت کو قبول کر لیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص پوری محنت سے حوض کھود کر خوب صاف کر کے کسی دریا سے اس کا دباؤ بلا دے تاکہ اس کے حوض میں پانی آجائے، اب اگر اس دباؤ میں معمولی خس و خاشاک اور مٹی وغیرہ آئیگی تو پانی کے دباؤ سے خود بخود بہتی چلی جائیگی، البتہ اگر کوئی بڑی چٹان ہی دباؤ میں گر گئی تو پانی کا آباد ہوگا۔

(۴) اتحادی :- چوتھی توجہ اتحادی ہے کہ اس میں شیخ اپنی روح بالکمال کو مرید مستفید کی روح سے متصل کر دے اور اپنے کمالات و انوار کا افادہ کرے کہ شیخ کے ساتھ طبعیت اتنی متحد ہو جائے کہ جو اس کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں بھی آئے، اس کی مثال میں حضرت شاہ صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی کے شیخ و مرشد حضرت خواجہ باقر رحمہ اللہ القافی کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں چند جہان آگئے اور اس وقت ان کی ضیافت کے لئے آپ کے یہاں کچھ موجود نہ تھا آپ بہت پریشان ہوئے اس پریشانی میں کہیں جوہر کے اندر جاتے ہیں اور کہیں فطر اضطراب میں باہر تشریف لاتے، سامنے ایک نان باقی کی دوکان تھی اس کو معلوم ہوا تو فوراً ہی ایک سبزی میں کھانا لگا کہ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر کر دیا، جہانوں نے کھانا کھالیا، خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے، حقیقت تو یہ ہے کہ ان مشائخ کے یہاں یہ دستور رہا ہے کہ اپنی ذات کیلئے آئندہ الے ہدایا سے اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا اس وقت خوش ہوتے جبکہ کوئی خصوصی جہان آجائے اُس وقت اگر کوئی دیر جہانوں کے لائق لاتا ہے تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے دل کا کنول کھل جاتا ہے یہی حال یہاں ہوا، نان باقی جب برتن لینے آیا تو حضرت نے فرمایا "مانگ کیا مانگتا ہے؟" اس نے عرض کیا "حضرت اپنے جیسا بلا دیجئے، خواجہ صاحب نے فرمایا تم اس کو برداشت نہ کر سکو گے کچھ اور مانگ لے، مگر وہ اپنے مطالبہ پر مقرر رہا، خواجہ صاحب اس کو جوہر میں لے گئے اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر اتحادی توجہ ڈالی

کچھ دیر کے بعد دونوں حضرات نکلے تو دونوں کی صورت تک ایک ہو چکی تھی، صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ صاحب کے ہوش و حواس درست تھے اور ناں بالائی بخود اور مدح و شہ، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نابالائی تین دن کے بعد واصل حق ہو گیا، رحمتہ اللہ علیہ۔

بہر حال یہاں حضرت جبریل علیہ السلام خدا و مقدوس کی جانب سے بہت سے کمالات لیکر حاضر ہوئے رکھے اور چاہتے تھے کہ ان سب کمالات کو آپ کے قلب مبارک میں ڈال دیں، لیکن اگر قانون تدریج سے صرف نظر کرتے ہیں تو فنا کا اندیشہ ہے اس لئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ ایک بار دیا یا پھر چھوڑ کر وقفہ دیا، پھر دوبارہ دیا یا پھر سہ بارہ، اس طرح تدریجاً تین مرتبہ کے عمل سے اتحادی توجہ ڈال کر استعداد پیدا ہونے پر آیات مبارکہ کے تلاوت فرمائی۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر توجہ اتحادی قبول کرنے والا جو ہر قابل ہو تو اس کو نہ صرف یہ کہ کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ وہ کم سے کم وقت میں دوسرے کے کمالات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے متعلق منقول ہے کہ ان ہی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ پہنچے، بیعت ہوئے اور چند ہی روز میں آپ نے قطبیت، فردیت وغیرہ مدارج عالیہ تک ترقی فرمائی اور خود خواجہ صاحب نے آپ کو قرب و نہایت وصول الی اللہ کے مراتب عالیہ کی تحصیل و تکمیل کی بشارت سنائی اور فرمایا کہ شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ہمارے یہاں آئے جو کثیر العلم، قوی العمل ہیں، چند ہی روز میں ہم نے ان کے بہت سے عجائب و غرائب حالات مشاہدہ کئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آفتاب ہو گا جس سے سارا جہاں روشن ہو گا، ایک درویش بھی فرمایا کہ شیخ احمد سرہندی ایسا سورج ہے جس کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توجہ قبول کرنے والا کبھی توجہ دینے والے سے بھی بڑھ جاتا ہے جیسا کہ یہاں حضرت خواجہ صاحب نے خود فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب کی مثال سورج کی تھی ہے اور ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کے سایہ میں گم ہیں۔ (انوار الباری ج ۱ ص ۱۷۷)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ دلو جینا ہر طرف سے توجہ ہٹانے کیلئے تھا اور دوسری مرتبہ دلو الہی کی طرف ہم تن متوجہ کرنے کے لئے اور تیسری مرتبہ موانع است کے لئے۔ (قسطلانی ج ۱ ص ۱۷۷)

صاحب بیچہ النقوس نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مقصد آپ کو اپنے سینے سے ہٹا کر دبا دینے سے تھا کہ آپ کے اندر ایک زبردست قوت نور پیدا ہو جائے جس سے آپ دلو الہی کا تحمل کر سکیں۔ (انوار الباری ج ۱ ص ۱۷۷)

فقہال اہل باسمر ربك الذی خلق یہ ما انا بصاری کا جواب ہے کہ آپ اگرچہ ہدایت خود قرأت سے عاجز ہیں مگر اپنے رب کے نام کی مدد سے قرأت شروع کیجئے، پھر لفظ رب اور ضمیر مخاطب کی طرف اسکی اضافت

میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ذات جس نے آپ کی بچپن سے تربیت کی اور کامل انسان بنایا کیا اب وہ ایسے ہی چھوڑ دی؟
ایسے کہ تربیت کے معنی میں تبلیغ الشیء الی کمالہ شیئا فشیئا اسی تدریجاً۔ یعنی چالیس سال تک آپ کی تربیت کی
اور کمال تک پہنچایا، شروع ہی سے آپ کی نبوت کے عظیم الشان نشانات ظاہر فرمائے جیسے کہ حضرت موسیٰ ؑ
کا ایسے زمانہ میں پیدا ہونا اور زندہ رہنا جبکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے تمام لوگوں کے قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا
بلکہ سینکڑوں کو زہر تلوار و لقمہ تیغ صرف اس خیال سے کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام دنیا میں زندہ نہ رہ جائیں، مگر قدرت کا
کوثر کہ اس فرعون کی سرپرستی میں موسیٰ ؑ نے پردرکش پائی اور جس فرعون کے خوف سے موسیٰ ؑ کی والدہ کا دریا غیر
ڈال دینا اور پھر فرعون ہی کے گھر میں پردرکش پانا یہ تمام امارات نبوت تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تولدات سے بھی قبل ایسے آثار نمایاں ہوئے جو کسی عظیم الشان چیز کے وجود
کی خبر دے رہے تھے، مثلاً آپ ؐ کی والدہ کا نور دیکھنا، آپ کے دادا کا خواب، ایران کسریٰ کے کنگرڈن کا ٹوٹ
جانا، آتشکدہ ایران کا ٹھنڈا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

الذی خلق اس میں بھی استعداد قرأت پر دلیل ہے کہ جس ذات نے سارے عالم کو پیدا فرمایا آپ کے
اندھ صفت قرأت پیدا کرنے پر کبھی قادر ہے، خلق کا مفعول دلالت علی العموم کیلئے حذف کیا گیا ای خلق کل شیء۔
خلق الانسان من علق یہ بھی استعداد قرأت کی دلیل ہے کہ قادر مطلق نے ایک غلیظ و نجس
اور بے شعور بلکہ بے جان خون کے لوتھڑے کو انسان کی صورت عطا فرمائی اور اس کو سمیع و بصیر اور فہم و شعور اور کمالات
سے نوازا تو اس پر ایک کامل انسان کو اکمل بنا دینا اور اچھی کوتاری بنا دینا کیا مشکل ہے؟

اقتداء و ربك الاکرم اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ افادہ و استفادہ سے دو امر مانع ہوتے ہیں ایک
یہ کہ مستفید میں استعداد و صلاحیت نہ ہو، دوسرا یہ کہ مفید بخیل ہو اس لئے افادہ میں بخل کرتا ہو، آیات سابقہ
میں بیان ہوا کہ مستفید یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں قرأت کی استعداد تمام موجود ہے اور ساتھ الاکرم
میں اس کا بیان ہے کہ مفید یعنی آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے لہذا استفادہ سے کوئی امر مانع نہیں۔

الذی علّم بالقلم جس نے قلم کی مدد سے سکھایا۔ اس میں بھی استعداد قرأت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ
کی ذات نے ایک جبار محض یعنی قلم سے علوم و فنون کی نشر و اشاعت کا کتنا بڑا کام لیا ہے تو آپ کے ذریعہ قرآن کے
انوار کو انصاف سے عالم تک پہنچانے میں کیا بعد ہے؟

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ملک رحمت جبرئیل ؑ، رسول ؑ سے افضل نہیں کیونکہ وہ رسول کا معلم
نہیں بلکہ واسطہ فی التعليم میں اور واسطہ فی التعليم مقیم سے افضل نہیں ہوتا جیسے قلم واسطہ فی التعليم ہے اور مقیم
سے افضل نہیں علم، شدید التقویٰ میں تعلیم کی نسبت ملک کی طرف مجازاً کر دی گئی ہے حقیقتہً معلم اللہ
تعالیٰ میں کما قال اللہ تعالیٰ المّحن علم القمات۔۔ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُن تَکَلّم۔

نیز علّم بالقلم میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے قلم کاتب کے ارادہ سے عدول نہیں کر سکتا اسی طرح

ملائکہ جو زور لیتے تعلیم میں اللہ تعالیٰ کے امر سے سر تابی نہیں کر سکتے، ویفعلون مایؤمرون۔

علموا لافعلوا۔ اس سے بھی استدلال قرأت کو ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو برکت و ولادت جاملی محض تھا اور میں عقل و فہم کا شائبہ تک نہ تھا، مختلف علوم و فنون کی تعلیم دی ہے، پس وہ ذات ایک کامل انسان کو قاری بنادے یہ کچھ مشکل نہیں، علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں، "اشارۃ الی علم اللہ فی" اس وقت تک سورہ اقرأ یہاں تک نازل ہوئی البقیہ حصہ بعد میں نازل ہوا (محدہ)۔

سوال و جواب

صحیح بخاری شریف کی اس تیسری حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اول ما نزل من القرآن سورہ اقرأ ہے لیکن اس کا بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں ہے اور مسلم شریف جلد اول میں ہے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اول ما نزل من القرآن یا ایہا المدثر ہے اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی، نکیات التوسیع و جواب۔ یہ ہے کہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ اولیت حقیقیہ تو سورہ اقرأ کی یا پہلی آیتوں کو حاصل ہے، امام نووی فرماتے ہیں، "هذا حوالہ القواب الذی علیہ الاجماہیر من السلف والختلف۔"

اور پوری سورہ جو سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سورہ فاتحہ ہے اور تین سال کی مدت فترت کے بعد اول ما نزل سورہ مدثر کی ابتدائی آیات یعنی فاھجر تک ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ جہات و حیثیات تینوں کے اندر مختلف ہیں اس لئے ہر قول اول ما نزل ہونے کے اعتبار سے صحیح ہے۔

فرج جہا ای بالایات (تسلطانی)

حد دخل علی خدیجۃ الخ چنانچہ آپ حضرت خدیجہ رحمہ کے پاس تشریف لائے۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ آپ کا اپنا گھر تھا اور حضرت خدیجہ رحمہ آپ کی زوجہ مطہرہ طاہرہ تھیں۔

ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رحمہ بالا جماع آپ کی پہلی بیوی ہیں اور بالا جماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لائے میں آپ سے مقدم نہیں، آپ کے والد ماجد خویلد بن اسد عرب کے مشہور دولتمند تاجر اور قریش میں نامور تھے، آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا، حضرت خدیجہ رحمہ جاہلیت کے دم و رواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں، آپ کا پہلا نکاح ابوہالہ بن زرارہ تیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہانہ دو بیٹے پیدا ہوئے، ہند اور ہانہ دونوں مشرک باسلام ہوئے، دونوں نے صحابی ہیں، رضی اللہ عنہما۔ ہند بن ابی ہانہ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ عملیہ نبوی کے متعلق مفصل روایت ان ہی سے مروی ہے، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما علیہما مبارک کی روایت اپنے ان ہی مامول

سے کرتے ہیں۔
ابوالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائد مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ہند تھا
ہند بھی مسلمان ہو کر صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں، کچھ عرصہ کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیوہ رہ گئیں۔ (زرقاتی)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک حسینہ اور دولت مند عورت تھیں اس لئے بہت سے سردارانِ قریش ان کے ساتھ نکاح
کے خواہش مند تھے مگر انہوں نے سب سے انکار کر دیا اور نفیہ بنت امیہ یعنی یعلیٰ بن امیہ کی ہمشیرہ کے ذریعہ
خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد نے
ان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پچیس سال کی اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی، نکاح کے بعد پچیس برس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے نکاح میں رہیں اور ہجرت سے تین سال پیشتر رمضان المبارک سنہ نبوی میں پیشتر برس کی عمر میں انتقال
فرمایا اور حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر میں اتارا، نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی
تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم آپ کی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے
جو کچھ ہی میں انتقال کر گئے، حضرت ابراہیم کے سوا البقی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے
ہوئیں۔ دو صاحبزادے جن میں ایک قاسم بی بی جن کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی، صرف دو سال کی عمر
میں راہی دار البقار ہو گئے، دوسرے لخت جگر عبداللہ بی بی جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے انہیں کا لقب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے طیب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے طاہر ہے یہ بھی کچھ ہی میں رحلت فرما گئے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد زینہ نہ رہنے کا طعن دیا گیا اور سورہ کوثر کا نزول ہوا۔ چار صاحبزادیاں
حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ، صحیح قول کی بنا پر اسی ترتیب سے پیدا ہوئیں۔
قتال زُتْلُو فِی زُتْلُو فِی الْاِہِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُکھ آتے ہی، فرمایا مجھے کبیل اڑھا دو، مجھے کبیل
اڑھا دو، لوگوں نے کبیل اڑھا دیا یہاں تک کہ آپ کا خوف ختم ہو گیا۔

اشکال اشکال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو مذکر کا صبیغ
زُتْلُو فِی سے خطاب کر نیکی کیا وجہ ہے؟ جبکہ مخاطب ام المؤمنین حضرت خدیجہ
رضی اللہ عنہا تھیں۔

جواب یہ ہے کہ ایسے مواقع یعنی مواقع خدمت پر محاورات میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے کوئی فرق
فرق نہیں کرتے، چنانچہ گھر کا کرماء طور پر بیوی سے کہتے ہیں کھانا لانا۔
دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ گھر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام بھی تھے اور باندیاں بھی تھیں اور اس
وقت چوکی پردہ کا دستور نہیں تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو خطاب فرمایا۔
لَقَدْ خَشِيتُ عَلَىٰ نَفْسِي۔ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔

اس جملہ کی تشریح میں علامہ عینی رحمہ اللہ اور حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے بارہ اقوال نقل کئے ہیں۔ جن میں بعض تو بالکل غلط اور لائق ابطال ہیں اور بعض ضمیمہ۔ ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد حافظ عسقلانی فرماتے ہیں وادعیٰ حذوہ الاقوال بالقواب واسلمہا من الاس قیاب الثالث واللذان بعدہ وما عداھا کھو معترضی۔ یعنی ان اقوال میں سب سے اولیٰ اور تمام مشکوک و شبہات سے محفوظ تیسرا، چوتھا اور پانچواں قول ہر یعنی موت من شدۃ العجب۔ مرقن، دوام مرغن۔

لیکن ان اقوال کا مدار حال یا استقبال پر ہے یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں گا، حالانکہ حدیث شریف میں لفظ خشیت ماضی کا صیغہ ہے معنارح کا نہیں، یعنی گزشتہ واقعہ کا بیان ہے جو واقعات خارجہ اور میں گزرے تھے، آپ نے گمراہی سے اور مسکن حاصل ہوئے پر ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ خدیجہ! خارجہ اور کا معاملہ اس قدر سخت تھا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ یہ مطلب بالکل نہیں کہ آپ اب گھبرا رہے ہیں کہ میں کیا کروں گا۔

علامہ ابو الحسن محمد بن عبد البہادی مسند محمدؐ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مناسب توجیہ یہ ہے کہ لفظ خشیت کو ماضی کے متعلق مانا جائے، جو سکتا ہے کہ گزشتہ کو اول اول جب آپ نے دیکھا ہو تو پہچاننے اور دہی سے مشرت ہوئے سے قبل آپ پر خشیت طاری ہوئی ہو اور معرفت ملک اور تسلیخ دہی سے قبل خشیت منہر نہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے فاوحس منہر خیفۃ۔ فلما ذهب عن ابراہیم التوہ۔

اگر خشیت کو زمانہ حال یا استقبال کے لئے تسلیم کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آی خدیجہؓ مجھ پر ایسی شدت گزری کہ آئندہ اس قسم کی شدت و صعوبت سے دو تین مرتبہ اور دہی نازل ہوئی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میری جان نکل جائے گی۔

بہر حال علامہ سندھی رحمہ اللہ کے نزدیک خشیت حال یا استقبال کیلئے نہیں، ماضی کا صیغہ ہے اور ماضی کے معنی میں ہے۔

حضرت خدیجہؓ سے اس واقعہ کو ذکر کرنے کی حکمت علامہ سندھی رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا امتحان مقصود تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استفسار فانظروا ماذا اتزى۔ سے مقصد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا امتحان تھا اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ معلوم فرمانا چاہتے تھے کہ یہ خبر سن کر ایمان لاتی ہیں یا نہیں؟ اور اس امتحان کیلئے آپ نے ایسا طرز اختیار فرمایا کہ خدیجہؓ نے ہمدردی مشرود ظہر کر دی اور آپ کے اوصاف حمیدہ مشہور کیے تسلی فرمادی۔

سلا والله ما یخون مہلک الله امدا۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا کہ، ہرگز ایسا نہیں ہوگا خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گیگے۔ اس سے حضرت خدیجہؓ کو کمال ذہانت اور کمال تجربہ معلوم ہوتا ہے

اس لئے کہ دنیاوی تجربات سے یہ بات مشہور تھی کہ جس شخص کے اخلاق و فضائل اس قسم کے ہوتے ہیں وہ خدا کا محبوب بندہ ہوتا ہے قدرت کی طرف سے اسکی اعانت ہوتی ہے نیز حدیث میں بھی آتا ہے کہ حسن سلوک کا کردار ذلت و نکبت کی رسوائیوں سے محفوظ کرتا ہے یہاں پانچ خصائل کا ذکر ہوا ہے۔

انھہ لتصل الترحم آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں یعنی قرابتداروں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تمام اوصاف میں سب سے پہلے صلہ رحمی کو ذکر کیا اس لئے کہ غیر کے ساتھ حسن سلوک اتنا زیادہ مشکل نہیں جتنا قرابت داروں کے ساتھ۔

و تجمل بالکی بفتح الکان و تشدید اللام یعنی آپ بوجہ اٹھاتے ہیں اس میں ضعیف، یتیم اور سب مجبور و معذور داخل ہیں اسلئے کہ کل ہر شخص ہے جو اپنا بوجہ برداشت نہ کر سکے، مقصد یہ ہے کہ عاجز لوگوں کا آپ بار اٹھاتے ہیں اور امداد فرماتے ہیں۔

و تکسب المعدوم بفتح التا من باب ضرب۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ هو المشہوس الصبیح فالتم وایۃ المعصوف فی اللغة (عمرہ ص ۱۰۰) قاضی غیاث فرماتے ہیں و هذه التواذیۃ اصح (فتح ص ۱۰۰) پھر کسب کبھی متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اور کبھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ مجرد میں یہ لفظ دونوں سے طرح مستعمل ہے، متعدی بیک مفعول ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ آپ نادار یعنی فقیر کو کھاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ ناداروں اور محتاجوں پر ایسے احسانات فرماتے ہیں کہ گریاہ آپ کے مکسوب و مملوک ہو جاتے ہیں۔ نادار و محتاج کو معدوم اسلئے کہا گیا کہ وہ بمنزلہ میت کے ہے کہ اپنی معیشت و ضرورت کا انتظام نہیں کر سکتا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ مال معدوم کو کھاتے ہیں یعنی ایسا نایاب مال جسے عام لوگ نہ کھا سکتے ہوں وہ آپ کھا لیتے ہیں۔ مشہور تھا کہ آپ تجارت میں بڑے بالفیب تھے کان محظوظا فی التجارۃ پھر ایسا مال حاصل کر کے خود جمع نہیں کرتے بلکہ تجمل بالکی و تقوی الضعیف و تعین علی نواشب الحق یعنی دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔

اور اگر تکسب متعدی بدو مفعول ہو تو ایک مفعول محذوف ہوگا، ای تکسب غیرہ المعدوم یعنی نادار و نایاب چیزیں دوسروں کو عنایت فرماتے ہیں۔

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تکسب المعدوم میں معدوم مفعول اول ہے بمعنی نادار اور مفعول ثانی محذوف ہوا ای تکسب المعدوم المال یعنی آپ نادار اور محتاج لوگوں کو مال عطا کر دیتے ہیں، چنانچہ بعض نسخوں میں پہلے معدوم کے معدوم بصیغہ اسم فاعل ہے، بمعنی محتاج نادار۔

بعض نسخوں میں لغز النار باب افعال سے بمعنی اعطار ہے اس صورت میں ترجمہ دی ہوگا جو مجرد متعدی بدو مفعول کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

تقوی الضعیف بفتح التا، آپ یہاں نوازی فرماتے ہیں و تعین علی نواشب الحق ماہ حق میں

مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔ نوائبِ ناسہ کی جمع ہے، ناسہ حادثہ کو کہتے ہیں، حق کی قید پڑھا کر باطل سے استرازا مقصود ہے کیونکہ نوائب و حوادث دونوں قسم کے ہوتے ہیں یعنی اگر حق کی وجہ سے کوئی مصیبت میں مبتلا ہو تو آپ مدد فرماتے ہیں لیکن اگر کوئی ناحق کام مثلاً چوری کرے جا رہا ہو یا کسی کا حق دبانے کی کوشش کر رہا ہو تو آپ اس میں اعانت نہیں فرماتے۔

بعض علما کی رائے یہ ہے کہ نوائب حق سے مراد آفاتِ مہادیہ ہیں مثلاً کثرتِ بارش کی وجہ سے مکانات کا منہدم ہو جانا، یا گرم ہوا کی شدت و زیادتی یا پالا وغیرہ کی وجہ سے باغات اور کھیتوں کا برباد ہونا وغیرہ۔ حاصل یہ ہے کہ آفاتِ مہادیہوں یا ارغی حق بجانب امور میں آپ مدد فرماتے ہیں۔

فانطلقت به عذیبتی حتی اذت جہ و رقتہ بن نوفل، الہ پھر خود پھر آپ کو درقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے۔

زمانہ جاہلیت میں دو شخص مکہ سے شام کی طرف تلاشِ حق کیلئے نکلے ایک زید بن عمرو بن نفیل (جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی صحید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد ہیں) دوسرے یہی درقہ بن نوفل، بالآخر زید بن ابراہیم پہنچے رہے، بیت اللہ پر پکڑ کر بچتے تھے، یارب اللہیت میں دین ابراہیم پر ہوں اور اپنے کو ملتِ ابراہیمی پر کہتے رہے، ان کا انتقال آنحضرت کی بعثت سے قبل ہو گیا۔

اور حضرت درقہ تلاشِ حق میں رہے آخر ان کو ایک راسب (عیسائی عالم) مل گیا جو صحیح دین عیسوی پر تھا اور درقہ نے دین عیسوی اختیار کر لیا۔

وكان يكتب الكتاب العبراني في الہ اور درقہ عبرانی زبان کے کاتب تھے یعنی انجیل کا ترجمہ عبرانی زبان میں لکھتے تھے، بعض روایت میں ہے یکتب کتاب العبرانی و یکتب من الہ انجیل بالعربیۃ (بخاری ص ۲۵۵) دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ حضرت درقہ عربی اور عبرانی دونوں زبانیں جانتے تھے اور دونوں زبانوں میں ترجمہ کرتے تھے، انجیل کی اصل زبان سریانی تھی، سوریہ کی طرف منسوب ہے، صور یا ملک شام کو کہتے ہیں، اور تورات کی اصل زبان عبرانی تھی یہ عبر کی طرف منسوب ہے، عبر یعنی عبرا عبوراء از باب نصر عبور کرنا، عبر کی طرف منسوب کر کے عبری اور کعبی خلاف قیاس الفنون زائد کر کے عبرانی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نرد سے بچ کر عراق سے دریائے فرات عبور کر کے شام کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں یہ زبان پیدا ہوئی اس لئے اسے عبرانی کہا گیا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت درقہ عربی اور عبرانی دونوں زبانوں کے ماہر تھے اس لئے انجیل کو سریانی زبان سے بعض کو عبرانی زبان میں اور بعض کو عربی میں ترجمہ کر کے دیا کرتے تھے۔ (شرح نووی ص ۲۵۵) بعض نے کہا ہے کہ اصل میں ہر آسمانی کتاب عربی میں نازل ہوئی تھی پھر عربی اپنی قومی زبان میں ترجمہ کرتے تھے، واللہ اعلم و علیہ التواکل۔

وکان شیخا کبیرا قد عی اشکال ہوتا ہے کہ جب نایاب ہو گئے تھے تو لکھتے کیسے تھے؟
جواب: نایاب ہونے سے قبل لکھتے ہوں گے۔

علا: یہ بھی ممکن ہے کہ منصف بھارت کو مٹی سے تعمیر کر دیا ہو اور ضعیف البصر ہونے کے باوجود لکھتے ہوں۔
علا: یہ تو جیہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی سے لکھواتے ہوں گے۔

فقال لہ عدیجۃ یا ابن عقر ان سے خرید کر لے کر آیا ہوا ہے میرے چچا کے بیٹے۔ مسلم شہ کی روایت
میں ہے ای عقر ایچھا علامہ نووی رحمہ اللہ نے تطبیق دی کہ ابن عقر تو واقعہ کے مطابق تھا کیونکہ واقعہ میں درقہ چچا
کے بیٹے تھے اور عقر کبر سنی کی وجہ سے احتراماً کہا، اور یہ عرب کی اصطلاح ہے۔

اسمع من ابن اخیک الخ اپنے بھتیجے کی بات سنئے، درقہ بن زفل حضور اقدس ص کے چچا نہیں تھے
مگر چونکہ اہل عرب ہر بڑے کو چچا بطور تعظیم اور ہر چھوٹے کو بھتیجا بطور شفقت کہتے ہیں اس لئے حضرت فرمادے
لے ابن اخ کہہ دیا۔

هذا الناموس الذي نزل الله على موسى یہ وہی راز داں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام
کے پاس وحی لیکر بھیجا تھا۔

ناموس کے معنی صاحب التور یعنی راز دار کے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہیں الناموس صاحب
التور الذي يطلع به بما يستقر عن غيره (بخاری منہج) یعنی وہ راز دار جو ان باتوں کو بتائے جنہیں سے
غیر سے چھپائے۔ اور اسی وزن پر ایک لفظ جاتوس ہے مگر جاتوس شرکار راز دار ہوتا ہے، اہل لغت
کوئی تفسیر نہیں کرتے اور یہی حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، لیکن علامہ علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ناموس اور جاتوس
میں تفرق ہے (مگر وہ)۔ یہاں ناموس ہے مراد جبریل علیہ السلام جبرئیل الناموس لان اللہ
خصه بالغیب والوحی۔

اشکال

حضرت درقہ دین عیسوی پر تھے تو انہیں نزل اللہ علی عیسیٰ کہنا چاہیے تھا؟
جواب: (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت مستقل تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے
اگرچہ توریت کے بعض احکام منسوخ کر دیے لیکن زیادہ تر توریت ہی کے احکام پر چلتے تھے، پس عیسیٰ ص کی
شریعت بمنزلہ تتمہ کے تھی مستقل شریعت نہ تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو موسیٰ ص
کی شریعت کے ساتھ تشبیہ دی گئی کیونکہ آپ کی شریعت سب سے زیادہ جامع اور مکمل ہے، جیسے توریت تمام
کتب سابقہ میں سب سے زیادہ جامع ہے توریت میں احکامات بکثرت تھے بخلاف انجیل کے کہ احکام کم تھے
اور زیادہ تر مواظظ و نصائح۔ لہذا آپ کی وحی کو موسیٰ ص کی وحی سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب تھا، قرآن مجید میں بھی
موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے انا اس سلنا الیک سورۃ شاحدا علیک کما ارسلنا الی ذہعون رسولہ
اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے موسیٰ ص کے زمانہ نبوت میں فرعون کو عرق کیا گیا اسی طرح حضور اکرم ص کا

فرعون ابو جہل بھی برابر ہوگا۔

۱۔ بعض روایات میں منزل علی عیسیٰ آیا ہے اس پر کوئی اشکال نہیں البتہ دونوں روایتوں میں تعارض کا اشکال پیش آئے گا۔ پس بوقت تعارض صحیحین کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

حافظ م نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ پہلے حضرت خدیجہ رضہ درقہ کے پاس تنہا گئی تھیں اور حالات بیان کئے تھے تو درقہ نے منزل اللہ علی عیسیٰ فرمایا، کافی دلائل النبوة لابی نعیم، اس لئے کہ لفظ موسیٰ اختیار کرنے میں جو اشارات تھے حضرت خدیجہ رضہ ان کے سمجھنے سے قاصر تھیں، بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیکر دوبارہ گئیں تو منزل اللہ علی موسیٰ فرمایا پس تبدیل الفاظ فہم مخاطب پر مبنی ہے۔

۲۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر یہود و نصاریٰ سب متفق تھے بخلاف حضرت عیسیٰ ؑ کے، کہ ان کو صرف نصاریٰ مانتے تھے۔

یالمیسنی فیما جذا عیا لیجی اکون حیا اذ یضخ حید خوملک کاش کہ میں آپ کے ایام دعوت میں سے نوجوان طاقتور ہوتا کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔

جذا عا بالزلل المعجر المفتوح ای شایا قویا۔

اؤ مخبر جی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ لوگ (میری قوم کے لوگ، مجھ کو نکال دیں گے؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی تعجب سے فرمایا، چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی ہیبت محبوبانہ گزری تھی، پوری قوم میں الصداق الامین سے مشہور تھے، قوم کے اندر آپ کے محاسن و فضائل کا یہ عالم تھا کہ اہم موقع پر حکم اور فیصلہ مانتی تھی، پھر جس کے اخلاق ایسے ہوں جو خدیجہ رضہ نے بیان کئے ایسے شخص کو لوگ نکال دیں گے؟

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی حیرت کا اظہار فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حیرت و تعجب پر درقہ نے جواب دیا۔

لعمیات رجل قط الخ ہاں جو شخص بھی اس طرح کی چیز (نبوت) لے کر آیا لوگوں نے اس سے دشمنی کا برتاؤ کیا، لہذا آپ کے ساتھ بھی دشمنی کا برتاؤ کریں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام جانا پڑا، موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے آپ کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آئے گا۔

اشکال وجواب | اؤ مخبر جی میں اشکال یہ ہے کہ ہمزہ استفہام کے بعد واو حرف عطف واقع ہے، ہمزہ استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے اور واو اپنے ماقبل معطوف علیہ کو چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ جملہ کا عطف حرف پر نہیں ہو سکتا تو اس عبارت پر وارد اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب ۱۔ یہاں ہمزہ اور واو کے درمیان ایک جملہ مخدوف ہے یعنی امعادى هو و مخبر جی کیا یہ لوگ مجھ سے دشمنی کرنے والے ہیں اور مجھ کو نکالنے والے ہیں؟

۵۔ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں داؤد مقدم اور ہمزہ مؤخر تھا اور اس جملہ کا عطف ماقبل کے جملہ پر ہے لیکن چونکہ ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے ہمزہ کو مقدم کر دیا گیا۔

ان حیدر گشتی بالجزم بان الشرطیہ یومذہ بالرفع فاعل یدرکنی ای یوم انتشار نبوتک انضرھ بالجزم جواب الشرط (رسلانی ص ۳۳۳) حضرت درقہ نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا یعنی آپ کی رسالت تک زندہ رہا تو آپ کی مضبوط مدد کروں گا۔ فقہ لعینیب ورقۃ ان توقی ای لم یلیث کبیر قھوڑے ہی زمانہ کے بعد حضرت درقہ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت درقہ کے ناجی اور مومن ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ جب نصرانی تھے تو اصل دین مسیحی پر کئے محرف دین پر نہ تھے۔

حضرت درقہ بن نوفل

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی کی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت درقہ نے ابتداء نبوت کا زمانہ پایا اور پورے یقین کے ساتھ نبوت کا اقرار کیا اور نصرة کا وعدہ کیا کہ اگر آپ کی نبوت کے شیوع تک زندہ رہا تو مضبوط اور زوردار مدد کروں گا۔ ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت درقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور بلاشبہ مومن مسلمان تھے لیکن لعینیب ورقۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت درقہ نے زمانہ دعوت نہیں پایا دعوت کا زمانہ فترۃ الوحی کے بعد بلا یھما المدثر قھوڑا اندس... تا والتجنہ فاحجر کے نزول سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت درقہ نبوت کے بعد اور رسالت سے پہلے ایمان لائے، حضرت درقہ کا ایمان زمانہ فترت کا ہے اس وقت دعوت نہ تھی، اس لئے حضرت درقہ مسلمان تو ہیں مگر انہیں صحابی کہنا مشکل ہے اگرچہ بعض علماء نے صحابی کہا ہے۔

انام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے، اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ اور غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور لڑکوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔

(جامع الدراری بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۴۹)

و فترۃ الوحی اور وحی بھی موقوف ہو گئی۔ فترت کے لغوی معنی تیزی کے بعد رک جانا، سست ہونا، اور کسی کام کا موقوف ہونا، یہاں موقوف ہونے کے معنی ہیں۔

قرآن مجید سورۃ مائدہ آیت ۱۹ میں بھی علی فترۃ الوحی سے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تقریباً پانچ سو اہم ہز برس کی مدت نبی سے خالی رہی انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ بند رہا، آیت مذکورہ میں فترۃ الوحی مراد ہے، اور مطلقاً جب زمانہ فترۃ بولا جاتا ہے تو اس سے وہی زمانہ مراد ہوتا ہے (یعنی درمیانی وقفہ)۔ اس حدیث میں فترۃ وحی مراد ہے۔

اس فترۃ الوحی کی مدت میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے چھ ماہ اور بعض نے ڈھائی سال کہا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے تین سال کا قول کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

قال ابن شہاب: یہ تعلیق نہیں ہے جیسا کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کو دہم ہو گیا، دراصل یہ تخیل ہے۔ تخیل کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ ابتدائی حصہ میں یعنی نیچے کی سندیں مختلف ہوں اور اوپر کی سند متحد ہو عام طور پر تخیل کی یہی صورت ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ ابتداء سند متحد ہو انتہاء سند مختلف یہاں یہی صورت ہے، امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر ابن شہاب تک سند متحد ہے اور ابن شہاب کے بعد سند مختلف ہے، مضمون سالیق کی سند میں ابن شہاب کے استاد عروہ ہیں اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں تو وہ حدیث سند عائشہ میں سے تھی، اور یہاں ابن شہاب کے استاد ابوسلمہ بن عبدالرحمن ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو یہ حدیث سند جابر رضی اللہ عنہ میں سے ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر ص ۴۹ میں ذکر کیا ہے۔

ابوسلمہ بفتح سین و اسمع عبداللہ التوفی بالمدينة سنة اربع و تسعين (قس)، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوسلمہ حضرت عبدالرحمن بن عوف احد العشرة المبشرة کے صاحبزادے ہیں اور جلیل القدر محدث تابعی ہیں، بہتر سال کی عمر میں ۹۲ھ مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ جابر نام ہے اور ابو عبداللہ یا ابو عبدالرحمن کنیت ہے یہ بھی صحابی ہیں اور ان کے والد حضرت عبداللہ انصاری خزرجی بھی صحابی ہیں جو سترہ عروہ اہل مدینہ شہید ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ان چھ صحابہ میں سے ہیں جو مکہ شریف فی الحدیث ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پندرہ سو چالیس حدیثیں مروی ہیں، صحیحین میں ان سے دو سو دس حدیثیں مروی ہیں، اٹھادو احادیث کی روایت میں حضرت شیحین متفق ہیں، بخاری میں ان کی چھبیس روایات ایسی ہیں جو مسلم شریف میں نہیں اور مسلم شریف میں ان سے کی ایک سو چھبیس روایات ایسی ہیں جو بخاری شریف میں نہیں، نابینا ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے ۷۸ھ یا ۷۹ھ یا ۸۰ھ ہجری میں وفات ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چوراسی برس تھی، مدینہ طیبہ میں وفات پائیوالے صحابہ میں آخری صحابی ہیں۔

وہو یحدث راجح قول یہی ہے کہ حق کی تمیز کا مرجع حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

وقالہ عبداللہ بن یوسف: امام بخاری رحمہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ موقع بموقع متابعت پیش کرتے ہیں اور خصوصاً جہاں کوئی تردد پیدا ہو رہا ہو مثلاً اس روایت میں لقد خشیت علی نفسي کے الفاظ میں جس کے مفہوم کے نہ سمجھنے کے باعث بعض لوگوں نے حدیث ہی کا انکار کر دیا، امام بخاری رحمہ اللہ نے متابعت پیش کر کے حدیث پاک کی تائید کر دی۔

متابعت کی دو قسمیں ہیں، متابعت تامہ، متابعت ناقصہ۔

متابعت تامہ یہ ہے کہ ابتداء سند ہی سے متابعت ہو یعنی اول راوی نے جس شیخ سے روایت حاصل کی

(۴) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُثْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جَبْرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى لَا تَحْرُكَ بِهِ لِسَانُكَ لَتَعْمَلُ بِهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ مِمَّا يُحْرَكُ شَفْتَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَإِنَّا نُحَرِّكُهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا وَقَالَ سَعِيدُ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُحَرِّكُهُمَا فحَرَكْتُ شَفْتَيْهِ فَانْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى لَا تَحْرُكَ بِهِ لِسَانُكَ لَتَعْمَلُ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ قَالَ جَمَعَهُ لَكَ صَدْرُكَ وَتَقْرَأَهُ فَأَذَا قُرْآنَهُ فَاتَّبَعَ قُرْآنَهُ قَالَ فَاسْتَمَعَ لَهُ وَأَنْصَبْتُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتِهِ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَن تَقْرَأَهُ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا أَنَا جَبْرِئِيلُ اسْتَمَعَ فَأَذَا انْطَلَقَ جَبْرِئِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ .

ترجمہ

ہم سے بیان کیا موسیٰ بن اسماعیل نے کہا ہم سے بیان کیا ابو عثمان نے کہا ہم سے بیان کیا موسیٰ بن ابی عائشہ نے کہا ہم سے بیان کیا سعید بن جبیر نے انہوں نے سنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ لا تحرك به لسانك لتعمل به لسانك جمعہ قرآنہ وقرآنہ لک صدرك وقرآنہ فاذ قرآنہ فاتبع قرآنہ قال فاستمع له وانصبت ثم ان علينا بيناته ثم ان علينا ان تقرأه فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك اذا انا جبرئيل استمع فاذا انطلق جبرئيل قرأه النبي صلى الله عليه وسلم كما قرأه .

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل قرآن سے سخت مشقت برداشت فرماتے تھے اور یاد کرنے کے لئے آپ اکثر لبہاے مبارک کو حرکت دیتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (سعید بن جبیر سے کہا) کہا میں ہونٹ ہلا کر تجھے بتانا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلاتے تھے اور سعید نے (لوگوں سے) کہا میں اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ہلاتے دیکھا پھر سعید نے اپنے دونوں ہونٹ ہلائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت نازل فرمائی لا تحرك به لسانك لتعمل به لسانك حبیب دہی کو جلد یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو نہ ہلایا کیجئے اس دہی کو آپ کے سینے میں جمع و محفوظ کر دینا اور اس کو پڑھو ادینا ہمارے ذمہ ہے و ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قرآن آپ کے سینے میں جمع کر دینا اور جب آپ چاہیں اس کی تلاوت آپ کی زبان سے کرا دینا ہمارا کام ہے پھر جب ہم اس کو پڑھیں (یعنی ہمارا نسخہ فرشتہ پڑھے) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خاموشی کے ساتھ سنتے رہیں پھر اس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے یعنی ہمارے ذمہ ہے اس کا آپ سے پڑھوانا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب جبرئیل (دہی لیکر) آتے تو آپ (چپکے) سنتے رہتے پھر جبرئیل (دہی) چلے جاتے تو ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح قرآن پڑھ دیتے جیسے جبرئیل (دہی) پڑھاتا تھا ۔

تعدد الحدیث

ہم کتاب الوجی ص ۳۲۷ فی فضاء القرآن ص ۵۲۷ فی التوحید ص ۱۱۲۔

بیان رجالہ

وہم خمسة حدثنا موسى بن اسمعيل قال الحافظ هو ابوسلمة التبوذكي وكان من حفاظ المصريين - وقال العلامة المعيني «الاول ابوسلمة موسى بن

اسمعيل الخ یعنی حضرت ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل جلیل القدر عظیم الشان محدث ہیں، امام بخاری اور ابوداؤد رحمہما اللہ وغیرہ کے شیخ ہیں، رجب ۲۳ھ میں بصرہ کے اندر انتقال ہوا۔

ابوعواصة بلغه العين المهد والنون واسم الوضاح بن عبد الله الشكري بضم الكاف الخ (عمرہ ص ۶)

خلاصہ یہ کہ ابوعواصہ بلغہ العین کنیت ہے اور کنیت ہی سے مشہور بھی ہیں وضاح بن عبد اللہ (بقشدید الضاد) نام ہے، ہجر جان کی جنگ میں گرفتار ہو کر آئے اور عرصہ تک یزید بن عطار واسطی کے غلام رہے وہ ان سے تجارت کرتے رہے بالآخر آزاد کر دیا۔ ان کی عظیم خوبی یہ رہی کہ غلامی کی حالت میں بھی علم دین کا شوق ایسا کامل تھا کہ مشکلات کے باوجود علمی جدوجہد میں مشغول رہے، حضرت حسن بصری رحمہ اور ابن سیرین رحمہ کی روایت و زیارت ان کو حاصل ہے، مات سنہ ست و سبعین و مائتہ وقیل خمس و سبعین (عمرہ ص ۶)

موسی بن جع عاقلہ ان کا نام موسیٰ ہے اور کنیت ابوالحسن ہے۔ والو عائشہ لا یعرف اسمہ۔

سعيد بن جبیر بضم الجیم فتح الباری، امام جمیع علیہ بالجلالة والعلو فی العلم والعلم فی العبادة قتله الحجاج صبرانی شعبان سنہ خمس و تسعين ولم یبش الحجاج بعده الا اياما ولم یقتل احد بعده الخ (عمرہ ص ۶)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر مشہور تابعی کبار علماء میں سے ہیں آپ کی کنیت ابو محمد اور لقب جہیز الحما ہے جس کے معنی پرکھنے والا، داناکے ہیں، آپ رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر شاگرد ہیں، آپ محدث مفسر اور فقیہ کے ساتھ ساتھ عابد، زاہد اور شب زنہ دار تھے۔ آپ انچاس برس کی عمر میں شعبان ۹۵ھ میں حجاج کے حکم سے شہید کئے گئے، ابن جبیر کی شہادت کے بعد حجاج کے پیٹ میں پھوڑا ہوا اور انتہائی تکلیف اٹھا کر جہیز میں مر گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق لہر الباری شرح بخاری کتاب التفسیر ص ۱۱۳۔

دیکھیے۔ اس روایت میں عن ابن عباس ہے اگرچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے متعدد اصحاب اسے تھے لیکن یہاں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں اسلئے کہ قاعدہ ہے المطلق اذا یطلق یزاد بہ الضم الکامل، جب کوئی لفظ مطلق بولا جائے اور کسی خاص معنی کیلئے کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو فوہ کامل مراد لیا جاتا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے تمام بھائیوں سے اعلیٰ الکمل اور اشر تھے اس لئے رجب بھی احادیث میں ابن عباس ہو تو وہاں عبد اللہ بن عمر اور ابن زبیر ہو تو عبد اللہ بن زبیر اور ابن مسعود ہو تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہی مراد ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ سب عبادہ اپنے بھائیوں سے اعلیٰ و افضل اور اشر ہیں۔

شروع میں جب حضرت جبیر بن عبد السلام رضی اللہ عنہ (قرآن مجید) لے کر آتے تو حضرت جبیر بن عبد السلام کے

تشریح

پڑھنے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یاد کرنے کے خیال سے وحی کو جلدی جلدی دہرائے کی کوشش فرماتے تھے تاکہ کھول نہ جائیں مگر اس صورت میں آپؐ کو سخت مشقت ہوتی، ایک تو خود وحی الہی کی مشقت، دوم یاد کرنے اور زبان مبارک کے ہلانے کی مشقت، سوم معانی پر غور کرنے کی مشقت، یہ متعدد مشقتیں ہو گئیں جو پیش آتی تھیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لا تخفف وجہ لسانہ الہ یعنی آپ اس وقت پڑھنے اور زبان ہلانے کی کوشش نہ کریں بلکہ آپ ہمہ تن قوی ہو کر سنئے یہ قرآن ہمارا کلام ہے جس غرض سے ہم اسے نازل کر رہے ہیں اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اسلئے نازل ہوئے والی وحی کو اطمینان و سکون سے سنئے اس کو یاد کر نیکی فکر آپ نہ کیجئے۔

يعالجه من التنزيل شدة - شدة مفعول ہے يعالج کا - يعالج معالج سے ہے جس کے معنی میں کسی چیز کو حاصل کرنے کیلئے مشقت اٹھانا، اس صورت میں شدة کا لفظ تاکید کیلئے ہو گا یعنی حضورؐ وحی کے نزول سے سخت مشقت برداشت فرماتے تھے وکان مما يحترق شفقتہ - معاً بمعنی رقباً ہے، اسی کثیر امایکجگ آپ اکشر لہجائے مبارک بلایا کرتے تھے۔

اشکال

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ تمام حروف تو شفوی نہیں ہیں بلکہ اکثر حروف ایسے ہیں کہ ان کی ادائیگی کے وقت تحریک شفقتین کی ضرورت نہیں پڑتی نیز تحریر یہ ہے کہ قرات کے وقت زبان اور ہونٹ دونوں متحرک ہوتے ہیں پھر روایت میں صرف تحریک شفقتین ہی کا ذکر کیوں ہے؟ اور آیت کریمہ میں صرف لسان کا ذکر کیوں؟ جواب ملے یہ ہے کہ شفقتین کا ذکر علی سبیل الالکفاء - باب الکتفاء میں امور متعدّدہ میں سے کسی ایک کو ذکر کر کے دوسری چیزوں کو حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد الہی ہے سوا مبل ققیکو الححر (سورہ نمل) اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ یہ کرتے صرف گرمی سے محفوظ رکھتے ہیں اور سردی سے حفاظت نہیں کرتے بلکہ مراد میں سردی بھی داخل ہے اسی طرح ارشاد فرمایا کما دبت المشاسق حالانکہ دبت المغارب بھی ہے اسی طرح یہاں روایت میں بھی شفقتین کے ذکر پر الکتفاء ہے اور لسان کو حذف کر دیا گیا۔ (عمدہ)

۲۔ یہاں بدر الوحی میں اختصار ہے یہ روایت بخاری شریف کتاب التفسیر میں متعدد طرق سے منقول ہے اور بدر الوحی میں بھی ہے اور اس کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے، اور یہ روایتیں بن ابی عاکشہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس کی سند سے مروی ہیں البتہ شیخ کے راوی مختلف ہیں۔

ابوعوانہ (کما فی بدر الوحی حدیث ۳۷) اور اسرائیل (کما فی التفسیر حدیث ۴۷) نے تو شفقتین کے ذکر پر الکتفاء کیا۔ اور صفیان کی روایت (کما فی التفسیر حدیث ۴۷) میں صرف لسان مذکور ہے۔ اور جریر کی روایت (کما فی التفسیر حدیث ۴۷) میں وکان مما يحترق وجہ لسانہ وشفقتہ یعنی لسان اور شفقتین دونوں مذکور ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب یہ تمام روایتیں حضرت ابن عباس رضی عنہ سے مروی ہیں اور تمام روایتوں میں صحابی کے شاگرد اور شاگرد کے شاگرد بھی ہیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل روایت میں لسان و شفقتین دونوں مذکور ہیں اور جس روایت میں ایک مذکور ہے وہ جملتہ ہے۔ اصل جواب تو یہی ہے اور کافی دشمنی ہے اسلئے اب روایت میں کوئی اشکال

اوالمی ادیحی کہ خمہ المشتمل علی الشفتین واللسان (فتح مص ۵۲)، یعنی تمام روایتوں کے مجموعہ سے مقدم یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زبان مبارک کو حرکت دیتے تھے جو لسان و شفتین پر مشتمل ہے۔

فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِنَّ عِبَّاسَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ يَتَّبِعُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَكَرْتُمْ تَحْتَ

اشکال یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ تحریک شفیقین کا واقعہ بالکل ابقہ اور وحی کا ہے اور ابن عباس رضی بھرت سے صرف تین سال قبل پیدا ہوئے تو آپ رضی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک شفیقین کیسے

رکھی؟

جواب: کسی دوسرے صحابی سے دیکھی ہوگی جس کا واسطہ چھوڑ دیا، تو یہ روایت مرسل ہوگی اور اسرائیل صحابہ بالاتفاق محبت میں، لان الصحابة كلهم عدول۔

ع ۱۔ علامہ قسطلانی رحمہ فرماتے ہیں کہ مسند ابوداؤد علیہ السلام میں حضرت ابن عباس رضی کی روایت بھی مصرح ہے۔
ولفظہ قال ابن عباس فانما احرقہ لک شمتی کما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرقہما۔
(رقص ص ۱۱۱)

اس روایت کی طرف حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے (فتح ص ۲۵)

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کسی وقت آنحضرتؐ سے سورۃ قیامہ کی آیات کی تفسیر سنی، اور آپؐ نے تحریک شفتین کر کے بتلایا، ابن عباسؓ نے سعید بن جبیرؓ سے یہ روایت بیان کرتے وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دی اور اسی طرح سعید بن جبیرؓ نے سب یہ روایت موسیٰ بن ابی علقمہؓ سے بیان کی تو حضرت سعیدؓ نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی، اسی وجہ سے اس حدیث کا نام مسلسل بتحرک الشفتین پڑ گیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معلم کو چاہیے کہ بروقت ضرورت قول کے ساتھ ساتھ معلم کے سامنے مضمون کی کیفیت بھی اپنے طرز ادا سے بیان کر دے تاکہ ادق فی النفس ہو جائے، کما قال النوروی رحمہ اللہ۔
لیں اس ضرورت میں حدیث کا مرفوع ہونا ثابت ہو گیا اب یہ روایت مرسل نہ ہوگی۔

فانزل اللہ تعالیٰ لا تخفدک بہ لسانک لتعجل بہ اس آیت کا تعلق مما یجردک شفقتیہ سے ہے اور فقال ابن عباس سے مخفدک شفقتیہ تک جملہ معتزہ ہے۔ اس آیت میں جب کہ تفسیر قرآن کی طرف راجع ہے اگرچہ اس سے قبل قرآن کا لفظ مذکور نہیں لیکن سابق آیت اس بات پر دلالت کرتا ہے اس لئے انصار قبل الذکر کا اعتراض وارد نہیں ہوگا جس طرح انا انزلناک فی لیلۃ القدس میں ہے۔

إِنَّ عَلَيْكُمْ جَمِيعَهُ وَهُوَ آتِمٌ
إِنْ عَسَا جَمِعَهُ وَهُوَ آتِمٌ

ایسا (ق)۔ یعنی اس آیت میں قرآن مصدر ہے یعنی کتاب اللہ کا علم نہیں ہے، اور مضاف الی المفعول ہے اور فاعل اس کا محذوف ہے، اصل عبارت ہوگی قرآن تک ایہ۔ قال جمعه لا مصدر یہ ابن عباس رضی کی تفسیر ہے اس کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں، اکثر روایات میں ہم اور عین کے فتح یعنی بصیغہ ماضی ہے اور مصدر کے کی راء فاعل ہر نیکی درج سے مرفوع ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا "آپ کے سید کا آپ کیلئے قرآن جمع کرنا" درحقیقت آپ کے مبارک سینے میں جمع کرنے والے باری تعالیٰ ہیں لیکن مصدر کی جانب جمع کی نسبت مجازی ہے جیسے کسی مسلمان کا قول انبت الربیع البقل، تو اس کی مراد ہوتی ہے انبت اللہ فی الربیع البقل۔ اور لام تعلیل کے لئے یا تین کے لئے ہے۔

دوسرے نسخہ ہے جمعه لا مصدر ہم ساکن اور عین مرفوع ہے اور جمع کا لفظ مصدر ہے، مصدر کے کی راء حسب سابق مرفوع ہے فاعلیت کی بنا پر۔ اور تفسیر النسخہ ہے جم مفتوح ہم ساکن اور لفظ فی زیادہ ہے یعنی فی مصدر علامہ قسطلانی رحمہ فرماتے ہیں وہو یوضح الاول (ارشاد الساری مثلاً) و تفسیر کا حضرت ابن عباس رضی قرآنہ کی تفسیر تفسیر کا سے کی یعنی آپ کو پڑھو ادینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

فاذا اخر انما یعنی جب ہم پڑھنے لگیں۔ اس جملہ میں حق تعالیٰ نے قرأت کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ اصل موعی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جبریل علیہ السلام حق تعالیٰ کی طرف سے مبلغ ہیں۔ فاتبع قما آتہ قرآن یعنی قرأت ہے یعنی آپ اس قرأت کی اتباع کیجیے۔

اتباع کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ جیسے متبوع کرے دیسے ہی تابع بھی کرے اتباع کی دوسری صورت یہ ہے کہ خاموشی سے سنتا۔ یہاں پہلے معنی مراد نہیں ہو سکتے یعنی جب ہم پڑھیں تو ہمارے ساتھ آپ بھی پڑھا کیجیے، یہ مراد نہیں کیونکہ اس سے تور کا جارہا ہے، پس اتباع کی دوسری صورت متعین ہوگی، اسی سے حضرت ابن عباس رضی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں فاستمع له وانصت یعنی آپ خاموشی کے ساتھ سنتے رہئے۔ یہ تفسیر فاتح خلف الامام کے عدم جواز پر دلیل قاطعہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے انما جعل الامام لیؤتوہ "حافظ رحمہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں، لیستبع۔ اور اتباع قرآن کے معنی یہ ہیں کہ خاموشی سے سنو جیسا کہ اوپر فاتح قما آتہ اور ابن عباس رضی کی تفسیر فاستمع له وانصت سے ثابت کیا گیا ہے۔ پس اگر اس حدیث انما جعل الامام لیؤتوہ کے آخر میں واذ اقموا فاصتوا کی زیادتی نہ بھی تسلیم کی جائے تو بھی اس حدیث سے ثابت ہو کہ فاتح خلف الامام جائز نہیں۔

ثواب علینا بیانہ حضرت ابن عباس رضی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں ثواب علینا ان تفسیر کا "حالانکہ بصیغہ یہی تفسیر اوپر قما آتہ کی گزر چکی ہے۔

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب قرآن اور بیانہ کی تفسیر ایک ہی ہے تو درمیان میں لفظ ثور

اشکال

کیوں ہے؟ کچھ تحریر سے کیا فائدہ؟

جواب: بعض نے کہا کہ کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے کہ اس نے قرآنِ احسنہ کی تفسیر کو بیانہ کی تفسیر میں رکھ دیا کیونکہ ان تفسیر کا قرآنِ احسنہ کی تفسیر ہے بیانہ کی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی روایت بخاری شریف کتاب التفسیر ص ۴۳۳ سنداً و مقاماً درست ہے اس میں بیانہ کی تفسیر ان تفسیر ہے۔

۲۔ پہلے فقرہ کا یعنی قرآنِ احسنہ کے تحت مذکور ان تفسیر کا میں قرأت لفظ مراد ہے اور دوسرے سے یعنی بیانہ کے تحت ان تفسیر کا سے مراد قرأت علی الناس ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے تین اشیاء کا ذکر فرمایا ہے آپ کے سینہ میں جمع کرنا، زبان سے پڑھنا، لوگوں پر بیان کرنا۔

یہ آیت سورہ قیامہ کی ہے اس صورت کو سورہ قیامہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس کی ابتداء ہی لفظ قسم سے شروع ہوتی ہے۔

اس آیت سے قبل اور بعد قیامت کا تذکرہ ہے مگر بظاہر اس آیت کا ماقبل و مابعد سے کوئی ربط و تعلق معلوم نہیں ہوتا، ربط کے

**آیت کریمہ لا تحزکوا بہ لسانکم الخ
کا ماقبل و مابعد سے ربط**

لحاظ سے یہ مقام اصعب المقامات شمار ہوتا ہے کیونکہ ان کا شان نزول جواہر عباسی نے بیان کیا ہے جو صحیح روایت ہے اس کے اعتبار سے ماقبل و مابعد سے بظاہر کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا، اسی بنا پر شیعہ اسے تحریف قرآن پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کلام اللہ کی آیات کا ربط انسان کی سمجھ میں نہ آئے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ جس طرح قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا صحیفہ قوی ہے اسی طرح یہ پورا عالم صحیفہ فعلی ہے لکھا قال الشیخ فرید الدین عطار رحمہ۔

اں خداوند سے کہ ہستی ذات اوست ہر دو عالم مصحف آیات اوست

صحیفہ فعلی کی ترتیب انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے مثلاً یہ کہ رفعت عظمت سے پہلے کیوں پیدا ہوا؟ شرف الدین ابو محمد سے پہلے کیوں مرا؟ وغیرہ۔ پس صحیفہ قوی کی ترتیب و ربط اگر سمجھ میں نہ آئے تو اس میں کیا بعد ہے؟ مجتہداً اس مقام پر مفسرین رب ربط کی بہت سی وجوہ بیان فرمائی ہیں جن میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) امام رازی رحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں ربط کی ضرورت ہی نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی استاد کسی مضمون کا افادہ کرتے وقت کسی شے کو کسی کام میں مشغول دیکھے یا کوئی مقرر اثناء تقریر میں کسی کی کوئی نامناسب چیز دیکھے تو اپنے مضمون کو قطع کر کے اس کو تنبیہ کرتا ہے پھر اپنا مضمون شروع کر دیتا ہے اس تنبیہ کا اصل تقریر کے ماقبل و مابعد سے تعلق و ربط ضروری نہیں ہے۔ یہ منظر حضرات مدرسین و طلبہ کے سامنے آتا ہی رہتا ہے، بالکل اسی طرح یہاں ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حرکت شقیں کرتے دیکھا گیا کہ آپ کو مشقت ہو رہی ہے، یاد کرنے کی زحمت کے ساتھ ساتھ مضمون کو سمجھنے کی فکر۔

اس لئے بطور حمد و معترضہ پیار و شفقت کے ساتھ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ اے محبوب آپ ایسا نہ کریں، یاد کرانے

اور مضمون کو سمجھنے سمجھانے کی ذمہ داری تو ہم پر ہے آپ کا کام صرف خاموشی کے ساتھ سننا ہے۔ اب لہجے مبارک کو حرکت دینا خواہ یا ذکر کرنے کی غرض سے ہر بالذات کلام کی وجہ سے، بہر حال درمیان میں تحریک شفقت سے منع فرمایا گیا، پھر وہی سابقہ مضمون شروع کر دیا گیا۔

(۲) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کیلئے دو کتابیں مقرر ہیں ایک کتاب الاحکام جس میں وہ احکام و قوانین مذکور ہیں جن کا بندوں کو مکلف بنایا گیا ہے یعنی قرآن مجید۔

دوسری کتاب الاعمال جس میں انسان کے کئے ہوئے اچھے بُرے سب اعمال لکھے جاتے ہیں جن پر حساب کا مدار ہے یعنی نامہ اعمال۔ ان دونوں کتابوں کا آپس میں تعلق ہے کیونکہ کتاب الاعمال کتاب الاحکام ہی کی وجہ سے ہے اگر کتاب الاحکام نہ ہوتی تو نہ حساب تھا نہ کتاب، تو چونکہ کتاب الاعمال کتاب الاحکام ہی پر مرتب ہوتی ہے اس لئے عادتہ اللہ یوں جاری ہے کہ جہاں ایک کتاب کا ذکر فرماتے ہیں وہاں دوسری کا ذکر بھی لے آتے ہیں، چنانچہ سورہ کہف میں آیت ۲۹ ہے:-

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوسِلَتْنَا مَالٌ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أُخْضِفَهَا وَجَدًّا وَمَا عَمِلُوا شِئْرًا
اور کتاب یعنی نامہ اعمال، سامنے رکھ دیا جائیگا تو آپ جرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ لکھا، ہر گز اس کے مضمون کو دیکھ کر ڈرتے ہوئے کہیں گے ہائے ہاری کہجی، یہ کیسی کتاب ہے کہ یہ ظہین کے ہونے کوئی چھوڑا مگنا، چھوڑا نہ بڑا اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب موجود پائیے گئے۔
اس آیت میں کتاب الاعمال (نامہ اعمال)، کا ذکر ہے، اس کے بعد آدم علیہ السلام کا قصہ مناسبت سے ذکر کیا اس کے بعد فرمایا:-

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْئٍ جَدًّا
اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے ہر قسم کے عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں مگر انسان بہت ہی جھگڑا رہے۔
(الکہف آیت ۲۵)

اس آیت میں کتاب الاحکام یعنی قرآن حکیم کا ذکر ہے، تو یہاں دونوں کتابوں کا ذکر فرمایا کیونکہ دونوں میں مناسبت ہی کیلئے کہ کتاب الاعمال کا ترتیب اسی کتاب الاحکام (قرآن) پر ہے۔ اسی طرح سورہ ظہر میں ہے:-

يَوْمَ يَفْعَلُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَ ثَوْدٍ
اس دن جب کہ صور پھونکا جائے گا اور ہم جرموں کو اس حال میں مبعوث کریں گے کہ ان کی آنکھیں دہشت کے کٹر، پھٹائی ہوئے ہوں گے۔

اب یہاں اعمال کے سلسلہ میں جرموں کے تذکرہ کے بعد اہل ایمان اور ان کے اعمال کا تذکرہ ہے:-

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلُمًا وَلَا هَضْمًا (ظہر آیت ۲۸)
جو نیک کام کرے اور ایمان بھی رکھتا ہو تو اسے نہ بے انصافی کا اندھ پن ہوگا اور نہ نقصان پہنچے گا۔

یعنی نہ اسکی کوئی نیکی منافع ہوگی، نہ ناکردہ گناہ میں پکڑا جائے گا نہ اسکے ثواب میں کوئی کمی ہوگی۔

یہاں تک تو کتاب الاعمال کا بیان ہے اس کے بعد کتاب الاحکام کا ذکر ہے۔

وَكَذَلِكَ اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ اَوْ يُحْذَرُونَ مِنْهُمْ
ذِكْرًا فَتَعْلَىٰ عَنْكَ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ
بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ
وَقُلْ رَبِّ شَرِّدْنِي عَنِ الْعُلَمَاءِ

اور ہم نے اسی طرح اسکو عربی قرآن کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے
مرحہ طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کیلئے
ذکر ہو کر غفلت سے بڑھ جائے اور
قرآن میں قبل اس کے کہ آپ پر اسکی وحی پوری نازل ہو چکے مجلّت نہ کیا کیجئے اور
آپ یہ دعا کیجئے اے میرے رب میرا علم بڑھا دے۔

الغرض جس طرح ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں کتاب الاعمال کے ساتھ ساتھ کتاب الاحکام کا ذکر ہے
اسی طرح یہاں سورۃ قیام میں بھی یُنَبِّئُ الْاِنْسَانَ یَوْمَئِذٍ یَوْمَئِذٍ جَمَاعًا مَرَدًا خَتَرَ مِیْنِ کِتَابِ الْاَعْمَالِ کا ذکر تھا
یعنی اس روز انسان کو سب اگلے پچھلے نیک کام ہوں یا بد جہنم دے رہا ہو جائیگا۔
یُنَبِّئُ کی صورت یہی ہوگی کہ نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔
چنانچہ ارشاد ربّانی ہے:-

وَنُخَاسِرُكَ لَعَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کِتَابًا یَلْقَاكَ
مَنْشُورًا اِقْرَأْ کِتَابَکَ کَمْ یَنْفُسُکَ الْیَوْمَ
عَلَیْکَ حَسِیْبًا۔ (بنی اسرائیل)

اور قیامت کے دن اسکا اعمال نامہ اس کے واسطے سامنے نکال کر رکھ دیئے
ہوئے ہوئے دکھلا ہوا دیکھو گا، اپنا اعمال نامہ پڑھ لے آج تو خود اپنا
آپ ہی محاسب کا ہے۔

اسی اصول کے تحت سورۃ قیام میں بھی یُنَبِّئُ الْاِنْسَانَ یَوْمَئِذٍ جَمَاعًا مَرَدًا خَتَرَ مِیْنِ کِتَابِ الْاَعْمَالِ کا بیان تھا
اسلئے لا تموتوا به لسانکم لتعجل به الخ میں کتاب الاحکام کا ذکر آیا۔
(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ فرماتے ہیں کہ پہلے سے ذکر آرہا ہے۔

یُنَبِّئُ الْاِنْسَانَ یَوْمَئِذٍ جَمَاعًا مَرَدًا خَتَرَ مِیْنِ کِتَابِ الْاَعْمَالِ کا اگلا پچھلا کیا ہو اسب جہنم دیا جائے گا۔
ماہِ قَدَمِ وہ چیزیں جو مومن کو کرنے کی تھیں اور ان کو مقدم کر دیا جیسے وقت سے پہلے نماز پڑھنا، عشاء سے پہلے
دُز پڑھنا، عدت گزرنے سے پہلے نکاح کرنا، اور ماخِر سے مراد وہ چیزیں ہیں جو پہلے کرنے کی تھیں ان کو مؤخر
کر دیا جیسے وقت گزر جانے کے بعد نماز پڑھنا، سجدہ کے بعد رکوع کرنا۔ حاصل یہ ہے کہ جس چیز کی تاخیر
مزدوری تھی اسکی تقدیم ممنوع اور قابل مواخذہ ہے، اسی طرح جس چیز کی تقدیم مزدوری ہے اس کی تاخیر بھی
قابل مواخذہ ہے، اگرچہ تقدیم و تاخیر اچھے کاموں ہی میں ہو لیکن شریعت کی مقرر کردہ ترتیب کے خلاف ہونے پر
مواخذہ ہوگا، مثلاً قیام کے بجائے رکوع و سجود میں قرآن پڑھنا، رکوع سے پہلے سجدہ کرنا۔

اسی طرح قرآن مجید کا سننا بھی عبادت، پڑھنا اور یاد کرنا بھی سب عبادت ہے لیکن شریعت مطہرہ نے ان
امور میں بھی ترتیب مقرر فرمادی ہے مثلاً جبرئیل علیہ السلام کی قرأت کے ساتھ پڑھنا بھی تقدیم و تاخیر تھا کیونکہ
قرأت قرآن کی اتباع استماع والفتات میں ہے، پس جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پڑھنا وہ چیز ہے جس کی تاخیر

ج ۵۲ ص ۵۳۸ و آخر ج مسلم ایضا۔

بیان رجالہ

وہم ثمانیۃ عبد آن و بفتح العین الہمز و سکون الباء الموحدة، لقب ہے ان کا نام عبد اللہ بن عثمان اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ حافظ ابن طاہر فرماتے ہیں کہ ان کا نام عبد اللہ بن عثمان اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے تو نام اور کنیت سے دو عبد جمع ہو گئے اس لئے ان کو عبد ان کہا گیا۔ بہر حال اصل میں تشبیہ تھا پھر علم ہو گیا اور اسی نام سے مشہور ہو گئے، امام مالک اور حماد بن زید رحمہما سے شرف تلمذ حاصل ہے امام بخاری اور امام ذہبی جیسے ائمہ حدیث ان کے شاگرد ہیں، بخاری شریف میں ان سے ایک سو دس حدیثیں مروی ہیں، چھبتر برس کی عمر میں ۳۲۱ھ میں وفات ہوئی۔

الخبر فی عبد اللہ، هو ابن المبارک بن واضح الحنظلی النبی، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ کی جلالت شان اور امامت پر اتفاق ہے علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں الامام المتفق علیہ، علی جلالتہ وامامتہ ووسعۃ وسخاۃ وعبادۃ، الثقة الحجة الثبت (عمہ)، یہ تبع تابعی ہیں محدثین کبار ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اکثر اوقات خلوت میں رہتے کسی نے کہا آپ کو وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا وحشت کیسی جبکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا ہوں یعنی حدیث میں مشغول رہتا ہوں۔ اسی لئے علامہ نے لکھا ہے کہ وہ خصال خیر کے مجموعہ تھے، اسماعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں رونے زمین پر ابن مبارک جیسا کوئی نہیں تھا میرے علم میں جتنے خصال خیر ہیں قدرت نے ان کے اندر جمع کر دی ہے۔ (جامع الدراری بحوالہ تہذیب ج ۵ ص ۳۸۶)

عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مبارک صحرا میں حدیث تھے (موفق ج ۲ ص ۲۵۷) امام بخاری رحمہ نے بھی رسالہ رفع یدین میں کہا کہ ابن مبارک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ولادت ۱۸۸ھ ایک غزوہ سے واپسی کے وقت مقام حبیت میں وفات ہوئی ترلیطہ برسی کی عمر میں۔ مقام ہیبت ہمارے کسرہ کے ساتھ عراق میں فرات کے کنارے ایک شہر کا نام تھا۔

ابو یونس بن یزید بن مشکان بن ابی العباد بکسر النون اللامی بفتح الہمز و سکون الباء، الخ (عمہ ج ۱ ص ۹۶) یونس بن یزید تابعی ہیں ۱۹۵ھ میں مصر میں وفات ہوئی، وہی یونس ستہ اوجہ صم النون و کسر ہاء و فتح ہاء الہمز و ذکر کہا و صم بلا ہمزہ الفصح (عمہ) عن الزہبی امام زہری رحمہما کا حال مقدمہ میں گزر چکا۔

ح و حد ثنا بشیر بن محمد اس روایت کی سند میں صحیح واقع ہوئی ہے اس لئے اس کے بعد واو تحویل لایا گیا ہے اس کی تفصیل ابھی آرہی ہے۔

بشیر بکسر الباء الموحدة والشین المعجمة۔ الساکنہ ابن محمد ابو عبد المروزی السخنیانی ردی عن البخاری منفرد اب عن باقی

الکتب الستہ تھا و فی التوحید و فی الصلوٰۃ وغیرہ ذکرہ ابن حبان فی ثقافته وقال کان مرجحات سنۃ اربع وعشرین و مائتین۔ (عمرہ)

خلاصہ یہ ہے کہ بخاری شریف کے علاوہ صحاح مسند کی کسی کتاب میں بشر بن محمد کی کوئی روایت نہیں البتہ امام بخاری رحمہ اللہ اس جگہ اور کتاب الصلوٰۃ وغیرہ میں ان سے روایت لی ہے۔

قال حدثنا عبد الله بن محمد بن عبد الله بن المبارك امير المؤمنين في الحديث مرسله آلفا۔

اخبرنا يونس ومعه موصوفه ابي خويلد - يونس کا حال گزر چکا۔ محمدر لفتح المبین و سکر العین ہر معمر بن راشد صحیحین میں معمر بن راشد صرف یہی ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا راوی معمر بن راشد نہیں ہے بلکہ صحیحین میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا راوی معمر نامی بھی نہیں، البتہ بخاری میں ایک راوی معمر بن یحییٰ بن سالم ضعیف ہیں مگر بعضوں نے کہا کہ وہ میم کی تشدید کے ساتھ ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ ان سے ایک روایت کتاب الغسل میں لی ہے۔

اور صحابہ میں متعزیرہ میں پھر صحیحین کے علاوہ کتب اربعہ میں معمر نام کے چھ آدمی ہیں (عمرہ الفاری ص ۲۹) وفات اٹھادس برس کی عمر میں ۳۵ھ (تقریب)

اس سلسلے میں احقر نے نصر الباری شرح بخاری کتاب المغازی ص ۲۲ میں بیان کر دیا ہے لیکن چونکہ یہ نصر الباری کی پہلی جلد ہے اور یہ سب

حار تحویل اور اس کا مقصد

پہلا موقع ہے جہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے تحویل کی ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پوری تفصیل جامع الدراری شرح بخاری سے نقل کر دوں جو حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی رحمہ اللہ نقالی سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ مدرسہ شاہی مراد آباد خلیفہ و حجاز قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی تالیف ہے اور یہ دراصل امداد الباری شرح بخاری کی تلخیص ہے۔

فائدہ

اس روایت میں ہے ح وحدثنا بشر اس داؤ کو داؤ تحویل کہا جاتا ہے یعنی ایک سند سے دوسری سند کی جانب منتقل ہونے کی علامت ہے عموماً اس کو بصورت ح ہملا مفردہ لکھا جاتا ہے اور بعض نسخوں میں یہاں بھی اسی طرح ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ح صحیح مسلم میں بہت اور بخاری میں کم ہے پھر یہ پہلا موقع ہے جہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے تحویل کی صورت اختیار کی ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کی دو یا دو سے زیادہ سندیں ہوں تو ہر ایک سند کو مکمل لائے میں طول ہو جانا ظاہر ہے اسلئے محدثین کرام طوالت سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ اولاً ایک سند کو مدار سند یعنی مشترک شیخ تک پہنچا کر لوٹ آتے ہیں، پھر دوسری اور تیسری سند اسکی شیخ تک پہنچاتے ہیں اور دونوں سندوں کے درمیان فصل کیلئے ح لے آتے ہیں تاکہ دیکھنے والوں کو متعدد سندوں پر ایک ہی سند کا گمان یا اشتباہ نہ ہو مثلاً روایت مذکورہ میں زہری پر مدار سند ہے اور زہری دونوں سندوں میں مشترک ہیں لہذا پہلے کہا حدثنا عبد الله بن محمد بن عبد الله بن المبارك امير المؤمنين في الحديث مرسله آلفا قال اخبرنا يونس ومعه موصوفه ابي خويلد - يونس کا حال گزر چکا۔ محمدر لفتح المبین و سکر العین ہر معمر بن راشد صحیحین میں معمر بن راشد صرف یہی ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا راوی معمر بن راشد نہیں ہے بلکہ صحیحین میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا راوی معمر نامی بھی نہیں، البتہ بخاری میں ایک راوی معمر بن یحییٰ بن سالم ضعیف ہیں مگر بعضوں نے کہا کہ وہ میم کی تشدید کے ساتھ ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ ان سے ایک روایت کتاب الغسل میں لی ہے۔ اور صحابہ میں متعزیرہ میں پھر صحیحین کے علاوہ کتب اربعہ میں معمر نام کے چھ آدمی ہیں (عمرہ الفاری ص ۲۹) وفات اٹھادس برس کی عمر میں ۳۵ھ (تقریب)

وَمَعَهُ مَخُودَةٌ عَنْ النَّبِيِّ هِيَ دُونُ مِائَةِ دِينَارٍ فِي شَتْرِكٍ بَيْنَ اسِّ كَيْلِ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ أَخْرَجَكَ دُولُ رَوَاتِلِ
میں سے۔

تحويل کی دو قسم ہیں اور یہ ہے کہ دلائل سندیں ابتداء میں علیحدہ علیحدہ ہوں اور آخر میں متحد ہوں جیسا کہ موجودہ روایت میں ہے اور اکثر تحويل کی یہی صورت ہوتی ہے۔

کبھی دو نزل سند ابتداء میں ایک ہوتی ہے آخر میں مغایر جیسا کہ اس باب کی تیسری حدیث یحییٰ بن کبیر والی روایت میں ابتداء سند ایک ہی ہے اور آخر میں علیحدہ علیحدہ ہیں جیسا کہ قال ابن شہاب کی شرح میں گزر چکا لیکن اس قسم کے تحویل بہت کم ہوتی ہے (فیض الباری ج ۱ ص ۳۶)

فائدہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تھول کی صورت میں الفاظ دقت آخری سند کے ہوتے ہیں اور شیخ عمرو بن الصلاح علامہ نووی کے شیخ فرماتے ہیں کہ متن یا تو آخری سند کا ہوتا ہے یا سند عالی کا، ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں دیکھی ہے کہ امام بخاری رحمہ علیہ العوم یہ عادت ہے کہ متن آخری سند کا ہوتا ہے کبھی اسکے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ اور امام محدثین کا دستور ویسی ہے جو ابن الصلاح نے ذکر کیا ہے (فیض الباری ص ۳۳)

فائدہ ح کے متعلق چھ اقوال میں جن کی تفصیل یہ ہے کہ اولاً تو اس میں اختلاف ہے کہ خار معجز ہے یا خار مہما ؟ جو لوگ خار معجز قرار دیتے ہیں ان میں بھی دو قول ہیں ایک تو یہ ہے کہ مخفف ہے الخ کا یعنی الی آخرہ، جب کسی طویل آیت یا حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے تو اس کا ابتداء الی حصہ لکھ کر الآیۃ یا الحدیث یا الخ لکھ دیتے ہیں اور مقصود ہوتا ہے الی آخر الآیۃ یا الی آخر الحدیث یا الی آخر السلام گویا الخ مخفف ہے الی آخرہ کا اور خ مخفف ہے الخ کا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے اسناد آخر کا لیکن علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کو دہم قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔
 وزعم بعضہم انہما مجملۃ فوہو (ارشاد الساری ص ۵۹) بہر کیف بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ خاتمہ ہے
 پھر ان میں بھی دو قول ہیں لیکن جماعت کثیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حار مہمل ہے یعنی بغیر نقطہ کی حار ہے پھر اس جماعت میں
 کبھی چار فرق ہیں۔

اول۔ مغارب کہتے ہیں کہ یہ الحدیث کا مخفف ہے لہذا یہاں پہونچکر الحدیث پڑھنا چاہیے۔
 ثانی۔ ابوالحسن لیلیٰ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ صحیح کا مخفف ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی تحریر میں کسی جگہ تردد و شبہ کا اندیشہ ہوتا ہے تو اس جگہ چھوٹا سا صحیح بنا دیتے ہیں جو محکم کی علامت ہوتی ہے اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ یہ عبارت بالکل صحیح ہے اس میں کسی قسم کا شک و تردد نہ کر دو مگر اس سے صرف تنقیہ مقصود ہے اس لئے اسکو پڑھنا نہیں جاتا چونکہ اس مقام پر بھی اشتباہ ہو سکتا تھا کہ شاید پہلی سند کا متن ساقط ہو گیا اس لئے ح لکھا گیا ہے جس میں رمز و اشارہ ہے صحیح کی جانب۔ بعض حفاظ اس کی جگہ صحیح لکھتے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ح صحیح کا مخفف ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ میں فرماتے ہیں وحسن اثبات صحیح لئلا یتوهم ان حدیث هذا الاسناد

جود و سخا میں فرق

اجود اسم تفضیل کا صیغہ ہے جاد یجود جوداً از باب نصر بخشش میں غالب ہونا۔
انا راغب نے جود کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں۔

اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی۔ جو چیز جس کے مناسب ہو اسے عطا کرنا۔ اور سخاوت کے معنی میں مالی تقسیم کرنا۔
اس اعتبار سے لفظ جود اپنے اندر بہت عموم رکھتا ہے یعنی یہ مال پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو اس کے مناسب چیز دینا جود ہے۔ بھوکے کو کھانا دینا، تنگے کو کھانا کھلانا جود نہیں ہے کیونکہ اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی نہ ہوا بلکہ فقیروں، ناداروں، مفلسوں کو اموال تقسیم کرنا، تشنگان علوم کیلئے افاضہ علم کرنا، کم کردہ راہوں کیلئے ہدایت کرنا یعنی ہر کام کو اپنے محل میں کرنے کا نام جود ہے اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جود الناس ہونا اظہر من الشمس ہے۔
جود دراصل ایک ملکہ و استعداد ہے اور سخاوت اس کا ثمرہ و اثر ہے۔ حضور اقدس م اپنے ملکات کے اعتبار سے تمام اہل کمال پر فوقیت رکھتے تھے، ارشاد نبوی ہے انا جود ولد آدم و جود ہم بعدی رجل علم علما فنشئ علمہ الا رفیع، یعنی تمام انسانوں میں سب سے بڑا سخی میں ہوں پھر میرے بعد وہ سب سے زیادہ سخی ہے جو علم حاصل کر کے اس کو پھیلائے۔

غلط فہمیوں کا ازالہ

عام طور پر ایک غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ جود و سخا کے معنی یہ سمجھ لئے جاتے ہیں کہ مال کثیر خرچ کیا جائے، دوسری غلط فہمی یہ کہ سخا اور جود کو اموال کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا

ہے ان دو غلط فہمیوں کی بنا پر شبہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کئی لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخی ہیں جیسے حاتم طائی وغیرہ کے واقعات مشہور ہیں۔

پس حقیقت یہ ہے کہ مال کثیر صرف کرنا یا جود نہیں ہے بلکہ کل مال سے مال مصروف کی نسبت کا اعتبار ہے مثلاً ایک شخص لاکھ پتی ہے اور وہ ایک ہزار روپیہ خیرات کرتا ہے اور دوسرے کے پاس صرف ایک روپیہ ہے اور وہ پورا روپیہ ہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے، بظاہر پہلا شخص سخی دکھلائی دیتا ہے کہ اس نے ہزار روپیہ خرچ کیا اور دوسرے صرف ایک روپیہ، مگر حقیقت میں دوسرا شخص زیادہ سخی ہے اسلئے کہ اس نے اپنا کل مال دیدیا جبکہ پہلے شخص نے اپنے کل مال کا ایک فیصد حصہ خرچ کیا ہے، یہ امر معقول ہونے کے علاوہ منقول بھی ہے، ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اہم کام کے لئے مال جمع کرنے کی ترغیب فرمائی ان آیات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس کافی مال تھا آپ آدھا مال لے گئے اور دل میں خوش ہو رہے تھے کہ آج صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غنیمت لے جاؤ لنگا، ادھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا کل اثاثہ لے آئے حضور اکرم م نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ آپ کتنا مال لائے ہیں؟ عرض کیا: "نصف" پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ کل مال حاضر خدمت ہے، آپ م نے فرمایا کہ گھر میں بچوں کے لئے کیا چھوڑا؟ "عرض کیا: "تو ترک اللہ و سوا سولہ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز سے مجھے یقین ہو گیا کہ میں کسی میدان میں بھی صدیق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پس اس موقع پر وجہ فضیلت میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ زیادہ مال کون لایا ہے بلکہ یہ امر ملحوظ تھا کہ کل مال کا کتنا حصہ لایا ہے۔
مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جاء ثلثۃ نفر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا اہم

کانت لی مائتہ دینار فتصدقت بعشرۃ فقال الآخر کانت لی عشرۃ فتصدقت بواحد وقال الآخر کانت لی دینار فتصدقت بعشرۃ ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلکوفی الاحبی سواء وکلکو تصدق بعشر ماله۔

اسی طرح جو دو سنا کو صرف مال کے ساتھ مخصوص سمجھنا غلط ہے کیونکہ یہ فیوض والوزار اور علوم و اسرار کو بھی شامل ہے جیسا کہ امام ربیع جوہر کے معنی بیان فرماتے ہیں ہوا عطاء ما یبغی لمن یبغی " پس جو دو سخا کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجود الناس ہونے میں کمی شبہ کی گنجائش نہیں۔

سوال و جواب

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ پکائے کی چیز نہ ہونے کی وجہ سے مدتوں آگ نہیں جلتی تھی، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ گزر جاتے اور ہمارے چولے میں آگ نہ جلتی، صرف کھجور اور پانی پر گذر ہوتا الخ کئی کئی دن کے فاقے ہوتے، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا تو اجود الناس کیسے ہوتے؟

جواب:- جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ فقدان اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا اور اسی جوہر کی وجہ سے تھا کہ جو کچھ آیا فوراً تقسیم کر دیا اور اس وقت تک گھر تشریف نہ لے گئے جب تک کہ وہ سارا تقسیم نہ ہو گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی کی روایت ہے کہ حضور اکرم م کے پاس بحرین سے مال آیا (بخاری ص ۲۲) ابن ابی شیبہ کی مرسل روایت میں ہے کہ وہ مال ایک لاکھ درہم تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ رقم مسجد کے ایک کونے میں ڈال دی گئی، اور نماز سے فراغت کے بعد حضور نے اسے تقسیم کرنا شروع فرمایا یہاں تک کہ سب تقسیم ہو گیا فسماخامرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحشد منہما دسماھو (بخاری ص ۲۲) یعنی جب تک ایک درہم بھی رہا حضور اکرم م وہاں سے نہ اٹھے۔ ایک مرتبہ نماز عصر کے بعد فوراً لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے گھر میں تشریف لے گئے سونے کا ایک ٹکڑا اٹھالائے اور فرمایا کہ ایک ایسی شے جو قابل تقسیم تھی گھر میں رہ گئی تھی، اور اس رقم کی چیزوں کا پیغمبر کے گھر میں رہنا مناسب نہیں۔

ایک عورت بڑے ہی اشتیاق کے ساتھ تبند لے کر حاضر خدمت ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رغبت کے ساتھ اسے قبول کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے استعمال فرمایا تو ایک صحابی رضی نے اسے دیکھ کر چھوڑا اور کہا بہت اچھا ہے، ان کے الفاظ سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کی تمنا رکھتے ہیں آپ م اسی وقت گھر تشریف لے گئے اور اپنا پرانا تبند پہنا۔ اور اسے نہ کر کے اس صحابی کو دیدیا، لوگوں نے انہیں ملامت بھی کی کہ تم نے یہ درست نہیں کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ ایک عورت انتہائی اشتیاق در رغبت سے لائی تھی اور آپ م نے بھی بڑی قدر کے ساتھ اسے قبول فرمایا لیکن تم نے فوراً ہی مانگ لیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس لئے مانگنا ہے کہ آپ م کے بدن مبارک سے اس تبند کا اتصال ہو چکا ہے میں اپنے کفن میں ایسے کپڑے کو دکھنا چاہتا ہوں جسے آپ کے بدن مبارک سے نسبت ہو۔ الغرض آپ کی توبہ حالت کفی کہ اگر کوئی مہرور تبند آپ سے سوال نہ کرتا مگر کسی اور طریقہ سے اسکی ضرورت واضح ہو جاتی تو اسے خود ہی پورا فرمادیتے اور اگر خود پورا نہ کر سکتے تو اس مہرور تبند کیلئے قرص لینے اور اگر قرص بھی نہ ملتا تو صحابہ رضی کو اس کی ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے، و نشردہ الغافل۔

ما قال لا قط اذ فی تشہد لا لولا التمشہد کان لاعدا لفرح

اس لئے آپ مکا اجماع الناس بلکہ اجماع الخلائق ہونا مسلم ہے۔

وکان اجماع ما یکون فی رمضان الا اور رمضان المبارک میں حبیب جبریل ؑ آپ سے ملاقات کرتے تو دوسرے اوقات کے مقابل میں، آپ کی سخاوت نقطہ عروج پر پہنچ جاتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر عظیم مبارک فرمایا ہے، اس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہوتا ہے، ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے، رمضان شریف کی ہر رات میں دس لاکھ آدمی جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں۔

اکثر متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ فی نفسہ سب زمان و مکان برابر ہیں، خالق کائنات نے سب کو یکساں بنایا، کسی زمانہ یا کسی مکان کو کسی دوسرے وقت و جگہ پر

فضل زمان و مکان

کوئی فضیلت و فوقیت نہیں البتہ کسی خاص امر عظیم کے کسی وقت و مقام پر جو جائے کی وجہ سے اس کو دوسرے اوقات و مقامات پر فضیلت ہو جاتی ہے۔

شیخ اکبر اور ابن قیم وغیرہ محققین فرماتے ہیں کہ قدرت ہی کی جانب سے بعض ازمہ اور امکان میں کچھ خصوصیات و دلالت کی گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ امور عظام اور وقائع ہمہ اس میں واقع ہوتے ہیں اور حکمت الہیہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ بہترین مقام اور ایسا کو بہترین چیزوں کیلئے منتخب کیا جاتا ہے پھر ان امور و وقائع کی وجہ سے ان کی فضیلت میں بھی اضافہ ہوتا ہے مثلاً یوم عاشورہ کے متعلق متکلمین کا خیال ہے کہ اس دن کو دوسرے ایام پر فی نفسہ کوئی فضیلت نہیں لیکن چونکہ اس دن بڑے بڑے امور عظام واقع ہوئے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نجات اور فرعون جیسے طاغی اور سرکش کی ہلاکت و عزت بائی وغیرہ وغیرہ، اس لئے اس میں خاص واقعہ کی وجہ سے خصوصی فضیلت آگئی۔

محققین فرماتے ہیں کہ اس دن میں قدرتی طور پر خاص استعداد رکھی گئی تھی، اس وجہ سے اس دن کو حکیم مطلق نے ان امور عظام کے لئے تجویز فرمایا جس کی وجہ سے اس دن کی فضیلت دو بالا ہو گئی، ایسے ہی البتہ القدر کو متکلمین کے نزدیک دوسری راتوں پر کوئی خاص فضیلت نہ تھی لیکن نزول قرآن اور کتب سادہ کی وجہ سے اس میں خاص فضیلت آگئی ہے۔

محققین کا ارشاد ہے کہ شب قدر میں تکوینی طور پر خصوصی عظمت و صلاحیت و فضیلت تھی اس لئے اس میں کتب سماویہ اور قرآن عظیم کا نزول ہوا۔ ایسا ہی خاند کعبہ کی جگہ کے بارے میں متکلمین کہتے ہیں کہ اس میں خاص فضیلت نہیں تھی چونکہ وہاں حج مشرور ہوا، مقدس لوگ وہاں حج کو جاتے ہیں اس لئے اس کی ایک خاص فضیلت ہو گئی۔

محققین فرماتے ہیں کہ اگر ساری جگہیں یکساں تھیں تو حج کے لئے اسی جگہ کو کیوں منتخب فرمایا و بقیہ مخلوق مایہ و یختار تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہے پسند کرے، اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اور حکمت کے معنی وضع الشیء فی محلہ میں یعنی جس چیز کے لائق جو محل ہو اس کو اسی محل میں رکھنے میں اسلئے ظاہر ہے کہ خداوند قدوس کسی امر عظیم کے لئے کسی محل یا کسی زمانہ کو چھانٹیں گے تو ضرور اس میں کوئی امتیازی شان ہوگی، عرف کلاب کو سونگھنے اور شیشی میں رکھنے سے فضیلت نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس میں خوبی تھی اس لئے اس کو بہترین محل میں رکھا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو ایک طویل تمہید کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں بہت تفصیل سے چھوٹی تقطیع کی زوائد العاد میں تقریباً پچیس صفحات میں بیان کیا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ یہ نکتہ اس کو تاہم میں کی فہم سے مادراء ہے جو اعیان و افعال اور ازمنہ و اماکن کو یکساں سمجھتا ہو کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت و مزیت حاصل نہیں، لیکن اس گمان فاسد کے خلاف چالیس گے زائد دلائل میرے پاس موجود ہیں جن میں نے دوسری جگہ و مناحی سے بیان کیا ہے اس جگہ اس فاسد نظریہ کےبطال کے لئے استاہی کافی ہے کہ اگر اسے مان لیا جاسے تو انبیاء علیہم السلام اور اعداء انبیاء (کفار، مشرکین، فرعون، ہامان) کی حیثیت ایک ہو جائیگی اور اس سے بڑھ کر جہل اور باطل بات کیا ہو سکتی ہے کہ مکان بیت الحرام تمام دیگر خطوں کے برابر ہے اور حجر اسود کا ٹکڑا کرۃ ارضی کے دوسرے پتھروں کی طرح ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی دوسرے انسانوں کے مساوی ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ باری تعالیٰ جانتے ہیں کہ وہ رسالت کسے عطا فرمائے یعنی ہر فرد تحمل رسالت کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اگرچہ نبوت وہی ہے کسی نہیں ہے لیکن اس کی اہلیت و صلاحیت کے لئے کچھ خصوصیتیں درکار ہیں جن میں نبوت و رسالت کا ثبوت ہوتا ہے اور ان کے بغیر یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی اور اور ان خصوصیتوں کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں وہی جانتا ہے کہ ان خصوصیات کا جامع کون ہے اسی لئے فرمایا اللہ یصلی من الملائکۃ رسلاً و من الناس۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بعض ازمنہ اور امکنہ کے فضائل تفصیل سے بیان کیا اور محققین کے مسلک کو خوب بسط کے ساتھ دلائل سے ثابت کیا، آخر میں منکھن کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہوا عظم جناحہ جناھا الممتلکون علی الشریعۃ (زوائد العادج امکنہ)۔ یہ اقایل و امثال منکھن کی ان بغوات میں سے ہیں جو انہوں نے شریعت پر افترا کیا اور اسکی جانب منسوب کر دی ہیں حالانکہ شریعت قطعاً ان بغوات و جہلات سے بری ہے اور ان منکھن کے پاس بعض عام امور میں مسادات کے سوا کوئی دلیل نہیں اور اس عمومی مسادات سے حقیقی مسادات بہر حال حاصل نہیں ہو سکتی الخ بلکہ رات دن کا مشاہدہ اس کے خلاف ہے مثلاً زید، عمر، بکر، شکل و صورت انسانیت، کھانے پینے، سونے، اٹھنے بیٹھنے میں مشترک ہیں لیکن پھر بھی یہ سب نہ تو ایک ہیں نہ یکساں، بہت سی چیزوں میں اختلاف ہے، و لہذا ظاہر جہداً و اللہ ولی التوفیق۔ (جامع التدراری بحوالہ زوائد العاد بڑی تقطیع ص ۱ تا ص ۱۸)۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں انزل اشرف الکتاب باشراف اللغات علی اشرف المسائل بسفاسف اشرف الملائکۃ و کان ذالک فی اشرف بقاع الارض و ابتدء انزالہ فی اشرف شہوس السنۃ و هو رمضان فکمل من کل الوجوہ۔

فیدارسہ الفضائل جبریل عآپ کے ساتھ قرآن کا دُر کر رہے۔ یہاں فعل مضارع کا صیغہ ہے مدارسۃ باب مفاعلتی سے جو جانیں سے ہونے کو مشعر ہے یہاں مراد دُر کرنا ہے۔ اس مدارسۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ مبارک کو کلام الہی سے خاص مناسبت ہے اسی وجہ سے اللہ جل شانہ کی تمام کتابیں اسی ماہ مبارک میں نازل ہوئیں، چنانچہ قرآن مجید پر الوح محفوظ ہے آسمان دنیا میں اسی ماہ شب قدر میں نازل ہوا اور بیت العزہ میں محفوظ

کر دیا گیا، اور بیت العزہ آسمان دنیا میں ایک جگہ کا نام ہے، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی قرآنی کی ابتداء
سترہ رمضان المبارک بروز دوشنبہ کو ہوئی، پھر تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت تیسرے برس کے عرصہ میں نازل ہوا، اس کے
علاوہ حضرت ابراہیم ع کے صحیفہ یکم رمضان کو نازل ہوئے، حضرت موسیٰ ع کو توریت، رمضان کو عنایت ہوئی، اور حضرت
عیسیٰ ع کو انجیل ۱۳ رمضان کو عطا ہوئی اور حضرت داؤد ع کو زبور ۱۸ رمضان کو ملی۔

فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجدوا بالخیر من المہاجیر المسلمین سلفہ الغرض رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لوگوں کو، کھلائی، پہنچانے میں چلتی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو رمضان المبارک اشرف الشہور (تمام مہینوں میں افضل و اشرف) اور آئیوے جبریل علیہ السلام
اور جو چیز لے کر آتے وہ تمام کتب سماویہ میں افضل و اشرف الکتاب اور جس کے پاس لائے وہ سید المرسلین و اشرف الخلق،
جب یہ ساری شرافتیں مجتمع ہو گئیں تو متعدد برکات کے اجتماع سے حضور اکرم ص کے صفت جود و سخا کے سمندر کا موجزن ہونا
اور آپ کے علوم و معارف کے بحر ناپیدا کنار کا جوش میں آنا ظاہر ہے۔

مطابقۃ الحدیث للترجمہ | غار حرا والی حدیث (یعنی باب کی تیسری حدیث) میں بدرمکانی کا ذکر ہے یعنی
آغاز وحی کا مکان بتلایا گیا تھا، اس حدیث میں بدر زمانہ مذکور ہے کہ سب سے
پہلے نزول وحی کا آغاز رمضان المبارک میں ہوا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔

(۶)

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُثَيْبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَثْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ
عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَفِينٍ بَنَ حَرْبَ أَنَّ هَؤُلَاءِ قُلُوبُ أَرْسَلِ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا
تُجَاوِرُ الشَّامَ فِي الْمَدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فِيهَا أَبَا سَفِينٍ وَكَفَارَ
قُرَيْشٍ فَأَتَوْهُ وَهَرَبَ بِأَيْلِيَاءَ فَنَدَّ عَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوَّلَهُ عِظَمَاءُ الرُّومِ ثَقَرْدَعَاهُمْ
وَدَعَا تَرْجُمَانَهُ فَقَالَ أَيْكُمُ اقْرَبُ نَسَبًا بِهَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يُزَعِّرُ أُمَّتَهُ نَبِيُّ قَالَ أَبُو
سَفِينٍ قُلْتُ أَنَا اقْرَبُهُمْ نَسَبًا فَقَالَ أَذْنُوكَ مِثِّي وَقَرَّبُوا أَصْحَابِيهِ فَأَجَلَوْهُمْ عِنْدَ
ظَهْرِهِ ثَقَرُ قَالَ لَتَرْجُمَانَهُ قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا مِنْ هَذَا الرَّجُلِ فَإِنْ كَذَبَنِي فَكُذِّبْتُ
فَوَاللَّهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْتِرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ ثَقَرُ كَانَ أَوَّلَ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ
قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فَيَكُمُ قُلْتُ هُوَ فِينَادُ وَنَسَبُ قَالَ فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلُ مِنْكَ أَحَدٌ قَطُّ
قَبْلَهُ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مِّثْلِكَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاشْرَفُ النَّاسِ أَشْجَوْه
أَمْ ضَعْفَاؤُهُمْ قُلْتُ بَلْ ضَعْفَاؤُهُمْ قَالَ أَيْزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ قُلْتُ بَلْ يَزِيدُونَ قَالَ
فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ سَخَطَةً لَدَيْهِ بَعْدَ أَنْ يَبْدَ كُلَّ فِيهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَهَمُونَهُ

بالكذب قبل أن يقول ما قال قلت لا قال فهل يغدر قلت لا ونحن منه في مدّة لا ندرى
 ما هو فاعل فيها قال ولم تكن كلمة أدخل فيها شيئاً غير هذه الكلمة قال فهل قالتوه
 قلت نعم قال فكيف كان قتلكم أياها قلت الحرب بيننا وبينه سجال يتال منا ونال منه قال
 ماذا يا مكر قلت يقول اعبدوا الله وحده ولا تشركوا به شيئاً واشركوا ما يقول آباءكم
 ويأمرنا بالصلاة والصدق والعفاف والصلة فقال للترجمان قل له سألتك عن
 نسبه فذكرت أمه فيكم ونسب وكذلك الرسل تبعث في نسب قومها وسألتك هل
 قال أحد منكم هذا القول فذكرت أن لا قلت لو كان أحد قال هذا القول قبله لقلت
 رجلاً يائس بقول قيل قبله وسألتك هل كان من آباءه من ملك فذكرت أن لا
 فقلت فلو كان من آباءه من ملك قلت رجلاً يطلب ملك أبيه وسألتك هل كنتم تتهمونه
 بالكذب قبل أن يقول ما قال فذكرت أن لا فقد أعرف أنه لم يكن ليذكر الكذب على الناس
 ويكذب على الله وسألتك أشراف الناس اتبعوه أم ضعفاؤهم فذكرت أن ضغفهم
 اتبعوه وهم أتباع الرسل وسألتك أيزيدون أم ينقصون فذكرت أنهم يزيدون
 وكذلك أمر الإيمان حتى يتم وسألتك أيزدت أحد سخطه لدينه بعد أن يدخل
 فيه فذكرت أن لا وكذلك الرسل الإيمان حين تحالط بشاشته القلوب وسألتك
 هل يغدر فذكرت أن لا وكذلك الرسل لا تغدر وسألتك بما يا مكر فذكرت أنه
 يا مكر أن تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وبينها كرم عن عبادة الأوثان ويا مكر بالصلاة
 والصدق والعفاف فإن كان ما تقول حقاً فسيملك موضع قد في هاتين وقد كنت
 أعلم أنه خارج ولم أكن أعلم أنه مكر فلو أتي أعرفني أخلص إليه كنتجست
 لقاءه ولو كنت عنده لغسلت عن قدميه ثم دعا بكتاب رسول الله صلى الله عليه
 وسلم الذي بعث به مع وحية الكعبى إلى عظيم بصري فدفعه عظيم بصري إلى
 هرة قل ففعلها فاذ فيه بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله وسأله إلى
 هرة قل عظيم الترومر سلاماً على من اتبع الهدى أما بعد فإني أدعوك بدعاية الإسلام
 أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين فإن توليت فإن عليك الله الفيريسيين
 ويا أهل الكتب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن لا نعبد إلا الله ولا نشرك به
 شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً أرباباً من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون
 قال أبو سفيان فتمما قال ما قال وفرغ من قراءة الكتاب كثر عنده الصخب فارتفعت
 الأصوات وأخبر جينا فقلت له ما جرى حين أخبر جينا لقد أخبرنا ابن أبي كبشة أنه

یخافہ مملک بنی الاصفہ فما زلت موقناً حتمہ سیظهر حتی ادخل اللہ علی الاسلام وكان
ابن الناطوس صاحب ایلیاء وهرقل سقفت علی نصاری الشامیحدث ان ہرقل حين قدم
ایلیاء اصبح یوما خبیث الشمس فقال بعض بطارقته قد استنکسناہیأ تلتك قال ابن
الناطوس وكان هرقل حراً یبسط فی النجوم فقال لہرحین سالوا انی رايت اللیلۃ حین
نظرت فی النجوم مملک الجنان قد ظہر فممن یختلن من ہذا الامۃ قالوا لیس یختلن الا
الیهود فلا یہممتک شافتمو واکتب الی مدائن مملک فلیقتلوا من فیہم من الیہود فبینا ہم
علی امر ہرقل انی ہرقل برجل ارسل بہ مملک غسان یخبر عن خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فلما استخبرہ ہرقل قال اذہبوا فانظروا اممختن ہوا ام لا فظنوا الیہ فحدثوا
انہ امختن وسالہ عن العرب فقال ہم یختنون فقال ہرقل ہذا مملک ہذا الامۃ
قد ظہر ثم کتب ہرقل الی صاحب لہ برومیۃ وكان نظیرک فی العلم وصار ہرقل الی حمص
فلدیوم حمص حتی اتاہ کتاب من صاحبہ یوافق سائی ہرقل علی خروج النبی صلی
اللہ علیہ وسلم واتہ نبی فاذن ہرقل لعظماء الروم فی دسکرت لہ بمحص ثم
امر بابوابہا فغلقت ثم اطلع فقال یا معشر الروم هل لکم فی الفلاح والرشد وان
یثبت مملکم فتبا لہوا ہذا النبی فخاصوا حیصۃ حمص الوحش الی الابواب فوجدوا
قد غلقت فلما رای ہرقل لفرقتہم وایس من الایمان قال ردوہو علی وقال
انی قلت مقالی انما اختبر بہا شدتکم علی دینکم فقد رايت فسجدوا لہ ورضوا
عنہ فكان ذلک اخر شای ہرقل قال ابو عبد اللہ س والاصالح بن کیمان و یونس
ومعمر عن الزہری

عن

(۱) بخاری رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الیمان حکم بن نافع نے بیان کیا، حکم نے کہا کہ ہم کو خبر دی شعیب

نے زہری سے روایت کرتے ہوئے زہری نے کہا خبر دی تھی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے

ترجمہ

کہ ان سے عبد اللہ بن عباس رحمہ نے بیان کیا کہ انہیں ابوسفیان بن حرب رحمہ نے خبر دی کہ ہرقل نے انہیں اس وقت بلایا
جبکہ وہ قریش کے ایک قافلہ میں تھے، قریش کے یہ لوگ شام میں لغرض تجارت آئے ہوئے تھے اس زمانہ میں جس میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور کفار قریش سے ایک مدت کے لئے مصالحت فرمائی تھی چنانچہ یہ لوگ
ہرقل کے پاس پہنچے اس وقت ہرقل مع مصاحبین ایلیا میں تھے ہرقل نے ان لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا اور اس کے
ارد گرد روم کے بڑے بڑے لوگ تھے پھر ہرقل نے ان کو اپنے قریب بلایا اور اپنے ترجمان کو بھی بلایا پھر ہرقل نے بڑا بڑا
ترجمان سوال کیا (اے عرب والو) تم میں سے اس مدعی نبوت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان
نے کہا میں ان سب لوگوں سے زیادہ نسب میں ان کے قریب ہوں تو ہرقل نے کہا اس (ابوسفیان) کو میرے قریب کر دو

اور اس کے نتیجے نزدیک ہی اس کے ساتھیوں کو بھی بیٹھا دیا پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس (ابوسفیان) سے اس شخص کا پیغمبر صاحب کا کچھ حال پوچھتا ہوں اگر یہ تجھ سے جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا، ابوسفیان نے کہا قسم خدا کی اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ جلسہ اسٹھنے کے بعد میرے اس جھوٹ کو لوگوں میں بیان کرینگے تو میں آپ کی نسبت ضرور غلط بیانی کرتا، پھر پہلی بات جو ہر قتل نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ اس شخص کا خاندان کیسا ہے تم لوگوں میں؟ میں (ابوسفیان) نے کہا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے، کہنے لگا اچھا پھر یہ بات (کہ میں پیغمبر ہوں) ان سے پہلے تم لوگوں میں سے کسی نے بھی کہی؟ (ابوسفیان کہتے ہیں) میں نے کہا نہیں، ہر قتل نے کہا کیا ان کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ میں (ابوسفیان) نے کہا نہیں، ہر قتل نے پوچھا اور کچھ طبقے کے لوگوں نے ان کی اتباع کی ہے یا کمزور لوگ؟ میں نے کہا کمزور لوگ، ہر قتل نے پوچھا ان کے متبعین (روز بروز) زیادہ ہو رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟ میں نے کہا بلکہ بڑھتے جا رہے ہیں، ہر قتل نے کہا کیا ان کے متبعین میں کوئی شخص (میں میں داخل ہونے کے بعد اس دین سے ناامنی ہو کر مرتد ہوتا ہے؟) یعنی دین سے پھر جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، ہر قتل نے کہا کیا اس (دعوائے نبوت) سے پہلے تم انہیں جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا نہیں، ہر قتل نے کہا کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں، لیکن اب ہماری ان سے (معاملات) کی، ایک مدت ٹھہری ہے معلوم نہیں کہ وہ اس میں کیا کرتے ہیں (یعنی عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟) ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس بات کے سوا کوئی دوسرا امثالہ آمیز کلمہ میں اس گفتگو میں شامل کرنے کا موقع نہ پاسکا، ہر قتل نے کہا کبھی تم لوگوں نے ان سے جنگ بھی کی ہے؟ میں نے کہا ہاں، ہر قتل نے پوچھا پھر تمہاری اس کی جنگ کا نتیجہ کیا رہا ہے؟ میں نے کہا لڑائی ہمارے اور ان کے درمیان ڈول کی طرح رہی کبھی وہ ہم سے میدان جنگ لے لیتے ہیں اور کبھی ہم (یعنی کبھی وہ غالب رہتے ہیں اور کبھی ہم) ہر قتل نے پوچھا وہ تمہیں کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا وہ کہتے ہیں کہ ہر ایک الشریک عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑ دو اور میں نماز پڑھنے، حج بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اس کے بعد ہر قتل نے ترجمان سے کہا کہ اس (ابوسفیان) سے کہہ دو کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے متعلق دریافت کیا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں عالی نسب ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ انبیاء کرام عدا ہمیشہ اپنی قوم کے عالی نسب ہی میں کیسے جاتے ہیں اور میں نے تجھ سے پوچھا کہ یہ بات تم میں سے کسی نے اس سے پہلے بھی کہی ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں، اب میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر یہ بات (دعوائے نبوت) ان سے پہلے کسی نے کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ ایسا شخص ہے جو اقتدار کر رہا ہے اس بات کی جو اس سے قبل کہی جا چکی ہے، اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ تم نے بتلایا کہ نہیں، تو میں نے (اپنے دل میں) یہ کہا کہ اگر ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص پیغمبر کا مہار ہو کر کے، اپنے باپ کے ملک و اقتدار کا طالب ہے، اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا اس سے دعوائے نبوت سے پہلے تم انہیں متہم بالکذب سمجھتے تھے؟ تو تم نے کہا کہ نہیں، تو اب میں نے سمجھ لیا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں پر تو دروغ گوئی سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے (کہ اللہ نے مجھ کو رسول بنایا) اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا بڑے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟ تو تم نے بیان کیا کہ کمزوروں نے ان کی پیروی کی ہے

در حقیقت انبیاء علیہم السلام کے ابتدائی پیروکار ایسے ہی ہوتے ہیں، اور میں نے تم سے پوچھا کہ وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے بتایا کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور اسی طرح ایمان کا معاملہ ہے یہاں تک کہ وہ باپہ تکمیل کو پہنچ جائے اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کوئی اس دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو بڑا سمجھ کر پھر جاتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں، اور یہی ایمان کا حال ہے کہ جب اسکی بشاشت دلوں میں پیوست ہو جاتی ہے (تو پھر نہیں نکلتی)، اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ کبھی عہد و پیمان کے خلاف بھی کرتے ہیں؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں، انبیاء و رسل ایسے ہی ہوتے ہیں کہ عہد شکنی اور فریب نہیں کرتے ہیں، میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو تم نے یہ بتایا کہ وہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو مشرک نہ ٹھہراؤ اور بتوں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور نماز و سچائی اور پاکدامنی کا حکم فرماتے ہیں پس اگر تمہاری یہ باتیں سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا بھی مالک ہو جائیگا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی ملک شام کا بھی حاکم ہو جائے گا، اور یہ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آئے والے ہیں لیکن میرا خیال یہ نہیں تھا کہ وہ پیغمبر تم میں سے ہوں گے پس اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ان کی خدمت میں (یعنی مدینہ منورہ میں) ہوتا تو ضرور بذات خود ان کے پاؤں دھوتا، اس کے بعد ہر قل نے رسول اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی منگوایا جس کو آپ نے وحی کبریٰ کی معرفت (رسول میں) عظیم بھری (حارث بن شمر غسانی) کے پاس ارسال فرمایا تھا پھر عظیم بھری نے وہ نامہ مبارک ہر قل کو دیدیا ہر قل نے اس مکتوب گرامی کو پڑھا اس میں لکھا تھا۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یہ خط ہے ہر قل کے نام جو رومیوں کا رئیس اعظم ہے جو راہ ہدایت کی اتباع کرے اس کو سلام، اس کے بعد میں کچھ کو اسلام کی دعوت یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی طرف بلاتا ہوں مسلمان ہو جاؤ سلامت رہیگا (دنیا میں بھی آخرت میں بھی) اللہ تمہیں دوسرا ثواب دے گا پھر اگر تو نے رد کردی تو (تو تمہاری) رعایا کا گناہ بھی تیرے اوپر ہو گا اور اسے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنائے پھر اگر وہ (اس دعوت ایمان و توحید کو) نہ مانیں تو (اے مسلمانو) تم ان سے کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم ایک خدا کے تابعدار ہیں۔ ابوسفیان رضی کا بیان ہے کہ جب ہر قل کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا اور مکتوب گرامی کی قرأت سے فارغ ہو گیا تو اس کے پاس بہت شور و شغب ہوا اور آوازیں بلند ہوئیں اور ہم باہر نکال دئے گئے تو میں (ابوسفیان رضی) نے اپنے رفقا سے کہا کہ ابن ابی کبشہ کا معاملہ تو بہت بڑھ گیا ہے کہ اس سے بنی اسفہر (شام) (رم) خائف ہے (ابوسفیان کہتے ہیں کہ) اس دن سے مجھے برابر یقین رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب غالب ہو کر رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اسلام کو مسلط کر دیا (امام) پری کہتے ہیں کہ، اور ابن ناظر جو انبیاء کا حاکم اور ہر قل کا مصاحب شام کے نصاریٰ کا لاٹ پادری تھا بیان کرتا تھا کہ ہر قل جب انبیاء (میت المقدس) میں آیا تو ایک روز صبح کے وقت کبیدہ خاطر اس اٹھا تو اس کے بعض مصاحبین نے دریافت کیا کہ ہم آج آپ کی صورت متغیر دیکھ رہے ہیں (کیا وجہ ہے؟) ابن ناظر کا بیان ہے کہ ہر قل کا ہن (نخچی) بھی تھا علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا

جب لوگوں نے اس سے پوچھا (کہ آپ رنجیدہ پریشان حال کیوں ہیں؟) تو ہرقل نے کہا کہ آج کی رات میں نے ستاروں پر نظر کی تو دیکھا کہ غنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب ہو چکا ہے (پس بتلاؤ) اس زمانہ میں کون لوگ غنہ کرتے ہیں؟ معاصین نے کہا یہودیوں کے سوا کوئی غنہ نہیں کرتا سوان کا معاملہ آپ کو غمزہ نہ کرے (یعنی ان یہودیوں کی وجہ سے آپ فکر نہ کریں) آپ اپنی حکومت کے تمام شہروں کے حکام کے پاس یہ حکمانہ لکھ بھیجے کہ وہاں جتنے یہودی ہیں سب قتل کر دے عایشہ ابھی لوگ ان ہی باتوں میں مشغول تھے کہ ہرقل کے پاس ایک شخص لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و خبر بیان کرتا تھا پس جب ہرقل نے اس سے احوال دریافت کر لیا تو اپنے خدام سے کہا اسے لیجاؤ اور دیکھو کہ وہ غنہ شدہ ہے یا نہیں؟ چنانچہ ان لوگوں نے دیکھا تو بتایا کہ وہ غنہ کیا ہوا ہے اور ہرقل نے اس شخص سے اہل عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ غنہ کراتے ہیں پھر ہرقل نے کہا یہی رپیہ صاحب (اس وقت کے بادشاہ ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں) پھر ہرقل نے رومیہ کے اپنے ایک دوست (ضخا طر) کو لکھا جو علم نجوم میں ہرقل کا ہم پلہ تھا اور ہرقل خود محض چٹا گایا ابھی محض سے نکلا نہیں تھا کہ اس کے دوست (ضخا طر) کا خط (اس کے جواب میں) آ گیا اس کی رائے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کے موافق تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی پیغمبر ہیں، اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محض کے ایک محل میں بلایا (جب وہ آگئے تو) تمام دروازوں کو بند کر دیا، اس کے بعد اوپر سے سرنالکھ خطاب کیا اے روم والو کیا تم اپنی کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو؟ اور یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت قائم رہے؟ تو اس نبی کے ہاتھ پر بیعت کر لو، یہ سننے ہی وہ لوگ نیل گایوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے مگر دروازوں کو بند پایا، پھر جب ہرقل نے دیکھا کہ انہیں ایمان سے نفرت ہے اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا کہ ان لوگوں کو میرے پاس دالیں بلاؤ، جب وہ دالیں آگئے تو ہرقل نے ان سے کہا ”ابھی میں نے تم سے جو بات کہی تھی اس سے تمہاری دینی پختگی اور مضبوطی کی آزمائش مفقود تھی سو وہ میں نے دیکھ لی، یہ بات مسکرتب کے سب ہرقل کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور اس سے راضی ہو گئے پس یہ ہرقل کا آخری حال ہوا۔

(۱۱) بخاری رحم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو صالح بن کیسان اور یونس اور معمر نے بھی شعیب کی طرح زہری سے

روایت کیا ہے۔

تجدد الحدیث

یہ حدیث حدیث ہرقل کہلاتی ہے، امام بخاری رحم نے اس حدیث کو صحیح بخاری میں چودہ جگہ ذکر فرمایا ہے، تین جگہ مفصل اور گیارہ جگہ اختصار کے ساتھ کچھ کچھ نکٹے۔

مفصل ایک تو یہی کتاب الوحی کی آخری حدیث ص ۱۰۴ تا ۱۰۵ (۲) کتاب الجہاد ص ۱۱۳ تا ۱۱۴ (۳) کتاب التفسیر

ص ۶۵۳ تا ۶۵۴

مختصر ۱۔ (۳) کتاب الایمان ص ۱۳، (۵) ص ۳۶۸، (۶) ص ۳۹۳، (۷) ص ۴۱۸، (۸) ص ۴۱۸، (۹) ص ۴۵۰

(۱۰) ص ۸۸۳، (۱۱) ص ۹۲۶، (۱۲) ص ۱۰۶۸، (۱۳) ص ۱۰۶۸، (۱۴) ص ۱۱۲۵،

علامہ عینی رحم فرماتے ہیں ”قال الکرمانی قد ذکر البخاری حدیث ہرقل فی کتابہ فی عشرة مواضع قلت ذکرہ فی اربعہ عشر

موضعاً الی (عمرہ ج ۱ ص ۸۲)

اہم مسلم نے مغازی میں پانچ شیوخ سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ابو داؤد نے ادب میں، ترمذی نے استیذان میں، نسائی نے تفسیر میں اور ابن ماجہ میں یہ روایت نہیں ہے (عمرہ ص ۸۲)

بیان رجال

دہمۃ الاول ابو الیمان بفتح الیاء وتحفیف المیم واسم الحکم بفتح الحاء المہملۃ والکاف الی (عمرہ) ابو الیمان کنیت اور نام حکم بن نافع ہے مگر مشہور کنیت کے ساتھ ہی، صحاح ستہ میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا راوی حکم بن نافع نہیں ہے ولادت ۱۳۵ھ میں ہے اور وفات تراشی برس کی عمر میں ۲۲۱ھ یا ۲۲۲ھ میں بمقام حمص ہوئی۔

والثانی شعیب بن ابی حمزۃ واسم ابیہ دینار ستر برس سے زیادہ عمر میں ۱۷۶ھ یا ۱۷۷ھ میں وفات ہوئی صحاح ستہ میں ان کے علاوہ شعیب بن دینار نام کا کوئی دوسرا راوی نہیں ہے (عمرہ) والثالث الزہری اس باب کی تیسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

والرابع عبید اللہ بن عبد اللہ یہ جلیل القدر تابعی ہیں احوال کیلئے اس سے قبل کی حدیث یعنی حدیث ۵۷ ملاحظہ فرمائیے۔

والخامس ابن ابی سفیان بن حرب ان کا نام مخمر بن حرب ہے اور کنیت ابو سفیان وابو حنظلہ ہے پہلی کنیت یعنی ابی سفیان سے مشہور ہیں۔ بخاری شریف میں عن ابیہ سعید نے کی سند سے اس کے علاوہ کوئی دوسری روایت نہیں نیز صحیحین اور سنن ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں ابو سفیان رضی کی کوئی روایت اسکے علاوہ نہیں اور اس روایت کو ابو سفیان سے صرف حضرت ابن عباس رضی نقل کیا ہے کسی دوسرے راوی نے نہیں۔

تشریح

حدیث ہر قل کی شرح سے قبل چند واقعات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے صاحب واقعہ ہر قل کی معرفت ہو جائے اور اس کے اور ابو سفیان رضی اور حضرت جعہ کلبی رضی کے ایک ساتھ بیت المقدس میں جمع ہونے کا راز منکشف ہو جائے نیز اس طویل حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کو بالترتیب بیان کر دیا جائے تاکہ حدیث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

احقر نے نصر الباری شرح بخاری کتاب التفسیر ص ۱۵۵ میں یہ وعدہ کیا تھا کہ ”دبر الوجی“ میں حدیث ہر قل کی پوری تفصیل آئے گی اسلئے یہاں پوری تفصیل سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔

وعلى الله التوكل وهو المستعان

جس زمانہ میں سرور کائنات خاتم الانبیاء والرسولین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرمائے عالم ہوئے یعنی بروز دو شنبہ بتاریخ ۸ ربیع الاول ۶۱۰ھ میں دنیا میں تشریف لائے، اس زمانہ میں دنیا میں بڑی بڑی دو حکومتیں تھیں، ایک روم کی جس کا بادشاہ قیصر کہلاتا تھا اس کا نام ہر قل تھا، دوسری فارس کی جسے ایران کہتے ہیں فارس کے بادشاہ کوکبری کہلاتا تھا اس زمانہ میں یہ دو سلطنتیں زیادہ مشہور تھیں اہل روم نصاری اہل کتاب تھے اور اہل فارس مجوسی

آتش پرست تھے یہ دونوں سلطنتیں مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں اور مکہ والوں کو روم اور فارس کی جنگ کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں، اسی دوران میں جب ۶۱۰ء میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت اور اسلامی تحریک سے اہل مکہ کھیلے روم و فارس کی جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی، فارس کے آتش پرست مجوسی کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے قریب تر قرار دے جاتے تھے اس لئے فارس کے غلبہ کی جب خبر آئی تو مشرکین مکہ خوش ہوئے اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی خیال لیتے، خوش آمدت توقعات باندھتے تھے اور مسلمانوں کو بھی طبعاً اس سے صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں اور اس وقت ان کو مشرکین مکہ کی شہانت کا بھی ہون بٹنا پڑتا تھا، آخر ۶۱۳ء کے بعد جبکہ ولادت نبوی کو قری حساب سے پینتالیس سال ہوئے اور بعثت کے پانچ سال گزر چکے، اہل فارس نے خسرو پرویز کے عہد میں روم کو ایک نہایت زبردست فیصلہ کن شکست دی کہ شام، مصر اور ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

قیصر روم ہرقل کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے، بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی اتر آئے فاتحین نے آٹے، قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا اور بظاہر اسباب روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب خوشیاں منائیں مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی اسی طرح مٹا ڈالیں گے، اس وقت قرآن مجید نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا:

غلبت الروم فی اذقن الارض وھو
من بعد غلبہم سیغلبون فی بضع
سنین (سورہ روم)

رومی مغلوب ہوئے قریب کی زمین میں (اور عات و بصری کے
رومیانی خط جو شام کی سرحد پر حجاز سے ملتا ہے) اور وہ اس مغلوب
ہونے کے بعد مغرب غالب ہوں گے چند سال میں (یعنی نو سال کے اندر)

اس پیشین گوئی کی بنا پر حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض مشرکین سے

قرآنی پیشین گوئی اور حضرت صدیق اکبر کی ایمانی جرأت

مشروط بازھالی (اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سوا اونٹ نہ ٹھوکر دوں گا
ورنہ اسی قدر اونٹ تم سے لوں گا، ادھر یہ معاہدہ ہو رہا تھا ادھر قیصر روم ہرقل بن تمام ناپوس کن حالات سے قطعاً بے ہراس
اور خدا کی نصرت پر بھروسہ کر کے پوری حوصلہ مندی سے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کی تدابیر میں سرگرم ہو گیا اور ہرقل نے
منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو میں تمہیں (جو شام کا مشہور اور بڑا شہر ہے) سے پیدل چل کر ایلیا

یعنی بیت المقدس پہنچوں گا (کیونکہ بیت المقدس ان کا قبلہ تھا جیسا کہ بیت اللہ ہمارا قبلہ ہے)۔

غلبہ روم و شکست فارس چنانچہ قرآن حکیم کی پیشین گوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر ہجرت کے ایک سال بعد سترہ میں عین بذر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر

نمایاں فتح حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے یہ خبر سنا کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ اہل کتاب قیصر روم کو حق تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب کر دیا، اس خبر سے مشرکین کو (بدریں) اپنی شکست کے ساتھ ایران کی شکست کی بھی ذلت نصیب ہو گئی۔

ظاہری اسباب کے بالکل خلاف قرآن مجید کی اس تحیر العقول پیشین گوئی کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تلواریں اور شمشیریں ملے، جو حضور اقدس ص کے ارشاد کے مطابق صدقہ دے گئے۔

حضرت وحیہ ابوسفیان اور ہرقل کا اجتماع غزوہ بدر سترہ میں اگرچہ مسلمانوں کو شاندار فتح اور نمایاں کامیابی ہوئی، مگر کچھ بھی غزوات کا

سلسلہ جاری رہا، سترہ میں غزوہ بدر، سترہ میں غزوہ احد، سترہ میں بدر مغمزی، سترہ میں غزوہ خندق جسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں، نیز اسی سترہ میں غزوہ بنی المصطلق جسے غزوہ مریض بھی کہتے ہیں، اس لئے ایک طرف مسلمانوں کو سفر میں دشواری تھی اور اسلامی دعوت کے خطوط سلاطین زمانہ کے پاس روانہ کرنا تقریباً ناممکن تھا، دوسری طرف قریش ملک کا ایک اہم تجارتی مرکز شام تھا جہاں مدینہ طیبہ کے قریب سے جانا پڑتا تھا اس لئے قریش کا بھی شام کی جانب تجارتی سفر منقطع ہو چکا تھا اس کے بعد سترہ میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔

تنبیہ صلح حدیبیہ کی پوری اور مکمل تفصیل کیلئے احقر کی نصر الباری شرح بخاری کتاب المغازی ص ۲۷ تا ص ۲۳۰ ملاحظہ فرمائیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک خواب دیکھ کر سترہ ماہ ذیقعدہ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کو ہمراہ لیکر بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے، حدیبیہ پہنچ کر جو مکہ مکرمہ سے قریب ہے آپ کی آمد منی بیٹھ گئی، اور کسی طرح اگلے کا نام بھی نہ لیا وہاں بہت کچھ واقعات ہونے کے بعد مکہ کے چند رؤساء بغرض صلح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا، اس سلسلہ میں بعض امور پر بحث و ذکر بھی ہوئی، اس کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اور مسلمانوں کو غصہ اور جوشن آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے، لیکن آخر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے اصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمالیں اور صلح نامہ تیار ہو گیا جس میں بہت شرائط طے ہوئیں جن میں سے ایک بشرط یہ تھی کہ فریقین میں دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔

اب جنگ و محروب بند ہوئی، دس سال تک فریقین کو موقع ملا اور اپنے اپنے کاروبار شروع کئے، ابوسفیان تجارت کی طرف متوجہ ہوئے، جو جنگ کی وجہ سے معطل ہو چکی تھی، چنانچہ تین سال آدمیوں کا ایک قافلہ ہمراہ لیکر تجارت کی غرض سے شام پہنچے، ادھر حضور اکرم ص نے فرصت کا موقع غنیمت سمجھ کر مختلف بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ

فرمے، روم، خدس، حبشہ، شام اور یرام کے ملک کی طرف خطوط لکھے گئے۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد ذی الحجہ ۶ میں آپؐ نے قیصر روم کے پاس حضرت حبیبہ کلبی رضی اللہ عنہا کی معرفت ایک دالنامہ تحریر فرمایا ہے جسے نیکر حضرت حبیبہ ابتداءً روم میں پہنچے تھے اس حدیث ہر قل میں اسی مکتوب گرامی کا تذکرہ ہے۔ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا مکتوب گرامی لیکر گئے تو ہر قل نے جو منت مان رکھی تھی کہ کسریٰ کو شکست دینے پر جس سے پیدل چل کر بیت المقدس پہنچوں گا وہ اپنی منت پوری کرنے کی غرض سے بیت المقدس پہنچا ہوا تھا، حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے امیر بصری کی وساطت سے نامہ مبارک ہر قل کو دیا، ہر قل نے حکم دیا کہ اس نبی کے قریبی لوگوں میں سے اگر کوئی یہاں موجود ہو تو اسے بلاؤ اور ابوسفیان اور ان کے رفقاء غزوہ سے ہر قل کے پاس بلائے گئے، قدرت الہی کا کرشمہ کہ اس طرح حضرت حبیبہ، ابوسفیان اور ہر قل سب ایک جگہ جمع ہو گئے پھر ابوسفیان اور ہر قل کے درمیان جو کچھ واقعہ ہوا اسکی تفصیل حدیث میں مذکور ہے۔

ان ابوسفیان بن حرب یہ روایت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حالت اسلام میں کی، تحمل اس واقعہ کا حالت کفر میں کیا تھا۔

حدیث ہر قل کی شرح

ان حرقل ایہان ہرقل بکسر الہاء وفتح الراء وسكون القاف وهو غیر منصرف للبحر والعلمیۃ وحکی فیہ لکون الراء وکسر القاف ہرقل دال اول ہوا شہر اقص، اس کا لقب قیصر تھا۔

قیصر قصر سے ہے جس کے معنی ان کی لغت میں چاک کرنے اور کاٹنے کے ہیں رومیوں کے جدا علی میں کسی کی یا خود ہر قل کی ولادت اس طرح ہوئی کہ وہ ماں کا شکم ہی میں تھا

قیصر لقب کی وجہ

کہ ماں کا انتقال ہو گیا بچہ زندہ تھا اس لئے ماں کا شکم چاک کر کے نکال لگیا وہ زندہ رہا اور بادشاہ بھی ہوا وہ اس پر فخر کرتا تھا کہ جس طرح عابجوں کی ولادت نظام طبعی کے طور پر ہوتی ہے اور پیشاب کے مقام سے گزرتا ہوا پیدا ہوتا ہے اس طرح میری پیدائش نہیں ہوئی اسلئے اس نے اپنا لقب قیصر رکھا اس کے بعد سے رومیوں کے ہر بادشاہ کا لقب قیصر ہوا (یعنی وغیرہ) وہ اول من ضرب الدنانیر الخ (نقش) یعنی ہر قل ہی سب سے پہلا بادشاہ ہے جس نے دینار کا سکہ ایجاد کر کے چلایا اور اس نے اقصیٰ برص حکومت کی اور اسی کے زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دارالبقار میں تشریف لے گئے۔

فی رجب راکب کا جمع ہے جیسے صاحب کی جمع صحوب اور تاجر کی جمع تجر ہے ابوسفیان کے برساتقہ قافلہ تیس آدمیوں سے پر مشتمل تھا من خس، یعنی لغز بن کنانہ ابن خزیمہ کی اولاد کو قریش کہتے ہیں۔

مادۃ حیہا بکسر الراء از باب مفاعلة ذراصل مادۃ تھا اجتماع متلین کی وجہ سے دال کو ذال میں ادغام کر دیا اور یہ ادغام وجوبی ہے یہ لفظ مدت سے مشتق ہے اس کا اطلاق زمانہ کے ہر حصہ پر ہوتا ہے قلیل پر بھی اور کثیر پر بھی بحسب القرینہ پھر باب مفاعلة مشارکتہ کیلئے ہوتا ہے اس لئے حاصل عبارت ہوگا اتفقوا علی الصلح مدنا من انہما (مدنہ) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان و کفار قریش نے ایک مدت کی مصالحت پر اتفاق کیا اس میں صلح حدیبیہ کی جانب اشارہ ہے جو ۶ میں براہ ذیقعدہ دس سال کے لئے ہوئی۔

فانثوہ وهو بایلیاء ضمیر منصوب ہر قل کی جانب لڑتی ہے یعنی ابوسفیان اور اس کے رفقاء قبیہ کے پاس آئے یہ لوگ شام کے ایک مشہور شہر غزوہ سے بلائے گئے تھے، اور موجودہ نسخہ میں وهو ضمیر سے مراد ہر قل اور اس کے اراکین دم نشین ہیں اور بعض نسخوں میں وہیم کے بجائے وهو ہے یعنی ہر قل بایلیاء و فیہ ثلاث لغات اشہر یا کسر الہمزہ واللام واسکا نضہ الیاء بینہما بالمد الیم (مدوہ) مطلب یہ ہے کہ اس میں مشہور لغت یہی ہے کہ اول ہمزہ مکسورہ اس کے بعد یاء ساکن پھر لام مکسورہ پھر یاء اس کے بعد الف مدودہ ہر وزن کبریاء - ایلیاء عبرانی زبان میں ایل بمعنی الشرا وریاء بمعنی بیت مراد بیت المقدس ہے۔

فدعاہم فی مجلسہ وحولہ عظماء المردہ عظاما رجع ہے عظیم کی اردم کے بڑے بڑے سے مراد اراکین دولت، فوجی کمانڈر اور علماء و درباریان ہیں۔

لقد دعاہم بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ تکرار نہیں کیونکہ بادشاہوں کا دستور یہ ہے کہ پہلے دربار میں بلائے جاتے ہیں پھر گفتگو کرنے کیلئے قریب بلائے جاتے ہیں اسی لئے قدح عام کہا کیونکہ تم تفریق پر دلالت کرتا ہے۔ و دعا ترجمانہ بفتح التاء المشاء وضم الجیم الیم (فتح) یعنی ترجمان تاء کے فتح اور ضم کے ضم کے ساتھ ہے، علامہ نوذری رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اسی کو ترجیح دی ہے اور تاء کا ضم بھی جائز ہے الیم ترجمان وہ شخص ہوتا ہے جو ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کرے وہ عرب۔ چونکہ حضرت ابوسفیان عربی تھے ان کی زبان عربی تھی اور قبیہ وغیرہ عربی زبان سے ناواقف تھے اس لئے ترجمان کو بلایا۔

قوله انا اقرنہم ونبی ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی نسبت میں حضور اقدس ص کے نسب سے مل جاتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔

ابوسفیان کنع بن حارث بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

عبد مناف پر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں، عبد مناف کے چار بڑے تھے ہاشم، مطلب، عبد شمس، نوفل۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہاشم کی اولاد میں ہیں اور ابوسفیان عبد شمس کی اولاد میں اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہوئے جیسا کہ بخاری کتاب الجہاد ص ۱۲۷ میں تصریح ہے کہ ہر قل نے ابوسفیان سے دریافت کیا ما قدر جلتک منہ قلت ہوا بن عقی، ابوسفیان کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کا خاندان میرے علاوہ کوئی شخص عبد مناف میں سے نہ تھا۔

فاجعلوہم عند ظہم کا ای ظہر ابی سفیان - ابوسفیان کو نسبی قرابت کی وجہ سے آگے بلایا گیا اور عام قاعدہ یہی ہے کہ قرابت درشتہ داری کی وجہ سے حالات سے زیادہ واقفیت ہوتی ہے اس لئے کہ ہر وقت کارہا سہنا اور معاملا وغیرہ ہوتا رہتا ہے، اور باقی ساتھیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بیٹھا یا گیا اور یہ کہہ دیا گیا کہ اگر یہ ابوسفیان کسی سوال کے جواب میں غلط بیان کرے تو تم فوراً تکذیب کر دینا اور اس تکذیب کے حکم کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ شاہی دربار میں بلا اجازت بولنا جرم ہے اس لئے عام اجازت دیکھی کہ دیکھو ابوسفیان ذرا بھی غلط بیانی کریں تو فوراً ٹوک دینا۔

اور ابوسفیان کے ساتھیوں کو پس پشت بیٹھانے میں برکت کا فرما تھی کہ اگر آئینے سامنے ہوتے تو ممکن ہے کہ ابوسفیان غلط بیانی کریں اور دوسرے لوگ نظریں ہلانے کی بنا پر چشم پوشی کر جائیں۔

﴿وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ مِنْ دُونِ الْحَقِّ وَلَا تَقْلُبُ الْأُصْحَافَ مِنْ دُونِ الْحَقِّ﴾ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ شرم و خیرت نہ ہوتی کہ یہ لوگ اس مجلس سے اٹھنے کے بعد اس کلاب کو لوگوں سے بیان کریں گے تو میں آپ کی نسبت مندرجہ جھوٹ بولتا یعنی اپنے ساتھیوں پر اتنا تراشا دے کہ یہاں میری نگاہ پر کرنے والا کوئی نہیں ہے لیکن یہ جھوٹ اس مجلس پر ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ قوم میں اس کی تشبیہ کی جائے گی اور یہ میری سرداری کے لئے سخت نقصان دہ ہوگا۔

دوسرا غلط یہ بھی ہے کہ گویا اس وقت ہر قل کو نہیں پہنچ سکی لیکن ہماری تجارت کا مرکز شام ہے ممکن ہے کہ عرب میں چرچا ہونے کے بعد اس کی اطلاع ہر قل کو بھی ہو جائے اور داخلہ بند کر دے یا گرفتار کر کے سزا دے۔

قوله لَمَّا كَانَ أَوَّلُ مَاسَالِفِي عَنْهُ إِنَّ قَالَ الْإِمَامُ فِي هَذَا جُلَّةٌ مِنْ أَنْ قَالَ كَانَ كَأَسْمَى هِيَ أَوَّلُ مَاسَالِفِي خَيْرٌ هِيَ

اس لئے اَوَّلُ مَسْفُورٌ ہے۔ ہر قل نے دس چیزوں کے متعلق سوال کیا ان تمام چیزوں میں سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کا خاندان کیسا ہے؟ قلت هو فينا ذو نسب تزین تعظیم کے لئے ہے وہ تو ہم سب میں شریف النسب ہیں۔ قلت هو فينا ذو نسب تزین تعظیم کے لئے ہے وہ تو ہم سب میں شریف النسب ہیں۔

یہاں اشکال یہ ہے کہ لفظ قط ماضی منفی میں تاکید کیلئے مستعمل ہوتا ہے اور یہاں کلام مثبت ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثر یہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں استفہام ہے اور استفہام نفی کے حکم میں ہوتا ہے گو یا کہ تقدیر عبارت یہ ہے۔ حل قال هذا القول أحد وأول ما قلته أحد قط (رقی)۔

ہر قل کا دوسرا سوال ہے کہ آپ سے قبل خاندان میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں، پھر ہر قل نے سوال کیا کہ آپ کا اتباع کرنے والے شرفاء میں یا ضعیف؟ یعنی صاحب اثر بڑے لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ؟ تو جواب ابوسفیان نے غالب اکثریت کے اعتبار سے کہا ہے للاکثر حکم الکلی۔

سخطہ جدیدہ ہر قل کا یہ چھٹا سوال ہے کہ کیا ان میں سے کوئی ایمان لا کر اس کے دین سے بیزار ہو کر مرتد ہو جاتا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا نہیں، اس میں سختہ کی قید ہر قل کی دانشمندی اور صاحب تجربہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ارتداد کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں بعض وقت مال و دولت کی لالچ یا کسی خون و ڈر یا کسی عورت کا عشق ہو جیسا کہ خود ابوسفیان کا داماد عبید اللہ بن جحش مسلمان ہو چکا تھا اور اپنی بیوی ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت بھی کر چکا تھا لیکن ایک نصرانی عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر مرتد ہو گیا۔ پھر بھی ابوسفیان نے کہا لا، اس لیے کہ ابوسفیان کو معلوم تھا کہ اس کا سبب دین اسلام سے بیزاری نہیں ہے بلکہ عورت کا عشق ہے وغیرہ۔

فہم یخدر یہ ہر قل کا آٹھواں سوال ہے کہ کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ میں نے کہا "نہیں" لیکن ابوسفیان نے

کہتے ہیں کہ نحن منه فی مدۃ الاستداری الخ یعنی ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہر اسے معلوم نہیں کہ اس میں ان کا طرز عمل کیا رہے گا۔

بعض روایات میں ہے کہ ابوسفیان نے اتنی بات زائد کی کہ اس معاہدہ صلح کے بعد ہم نے ان کے حلیف کے خلاف اپنے حلیف کی مدد کی یعنی ان کے حلیف پر ظلم و زیادتی کی ہے اس لئے ان کی طرف سے ہمیں خطرہ ہے تو ہر قتل نے کہا ان کس قدر بدو تم قائم اعدا یعنی جب ہمدان کی ابتداء تمہاری طرف سے ہوئی ہے تو تم ہی غذا ہو (فتح)

قال حل قاتلہو کا ہر قتل کا ان سوال ہے کہ کیا تم نے کبھی ان سے جنگ کی ہے؟ یہ عنوان سوال بھی ہر قتل کی دانائی اور عقیدہ پر دال ہے کہ ہر قتل نے یہ نہیں کہا حل قاتلہو اس لئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام دعوت و تبلیغ و اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے ہیں کبھی قتل و قتل کی ابتداء اپنی طرف سے نہیں کرتے تیسرا سالہ کی زندگی اس کے لئے شاہد عدل ہے دراصل قتال تو بدرجہ مجبوری ہے آخر الحیل السیف۔

بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ جب کسی کے جسم میں پھوڑا ہو جائے تو سب سے پہلے یہ کوشش ہوتی ہے کہ زخم کسی طرح مندل ہو جائے پھر یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح ٹوٹ جائے اور فاسد مادہ نکل جائے اگر یہ بھی نہ ہو سکے بلکہ خطرہ ہو کہ اگر آپریشن نہ کیا جائے تو دوسرے اعضاء کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے تو اس جگہ شرف و شگاف لگانا اور اس کا آپریشن ضروری ہوتا ہے پھر کامیاب آپریشن پر ڈاکٹر کا شکر یہ ادا کیا جاتا ہے اس طرح پہلے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ مختلف طرق سے اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے پھر کہا جاتا ہے امن و سکون کے ساتھ رہنے کی گارنٹی دو، اگر کوئی پیغام امن کو بھی قبول نہ کرے تو فاسد مادہ جس کا قطع ضروری ہو جاتا ہے یہی عقل و حکمت کا تقاضا ہے۔

الحرب بیننا و بینہم و سجال الخ یعنی ہماری ان کی لڑائی ڈولوں کی طرح ہے کبھی وہ ہم سے (میدان) لے لیتے ہیں اور کبھی ہم ان سے یعنی نہ وہ ہمیشہ غالب رہتے ہیں اور نہ ہم۔ پانچہ بدلتا رہتا ہے، ابوسفیان کا اشارہ غزوہ اہل کی طرف ہے کہ غزوہ بدر میں مسلمان غالب آئے اور غزوہ اہد میں مشرکین مکہ اور غزوہ خندق میں دونوں برابر رہے۔

اشکال اس عبارت پر بظاہر اشکال ہے کیونکہ سجال جمع ہے اور الحوب مفرد ہے اور نحوی قاعدہ کے لحاظ سے مفرد کی خبر کا جمع ہونا صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن جریر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ الحرب اسم جنس ہے جس کا اطلاق قلیل و کثیر صلب پر ہوتا ہے اور سجال جمع نہیں ہے بلکہ اسم جنس ہے اس لئے سجال کا خبر ہونا درست ہے (فتح)۔

لیکن علامہ عینی رحم فرماتے ہیں کہ سجال جمع ہے سجال کی اسم جنس نہیں ہے مگر چونکہ الحرب اسم جنس ہے اس لئے کوئی اشکال نہیں، پھر علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ سجال بروزن قتال باب مفاعلت سے مصدر ہو پھر اس صورت میں اشکال ہی وارد نہ ہوگا۔ (عمدہ)۔

قال عباد ایا مسکو ہر قتل کا یہ سوال اور آخری سوال ہے کہ وہ تمہیں کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں یعنی ان کے ذاتی احوال و اوصاف تو معلوم ہو گئے اب ان کی تعلیمات بتائیے۔ ابوسفیان نے تعلیمات کے متعلق بتایا کہ وہ

کہتے ہیں اے اللہ وحدہ ولا شریکوا بہ شیئا الخ یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے آباء و اجداد کی باتوں کو چھوڑ دو الخ۔

تشریح الفاظ مکتوب گرامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

من محمد عبد اللہ ورسولہ خط کی ترتیب کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ کتاب کا نام مقدم ہوتا کہ اول و دوم اس پر نظر پڑے، اس لئے کہ مکتوب الیہ کو سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کا تقاضا ہوتا ہے کہ کتاب کون ہے؟ بعض روایات میں ہے کہ ہر قتل کے بعض ہم نشینوں نے اعتراض کیا کہ کتاب سے اپنا نام پہلے لکھ کر کتنی گستاخی کی ہے، ہر قتل سے جواب دیا کہ اگر وہ نبی برحق ہیں تو وہ اس کے مستحق ہیں۔

عبد اللہ اس سے نصاریٰ کا رد مقصود ہے کہ میں افضل الرسل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

عظیم المروم اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی زیادہ تعریف کرنا جائز نہیں البتہ اس کے عہدے کے مطابق اسے کوئی لقب دینے میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ بد تہذیبی پر محمول نہ کریں۔

بداعیۃ الاسلام بکسر اللام ای دعوة الاسلام۔ بعض روایت میں بداعیۃ الاسلام آیا ہے تو اس کا موصوف محذوف ہو گا ای بالکلمات الداعیۃ الی الاسلام۔

اسلو شلو یعنی عذاب سے سلامت رہیگا، اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری سلطنت بھی قائم رہیگی غالباً یہی اشارہ ہے کہ ہر قتل نے اپنی قوم سے حل کفر فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم کہا تھا۔

یؤتک اللہ اجرک مرتین اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) بادشاہ کا ایمان رعیت کے ایمان کا سبب بنے گا، تو ایک اجر اپنے ایمان کا اور دوسرا رعیت کے ایمان کے تسبیب کا۔

(۲) حدیث میں ہے کہ جو اہل کتاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اسے دو اجر ملتے ہیں اسکی وجہ اور پوری تفصیل عقرب کتاب الایمان میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

فان قولیت فان علیک اللہ الیرسیین۔

اشکال ۱۔ بظاہر نفس قرآنی ولا متزہد و زہاد آخری کے خلاف ہے۔

جواب ۱۔ قرآن مجید میں مباشرت کی نفی ہے اور اس میں تسبیب کا ذکر ہے یعنی غیر کی گمراہی کا تسبیب بخنے سے اسے گناہ ہو گا۔ تسبیب پر گناہ قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ وقال الذین کفرو الذین امنوا اتبعوا سبیلنا

ولنحمل خطایاکم وما ہم بحاملین من خطایا ہم من شیئی انہم لکاذبون ہ ولینحملن انکاکم و انکالامع انکالہم (عنکبت، انکال لہ علی وجہ الباشرت اور ثانی علی وجہ التنبیہ ہیں۔

قل یا اهل الکتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله الخ

اشکال ۱۔ نصراہری تثلیث کے قائل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں تو کلمہ توحید کو سوار بیننا و بینکم کہنا کیسے صحیح ہو گا؟
جواب ۱۔ (۱) منزل من اللہ فی القرآن والقرآن والاکلیل و سائر الکتاب السماویہ ہونے میں مساوات ہے۔ (۲) تمام مشرکین بھی ایک حد تک توحید کے قائل ہیں ہر مذہب توحید باری تعالیٰ کا طرعا ذکر تا رہا ان سے اقرار کرتا ہے چنانچہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ اللہ ایک ہے تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ ایک ہے مگر اس کے باوجود سیاہ بختی سے اس میں زیادتی کر دیتے ہیں مثلاً نصراہری اقامتِ ثلاثہ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں ایک تین اور تین ایک ہیں، باوجودیکہ اجتماع ضدین لازم آ رہا ہے تو بھی توحید کو نہیں چھوڑتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ محال لازم آئے لیکن توحید باتھو سے نہ جائے۔ ایک پادری نے میزان الحق لکھی ہے اور مسئلہ تثلیث پر ادراک کے ادراک سیاہ کر ڈالنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ مذہب کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور عقول متوسطہ کے سمجھنے سے بالاتر ہے گویا کہ یہ متشابہات میں سے جو مگر پیرا سر غلط ہے کیونکہ متشابہ اسے کہتے ہیں جو عقل میں نہ آ سکے اور اسکی کیفیت معلوم نہ ہو سکے، اور تثلیث تو محالات عقلیہ میں سے ہے۔

غرضیکہ ایک وہ چیز ہے کہ وہاں تک عقل کی رسائی نہ ہو اور دوسری وہ کہ عقل اسے محال گردانتی ہو ان دونوں میں واضح فرق ہے۔

اسی طرح مجوسی سے دریافت کرنے پر جواب ملتا ہے کہ خدا ایک ہے اور اہل ہن خدا ہی سے ہے جیسا کہ مسلمان شیطان کو کہتے ہیں، مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ ہم شیطان کو مخلوق سمجھتے ہیں اور وہ اس کو مستقل خالق تسلیم کرتے ہیں۔

اسی طرح آریہ بھی توحید کے قائل ہیں حتیٰ کہ ہمیں مشرک کہتے ہیں کہ یہ کعبہ کی پرستش کرتے ہیں معجزہ اودہ روح دادہ کو قدیم مانتے ہیں، اسی طرح دیگر مذاہب میں بھی کسی نہ کسی حد تک توحید کا قول ہے مگر کوئی موجد ہونے کے ہزار دعویٰ کرے جب تک اسلام کے دامن میں نہ آئے وہ کبھی موجد نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کے سوا تمام مذاہب میں شرک پایا جاتا ہے ہر مذہب اسلام ہی اس سے بڑا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ من کل الوجوہ مساوات مراد نہیں بلکہ وہ توحید مراد ہے جس سے انسان کو مفرا اور مخرج نہیں اور جس کی فطرت انسانی مقتضی ہے اور مجبور ہے کہ لا محالہ اسے تسلیم کرے پس توحید اجمالا و کلیاً مسلمہ عقیدہ ہے اور کلیہ یاد دلانے کے بعد جزئیات مختلف فیہا کا اثبات دخول فی الکلیہ سہل ہو جاتا ہے۔

اہل کتاب صفات مختلفہ بالباری تعالیٰ میں سے ہے الوہیت کو حضرت عیسیٰ و حضرت عزیر علیہما السلام کے لئے اور مطاع علی الاطلاق ہونے کو احبار و رہبان کیلئے ثابت کرتے تھے جس کو اریہا یامن دون اللہ فرمایا گیا ہے یہ ان کی تحریم و تحلیل کو لغو من قطع حکم معمولہ بالا جماع کے خلاف بھی واجب العمل سمجھتے تھے۔

بخلاف تقلید جمہور اہل اسلام کے کہ اس کا محل مسائل ظنیہ محتمل الطریقین ہیں۔ اہل کتاب اپنے اس عقیدہ کو شرک اور منافی توحید نہ سمجھتے تھے اسلئے کہ وہ بالذات وبالعرض میں فرق کرتے تھے، حالانکہ یہ فرق صفات غیر مختصہ میں صحیح ہے اور صفات مختصہ میں غیر صحیح اور شرک ہے۔

تحقیق شرک شرک کی دو قسمیں ہیں شرک فی الذات اور شرک فی الصفات۔ قسم اول کا دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں، مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کو واحد و خالق و مالک سمجھتے تھے ولئن سألتہم من خلق السموات والارض لیتولن الله الخ۔

دوسری قسم یعنی مشرک فی الصفات کے بہت سے لوگ قائل ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب ہم جمعیتہ العنار کی طرف سے مکہ معظمہ گئے تو سلطان ابن سعود سے بات ہوئی، میں نے کہا کہ آپ نے اہل طائف کو مباح الدم کیوں قرار دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ قہر و کوایسے مجبور کرتے ہیں جیسے صم کو کیا جاتا ہے لہذا کا فرار مباح الدم ہیں۔

قاضی شوکانی صاحب نیل الابرار نے ایک مستقل رسالہ ”الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید“ لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ سجدہ لغیر اللہ مطلقاً کفر ہے لیکن ہمارے فقہار و جمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی اگرچہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے مگر موجب کفر نہیں۔

میں نے کہا کہ جب آپ کے ہاں ہر سجدہ عبادت ہے تو ہر ساجد عابد ہوگا اور ہر مسجود معبود ہوگا تو کیا کسی زمانہ میں ایک منٹ کے لئے بھی غیر اللہ کی عبادت جائز رکھی گئی ہے؟

جواب دیا کہ نہیں۔

میں نے کہا قرآن مجید میں ہے واذقنا للملائکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کے بارے میں فرماتے ہیں وخر وامنہ سجدۃ۔

معلوم ہوا کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا خصوصاً جبکہ اس سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام زندان میں اپنے ساتھیوں کو توحید کی تبلیغ فرما چکے تھے پھر بعد میں سجدہ بھی ہوا، تو معلوم ہوا کہ یہ سجدہ تعبدی نہ تھا، اس پر سلطان خاموش ہو گئے اور کہا کہ میں عالم نہیں ہوں نہ آپ کی تعبدی کرتا ہوں نہ تکذیب۔ اس بارے میں ہمارے علماء سے گفتگو کیجئے، علماء برا جو فیصلہ ہوگا ابن سعود کی گردن اس کے نیچے ہوگی۔

سجدہ تعبدی اور تعظیمی میں فرق اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ سجدہ تعبدی اور تعظیمی میں کیا فرق ہے؟

اس کو سمجھنے کے لئے عبادت کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ جیسے بادشاہ اپنے ماتحت و وزراء اور دوسرے حکام کو کچھ اختیارات سونپ دیتا ہے تو وہ ان کو استعمال کرتے وقت ہر مرتبہ بادشاہ سے اجازت نہیں لیتے بلکہ ان اختیارات کے استعمال میں مستقل بالذات

ہوتے ہیں کہ جب چاہیں استعمال کریں بالکل اسی طرح مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ اصنام کو اختیارات اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی عطا ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اختیارات اس طرح سونپ دیے ہیں کہ یہ ان کے استعمال میں مستقل ہیں اپنی مرضی سے جب چاہیں تصرف کر سکتے ہیں اس لئے کفار کہا کرتے تھے لا شریک لک الا شریکنا حولہ تملکہ وما ملک لیس الہی کا نام مشرک ہے پس اگر سجدہ کرنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ مسجد متصرف فی الامور ہے تو یہ سجدہ تعبیری ہوگا اور ایسا شخص کافر ہوگا۔ اور اگر مسجد کو متصرف نہ سمجھتا ہو تو یہ سجدہ تقبیعی ہوگا جو اگرچہ حرام ہے مگر کفر نہیں۔ البتہ ہم کو سجدہ کرنا خواہ کسی نیت سے بھی ہر مطلقاً کفر ہے کیونکہ یہ مشرکین کا شعار ہے قوله تعالیٰ فان تولوا فقولوا اشهدوا باننا مسلمون۔

اس میں اختلاف ہے کہ اسلام ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے یا کہ ادیان سابقہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے کہ مسلم صرف اسی امت کا لقب ہے الہم ما فیہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا الا الانبیاء علیہم السلام واتبائهم المخصوصین کا قال ابراہیم علیہ السلام انا اول المسلمین وقال یوسف علیہ السلام توفنی مسلماً و الحق فی بائنا الحین وقال بنو یعقوب علیہم السلام وغن لہ مسلمون۔ اسلام کے لغوی معنی میں سپرد کر دینا کا قال ابراہیم علیہ السلام اسلمت لربی۔ المعالمین اور ابراہیم واسحاق علیہما الصلوٰۃ والسلام کے متعلق وارد ہے فلما اسلما یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے دونوں نے اپنے نفس کو سونپ دیا۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے خط میں ہے اذ تعلوا علی و اتوفی مسلمین۔

اسلام کا مادہ سلم ہے اس میں بھی جھکنے کے معنی پائے جاتے ہیں و ان جئحوہم للتسلو فاجتج لہما۔ یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی التسلو کا فقہ۔ اس لغوی معنی کے لحاظ سے ہر نبی اور ہر امت پر مسلم کا اطلاق کر سکتے ہیں اس لئے کہ ہر نبی کا مدعی یہ تھا کہ بندگان خدا اپنے خالق کے سامنے سر خم کر دیں۔

پس کلم کے معنی یہ ہوئے کہ جو حکم جس وقت جس کے ذریعہ بھی پہنچے اس پر فوراً گردن جھکا دے اگر کسی ایک حکم سے بھی انحراف کیا تو دائرۃ اسلام سے خارج ہو گیا، آخر کار یہ سلسلہ نبوت ایک منبع کمال پر ختم ہوا جو ایک مسئلہ اور عالمگیر قانون لایا جس میں ہر کتب سماویہ کے احکام موجود ہیں یہی کتب قیمۃ گویا کہ وہ تمام کتب کا عرق ہے، اس ملت میں تین چیزیں ایسی ہیں جو کسی مذہب میں نہیں۔

۱، تمام ملل پر عادی ہونا (۲) تمام اقوال و قبائل کو عام ہونا (۳) موبدات قیامت ہونا، پس دین اسلام کو تسلیم کرنا گویا تمام ادیان کو تسلیم کرنا ہے اور اس کو سامنے والا اکل (ارشاد القاری)۔

لقد امر امرائہ ابی کبشۃ ابن ابی کبشۃ کا معاملہ تو بہت بلند ہو گیا کہ وہ بادشاہ بھی خوفزدہ ہے۔ امیر ازبیک بمعنی عظم اور دوسرا امیر لیکون الیم معدر سے بمعنی کام، مطلب یہ ہے کہ آپ کی تبلیغ کا کام یا آپ کی عظمت و شان بہت بلند ہو گئی ہے الخ۔ حضور اقدس ص کو ابوبکر کی طرف منسوب کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ کی کنیت تھی اس لئے آپ کو رضاعی نسبت سے ابن ابی کبشہ کہا۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں کسی کی کنیت ابو کبشہ ہوگی۔

(۳) تحقیق یہ ہے کہ ابو کبشہ بنو خزاعہ میں ایک شخص تھا جس کا نام وُجْرُ بن بَغِیْضِ الوادِ سکون الجیم تھا اس نے آبائی دینے بت پرستی چھوڑ کر کواکب پرستی شروع کر دی تھی، آبائی دین کی مخالفت و انحراف میں تشبیہ دینے کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو کبشہ کی طرف منسوب کیا۔

وكان ابن الناطور الخ۔ یہ امام زہری رحمہ اللہ کا مقلوبہ ہے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی روایت حتی ادخل اللہ علی الاسلام ختم ہوگی، اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تکمیل قصہ کے واسطے وكان ابن الناطور سے بیان کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ ابتدائی سند دونوں واقعہ کی ایک ہے حدثنا ابو الیمان المحکمین نافع قال اخبرنا شعيب عن الزهري یہاں تک ایک سند ہے اس کے بعد سابقہ واقعہ امام زہری نے عبید اللہ سے روایت کی ہے جو حتی ادخل اللہ علی الاسلام پر ختم ہوگی، اور یہاں سے امام زہری بلا واسطہ ابن ناطور سے روایت کرتے ہیں یعنی اس میں عبید اللہ یا ابن عباس وغیرہ کا واسطہ نہیں ہے ابو نعیم نے دلائل النبوة میں زہری سے نقل کیا ہے کہ وہ (امام زہری رحمہ اللہ) عبد الملک کے زمانے میں شام یعنی دمشق میں ابن ناطور سے خود ملے ہیں اور اس سے یہ واقعہ سنا۔

ناطور اصل میں باغیان کو کہتے ہیں مگر عیسائیوں کے یہاں ایک منصب (عہدہ) بھی ہے جیسے بطریق، اسقف وغیرہ یہ خلافت فاروقی میں مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہر قتل جب ایلیاء میں پہنچا تو ایک روز صبح کو بہت مکر اور پریشاں حال اٹھا الخ۔

صاحب ایلیاء و حرقت ہر قتل کا عطف ایلیاء پر ہے ترجمہ ہوگا "جو ایلیاء کا حاکم اور ہر قتل کا مصاحب

رواؤ دار ساتھی" تھا۔ اور لفظ صاحب رافع کی صورت میں ابن ناطور کی صفت ہے یا خبر ہے مبتدا المحذوف ہوگی۔

اشکال

اس عبارت میں تو جمع بین الحقیقۃ والجاز لازم آتا ہے جو جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں صرف شوافع رحمہم اللہ جائز کہتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ تو لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں کوئی تصریح منقول نہیں بلکہ شوافع نے ان کے بعض مسائل سے اس کا استنباط کیا ہے (فیض الباری)۔

جواب :- علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں جمع بین الحقیقۃ والجاز نہیں ہے اس لئے کہ تقدیر عبارت یہ ہے كان ابن الناطور صاحب ایلیاء وصاحب حرقت، مخاطب کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اختصاراً دوسرے صاحب کو حذف کر دیا گیا لہذا ایک ہی لفظ سے حقیقی اور مجازی معنی مراد ہیں اور صاحب ہر قتل میں حقیقی معنی، صاحب کا لفظ دو جگہ ہے ایک سے مجازی دوسرے سے حقیقی معنی مراد ہیں، پھر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمع بین الحقیقۃ والجاز جیسی محال چیز کے ارتکاب سے حذف عبارت اولیٰ ہے (عہدہ)۔

حوا اب یت :- یہاں صاحب کے معنی ایک ہی ہیں صرف نسبت کا فرق ہے صاحب کے معنی "والا" کے میرے

اگر لفظ صاحب کی نسبت کسی ملک یا شہر کی طرف کر دی جائے تو اس کے معنی حاکم کے ہو جائیں گے اور اگر کسی انسان کی طرف اس کی نسبت کر دی جائے تو اس کے معنی ساتھی اور رفیق کے ہوں گے اور دین اس کا ترجمہ ایلیا اور ہرقل والا کریں گے فلا اشکال۔

سقف علی نصاریٰ الشام اور شام کے نصاریٰ کا پادری تھا، سقف چند طرح پڑھا گیا ہے مگر مرفوع اس صورت میں اہم ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

(۲) اہم ہے اور کان ابن الناطور کی خبر ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ فعل مجہول ہے اس صورت میں ترجمہ ہو گا، شام کے نصاریٰ کا مقتدی پادری بنا یا گیا۔ پھر اس میں مختلف اقوال ہیں کہ افعال سے، باب تفعیل سے، ہمزہ کے ساتھ اور بیرون ہمزہ وغیرہ۔

علامہ نووی رو فرماتے ہیں کہ ہمزہ اور فاء کی تشدید زیادہ مشہور ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، "ہو منصوب علی انہ خبر کان یعنی أسقفاً۔"

حين قدم ایلیاء ہرقل کو جب کسریٰ کے مقابلہ میں کامیابی ہوئی تو ایلیاء نذر کے لئے بیت المقدس پہنچا۔ فقال بعض بطارقة اور بطارق بفتح الباء جمع ہے بطریق بکسر الباء کی نوع کا جرنیل، یہ بطریق بھی نصاریٰ کے یہاں ایک منصب اور عہدہ کے طور پر استعمال تھا جیسے پوپ، اسقف اور کاہن۔ وكان هرقل حزاء ينظر في النجوم اور ہرقل کاہن تھا اور علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا حزاء بفتح الحاء المہملہ وتشديد الزاير المعجم اصل میں اس کو کہتے ہیں جو قیافہ اور قرآن سے کچھ معلوم کر لیتا ہے اور اسی کو کاہن بھی کہتے ہیں۔ کہاوت کبھی فطری ہوتی ہے جو قیافہ و قرآن سے کچھ معلوم کر لیتا ہے اور کبھی نجوم (ستاروں) کے ذریعہ سے اور کبھی شیا طین سے کہ شیا طین اس کے تابع ہوتے ہیں اور وہ ادھر ادھر کی خبریں بتاتے رہتے ہیں، زماہ جاہلیت میں ایسے لوگوں کو بالعموم کاہن کہتے تھے۔

اب اگر ينظر في النجوم کو حزاء کی صفت قرار دیں تو مطلب یہ ہو گا کہ ہرقل کی کہاوت علم نجوم کے ذریعہ فطری شیا طین سے متعلق نہ تھی، اور اگر ينظر في النجوم کو حزاء کی صفت نہ قرار دیں بلکہ خبر ثانی کہیں تو مقصد یہ ہو گا کہ ہرقل فطری طور پر کاہن تھا اور علم نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا

اقی هرقل برجیل ممکن ہے کہ یہ قاصد عدی بن حاتم ہوں جو اس وقت نصرانی تھے یہ ہرقل کے پاس پہنچے اس کے بعد حضرت دجیرہ بھی پہنچ گئے، بعض روایات میں ہے کہ دجیرہ اور عدی ساتھ ساتھ پہنچے تھے۔

ارسل به ملاء غسان الخ اس ملک غسان سے مراد وہی عظیم بصری ہے یعنی حارث بن ابی شمر غسانی۔ ملاء المختار قد ظہر ملک بفتح المیم وکسر اللام بھی پڑھا گیا ہے اور ملاء بفتح المیم وکون اللام بھی

وقس، اصل ترجمہ یہ ہے کہ ملک الحثان کا غلبہ ہونے والا ہے لیکن تحقیق وقوع کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہرقل نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا، یا یہ کہا جائے کہ ملک الحثان کے غلبہ کی ابتداء ہو چکی، اشارہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔

تقریباً ہر قتل الی صاحب آہ سیسی صفا طرلا سقفت (قص) پھر ہر قتل نے رومیہ کے اپنے ایک دوست صفا طر کو لکھا جو علم میں ہر قتل کا ہم ملہ تھا، جب ہر قتل کا خط صفا طر کے پاس پہنچا تو صفا طر اس کو پڑھ کر شرف باسلام ہو گیا لیکن قوم نے ان کو وہیں قتل کر دیا۔ غلو یہ مصر بفتح الیاء و کسر الراء جمع صفا طر کا جواب آگیا۔

کبھی گیا بھی نہ تھا کہ اس کے دوست صفا طر کا جواب آگیا۔

ترتیب واقعات

اس حدیث ہر قتل میں کئی واقعات کی طرف اشارہ ہے اور ترتیب واقعات اس طرح ہے۔

یہ تو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر قتل کو کسری کے مقابلہ میں جب غلبہ ہوا اور کامیابی ہوئی تو اپنی نذر پوری کرنے کے لئے بیت المقدس پہنچا اور اپنی نذر پوری کی ماب ہر قتل کو انتہائی مسرور دلشاد رہنا چاہئے لیکن ایک دن صبح کو اراکین و عمائدین نے ہر قتل کو پریشان خاطر اور اس چہرہ دیکھا تو درجہ دریافت کیا اس پر ہر قتل نے کہا کہ آج رات کو جب میں نے نجوم میں نظر کی تو مجھے ملک الحنان کا ظہور اور غلبہ نظر آیا پھر ہر قتل نے اپنے مصاحبین سے دریافت کیا کہ اس وقت ختمہ کرنے والے کون لوگ ہیں؟ مصاحبین نے اپنے علم کے مطابق بتایا کہ صرف یہود ختمہ کرتے ہیں ان سے متفکر ہونے کی کوئی بات نہیں وہ کیا کر سکتے ہیں وہ تو خود ذلیل و خوار ہیں آپ تمام قلمروں میں حکماء بھیج دیجئے کہ جتنے یہود ملیں ان سب کو قتل کر دیا جائے ابھی یہ بات بطور مشورہ چل رہی تھی کہ ان ہی ایام میں ملک عسنان کا قاصد ہر قتل کے پاس پہنچا جس نے عرب میں نبی کے مبعوث ہونے کی اطلاع دی اور لوگوں کی موافقت و مخالفت کا حال بیان کیا، ہر قتل نے مصاحبین سے کہا کہ اس قاصد کو دیکھو یہ مخفی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے مشاہدہ کے بعد بتلایا کہ یہ ختمہ شدہ ہے پھر اس قاصد سے پوچھا کہ اہل عرب بھی ختمہ کراتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں، اس پر ہر قتل نے کہا کہ میں نے جس کے ظہور و غلبہ کو دیکھا وہ یہی نبی ہیں۔

اسی اثنائے میں حضرت دجیہ رض مکتوب گرامی لیکر پہنچے اگرچہ ابن السکون کی روایت کے مطابق وہ فرستادہ و قاصد اور حضرت دجیہ رض ساتھ ہی پہنچے لیکن چونکہ فرستادہ اپنے خاص معتمد کا تھا اس لئے ادلا ہر قتل نے اسکو دربار میں بلایا پھر حضرت دجیہ رض نے مکتوب گرامی اس کے حوالہ کیا، اس کے بعد ہر قتل نے آپ کے ذاتی حالات کی تحقیق کے لئے عرب کے قافلہ کی جستجو کا حکم دیا تو بیت المقدس کے قریب ہی ایک مقام غزہ میں حضرت ابوسفیان کی امارت میں تین شتر سوار تاجران مکہ معظمہ کا قافلہ موجود تھا ان کو بلا کر ہر قتل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دس سوالات کئے جن کے جوابات حضرت ابوسفیان نے دئے، پھر ہر قتل نے اپنا عندیہ ظاہر کیا جس پر قوم ناراض ہو گئی اور شور و شغب ہونے لگا تو ہر قتل نے معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس وقت معاملہ کو ملتوی رکھا اور ہر قتل نے رومیہ کے عالم صفا طر کے پاس مکتوب گرامی اور حالات کو لکھا تاکہ اس کی رائے معلوم ہو جائے اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ یہ سب واقعات بیت المقدس میں ہوئے۔

اور منفاطر کے پاس خط لکھنے کے بعد ہر قتل حصہ کی جانب روانہ ہو گیا، حصہ پہنچنے کے بعد منفاطر کا جواب آگیا جس میں ہر قتل کی پوری تائید تھی اور حضور اراق میں صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیر بھی۔

منفاطر کی موافقت اور تائید سے ہر قتل کو ہمت ہوئی اور امید ہو گئی کہ شاید اب لوگ مان جائیں اور آپ کی رسالت کو تسلیم کر لیں کیونکہ دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ کبہ رہا ہے اور دین کا سب سے بڑا عالم (منفاطر) بھی کبہ رہا ہے تو اس امید پر ہر قتل نے ملک کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنے محل میں بلوا کر صاف صاف دعوت دی البتہ ہر قتل کو بیت المقدس میں اپنے خیال سے لوگوں کے متغیر و متحیرانہ کا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے حصہ میں اس نے ایک عظیم شاہی محل میں عظمیٰ آدم کو جمع کیا اور چاروں طرف سے باہر نکلنے کے دروازے بند کر دئے اور خود بالاخانہ کے اوپر جا کر اس کے دروازے بھی بند کر دئے تاکہ کوئی اس پر دست درازی نہ کر سکے اور نہ ہی باہر نکل کر عوام میں کوئی فتنہ پیدا کر سکے اور ان کے غلیظ و غفیب کو حکمت عملی سے یہیں ختم کر دیا جائے۔ ان تمام انتظامات کے بعد اس نے بالاخانہ کے اوپر سے جھانک کر دعوت دی اور تقریر کی یا معشرۃ اللہ و مرحلہ لکم فی الفلاح الخ مگر سب نے مخالفت کی اور کہنے لگے کہ دیکھو یہ ہم سب کو عرب کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ پھر ملک اور حکومت کی لالچ میں ہر قتل کا رویہ بھی بدل گیا اور اسلام و ایمان سے محروم رہ گیا، واللہ یمہدی من یشاء الی صراط مستقیم علامہ قسطلانی رحمہ فرماتے ہیں و وجہ مناسبة ذکرہ ہذا

مطابقة الحديث للترجمة

الحديث في هذا الباب الخ (قص)

خلاصہ یہ ہے کہ ترجمہ الباب بدر الوحی کی کیفیت کا ہے امام بخاری رحمہ نے بدر الوحی کے آخری حدیث میں موصی الیہ کے اوصاف جمیلہ و تعلیمات عالیہ کو بطور نمک بیان کر دیا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث ہر قتل کا تعلق وحی کے ابتدائی کے ابتدائی زمانہ سے ہے کہ آغاز وحی یعنی ابتداء نبوت میں کن کن حالات کا سامنا ہوا اور کن کن منازل سے گزرنا پڑا یہاں تک کہ اپنے اوطان سے نکالے گئے، ان تمام مصائب کے باوجود حق پر قائم رہے، تو حدیث ہر قتل میں ان احوال کا نقشہ کھینچا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ بدر الوحی سے ابتداء آئی نہ انداز نہیں بلکہ ابتداء زمانی محترمہ مراد ہے۔

(۳) حضرت شیخ الہند رحمہ کے نزدیک چونکہ باب کی غرض وحی کی عظمت و عصمت کو بیان کرنا ہے جس کی تفصیل ترجمہ الباب کی شرح میں گزر چکی ہے اور حدیث ہر قتل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی حمیدہ اور اوصاف عالیہ کو بیان کیا گیا ہے، ایک کمرہ دشمن اسلام آپ کی ایسی جامع تعریف بیان کی جو قول و عمل ہر قسم کے فضائل پر مشتمل ہے، نیز تعلق مع اللہ، تعلق مع خلق اللہ اور تہذیب نفس اعلیٰ تعلیمات کو جامع ہے۔

پھر اہل کتاب کے مسلمہ عالم ہر قتل کی تائید بھی اسی روایت سے ہوتی ہے، ان بیانات سے آپ کی عظمت بخوبی معلوم ہوتی ہے اور موصی الیہ کی عظمت سے وحی کی عظمت خود ثابت ہے۔

(۴) حضرت شاہ الحدیث رحمہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ نے ترجمہ یوں منعقد فرمایا ہے کیف کات بدر الوحی

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عز وجل انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والتبیین من بعدہ اور حدیث ہر قتل میں مکتوب گرامی کی آیت ہے یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواہ بیننا و بینکم پس مباحثہ ظاہر ہے کہ مکتوب گرامی سے آپؐ نے الکلمۃ السواہ کی دعوت دی تھی اور یہ الکلمۃ السواہ یعنی کلمۃ توحید تمام انبیاء علیہم السلام کی بنیادی دعوت ہے (تقریر بخاری حضرت شیخ رحمہ)

براعۃ الاختتام حافظ عسقلانی رحمہ فرماتے ہیں ویؤخذ للمصنف من آخر لفظ فی القصة براعۃ الاختتام وهو واضح مما قررنا فی فتح الباری مطبوعہ بیروت جلد ۳۸

خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ کے اصول موضوعہ میں سے یہ بھی ہے کہ ہر کتاب کے خاتمہ پر ایسی روایت ضرور لاتے ہیں جس سے اس کتاب کے ختم کی طرف اشارہ ہو، چنانچہ حافظ نے ہر کتاب کے ختم پر ایسا لفظ بتلادیا کہ اس سے اختتام کتاب کی جانب اشارہ ہے چنانچہ اس مقام پر بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فکان ذلک آخر شانہ ہر قیل سے باب بعد الموعی کے اختتام کی جانب اشارہ فرمایا۔

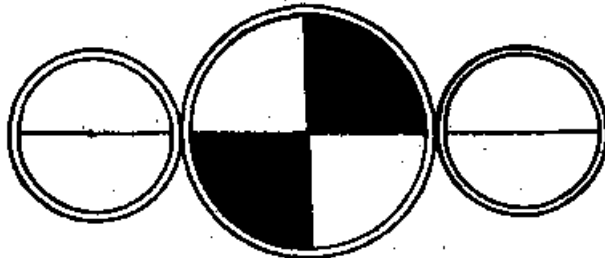
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں جس طرح بہت سے دقائق و نکات ہیں اسی طرح ہر کتاب کے خاتمہ پر کوئی ایسی روایت یا ایسا جملہ لاتے ہیں جس سے انسان کے خاتمہ اور موت کی جانب اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

۱۔ ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بہر حال اپنی جگہ پر ہر دو قول درست اور سبیتی ہے اور کوئی تضاد نہیں ہے لیکن ہے کہ دونوں داخل مقصود

ہوں۔ واللہ اعلم



کتاب الایمان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امام بخاری رحمہ اللہ نے جتنا بسم اللہ کا اہتمام کیا اتنا کسی محدث نے نہیں کیا، ہر کتاب کی ابتداء میں بسم اللہ ضرور تحریر فرماتے ہیں۔ پھر پوری بخاری شریف میں کتاب سے پہلے یا بعد میں بسم اللہ کی کتابت کے بارے میں روایات مختلف ہیں کہیں کتاب سے قبل بسم اللہ ہے جیسا کہ ابتداء ہی میں ہے اور اس کے علاوہ دیگر ابواب و کتب میں بھی۔ اور کسی مقام پر کتاب سے پہلے ہے بسم اللہ بعد میں۔ دونوں کی صحیح توجیہ ہو سکتی ہے۔

اگر کتاب سے پہلے بسم اللہ ہے کما فی اکثر کتب هذا الجامع (ارشاد الساری جلد اول) تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہر کتاب کو یا مستقل رسالہ ہے اور ابتداء بالتسمیہ کی بہت تاکید ہے۔

لہذا تمسک بالسنۃ کے اہتمام اور تبرک کے لئے بسم اللہ کو مقدم فرماتے ہیں، اور جس مقام پر کتاب مقدم ہے اور بسم اللہ مؤخر، اس کی توجیہ یہ ہے کہ کتاب اللہ میں جس طرح پہلے سورتوں کے نام ہوتے ہیں پھر بسم اللہ اس کے بعد اس سورۃ کے آیتیں اسی طرح کتاب و ترجمہ بمنزلہ اسرار سور کے ہیں اس کے بعد تسمیہ ہے بعض مقامات پر ایک ہی جگہ تقدیم بھی ہے تاخیر بھی۔ جیسا کہ کتاب الایمان کی ابتداء ہی میں اکثر روایات (نسخے) میں کتاب مقدم ہے اور تسمیہ مؤخر (جیسے ہمارے سند وستانی نسخے) بعض نسخوں (جیسے عمدۃ القاری وارشاد الساری وغیرہ) میں اس کے برعکس ہے اس کی وجہ اختلاف نسخے ہے کہ کسی نسخہ میں کتاب سے پہلے ہے اور کسی میں بعد میں و لکن وجہ کما مر۔

بسم اللہ کے مؤخر ہونے کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کتاب الایمان کی سرخی لکھ دی ہو کہ آئندہ اس کے متعلق لکھنا ہے، کسی وجہ سے وقف ہو گیا پھر تالیف شروع کی تو بسم اللہ لکھی کا قیل۔ اور بعض مقامات پر ایسا بھی ہے کہ درمیان کتاب میں بسم اللہ ہے اس کی وجہ مشائخ سے یہ منقول ہے کہ کتاب لکھتے لکھتے کسی مرض یا کسی عذر کی وجہ سے کتابت موقوف ہو جاتی پھر جب شروع فرماتے تو بسم اللہ تحریر فرما دیتے بواللہ اعلم (امداد الباری ص ۲۵۱)

قولہ کتاب الایمان ای ہذا کتاب الایمان فیکون ارتفاع الکتاب علی ان خبر مبتدأ محذوف ویجوز العکس ویجوز نصب علی ہذا کتاب الایمان اذخذہ (عمرہ ص ۱۱۱)۔

کتاب اور باب کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی باب بدر الوحی میں گذر چکے۔

ولما فرغ المؤلف رحمہ من باب الوحی الذی ہو کا مقدمۃ لہذا الکتاب الجامع شرع بذکر المقاصد الدینیۃ وابدع منها بالایمان الخ (ارشاد الساری) علامہ فسطاطی رحمہ فرماتے ہیں کہ جب

ربطاً ما قبل

مؤلف کتاب امام بخاری رحمہ باب وحی سے فارغ ہوئے جو اس کتاب جامع کے مقدمہ کے درجہ میں ہے تو اب مقاصد دینیہ

کامیاب شروع فرما رہے ہیں اور اصحاب جوامع یعنی جو محدثین اپنی کتاب کے اندر حدیث کے انواع و اقسام کو ذکر کرتے ہیں ان کا طریقہ ہے کہ اپنی کتاب کو کتاب الایمان سے ابتداء کرتے ہیں چونکہ مکلف پر سب سے پہلے ایمان ہی فرض ہے، اس کے اعمال و عبادات کا دار و مدار ایمان پر ہے، حیات و جاودانی و نجات اخروی ایمان ہی پر موقوف ہے، ایمان و عقیدہ بنیاد ہے اور اعمال اس کی شاخیں ہیں، ایمان بمنزلہ روح کے ہے اور اعمال اس کا بدن، ایمان حقیقت ہے اور اسلام اس کی صورت، اس لئے مقدمہ سے فراغت کے بعد کتاب الایمان سے شروع فرمایا۔

اقسام فرق اسلامیہ

دنیا میں جتنے فرقے ہیں ان میں سے فرق اسلامیہ ان کو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں اور اپنے آپ کو مومن و مسلمان سمجھتے اور کہتے ہیں۔ خواہ وہ اسلام کے صحیح و مستقیم ہوں یا گمراہ ہوں، مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ، مرجئہ، کرامیہ اور جہمیہ وغیرہ، یہ سب اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر سب کے سب علی التسلک فرق ضالہ و گمراہ ہیں۔

اہل سنت و الجماعت کی وجہ تسمیہ

صحیح اسلامی فرقہ اہل سنت و الجماعت ہے یعنی جو سنت نبوی اور جماعت صحابہ کا پیروں سے، یہ لقب ماخوذ ہے

بلکہ جو بہتر جرح سے حدیث پاک کے اس جملہ کا جو فرقہ ناجیہ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے ما نانا علیہا و اصحابہا (نہجی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس طریق پر میں ہوں اور میرے صحابہ کی جماعت ہے وہی اہل نجات کا طریقہ ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی خلہ اجر صاۃ شہید (مشکوۃ ص ۳۳) حضور اقدس ص نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے بگڑنے کے وقت جس شخص نے میری سنت کو دلیل بنایا اس کو توشیحیدوں کا ثواب ملے گا۔

ظاہر ہے کہ متمسکین بالسنتہ اہل سنت ہی ہیں، مذکورہ دونوں روایتوں کو ملائے سے اہل سنت و الجماعت کا لقب ثابت ہو جاتا ہے بلکہ صرف پہلی روایت اس کے لئے کافی ہے

طبقات اہل سنت و الجماعت

پھر خود اہل سنت و الجماعت میں ہی چار گروہ ہیں چاروں صحیح اسلام پر ہیں اور ناجی ہیں سب کا اصل مقصد و مدعا

ایک ہی ہے فقط طریقہ استدلال میں کسی پر کوئی طریقہ غالب ہے محض اسی اعتبار سے چار فرقے ہو گئے۔
(۱) محدثین جو حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے متبع ہیں عقائد میں یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جو کچھ اقوال عقائد میں منقول ہیں ان کی نشر و تشریح کرتے ہیں۔

(۲) متکلمین۔ ان میں پھر دو جماعتیں ہیں ۱۔ اشاعروہ ۲۔ اشاعرہ یہ لوگ عموماً و بیشتر امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول شدہ عقائد کی تائید و تفصیل کرتے ہیں ۳۔ ماتریدیہ۔

اشاعرہ و ماتریدیہ میں اختلاف قلیل ہے۔ اشاعرہ کے مقتدا امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ ہیں اور ماتریدیہ کے مقتدا ابو النضر

ساترہویں رح ہیں۔ یہ دونوں امام ایک ہی زمانہ کے ہیں اور یہ دونوں امام طحاوی رحم کے معاصر ہیں۔

امام ابو الحسن اشعری رحم پہلے معتزلی تھے ساہا سال تک ابو علی جبائی جو بہت بڑا معتزلی تھا اس کے پاس رہے، امام ابو الحسن رحم معتزلی کی طرف سے بہت بڑے مناظر رہے، گویا اہل سنت والجماعت پر معتزلی کی طرف سے ایک تلوار تھی مگر بعد میں قدرت الہی نے اسی تلوار کو پلٹ کر معتزلی ہی کی گردن پر رکھا ان کا واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ یہ پورے رمضان کے اعتکاف کا ارادہ کر کے معتکف ہوئے۔

عشرہ اولیٰ میں ایک رات خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ابو الحسن دین کی حمایت کے لئے کھڑا ہو جا، صبح کو اٹھے تو انہوں نے اس کا زیادہ اہتمام نہ کیا ان کے نزدیک چونکہ عقائد معتزلہ ہی صحیح دین تھا اس لئے خیال کیا کہ میں تو ان کی طرف سے بہت زیادہ مناظرہ و حمایت کرتا رہا ہوں۔ پھر دوبارہ عشرہ ثانیہ میں بھی اسی قسم کا خواب دیکھا اب دل میں تشویش تو ضرور ہوئی مگر خواب کا مطلب کچھ ٹھیک نہیں سمجھ سکے کیونکہ ان کے نزدیک تو عقائد معتزلہ ہی اصل دین تھا، پھر سہ بارہ عشرہ اخیرہ میں خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سے کہا کہ دین کی حمایت کیلئے کھڑے ہو جا لیکن تم اب تک تیار نہ ہوئے، تو خواب ہی میں ابو الحسن اشعری رحم نے درخواست کی کہ حضور میں تو نہیں جانتا آپ ہی بتا دیجئے کہ میرے عقائد میں کیا کیا غلطیاں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری ہدایت کا خود تکفل کر لیا ہے تو میں یہاں سے نہ ہٹتا یہاں تک کہ تیری غلطیاں ایک ایک کر کے کھول کر بیان کر دیتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی تکفل کر لیا ہے اس لئے ضرورت نہیں، چنانچہ جب صبح کو اٹھے تو تمام عقائد اہل سنت والجماعت میں ان کو مشروح صدر تھا اور مفاسد معتزلہ ان پر منکشف ہو چکے تھے، جمعہ کا دن تھا جامع مسجد میں کھڑے ہو کر جمع کے اندر معتزلہ کے تمام خیالات فاسدہ کو ظاہر کر کے اس سے تاب نہ ہوئے پھر تو اہل سنت والجماعت کے وہ امام بنے جو اظہار من الشمس ہے۔

(۴) مہرفہ سخیل سنت والجماعت کا جو تھا گروہ مہوفیہ کا ہے۔

محدثین پر محض نقل و سماع غالب ہے وہ مسائل کو اولاً سمعیات سے ثابت کرتے ہیں، مشکلیں خواہ اشاعرہ ہوں یا ماتریدیہ سمعیات و عقلیات دونوں پر مسائل کا مدار رکھتے ہیں اور دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقل سے کوئی نئی بات ثابت کرتے ہیں بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ عقیدوں کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا اور شبہات عقلیہ کا جواب دینا ان کا اہم مقصد ہے اور عقل و نقل میں توافقی کر کے دونوں سے مسئلہ ثابت کرتے ہیں (ماخوذ از فضل الباری علامہ عثمانی رحم)۔

ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں فرق اسلامیہ بلکہ اہل سنت والجماعت کے اندر بھی بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اس لئے کچھ تفصیل ضروری ہے۔

ایمان کے لغوی معنی

ایمان امن سے ماخوذ ہے جو خون کی قندہ ہے، امن کے معنی میں سکون و اطمینان۔

خوف میں قلق و اضطراب ہوتا ہے اور امن نام ہے زوال خوف اور حصول طمانیت کا۔ قرآن مجید میں ہے وَلَیْسَ لَکُمْ مِّنْ جَدِّ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور) اللہ تعالیٰ ہر در تبدیل فرمادیں گے ان کے خوف کو امن سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امن ضد خوف ہے تو امن نام ہوا زوال خوف اور مطمئن ہوجانے کا، ارشاد نبوی ہے المؤمن من امنه الناس علی دماءہم و اموالہم (ترمذی)۔

اور امن ثلاثی مجرد سے لازم ہے جب اس کو باب افعال میں لاکر ایمان بنایا تو ہمزہ افعال نے اس کو متعدی کر دیا اور اس کے معنی ہوئے مامون و بے خوف کر دینا، تو ایمان لانے کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ مومن (ایمان لانے والا) مومن ہے، جس پر ایمان لایا ہے، کو اپنی تکذیب سے مامون اور مطمئن کر دیتا ہے تو لامحالہ اب لازم ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور مان لے، اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ایمان کے دونوں معنی حقیقی میں یعنی واضع نے لفظ ایمان کو پہلے کسی چیز سے امن دینے کے معنی میں وضع کیا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کی تصدیق کرتا ہے تو اس کو تکذیب و مخالفت سے امن دے دیتا ہے، علامہ انور شاہ کشمیری نور انشمر قدہ کی تحقیق یہی ہے فرماتے ہیں "کا المحدثین اللغویین معنیان حقیقیان للفظ الایمان وضع اولہ لجعل الشئ آمنا من امر شر وضع ثانیہ لمعنی یناسبہ وهو التصبیق فانہ اذا صدقت الخبر فقد امنتمہ من تکن ینبذ ایماہ (رفیع الباری ج اول صفحہ ۳۷) علامہ یہ ہے کہ ایمان کے لغوی معنی ہیں تصدیق کرنے اور مان لینے کے کافی القرآن الحکیم وما انت بمؤمن لنا ولو كنا صدقین (یوسف) اور آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔ سب کا خلاصہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ایمان علم و معرفت، جانتے پہچانتے کا نام نہیں بلکہ ایمان تصدیق قلبی یعنی ماننے اور قبول کرنے کا نام ہے۔

ایمان کے شرعی معنی شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں ہر تصدیق کا نام ایمان نہیں چنانچہ اسماء فوقہا والا درمن تحتہا کی تصدیق کو ایمان نہیں کہا جائے گا۔

اصطلاح شریعت میں ایمان نام ہے تصدیق الرسول علیہ السلام فی کل ما علم محمدیہ بہ بالضرورة تصدیقا جازما الخ (حدود القاری ج اصطلاح) یعنی ایمان ان تمام اشیاء کی تصدیق اور مان لینے کا نام ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے ہیں، مختصر یہ کہ تمام ضروریات دین کے ماننے کو شریعت میں ایمان کہتے ہیں۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں "و اما فی الشرع فهو التصدیق بما علم محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالضرورة تفصيلاً فیا علم تفصيلاً و اجمالاً فیا علم اجمالاً و ہذا مذہب جمہور المحققین (فتح الملہم ج ۱ صفحہ ۱۵۱) یعنی جن چیزوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے کا واضح طور پر علم ہو جائے تو تفصیل چیزوں کی تفصیل کے ساتھ اور اجمالاً چیزوں کی اجمالاً تصدیق کرنے کو ایمان کہتے ہیں یعنی سچا قرار دینا اور سچا ماننا ایمان ہے صرف سچا جانتا ایمان نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض چیزیں تفصیل سے منقول ہیں جیسے نماز روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اسلام کے ایسے احکام ہیں کہ ان احکام کا ثبوت حضور اقدس سے حدیثاً اور علم ہر دوری کے مرتب تک پہنچ چکا ہے

کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنے والا کا فر ہے۔

۸۔ اور بعض چیزیں اجمالاً منقول ہیں جیسے قیامت آنے والی ہے لیکن اس کے وقت معین کی تعلیم نہیں دی گئی، جیسا کہ حدیث جبریل اور بہت سی آیات سے ظاہر ہے، اسی طرح عذاب قبر کہ اس کا ثبوت بھی تو تشریح سے ثابت ہے مگر اجمالاً اتنا ثابت ہے کہ عذاب قبر ہوگا، کسی کیفیت سے ہوگا؟ اس کی تفصیل حضور سے ثابت نہیں تو اب اجمالاً اتنی بات پر ایمان لانا ضروری ہو کہ عذاب قبر مستحقین کیلئے ہوگا کیفیات کی تفصیل کہ عذاب صرف جسم یا صرف روح یا دونوں کو ہوگا ایمان لانا ضروری نہیں۔ اور بعض امور ایسے ہیں جہاں کچھ تفصیل بھی ہے اور اجمال بھی، وہاں تفصیل پر تفصیلاً، اجمال پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہوگا مثلاً جملہ انبیاء کی نبوت و حقانیت پر ایمان لانا فرض ہے بعض انبیاء کی تفصیل نام بنام آئی ہے اور کچھ انبیاء ایسے بھی ہیں جن کی تفصیل ذکر نہیں آیا فقط اتنا بتلایا کہ اور بھی انبیاء مبعوث ہوئے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ مَوْعَنَّا عَذِبَکَ وَمَنْعَمَنْ لَّہٗ
بَعْضُ الْمُؤْمِنِیْنَ (میں سے وہ ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعض دین کا ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔)

تو جن کے نام کی تفصیل آئی ہے مثلاً آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ ان پر نام بنام تفصیلاً ایمان لایا جائے گا اور جن کی تفصیل نہیں آئی ان پر اجمالاً کہ جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے سب پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ مثلاً ہذا القیاس کتب سماویہ کی تفصیل معلوم نہیں لیکن قرآن مجید، تورات، انجیل و زبور کا کتب سماویہ ہونا قرآن سے معلوم ہے پس ان کتابوں میں سے ہر ایک پر اور باقی کتب سماویہ پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے، آمین باشر و ملشکتہ و کتبہ و رسم۔

امام الحرمین و علامہ ابن ہمام رحمہما اللہ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ تصدیق علوم و معارف کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ کلام نفسی ہے یعنی کسی چیز کو سمجھ لینے کے بعد عقل کا اس پر جھک جانا اور

قبول کر لینا۔

علامہ ابن ہمام رحمہما اللہ نے سب سے بہترین الفاظ میں بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ ایمان نام ہے تصدیق و معرفت کے ساتھ استسلام قلبی اور انقیاد باطنی کا یعنی دوسرے کے ہاتھ میں اپنی باگ دیدینا، جدھر وہ کھینچے ادر کھینچے جانا جیسا کہ گھوڑا وغیرہ۔

یعنی مومن وہی ہے جو رسول کو جان لینے کے بعد ظاہر و باطن ان کے سامنے منقاد ہو جائے اور اتباع کی رتی اپنی گردن میں ڈال لے اور اپنے آپ کو اتباع لازم کر لے کہ رسول جدھر چلائے گا ادر ہی چلوں گا۔ یہی انقیاد باطنی ہے جس کو علامہ ابن تیمیہ نے التزام طاعت اور بعض بزرگوں نے التزام شریعت سے تعبیر کیا ہے۔

خلاصۃ المذاہب فی حقیقۃ الایمان ایمان کی حقیقت میں اقوال مختلف ہیں، اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہیں یا نہیں؟

علامہ عینی رحمہما اللہ نے عمدۃ القاری شریعہ بخاری جلد اول ص ۱۲ میں واضح طور پر تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان مرکب (دو اجزاء) ہے یا بسیط؟ پھر جو لوگ بسیط مانتے ہیں ان میں بھی اختلاف ہے، اسی طرح

اہل قبیلہ کے مشہور اقوال پانچ ہیں۔

۱۱) یہاں قول (ما اعظم الوعظ) اور اکثر فقہاء کرام و متعلمین عظام

دلائل قرآن حکیم میں حنفیہ کیلئے پانچ قسم کے دلائل ملتے ہیں۔ ۱۔ نوح اول وہ آیات جن میں علی کو عطف

اس قسم کی صمد با آیتیں ہیں۔

اور شرط و مشروط میں مغایرت ہوتی ہے، قاعدہ ہے مشروط الشيء بخلاف الشيء۔

نزع ثالثت وہ آیات جن میں اٰمنوا سے خطاب کر کے توبہ کا امر کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :-

نوع صالح وہ آیتیں جن میں رنگ معصیت پر مؤمن کا لفظ اطلاق کیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

معلوم ہوا کہ ایٹمک انیٹر کے اسرے باہر تھا اس کے باوجود اس کو مومن کہا گیا۔

نوع خاصش وہ آیات ہیں جن میں محل ایمان طلب کو کہا گیا، اور ایمان کو قلب کے طرف منسوب کیا گیا جیسا کہ قرآن میں ہے:

اولیٰ کتب و قلوبہم الایمان (مجادلہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا گیا۔

ایک دوسری جگہ ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی گئی ہے۔

من الذین قالوا آمنا بآفواہم (المائدہ) لوگوں میں بعض وہ ہیں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ ان کے دل مسلمان نہیں ہوئے۔

اس کے بعد حدیث سے بھی دلائل ملتے ہیں خصوصاً وہ احادیث جن میں اس قسم کا مضمون ہے کہ یخرج من النار من کان فی قلبہ شقال حبۃ من خردلی من ایمان جن سے قلب کا محل ایمان ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث اور دلائل قرآنیہ کے نوع خاص سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایمان محض تصدیق ہے اقرار باللسان بھی ایمان کا جزو نہیں ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

جواب۔ یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کا ایک قول تو ایسا ہی ہے کہ اقرار شرط ایمان (ایمان کا جزو) نہیں ہے۔ اور جزو ایمان قرار دینے کی تقدیر پر یہ کہا جائے گا کہ چونکہ ایمان میں اصل جزو تصدیق ہی ہے اقرار اسی کا اظہار و اعلان جو بغیر تصدیق کے اقرار لاشی محض ہے، تصدیق رکن اصلی ہے جو کسی حال میں بھی محتمل السقوط نہیں ہے، اقرار رکن زائد ہے عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے اس لئے جزو اصلی کے لحاظ سے ایمان کی نسبت قلب ہی کی طرف کر دی ہے، اقرار کے حق میں تو یہ تاویل کی جائیگی جبکہ اقرار کی جزئیت دلائل سے ثابت ہو جائے اب جو لفظوں بظاہر اس کے خلاف آئیں گی ان میں لامحالہ تاویل کی جائے گی مگر عمل کے حق میں یہ تاویل نہیں کی جائیگی کیونکہ عمل کی جزئیت اب تک ثابت نہیں ہوئی تاکہ لفظوں کو اس کے لئے ظاہر سے پھیرا جائے، فیہ ما فیہ والفقہ اعلم۔

(۲) دوسرا قول ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اور امام بخاری رحمہم اللہ اور اکثر محدثین رحمہم اللہ کا ہے کہ ایمان مرکب ہے تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور اعمال بالاکران سے لیکن سب کی رکنیت و جزئیت یکساں نہیں ہے، تصدیق بالجنان اصل اصول ہے اور استمرار و اعمال اجزاء مرکبہ ہیں نہ کہ اجزاء مقولہ۔ اس تفصیل سے صاف معلوم ہو گیا کہ احناف اور ائمہ ثلاثہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے تفصیل آ رہی ہے۔

(۳) تیسرا قول مرجعہ، کرامیہ اور جمعیہ کا ہے کہ ایمان بسیط محض ہے۔ پھر اس قائلین بساطت کے تین گروہ ہو گئے۔ ۱۔ مرجعہ کہتا ہے کہ ایمان کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے اقرار لسانی اور اعمال ایمان کا نہ رکن ہے نہ شرط نہ اجزاء مقوم میں نہ اجزاء مکملہ بلکہ اعمال ایمان سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ بدعمل سے نہ ایمان کی مدد میں کچھ فرق آتا ہے اور نہ ہی نجات اخروی میں نخل ہوگی یعنی بدون سزا جنت میں جائے گا۔

۲۔ دوسرا گروہ جمعیہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان کی حقیقت صرف معرفت قلب ہے تصدیق و یقین بھی ضروری نہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ کرامیہ ہے اس کے نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اقرار باللسان ہے بشرطیکہ دل میں انکار نہ ہو۔

پھر حال ان تینوں کے نزدیک ایمان بسیط محض ہے اب جس کے اندر ایمان کی حقیقت بسیط موجود ہے اس کیلئے اعمال سنیہ مقرر نہیں، دلیل میں یہ لوگ حدیث نبوی پیش کرتے ہیں وان زلفا وان سوقا الخ (مسلم جلد اول ص ۱۷۸)

اور من قال لا اله الا الله دخل الجنة - لیکن ان نادائوں نے من یقتل مومنا مقتلہ افسس اور جہنم - اور من یتعت حدود الله فقد ظلم نفسه - اور لا یتعت حدود الجنة قتلات اور لا یزفہ النہاۃ حین یزفہ و حومو من الہ وغیرہ آیات و احادیث کی طرف دیکھا ہی نہیں اس لئے کہ یہ یا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت مغفرت نہیں۔

(۴) چوتھا قول خوارج کا ہے کہ ایمان مرکب ہے تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور اعمال بالارکان سے۔ یعنی اعمال ایمان کے ارکان اجزائے مقومہ ہیں پس اعمال کا تارک اسلام سے خارج اور کافر ہوگا۔

دلیل میں یہ لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں لا یزفہ المرافع حین یزفہ و حومو من الہیت (مسلم الحدیث) پانچویں قول معتزلہ کا ہے کہ ایمان مرکب ہے تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور اعمال بالارکان سے۔ یعنی اقرار و اعمال ایمان کے اجزائے مقومہ ہیں اس لئے تارک اعمال اسلام سے خارج ہوگا لیکن کافر نہیں ہوگا چونکہ ایمان کا ایک جز تصدیق ظہری موجود ہے۔

ان دونوں (خوارج و معتزلہ) میں فرق یہ ہے کہ خوارج ایمان و کفر کے درمیان کسی واسطہ کے قائل نہیں ہیں، اور معتزلہ واسطہ کے قائل ہیں اس لئے معتزلہ کے نزدیک مرکب کبیر یا تارک اعمال نہ مومن ہے نہ کافر، اگر بلا توبہ مریا تو غفلت فی النار یعنی ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اخیر کے تیسوں اقوال (تیسرا، چوتھا اور پانچویں) فرق باطلہ کے ہیں جو کتاب و سنت سے غلط اور مردود ہیں۔
دلائل
تیسرا قول بساطت محمد مرید، کرامیہ، جمہیہ کا مذہب ہے کہ اعمال کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے ایمان کے بعد نماز، روزہ کے ترک سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اور سیئات و معاصی کا وجہ سے آیا، لہذا کیلئے بھی وہ دروغ میں نہیں جائیگا، جس طرح کہ ایک کافر عمر بھر کے تمام حسنات کر لینے سے بھی ایک لمحہ کے لئے جنت میں نہیں داخل ہو سکتا، بالاتفاق جنت اس پر حرام ہے، اس طرح گناہوں سے غرق ہونے والے مومن پر بھی دروغ بالکل حرام ہے۔ جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت فائدہ مند نہیں، ایسا ہی ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان دہ نہیں۔ و جو مذہب باطل و قول مردود بالکتاب والسنۃ۔

کتاب اللہ نے حضرت موسیٰ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی تبلیغ کی تو فرعون نے کہا اے موسیٰ میرے خیال میں تجھ پر جلا کر دیا گیا ہے، حضرت موسیٰ نے جواب دیا لَقَدْ خَلَقْتُ مَا أَمَرْتُ خَلُقُوا لَكَ وَالرَّبُّ الشَّمْسُ وَالْأَرْضُ بَعْدَئِذٍ (بنی اسرائیل) اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر نفس قلمی علم ایمان نہیں۔

دوسری جگہ اوشا خداوندی ہے وَجَعَلُوا آبَآءَهُمْ شُرَکَآءَ لَهُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یُشْرِكُ بِاللّٰهِ (نمل) انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان آیات (معجزات) کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا اس سے اور مزید وضاحت ہو گئی کہ صرف تصدیق قلبی و علم وادراک میں ایمان نہیں ہے بلکہ علم وادراک کے بعد

از عالی کیفیت پیدا ہونا (دل کا قبول کرنا) ضروری ہے جو لواحق ادراک ہے جس کو اردو میں ماننا اور فارسی میں گردیدن سے تعبیر کیا جاتا ہے اس یقین کے بغیر مومن نہیں کا فر ہے۔

اسی طرح کرامیہ کا قول بھی مردود اور باطل ہے اسلئے کہ آیات ربانی اور ارشادات نبوی سے قطعی ثابت ہے کہ عمل ایمان قلب ہے قال اللہ تعالیٰ اولئک کتب فی قلوبہم الایمان (مجادلہ) من الذین قالوا اٰمنا با خدا ہر دہرہ و لہ تو مینے خلقو جہنم (مائدہ) نیز ایمان کی حقیقت صرف اقرار باللسان کی صورت میں تو عبد اللہ بن ابی وغیرہ منافقین کا مومن ہونا لازم آئے گا۔

تنبیہ کرامیہ کے متعلق علی العموم اور مشہور یہی ہے کہ ایمان کی حقیقت صرف اقرار باللسان ہے اور یہی نہات کیلئے کافی ہے، حافظ عسقلانی رحمہ نے بھی نقل کیا ہے کہ والکرامیۃ القا کون بان اللہ ایمان قول باللسان فقط وان اعتقد الکفر بقلبہ (فتح ص ۲۹۳) ممکن ہے کہ بعض کرامیہ کا یہ قول ہو لیکن تحقیق یہ ہے کہ کرامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ دنیوی احکام میں ایمان کی حقیقت محض اقرار ہے یعنی جس میں اقرار پایا جائیگا ہم اس پر مومن کے احکام جاری کریں گے اب اگر اس اقرار کے مطابق دل میں بھی تصدیق ہے تو اس کا ایمان آخرت میں بھی معتبر اور نافع ہو گا اور اگر دل میں تصدیق نہیں محض زبانی اقرار ہے تو دنیوی احکام میں ایمان ہی کے احکام اس پر جاری ہوں گے اور آخرت میں فی المدارک الاسفل من النار ہو گا۔

چنانچہ علامہ عینی رحمہ نے ان کا مذہب صحیح لکھا ہے کہ ان الایمان مجرد الاقرار باللسان وهو قول الکرامیۃ وزعموا ان المنافق مومن الظاہر کا فر السریۃ فیثبت لہ حکم المؤمنین فی الدنیا وحکم الکافرین فی الآخرۃ (عمدة القاری جلد اول ص ۲۰)

اس تشریح کے بعد اہل حق کے ساتھ کرامیہ کا زیادہ اختلاف باقی نہیں رہتا، اثر وہی ہے جو اہل حق کہتے ہیں۔ اسی طرح جمہیہ کا قول کہ ایمان کی حقیقت صرف معرفت قلب ہے، باطل اور مردود ہے لقولہ تعالیٰ:-
الذین اٰتینا ہما الکتاب ایضا فوجنہ کما ایضا خون ابنا ہو

نیز ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں اور جمہیہ کے قول پر بلا قرینہ عدول لازم آئیگا جو باطل ہے، امام بخاری رحمہ نے انہ لوگوں کی تردید کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے، فجزاہہ اللہ خیر الجزاء۔

جو تھا قول اور بانچواں قول ترکیب حقیقی کا ہے یعنی ایمان کے ارکان اور اجزائے مقومہ تصدیق بالہمان، اقرار باللسان اور اعمال جو اس میں، اگر ایک فرض کا بھی تارک ہو گا تو مومن باقی نہیں رہیگا، اسی وجہ سے یہ لوگ مرکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج اور ظلمتی النار کہتے ہیں قرآنی آیات دنیوی ارشادات سے یہ قول بھی باطل اور مردود ہے۔

قال اللہ تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بیہما الذی رقی سورۃ حجرات،

ایمت مبارکہ میں مرکب کبیرہ کو مومن قرار دیا گیا اگر عمل صالح ایمان کا رکن اور جزو ہوتا تو عند کے ساتھ مقارنت صحیح نہیں ہوتی اور اجتماع ہندین لازم آتا۔

(۲) ارشاد الہی: یا ایہذا الذین امنوا اتوبوا الی اللہ توبۃ نصوحا (توبہ)، اس آیت میں حق تعالیٰ نے گنہگاروں کو مؤمن قرار دیکر خطاب فرمایا اور توبہ کا حکم دیا۔

(۳) ارشاد ربانی: قل یضادی الذین اسرفوا علی انفسہم ولا تقنطوا من رحمۃ اللہ (سورہ زمر)
اس آیت میں حق تعالیٰ نے تارک اعمال اور مرتکب کبائر کو اپنی رحمت و مغفرت کی امید دلائی ہے پھر یہ بد نصیب خوار و معترکہ خلف الذکر کبکرا نامیدی کا حکم کس طرح لگاتے ہیں؟
(۴) ارشاد خداوندی واطیعوا اللہ واطیعوا رسولہ ان کنتم مؤمنین (انفال)، اس آیت میں اطاعت و اعمال کا حکم ہے بشرط ایمان، اور ظاہر ہے کہ شرط الشیء خارج الشیء۔
نیز بکثرت احادیث میں تارک اعمال و مرتکب معاصی کو مؤمن قرار دیا گیا ہے جیسے وان زی و ان سوق والی حدیث و غیرہ۔

اہل سنت والجماعت

پہلا قول اور دوسرا قول اہل سنت والجماعت کا ہے اور یہی (ہر دو قول) حق ہیں
اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ اعمال حقیقت ایمان میں داخل نہیں رہا یہ اشکال کہ ہر دو قول آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ صرف تعبیرات کا اختلاف اور لفظی نزاع ہے اسلئے کہ فقہاء احناف رحمہم اور علماء متکلمین یہ نہیں کہتے ہیں کہ اعمال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ اعمال کمال ایمان کیلئے ضروری اور لازمی ہیں تارک اعمال و مرتکب معاصی ناقص ہوتے ہیں۔

اسی طرح اکثر ثلاث اور محدثین کو ام رمتارک اعمال کو کافر نہیں کہتے ہیں بلکہ ناقص مومن کہتے ہیں۔ پس دونوں قول کا مال اور نتیجہ ایک ہی ہے کہ تارک اعمال مومن ہے مگر ناقص، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اکثر ثلاث اعمال کو ایمان کا جزو مانتے ہیں مگر نفس ایمان کا جزو نہیں بلکہ ایمان کامل کا جزو جیسے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک اور انگلیاں انسان کے اجزاء ہیں، تو جس طرح انسان ان اجزاء کے باقی رہتے ہوئے انسان زندہ اور باقی ہے اسی طرح اس وقت بھی انسان باقی اور زندہ رہے گا جبکہ ہاتھ یا کان کاٹ لیا جائے صرف فرق یہ ہوگا کہ پہلی صورت میں وہ کامل انسان ہوگا اور دوسری صورت میں عیب دار و ناقص ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح اصل ایمان تو تصدیقی قلبی ہے مگر ایمان کی تکمیل و تزئین کے لئے اعمال ضروری اجزاء ہیں، یہی محققین اسلام کے نزدیک راجح اور حق ہے یہی فقہائے حنفیہ اور اکثر متکلمین کا فیصلہ ہے صرف اصطلاح کے اعتبار سے اکثر ثلاث رحمہم اور محدثین جب لفظ ایمان بولتے ہیں تو ایمان کامل مراد لیتے ہیں، دلائل ناقشۃ فی الاصطلاح۔

امام رازی اور محدثین

امام رازی رحمہم چونکہ متکلمین میں سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب مناقب شافعی رحمہم میں اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور محدثین رحمہم پر اشکال کرتے ہوئے لکھا کہ ہماری سب سے یہ نہیں آیا کہ عمل کو جزو کہہ کر پھر یہ کہتے ہیں کہ اس کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوتا حالانکہ یہ بات بالکل

بدیہیات میں سے ہے کہ فوت جز مستلزم ہے فوت کل کو۔

وہ فرقہ ابن حجر نے اس اعتراض کو تسلیم کر لیا ہے اور کہا کہ جو لوگ عمل کو جز کہتے ہیں وہ نفس ایمان کا جز نہیں کہتے بلکہ ایمان کامل کا جز کہتے ہیں تو اب عمل کے فوت ہونے کے بعد نفس ایمان باقی رہیگا جس بنا پر دخول جنت ہوگا۔

ایمان کامل فوت ہو جائے گا جس کی وجہ سے دخول ادنیٰ کا مستحق نہیں رہیگا۔ لیکن اس بات کا حنفیہ بھی انکار نہیں کرتے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اس کو نزاع لفظی ہی پر محمول کیا ہے۔

پوری تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اہل حق (اہل سنت والجماعت) کے ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے، پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل حق (اہل سنت والجماعت) کے اندر یہ لفظی اختلاف کیوں ہوا؟ اس فرق تعبیرات اور اختلاف کا سبب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ کے دور میں معتزلہ کا اثر تھا حتیٰ کہ حکومت کا مسلک بھی اعتزال تھا اس لئے امام اعظم رحمہ نے تقاضائے عصر کے اعتبار سے معتزلہ کی پوری مخالفت کی، اور جب امام شافعی رحمہ وغیرہ کا دور آیا تو جبر و کرامیہ سے مقابلہ ہوا اس لئے امام شافعی رحمہ وغیرہ کو اعمال پر زور دینے کی ضرورت پڑی کہ یہ فرق باطلہ اعمال کو ایمان سے بے تعلق بتاتے ہیں۔

غرض مقصد تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک ہے صرف تعبیرات کا یہ اختلاف اختلاف دور کا نتیجہ ہے۔
ایمان و اسلام کی باہمی نسبت

تحقیق یہ ہے کہ نسبت بیان کرنے کے لئے دونوں کا مفہوم متعین کرنا ضروری ہے۔ اگر ایمان سے مراد ایمان کامل لیا جائے اور اسلام سے بھی اسلام کامل مراد لیا جائے تو اس صورت میں تزامن یعنی تساوی کی نسبت ہوگی جیسا کہ اکثر کلمات حضرات محدثین نیز امام بخاری رحمہ کا مسلک ہے اور ان حضرات کا مسئلہ یہ ارشاد الہی ہے۔ فاعز جننا من سائر خبیثا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غریبت من المسلمین۔ اس آیت میں بالاتفاق ایک ہی گھر مسلمانوں کا تھا یعنی حضرت لوط علیہ السلام کا گھر، انھیں کوہن کہا اور انھیں کوہن بھی کہا، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دایمان میں تزامن و توازن ہے۔

اور اگر ایمان کی تعریف کی جائے ہو الا تقیاد الباطنی بشرط الاقنیاد الظاہری اور اسلام کی تعریف کی جائے ہو الا تقیاد الظاہری بشرط الاقنیاد الباطنی تو اس صورت میں تزامن و تساوی کی نسبت ہوگی۔

اور اگر ایمان سے مراد لیا جائے تو صرف تصدیق قلبی یعنی القیاد باطنی اور اسلام سے مراد لیا جائے مطلق القیاد و اطاعت خواہ دل سے ہو یا زبان سے یا جوارح سے تو عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی اسلام عام ہوگا اور ایمان خاص

اور اگر ایمان سے مراد لیا جائے صرف القیاد باطنی اور اسلام سے صرف القیاد ظاہری تو اس صورت میں اختلاف و تباہی کی نسبت ہوگی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا

وَلَمَّا بَلَغَ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمُ (الآیہ)

علامہ علی رحمہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ ان میں عموم خصوص بن وجہ کی نسبت ہے بعضے مومن ہونگے مسلم نہ ہوں گے مثلاً دل میں تصدیق آئی اور اظہار کرنے کا موقع نہ ملا انتقال ہو گیا تو ایسا شخص مومن ہے (عند اللہ) مسلمان نہیں، اور ایک شخص جو زبان سے اقرار کرتا ہے لیکن دل میں تصدیق نہیں تو ایسا شخص مسلم ہے مومن نہیں، جیسے منافق۔ اور ایک وہ شخص ہے جو مومن بھی ہے اور مسلم بھی جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہر مخلص مومن۔

پس ایمان و اسلام میں عموم خصوص بن وجہ کی نسبت ہو گی، اس صورت میں ایک مادہ اجتماع کا ہو گا اور دو مادے افتراق کے جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے، بہت سے محققین نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، علامہ علی رحمہ فرماتے ہیں: والحق ان بينهما علوماً خصوصاً من وجہ (عمدہ جلد اول ص ۱۹)

حافظ ابن حجب جنس علی رحمہ ایمان و اسلام کے شرعی استعمال کے متعلق ایک کلیہ بیان کیا ہے جو نہایت قیمتی اور آبرور سے لکھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں: "الاسلام والایمان کا معنی الفقیر المکین اذا اجتمعوا لفرقاً اجتماعاً۔ پوری تقریب کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں (ایمان و اسلام) میں بلاشبہ فرق ہے حقیقت لغویہ کے رو سے بھی اور حقیقت شرعیہ کے رو سے بھی۔

حقیقت لغویہ کے رو سے جیسا کہ آیت کریمہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اَمَّا قُلُوبُهُمْ فَلَمَّا قَلَّ لَهُمُ الْاِسْلَامُ اُولَئِكَ قَوْلُهُمْ اَسْلَمْنَا مِنْ الْاَعْرَابِ اور حقیقت شرعیہ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا جو نماز جنازہ کے سلسلہ میں کتب حدیث میں موجود ہے قابلِ لحاظ ہے چنانچہ التَّحْمُّنُ مِنْ اَحْيَيْتِهِ مَنَافَحِيهٍ عَلٰى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مَنَافَحِيهٍ عَلٰى الْاِيْمَانِ میں زندہ رہنے والوں کے لئے اسلام (جو انقیاد و ظاہر و اعمال جوارج سے عبارت ہے) کی توفیق کے لئے دعا اور مرنے والوں کے لئے توفیق علی الایمان کی دعا دونوں الفاظ کے باہمی فرق و نسبت کو بخوبی واضح کر رہی ہے اگرچہ ایک کا اطلاق دوسرے پر استعمال ثابت ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ التّم۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنَى الْإِسْلَامَ

عَلَى خَمْسٍ وَهُوَ قَوْلُ "وَفَعَلَ" وَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِيَزِدَادَ الْإِيمَانَ تَجِ اِيْمَانُهُمْ - وَزِدْ نَاهِرُ هَدَى - وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى - وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا هَدَى - وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا هَدَى وَانْتَهَوْا تَقْوَاهُمْ - وَيَزِدَادَ الَّذِينَ اٰمَنُوا اِيْمَانًا - وَقَوْلُهُ عَنَّا وَجَلَّ اَكْبَرُ زَادَتْهُ هَذِهِ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا فَرَادَ تَجِ اِيْمَانًا - وَقَوْلُهُ فَاخْشَوْهُمْ فَتَجِ اِيْمَانًا - وَقَوْلُهُ وَبَارَزَادَ هُمَا اِلَّا اِيْمَانًا وَتَسْلِيًا - وَالْحَبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُخْصُ فِي اللَّهِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَكُنْتُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ اِلَى عَبْدِ اللَّهِ عَدِيٌّ اَنْ لَا اِيْمَانُ فَرَأَيْتُ وَشَرَأْتُ وَحُدُودَ اَوْسَنَ فَمِنْ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلُ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا

لم یستكمل الایمان فإِنْ أَعِشْ فَمَا بَيْنَهُمَا لَكَ حَقٌّ تَعْمَلُوا بِهِ وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَلَانَا عَلَى صَحْبَتِكُمْ مَحْرَبٌ
وقال ابراهيم عليه السلام ولكن ليطمئن قلبي وقال معاذ إجلس بنا نؤمن ساعة وقال ابن مسعود
اليقين الایمان سلمه وقال ابن عمر لا يبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يمدح ما حالك في القدر
وقال مجاهد شرف لك من الدين ما وصى به نوحاً أو ضياءك يا محمداً وإياك لا دينا واحد
وقال ابن عباس شرعة ومنهاج سبيل وسنة ودعاء كرم إيمانكم.

ترجمہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور وہ (ایمان) قول و فعل (دونوں کے مجموعہ کا نام) ہے اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے (سورہ فتح میں) فرمایا تاکہ
(ان کے پہلے) ایمان کے ساتھ اور ایمان زیادہ ہو، اور (سورہ کہف میں) ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی، اور (سورہ مریم میں) جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں انہیں اللہ اور زیادہ ہدایت دیتا ہے، اور (سورہ محمد میں) جو لوگ راہ پر ہیں اللہ نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور ان کو پرہیزگاری عطا فرمائی، اور (سورہ مدثر میں) جو لوگ ایماندار ہیں ان کا ایمان اور بڑھے۔
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورہ توبہ میں) اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان بڑھایا اور ارشاد الہی (سورہ آل عمران میں) لوگوں نے مسلمانوں سے کہا تم کافروں سے ڈرتے رہنا تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا، اور حق تعالیٰ کا ارشاد (سورہ احزاب میں) ان کا کچھ نہیں بڑھا مگر ایمان اور اطاعت کا شیوہ۔ اور (حدیث کی رو سے) اللہ کے لئے محبت رکھنا اور اللہ کے لئے دشمنی رکھنا داخل ایمان ہے، اور عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان کے کچھ نقص ہیں اور عقائد اور کچھ منہیات ہیں اور کچھ مذہبات پس جس سے ان تمام چیزوں کی تکمیل کر لی اس نے ایمان کامل کر لیا اور جس نے ان تمام چیزوں کو پورا نہیں کیا (بلکہ کوتاہی کی) اس نے اپنا ایمان کامل نہیں کیا، پھر اگر دائرہ میں زندہ رہا تو ان سب باتوں کو تم سے کھو کر بیان کر دو گے تاکہ تم ان پر عمل پیرا ہو سکو اور اگر میں مر گیا تو رواتق یہ ہے کہ مجھ کو تمہاری صحبت میں رہنے کی کچھ ہوس نہیں ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اسورہ بقرہ میں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسلی ہو جائے، اور معاذ نے (اسود بن ہلال سے) کہا ہمارے پاس بیٹھو ایک گھوڑی ایمان کی باتیں کریں اور حضرت ابن مسعود نے کہا یقین پورا ایمان ہے اور حضرت ابن عمر نے کہا بندہ اس وقت تک تقویٰ کی حقیقت یعنی کمال تقویٰ نہیں پاسکتا جب تک ان باتوں کو نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتی ہیں اور مجاہد رحمہ نے شوع لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ما وصی بہ نوحاً (اس نے تمہارے لئے دین کا دبی طریقہ تمہارا جس کا حضرت نوح ع کو حکم دیا تھا) کی تفسیر میں فرمایا ہم نے آپ کو اسے محمد اور نوح ع کو ایک ہی دین کا حکم دیا۔ اور حضرت ابن عباس رحمہ نے کہا کہ آیت کریمہ ولکن جعلنا منکم شوعاً ومنهاجاً میں شرع کا مطلب ہے سنت یعنی طریقہ اور منهاج کا مطلب ہے راستہ یہ لفظ نشر غیر مرتب ہے، اور (سورہ فرقان کی اس آیت کی تفسیر میں کہا) دعاء کو یعنی ایمانکم۔

ترجمہ الباب کا مقصد

ایمان باری رح کے پیش نظر دو مسئلے ہیں ایک مسئلہ ایمان کی ترکیب و بساطت کا۔ اور دوسرا مسئلہ زیادہ و نقصان کا۔

اور یہ ماقبل کی تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ میں سے ہیں جو ایمان کو مرکب کہتے ہیں، اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب میں تین جملے نقل کئے ہیں: "بنی الاسلام علی خمس" یہ جملہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو اسی کتاب الایمان کی سب سے پہلی حدیث ہے اور اس باب میں آ رہی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسلام کو ایمان کا مترادف قرار دیکر استدلال کیا ہے حدیث میں یہاں ایمان کی تشریح نہیں ہے اور جن احادیث میں ایمان کی تشریح ہے مثلاً حدیث جبریل میں تو وہاں ایمان و اسلام کی تشریح الگ الگ ہے۔
دوسرا جملہ وہو قول و فعل ہے۔ اے اور تیسرا جملہ ینزید و نقص ہے۔

ان تینوں جملوں میں سے ہر پہلا جملہ دوسرے کیلئے بمنزلہ علت ہے اور ہر دوسرا جملہ سابق کا نتیجہ ہے بایں طور کہ پہلا جملہ ہے بنی الاسلام علی خمس، اور ظاہر ہے کہ جب اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے تو اسلام مرکب اور ذوا اجزاء ہوا اور اس کے اجزاء قول اور فعل ہیں اب جہاں یہ اجزاء پورے ہوں گے وہاں ایمان بھی کامل ہوگا اور جہاں اجزاء پورے نہ ہوں گے وہاں ایمان بھی ناقص ہوگا تو اب دوسرا مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔

قول وہو قول و فعل حقہ کی ضمیر کا مرجع اسلام بھی ہو سکتا ہے اور ایمان بھی۔ اسلام تو اس وجہ سے کہ وہ قریب ہے اور مرجع قریب ہی ہوتا چاہئے، اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان و اسلام ایک ہی ہیں۔ اور ایمان اس وجہ سے مرجع ہو سکتا ہے کہ یہیں اصل کتاب الایمان ہی ہے۔ پھر موجودہ ضمیمہ قول و فعل ہے لیکن دوسرے نسخہ میں قول و فعل ہے اور یہی ضمیمہ ہے کیونکہ سلف کے متوال میں علی ہی کا لفظ ہے مگر چونکہ ایک کا اطلاق دوسرے پر بکثرت ہوتا ہے اسلئے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھائے علی کے فعل کہہ دیا۔

سوال سوال یہ ہے کہ تصدیق قلبی اصل جزو ہے اور بالاتفاق ضروری ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے کیوں نہیں ذکر فرمایا؟

جواب ع-۱۔ قول کو عام رکھا جائے قول لمبانی (یعنی اقرار باللسان) اور قول قلبی (یعنی تصدیق) دونوں کو شامل قرار دیا جائے۔ (۲) یا فعل سے عام کر لیا جائے کہ فعل قلبی یعنی تصدیق اور فعل جوارح یعنی عمل دونوں مراد ہیں (۳) تصدیق قلبی چونکہ بالاتفاق ضروری اور مسلم تھی تصدیق کے اندر کسی قول کا اختلاف نہیں لہذا یہ ملحوظ غرض ہے اسلئے وہیں کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، باقی جن دو جزوؤں (یعنی اقرار باللسان اور عمل بالارکان) میں اختلاف تھا فقط ان کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

اشکال یہاں ایک اشکال کیا جاتا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے تو اسلام مبنی ہوگا اور پانچ چیزیں مبنی علیہ، اور قاعدہ ہے کہ معنی مبنی علیہ کا غیر ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ جو کچھ قاعدہ ہے کہ حرف جارہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں تو یہاں یعنی بمعنی مبنی ہے یعنی بنی الاسلام من خمس فلا اشکال۔

قولہ ینزید وینقص ای ینزید بالطاعة وینقص بالمعصية، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے سلف کے اصل قول

کو مختصر کر کے ذکر کیا ہے اصل قول یہی تھا کہ ایمان طاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمل ایمان کے ارکان و اجزاء میں سے نہیں ہے بلکہ عمل ایمان سے علیحدہ ایک چیز ہے جسے ایمان بڑھتا ہے کیونکہ کوئی چیز اپنی ذات سے زائد نہیں ہوتی یعنی کسی چیز میں اس کی ذات سے زیادتی نہیں پیدا ہوتی مثلاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انسان میں اس کے سر کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے ہاں یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان میں طول، عرض و گہرائی وغیرہ سے زیادتی ہوتی ہے، جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ ناز میں رکوع سے زیادتی ہوتی ہے کیونکہ رکوع و سجود کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں پس رکوع و سجود سے نماز کا تحقق ہوتا ہے زیادتی نہیں ہوتی بلکہ آداب و سنن کی رعایت سے نماز میں زیادتی ہوتی ہے۔

پس ایمان کافی حد ذات ایک مستقل وجود ہے پھر وجود کے بعد اس کا حال مختلف ہوتا ہے زیادتی بھی ہوتی ہے اعمال و عبادات سے اور کمی بھی ہوتی ہے معاصی سے یہی امام اعظم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اعمال اصل ایمان سے نازل ہیں اس کی ذات میں داخل نہیں علامہ فردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قال المحققون من اصحابنا المتكلمين نفس التصديق لا يزيد ولا ينقص والایمان الشرعی یزید وینقص بزيادة نفس امته وھی الیہ اعمال ولقضاء دنیا (شرح مسلم ص ۳۲)

موجودہ زمانے کے غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس جملہ سے حنفیہ پر زد کیا ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ ایمان کو مرکب (ذو اجزاء) اور قابل زیادہ و نقصان ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ مگر یہ کہنا جہالت اور غلط ہے یا کبر و شہرت تعصب و عناد پر مبنی ہے کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایمان کے لئے تصدیق بالہمان (ازعان قلبی) ضروری ہے بغیر اس کے مومن ہو ہی نہیں سکتا اگر کسی کو ازعان نہ ہو بلکہ شک ہو تو اہل سنت و الجماعت میں سے کسی کے نزدیک مومن نہیں ہے ہاں یقین کے درجات مختلف ہیں مثلاً اس بات کا یقین کہ دہلی ایک شہر ہے اسی شخص کو بھی ہے جس نے اس کو دیکھا ہے اور اس کو بھی ہے جس نے اس کو صرف سنا ہے دیکھا نہیں ہے مگر دونوں کے یقین میں باعتبار کیفیت کے فرق ہے، اسی طرح ایمان ہے کہ وہ تو نفس تصدیق کا نام ہے لیکن اس میں مکملات یعنی اعمال کے ذریعہ زیادتی ہوتی رہتی ہے بکلمات مرحوم کے کہ وہ بالکل کسی قسم کی زیادتی کے قائل نہیں لہذا امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود مرحوم کا کہ ہے حنفیہ پر تو کسی حال میں بھی زد نہیں ہو سکتا کیونکہ حنفیہ ایمان کے لئے اجزاء مکملہ کے قائل ہیں جیسا کہ تفصیل گزری جو اور امام بخاری کے پیش کردہ دلائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام فرق باطلہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان میں زیادتی اور کمی کے اثبات کے لئے جو آیات پیش کی ہیں ان سب کا اجمالی جواب یہ ہے کہ ان آیات سے جو زیادہ اور

نقص جو رہا ہے امام اعظم رحمہ اللہ اس کا انکار نہیں فرماتے، اور امام رحمہ اللہ جس زیادہ و نقص کا انکار فرماتے ہیں اس کا آیات میں ثبوت نہیں ہے، البتہ فرقہ مرجعہ وغیرہ کا کبر و پروردہ سے جو علی الاطلاق زیادہ و نقص کے منکر ہیں ملاحظہ ہو لیزداد و الایمان ما مع اجماعہم شاہ عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضع القرآن میں اس کی بہترین تقریر

فرمائی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشرکین مکہ نے عمرہ ادا کرنے سے روکا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں جو شش جہاد بھڑک اٹھا پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا اور یہ غلط افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو اس خبر نے آگ پر پٹرول کا کام کیا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت پر بیعت لینا شروع کر دی جو پندرہ سو کے قریب صحابہ تھے سب نے فرداً فرداً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بطیب خاطر بیعت کی اور لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو گئے، مگر قال اللہ تعالیٰ لقد رضی اللہ عنہم من الذین اذینا یعونک تحت الشجرۃ یہی بیعت ہے جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے، غرضیکہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سر بکف ہو کر مگر

سر میں کفن بردوش دارم

کا مظاہرہ کر رہے تھے، باہر سے انہمازی کے دلوں سے خون کھول رہا تھا، جان لینے اور دینے کے موقع کا بڑی بے اضطرابی سے انتظار کر رہے تھے کہ حکم مل جائے اور تلوار سے تمام جھگڑوں کا فیصلہ کر دیا جائے، اور طاقت کی کبھی کبھار کی دھمکی، خود تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ جیسی سرفروزش سپاہیوں کی اتنی بڑی جماعت کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز تھی؟

غور کیجئے کہ دنیا سے دین اور خواہشات نفسانہ کی خاطر جب انسان مرنے مارنے پر آجاتا ہے اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس سے اندازہ لگائیے کہ اس وقت محبوب حقیقی کی خاطر جان بازی کرنے والوں کے دلوں کا کیا عالم ہو گا؟

۷ جرو خاک آسینہ چولے مجنوں کند

صاف گر با شد نہ رالم چولہ کند

اسی حال میں حکم ہوتا ہے کہ صلح کر دیجس میں سب بشراظہا سراسر مسلمانوں کے خلاف تھیں، بظاہر یہ سراسر ذلت تھی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے جذبات یکسر فنا ہو گئے اور محبوب حقیقی کے اشارے پر قبول ذلت کو عین عزت سمجھ کر رہتی دنیا تک عہدیت کی مثال قائم کر دی، آفتاب نے بایں ہمہ دوران عباد الرحمن کی اس شان عہدیت کی نظیر نہیں دیکھی کہ ابھی محبوب حقیقی کی خاطر میدان کارزار کو خون سے رنگنے پڑے ہوئے تھے اور اب ان داعیوں رضائے محبوب کی خاطر ذلت قبول کر رہے ہیں۔

زندہ کنی عطاسے تو در بکشی فدا سے تو دل شہرہ مبتلا سے تو ہر چ کنی رضا سے تو

تھوڑی دیر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سر منڈانے اور احرام کھولنے میں اس بنا پر تاخیر کی کہ شاید یہ حکم صلح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہو اور عنقریب ہی اس کے خلاف بذریعہ وحی جاہد کا حکم آجائے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر صحابہ کرام کی تاخیر خلق کی وجہ سے کچھ تغیر محسوس کیا تو عرض کیا کہ آپ خیر سے لڑیں کہ خود خلق کر دیا میں تو صحابہ آپ کا اتباع کریں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عاقلہ تھیں، چنانچہ حضور

اکرم نے جب خلق شروع کر دیا تو صحابہ کرام رضہ آپ کے اتباع میں ٹوٹ پڑے، اس سے کہ اب نزول وحی سے مایوس ہو گئے تھے اس حالت کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے **هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزِيدُوا دِينَهُمْ وَأَعْيَادَهُمْ** (فتح) حاصل یہ کہ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے عشاق کی اطاعت و ایمان کی دو مثالوں کو بیان فرما رہے ہیں لہذا اس میں ایمان کی زیادتی کا بیان نہیں بلکہ ایمان کے دو رنگ بتائے گئے ہیں پس اس سے نور ایمانی و درجہ کی زیادتی ثابت ہوتی ہے جس کا حنفیہ کو انکار نہیں۔

(۲) وسادہ فاضلہ ص ۱

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اس آیت سے ہدایت میں زیادتی ثابت ہوئی اور ہدایت و ایمان ایک چیز ہے، پس ثابت ہوا کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے یہاں بھی پہلے اس آیت کا مطلب سمجھا جاوے۔ یہ آیت اصحاب کھنک کے بارے میں ہے۔

روم میں ایک ظالم و جابر بادشاہ (قیانوس نامی گزرا ہے جو بہت غالی بت پرست تھا اور جبر و اکراہ سے بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا، جب عالم لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دیوبی منافع کی طمع سے اپنے مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے تو اس وقت اسی سرزمین میں چند نوجوانوں کے دلوں میں خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں، ان کے دل خشیت الہی اور نور ہدایت سے بھر پور تھے، حق تعالیٰ نے انہیں ممبر و استقلال اور توکل و تمکيل کی دولت سے مالا مال کیا تھا، بادشاہ کے دربار و جاگزی انہوں نے جرات ایمانی اور استقلال کا مظاہرہ کیا، قرآن کریم نے ان کے اعلان حق کا تذکرہ کیا ہے۔

رَبَّنَا سَبَّحْتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لِنُدْعُو ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کچھ کو معبود نہیں من دونہ النہا لقد قلنا اذا شططنا (کہن) ہمارے کچھ کو اس صورت میں نے یقیناً بے جا بات کہی۔

یعنی جب رب ہی وہ ہے تو معبود بھی وہی ہو گا ربوبیت والوہیت دونوں اسی کے لئے مخصوص ہیں۔ انہوں نے اس اعلان توہید کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ذکر سے مدلل کیا، اس پر بھی نفیس مذکی بلکہ ان سب بت پرستوں کی تکمیل و تجہیل کی کہ سب نے بلا دلیل رب کو چھوڑ کر اور کسی کو معبود ٹھہرا لیا جو سراسر حماقت ہے اور برا لکھ دہکتے ہوئے ان سے دلیل کا مطالبہ کیا اور بڑا ظالم و بے انصاف کہا۔

لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (کہن) ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہت لگے دے۔ یہ لوگ ان معبودوں پر کوئی ٹھکانہ دلیل کیوں نہیں لاتے؟ تو اس سے زیادہ

ان باتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمانی بعیرت اور سوچہ بوجھ کس قدر دی تھی جس کی بدولت وہ لوگ ایسی سرزمین اور ایسے پرخطر مقام میں بھی پہنچ جیسے ایمان پر مضبوط اور ثابت قدم اور عقیدہ توہید پر پختہ رہے اور اپنی بات صاف صاف کہہ دی اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وَزِدْنَاهُمْ هُدًى** ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کردی یعنی ہم نے ان کو اور زیادہ سوچہ بوجھ دی

اب خود اپنے ہی فیصلہ سے ترجیح دیجئے کہ یہاں مراد نفیس ایمان میں زیادہ ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک

بیان کیا جاتا ہے یا لواحق و متعلقات ایمان یعنی ایمانی بصیرت و استقامت اور اس کی موجود و جوہر میں زیادتی مراد ہے جیسا کہ حنفیہ کا مشہور مسلک ہے۔

(۳) **ويزيد الله الذين اهتدوا هدى** | متعلق فرمایا۔ "قل من كان في الضلالة

فلنجتد له الله حننًا مطلقاً (دریم)۔ آپ فرمادیتے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا چلا جا پو۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کو غلطالت و گمراہی میں مداومت رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے مقابلہ میں ویزید اللہ الذین اهتدوا ہدی سے بھی یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایمان پر مداومت اور استقامت عطا فرماتے ہیں پس زیادہ ہے استقامت مراد ہے۔

(۴) **والذين اهتدوا زادهم هدى واكثرهم تقواً** | یہ آیت سورہ محمد کی ہے جس کو سورہ قتال بھی کہا جاتا ہے۔

اس سے قبل اولئذ الذین طبع اللہ علی قلوبہم واتبعوا اھواءہم میں کفار کی دو شکادتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مومنین کے بھی دو صفات حمیدہ بیان فرماتے ہیں طبع اللہ علی قلوبہم کے مقابلہ میں زادہم ہدی اور واتبعوا اھواءہم کے مقابلہ میں واتاھو تقواً۔ اس معلوم ہوا کہ زادہم ہدی سے زیادہ ایمان ملا نہیں بلکہ قلب میں نور ایمان کی زیادتی مراد ہے جیسے کہ طبع اللہ علی قلوبہم میں ظلمت کفر مراد ہے۔

(۵) **ويزداد الذين آمنوا ايماناً** | سورہ مدثر کی اکتیسویں آیت کا ایک ٹکڑا ہے اس سے قبل چند آیتوں میں دوزخ کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے علیہا تسعة عشر (اس پر انیس فرشتے ہیں) یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہو گا اس کے افسر انیس فرشتے ہوں گے جن میں سب سے بڑے وقرطار کا نام "مالک" ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ خاص اس عدد کی کیا علت ہے؟ اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ تکوینیات میں سوال کرنا اور علت کی جستجو صحیح نہیں ہے، دنیا کے ادنیٰ الیٰ اعزٰں تکوینیہ کی علت کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔

ثانیاً شاہ عبدالعزیز نے انیس کے عدد کی بعض حکمتیں بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لئے انیس قسم کے فرشتوں میں جن میں سے ہر فرقہ کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی، کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی ملکر نہیں کر سکتے۔

لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے جس میں کام کرنے کیلئے وہ مامور ہوا ہے مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔

حضرت جبریل علیہ السلام چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں، جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی اگرچہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں مثلاً کان سے ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آواز سے سن لے اور نہ تھکے، آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا تو اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہو سکتا تھا اور دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے اسلئے انیس قسم کے عذابوں کے لئے (جن کی تفصیل تفسیر عریضی میں ہے) انیس ذرہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں۔ علمائے اس عدد کی حکمتوں پر بہت کلام کیا ہے مگر میرے نزدیک (یعنی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے نزدیک) شاہ صاحب رحمہ اللہ کا کلام بہت ہی عمیق و لطیف ہے۔ اس عدد پر احمق مشرکین مکہ نے مذاق اڑانا شروع کیا چنانچہ ان میں سے ایک پہلوان نے کہا کہ سترہ کے لئے تو میں اکیلا کافی ہوں باقی دو کو سب اہل مکہ کہاں چھوڑیں گے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وما جعلنا اصحاب النار الا ملأناک و ما جعلنا
عدوهم الا فتنۃ للذین کفروا (مدثر)

اس عدد کے بیان کرنے کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک تو اس گفتی کے بیان کرنے میں منکروں کی چالیں ہوتی دیکھتے ہیں کہ کون اس کو سکڑاتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان سب قوفوں کو یہ معلوم نہیں کہ وہ جہنم کے داروغے ان کی طرح انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک فرشتہ نے قوم لوط علیہ السلام کی ساری بستی کو ایک بازو پر اٹھا کر پلگ دیا تھا۔ دوسری حکمت یہ ہے۔

لیستیفن الذین اولوا الصلۃ (مدثر) تاکہ جن لوگوں کو کتاب دی ہے وہ یقین کر لیں۔ یعنی اہل کتاب کو آپ کی نبوت اور حقانیت قرآن کا یقین ہو جائے اور ان پر رحمت تمام ہو جائے کیونکہ پہلی کتب سادہ میں بھی داروغہ دوزخ کا یہی عدد آیا ہے، لہذا ہر آپ اسی تھے کتب سادہ کا علم حاصل کئے ہوئے تھے اس کے باوجود ایک ایسی چیز کی خبر دینا جس میں بغیر وحی الہی کے الکل وغیرہ سے کچھ کام نہیں چلی سکتا، یہ آپ کی اور قرآن مجید کی حقانیت کی ایک مستقل دلیل ہے، دلیل بھی ایسی کہ دشمن اہل کتاب بھی اس سے گریز نہ کر سکے اور ان کو بھی اقرار کرنا پڑا اور دشمن کے منہ سے اقرار شدہ دلیل ہونے کی بنا پر مؤمنین کو بھی زیادتی الشراح و طائفت، ایمانی مسرت و دلچاشت ہندور حاصل ہوگی، تو یہ تیسری حکمت ہوگی۔ پہلی دو حکمتوں کو بیان کر کے ان ہی کے متعلق استعمیری حکمت کو بیان فرمایا کہ۔

وینذرو الذین ۲۰ متوا ایمانا (مدثر) اور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ یہاں زیادتی سے مراد نفس ایمان کی زیادتی نہیں ہے بلکہ متعلقات ایمان یعنی ایمانی خوشی و مسرت اور الشراح و طائفت کی زیادتی مراد ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے جبکہ

انہوں نے احیاء موتی کی کیفیت پر چشم خود دیکھنے کی آرزو کی تھی تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ اولعزتو من قلل بنی
ولکن لیطمئن قلبی (بقہ)

مطلب یہ ہے کہ ایمان تو پختہ ہے اب مشاہدہ کی درخواست اسلئے رہے کہ زیادتی انشراح اور عظامت حاصل
ہر جو عاشق ایمان میں سے ہے۔

نیز یہاں امام اعظمؒ کا جواب آمنوا بالجملة ثم بالتفصیل بھی جاری ہو سکتا ہے کیونکہ مومنین پہلے
اس کی پراہمان لائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خبر دی گئے اس کی ہم تصدیق کریں گے یہ ایک اجمالی
مومن بہ تھا کہ چونکہ اس کے لاکھوں افراد و جزئیات ہو سکتے ہیں، اس اجمالی مومن بہ کی ایک تفصیل (یعنی ایک جزئی
و ایک فرد) آئی اور آپؐ نے خبر دی کہ درود و دوزخ انیس میں مومنین سننے ہی بے چون و چرا اس پراہمان لائے
تو بس آمنوا بالجملة ثم بالتفصیل محقق ہوا اسی کو فرمایا گیا ویزداد الذین آمنوا ایمانا۔

(۶) ایکونہ اذقہ ہذا ایمانا فاما الذین آمنوا افراد تھے ایمانا
یہ آیت سورہ توبہ کے آخری
رکوع کی ہے، امام بخاریؒ

نے اس آیت کو بھی ایمان کے زیادة و نقصان پر استدلال کیلئے پیش کیا ہے۔
اس آیت کو بھی سیاق و سباق ملا کر مطلب سمجھ لیا جائے مگر اولاً بطور تمہید کے ایک مثال ذہن نشین کر لیا جائے
کہ تمام تحقیقات و مشاہدات سے یہ بات ثابت ہے کہ بہتر سے بہتر غذا اگر کسی مدیض خاصہ یا ضرر والے کو کھلائی جائے
تو اس کی بیماری کو اور بڑھا دے گی اور میٹ کے اندر گندگی اور پلیدگی اور زیادہ پیدا کرے گی، پہلے اگر پانچ
دست آتے تھے تو اب پندرہ دست آئیں گے یہ بات ہر شخص کے نزدیک مسلم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ فساد اس غذا میں نہیں
ہے بلکہ اس کے میٹ اور مائع میں ہے ورنہ تندرست آدمی میں کیوں فساد نہ ہوا لہذا اس کے پیٹ کی اصلاح ہونی چاہیے۔
جب یہ تمہید ذہن نشین ہوگی تو اب پوری آیت ملاحظہ فرمائیے۔

واذا ما انزلت سورة فمنہ من یقول ایتکم
اذ احبب کو سورہ قرآنی نازل ہوتی تو منافقین آپس میں یا بعض مومن
زاد متہ ہذا کا ایمانا (توبہ)
دل مسلمانوں سے الزام استہزاء و تمسخر کہتے کہ کیوں صاحب حج میں
سے کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا۔

مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھائی کیا ہے؟ کون سے حقائق و معارف ہیں جو ایمان و یقین کی
ترقی کا موجب ہوں۔

حق تعالیٰ نے جواب دیا۔ فاما الذین آمنوا افراد تھے ایمانا الخ بیشک کلام الہی سرگرم مومنین کے
ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے اور قلوب سرور و منشرح ہوتے ہیں، ہاں جن کے دلوں میں کفر و لجاجت کی بیماری
اور گندگی ہے ان کی بیماری اور گندگی میں اضافہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ یہ بیماری ان کی جان ہی لے کر چھوڑتی ہے۔
سہ باران کو درھلا لطافت طبعش خلافت نیست : دربارغ لالہ روید و در شوره بوم خشی

مثلاً قورمہ بہت سی عمدہ اور مقوی غذا ہے مگر جس کا عمدہ فائدہ اس کیلئے سخت مضر ہے۔

زیادتی ایمان کی صورتیں

اولاً یہ کہ ہر صورت میں کچھ جدید معلومات یا جدید احکام نازل ہوتے ہیں جو اجمالی مومن کی نفیصل ہوتے ہیں اس کے نازل ہونے سے

حب مؤمنین اس پر ایمان لاتے ہیں تو آمنوا بالجملة ثمر بالتفصیل "پائی جاتی ہے اسی کو زاد تمہارا
فرمایا یعنی مؤمن ہر کسی زیادتی کو ایمان کی زیادتی سے تعبیر کر دیا ہے۔

ثانیاً یہ کہ جب جدید سورت نازل ہوئی تو کچھ نئے دلائل معلوم ہوئے ان جدید دلائل سے ایمان و یقین میں حلاوت و تازگی، شدت و قوت حاصل ہوئی۔

یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے پوری آیت مع شان نزول
ملاحظہ ہو۔

(۷) فَاخْشَوْهُمْ فَرَادَهُمْ اِيْمَانًا

اس کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ اُحد ختم ہو جانے کے بعد جب کفار قریش میدان اُحد سے واپس ہوئے تو راسخے میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ نہ نیکیت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر چلے آئے مشورے ہوئے گئے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصد تمام کر دیں، آپ صو کو خبر ہوئی تو اعلان فرمادیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ رطالی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین باوجود دیکھنا تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اللہ اور رسول کی پکار پر نکل پڑے، آپ ان مجاہدین کی جمعیت لیکر مقام حمرار الماصد تک (جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل پر ہے) پہنچے، ابوسفیان کے دل میں یہ سنکر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہیں سخت رعب و دہشت طاری ہو گئی، دوبارہ حملہ کا ارادہ فرج کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔ عبد القیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آ رہا تھا ابوسفیان نے ان لوگوں کو کچھ دیکر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سنکر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب و خوفزدہ ہو جائیں، انھوں نے مدینہ پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کی استیعصال کی غرض سے تیار کیا ہے یہ سنکر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوش ایلان بڑھ گیا اور کفار کی جمعیت کا حال سنکر کہنے لگے حسبنا اللہ و انفعو الکوکیل، ساری دنیا کے مقابلے میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے، اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله واتبع المؤمنون

یعنی ایمانی جوش اور توکل و اعتماد بڑھ گیا چنانچہ قرآن کا جملہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل اس پر مہر اسرارۃ دلالت کرتا ہے۔

تو یہاں زیادتی ایمان سے تعلقات ایمان یا مقامات ایمان کی زیادتی مراد ہے حقیقت ایمان میں زیادتی

مراد نہیں۔

بعض حضرات نے اس کا نشان نزول بدر صغریٰ بتایا ہے کہ جنگ اہل تمام ہوئے پر ابوسفیان نے جاتے ہوئے کہا تھا
وَمَوْعِدَنَا الْمَدِينَةَ یعنی آئندہ سال میدان بدر میں پھر زور آزمائی ہوگی، حضرت نے قبول کر لیا، جب اگلے سال آیا
تو حضور ﷺ انشراح علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو اگر کوئی نہیں جائے گا تو اللہ کا رسول تنہا جائیگا۔
اور ابوسفیان فوج لیکر مکہ سے فکا تھوڑی دور چلکر کربلا ٹوٹ گئی، رطب چھا گیا، قحط سالی کا غلہ کر کے
چلایا کہ مکہ واپس جائے مگر صورت ایسی ہو کر الزام مسلمانوں پر رہے، ایک شخص مدینہ جا رہا تھا اس کو کچھ دیا کہ
وہاں پہنچ کر اس طرف کی ایسی خبریں پوچھو کہ ناجن کو سنکر مسلمانوں کو خوف کھا جائیں اور جنگ کو نہ نکلیں۔
وہ مدینہ پہنچ کر کہنے لگا کہ مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے جنگ تمہارے لئے رہبر نہیں مسلمانوں
کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا انہوں نے یہی کہا کہ ہم کو اللہ کا پی ہے۔

آخر مسلمانوں حسب وعدہ بدر پہنچے وہاں بڑا بازار لگتا تھا تین روزہ کر تجارت کر کے خوب نفع کیا کر مدینہ واپس
آئے، اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں، اس وقت جن لوگوں نے وفات کی اور تیار ہوئے ان کو پریشانت ہے کہ
احد میں زخم کھاندا لفظ ان کا کچھ ایسی جرات کی، مسلمانوں کی اس جرات و مستوی کی جو سنکر مشرکین و کفار سے لوٹ
گئے، چنانچہ مکہ والوں نے اس ہم کا نام جلیش السون رکھ دیا، یعنی وہ لشکر جو محض ستویسینے کیا تھا پی کر واپس آ گیا
وَالْفَتْحُ وَابْتِغَاءُ مَتِّ اللَّهِ وَفَضْلُ اللَّهِ يَمْسَسُ سَهْمًا سَوِيًّا یعنی اللہ کا فضل دیکھو کہ کچھ ڈالی کرنی پڑی نہ کاشا چھا
مفت میں ثواب کیا، تجارت میں نفع حاصل کر کے اور دشمنوں پر دھاگ بٹھا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو بھجے ہوئے
صحیح سلامت گھر واپس آ گئے۔

راج قول یہی ہے کہ ان آیات کا تعلق بدر صغریٰ سے نہیں بلکہ غزوہ بدر اہل الاسد سے ہے۔

غزوہ بدر اہل الاسد کی تفصیل کے لئے فقہ الباری کتاب المغازی مطالعہ کیجئے۔

(۸) وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا | یہ آیت سورہ احزاب کی بائیسویں آیت کا کڑوا ہے اس آیت
کا تعلق غزوہ احزاب سے ہے جب کہ مشرکین نے یہ طے

کر لیا تھا کہ سب قبائل بل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کریں اور مسلمانوں کا بالکل استیصال کر دیں، اس کا نقشہ
قرآن مجید نے یوں کھینچا ہے "اِذْ جَاءَ وَكَرِهْنَا وَفَوْقَكُمْ وَمِنْ اسْفَلِ مَكُمْ وَاذْ زَاغَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظَّنَّ وَتَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ
الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (احزاب آیت ۷ و ۸)

اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خائف ہو جاتے مگر اس کے بجائے ان کی قوت
توکل کی یوں حکایت فرماتے ہیں وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (احزاب ۷)

شان نزول سے ثابت ہوا کہ زیادۃ ایمان سے زیادۃ توکل مراد ہے۔

غزوۃ احزاب کی تفصیل کیلئے نصر الباری کتاب المغازی دیکھئے۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے چند آثار صحابہ و تابعین رحمہمیش فرما رہے ہیں۔

امام بخاری رحمہ نے پہلی آیت کو قال اللہ تعالیٰ سے شروع کیا اور اس کے ضمن میں پانچ آیتیں مذکور ہیں۔ درمیان میں قولہ تعالیٰ کا اعادہ نہیں ہے پھر چھٹی آیت کو قولہ سے ساتویں کو

وقولہ اور آٹھویں کو بھی قولہ سے شروع کیا اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب ۱۔ اگرچہ یہ آٹھوں آیات قرآن عزیز کی ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی پانچ آیتوں کا مضمون سے باری تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے کسی کے قول کی حکایت نہیں، اور آخر کی تین آیتوں میں یہ نقل بطور حکایت ہے۔ چھٹی آیت میں کافروں کے تسخّر و استہزار کا جواب ہے اور ساتویں آیت میں کفار کی تہدید پر مسلمانوں کے ثبات و استقامت کی حکایت ہے اور آٹھویں آیت میں بھی خداوند قادر و کس کی جانب سے مسلمانوں کی ہمت و پامردی اور استقلال کے معاملہ کی حکایت ہے، واللہ اعلم۔

والحب فی اللہ وللبغض فی اللہ من الایمان اللہ کے لئے محبت اور اس کے لئے بغض رکھنا بھی داخل ایمان ہے۔

امام بخاری رحمہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حب اور بغض اجزاء ایمان ہیں اور محبت و عداوت کے درجات متفاوت ہوتے ہیں تو ایمان میں بھی کمی و زیادتی ثابت ہو جائے گی۔

جواب ۲۔ اگر یہ مقولہ امام بخاری رحمہ کا اپنا ہے تو حجت نہیں، اور اگر حدیث ہے تو یہ مضمون کتب حدیث میں کہیں نہیں ملتا۔ سنن ابو داؤد میں حدیث یوں ہے ”من احب اللہ والبغض اللہ واعطی اللہ ومنح اللہ فقد استكمل الایمان“ جو اللہ کے لئے محبت کرتا ہے اور اللہ کیلئے بغض رکھتا ہے اور اللہ ہی کے لئے خیرات کرتا ہے اور اللہ ہی کے لئے دینے سے رکھتا ہے تو اس نے ایمان مکمل کر لیا۔

۳۔ اگر بالفرض اسے حدیث تسلیم کر لیں اس بنا پر کہ امام بخاری رحمہ اعلم بالحدیث تھے ممکن ہے کہ انھیں یہ حدیث ملی ہو مگر ہمیں اس کا علم نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ من الایمان میں من تعصیہ نہیں بلکہ ابتداء ہے۔ مطلب یہ کہ حب فی اللہ والبغض فی اللہ کی ابتداء ایمان سے ہوتی ہے یعنی ان کا امتداد ایمان ہے۔

۴۔ اگر من کو تعصیہ بھی لے لیں تو یہ ایمان سبھی کے اجزاء نہیں بلکہ معلیٰ کے اجزاء ہیں گماڑہ تفصیل۔

وکتب عمر بن عبد الحمید بن عمار بن عدی عمر بن عبد العزیز رحمہ نے عدی بن عدی کو لکھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ غلیظہ راشد عمر ثانی کے نام سے مشہور ہیں جن کے عدل و انصاف پر تاریخ شاہد ہے یہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، اول صدی کے اختتام اور دوسری صدی کی ابتداء میں صوبہ سے پہلے مجتہد بالافتاق ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ کے تفصیلی حالات تدوین حدیث میں مذکور ہو چکے ہیں۔ ان کے بارے میں

مشہور ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد دنیا بھر کا عدل ایک طرف ہو اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا ایک جانب تو سب پر بھاری سرجائیگا جیسے کہ دنیا بھر کے مظالم ایک طرف ہوں اور حجاج بن یوسف کے دوسری طرف، تو حجاج کے مظالم سب زیادہ فحش ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ افضل ہیں یا کہ امیر معاویہ رحمہ اللہ؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ حضرت معاویہ رحمہ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بہار کیلئے جس گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اس گھوڑے کی ناک کی گرد بھی عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے افضل ہے۔ یہ فضیلت صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے اس سے ضرورت صحبت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ آج کل فقن متقاہرہ میں سے ایک عظیم فتنہ دبا کی طرح یہ بھی پھیل رہا ہے کہ اہل علم حضرات بھی اہل اللہ کی صحبت کی ضرورت کا انکار کرتے گئے ہیں۔

ضرورت صحبت پر چند دلائل

(۱) واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشوى يرمدون وجہہ ولا تعد عینک عنهم تنريد امانة الحیوة الدنیا (سورہ کہف)

روسانے مشرکین نے یہ درخواست کی کہ ہمارے آئے کے وقت آپ ان فکار و مساکین کو اٹھا دیا کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بدستور اپنی طویل صحبت سے اپنے اصحاب کو مشرف فرماتے رہیں اور کسی رئیس کے ایمان لانے کی امید میں ان طالبین کو اپنی جائست طویلہ کے کسی حق سے محروم نہ فرمائیں۔

(۲) یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (توبہ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا امر نہایت اس کی تفصیل کا طریقہ بیان فرمادیا کہ صادقین کے ساتھ رہو پڑو یعنی صادقین کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ رہو۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے قول مذکور سے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑا ولی اللہ ولی سے ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، یہ مضمون خود حدیث سے بھی ثابت ہے۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فان احدکم لو اففق مثل احد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا نصیحتہ (رواہ الشیخان)

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمس النار مسلما رافی اور ای من رافی (رواہ الترمذی)

غرضیکہ پیغمبر مظلوم ہونے کے ساتھ مسلم بھی ہے کہ کوئی غیر صحابی صحابی کا درجہ نہیں پاسکتا پس غور طلب یہ ہے کہ صحابی کی وجہ فضیلت کیا ہے؟ سوائے فضیلت صحبت کے اور کوئی وجہ نہیں۔ اس سے ثابت ہوا

کہاں اللہ کی صحبت میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا رَوَّادَکُمُ اللہُ" یعنی ان کو دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔

(۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلواکمما رأیتمونی اصلتی، یہ دلیل ہے کہ دین قیل و قال سے نہیں بلکہ کسی صاحب حال کی بندگی اور غلامی دیکھ کر اس کی حرکات و سکنات، قیام و رکوع، سجود میں اس کے ہر عضو سے جو عظمت الہیہ کے پیش نظر ایک خاص مسکن اور عاجزی ٹپکتی ہے اس کے مشاہدہ سے جو قلب پر اثر پڑتا ہے اور بندگی کی جو روح ملتی ہے وہ کتابوں اور قیل و قال سے کہاں حاصل ہوتی ہے حج اکبر الا آبادی نے خوب فرمایا ہے

نکاتوں سے نہ عقول سے نہ ذرے پیدا ہوا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (۵) یہ امر مسلم ہے اور معقول و مشاہدہ ہے کہ دنیا کا کوئی فن بھی ماہر فن کی صحبت کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا مثلاً ڈاکٹری کے فن پر بہتر سے بہتر زبان میں ہزاروں کتابیں بہت مفصل اور جامع موجود ہیں مگر آج تک کوئی شخص صوفی ان کتابوں کے مطالعہ سے ڈاکٹر نہیں بن سکا، ڈاکٹر بننے کیلئے معتد بہ وقت تک کسی ماہر فن کے پاس رہنا ضروری سمجھا جاتا ہے، بعینہ اسی طرح کسی کامل کی جوتیاں سیدھی کئے بغیر تعلق مع اللہ نہیں پیدا ہوتا۔

سے جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت ہے اک خاصہ بخاندانہ ہے ایک سینہ لبیدہ ہے
قال را بگذار و مرد حال شو + پیش مرد کامل پامال شو
اگر صحبت کی ضرورت نہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہی بے معنی ہو جاتی ہے، اس صورت میں تو کلمی لکھائی کتاب نازل کر دی جاتی، لوگ خود بخود اس کا مطالعہ کر کے داخل ہوتے ہو جاتے، رسول کی کیا ضرورت تھی؟
صحبت اولیاء سے محروم رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالم تو بنجاتے ہیں مگر انسانیت کے آداب تک سے بے بہرہ ہوتے ہیں

شیخ شری و زاہد شری و دانشمند + این جملہ شری و لے انان نہ شری
پھر کچھ لوگوں کے معتقد ہو جائے پر پنداریہ کہ ہمچوں میں دیگرے نیست
کسی صاحب نظر سے شخصیں کو انا ضروری ہے۔
سے بننا بعضا صاحب نظرے گو ہر خود را + علیٰ توانا گشت تبصیر حق خیرے چند
ہمیں کہتی ہے دیاتم ہر دل وائے جگر وائے
ذراتم بھی تو دیکھو کہ ہر تم بھی تو نظر وائے

الی عدی بن عدی اما عدی فہو ابن عدی بفتح العین فیہما ابن عمیرہ بفتح العین الم (عمہ)

یہ عدی بن عدی تابعی ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے جزیرہ کے عامل (گورنر) تھے ۲۰ھ میں ان کے

وفات ہوئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے عدی بن عدیؓ کو جو ہدایت نامہ بھیجا اس کے الفاظ یہ ہیں۔
اقتلا جیسا دافوا لفضی وکسر ہجرۃ ان وافر لفضی بالنصب علی انہا اسم ان ایان کے لئے فرائض، شرائع
حدود اور سنن ہیں۔

تشریح الفاظ

فرائض اعمال مفروضہ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ شواہد دینی عقائد جو تمام
انبیاء میں متفق علیہ تھے۔ وحدود ای المنہیات یعنی محرمات و ممنوعات شرعیہ۔

و سنن ای المنہیات (معمود وغیرہ)

فمن استكملها استكمل الایمان الخ پھر جس نے ان چیزوں کی تکمیل کر لی اس نے ایمان کامل کر لیا
اور جس نے ان تمام چیزوں کو پورا نہیں کیا اس نے ایمان کامل نہیں کیا۔
گویا یہ امور اجزاء مقومہ نہیں بلکہ اجزاء مکملہ ہیں کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ ان کے نہ ہونے کی شکل میں ایمان جاتا رہے گا
بلکہ یہ فرمایا کہ کمال ایمان ان کے پاسے جاتے پر موقوف ہے، حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں "فالمراد انہما
من المکملات لان الشارح اطلق علی مکملات الایمان ایمانا (فتح ص ۳۷۱)۔"

پس ثابت ہو گیا کہ یہ امور حقیقت ایمان میں داخل نہیں، علاوہ بریں امام راغب اصفہانیؒ نے تمام و کمال میں فسق
بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تمام ذات کے لئے اور کمال صفات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے پس جب حضرت عمر
بن عبدالعزیزؓ کے ارشاد میں اتمام کا لفظ نہیں بلکہ استكمال کا لفظ ہے تو معلوم ہوا کہ سب چیزیں ذات ایمان میں داخل
نہیں، پس امام بخاریؒ کا مقصد اس سے صرف حرجیہ کی تردید ہے کہ تم اعمال کی کوئی اہمیت ہی نہیں سمجھتے اور تکمیل ایمان
کے لئے بھی عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے حالانکہ آیات قرآنہ اور احادیث نبویہ اور اقوال اکابر میں اعمال کی ہیبت
تاکید ہے اور بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ بغیر عمل کے ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

قوله فان اعشبت فسا بیئتما الخ اگر میں زندہ رہا تو تمام تفصیلات واضح طور سے بیان کر دوں گا تاکہ تم
عمل کر سکو۔

ممکن ہے کہ اس میں ارادہ تہدین حدیث کی طرف اشارہ ہو چنانچہ آپ نے مسند میں بڑے وسیع پیمانے پر
تہدین حدیث کا لام شروع فرمایا جس کی تفصیل "تہدین حدیث" کے تحت گذر چکی ہے۔

وان امت حضا انا علی صاحبکم رحمۃ یمن اور اگر میں مر گیا تو میں تمہاری صحبت کا حلیہ نہیں ہوں فقط
عما سوی الشکر کی کیفیت کو کس عجیب انداز سے بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس دولت عظمیٰ سے نوازیں۔ آمین۔
وقال ابراہیم علیہ السلام وکن لیطمئن قلبی اس سے بھی امام بخاریؒ جو ایمان کے قابل زیادہ
و نقصان ہونے پر استدلال فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احیاء موتی پر ایمان تو پہلے سے تھا لہذا
ولکن لیطمئن قلبی سے زیادہ ایمان مطلوب ہے۔

جواب

اطمینان کے معنی ہیں سکون و ٹھہراؤ، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جملہ تو اس پر دلیل ہے کہ آپ کو احیاء موتی کا یقین کامل اور اس پر ایمان بدرجہ اتم پہلے سے موجود تھا اس لئے کہ کسی چیز کا یقین ہوگا جب ہی تو اس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوگا جتنا یقین زیادہ ہوگا اسی قدر شوق میں زیادتی ہوگی اور فطرت شوق سے قلب میں اضطراب و بے قراری پیدا ہوتی ہے جو دیکھنے کے بعد سکون سے بدل جاتی ہے۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ احیاء موتی پر ایمان و یقین کامل ہونے کی وجہ سے شوق و ودیت نے دل کو بے قرار کر رکھا ہے اس لئے اس کا سکون چاہتا ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اطمینان قلب سے زیادہ ایمان مراد نہیں، ایمان کامل تو پہلے سے موجود تھا اگر معاذ اللہ پہلے یقین نہیں تھا تو دیکھنے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ مثلاً بیت اللہ کو دیکھنے کا شوق اور بے قراری اسی شخص میں پیدا ہو سکتی ہے جو اس کے وجود اور اس کی جلالت شان پر یقین کامل رکھتا ہو (ارتداد الساری)

وقال معاذ اجلس بنا ثلثون ساعة معاذ (لغیم الیم) یہ وہی مشہور صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ خنزرجی ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے مشہور طاعون عوام میں شامہ میں وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر تینتیس سال کی تھی (عمرو) یہ روایت مسند احمد بن حنبل، مصنف ابن ابی شیبہ کے اندر مسند صحیح کے ساتھ موجود ہے کہ اسود بن ہلال کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ ہمارے پاس بیٹھو ہم تھوڑی دیر ایمان لائیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مومن کامل الایمان تھے اس لئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مقصد تھوڑی دیر کیلئے ایمان لانا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیاوی دھندلوں میں پڑ کر کچھ غفلت ہی آگئی ہے، آؤ ذکر اللہ کے ساتھ اس غفلت کو دور کر کے ایمان کی تجدید اور اسکو تازہ کر لیں، اس روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا یہی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی ایمان کی زیادتی کے قائل تھے مگر یہ زیادتی اصل ایمان میں نہیں بلکہ کیفیت ایمان میں ہے جس سے مرجعہ کی بکھری ترمید ہو گئی۔

وقال ابن مسعود یقین الایمان کلمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یقین کل کا کل ایمان ہے طبرانی نے مسند صحیح کے ساتھ اس اثر کو نقل کیا ہے، بخاری شریف کے اندر یہ روایت مختصر ہے حافظ نے طبرانی سے پورا اثر نقل کیا ہے الصبر نصف الایمان والیقین الایمان کلمہ پہلا جملہ امام بخاری رحمہ اللہ کے مدعا کیلئے بالکل صریح ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ کبھی کبھی صاف اور واضح چیز کو حذف کر دیتے ہیں اس سے طلبہ کی تمرین اور مشاقق ہوتی ہے۔

اس جملہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یوں ہوگا کہ اس جملہ میں لفظ کل سے ایمان کی تاکید لائی گئی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ لفظ کل سے تاکید ذوا جزا ریشی کی لائی جاتی ہے، لہذا معلوم ہو گیا کہ ایمان ذوا جزا ہے اور جب ذوا جزا ہے تو مرکب بھی ہوگا اور اس میں کمی و زیادتی بھی ہوگی۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ جب ایمان کامل ہوگا تو اس کے

اجزاء بھی ہوں گے کیونکہ کل مجموعہ اجزاء کو کہا جاتا ہے، نیز اس جملہ میں یقین کو ایمان کہا گیا ہے اور یقین کے درجات متفاوت ہیں علم یقین، عین یقین، حق یقین، لہذا اس سے ایمان میں کمی زیادتی ثابت ہوگی، حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ ایمان کامل زدا اجزاء ہے اس میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔ البتہ مرجیہ کی بخوبی تردید ہوگئی۔

وقال ابن عمر لا يبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يبدع ما حاك في الصدر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بندہ تقویٰ کی حقیقت رکھال تقویٰ، کو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ جربات دل میں کھلگئی ہو اس کو چھوڑ دے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول سے تقویٰ کے مختلف مراتب ثابت ہوئے اور تقویٰ ایمان ہی ہے پس معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی متفاوت درجات ہیں۔

جواب:- نفس ایمان ایک چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے جس کے مختلف درجات ہیں، تقویٰ کے لغوی معنی ہیں معزت سے بچنا، اور شرعاً ان چیزوں سے بچنا جو آخری زندگی میں مضر ہوں، تقویٰ کے درجات سات ہیں (۱) شرک و کفر سے بچنا (۲) بدعات سے بچنا (۳) کبائر سے بچنا (۴) کبائر و صغائر دونوں سے بچنا (۵) مباحات مؤدیہ الی الحرام سے (۶) مشتبہات سے (۷) احتراز عما سوی اللہ تعالیٰ، یہ آخری درجہ خاص مگر میں کو حاصل ہوتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول حتی یبدع ما حاک فی الصدر سے تقویٰ کا چھٹا درجہ مراد ہے یعنی مشتبہات سے احتراز، اور یہ قول ماخوذ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد دع ما یرسلک الی ما لا یرسلک سے۔

بہر حال تقویٰ کے درجات مختلف ہیں سب سے ادنیٰ درجہ شرک و کفر سے بچنا ہے اور اعلیٰ درجہ جو اخص النواص یعنی مقربین کا تقویٰ یہ ہے کہ ہر ماسوی اللہ سے پرہیز کرے یعنی ہر کام میں رضائے الہی مقصود ہو۔ اس سے بھی مرجیہ کی تردید ہوتی ہے کہ اعمال کو ایمان کے سلسلے میں قطعاً موثر نہیں مانتے حالانکہ چھوٹے چھوٹے اعمال کو بھی تقویٰ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

وقال مجاهد شیعہ لکم من الدین ما وضحی بہ لولا اوصیناکم یا محمد وایاک دینا واحد اور مجاہد رحمہ اللہ نے آیت کریمہ شروع لکم من الدین ما وضحی بہ لولا اوصیناکم یا محمد وایاک دینا واحد اور حضرت نوح علیہ السلام کو ایک ہی دین کی وصیت کی (یعنی حکم دیا ہے) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص شاگرد امام مجاہد رحمہ اللہ کے قول سے امام بخاری رحمہ اللہ یوں استدلال کرتے ہیں کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کا دین یعنی ایمان ایک ہی ہے معہذا یہ ادیان فرد و جزئیات میں مختلف ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔

جواب:- یہ آیت اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی یہ تفسیر احناف کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس سے اصول دین میں اتحاد اور فرد میں اختلاف ثابت ہوا، پس احناف بھی یوں ہی سمجھتے ہیں کہ اصل ایمان مرکب نہیں اور اس میں زیادۃ و نقصان کا کوئی احتمال نہیں، ہاں فرد میں کمی زیادتی ہوتی ہے البتہ مرجیہ کی بخوبی تردید ہوتی ہے۔

دعویٰ - قال اردی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۔

کہ برابر ہی کند شاہ نجیہ
نادر مومن ہی دایم دوست

ہشک را در وزن باغون شہید
مرد قنبر عاقل کہ این اعزاز دوست
(ماخوذ از ارشاد القاری)

یہ امام بخاری رحمہ کے دلائل پر ایک نظر

امام بخاری رحمہ کے ترجمہ اور دلائل کا رخ مرجعہ اور معتزلہ کی طرف ہے اہل سنت درمیان میں ہیں لیکن ان میں سے کوئی مرجعہ سے قریب ہے اور کوئی معتزلہ سے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ بھی تجویز فرمایا کرتے تھے لیکن اگر کوئی اس حقیقت سے قطع نظر کرے یہی کہتا ہے کہ امام بخاری نے یہاں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کا رخ کیا ہے تب ہم امام بخاری رحمہ سے سوال کریں گے کہ معاملہ ایمانیات کا ہے اور آپ اس سلسلہ میں امام اعظم رحمہ سے کچھ رہے ہیں آپ نے جو ترجمہ قائم فرمایا ہے وہ بنی الاسلام علی خمس ہے، دعویٰ تو ایمان کے زائد و ناقص ہوئے کسبہ اور جو دلائل اس کے ثبوت کیلئے پیش فرماتے ہیں ان سے ایمان کی نہیں اسلام کی کئی بیشی کا اثبات کیا، کہیں محبت کا ذکر ہے، کہیں تقویٰ کی کئی بیشی کا بیان ہے، محبت اور تقویٰ کے زائد و ناقص ہو گیا ہیں بھی انکار نہیں ہے۔ اسلام کے اندر اعمال داخل ہیں ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے لیکن نفس ایمان کا زائد و ناقص ہونا جس کا کہ آپ نے دعویٰ کیا ہے وہ ان دلائل سے ثابت نہیں ہوتا۔

● حدیث عبد اللہ بن موسیٰ قال اخبرنا حنظلہ بن ابی سفیان عن عکرمۃ بن خالد عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان۔ ●

ترجمہ ہم سے بیان کیا عبید اللہ بن موسیٰ نے، کہا ہم کو خبر دی حنظلہ بن ابی سفیان نے انھوں نے سنا عکرمہ بن خالد انھوں نے ابن عمر رضی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی عبادت پانچ چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ کی ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کو قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

اخر جہ البخاری ایضاً فی التفسیر ص ۶۳۸ حدیث ملکہ وہنا بخاری اول مسلم
ایضاً اخرج مسلم وغیرہ۔

تعدّد الحدیث

مطابقتہ للترجمة

ترجمة الباب سے حدیث کی مطابقت بالکل واضح ہے لان لفظ الحدیث ہو ترجمہ الباب -

بیان رجالہ

دوم اربعۃ الاول عبید اللہ بن موسیٰ توفی بالاسکندریۃ سنۃ ثلاث عشر اور اربعۃ عشر و مائتین یعنی ۲۱۳ یا ۲۱۴ھ میں انتقال ہوا۔

الثانی حنظلہ بن ابی صفیان ہو قرشی مکی من ذریۃ صفوان بن امیۃ المذنبی سنۃ احدى و خمسين و مائۃ ۱۵۱
الثالث ۱۔ عکرمہ بن خالد بن العاصی مات بعد عطار و عطار مات ۱۱۳ھ یا ۱۱۴ھ (عمرہ)

تنبیہ

عکرمہ بن خالد بن العاصی کے طبقہ میں عکرمہ بن خالد بن سلمہ بن ہشام مخزومی بھی ہیں جو ضعیف ہیں بخاری شریف میں ان کی روایت نہیں اور نہ ابن عمرہ سے ان کی روایت ہے فقہانہ فانیہ لاقتبہ (عمرہ)

الرابع ابن عمر ہو عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما۔

ابن عمرہ کا مختصر حال

یہ ابن عمر حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمر ہیں اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں انہی کی

والدہ ماجدہ زینب بنت مطلقہ ہیں جو حضرت عثمان بن مطلقہ کی ہمیشہ تھیں۔
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قدیم الاسلام ہیں اپنے والد ماجد کے ساتھ مکہ معظمہ میں پچھپے میں مشرف باسلام ہوئے اور اپنے والد ہی کے ساتھ ہجرت بھی کیا۔

بعضوں کا خیال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے پہلے مسلمان بھی ہوئے اور ہجرت بھی پہلے ہی کیا لیکن یہ قول صحیح نہیں جیسا کہ خود عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد نافع رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے کافی البخاری جلد ثانی ص ۶۱
نصر الباری کتاب المغازی حدیث ۲۱۳۔ کم سنی کی وجہ سے غزوہ بدر و غزوہ احد میں شریک نہ ہو سکے، غزوہ احد میں شرکت کرنی چاہتے تھے مگر پورے پندرہ سال کے نہ ہونے کی وجہ سے واپس کر دیئے اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ وہ اکثر العجائبہ روایت بعد ابی ہریرۃ (عمرہ ص ۱۱۶) حضرت ابو ہریرہ کے بعد تمام صحابہ میں سب سے زیادہ کثیر الروایت ہیں ان سے دو ہزار چھ سو تیس حدیثیں مروی ہیں، ایک سو شتر روایتوں کی تصحیح میں شیخین متفق ہیں بخاری شریف میں ان کی اکیاسی حدیثیں ایسی ہیں جو مسلم میں نہیں اور مسلم شریف میں ان سے اکتیس روایتیں ایسی ہیں جو بخاری میں نہیں۔ (عمرہ ص ۱۱۶)

وفات۔ عبد الملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو تاکید کر دی تھی کہ امور حج میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرے یہ چیز حجاج کو ناگوار گذری جب وفات سے لوگوں کی دایہ ہوئی تو حجاج کے اشارہ سے ایک شخص نے زہر آلود نیزہ قدم میں لگا دیا یہ چند ہی دن بیمار ہو کر ذی الحجہ ۳۳ھ میں شہادت سے مشرف ہوئے۔

تشریح حدیث | اس حدیث میں اسلحہ کو ایک جیسے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پانچ دھام

استون) پر قائم ہے ایک عمود و قطب (درمیانی مستحکم و مضبوط ستون) اور چاروں طرف اوتاد (کھوسے)۔ تو جس طرح خیمہ کی اصل بنیاد درمیانی ستون (قطب) پر ہے اور اس کی تکمیل کیلئے (یعنی اس کے پھیلاؤ کو قائم رکھنے کیلئے) چاروں طرف اوتاد (کھوسے) گاڑ کر استیوں سے بانڈ دے جاتے ہیں اور اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس میں بیچ کا عمود (قطب) اگر نہ ہو خواہ اوتاد باقی بھی رہیں تو خیمہ قائم نہیں رہیگا جیسا کہ نوعیت اسلام کے ان امور خمسہ کی ہے شہادت تو حید و مہالت بمنزلہ عمود (قطب) کے ہیں جس پر خیر اسلام کھڑا ہے اور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بمنزلہ چاروں اوتاد و ارکان کے ہیں، اگر شہادتین (تصدیق قلبی) موجود ہوں اور چاروں ارکان میں سے صلب کے صلب یا کوئی ایک ساقط ہو جائے تو بھی ایمان باقی رہیگا البتہ جس طرف کا ستون ساقط ہوگا رستیاں ڈھیلیں پڑ جائیں گی اس طرف سے ناقص رہے گا۔ لیکن اگر شہادتین ہی ساقط ہو جائیں تو پھر ایمان کا نام دلشان باقی نہیں رہیگا۔

تو جس طرح خیمہ گرمی، سردی، بارش وغیرہ آفات جسمانیہ سے حفاظت کرتا ہے اسی طرح اسلام آفات اخوت سے محفوظ رکھتا ہے۔

ارکان اسلام تو اور بھی ہیں صرف پانچ کی تخصیص کیوں کی گئی؟

اشکال

جواب۔ ۱۔ ان پانچ ارکان میں حصہ مقصود جس صنف مشہور ترین ارکان کو بیان کر دیا۔

۲۔ ارکان اسلام کی مختلف انواع میں سے ہر نوع کا ایک رکن بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ احکام یا قبیل اعتقاد سے ہوں گے یا قبیل اعمال سے، امور اعتقادیہ میں سے شہادتین کا ذکر فرمایا۔

پھر اعمال کی دو قسمیں ہیں ایجابی و سلبی (وجودی ہوں گے یا نہ ہوں گے) اعمال سلبیہ (یعنی نہ ہوں گے) میں سے صوم پر کھانا

فسرمایا۔

پھر اعمال ایجابیہ کی تین قسمیں ہیں، محض بدنی، محض مالی، بدنی و مالی دونوں سے مرکب و محض بدنی میں سے نماز و محض مالی میں سے زکوٰۃ اور مرکب میں سے حج کو بیان فرمایا۔

الفاظ حدیث کی تقدیم و تاخیر بخاری شریف کی اس روایت میں حج مقدم ہے اور صوم و نذر ہے امام بخاری نے اسی روایت پر اعتماد بھی کیا چنانچہ صحیح بخاری

میں کتاب الحج کو پہلے اور کتاب المقیم کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس روایت سے امام بخاری رحمتہ نے اپنی کتاب کی ترتیب کی جانب اشارہ کیا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک تلمیذ (بشر بن السکسکی) نے ان کو یہ روایت پڑھ کر سنائی تو اس میں یوں کہا: "والحج وصیام رمضان"

اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لا صیام رمضان والحج هكذا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم رمضان کو حج سے مقدم ذکر فرمایا تھا لہذا صحیح بخاری میں جو ذکر حج مقدم ہے اسے روایت بالعنی پر محمول کیا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی لادی کو یہ

صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تصحیح سے امام نووی رحمہ اللہ کے استاذ حافظ ابن صلاح نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ واؤ ترتیب کیلئے آتی ہے، ابن صلاح کے اس استدلال کا جواب خود شوافع میں سے نووی اور حافظ رحمہما اللہ نے یہ دیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ تصحیح اس لئے نہیں فرمائی کہ ان کے یہاں واؤ ترتیب کے لئے سب سے پہلے تصحیح سے مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الفاظ جس طرح ثابت ہوں ان کو حتی المقدور ویسے ہی نقل کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

واؤ اگرچہ ترتیب کیلئے نہیں آتی مگر ترتیب ذکر میں کلام بلغار میں عموماً اور کلام اللہ و کلام الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خصوصاً کوئی نکتہ ضرور ہوتا ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ کی ترتیب ذکر میں ملحوظ رکھتے ہوئے صفائے سعی کی ابتدا فرمائی اور فرمایا سُبْحَانَكَ اَجْمَادُ اللّٰهِ بِهٖ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔

اس حدیث میں صوم کو حج سے مقدم کرنے کی حکمت حافظ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ صوم کی فرضیت حج سے پہلے ہوتی ہے، صوم سترہ میں فرض ہوا، اور حج علی اختلاف الاقوال سترہ یا سترہ میں فرض ہوا، چونکہ صوم کی فرضیت مقدم تھی لہذا ترتیب ذکر میں بھی اسے مقدم رکھنا مناسب تھا۔

نیز صوم کی تقدیم اس لئے بھی مناسب ہے کہ صوم کا مکلف ہر بالغ ہے اور حج کا مکلف ہر بالغ نہیں۔ نیز یہ کہ حج پوری زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے اور روزہ ہر سال لازم ہوتا ہے۔

یہ اعمال و عبادات دو طرح کی ہیں، ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ کی شانِ حاکمیت سے ہے کہ وہ حاکم ہیں اور ہم محکوم۔

اعمال اربعہ کی تشریح

اور دوسری قسم شانِ محبوبیت سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں نبیوں کی بعض عبادات شانِ جلال کی مظہر ہیں اور بعض شانِ جمالی کی۔

نماز اور زکوٰۃ حاکمانہ شان کی مظہر ہیں جس سے جلال باری تعالیٰ کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ اذان دربار شاہی گھنٹے کی گھنٹی ہے، دربار میں جاہزی کے لئے بدن اور لباس کی طہارت و صفائی کا اہتمام کیا جاتا ہے اور عمدہ لباس اختیار کیا جاتا ہے۔ "خذوا زینتکم عند کل مسجد (اعراف) تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اور دربار کی طرف دوڑتے ہوئے نہیں بلکہ وقار کے ساتھ جایا جاتا ہے، حاکم کی خاص مجلس میں حاضر ہونے سے قبل کچھ وقت انتظار کرنا پڑتا ہے لہذا نماز میں بھی مناسب یہ ہے کہ جماعت قائم ہونے سے کچھ پہلے مسجد میں پہنچ کر انتظار کرے اس کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھوں کے اشارے سے اس عالم کو پس پشت ڈال کر بارگاہ الہی میں حاضر ہوتا ہے یہی ہے تفسیر تحریر۔

شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کو اٹھا کر باندھنے سے پہلے کچھ خفیف ارسال کرے جس میں پتیلیوں سے

ذرا سا اشارہ ہو جائے تب تکھے کی طرف نہ تمام غیر اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔

حاکم کے دربار میں پہونچ کر سب لوگ پہلے سلام و آداب بجالاتے ہیں اس لئے حکم ہوا کہ نماز شروع کرتے ہی امام اور سب مقتدی شایڈھیں، اس کے بعد سب حاضرین کی طرف سے ایک نمائندہ درخواست پیش کرتا ہے، اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ صرف امام ہی پڑھے کیونکہ یہ درخواست کا مفہون بھی اللہ تعالیٰ نے خود سکھادیا، اس لئے اس صورت کے ناموں میں سے ایک نام سورہ تعلیم المسئلہ بھی ہے۔

فاتحہ کے جملوں پر داد خداوندی | اس درخواست کے ہر جملہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے داد بھی دی جاتی ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قسمت الصلوٰۃ یعنی ویدین عبدی نصفین
ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد الحمد
جاء رب العالمین قال اللہ تعالیٰ حمد فی
عبدی واذا قال الرحمن الرحیم قال
اللہ اثنی علی عبدی واذا قال مالک
یوم الدین قال محمد فی عبدی فاذا
قال ایتاک نعبد وایتاک نستعین
قال ہذا بیٹی ویدین عبدی ولعبدی
ما سأل فاذا قال اهدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب
علیہم ولا الضالین قال ہذا العبدی
ولعبدی ما سأل۔

میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نماز کو تقسیم کر دی ہے
اور میرا بندہ جو مانگتا ہے وہ ملتا ہے تو جب بندہ الحمد
کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے
میری تعریف کی اور جب بندہ الرحمن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
میرے بندہ نے میری تعریف کی اور جب بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ
ایک نعبد وایک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے
اور میرے بندے کے درمیان راز میری آدمی تقسیم ہے اور میرا بندہ
جو مانگے گا ملیگا (سورہ کا آخری حصہ میرے بندہ کے لئے ہے)
جب بندہ کہتا ہے اهدنا الصراط المستقیم الا یہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے یہ سب میرے بندہ کے لئے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا
ملے گا۔ (مسلم شریف جلد اول ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۲ ایضاً مشکوٰۃ شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کی ہر آیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے داد دی جاتی ہے۔ حدیث سے بھی ثابت ہے
کہ حضور اقدس ص سورہ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف فرماتے تھے۔ اس بنا پر ہم لوگوں کو بھی چاہئے کہ سورہ فاتحہ کی
ہر آیت پر وقف کریں اور تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس لیا اور جواب دیا۔

اس غرض سے وقف کرنے پر شیخ اکبر، حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمائی ہے
احقر نے شیخی و استاد شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کو ہمیشہ اس پر عمل کرتے دیکھا۔

اس کے بعد سب مقتدی آئین کبیر امام کی پیش کردہ درخواست کی تصدیق کرتے جیسے۔

اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ امام قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھ کر سنا دیا جانتے ہیں کہ ہم نے اھدنا الصراط المستقیم میں جو ہدایت طلب کی ہے اس کے جواب میں ہم تمہیں یہ کتاب دیتے ہیں جو ہدی للمتقین ہے۔

نماز میں یہاں تک تو صرف زبان سے حمد و ثنا تھی آگے جو ارج سے بھی آداب بجالانے کیلئے رکوع میں جھک جانا ہے، اس کے بعد امام سمیع رحمہ اللہ نے حمد کا کھگر یہ بشارت دیتا ہے کہ آپ کی قوی و فعلی حمد قبول ہوگی، اس بشارت پر بطور شکر مقتدی دینا واللہ الحمد کھگر مزید حمد کرتے ہیں۔

پھر احکم الحاکمین کے سامنے انتہائی تذلل کے اظہار کیلئے اشرف الاعضاء یعنی چہرہ خاک میں ملا دیتا ہے اور مکرر سجدہ کر کے یہ ظاہر کرتا ہے کہ شان جلالی و جمالی دونوں پر مرستے کیلئے تیار ہے۔

حکمت زکوٰۃ نماز پڑھ کر جب احکم الحاکمین کی حکومت تسلیم کر لیا اور اپنے غلام اور محکوم ہونے کا اقرار و اظہار کر دیا کہ میں تیرا ہی غلام اور فرمانبردار محکوم ہوں، تیری ہی حکومت میں بس رہا ہوں۔

اور ہر حکومت کا یہ قاعدہ ہے کہ رعایا کے اوپر چیکس لگایا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری رعایا جان و مال دونوں سے حاضر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمانہ شان سے زکوٰۃ کو فرض کر کے حکم دیا کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ اور بندہ زکوٰۃ ادا کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ ہم جیسے اپنی جان سے حاضر ہیں اسی طرح مال سے بھی حاضر ہیں۔

غرضیکہ نماز و زکوٰۃ شان جلالی یعنی حاکمانہ شان کی مظہر ہیں اور صوم و حج شان جمالی یعنی محبوبیت کے مظہر ہیں۔ پہلی عبادت روزہ ہے کہ اس میں ماسوا اللہ کو ترک کرنا ہے، تین ہی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ترک کرنے کے بعد انسان کو کسی چیز کی حاجت نہیں رہ جاتی اور وہ تینوں چیزیں کھانا، پینا اور جماع ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ محنت و مشہد توں کے کسر و انقطاع کا نام ہے اور وہ شہوت، بطن اور شہوت فرج اور ان مشہد توں کے ترک کا نام روزہ ہے بشرطیکہ نیت ہو حکم الہی کی بجا آوری اور اسی کی طرف انقباض کی۔

روزہ حج بندہ ان دونوں کو ادا کر کے اپنی محبت و عاشقانہ شان کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر عاشق ہو تا ہے تو عشق کی پہلی منزل یہ ہے کہ ان کا کھانا اور رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے، پھر دوسری منزل یہ آتی ہے کہ عاشق صادق ہر چیز سے قطع تعلق کر کے خلوت میں بیٹھ کر محبوب کے تصور میں ہر وقت منہمک رہتا ہے۔

یہ جی چاہتا ہے بس یہی فرمت کے رات دن بیٹھے وہی تصور جاناں کئے ہوئے ہے پھر تیسری منزل یہ آتی ہے کہ جب تنہائی میں محبوب کا تصور کرتے کرتے اس کی محبت رگ دپے میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر عاشق صادق تنہائی کو بھی چھوڑ کر محبوب کے گھر کا راستہ لیتا ہے۔

یہ تیسری منزلوں سے امواج و تگبیں یہ کشتی پیا کے نگر جا رہی ہے اور محبوب کے گلیوں کا طواف کرتا ہے، در دیوار کو بوسہ دیتا ہے۔

اقبل دالجہد وروہ الجہاد ادا
وکن حب من سکن المدیانا

عہ امرو علی الدیار دیار لیبی
وما حب الدیار شغف قلبی

ہائے سگ بوسیدہ مجنوں خلاق گفتہ ایں چہ بود
گفت گاہے گاہے ایں در کوئے لیبی رفتہ بود

باب امور الایمان

ایمان کے کاموں کا بیان

وقول الله عز وجل طيب البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب
ولكن البر من آمن بالله إلى قوله الممتنون قد أفلح المؤمنون الآية
اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ (عبادت میں) مشرق یا مغرب کی طرف کر لو
بلکہ (اصل) نیکی ان کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور خیر آیت ممتنون تک اور قد افلح المؤمنون
اخیر تک۔

باب امور الایمان یہ خبر ہے مبتدا مخدوف کی اصل لفظ باب مرفوع ہے، ائی ہذا
باب فی امور الایمان (مجموع) پھر باتو اختلاف بیانہ ہو تو اس صورت میں عبارت کی تقدیر
یوں ہوگی کہ باب الامور التي هي الایمان یعنی وہ امور جو ہیں ایمان میں۔

انام بخاری رم کے اصول کے مطابق اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ان کی بحث ایمان کا بیان ہے ہے
اور اعمال ایمان کا بیان میں داخل ہیں۔

یا اختلاف لامید ہوگی تو اس صورت میں عبارت ہوگی کہ باب الامور التي هي مکملات للایمان۔

وقول الله عز وجل بالجر عطف علی امور (قس)

ما قبل سے ربط | باب سابق میں ایمان کے پانچ ارکان یعنی بنیادی چیزوں کو ذکر کیا گیا تھا اب اس
باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان کے اور بھی بہت سے ارکان ہیں۔

ع ۲ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اوپر کی حدیث بنی الاسلام علی خمس

سے مشبہ ہو سکتا تھا کہ اسلام کے ارکان صرف پانچ ہی ہیں، تو اس شبہ کو دور کرنے کیلئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

یہ باب منعقد کیا اور بتا دیا کہ پانچ کے اندر انحصار نہیں ہے بلکہ ایمان کے تو ساٹھ سے زیادہ شعبہ ہیں ما قبل میں

تو حضرت پانچ بڑے بڑے بنیادی ارکان ذکر کئے گئے ہیں جن کو نہیں بیان کیا گیا تھا و اما الباری جلد ۱

اما بخاری رحمہ بالکل واضح طریقہ پر یہ بتلا رہے ہیں کہ ایمان چند امور کے مجموعہ کا نام ہے اور اس سے مقصد مرجع کی تردید ہے جو اعمال کو لاشعری قرار دیتے ہیں۔

آیات مذکورہ سے ترجمہ کا ربط اما بخاری رحمہ نے دو آیتیں ترجمہ الباب میں ذکر کی ہیں جو امور ایمان کو شامل ہیں اور ترجمہ الباب بھی امور ایمان ہی سے متعلق ہے۔

اسلئے آیت اور ترجمہ الباب میں مطابقت ظاہر ہے۔

پہلی آیت ہے "لَیْسَ الْبِرُّ اَنْ تُولُوْا وُجُوْهُكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ" (پ ۲۷) ترجمہ گزر چکے۔

اشکال

آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توجہ الی القبلہ بڑی چیز (دیکھ) نہیں حالانکہ استقبال قبلہ فرض ہے۔ جواب :- ایک بڑی صورت ہوتی ہے اور دوسری اس کی روح و حقیقت، مقصد یہ ہے کہ توجہ الی القبلہ بڑی صورت ہے اور بڑی حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے وہ ہر مرتبہ کرنا حکم دین اسی جہت کا استقبال پر ہو جائے گا۔

سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت جس کو اما بخاری رحمہ نے منقوب کیا ہے یہ آیت امور ایمان اور انوار احکام پر بہت ہی جامع اور عادی ہے۔ پوری آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے، پہلی چیز وہ ہے جو تعظیم عقائد سے متعلق ہیں ان کو "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" اور کتاب پر اور سب پیغمبروں پر۔

میں بیان کیا۔ اور دوسری چیز وہ ہے جو حسن معاشرت سے متعلق ہے، اس کو "وَالْحَسَنَاتِ وَالْعَمَالِ عَلٰی حُبِّهِ" اور مال دے اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور "وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَالسَّائِلِیْنَ" محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں و فی السرقاب۔

بیان کیا گیا۔ تیسری چیز وہ ہے جو تہذیب نفس سے متعلق ہے اس کے دو پہلو ہیں ایک فرائض کی ادائیگی سے متعلق ہے اور دوسرا حسن اخلاق سے تعلق رکھتا ہے۔

فرائض کی ادائیگی کو "وَالْفُلُوْکِ" میں بیان کیا گیا۔ اور تہذیب نفس کے سلسلہ میں حسن اخلاق سے تعلق رکھنے والی چیز کو "وَالْمَوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا" اور "وَالْمُسٰمِرِیْنَ فِی الْبَاسِءِ وَالْفِتْرَةِ وَحِیْنَ الْبَاسِ" میں ارشاد فرمایا گیا۔

اس آیت میں تمام انوار بیان کرنے کے بعد آخر آیت میں فرمایا "وَالَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (بقول آیت ۱۷۷)۔

اما بخاری رحمہ نے اس آیت سے اس طرح استدلال کیا کہ ترجمہ میں عقائد و اعمال سب کو ذکر کیا گیا ہے اس سے

معلوم ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں، اور بخاری رحمہ اللہ کے مذاق کے مطابق ہر ایمان مستند ہے مگر حنفیہ کے نزدیک نفس ایمان دو پر مستند نہیں ہیں اور یہ آیت ایک حیثیت سے حنفیہ کی مؤید ہے کیونکہ آیت میں اعمال کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں اصل تقابیر ہے یعنی معطوف دراصل معطوف علیہ سے مغایر ہوتا ہے، اس عطف سے ظاہر ہو گیا کہ اعمال ایمان سے علیحدہ ہیں۔

دوسری آیات جوام بخاری نے ذکر فرمایا ہے ”قد أفلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون“ (سورۃ المؤمنون پ)۔

ترجمہ:- یقیناً ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغویات سے دور رہنے والے ہیں اور جو اعمال و اخلاق میں، تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لٹریوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ طلبگار ہوں ایسے لوگ حد سے لپکنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے ”وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“ ان آیات میں مؤمنین کے صفات ہیں خواہ کاشف ہوں یا مادہ، مفسرین نے دونوں احتمال بیان کئے ہیں۔ ہر صورت اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ کامیاب وہی لوگ ہیں جو ان کاموں کو کریں۔

پس مرتبہ کا یہ کہنا کہ تصدیق کے بعد کسی عمل خیر کی ضرورت نہیں بغیر عمل کے بھی انسان کامیاب ہو سکتا ہے غلط ہو گیا۔

(۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الْعَدَنِيَّ قَالَ سَمِعْتُ سَلَامَةَ بْنَ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَثَلَاثُونَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ -

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے ساٹھ سے کچھ زائد شعبے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ (شاخ) ہے۔

الفاظ روایت میں اختلاف | صحاح ستہ میں اس حدیث کے الفاظ چار طرح سے منقول ہیں۔ بخاری

کتاب الایمان میں ایک روایت ہے الایمان بضع وستون شعبۃ، مسلم شریف کے مذکورہ صفحہ پر ایک روایت کے الفاظ میں بضع وستون وستون الخ یعنی شک راوی کے ساتھ منقول ہے مسلم ترمذی جلد ثانی کتاب الایمان کی ایک روایت ہے الایمان اربعۃ وستون باباً۔

نرمذی کی روایت کے متعلق حافظ فرماتے ہیں کہ وہ معلول ہے۔

اب صرف صحیحین کی روایت میں جو اختلاف نظر آتا ہے محدثین کرام نے تطبیق کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔
(۱) قاضی عیاض اور امام نووی رحمہ فرماتے ہیں کہ تمام راویوں اور روایتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت بالاکثر یعنی بضع و سبعون والی روایت راجح ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ ثقات کی زیادتی مقبول ہے۔ مگر عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا یعنی بضع و سبعون میں بضع و ستون داخل ہے۔ بلا ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے کم شعبوں کا علم دیا گیا ہو اور آپ نے ستون فرمایا پھر بعد میں اضافہ کر دیا گیا تو آپ نے سبعون فرمادیا ہو اور یہ بالکل ظاہر ہے اس لئے کہ احکامات بتدریج نازل ہوئے ہیں۔

(۲) امام بخاری اور ابن صلاح وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ روایت بالاقول یعنی ستون کی روایت راجح ہے اسلئے کہ اقل یقینی ہے جو تمام روایات میں ہے۔ مگر بخاری شریف کی روایت کو دوسروں پر ترجیح دی گئی۔
مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ تعدید یعنی تعین عدد مراد نہیں ہے بلکہ مراد تکثیر ہے یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں اور یہ بہت شہور ہے کہ عرب میں سبعون کا لفظ تکثیر کیلئے مستعمل ہے اس صورت میں اختلافی روایات کا اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

تشریح حدیث

اس حدیث میں ایمان کو ایک درخت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ارشاد خداوندی ہے مثل کلمۃ طلیقۃ کشجۃ طلیقۃ کی آیت میں اس مضمون کی تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ درخت میں جتنے ہی پھل پھول اور شاخیں ہوں گی اتنا ہی درخت کامل ہو گا اس کے اندر رونق و زمیئت پیدا ہو گی۔ تو جس طرح سے پھل پھول اور شاخوں کے ذریعہ درخت میں کمال پیدا ہوتا ہے رونق پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اعمال کے ذریعہ ایمان میں رونق پیدا ہوتی ہے، کمال محقق ہوتا ہے۔
اور جس طرح سے ان پھول وغیرہ کے جھڑ جانے سے درخت کی رونق ختم ہو جاتی ہے اسی طرح سے اعمال کے نہ ہونے کی وجہ سے ایمان کی بھی رونق و زمیئت ختم ہو جاتی ہے، ناقص ہو جاتا ہے۔ لہذا اس حدیث سے مرجعہ کی تردید ہو گئی۔ بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر وہ عمل جس کو کتاب و سنت نے ضروری قرار دیا ہو اور اس کے نہ ہونے کو مفہور قرار دیا ہو ان سب آیات و احادیث سے مرجعہ کی بخوبی تردید ہوتی ہے کیونکہ مرجعہ نہ تو عمل ہی کو ضروری قرار دیتے ہیں اور نہ معصیت ہی کو مفہور مانتے ہیں۔

اسی سے معتزلہ و خوارج کی بھی تردید ہو سکتی ہے کیونکہ درخت کی کسی شاخ کے ختم ہونے سے درخت ختم نہیں ہوتا جب تک کہ اصل موجود ہے، اسی طرح جب تک کہ تعقلین موجود ہے اعمال کے نہ ہونے سے ایمان ختم نہیں ہوتا۔

قول بضع بکسر الموحدة وقد فتح (تس) اس لفظ کے معنی اور مقدار میں قدرے اختلاف منقول ہے لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ بضع کا اطلاق تین سے نو تک آتا ہے تو بضع و ستون کے معنی یہ ہوئے کہ ساٹھ سے کچھ اور۔

والحیاء شعبۂ من الایمان اور حیار ایمان کا ایک شعبہ ہے۔
 حیار کے لغوی معنی ہیں شرم یعنی لغوی معنی اس انکساری اور شکستگی کو کہتے ہیں جو کسی سزا یا ملامت کے ڈر سے
 انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔
 بعض حضرات نے حیار کی تعبیر یہ کی ہے کہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب کے خوف سے نفس میں جو انقباض ہوتا
 ہے اس کو حیار کہتے ہیں۔

حیار کے شرعی معنی حیار وہ خلق اور فطری ملک ہے جو قبیح چیز سے اجتناب و کنارہ کشی پر آمادہ
 کرے اور صاحب حق کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکے، اسی وجہ سے ایک حدیث

میں ہے "الحياء خير كله"

اشکال حیار (شرم) تو طبعی و فطری چیز ہے اور ایمان اختیاری ہے پھر اس کو ایمان کا شعبہ کس طرح
 قرار دیا گیا؟

جواب۔ حیار کی دو قسمیں ہیں طبعی، شرعی، یہاں شرعی مراد ہے۔
 دوسرا جواب یہ ہے کہ حیار سے مراد حیار کے خیرات و نتائج ہیں یعنی حیار کسی مراد ہے جو عمل کی مزا و نفع
 و مدد امت سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص ہمیشہ پابندی سے نماز پڑھتا ہو اسے ترک نماز سے انقباض
 ہوگا۔ عرصہ سے ڈاڑھی رکھے ہوئے ہے تو اب ڈاڑھی کٹانے سے حیار مانع ہوگی۔

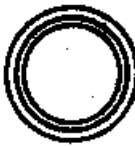
دوسرا اشکال یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایمان کے کثیر شعبوں میں حیار کو خاص کر کیوں ذکر فرمایا گیا؟
 جبکہ بضع وستون شعبہ میں حیار بھی داخل ہے؟

جواب۔ حیار ایک ایسا شعبہ ہے جس پر بہت سے شعبے مرتب ہوتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے،
 بے حیا باش دہرچہ خواہی کن

تو چونکہ حیار جھوٹ، چوری، سنیاء اور ہر قسم کی برائیوں سے بچاتی ہے اس لئے کہ حیار ہوگی تو سوچے گا کہ
 اگر کل کو جھوٹ ظاہر ہو گیا تو کیا ہوگا؟ اگر کسی شاگرد یا مرید نے سنیاء میں دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ غرضیکہ ہر
 برائی سے حیار بچاتی ہے۔

غلامدیہ کہ تخصیص اہتمام شان کے لئے ہے۔

مطابقۃ الی ریت للترجمہ حدیث کی مطابقت واضح ہے اس لئے کہ ترجمۃ الباب امور الایمان
 کا ہے اور حدیث کے اندر ایمان کے شعبوں و شاخوں کا ذکر ہے۔



بَابُ الْمُسْلِمِ مِنْ سَلَمِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبِيَدِهِ

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ مسلمان محفوظ رہیں

ای ہذا باب (بالتنوين) فالمتبادر محذوف۔ ویجز نزک التنوين بالاضافة الى ما بعده من الجملة، ویجز الوقف على السكون والمناسبة بين البابين ظاهرة لانه ذكر في الباب السابق ان الايمان له شعب وذل الباب فی بیان شعبتین من ہذہ الشعب وہا سلامة المسلمين من لسان المسلم وبیده والمهاجر من ہجر المنہیات (عمدہ)

(۹) حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ وَاسْمُعِيلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبِيَدِهِ وَالْمُحَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَقَالَ ابْنُ مَعَاوِيَةَ شَادَاؤُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ عَلَى عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مهاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ابو عبد اللہ (یعنی امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ اور ابو معاویہ نے بیان کیا کہ ہم سے داؤد بن ابی ہند نے بیان کیا انہوں نے عامر شعبی سے، عامر شعبی نے کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سننا اور عبد اللہ بن ابی اسحاق نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لبسند داؤد عن عامر عن عبد اللہ بن ابی اسحاق بیان کیا۔

مطابقتہ للترجمہ اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے چونکہ ترجمۃ الباب میں حدیث ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

تعدد الحدیث أخرجه البخاری ہنا فی الایمان ص ۱ ایضا فی الرقاق ص ۹۶۔

باب سابق سے ربط ماقبل کے باب سے یہ ربط ہے کہ ماقبل والا باب کلی کے درجہ میں تھا اور اس باب سے اس کی جزئیات کا بیان ہو رہا ہے۔

تشریح

اس حدیث سے بھی باب سابق کی طرح مرجعہ پر رد کرنا مقصود ہے کیونکہ مرجعہ نے ایمان میں نہ معصیت کو مضر سمجھا اور نہ اعمال کو ضروری۔ اس لئے ہر وہ عمل جس سے ایمان میں کمزوری آئے اس کو مرجعہ کی تردید کے سلسلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

المسلمون من سلم المسلمون اس جملہ میں مسند اور مسند الیہ دونوں معارف ہیں اور یہ مسلم مسئلہ ہے کہ مسند اور مسند الیہ کا معارف ہونا حصر کا فائدہ دیتا ہے لہذا اس جملہ میں بھی حصر ہوگا اور اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں

اشکال

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس سے دوسرے مسلمانوں کو ایذا (الکلیف) پہنچے وہ مسلمان ہی نہیں حالانکہ یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

جواب :- یہ ہے کہ یہاں حصر کمال و افضلیت ہے حصر صحت نہیں۔ لیکن علماء کرام نے مختلف عنوانوں سے مختلف جوابات دے دیے ہیں۔

- (۱) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس روایت میں مسلم سے مراد المسلم الکامل الجامع لخصالہ ہے۔
- (۲) بعض نے یہ تاویل کی کہ مراد المسلم المدوح ہے۔ (۳) بعض کا رجحان ہے افضل المسلمین من سلم المسلمون الیہ ہے۔

بلاشبہ علمی تحقیق کے وقت یہ درست ہے کہ "المسلم" کی تقدیر المسلم الکامل یا افضل ترین و قابل تعریف مسلمان ہے لیکن یہ تاویلات اسلئے بہتر نہیں کہ اس سے حدیث پاک کا وزن گھٹ جاتا ہے اور حدیث سے جو اصلی غرض ہے (یعنی تحذیر الناس، لوگوں کو متنبہ کرنا)، اس میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے بلکہ مقصود ہی فوت ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو ایذا نہ پہنچائی جائے، اور اس تاویل کے بعد لوگ یہ کہیں گے کہ یہ تو مسلم کامل کی علامت ہے ہم کون سے امام اعظم ابوحنیفہ اور شیخ جیلانی میں، ہم تو پہلے ہی سے ناقص ہیں لہذا ہم سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ حدیث کو اس کے ظاہر ہی پر رکھا جائے مگر اس کے باوجود ایذا پہنچانے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ مالدار لغتہً ہر اس شخص کو کہتا صحیح ہے جو مال رکھتا ہو اگرچہ قلیل ہی ہو۔ مال کے معنی میں عین ینتفع بہ، لہذا جس شخص کے پاس ادنیٰ سے ادنیٰ چیز منتفع بہ ہوگی وہ لغتہً مالدار ہوگا مگر اسے عرفاً مالدار نہیں کہا جاتا ہے عرف میں صرف اس شخص کو مالدار کہتے ہیں جو معتد بہ مال رکھتا ہو۔ اسی طرح دوسروں کو ایذا پہنچانے والا حقیقتہً تو مسلم ہے مگر عرفاً اس لائق نہیں کہ اسے مسلمان کہا جائے اسے تنزیل الناقص منزلة المعدم کہا جاتا ہے۔

حضرت نوح ؑ کے بیٹے کے بارے میں آتہ لیس من اهلک انتہ عمل غیر صالح " باوجودیکہ یہ حقیقتہً بیٹا تھا مگر نقصان اہلیت کی وجہ سے بیٹا ہونے کی نفی کر دی گئی یعنی بیٹا کہلانے کے لائق نہیں۔

یہ تقریر عقیدہ اہل سنت کے بھی خلاف نہیں اور اس سے حدیث کا وزن بھی قائم رہتا ہے، اگرچہ تو بیخ اور تہذیب کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

لسان کی وجہ تقدیم ۱۔ عام طور پر سب سے پہلے زبان ہی سے بات چیت ہوتی ہے اس کے بعد ہاتھ چلتا ہے۔ ۲۔ زبان کا چلانا آسان ہے ۳۔ زبان کی تکلیف معنوی حیثیت سے بھی زیادہ شدید اور دیر پا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

من احلت اللسان لها التیام : ولایت امر ما حبس ح اللسان

۳۔ زبان کی تکلیف میں ابتلا زیادہ ہے حتیٰ کہ خواص بھی اس میں مبتلا ہیں۔

۴۔ ایذا لسانی احیاء و اموات (زندے و مرے) دونوں کو عام اور ایذا ید احیاء کے ساتھ خاص ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور ان پانچ حدیثوں میں سے ایک ہے جنہیں امام اعظم رحمہ اللہ نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کیا ہے۔

والحاجر من ہجر ما لہی اللہ عنہ ہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

ہجرت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ ظاہری ۲۔ باطنی۔ ہجرت ظاہری اللہ کے واسطے ترک وطن کرنا اور ہجرت باطنی اور حقیقی تمام منوعات شرعہ کو چھوڑ دینا۔

ترک وطن میں ایک مرتبہ تکلیف ہوتی ہے لیکن گناہوں کے چھوڑنے میں پوری زندگی اپنے نفس سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

قولہ قال ابو عبد اللہ الامام بخاری رحمہ اللہ دو تعلیقات ذکر کی ہیں۔

پہلی تعلیق سے مقصود یہ ہے کہ عام شیعہ رحمہ اللہ (جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شیخ و استاد ہیں) کا سماع حضرت عبد اللہ بن عمرو رحمہ اللہ سے ثابت ہے، پہلی روایت منعن تھی جس سے عدم سماع کا دہم ہو سکتا تھا اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیق اول کو ذکر کیا کیونکہ اس میں سمعت عبد اللہ کی مہرحت موجود ہے۔

دوسری تعلیق سے مقصود یہ ہے کہ عبد اللہ الاعلیٰ کی روایت میں جو عبد اللہ کا لفظ مبہم ہے اس سے مراد عبد اللہ بن عمرو رحمہ اللہ جیسا کہ ابو معاویہ کی روایت میں تصریح ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ محدثین رحمہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ جب صحابہ کے طبقہ میں عبد اللہ کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رحمہ اللہ مراد ہوتے ہیں اور عبد اللہ الاعلیٰ کی روایت میں چونکہ عبد اللہ کا لفظ مطلقاً ہے جسکی شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید عبد اللہ بن مسعود رحمہ اللہ ہی مراد ہوں اس لئے شیعہ کو ذکر کرنے کیلئے تعلیق کو ذکر فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما صحابی ابن صحابی میں ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رحمہ اللہ تاج مہر مشہور و معروف

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رحمہ اللہ

محمادی میں ان کی والدہ رلیہ بنت میزبہ۔ حضرت عبداللہؓ اپنے باپ سے پہلے مسلمان ہوئے، ان کے والد حضرت عمر بن العاصؓ ان سے بارہ سال کے بڑے تھے یہ علیرزاہد کثیر العلم محمادی تھے عبادہ اولیہ میں ان کا بھی نام ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ حدیث لکھتے تھے جیسا کہ بخاری شریف جلد اول کتاب العلم میں ہے ان سے سات سو احادیث مروی ہیں سترو حدیثوں پر شیخین متفق ہیں۔

تمیز لفظ عمرو حالت رفع و جر میں واؤ کے ساتھ لکھا جاتا ہے تاکہ عمر (بنہم العین) سے تمیز ہو جائے البتہ حالت نصب میں واؤ لکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ عمر غیر منفرد ہے اور عمرو (بنہم العین) منفرد۔ تو حالت نصب میں الف سے تمیز ہو جائے گی۔ (عمرو)

منتخبات خصوصی یہ حدیث جوامع الکفر میں سے ہے امام ابو داؤد رحمہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے اپنی مسند میں چار ہزار آٹھ سو احادیث ذکر کیں پھر ان میں سے چار حدیثوں سے کو منتخب کیا کہ اس کو اپنے دین پر عمل کرنے کیلئے مفسرین یہ چار حدیثیں کافی ہیں۔

۱۔ اتقوا الاعمال بالمستیات عبادات کی درستگی کے لئے۔
 ۲۔ من حسن اسلام امره تروا لا یعنیه عمره عزیز کے کرا قدر لمحات کو حفاظت کے لئے۔
 ۳۔ لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه حقوق العباد کی صحیح طور پر ادائیگی کے لئے۔
 ۴۔ الحلال یقن والحرام یتقن وما بینہما مشتبہات فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينہ مشتبہات سے بچنے کے لئے۔

اگرچہ یہ بات امام ابو داؤد رحمہ کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئی مگر ان سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ نے اپنے صاحبزادہ حماد رحمہ سے فرمایا تھا کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثیں منتخب کی ہیں پھر ان چار مذکورہ بالا احادیث کے ساتھ پانچویں حدیث المسلمون سلموا لک وسلمون من لسانہ و بیعتا بیان فرمائی۔



باب اسی الاسلام افضل کونسا اسلام افضل ہے؟

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ اسلام کے کون سے امور اور خصلتیں افضل ہیں۔
ایم بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے مراتب و مدارج متقادت میں کسی کا اسلام افضل ہوتا ہے اور کسی کا مغضول
اور چونکہ ایمان و اسلام درجہ کمال میں متحد ہیں لہذا ایمان کی زیادتی کی ثابت ہوگی اور مرجعہ کی تردید۔

(۱۰) حدیثنا سعید بن یحییٰ بن سعید بن الامری القشیری قال
ثنا ابی قال ثنا ابو بردة بن عبد اللہ بن ابی بردة عن ابی موسیٰ قال قالوا یا رسول اللہ اسی
الاسلام افضل قال من سلوا المسلمون من لسانہ ویدکا۔

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ کونسا اسلام افضل ہے؟ آپ نے
فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

مطابقتہ للترجمة پہلے باب میں بیان کیا گیا تھا کہ مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں،
اس سے بظاہر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے سلامتی ہو وہ مسلمان نہیں ہے
لہذا بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ الباب قائم کر کے اس شبہ کو دور کر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں حصر فضیلت ہے اس لئے کہ
حضرت کا یہ ارشاد ایک سوال کے جواب میں ہے، سائل نے پوچھا تھا اسی الاسلام افضل ای من غیرہ تو حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من سلوا المسلمون الخ یعنی جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگوں کو سلامتی ہو وہ افضل ہے۔
اشکال بخاری قاعدہ کے لحاظ سے اسی کے مضامین الیہ کا متعدد ہونا منہروری ہے اور یہاں
مفرد ہے۔

جواب:- تقدیر یوں ہے اسی اصحاب الاسلام افضل یا اسی خصال
الاسلام افضل۔ تقدیر اول اولیٰ ہے کیونکہ ثانی پر کبھی اشکال ہوتا ہے کہ سوال و جواب
میں مطابقت نہیں ہے سوال صفت کا ہے اور جواب میں ذات کا ذکر ہے۔
اور تقدیر اول پر کوئی اشکال نہیں۔ نیز مسلم شریف جلد اول ص ۱۸۱ کی روایت اسی المسلمین افضل
سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

• بابُ اطعامِ الطعامِ من الاسلام •

ای ہذا باب (بالتنزیل) کھانا کھانا اسلام کی خصلت ہے۔

۱۔ اضافت کی وجہ سے لفظ باب رفع بلا تنزیل بھی جائز ہے۔

۲۔ نیز اسما معدودہ کے طرز پر باب کا سکون بھی درست ہے۔ (عمدة القاری)

۱۱ • حدثنا عمرو بن خالد قال ثنا الليث عن يزيد عن ابی الخیر عفی عنہ عبد اللہ بن عمرو أن رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای شئ الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومکن لم تعبرٹ •

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کی کوئی خصلت بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کھانا کھانا اور دہر ایک مسلمان کو سلام کرنا اس کو بچانا ہو یا نہ پہچانا ہو۔

تعدد الحدیث :- اخرجه البخاری خاصاً والاضافہ فی کتاب الاستیذان ص ۹۳ واخرجه مسلم وغیرہ مطابقتہ للترجمة :- مطابقت ظاہر ہے کہ ترجمہ الباب الفاظ حدیث سے ماخوذ ہے۔

ما قبل ربط :- شرح بخاری کی توہمی رائے ہے کہ جب امام بخاریؒ نے یہ فرمایا کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں اور اس سے ایمان کی زیادتی اور نقصان پر استدلال کیا تو اب کتاب اللہ اور سنت مجھ سے

ثابت شدہ شعبوں کو یکے بعد دیگرے بطور نمونہ بیان کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے باب میں اسلام کے ایک شعبہ کو بیان کیا گیا تھا اور اس باب میں دو شعبے اطعام الطعام اور انشاء اسلام بیان ہیں۔ (فتح الباری عمدة القاری)

(۱۲) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ باب علی سبیل الترقی ہے، اور امام بخاریؒ ایک خاص ترتیب اور عجیب لطافت کے ساتھ ایوب منعقد کر رہے ہیں باس طور اس باب اور آنے والے ابواب میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔

کمال ایمانی کا سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس باب سے یہ بتا رہے ہیں کہ اس سے اونچا درجہ یہ ہے کہ صرف لسان و دہ (زبان اور ہاتھ) کی حفاظت ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو نفع بھی پہنچائے، زبان سے سلامتی کی دعا کرے اور اپنے ہاتھ کی کھائی سے کھانا بھی کھلائے، اور اس کے بعد اس کی طرف توجہ کیا گیا کہ اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، گو یا دوسرے عزراں سے ایسی نسبت اتحادی اور تعلق پیدا کرے کہ دونوں کی سرحدات ایک ہو جائیں جیسا کہ انصار نے جابر بن یسافؓ سے علی نمونہ کے طور پر پیش کیا۔

پھر ناظرین کی خاندان توجہ کو اس جانب منطقت کیا کہ جب اس مقام ارفع کو پہنچ گیا کہ اپنی مرغوب و پسندیدہ چیز

کو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ حوزات مقدس ساری مخلوقات ہے افضل اور انسانیت کی محسن اعظم ہے اس کے ساتھ ایسی محبت ہونی چاہئے کہ اپنی مرضیات کو ان کی مرضیات کے تابع کر دینا چاہئے اور تن، من، دھن، جان و مال، والد و والدہ سب کو ان کی مرضیات پر قربان کر دینا چاہئے پھر جب کسی کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت ہوتی ہے اور قنایت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے تو جس سے بھی محبت ہوگی محبوب ہی کی خاطر، اور بغض ہوگا تو اسی کی رضا مندی کے لئے پھر اس کے متعلقین انصار و اعداؤں سے بھی محبت لازمی ہے جیسے کہ پیار جب بھر جاتا ہے تو جھلک کر اُس پاس کی زمین کو بھی سیلاب کر دیتا ہے اس کے بیان کے لئے ذرا آگے چل کر بیان فرمایا: علامۃ الایمان حبب الانصار... اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ چند ابواب جن کا مضمون بظاہر مفہوم معلوم ہوتا ہے حقیقتہً ان میں یہ فرق ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہوئے ایمان کے مختلف درجات کو بیان کرنا مقصود ہے۔

اتحاد الاسلام خیر غالباً یہ سوال کئے ولے حضرت ابوذرؓ ہیں۔

جواب میں آپؐ نے دو خصلتوں کو بیان فرمایا: اطعام طعام اور انشاء اسلام کو۔

لفظ اطعام میں کھلانا، پلانا، ضیافت اور اطعام فقراء وغیرہ سب داخل ہیں، اسی طرح اطعام طعام کسی کے ساتھ مخصوص نہیں کافر ہو یا مسلم، اپنا ہو یا پرانا حتیٰ کہ انسان ہو یا جانور۔

یتقرء للسلام ہر قوم کی عادت ہے کہ جب ایک آدمی دوسرے سے ملتا ہے تو قولاً ایک تحفہ پیش کرتا ہے جیسا کہ ہندو بے رام جی، یا آداب، نصاریٰ گڈ مارنگ وغیرہ کہتے ہیں۔ لیکن ان میں جامعیت نہیں ہے۔

یعنی اسلام نے بھی مسلمانوں کے لئے ایک بہترین تحفہ دیلے ہے۔

سلام بہترین تحفہ ہے

”السلام علیکم“ اسلام کا یہ تحفہ جملہ اقوام عالم کے تحفہ سے بہتر اور جامع

ہے کہ ہر قسم کی سلامتی کی دعا، ہے جان کی مال، عزت و آبرو کی اور دنیا کی، آخرت کی العرض نہایت مختصر مگر بڑے مضر اور جامع تحفہ ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الاستیذان ۲۸ مسئلے میں سب سے پہلے ”باب بعد السلام“

سلام کی ابتداء

منعقد کیا ہے اور اس میں یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو

پیدا فرمایا تو یوں فرمایا کہ ہاؤ ان فرشتوں کی جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ کیا جواب دیتے ہیں وہی جواب تمہارا

اور تمہاری ذریت کا سلام ہے۔ تو آدم علیہ السلام نے فرمایا السلام علیکم، فرشتوں نے جواب دیا ”وعلیک

السلام ورحمۃ اللہ“ اس سے معلوم ہوا کہ سلام آدمیت کا تحفہ ہے، اور بڑے چھوٹے تمام ذریت کا

بھی سلام ہے۔

جنیوں کا تحفہ بھی یہی ہوگا، لہٰذا القرآن حکیم و نعتیہم فیہا سلام (رومن) اور انکا تحفہ جنت میں سلام کرنا ہے۔

اور خداوند قدوس بھی اپنے جنتی بندوں کو بطور دعا نہیں بلکہ اہل جنت کے اعزاز و اکرام اور اپنی طرف سے

رحمت و سلامتی عطا فرمانے کی غیور طریقہ پر اس کا تحفہ سے خطاب فرمائیں گے جیسا کہ ارشاد الہی ہے: سلاماً

قوله من رتب الترجيم (سورة التين) یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے الہی جنت کو سلام بولاجایگا خواہ فرشتوں کے ذریعہ یا جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ بلا واسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے۔ اسی وقت کی عزت ولادت کا کیا کہنا اللہم ارزقنا هذا النعمة العظمیٰ بیکہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حدیث شریف میں باری تعالیٰ کی طرف سے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کا تمغہ ملنا مذکور ہے۔ اسی طرح بخاری شریف میں جبریل امین کی طرف سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تمغہ سلام سے مشرف ہونا مذکور ہے۔ (بخاری جلد ثانی ص ۶۲۳ ایضاً ص ۲۱۷)۔

اشکال

(۱) باب سابق کی حدیث کہ حضور اقدسؐ سے دریافت کیا گیا "ایۃ الاسلام افضل" تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: من سلّم المسلمون من لسانہ یدۃ۔ (۲) حدیث باب ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا "ایۃ الاسلام خیر" تو آپؐ نے فرمایا: تعلم الطعام رفقہ الاسلام الو۔

(۳) تیسری حدیث بخاری ص ۱۰۳ پر ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ایۃ العمل افضل فقال ایمان باللہ ورسولہ قبل ثم ماذا قال الجہاد فی سبیل اللہ قبل ثم ماذا قال حج مبرور۔ (ایضاً مسلم ج ۱ ص ۲۱۷)۔ (۴) چوتھی حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایۃ العمل احب الی اللہ قال الصلوة علی وقتها قال ثم ایۃ قال ثم ہر الرالدین قال ثم ایۃ قال الجہاد فی سبیل اللہ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۱۷، مسلم ج ۱ ص ۲۱۷)۔

بظاہر یہ چاروں احادیث آپؐ میں متعارض ہیں کیونکہ چاروں میں سوالات قریب قریب یکساں ہیں مگر جوابات مختلف ہیں۔

جواب: علامہ قسطلانی فرماتے ہیں قد اجیب بان اختلاف الاجریتہ فی خلاف لا اختلاف الاحوال والاشخاص الی اللہ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ جوابات کا اختلاف احوال و اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے ہے، غالباً اسی وجہ سے اس باب کی حدیثوں میں نماز، زکوٰۃ اور صیام کا ذکر نہیں، عرف اور محارہ میں کبھی کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز خیر الاشیاء ہے اور اس کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ یہ چیز من کمال الوجہ ہر حال میں اور ہر شخص کے لئے خیر و مفید ہے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخصوص حالات میں اس کے اندر افضلیت و خیریت یا احبیت ہے لہذا حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

(۲) اختلاف الاجریتہ لا اختلاف احوال الخاطیٰ یعنی کسی کی نماز میں کوتاہی محسوس کی تو اس کیلئے الصلوة وقتها کو افضل الاعمال فرمایا اور کسی کے متعلق حق والدین میں تقصیر (کوٹاہی) کا شبہ ہوا تو اس کیلئے من اللہ الدین کو افضل الاعمال قرار دیا پس علیٰ هذا۔

(۳) اختلاف الاجزیۃ لاختلاف شئون التکلیف ہے۔ باری تعالیٰ کی مختلف شائیں ہیں۔ قال السعدی :-

بتہدید اگر رکشد تیغ حکم پہ بہانہ کرو سیاں صم و بکم
وگر در دہیک صلائے کرم پہ عزایل گوید نصیبے برم

اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شائیں بھی مختلف ہوتی ہیں، فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کسی دوسرے کے تابع نہیں ہوتی اور شئون انبیاء علیہم السلام شئون الہیہ کے تابع ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت پر نظر رکھی تو فرمایا: مَا مِنْ عَبْد خَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شَمَّ مَاتَ عَلَى ذَلَالٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

اور شان اصلاح یا غضب و انتقام پر توجہ ہوئی تو فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَلَتْ (متفق علیہ)
وہ روایت مسلم "انتقام"۔ "مَنْ أَدْعَى إِلَى غَيْرِ الْبِرِّ وَهَرَعِلِمَ فَالْجَنَّةَ عَلَيْهِ حَرَامٌ" (متفق علیہ)
ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا اِذْهَبْ بِمَعْلَى هَاتَيْنِ فَنَسْنِ
لَعْنَتِكَ مِنْ رَأَوْ حَذَا الْحَانِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَقْنَابِيهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْ بِالْجَنَّةِ
ساتنے حضرت عمر فاروقؓ مل گئے ان کو ابو ہریرہؓ کا قصد معلوم ہوا تو سختی سے واپس لوٹا کر لائے اور حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس اعلان کی وجہ سے لوگ اعمال میں شستی کرنے لگیں گے اس
لئے یہ اعلان نہ کیا جائے، حضور اکرمؐ نے حضرت عمرؓ کی نصیحت فرمائی۔

آپؐ کا یہ اختلاف جواب یعنی پہلے اعلان کا حکم اور پھر اس سے منع فرمانا اختلاف شان پر مبنی تھا، پہلے آپؐ
پر شان رحمت کا غلبہ تھا بعد میں حضرت عمرؓ کے متوجہ کرنے پر شان حکمت و اصلاح غالب آگئی۔

(۴) اختلاف الاجزیۃ لاختلاف الارزق ہے یعنی کسی وقت میں ایک عمل افضل ہوتا ہے اور دوسرے
وقت میں دوسرا۔ مثلاً خدا نخواستہ شہر میں قحط ہو، لوگ بھوکے مر رہے ہوں ایسے وقت میں کوئی شخص فضل
سج کا ارادہ کرے تو اسے منع کیا جائیگا اور اس وقت اطعام طعام کو افضل الاعمال قرار دیا جائے گا، عرضیکہ موقع
و عمل کا لحاظ ضروری ہے۔

طبقات شافعیہ میں ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک رئیس ان کے مرید تھے وہ جب بزرگ کی خدمت
میں حاضر ہوتے تو ریاض مزاج کے مطابق قیام گاہ نہ ملنے کی وجہ سے تکلیف ہوتی، انہوں نے بزرگ کو کثیر رقم
دے کر درخواست کی کہ میرے لئے ایک عمدہ مکان بنوادیں، اس زمانے میں شہر میں قحط تھا، اس بزرگ نے
یہ رقم مساکین پر تقسیم کر کے رئیس کو لکھ دیا کہ مکان تیار ہے وہ بہت خوش ہوا جب بزرگ کی خدمت میں
پہنچا تو کوئی مکان نظر نہ آیا، دریافت کرنے پر بزرگ نے جواب دیا کہ جنت میں مکان تیار ہے، رئیس نے کہا
کہ دستاویز لکھ دیجئے تاکہ قبر میں ساتھ لجاؤں، انہوں نے دستاویز لکھ دی، رات کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے
ساتنے حاضری ہے اور ٹرانس پڑ رہی ہے کہ تم جنت کے ٹھیکیدار ہو کہ جسے چاہیں دستاویز لکھ دیں اللہ ارشاد

ہوا کہ چونکہ تمہاری نیت نیک تھی اس لئے تمہیں معاف کر دیا جاتا ہے اور ہم نے تمہارا کھانا کر دیا۔ آئندہ ایسی حرکت
ہرگز نہ کرنا۔

(۵) یہ تفاضل من وجہ ہے یعنی من وجہ ایک عمل افضل ہے اور من وجہ دوسرا۔ جیسے کہ حدیث ارحم امتی
باقی الوبکر واشدھم فامر اللہ عمر واصدقھم حیاہ عثمان واقضام علی و
اقمرھم ابی بن کعب واعلمھم بالحلک والحرار معاذ بن جبل واصدقھم لہجۃ
ابوذر وافرھم زید بن ثابت۔ وایمن ہذا الامۃ ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ
عنہم میں مختلف صحابہ کی فضیلت من وجہ (یعنی جزئی فضیلت) کا بیان ہے فضیلت کی حدیق اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو ہے وغیرہ۔ (ارشاد القاری)۔

• باب من الایمان ان یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ •

ایمان کی بات یہ ہے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۱۲ • حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبۃ عن قتادۃ عن النبی عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن حسین المعلم قال ثنا قتادۃ عن انس عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یؤمن أحدکم حقاً یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ •
ترجمہ | حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس
وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکیگا جب تک کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے اس چیز کو پسند
کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تعدد التحدیث :- اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وغیرہ۔

مطابقتہ للترجمۃ :- مطابقت بالکل واضح ہے کہ ترجمۃ الباب الفاظ حدیث سے ماخوذ ہے۔

قابل ربط | ابھی گزر چکا ہے کہ یہ باب علی وجہ الترقی ہے۔ یعنی اگرچہ اطعام طعام اور افشاء اسلام
اسلام کی بہترین خصالتیں ہیں لیکن اس پر اکتفاء کرنا چاہئے بلکہ اس سے ترقی کرنا چاہئے
کہ جو چیز اپنے لئے پسند ہو اسی جیسی چیز اپنے بھائی کے لئے پسند کر دے۔ یا یہ کہا جائے کہ اطعام طعام اور افشاء اسلام بھل
اور نفسا نیت کی وجہ سے نفس پر شاق ہوتا ہے اس لئے بطور ترغیب و تنہیم یہ باب منع کیا کہ جب تمہاری دلی خواہش
ہوتی ہے کہ لوگ تمہیں اسلام کریں اور تمہیں کھلاتے بلاستے رہیں تو تمہیں بھی جانتے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ایسا
یہ معاملہ کر دو کیونکہ یہ ایمان کی نشانی ہے۔

قابل کے باب میں اطعام طعام کا بیان تھا اور یہ کام عموماً اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے کسی وجہ سے محبت
ہو اور اس باب میں بھی مسلمان بھائی کی محبت کا بیان ہے اس لئے دونوں میں مناسبت ہوگئی۔

اشکال

اگر کوئی شخص بادشاہ ہے تو کیا اس پر ضروری ہے کہ وہ ہر کس دنیا کو حکومت میں شریک کرے اور صیباں و مجاہدین (بچوں اور یا لگوں) کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے، اس سے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائیگا، نیز یہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ وہ دین و دنیا میں سب سے سبقت لیجا نا چاہتا ہے؟

جواب یہ: حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگوں کو اپنے احوال اور اطلاق میں شریک کر لو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر شخص جس طرح اپنے بارے میں یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کا احترام کریں، جن اخلاق سے پیش آئیں، اچھے کاموں پر داد دیں، برائیوں سے درگزر کریں اور پردہ پوشی کریں اسی طرح اسے بھی چاہئے کہ دوسروں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرے۔

بلاشبہ حدیث رحمت عالم کا پیغام ہے جو امن عالم کی ضامن ہے، علماء نے اس حدیث کو بھی جو جامع الکمل میں سے شمار کیا ہے۔ اگر دنیا صرف اس حدیث پر عمل کرے تو سامنے فسادات اور فتنوں کی جواکٹ جائے، جو کسی کے گھر نقب زنی کے وقت، جیب کٹ (پاکٹ مار) کسی کے جیب پر ہاتھ بڑھانے وقت، کسی کی بیوی، بیٹی پر ہتھیاری کے وقت اگر سوچ لے کہ میں جو معاملہ کرنا چاہتا ہوں اگر بھی معاملہ میرے ساتھ کوئی کرے تو کیا میں اس کو پسند کرتا ہوں؟ انشاء اللہ صرف اتنا سوچنے سے چوری، زنا، غیبت، تہمت اور سارا فتنہ و فساد نیست و نابود ہو جائے گا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص دربار نبوی میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ مجھے زنا کی اجازت دیدی جائے، یہ سنا کر صحابہؓ زجر و توبخ اذات ڈیٹ کرنے لگے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکیم تھے آپ نے صحابہ کو روکا اور اپنے قریب بلا کر فرمایا کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ لوگ تیری ماں یا تیری بیٹی یا تیری بہن کے ساتھ یہ زنا یا حرکت کریں، اس نے کہا ہرگز نہیں میں تو تلوار سے خبر لوں گا، آپ نے فرمایا کہ جس سے توبہ بری حرکت کرنا چاہیے گا وہ بھی تو کسی کی ماں، کسی کی بیٹی اور کسی کی بہن ہوگی۔ سبحان اللہ! کتنا پلدا اندازہ نفہم و نصیحت ہے، آپ نے اس پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی اللہم افقرہ ذنبہ و طہر قلبہ و احصین فرجہ الیہ پھر اس شخص نے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر غلط نگاہ سے نہیں دیکھا۔

۲۔ اسی حدیث کو خاص مشورہ سے متعلق قرار دیا جائے یعنی اگر کوئی شخص آپ سے کسی کام میں مشورہ لینے آئے تو آپ ایسا مشورہ دیں جسے اپنے لئے پسند کرتے ہیں یہ سوچ کر مشورہ دو کہ اگر ہم مستشیر کی جگہ ہوتے تو کیا عمل کرتے۔ یہاں دو سندیں مذکور ہیں اور دونوں متصل ہیں، ایک تریہ ہے: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبۃ عن قتادۃ عن النضر۔

اختلاف اسناد

دوسری سند: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن حسین المعلم عن قتادۃ عن النضر۔ پس بخاری شریف کی سند مذکور میں عن حسین عن شعبۃ پر ہے، گویا اصل عبارت یہ ہوگی کہ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں عن شعبۃ وحسین المعلم کلاهما عن قتادۃ۔

اب سوال پیدا ہوگا کہ امام بخاریؒ نے دونوں کو جمع کیوں نہیں کیا ؟
 حاکم ابن محمد قسطلانی وغیرہ جواب دیتے ہیں کہ بخاریؒ نے اپنے شیخ کی اتباع میں ایسا کیا، ان کے شیخ نے
 دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا۔ جمع نہیں کیا تو امام بخاریؒ نے بھی جمع نہیں کیا اور اختصار کیلئے عطف سے
 روایت کیا، پھر دونوں روایتوں میں ایک فرق تھا شعبہ نے کہا غفقتادۃ اور حسین معلم نے کہا حدثنا
 قتادۃ تو اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے بھی جمع کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ البتہ یہاں جو متن مذکور ہے وہ
 شعبہ ہی کے نقل کردہ الفاظ ہیں۔

• باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان •

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ایمان کا ایک جزو ہے۔

الرسول الف لام عہدی ہے اور مراد حضور اقدسؐ ہیں اس لئے کہ روایت میں اکثراً مکمل کا صیغہ ہے اور
 اس سے حضور ہی مراد ہیں اگر لفظ حد زاحج انبیاء کی محبت واجب ہے لیکن احیث حضور اقدسؐ کے ساتھ
 خاص ہے لہذا ترجمہ الباب میں الف لام جنس یا استغراق کیلئے لینا درست نہیں۔ (عمدۃ، فتح، نس)

۱۳ • حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعبہ قال حدثنا ابو الزناد عن الاعمش
 عن ابی حریق أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فوالذی نفسی
 بیدۃ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدۃ وولدۃ •

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس
 ذات کا (خلاوند قدوس) کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک
 مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد سے زیادہ نہ ہو۔

تعدد الحدیث :- امام بخاریؒ نے اس باب میں دو حدیث ذکر فرمائی ہے اور دونوں حدیثیں
 دوسری روایت اس کے بعد متعلق آئے گی انشاء اللہ۔ و آخر جزو مسلم ایضاً۔
 مطابقتہ للترجمہ :- مطابقتہ الحدیث للترجمہ خلاصہ۔

ما قبل ربط (۱) دونوں بابوں میں محبت ایمانی کا بیان ہے اس لئے ربط و مناسبت ظاہر ہے۔
 (۲) ما قبل کے باب میں محبت عامہ کا بیان تھا اور اس باب میں خصوصی محبت کی
 تاکید ہے گویا یہ باب تخصیص بعد انشیم کے قبیل سے ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ تخصیص بعد انشیم موماہتمام شان
 کے لئے ہوتی ہے۔ (۳) یا ترقی من الاولی الی الاصل کے قبیل سے ہے، پہلے باب میں محبوب اپنا بھائی
 تھا اور محبت بھی اپنی جیسی تھی اور اس باب میں افضل الخلائق ہے اور محبت بھی اعلیٰ درجہ کی مطلوب ہے۔

تشریح :- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا جزو ہے اگر کسی کو حضور اقدسؐ سے

محبت نہ ہو تو وہ مسلمان ہی نہیں۔

محبت کے معنی اور اس کے اقسام

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں: المحبة فی اللغة ميل القلب الى الشيء لتصور كمال فيه بحيث يرغب فيها بقرينة اليه (عمرہ ۹ ص ۱۲۲) یعنی قلب کا کسی چیز کی طرف مائل ہونا اس تصور سے کہ اس میں کوئی کمال ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں وبالجملة اصل المحبة الميل الى ما يوافق المحب ثم الميل قد يمكن لما يستلذه الانسان وليست حسنة بحواسه كحسن الصورة والصوت والطعام الا (شرح مسلم ص ۳۳۳) علامہ نوویؒ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ کسی مغرب و پسندیدہ چیز کی جانب قلب کے میلان و جھکاؤ کو لغت میں محبت کہتے ہیں، پھر میلان و جھکاؤ کبھی ایسی چیز کی طرف ہوتا ہے جس میں انسان اپنے حواس سے لذت محسوس کرتا ہے اور حسین سمجھتا ہے جیسے حسن صورت، حسن صوت وغیرہ، اور کبھی ایسی چیز کی جانب میلان قلب ہوتا ہے جس کی لذت باطنی و جودہ و کمالات کی بنا پر عقل سے معلوم ہوتی ہے جیسے علماء، علماء اور فضلاء کی محبت مطلقہ یعنی بدون تصور جلب منفعت یا دفع مضرت، اور کبھی محبت کسی احسان کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس نے کسی سخت تکلیف و مصیبت کے وقت احسان کیا۔

اشکال

ان تعریفات سے صاف ظاہر ہے کہ محبت قلب کے میلان اور جھکاؤ کو کہتے ہیں، طبی ہے۔ کچھ اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ انسان بے اختیار مائل ہو جاتا ہے انسان کے اختیارات کو دخل نہیں ہوتا جیسے ماں باپ کی محبت، اولاد و اقارب کی محبت اور مالوفات طبعیہ کی محبت طبی وغیرہ اختیاری چیز ہے۔ اور کسی انسان کو غیر اختیاری شئی کا تکلف نہیں بنایا جاسکتا ہے، تکلیف ہمیشہ اختیاری اور پردیما کی ہے۔

جواب:

اس اشکال کا جواب محدثین عظام و شراح بخاری سے یہ منقول ہے کہ محبت کی تین قسمیں ہیں:-
۱۔ محبت طبعی یعنی غیر اختیاری۔ ۲۔ محبت عقلی۔ ۳۔ محبت ایمانی، یہ دونوں محبت اختیاری ہے۔ یہاں حدیث شریف میں محبت عقلی اور ایمانی مراد ہے۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حب عقلی اور حب ایمانی جب تک غالب نہ ہو جائے اس وقت تک کامل مؤمن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

حب عقلی کا مفہوم یہ ہے کہ خواہ کوئی چیز طبعی طور پر گراں معلوم ہو لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ تمام چیزوں پر اسی کو ترجیح دی جائے، جیسا کہ مرثیہ کو کرطوی دہا سے طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے مگر عقلاً چونکہ اس سے تندہی حاصل ہوتی ہے اس لئے بروئے عقل چیتا ہے، یا مثلاً کسی کو ڈاکٹر نے آپریشن کے لئے کہا تو طبعاً کوئی نہیں چاہتا ہے کہ بدن کا کوئی حصہ کاٹا جائے لیکن جب عقل کا حکم ہوتا ہے کہ اگر آپریشن نہ کیا گیا تو دوسرے اعضاء بھی متاثر اور ماؤں ہو جائیں گے۔ تو ڈاکٹر کو بڑی بڑی دہائی دے کر آپریشن کراتا ہے۔ پس یہ آپریشن کی خواہش محبت عقلی ہے۔

تو جو کہ حب عقل میں نفع و نقصان پر نظر ہوتی ہے اس لئے عقل مافیہ النفع کو ہمیشہ ترجیح دیگی، پس عقل کا تقاضا ہے کہ حضور اقدس کی محبت و اطاعت میں دائمی اور ابدی نفع ہے۔ اس لئے دنیا کی تمام چیزوں سے آنکھ پوری کی محبت زیادہ ہو، نیز دنیا میں جتنے بھی محبت کے اسباب ہیں وہ سب کے سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود ہیں، چنانچہ ارباب عقل کا اس پر اتفاق ہے کہ محبت کے اسباب چار ہیں: جمال، کمال، قربت، احسان۔ ان میں سے جب کوئی سبب پایا جائیگا تو محبت پائی جائیگی اور یہ واضح رہے کہ طبعی محبت بھی انہی اسباب میں دائر و محصور ہے۔

جمال محبت کا ایک سبب جمال ہے یعنی ظاہری حسن و خوبصورتی باعث محبت ہے جیسا کہ مشیر برادر فرمادے اور سیلی دینوں کے واقعات شاہد ہیں، نیز حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا واقعہ دلیل ہے کہ حسن و جمال باعث محبت ہے۔

حضور اکرم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال کس درجہ کا تھا؟ خالق جمال نے جو محبت جمال بھی ہے اللہ جمیل یحب الجمال اپنے محبوب کو کس قدر سنوارا تھا؟

منزلہ عن شریک فی مجلسہ : فجور الحسن فیہ غیر منقسم

دیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنئے :-

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میں دیکھ رہا تھا اس وقت حضور سرخ جوٹا زیب تن فرمائے ہوئے تھے، میں بھی چاند کو دیکھتا اور کہی آپ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضور اقدس چاند سے زیادہ نور اور حسین ہیں۔ (شمائل ترمذی)

یا صاحب الجمال ویا سید البشر : من و جہک المنیر لقد نور القمر

لایمکن النشاء کما کان حقہ : بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس اس قدر صاف شفاف اور حسین و خوبصورت تھے کہ گویا چاندی سے آپ کا بدن ڈھالا گیا ہے ابوہریرہ (شمائل ترمذی)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے رات کی ظلمت میں حضور اقدس کے چہرہ انور کی روشنی میں سوئی تلاش کی۔

علامہ منادی نے لکھا ہے کہ ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک جن اوصاف جمیل کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں حضور جیسا نہیں ہو سکتا اور یہ محض اعتقادی چیز نہیں ہے۔ سیر، احادیث اور تواریخ کی کتاب میں اس سے لبریز ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے کمالات باطنیہ کے ساتھ جمال ظاہری بھی علی الوجہ الاتم عطا فرمایا تھا، حضرت عائشہ رضی عنہا دو شعر منقول ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو باہتوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔ (ضمائل نوری)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں :-

لو ارجی زلیخا المرسلین حبیبہ : لا شرف بالتقطع الصدوق علی اللہ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شعر مذکور پر ممکن ہے کسی کو یہ اشکال پیدا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو
دیکھ کر قلوب تو دور کنار کسی نے ہاتھ بھی نہ کاٹے ۔

اشکال

جواب :- یہ اشکال اس شخص کو پیدا ہو سکتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے
واقعات اور کارناموں سے ناواقف ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنے والوں کے واقعات اس
قدر کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔

کسی جوان عورت کا کسی خوبصورت جوان مرد پر عاشق ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں یہ تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے
ما فوق العادہ امر ہے کہ حضور اکرم پر بچوں سے بوڑھوں تک، عورتوں سے لیکر مردوں تک بلکہ ان سے بھی بڑھ کر
حیوانات نے جانیں قربان کیں، نباتات اور جمادات نے عشق کے مظاہرے کئے، عورتوں اور بچوں کی جان نثاری
کے واقعات کی فہرست بہت طویل ہے۔

حجۃ الوداع میں آپ نے سر اوٹوں کی قربانی دی جن میں سے تریستھ اپنے ہاتھ مبارک سے قربان کئے
اور بقیہ پر حضرت علیؓ کو مامور فرمایا۔ ان اوٹوں کو قربانی کے لئے ایک پاؤں باندھ کر ایک صف میں کھڑا کر دیا گیا
جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کرنے کے لئے ہاتھ میں نیزہ منھاماتو، اونٹ اس خواہش میں کہ آپ کا نیزہ
محب سے پہلے اس کے سینہ پر آئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے ۔

دشود نصیب دشمن کشن کہ شود ہلاک تیغت : سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی
مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدر میں آپ کے گدھے نے کنوئیں میں
گر کر جان دیدی۔ اور آپ کی اونٹنی نے گھانا پینا چھوڑ دیا آخر کار بھوک اور پیاس سے مر گئی۔
اسطوانہ خانہ کا واقعہ مشہور ہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان بھتوں کو خوب پہچانتا ہوں
جو مجھے سلام کیا کرتے تھے اور مجھ سے کلام کیا کرتے تھے الخ (ارشاد القاری)

کمال محبت کا دوسرا سبب کمال ہے، یعنی باطنی حسن و جمال، یہ بھی محبت کا ایک عظیم سبب ہے مشہور
مقولہ ہے "کسب کمال کن تا عزیز جہاں شوی"

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ فام حبشی تھے لیکن کمال ہی کی وجہ سے محبوبِ خلافت بنے ہوئے تھے حتیٰ کہ
امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے "ابو بکر سیدنا واعتق سیدنا" یعنی بلا لہ - (بخاری و مشکوٰۃ)
امام اعظم ابو حنیفہؒ پر ہم سب فدا ہیں بلکہ پوری دنیا کے اکثر مسلمان آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی تعظیم
کرتے ہیں اور باعثِ فخر و سعادت سمجھتے ہیں حالانکہ کوئی قرابت یا رشتہ داری نہیں ظاہر ہے کہ محبت کا سبب صرف
یہ ہے کہ آپ با کمال تھے، علیٰ ہذا القیاس ائمہ مجتہدین اور اولیاء کاملین سے جو ہمیں محبت ہے اور بلاشبہ

غیر اختیاری محبت ہے اس کا سبب یہی ہے کہ یہ حضرات باکمال تھے۔ اور حضور آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں تو تمام انسانی کمالات موجود تھیں۔

حنی پوست دم عیسیٰ پر بیضا داری ہا آپہ خویاں بہر داند تو تنہا داری
آپ کے کمالات کون بیان کر سکتا ہے ؟

لا یحکم الشیء کما کان حقیقۃ : بعد از خدا بزرگ قوی قصہ مختصر

نیز خود حضور آدم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اودیت علم الاولین والآخرین" اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا کمال علم ہے۔ نیز مخلوقات میں دینے والے کمالات میں سب آپ کی وساطت سے ہیں، لقولہ علیہ السلام: "انما انا ناس و اللہ بصری" پس آپ کا اہل الکلاء ہونا ظاہر ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنی کتاب "عوالم المعارف" میں ایک بزرگ سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ نے عقل کے نشو و نما کے لئے آپ کو معارف علیہ وسلم کو عنایت فرمائے اور ایک حصہ تمام مخلوقات پر تقسیم فرمایا۔

کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کے کمالات کا اعتراف تو ساری قوموں نے کیا ہے، مخالفین اسلام نے کتاب میں لکھی ہیں۔

چنانچہ آج سے تقریباً سو سال پہلے شہر پٹنہ سے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی صاحب "نور اسلام" ایک رسالہ نکالتے تھے اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے۔ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں، انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیونکر پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو ؟ اس نے جواب دیا کہ مجھ کو ان کی زندگی میں ایک وقت اس قدر متفاد اور متوجع اور صاف نظر آئے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی لکھا کر کے نہیں دکھایا۔ وہ بادشاہ ایسا ہو کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، دو لشکر ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آ رہے ہوں اور محتاج ایسا کہ بیٹوں اس کے گھر چو بہاد جلتا ہو اور کئی کئی وقت اس پر نائے گزر جاتے ہوں، سب سالار ایسا کہ مٹھی بھر بیٹے آدمیوں کو لیکر ہزاروں کی غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جانشینوں کی ہر کاری کے صلح نامہ پر دستخط کر دیتا ہو، شجاع اور بہادر ایسا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باعقل ایسا کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، یوپی بچوں کی اس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کو بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سامنے سنسار کی اس کو فکر۔

اور بے تعلقی ایسا کہ خدا کے سوا کسی کی اس کو یاد نہیں اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش، اس نے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے بڑا کئے والوں سے انتقام نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں ہمیشہ دعا، خیر کی اور ان کا بھلا ہوا ہے

لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا رہا اور عذاب الہی سے ڈراتا رہا۔ عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہوا وہ ایک شب زندہ دار زلمہ کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو رہا ہے پیغمبرانہ معصومیت میں ہمارے سامنے آ جاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کا تکیہ لگائے خالی چٹائی پر محو خواب نظر آتا ہے، عین اس دن جب عرب کے اطراف سے اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اس کے اہل بیت میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہو، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں ٹونڈی اور غلام بنگر بھیجے جا رہے ہوں فاطمہ بنت رسول اپنے ہاتھوں کا چھالا اور سیدہ کا داغ باپ کو دکھاتی ہیں جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سیدہ پر بڑ گیا تھا اور ایک خادمہ کی درخواست کرتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ”اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں فاطمہ! بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں۔“ (خطبات مدراس ص ۱۵)

قربت

محبت کا بڑا سبب قربت ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتبار سے بھی سب سے زیادہ محبت کے مستحق ہیں، ارشاد خداوندی ہے: **النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ** (آیت ۱۰۷) نبی مؤمنین کے ساتھ خدا ان کے نفس (اور ذات) سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

مؤمن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اسی نور عظیم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے، آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے بنا بریں مؤمن (میں جیت ہو مؤمن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت نکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی، اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے اور اگر اس روحانی تعلق کی بنا پر کہہ دیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے ہیں بلکہ اس سے بھی بھرا اب بڑھ کر ہیں تو بالکل بجا ہو گا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں **أَتَمَّا لَنَا لَكَو بَعَثَ لَكَو الْمَوْلَا لَكَو** اور حضرت ابی بن کعب وغیرہ کی قرأت میں آیت کریمہ **النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ** کے ساتھ **وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ** کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اور دلی سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق اس سے بڑھ کر ہے اور یقیناً امتی کا روحانی اور ایمانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پُر تو اور ظیل ہوتا ہے اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر کو دنیا کی عارضی حیات و عطا فرمائی تھی لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری وہ ہمدردانہ اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا اس لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو مخلوق میں کسی کو حاصل نہیں حضرت شاہ (عبد القادر) صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: نبی نائب ہے اللہ تعالیٰ کا اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا

نبی کا چلتا ہے، اپنی جان دیکتی آگ میں ڈالنا جائز نہیں اور اگر نبی حکم دیدے تو جان قربان کرنا فرض اور انتہائی سعادت ہے۔

انہی حقائق پر منظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (فوائد عثمانی)

احسان محبت اور تعلق کا چوتھا سبب احسان ہے۔ مشہور مقلد ہے "الانسان عبد الاحسان" انسان غلام ہے احسان کا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کن کن احسانات کو شمار کیا جائے؟ دنیا سے لیکر آخرت تک حضور اکرم کے احسانات ہم (اہل ایمان) پر اور ساری کائنات پر ہیں۔

حضور اکرم کی بعثت کے وقت پوری دنیا بے انتہا ابتذال میں ڈوبی ہوئی تھی، انسانیت سے بالکل دور، قتل و غارتگری، سود خواری و زنا کاری غرض انسانی دنیا میں وحشت و بربریت کے سیلاب اُمڈے ہوئے تھے لیکن رحمت عالم نے تمام معاصی و جرائم کی تیغ کٹی کی، حیوانوں کو انسان بنایا اور انسانیت کبریٰ کا سبق دے کر معلم خلافت و تائید یہ کتنا بڑا عظیم الشان احسان ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

(۲) اہم سابقہ پر جو سخت احکام تھے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے مسموع کو دینے کے مثلاً بغیر مسجد کے نماز نہ ہوتی، غلام کی حرمت، بلا قطع طہارت حاصل نہ ہونا، زکوٰۃ میں مال کا چوتھائی وغیرہ وغیرہ۔

(۳) اہم سابقہ پر جو سخت سزائیں تھیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے مرتفع کر دی گئیں۔ مثلاً بلا قتل تو بہ قبول نہ ہوتی تھی، اگر کوئی رات کو چھپ کر گناہ کرتا تو صبح کو اپنے مکان کے دروازے پر لکھا ہوا پاتا، پوری قوم کا مسخ و خسف وغیرہ۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ
الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (پ ۶۷)۔
(آنحضور) ان پر سے وہ بوجھ اتارتے ہیں اور بندشیں کھولتے ہیں جو ان پر تھیں۔

اور کائنات عالم کی ساری قوموں کا اتفاق ہے کہ انسان میں جب تک انسانیت اور انسانی شرافت ہے وہ احسان فراموش نہیں ہو سکتا ہے، احسان فراموشی کفار و مشرکین بھی انتہائی مذموم سمجھتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے (جو قریش مکہ میں بڑے معزز اور ذی اثر شخص تھے، اس وقت کافر تھے بعد میں مسلمان ہو گئے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران گفتگو میں کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پاس مختلف قوموں کے لوگ جمع ہو گئے ہیں یہ لوگ معمولی مصیبت دیکھیں گے تو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کو یہ سن کر حلال آگیا اور آپؐ نے فقہ میں عروہ کو گالی دیکر یہ فرمایا۔ کیا ہلوگ آپؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون شخص ہیں؟ لوگوں نے بتایا، ابو بکرؓ ہیں، جواب میں عروہ کہتا ہے کہ ابو بکر! اگر مجھ پر آپ کا احسان نہ ہوتا تو میں جواب دیتا۔ یعنی صرف احسان کی وجہ سے زبان پر دے لی۔

اور صرف انسان ہی پر موقوف نہیں بلکہ بعض حیوانات بھی احسان کی وجہ سے جھکنے لگتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان اسباب میں سے ہر ایک سبب موجب محبت ہے تو اگر کسی ایک ذات میں محبت کے یہ سارے اسباب موجود ہوں تو کتنی محبت ہونی چاہئے۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ بقا خاں عقیل سلیم کے علاوہ فطری اور طبعی طور پر بھی سب سے زیادہ محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہونی چاہئے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کی زندگی ناظرین دشا ہے۔

صحابہ کرام کی محبت کے چند شواہد و نمونے حضرت خبیبؓ کی گرفتاری اور ان کی شہادت کا واقعہ مشہور ہے۔ (بخاری شریف جلد ثانی ص ۵۲۵)

بھی موجود ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے نہر الباری شرح بخاری کتاب المغازی ص ۱۳۳ تا ۱۳۵) کہ اولاً تو ان کو گرفتار پھر قید کیا گیا، اشہر حرم کے ختم ہونے کے بعد ان کو حرم سے باہر نکالا گیا اور سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ۔

کہا مجھ کو کسی شے کی نہ حاجت ہے نہ رغبت ہے۔ فقط حبیب نبی کا ذکر ہے شوقِ عبادت ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جل شانہ کی ملاقات قریب ہے، چنانچہ مہلت دی گئی، انھوں نے دو رکعتیں بہت اطمینان سے پڑھ کر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ موت کے ڈر کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اللہ پڑھتا اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے، عین سولی کے وقت کسی کافر نے قسم دیکر پوچھا کہ خبیب! تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں؟ حضرت خبیبؓ نے فرمایا مجھے یہ بھی گوارہ نہیں کہ میری جان کے فدیہ میں ایک کاٹا بھی حضور اقدسؐ کے چبھے۔

(۲) اسی طرح حضرت زید بن دثنیہؓ سے شہادت کے وقت ابوسفیانؓ نے پوچھا کہ زید! قسم کھا کر کہو کیا تمہیں اس یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم اپنے گھر جاتے، حضرت زیدؓ نے کہا خدا کی قسم مجھے یہ بھی گوارہ نہیں کہ حضور اقدسؐ جہاں ہیں وہیں ان کے ایک کاٹا بھی چبھے۔ یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے، ابوسفیانؓ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کو جتنی ان سے محبت دیکھی اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی قال ابوسفیان ما رأیت من الناس احداً یحب احداً کحب اصحاب محمدؐ محمدؐ۔

(۳) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور انورؐ کی ذات گرامی ہمیں مال، اولاد، والدین اور پیاس میں سرد پانی سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

(۴) ایک انصاری خاتون کے باپ، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں شہید ہو گئے باری باری اس خاتون کو ان حادثوں کی خبر ملتی رہی، ہر بار صرف یہ پوچھتی جاتی ہے کہ وہ سرکارِ دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں، اس خاتون نے کہا اور سنید مجھے چہرہ انور دکھا دو، اس نے پاس آ کر چہرہ مبارک

دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی کہ مصیبتہ بعد لطف جلیلؑ (آپ کے بعد تمام مصیبتیں خفیر ہیں)۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس واقعہ کو نظم میں بیان کیا ہے کہ جب موقع جنگ پر پہنچیں تو لوگوں نے کیا ہے

تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی تیرے والد بھی ہوئے کشتہ شمشیر ستم

سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوفہ الم

اس غیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا یہ تو بلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہ ام

سب نے دی اس کو بشارت کہ سلامت ہیں حضور گرچہ زخمی ہیں سرو سینہ و پہلو و شکم

کہا چل کر دکھا دو محکوم صورت کلی دالے کی کہ ان تاریک آنکھوں کو ضرورت ہے اجالے کی

بڑھ کے اس نے رخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا آپ سالم ہیں تو پھر پیچ ہیں سب رنج و الم

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی اور بھی خدا لئے شہ دس تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(۵) حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربیعہؓ ایک باغ میں تھے کسی نے آکر پیغمبرؐ عظمیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر

دی فوراً آنکھیں بند کر لیں اور بارگاہ رب العالمین میں عرض کیا خدایا جن آنکھوں سے میں نے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ

وسلمؐ کا جمال جہاں آرا دیکھا ہے اب ان سے کسی دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتا مجھ سے میری بھارت لے لے چا پتہ

ان کی بینائی جاتی رہی۔

(۶) حضرت اویس قرنیؓ کے متعلق مشہور ہے کہ جب انہیں یہ اطلاع پہنچی کہ حضور اکرمؐ کا دندان مبارک شہید ہو گیا

تو حضرت اویسؓ نے اپنے تمام دانت توڑ لئے کیونکہ معین دندان مبارک معلوم نہ ہو سکا تھا۔

ان تمام واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو آنحضرتؐ سے جو محبت عقلی و ایمانی تھی وہ محبت

طبعی پر بدرجہا غائب ہو کر محبت عشقی کے درجہ کو پہنچی ہوئی تھی اور عشق کا حال یہ ہے ۔

عشق آں شعلہ ایست کہ جوں برافروخت

ہرچہ جز معشوق باشد جلد سوخت

۱۴ • حدثنا یعقوب بن ابراہیم قال ثنا ابن عیینہ عن عبد العزیز بن صہب

عن السیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم • حدثنا آدم بن ابی ایاس قال

ثنا شعبہ عن قتادہ عن النبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن

احدکم حقاً اکرن احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین •

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس

ترجمہ | وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو میری محبت اپنے باپ، اپنی اولاد اور تمام

لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

مطابق فقہ للترجمہ :- حدیث شریف کی مطابقت ترجمہ سے ظاہر ہے۔

تشریح

امام بخاریؒ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس دوسری روایت میں والثامن اجمعین کی زیادتی ہے جس میں زیادہ وسعت اور ہمہ گیری ہے حتیٰ کہ انسان کی اپنی ذات بھی شامل ہے۔

اس دوسری روایت میں دو سندیں ہیں درمیان میں جائزے تخیل ہے جس کی تفصیل کتاب الوجہ میں گزر چکی ہے ملاحظہ فرمائیے حدیث ربہ کی تشریحات۔

فائدہ

ابن بطال نے ابوالزناد سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے کہ مختصر الفاظ میں محبت کے تمام اقسام کو جامع ہے کیونکہ اقسام محبت تین ہیں۔

۱۔ محبت اجلال و اعظام جیسے والدین کی محبت۔ ۲۔ رحمت و شفقت کی محبت جیسے ولد کی محبت۔ ۳۔ مشاکلت کی محبت جیسے آپس میں تمام انسانوں کی محبت۔

ظاہر ہے کہ محبت کے سارے انواع و اقسام انھیں تینوں میں داخل ہیں محبت کی کوئی نوع اس سے خارج نہیں لہذا اس حدیث کا جوامع الکلم میں سے ہونا ظاہر ہے۔

باقی تفصیلات پہلی حدیث میں گزر چکی ہیں۔

یاریت صلی وسلم دائما ابدا : علی حبیبک خیر الخلق کلہم

باب خلاوة الایمان •

ایمان کی خلوت (مزہ) کا بیان

۱۵ • حدثنا محمد بن المثنی قال ثنا عبد الوہاب الثقفی قال ثنا الربیع عن ابی قلابہ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث من کت فیہ رجبہ خلوة الایمان أن یكون اللہ ورسولہ أحب الیہ مما سواہما وأن یحب المرء لا یحبہ إلا للہ وأن ینکر أن ینکر فی الناس •

ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی خلوت (مزہ) پالیکا ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت سب سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ فقط اللہ کیلئے کسی سے دوستی رکھے، تیسرے یہ کہ دوبارہ اس کو کافر بننا اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا۔

مطابقتہ للترجمہ :- ترجمہ الباب سے حدیث کی مطابقت ظاہر ہے کہ ترجمہ الباب حدیث ہی کا ٹکڑا ہے۔

ما قبل ربط :- باب سابق میں یہ بتایا تھا کہ ایمان میں اسی وقت کمال متحقق ہوگا جبکہ محبوب رب العالمین

کی محبت ساری مخلوق سے زیادہ ہو۔ اس باب میں سابق باب کے شرہ کا بیان ہے اس لئے اس باب کے اوپر ثلاثہ میں سے پہلی چیز دی ہے جو سابق میں گزری یعنی آن یكوف الله ورسوله احب الیہ مما سواہما۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہذا الباب مشتمل علی ثلاثہ اشیاء والباب الذی قبلہ جن من ہذہ الثلاثہ وھذا اقرب وجوب المناسبتہ۔

تعدد الحدیث :- اخرجنا البخاری ہذا فی الضامۃ والضامۃ ۱۳۲ واخرجنا مسلم والترمذی۔ ثلاثۃ تنوین بعوض مضاف الیہ ائی ثلاث خصال۔ وجد ای اصحاب یعنی جس شخص میں ان خصوصیات ہو گی وہ ایمان کا مزہ پالے گا۔

تشریح

امام نووی فرماتے ہیں : ہذا حدیث عظیم اصل من اصول الاسلام الخ حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر ہے، ان تینوں میں اول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی محبت دوسری تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تو اس لئے کہ وہی منعم حقیقی ہے، نیز محبت کے جتنے وجوہ و اسباب ہیں جمال، کمال، احسان اور قرب، سب باری تعالیٰ میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور سب سے زیادہ خداوند قدوس میں جمع ہیں۔ جمال، کمال اور احسان کا اعلیٰ اور اکمل ہونا تو ظاہر ہے محتاج بیان نہیں، بل قرب تو اس کے لئے قرآن کریم کی شہادت کافی ہے :-

نحن اقرب الیہ من جبل اوریندہ سورہ قی
وہو معکم اینما کنتم۔ (سورہ مدید)
ونحن اقرب الیہ منکم ولی کن
لا تبصر و۔ (سورہ واقعہ)
ہم اس کے قریب ہیں شہر وگ سے زیادہ۔
وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔
اور ہم اس کے زیادہ قریب ہیں تمہاری بہ نسبت
لیکن تم نہیں دیکھتے۔

اللہ کے اقرب ہونے کا مطلب
اللہ تعالیٰ اقرب مکانات کے قرب کی طرح نہیں بلکہ ان کی شان کے لائق جو قرب ہے وہ مراد ہے اور یہ ایک مستقل بحث ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے اقرب (نزدیک تر) ہونے کا کیا مطلب ہے ؟

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے تقریب الی الغہم کے لئے اسے مثال دیکر سمجھایا ہے کہ مثلاً یہ دھوپ ہے جس میں گرمی بھی ہے اور روشنی بھی ہے۔ فرض کرو اگر یہ دھوپ خود اپنی حقیقت کو معلوم کرنا چاہے اور اس سلسلہ میں حرکت فکریہ کرے تو اس حرکت فکریہ میں سب سے پہلے شمس پڑے گا اور اس کو پہنچنا ہو گا کہ میں ایک حصہ اور ٹکڑا ہوں اس نور کا جو قرص شمس میں سمجھا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ شمس کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد وہ اپنی حقیقت معلوم کر سکتی ہے اور حرکت فکریہ میں شمس پہلے آیا اور اس کو اپنی حقیقت بعد میں آئیگی۔

معلوم ہوا کہ شمس دھوپ سے اس کی اپنی ذات و حقیقت سے بھی زیادہ قریب ہے کیونکہ حرکت میں جو چیز پہلے آئے وہی قریب ہے اور جو بعد میں آئے وہی بعید ہے۔ مثلاً تم ایک جگہ سے حرکت کر کے دُور کے

مقام پر جانا چاہتے ہو اس حرکت میں جو مقامات تم کو پیش آئیں گے وہ مقامات تمہارے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اس مقام کے جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ اس میں حرکت یعنی ہے اور اس میں حرکت فکر یہ تھی، کلی طور پر اپنی بات سمجھ لیں کہ معلول اگر اپنی حقیقت کو سمجھنا چاہے اور حرکت فکر کرے تو اس حرکت میں پہلے علت آئیگی بعدہ معلول اس نے نفس اور حقیقت کو سمجھ سکے گا۔ پس اگر ممکنات مثلاً ہم اپنی حقیقت کو سمجھنا چاہیں گے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو معلوم کرنا پڑیگا کیونکہ ہم معلول ہیں اور وہ علت ہے، ہمارا وجود ایک پڑ تو اور شعبہ ہے اس کے وجود کا، اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ حرکت میں جو پہلے آئے وہ قریب ہے اور جو بعد میں آئے وہ بعید ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہمارے نفس اور ہماری حقیقت کی بہ نسبت ہم سے زیادہ قریب ہوا

اور اسی طرز طریقہ پر النبی ارقی (ایم ارقب) بالمؤمنین من النفس (احزاب) کہا جاسکتا ہے کیونکہ مؤمن من حیث ہو مؤمن اگر اپنی حقیقت کو سمجھنے کے لئے حرکت فکر کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنی پڑیگی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے۔

مشہور سوال

اس حدیث میں ہے: "أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا" اس مِمَّا سِوَاهُمَا کا مخرج اللہ اور رسول ہیں۔ دونوں کو آپ نے ایک ہی ضمیر میں جمع کر دیا ہے حالانکہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی خطیب نے اپنے وعظ کے شروع میں کہا وَمَنْ يَمْلِكُهَا فَقَدْ غَرَى "تو آپ نے فرمایا" بَشِ الْخَطِيبِ اَنْتَ" (علاء ج ۱ ص ۱۷۱)۔ اب سوال یہ ہے کہ جس جمع سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس کے برخلاف اس روایت میں کس حکمت کی بنا پر جمع فرمایا، وجہ فرق کیا؟

جواب :- اس کے متعدد جوابات دئے گئے ہیں :-

(۱) بہترین جواب یہ ہے کہ حضور اقدس نے جو اس حدیث میں جمع کیا ہے وہ محبت کا معاملہ ہے اور چونکہ اللہ اور رسول کی محبتیں لازم و ملزوم ہیں، انسان کی فلاح و نجات کیلئے دونوں ضروری ہیں، اللہ کی محبت اسی وقت معتبر و کارآمد ہے جب رسول کی محبت بھی ہو۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اسی وقت مستندہ اور نافع ہے جب اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ہو صرف ایک محبت کافی نہیں۔ اس لئے اس موقع پر ایک ضمیر ہی میں جمع کرنا مناسب تھا تاکہ اشارہ ہو جائے کہ محبتیں کا مجموعہ شریعت میں مطلوب ہے۔

اور خطیب والی روایت میں عصیان کا معاملہ ہے اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ ہر ایک کی نافرمانی مستقلاً خطرناک اور باعثِ ہلاکت ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضمیر میں جمع کرنے سے منع فرمایا۔ اور تنبیہ کر دیا کہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا چاہئے کیونکہ ایک ضمیر میں جمع کرنے سے ایہام ہو سکتا ہے کہ شاید دونوں کی نافرمانی کا مجموعہ مضر ہو تنہا صرف ایک کی نافرمانی موجبِ ہلاکت نہ ہو اس لئے تفسیر فرمایا:

قل ومن یعص الله ورسوله فهو (عدو)

(۲) حضرت شاہ انور کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ہنس الغلیب انت قل ومن یعص الله ورسوله فقد غری میں بھی تحریم کے لئے نہیں ہے بلکہ ادب فی الشکم کی تعلیم اور تادیب و تہذیب کے لئے ہے۔ گمانی قولہ تعالیٰ:

لا تقولوا رانما و قولوا انظرنا (فیض الباری)

وأن یحب المرء لا یحبہ الا الله یہ دوسرا جملہ ہے۔ یعنی جس شخص سے بھی محبت رکھے محض اللہ کیلئے رکھے مطلب یہ ہے کہ دُور دُوری جلیب منفعت مقصود ہو اور نہ دفع مضرت مثلاً کوئی شخص اسباب محبت (جمال، کمال، قرب و احسان) میں سے کسی وصف سے بظاہر متصف نہ ہو لیکن متقی اور متبع شریعت ہو اس وجہ سے اس کے ساتھ محبت ہو تو یہ محبت خالصاً لوجه اللہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ جملہ اولیٰ میں محبت مع اللہ اور تعلق مع اللہ کا بیان تھا اور جملہ ثانیہ میں تعلق اور محبت مع الخلق مذکور ہے، گویا یوں فرمایا گیا کہ کامل مؤمن وہ ہے جو ان تمام تعلقات کا حق ادا کرے، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرے۔ جب انسان میں یہ دونوں وصف کامل ہو جائیں گے تو لا محالہ اسے ہر اس چیز سے نفرت ہوگی جو اللہ اور رسول اور مؤمنین صالحین کے نزدیک مبغوض ہے، لہذا عود الی الکفر اسے آسانا ناگوار ہونا چاہئے جتنا آگ میں ڈالے جانے سے بلکہ اس سے زیادہ "لأن حب الشیء مستلزم لبغض لقیضہ" اسکو دوسرے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔

وجد حلاوق الاچمانی حلاوت ایمان سے کیا مراد ہے؟ حلاوت حسی مراد ہے یا حلاوت معنوی؟ عموماً شراح لکھتے ہیں کہ حلاوت معنویہ مراد ہے کیونکہ ایمان کوئی حسی چیز نہیں ہے کہ اس کی حلاوت مراد ہو یعنی طاعت و عبادت میں قلب کو شیرینی جیسی حلاوت محسوس ہو، جیسا کہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا جو حضرت گنگوہیؒ نے اپنے شیخ حضرت حاجی ادا اللہ مہاجر کی "کی خدمت میں لکھا تھا کہ بندہ کو بحمد اللہ تین چیزیں حاصل ہیں جو محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔ پہلی چیز ہے کہ اطراف و اکناف میں دوستوں سے زائد طالب العلم مجھ سے حدیث شریف پڑھ کر اپنی اپنی جگہ درس دے رہے ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ امور شرعیہ اور طبیعیہ کی مانند بن گئے ہیں یعنی امور شرعیہ کو چھوڑنے میں دیسی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسی کہ بھوک، پیاس اور دھوپ سے طبعاً تکلیف ہوتی ہے اور امور شرعیہ کی طرف دیسی ہی رغبت ہوتی ہے جیسی کہ انسان کو بھوک کے وقت روٹی کی طرف اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً میلان ہوتا ہے۔ تیسری چیز یہ کہ مادہ اور ذام (یعنی تعریف اور مذمت کرنے والے) دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں۔

یہ دوسری چیز جو حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنے اس مکتوب میں لکھی ہے وہی دراصل مسئلہ اذبالطاعات ہے جیسا کہ امام نووی و دیگر محدثین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حلاوت معنویہ مراد ہے یعنی طاعات میں لذت محسوس ہونا اور اللہ تعالیٰ اور سرکارِ دو عالم کی رضا مندی کے لئے بڑی سے بڑی تکالیف کو بخوشی برداشت کرنا اور

اشر و رسول کی خوشنودی کو تمام دنیا کے مال و متاع پر ترجیح دینا۔ (شرح مسلم ص ۴۹)

حدیث کبیر عارف بانثر شیخ ابن ابی حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منتخب بخاری پر جو شرح بہجتہ النفوس کے نام سے لکھی ہے اس میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سادات صوفیہ نے علالت حسیٰ مراد لیا ہے اور فرماتے ہیں والصواب معہم فی ذلک۔ واللہ اعلم یعنی سادات صوفیہ کی تحقیق ہی اس مسئلے میں درست ہے کیونکہ صوفیاء نے حدیث کے لفظ کو بغیر تادل کے اپنے ظاہر پر رکھا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ هذا الامس لا یدرکہ الا من وصل الفی ذلک المقام یعنی یہ بات ایسی ہے کہ اس کا ادراک وہی کر سکتے ہیں جو اس مقام تک پہنچے ہوں، لہذا اگر کہیں محسوس نہیں ہوتی تو جھینجھیس محسوس ہوتی ہے ان کی بات کو تسلیم کرو اور یہ دعویٰ مناسب نہیں کہ حدیث میں وہ مرتبہ (یعنی حسی علالت) مراد نہیں لیکن "ذوق ایمان بارہ ندانی بخدا تائید شعی" ولشیر و تراشاعرہ

اذا لم تر الهلال فسلّم لا فاس نراک بالابصار
جب چاند نہیں نظر نہ آئے تو جن لوگوں نے اسے آنکھوں سے دیکھا ہے ان کے کہنے سے مان لو۔
پھر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام مثلاً حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ، حضرت غیب رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے حالات شاہد عدل ہیں کہ وہ علالت حسی سے محظوظ و مشرف ہوئے۔

• باب علامۃ الایمان حب الانصار •

انصار سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔

۱۶ • حدثنا ابو الولید قال ثنا شعبۃ قال اخبرنی عبد اللہ بن عبد اللہ بن جبر قال سمعت النبی بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال آیۃ الایمان حب الانصار و آیۃ النفاق بغض الانصار •

ترجمہ حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی نشانی انصار سے محبت رکھنا ہے اور انصار سے بغض (دشمنی) نفاق کی علامت ہے۔

مطابقت للترجمہ:۔ حدیث کی مطابقت ظاہر ہے کہ ترجمہ الباب حدیث پاک ہی کا ایک جزو ہے۔

ما قبل رکب:۔ اس باب کا ما قبل سے ربط باب ابلعام الطعام من الاسلام کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

اشکال حب الانصار کو علامت ایمان اور بغض انصار کو علامت نفاق فرمایا ہے۔ مہاجرین سے محبت یا بغض کو کیوں نہیں ذکر فرمایا؟

جواب:۔ مہاجرین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ میں سے تھے، ہجرت ترک وطن اور ہجرت کی تکالیف اور فقر و فاقہ کی وجہ سے ان کی فضیلت میں کسی کو کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔

غرضیکہ ان کی فضیلت چونکہ مسلم تھی اور یہ حضور اکرمؐ کے اپنے خاندان ہی کے افراد تھے اس لئے ان کی فضیلت بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کے برعکس انصار کے لئے چونکہ یہ فضائل حاصل نہ تھے لہذا امکان تھا کہ کسی کو ان کی فضیلت میں کچھ شبہ ہو اور ان کی عظمت و محبت کا حقہ قلب میں پیدا نہ ہو اس لئے خصوصیت کے ساتھ حبیب انصار کو بیان فرمایا۔

حاصل یہ ہے کہ جب حبیب الانصار اتنی موگد ہے تو حبیب المہاجرین بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔

جنگ صفین وغیرہ میں انصار کی اکثریت حضرت علیؑ کے ساتھ تھی تو کیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے انہیں معاذ اللہ منافق کہا جائیگا؟

اشکال

جواب :- (۱) بغض و قتال میں فرق ہے۔ قتال کے لئے بغض ہونا لازم نہیں، ان حضرات کا قتال کسلسل میں بغض و نفرت کی بنا پر نہ تھا بلکہ ہر ایک کا مقصد حفاظتِ دین تھا، مثلاً وہ صحابہ انیس میں لڑیں تو ان میں بغض نہیں ہوتا بلکہ قتال کے باوجود فطری محبت باقی رہتی ہے اس کا ظہور جب ہوتا ہے کہ کسی غیر سے مقابلہ کی نوبت آئے۔

چنانچہ حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلاف کے زمانہ میں قیصرِ روم نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے اپنے کو مطمئن سمجھ کر ایران کے کچھ علاقہ پر قبضہ کرنا چاہا جو حضرت علیؑ کی ولایت میں تھا۔ قیصرِ روم نے حضرت معاویہؓ کے پاس خط لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے صاحب یعنی حضرت علیؑ تم پر زیادتی کر رہے ہیں اگر تم کہو تو میں تمہارے پاس امداد کے لئے لشکر بھیجوں۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے جوابی خط میں بہت غصہ سے لکھا کہ "اؤ نصرائی کہتے تھے یہ خیال ہوا کہ موقع پاکر اب مدینہ کی طرف اور مسلمانوں کی طرف حملہ آور ہو اور اسلام کی حرکات لے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائے، تو یاد رکھو کہ اگر تم نے مدینہ کی طرف اور مسلمان کی طرف ایک قدم بھی بڑھایا تو علیؑ کی طرف سے پہلا سپاہی معاویہؓ ہوگا، خبردار دماغ میں بھی ایسا خیال نہ لانا"۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اختلافات رائے اور اجتہاد کے اختلاف پر مبنی تھے اور دینی اعتبار سے وحید المقصد اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے۔

قرآن و حدیث کو بغور چڑھنے اور سمجھنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ حدیث کا مضمون قرآن حکیم کی کسی آیت سے مستنبط ہوتا ہے یا حدیث قرآن حکیم کی کسی آیت کی تشریح ہوتی۔

مولانا سید انور شاہ صاحبؒ نے اس حدیث الباب کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا ماقذورہ خسریٰ آیت ہے :-

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدِّينَ وَالْآيَاتِ مِنْ قُلُوبِهِمْ يَصْحَبُكَ مِنْ هَاجِرٍ أَلِيمٍ۔
اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ہیں ان کے پاس۔

اس گھر سے مراد مدینہ طیبہ اور یہ لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے اور ایمان و عرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے۔ مدینہ طیبہ کو گھربانا تو

ظاہر ہے مگر ایمان کو گھربنانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس طرح گھر میں محفوظ ہوتا ہے اسی طرح انصار کا ایمان کے گھیرے اندر احاطے میں آچکے تھے ایمان ظہور کے مانند تھا اور وہ مفروضہ تھے۔ معلوم ہوا کہ مؤمن کا گھر ایمان ہے جس کے حصار میں رہ کر یہ کفر و شرک کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے اور سامعہ ہی اس قلعہ میں رہ کر معاصی اور فسق و فجور کی بلیغ سے بھی بچا رہتا ہے۔

(۷) اس حکم میں انصار کی صفت محفوظ ہے ای آید الایمان حب الانصار من حیث انهم انصار وایک المتفاق بنقض الانصار من حیث انهم انصار۔ یعنی انصار سے محبت اس لئے ہو کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا سلام کی نصرت کی، اور علامت نفاق یہ ہے کہ سبب بغض ہو کہ حضور اکرم کے انصار و مددگار ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اس لئے ان حضرات سے بغض رکھتا ہے اس کے قلب میں ایمان کا ذوق بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی تفسیر قول فقہاء ہے "سبب العداء کفر"۔ اس میں بھی کیفیت ہی محفوظ ہے "ای من حیث انهم علماء الدین" ظاہر ہے کہ جو شخص سبب العداء اس لئے کرتا ہے کہ یہ عامل دین ہیں وہ دین کا دشمن ہے جس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

انصار مدینہ کا اصل وطن مدینہ تھا بلکہ یہ لوگ ملک یمن کے ایک خوشحال شہر مارب میں رہتے تھے جہاں قوم سبا آباد تھی، یہ لوگ اس اور خزیج کہلاتے تھے، جب

انصار مدینہ کے حالات

قوم سبا پر سیلاب کا عذاب آیا تو ایک کاہن نے اطلاع دی کہ یہاں جلد ہی ایک عذاب آئے گا لہذا وہ لوگ اس سے بچنا چاہیں وہ یہاں سے نکل جائیں۔ چنانچہ قوم سبا کے لوگ اور بزرگ کے دو قبیلے اس و خزیج نکل گئے مابعد خزیج مدینہ میں آکر مقیم ہو گئے، اس وقت مدینہ پر یہود کا تسلط تھا جب قبیلہ اس مدینہ پہنچے تو یہودیوں نے اس شرط پر مدینہ میں اقامت کی اجازت دی کہ جب بھی جہاں سے یہاں کسی کی شادی ہوگی تو پہلے مات دلہن کو ہمارے یہاں بھیجنا پڑے گا، ان لوگوں نے مجبوری میں اس شرط کو قبول کر لیا لیکن واقعہ یہ پیش آیا کہ جب شادی ہوئی تو وہ شادی شدہ لڑکی دہلیز چھو کر کھول کر بالکل بے حجاب مجمع کے سامنے آگئی، مجمع میں اس کے سبب رشتہ دار موجود تھے انہوں نے اس کو اس بے حجابی پر عار دلانی، دلہن نے کہا کہ تمہیں ڈوب مرنے چاہئے کہ مجھے غیر شوہر کے پاس بھیجنا پڑا تھی۔

بات تیر کی طرح لگی اور غیرت و حمت کو جوش آیا اور ان لوگوں نے تہیہ کر لیا کہ اس ذلت کو ہرگز گوارا نہیں کیے گی اگر جنگ کی نوبت آئی تو مقابلہ کریں گے، چنانچہ جنگ ہوئی اور خداوند قدوس نے ان کو یہودیوں پر غالب کر دیا۔ اس کے بعد یہود مدینہ اس و خزیج سے کہا کرتے تھے کہ ہمیں بنی آخر الزماں کا انتظار ہے ان کے ظہور کے بعد تمہاری ان حرکات کا جواب دیں گے، اس و خزیج بت پرست و مشرک تھے انہیں کچھ علم نہ تھا، یہود کے اس طعن سے اس و خزیج بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ تھے، جب موسم حج کا آیا تو خزیج کے چھ آدمی مکہ آئے اور منی میں ٹھہرے، حضور اکرم ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ رات کو تشریف لائیں جب تک ہم آپس میں کچھ مشورہ کر لیں۔ مشورہ میں طے پایا کہ وہی بنی آخر الزماں ہیں جن کا تذکرہ یہود کیا کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود اس سعادت و فیض میں ہم سے سبقت کر جائیں۔

پھر جب حضور اکرمؐ رات میں تشریف لے گئے تو وہ سب کے سب اسلام لے آئے۔ اس کے بعد جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا بارہواں سال تھا تو بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں آپؐ کے دست مبارک پر بیعت جو اسلام کی سب سے پہلی بیعت تھی جس کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد سترہ نبویؐ میں پھر تیسری آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں بیعت کی یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔ اس دوسری بیعت عقبہ ثانیہ جو دراصل لیلۃ العقبۃ الثانیہ ہے اسی میں حضرات انصاریؓ کی درخواست پر مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا طے پایا تھا۔

اختلاف العلماء کی تحقیق

علماء کے اختلاف کا ختم ہو جانا ناممکن ہے اور اس کی تمار کئے والا بہت بڑا حق ہے اس لئے کہ علماء کا اتفاق اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ قرآن و حدیث میں ہر شخص کے متعلق ہر فعل کی ہر کیفیت کا حکم مقرر ہو اور یہ ناممکن ہے، کیونکہ دنیا میں انسان غیر محصور ہیں اگرچہ غیر متناہی نہیں پھر ہر شخص کے افعال غیر محصور اور ہر فعل کی کیفیات اور احکام غیر محصور پس اگر اتنی مفصل کتب نازل کر دی جاتی جس میں ہر ہر جزئیہ مذکور ہو تو وہ اتنی ضخیم ہوتی کہ نہ تو اس کی حفاظت ممکن ہوتی اور نہ اس کا نقل کرنا انسان کی قدرت میں ہوتا اور نہ ہی اس سے استفادہ کی کوئی صورت ممکن ہوتی، غیر محصور انسانوں میں اپنا نام تلاش کرنا ہی مشکل ہو جاتا پھر اپنے غیر محصور افعال کے غیر محصور احکام میں سے کسی حکم کا تلاش کرنا ناممکن ہوتا، پس ایسی کتاب کا نازل کرنا کہ اس سے انسان استفادہ نہ کر سکے اور اس کی حفاظت سے بھی عاجز ہو یہ ایک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ میں عیب کا ہونا ناممکن ہے لہذا اختلاف کا مٹنا بھی ناممکن ہے اور ناممکن کی تمنا کرنے والا احمق ہوگا۔

پس ضروری ہوا کہ قرآن و حدیث میں جزئیات کی بجائے کلیات مذکور ہوں جن سے ہر ہر جزئیہ کا حکم مستنبط کیا جائے اور کلیات سے استنباط میں انسان کی عقل و فہم کا دخل ہوتا ہے اور انسان کی عقل مختلف ہیں جس کی وجہ سے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ جزئیہ ایک ہوتا ہے اور کلیات بھی فریقین میں مسلم ہوتے ہیں مگر اختلاف اس میں ہوتا ہے کہ یہ جزئیہ کس کلیہ کے تحت درج ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ بیج کے پاس کسی مقدمہ میں مدعی اور مدعى علیہ کے وکلاء اختلاف کرتے ہیں حالانکہ جزئیہ بھی ایک ہے جس پر دونوں بحث کر رہے ہیں اور جن قوانین سے اپنے نظریہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ قوانین بھی ایک ہی حکومت کے اور فریقین کے ہاں مسلم ہوتے ہیں اس کے باوجود دونوں وکیلوں میں یوں اختلاف ہوتا ہے کہ مدعی کا وکیل کہتا ہے کہ فلاں قانون کی رُو سے اس جزئیہ میں مدعی علیہ کو سزا ہونی چاہئے اور مدعى علیہ کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جزئیہ اس قانون کے تحت نہیں آتا جو مدعی کے وکیل نے بیان کیا ہے بلکہ دوسرے قانون سے زیادہ مناسب رکھتا ہے جس کے لحاظ سے مدعی علیہ بری ہوتا ہے۔

غرضیکہ ان دونوں کی بحث اس میں ہوتی ہے کہ یہ جزئیہ کس کلیہ کا فرد ہے اور کونسا قانون اس پر منطبق ہوتا ہے، ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ وکلاء کی بحثیں اسی طرح جاری رہتی ہیں اور دونوں وکیل حکومت کے عہدہ ہوتے ہیں، ان کے اختلاف پر نہ ہی فریقین کو اعتراض ہوتا ہے اور نہ ہی دوسرے لوگ اس کو برا سمجھتے ہیں۔

اور نہج ان کے اختلاف پر ناراض ہوتا ہے نہ حکومت انہیں اختلاف سے روکتی ہے بلکہ انہیں خوب بحث کرنیکا اور دلائل بیان کرنیکا موقع دیا جاتا ہے اور جو دلیل زیادہ بحث کرتا ہے اسے داد ملتی ہے اس کے بعد نہج دونوں میں سے جس کے دلائل کو رائج پاتا ہے اس کی جانب فیصلہ دے دیتا ہے مگر دوسرے دلیل کی نہ اجازت سلب کی جاتی ہے اور نہ اس کو سزا دی جاتی ہے اور نہ ہی اسے برا سمجھا جاتا ہے بلکہ آئندہ مقدمات میں پھر اسے بدستور بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے، بعینہ ہی مثال علماء دین کے کہ جزیرہ معینہ پر کونسا کلیہ منطبق ہوتا ہے اس میں ان کا اختلاف ہو جاتا ہے۔

دنیا میں اختلاف و کلام کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے اختلافات ہم دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ مثلاً سیاسی اختلاف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسمبلیوں میں بعض دفعہ کرسی بازی تک کی نوبت آ جاتی ہے، اسی طرح علم علاج میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، ایلوپیتھی، ہومیو پیتھی، یونانی اور آیور ویدک وغیرہ کے قواعد ہی مختلف ہیں چنانچہ ایلوپیتھی میں علاج بالصد ہوتا ہے اور ہومیو پیتھی میں علاج بالمثل۔ پھر ہر طریقہ علاج میں مرض کی تشخیص، اس کے اسباب اور دوا کی تجویز، متضاد خواص، خوراکوں کی تعداد، دوا کے طریقہ استعمال اور غذا و پرہیز کی تجویز میں اختلاف ہوتا ہے۔ خواہ ایک ہی طریقے کے دو ماہرین کو یعنی دو ڈاکٹروں یا دو حکیموں کو دیکھا جائے تو وہ بھی آپس میں مختلف ہوں گے مگر اس کے باوجود اس اختلاف کو کوئی برا نہیں کہتا اور اختلاف کرنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور ان کے اختلافات کو دیکھ کر کوئی علاج نہیں چھوڑ دیتا بلکہ جس حکیم یا ڈاکٹر پر اعتماد ہوتا ہے اس سے علاج کر دیا جاتا ہے۔

علماء کا اختلاف اس سے بہت کم درجہ رکھتا ہے اس لئے کہ ان کے اصول متحد ہیں۔ مع ہذا اس اختلاف کو برا کہا جاتا ہے اور علماء کو طعن کا ہدف بنایا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ بہت نہیں چلتا کہ کس عالم کی بات مانیں۔ حقیقت میں یہ نتیجہ ہے دین اور علم کی طرف سے بے توجہی اور بے رغبتی کا۔ علاج جسمانی کی اہمیت ہے اس لئے ڈاکٹروں کا اختلاف علاج سے مانع نہیں بنتا، اس کے برعکس باطنی امراض کے علاج کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، قلب میں دین کی اہمیت نہیں اس لئے اختلاف علماء کا یہ بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک اس کا بیان تھا کہ اختلاف ہونا لازمی امر ہے اور اس کا شائبہ نہیں ہے۔ آگے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کی تین قسمیں ہیں:-

اولیٰ یہ کہ فریقین کے مد نظر رضا الہی ہو، ہر شخص یہ خیال کرتا ہے کہ جو وہ کہتا ہے اسی میں دین کا فائدہ ہے اور فریق مخالف کا جو نظریہ ہے اس میں دین کا ضرر ہے۔ اس صورت میں جانین پر یہ اختلاف فرض ہوتا ہے جس میں جانین کو ثواب ملتا ہے اگر یہ اختلاف کو چھوڑ دیں گے تو گنہگار ہوں گے۔

دوم یہ کہ جانب واحد کا مقصد رضا الہی ہو اور دوسری جانب صرف اتباع ہوئی کی خاطر اختلاف کر رہی ہو۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کو نماز کی تلقین کرتا ہے اور منکرات سے روکتا ہے نہ کہنے کی صورت میں اس سے اختلاف کرتا ہے اور دوسرا شخص صرف اس لئے اس کا مخالف ہے کہ یہ اسے منکرات سے کیوں روکتا ہے ؟

نو پہلے شخص پر یہ اختلاف واجب ہے اور دوسرے پر حرام۔
 سوئم یہ کہ دونوں خواہشات نفسانہ کی بنا پر اختلاف کر رہے ہوں یہ اختلاف جانہن کے لئے حرام ہے
 اور اس کا ترک واجب ہے۔
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف قسم اول کا اختلاف تھا۔

(۱) اختلاف کے نمود ہونے کی شرط اول یہ ہے کہ اس کا منشأ رضا الہی ہو۔
 (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے کا نظریہ پراہت کے خلاف نہ
 ہو۔ مثلاً کوئی شخص ادنیٰ کو بکری کہنے لگے اور یہ کہے کہ میری تحقیق یہی ہے، میں اپنی دیانت و اخلاص سے یہی سمجھتا
 ہوں، اس کے باوجود اس اختلاف کو نمود نہیں کہا جاسکتا بلکہ مذہوم ہے۔

ما انا علیہ واصحابی کے خلاف قول کرنا بھی اسی میں داخل ہے اس لئے کہ جس طرح قرآن اپنے مفہوم میں
 سنت کا محتاج ہے بعینہ اسی طرح کتاب و سنت دونوں اپنے مفہوم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محتاج ہیں یعنی
 کتاب و سنت کا مفہوم وہی لیا جائیگا جو صحابہ کرام نے سمجھا، صحابہ کرام سے ہٹ کر کتاب و سنت کا مفہوم
 سمجھنا ضلال ہے اس پر مختصر دلائل یہ ہیں:-

(۱) اهدنا الصراط المستقیم میں صراط مستقیم کی تفسیر صراط الذین انعمت علیہم سے کی گئی ہے الصراط
 المستقیم کی تفسیر صراط اللہ یا صراط الرسول یا صراط القرآن سے نہیں کی گئی اس لئے کہ لوگ اس کے مفہوم میں اختلاف
 کرتے اور ہر شخص اپنے متبعین کو وہ مفہوم کو صراط قرآن قرار دیتا لہذا صراط الذین انعمت علیہم سے وضاحت
 کر دی کہ صراط مستقیم سے مراد منعم علیہم ہندوں کا راستہ ہے جو ایک جماعت ہے۔

(۲) وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ فَرَأَىٰ
 مَا تُرَىٰ وَفَصَلِّ جُنُودًا (سورۃ نساء) اس میں بھی سبیل اللہ کے بجائے سبیل المؤمنین فرمایا گیا ہے۔

(۳) قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعْتَنِي (سورۃ یوسف) اس میں
 اللہ تبارک و تعالیٰ نے سبیل کے بعد انا پر من اتبعنی کا عطف فرما کر اس کی وضاحت فرمادی کہ سبیل رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس کی طرف آپ کے متبعین یعنی صحابہ کرام دعوت دے رہے ہیں۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدين للهدی
 اس میں سنتی کے بعد سنتہ الخلفاء و الراشدين کا ذکر کرنا کھلی دلیل ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی
 ہوگی جو خلفاء و اختیار کریں گے یعنی یہ عطف تفسیری ہے اور اس کے سوا دوسرے کوئی معنی نہیں ہو سکتا۔

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ناجی فرقہ وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی کے مطابق ہوگا
 اگر سنت اپنے مفہوم میں صحابی کی محتاج نہ ہوتی تو صرف ما انا علیہ کہہ دینا کافی تھا اصحابی کا لفظ بیکار
 ہو جاتا ہے۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اصحابی کلہم كالنجور ما یقہم اقتدیہم اقتدیہم اھتدیہم۔
 (۷) یہ امر غلط سمجھی ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کا مفہوم وہی متین ہوگا جو صحابہ کرامؓ نے سمجھا اس لئے کہ متکلم کی مراد سمجھنے میں چند امور کا دخل ہوتا ہے مثلاً اہل زبان ہونا، متکلم کی حالت سے باخبر ہونا، متکلم سے ظاہری و باطنی قرب ہونا، کلام کے شان و دروسے واقف ہونا یعنی یہ کلام کس محل اور کس موقع پر اور کس وقت واقع ہوا؟ اور متکلم کے لہجہ کو سنا، اس کے ہاتھ اور چہرہ کے آثار کو دیکھنا، خصوصاً خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں تقدس و تقویٰ اور باطن کی طہارت اور نور قلب نہایت ضروری ہے۔

یہ سب امور صحابہ کرامؓ میں بدرجہ اتم موجود تھے اس لئے جب کوئی صحابیؓ آپ کے کسی حکم کی مزید تاکید بیان کرنا چاہتے ہیں تو روایت کرتے وقت یوں فرماتے ہیں "ابصر شد عینای و سمعہ اذ نای و رعاہ قلبی۔"
 ان لوگوں کا اہل حق سے اصولی اختلاف ہے جو قرآن و حدیث کو صحابہؓ کی تفسیر کا محتاج نہیں سمجھتے جیسا کہ پروریز قرآن کو حدیث کا محتاج نہیں سمجھتا، کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم فاضیہ کرنے کے لئے ہیں اس جماعت صحابہؓ کو رجال اللہ سے تعبیر کرتا ہوں اور یہ لفظ ماخوذ ہے رجال لانہم یسلم تعبارق ولا بیع عن ذکر اللہ ہے۔

(۳) جواز اختلاف کی تیسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرتے وقت الایمان والاہم غالباً خیال رکھا جائے گا مگر من صنیع معاویہ رض، غرضیکہ اہم اختلاف ہوتے ہوئے ادنیٰ اختلافات کو چھوڑ کر متحد رہنا ضروری ہے۔

باب ۱۰۔ بغاری مد۔

۱۰۔ حدثنا ابو الیمان قال حدثنا شعیب عن الزہری قال قال ابو ادریس علیہ السلام ان عبد اللہ بن عبد اللہ بن عبادۃ بن الصامت کان شہید بدر و هو احد النقباء لیلۃ العقبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رحولہ عصابۃ من اصحابہ بایمونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئاً ولا تشرقوا ولا تغربوا ولا تقفلوا ولا تکر ولا تاتوا ببہتان تفترونہ بین یدیکم و امر بجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجزک علی اللہ ومن اصاب من ذلک شیئاً فمقرقب فی الدنیا فلو کفارۃ ومن اصاب من ذلک شیئاً شتر سترہ اللہ فہو الی اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء عاقبہ فبايعناک علی ذلک۔

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامتؓ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقیبوں میں سے ایک نقیب تھے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی یہ فرمایا کہ تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے اور چوری نہ کرو گے اور زنا نہ کرو گے اور اپنی اولاد کو نہ مارو گے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کے سامنے

(یعنی خود گمراہ کر) کوئی بہتان نہ باندھو گے، اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کرو گے، پھر تم میں سے جو شخص یہ اقرار پورا کر دے اس کا ثواب اللہ پر ہے اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھے پھر دنیا میں اس کی سزا دیدی جائے (یعنی حد پڑ جائے) تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہو جائیگی اور جو کوئی ان میں سے (شُرک کے علاوہ) ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) پر دہ پوشی فرمائیں تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے (آخرت میں بھی) اس کو معاف کر دے اور اگر چاہے سزا دیدے۔ حضرت عبادۃؒ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان باتوں پر آپ سے بیعت کر لی۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو دس جگہ ذکر فرمایا ہے ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱

تَعَدُّ الْحَدِيثِ

عنا ۱۱۲ . واخرجه مسلم والترمذی ایضاً۔

ربط قبل حدیث سابق میں فرمایا گیا تھا علامۃ الایمان حب الایمان اب یہ باب بلا ترجمہ دلیل ہے کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے انتہائی نازک وقت حضور اقدسؐ اور حضورؐ کی دعوت اسلام پر اپنی جان و دلی سے مدد کرنے پر بیعت کی اسی سبب سے ان کو انصار سے ملقب کیا گیا۔

عبادۃ بن صامتؓ عبادۃ بضم العین ابن الصامت بن قیس خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ عقبہ اولی عقبہ ثانیہ اور غزوہ بدر وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔

وہ ہر اولی من ولی القضاء بفلسطین وکان طریقاً جلیلاً فاضلاً توفی سنۃ اربع وثلثین یعنی آپ کی وفات ۳۳ھ میں بمصر بہت بڑے سال فلسطین میں ہوئی۔

فائدہ :- عبادۃ نام کے بارہ صحابی ہیں لیکن عبادۃ بن صامت صرف یہی ایک صحابی ہیں۔

باب ۱۰ ای ہذا بابک بالتعویف۔

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں بالخصوص ہندوپاک کے نسخوں میں باب تو ہے مگر ترجمہ الباب یعنی عنوان نہیں ہے۔ بعض نسخوں میں تو باب بھی نہیں ہے، تو اس صورت میں ترجمہ یا عنوان تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہ حدیث بھی باب سابق ہی سے متعلق ہوگی۔

البتہ اکثر نسخوں میں چونکہ یہاں باب بلا ترجمہ ہے اور صحیح بخاری میں ایسے اور بھی مواقع آئیں گے جہاں باب بلا ترجمہ ہے البتہ یہ پہلا موقع ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں ترجمہ کیوں نہیں قائم فرمایا؟ حالانکہ مقصد ترجمہ ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ شراح حضرات سے ترجمہ الباب حذف کرنے کی مسترد وجوہ منقول ہیں لیکن احقر صرف صحیح اور اہم وجوہ کی نقل پر اکتفا کر گیا۔

(۱) کالفصل من الباب السابق۔ جیسا کہ علامہ تطلانی فرماتے ہیں "وعنی روایتہ اشباۃ (ای الباب)

کالفصل عن سابقہ مع تعلقہ بہ۔ (ارشاد الساری)

یعنی باب سابق علامۃ الایمان حب الانصار کی فصل کے قائم مقام ہے جسے ذیلی باب کہتے ہیں کہ ابن وجہ باب سابق سے مناسبت ہوتی ہے اور ابن وجہ مغایرت، اس لئے دونوں کی رعایت کی گئی، مغایرت کا لحاظ کرتے ہوئے باب رکھا اور مناسبت کے باعث ترجمہ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ چنانچہ اس مقام پر باب سابق میں حب الانصار کا ذکر تھا اب اس باب بلا ترجمہ میں انصار کے کچھ حالات مذکور ہیں مگر مکمل مناسبت اس لئے نہیں ہے کہ اس میں حب الانصار کا ذکر نہیں ہے بلکہ انصار کی وجہ تسمیہ اور وجہ فضیلت ظاہر کی گئی ہے۔

چنانچہ حدیث باب میں وهو احد النقباء لیلۃ العقبتہ سے انصار کی وجہ تسمیہ معلوم ہوئی جس کی تفصیل یوں ہے کہ مکہ مکرمہ سے مٹی کو جاتے ہوئے راستہ کی بائیں جانب مٹی سے قریب یہ عقبہ ہے جہاں مدینہ منورہ کے چند لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے جس کی پوری تفصیل بعنوان "تاریخ الانصار" آرہی ہے۔

پھر دوسرے سال یہ حضرات چند اور ساتھیوں کو لیکر اسی مقام پر حاضر ہوئے اور بیعت کی اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے اس مرتبہ تقریباً پچیستر حضرات تھے، ان حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ مدینہ تشریف لائیں ہم آپ کی جان و مال سے ہر طرح کی مدد کریں گے، تو چونکہ انصار کے معنی ہیں مددگار اس لئے انکو انصار کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

(۲) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شارحین کی مذکورہ وجہ صحیح ہے مگر یہ توجیہ یعنی کا تفصیل من الباب السابق بعض مقامات پر نافذ نہیں ہوتی اس لئے سب سے بہتر اور وجہ توجیہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے تشیخ اذہان کی غرض سے ترجمۃ الباب ذکر نہیں فرمایا۔ شمس اذہان باب فتح بمعنی تیز کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد طلبہ کی تہذیب و شائق ہے کہ اتنے مقامات پر ہم نے باب کے ساتھ ترجمۃ الباب لکھا جس سے جس ہمارا طرز معلوم ہو چکا اب تم ہمارے ذکر کردہ تراجم کی روشنی میں ذہن پر زور ڈال کر حدیث شریف کے پیش نظر کوئی مناسب ترجمۃ الباب تجویز کرو، اور یہ تشیخ اذہان والی توجیہ شانی بخاری کے مناسب بھی ہے کیونکہ آگے کتاب العلم کے پانچویں باب کا ترجمۃ الباب قائم کریں گے تاہم طرح الاحامر المسئلۃ الخ، جس کا مفہوم یہ ہے کہ مدرس کو وقتاً فوقتاً طلبہ کا امتحان لیتے رہنا چاہئے تاکہ طلب علم غفلت نہ برتے، نیز استاد کو بھی طلبہ کی استعداد کا پتہ رہے اور پھر استعداد کے مطابق تعلیم دی جاسکے، پس یہاں حدیث پاک پر غور کر کے یہ ترجمۃ الباب مستعد کیا جاسکتا ہے باب اجتناب الکباثر عن الایمان یا باب اجتناب المعاصی عن الایمان یا من الایمان قولہما الحقان، وغیرہ۔

(۳) کبھی باب بلا ترجمہ بطور دفع ذہل مقدر اور استدراک کے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ امامؒ نے سابقہ ابواب میں بتایا کہ ایمان مرکب ہے، ذو اجزاء ہے، اعمال ایمان میں داخل ہیں اس سے مرجئہ کی تردید تھی مگر اس سے خطرہ پیدا ہوا کہ کوئی شخص مرجئہ کے خلاف خوارج و معتزلہ کی تائید نہ کچھ لے اس لئے اس باب میں امامؒ نے باب بلا ترجمہ سے دودھاری تلوار استعمال کی ہے جس سے مرجئہ کی تردید بھی ہوتی ہے اور خوارج و معتزلہ کا بھی قطع منع ہوجانا

ہے۔ ان شاء عاقبتہ سے مراد یہ ہو گئی کہ اگر معصیت مفسدہ ہوتی تو عقاب کے کیا معنی؟ اور ان ثلث عواقب سے معزز و فوارج پر تردید ہو رہی ہے کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرتکب کبائر کا ایمان باقی ہے لیکن یہ شخص مجرم ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو جرم کی سزا دے اور چاہے تو بغیر سزا ہی بخش دے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مجرم کا ایمان تسلیم ہو ورنہ غیر مومن کی بخشائش کہاں؟ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہِمْ شَیْئًا وَّ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ۔ نیز فہم کیا فرق لے سے بھی فوارج و معزز کی تردید ہو رہی ہے اس لئے کہ ان کے یہاں مرتکب کبیرہ مومن نہیں ہے اور غیر مومن کے لئے کوئی عقوبت کفارہ سیئات نہیں بن سکتی۔

وکان شہد بدسئلہ شہد از سمع یعنی حضور ہے، حضرت عبادہ غزوہ بدر میں حاضر و شریک تھے، چونکہ شرک اور بدر کے بڑے فضائل ہیں اس لئے حضرت ابو الدرداء بطور مقبالت ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت عبادہ بدری صحابی ہیں۔ غزوہ بدر کی تفصیل کے لئے دیکھئے "نصر الباری کتاب المغازی"۔

وہو احد المتنباء نقباء جمع ہے نقیب کی جس کے معنی ہیں قوم کا سردار، چودھری، انسر۔ آنحضرت نے بارہ نقیب (انس) مقرر فرمائے تھے اور بارہ کا عدد قرآن حکیم سے ماخوذ ہے وبعثنا علیہم اثنا عشر نقیباً و ماؤنہ عصابۃ علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ عصابۃ کا لفظ دس سے چالیس تک کے عدد پر بولا جاتا ہے۔ راوی کا مقصد یہ ہے کہ اس مجلس بیعت میں دس سے زیادہ اور چالیس سے کم صحابہ تھے۔

اس سے اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ اس حدیث میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت کوئی چھوٹی کی جماعت تھی حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کا جننا جم غیر تھا اس بیعت کے موقع پر ایسا نہ تھا، فاحفظ۔

حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ اس حدیث میں اختلاف ہے کہ حدود زواجر ہیں یا کفارات؟ بنظاہر حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود کفارہ سیئات ہیں۔ چنانچہ امام

شافعی کا یہی مسلک ہے، امام بخاری کا بھی یہی خیال ہے۔

اور بعض کا خیال ہے کہ حدود کفارہ نہیں محض زواجر ہیں یعنی کسی جرم پر حد لگ جانے سے گناہ معاف نہیں ہو بلکہ توبہ ضروری ہے، کذا فی عقدہ السفارینی۔

امام احناف (یعنی امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ) سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں، اور مشائخ احناف کے اقوال مختلف ہیں۔ چنانچہ در مختار میں ہے کہ حدود زواجر ہیں سوائے یعنی کفارہ نہیں۔ اور صاحب ملتقط حنفی الذہب ہونے کے باوجود حدود کے کفارہ ہونے کے قائل ہیں۔ لا شیخ نجم الدین نسفی اپنی تفسیر تیسیر میں ضمن اعتدائی بعد ذلک فہم عذاب الیم کے تحت محرم پر جزا حد سے متعلق فرماتے ہیں کہ غیر مصر کے لئے کفارہ ہے اور مصر کے لئے کفارہ نہیں۔ صاحب تیسیر کا یہ قول احناف کے اقوال مختلفہ میں صورت تطبیق بن سکتا ہے۔ کذا فی جنایات الحج من الشامیۃ۔

شواہد کی دلیل :- شواہد حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں۔

احناف کی طرف سے جواب

احناف اس کے منافی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پیش کرتے ہیں جس کی حاکم نے مستدرک میں تخریج کی ہے اور صحیح علی شرط الشیخین ہے۔

لا ادری الحدود کفاراً لاهلہا ام لا؟ اور یہ حدیث ابو ہریرہؓ حدیث باب سے یقیناً متاخر ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ میں ایمان لائے ہیں اور حدیث باب میں ہجرت سے قبل لیلۃ العقبہ کا واقعہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث باب میں عوقب فی الدنیا سے حد و مراد نہیں بلکہ مطلقاً مصائب مراد ہیں۔ اگر حد مراد لی جائے تو اس کے بعد لا ادری الحدود کفاراً لاهلہا ام لا؟ کے کیا معنی؟

نیز یہ واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے اور حد و کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔

علاوہ ازیں حدیث باب میں جن معاصی کا ذکر ہے ان میں سے سرقہ و زنا کے سوا اور کسی مصیبت پر حد نہیں، اس سے بھی ثابت ہوا کہ عوقب فی الدنیا سے حد و مراد نہیں بلکہ تکوینی آفات مراد ہیں۔

حافظ عسقلانیؒ نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث باب حدیث ابو ہریرہؓ سے مؤخر ہے۔ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں و هو احد النقباء لیلۃ العقبہ سے مقصد عبادہ بن صامتؓ کی منقبت بیان کرنا ہے یہ مقصد نہیں کہ اس حدیث کا مضمون لیلۃ العقبہ سے متعلق ہے۔

حافظ عسقلانیؒ نے اس پر چند قرائن پیش فرمائے ہیں کہ حدیث باب حدیث مستدرک سے مؤخر ہے۔

(۱) حدیث مستدرک میں عدم علم کا ذکر ہے اور حدیث باب میں کفارہ بننے کا ثبوت ہے اور عدم علم پر مقدم ہوتا ہے۔

(۲) حدیث باب کا مضمون سورہ مستحکم کی آیت یا ایہا النبی اذا جاءک المؤمنات بالمصائب یا یعنک الہی ما تحزن ہے جو کہ بالاتفاق صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ حدیث باب میں لیلۃ العقبہ کی بیعت کا ذکر نہیں ہے۔

(۳) حافظ نے کئی روایات سے ثابت کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی بیعت لی تھی لہذا حدیث باب میں اسی بیعت کا ذکر ہے۔

علامہ عسقلانیؒ نے اس پر زبردست تردید فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ لیلۃ العقبہ ہی کا ہے بلکہ نسائی کی ایک مرتبہ روایت لائے ہیں جس میں اس کی تفصیص ہے کہ یہاں بیعت لیلۃ العقبہ کا ذکر ہے۔

عوقب کے مقابل دوسرے جملہ میں ثم مستقر اللہ کے الفاظ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عوقب فی الدنیا سے ایسا عقاب مراد ہے جس میں ستر نہ ہو اور یہ حد و ہی میں ہوتا ہے آفات تکوینیہ میں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اشخاص نے کوئی گناہ کیا ہے یہ تو نیک و بد سب پر آتی ہے۔

اشکال

جواب :- بعض مرتبہ آفت تکوینیہ بھی اس طور پر آتی ہے کہ سب لوگ کچھ جاتے ہیں کہ یہ نلاں سناہ کی سزا ہے پس عوقب فی الدنیا سے اس قسم کی مصیبت مراد ہے اور اس قسم کے مقابلہ میں ثم مستقر اللہ سے یہ مراد ہے کہ گناہ کے بعد کوئی تکلیف نہ پہنچے یا کوئی مصیبت تو آئی مگر لوگوں کو یہ مسلم نہ ہوا کہ یہ نلاں گناہ کی سزا ہے۔

یہاں تک امام شافعیؒ کی مستدل حدیث کے جوابات ہوئے آگے دونوں حدیثوں میں وجہ تطبیق بیان کی جاتی ہے۔

تطبیق

حقیقت یہ ہے کہ حد میں دو حیثیتیں ہیں ایک من حیث انہا مصیبتہ من جملۃ المصائب اور دوسری حیثیت شرعی سزا ہونے کی ہے، سو پہلی حیثیت سے اس کا کفارہ ذلوم ہونا ہی بھی تسلیم کرتے ہیں جب ناشائستہ اور چوڑائی کے کاٹنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں تو جلد قطعید اور رحم سے کیوں معاف نہ ہوں گے۔ غرضیکہ ہم اس کے قائل ہیں کہ مصیبت ہونے کی حیثیت سے مکفر سیئات ہے مگر اس کی تعیین نہیں کرتے جس گناہ پر حد لگی ہے متعین طور پر وہی معاف ہو، مطلقاً عفو کے قائل ہیں جیسے کہ مصائب تکوینیہ سے بلا تعیین مطلق گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس شوائع متعین طور پر اس گناہ کے لئے کفارہ قرار دیتے ہیں جس پر یہ حد لگی ہے۔

سنن ترمذی باب لا یزنی الذانی و هو مؤمن من حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اصاب حدا فجعل عقوبتہ فی الدنیا فاللہ اعدل من ان یتقی علی عبدہ العقریۃ فی الآخرۃ، ومن اصاب حدا فستر اللہ علیہ وعفا عنہ فاللہ اکرہ من ان یموت فی شئ قد عفا عنہ، اس حدیث سے متعین گناہ کے عفو کی وجہ مفہوم ہوتی ہے عفو سزا دہن نہیں چاہتا۔ اس میں وہ گناہ بھی مذکور ہے جس پر حد نہ لگی ہو پس حد کا متعین گناہ کیلئے مکفر ہونا ثابت نہ ہوا۔ حاصل یہ کہ ہم حدود کو زواج بالذات اور سوا تر بالعرض کہتے ہیں اور شوائع اس کے برعکس سوا تر بالذات اور زواج بالعرض ہونے کے قائل ہیں۔

دلائل احناف

(۱) والسارق والسارقة فاقطعوا یدیهما جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم، فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم، اس آیت میں "فاقطعوا یدیهما" پر سرقہ کا حکم ختم ہو گیا، آگے فرمایا جزاء بما کسبا یعنی یہ قطع پر ان کے فعل کی سزا ہے، اس کے بعد نکالاً من اللہ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حدود کی تشریح کس لئے ہے۔ نکال ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جو مجرم کے علاوہ دوسرے دیکھنے سننے والوں کو بھی جرم سے باز رکھے، اس کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اس لئے ہتھکڑی کو بھی نکال کہا جاتا ہے ممکن ہے کہ ہندی لفظ "نکیل" (اونٹ کے ناک کی تکی) بھی اس کے معنی سے ماخوذ ہو۔

غرضیکہ نکالاً من اللہ کا احناف فرما کر یہ سمجھا دیا کہ حدود سے زجر مقصود ہے۔

آگے فرماتے ہیں واللہ عزیز حکیم یعنی ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، دور حاضر کے قانون کی طرح نہیں کہ جو شخص ایک دفعہ جیل سے ہوا آئے وہ دوبارہ جیل میں جانے کا مستحق رہتا ہے۔ نئی ظلمت کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جو راکھ کا تانا و حشیانہ فعل ہے۔ یہ عقل کے اندھے اس پر غور نہیں کرتے کہ چوری کرنا کوئی شرافت کا کام ہے، اگر ایک وحشیانہ فعل کی بدولت لاکھوں وحشیانہ حرکتوں کا انسداد ہو جائے تو یہی حکمت ہے۔ دیکھ کر فی القیام حیات یا اولی الاباب میں یہی حکمت بیان فرمائی ہے۔

محمد شاعر البوالعاء المعری نے حکم قطع پر اعتراض کیا ہے ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَاُولٰٓئِکَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِیْنِهِمْ ۚ وَتَحْکَمُوْا مَا لَآ اَلَّ التَّکْوِیْنُ لَہٗ ۚ وَآیُّ فَعُوْذٍ بِہٖمْ لَآ اَمِّنَ السَّنَیْرِ ۚ
یہ ایک حال کا فیصلہ ہے ہمارے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور ہم آگ سے اپنے آقا کی پناہ چاہتے ہیں۔
جب فقہاء جہم اللہ نے اسے طلب کیا تو یہ بھاگ گیا ۔

متعدد حضرات نے اس کا جواب دیا، فقال علم الدین السخاویؒ :-
عِزَّ الْاِمَانَةِ اَعْلَاہَاۤ اَرْخَصَهَا ۚ ذٰلِ الْغِیَانَةِ فَاَفْہَمَ حِکْمَ الْمَہَارِی
امانت کی عزت و شرافت نے ہاتھ کی قیمت گرا کر دی تھی، اب خیانت کی ذلت نے اس کی قیمت گرا دی اس کی حکمت سمجھو۔
وقال الشافعیؒ :-

هٰذَاكَ مَظْلُوْمٌ غَالَتْ بِقِیْمَتِہَا ۚ وَہُمْ نَاظِلٌ ہَاہُنَا عَلٰی الْمَہَارِی
جب یہ مظلوم تھا تو اس کی قیمت خود گرا کر رہ گئی ۔ اور بصورت خیانت اس نے ظلم کیا ہے تو اللہ کے نزدیک نازل ہو گیا ہے۔
اور علامہ شمس الدین کر دی سے یہ منقول ہے :-

فَقِیْمَةُ الْمِدِّ نَصْفُ الْاَلْفِ مِنْ ذَہَبٍ ۚ فَاِنْ قَعَدَتْ فَلَا تَسْوٰی بِدِیْنَارٍ
ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار ہے، لیکن جب یہی ہاتھ تعدی کرے تو اس کی قیمت ایک دینار کے برابر بھی نہیں رہتی۔
قال عبد الوہاب المالکیؒ :- کَمَا کَانَتْ اَمِیْنَةً کَانَتْ ثَمِیْنَةً لِّمَا خَانَتْ ہَاہُنَا
یعنی جب یہ ہاتھ مین تھا تو قیمتی تھا مگر جب اس نے خیانت کی تو ذلیل و خوار ہو گیا۔
آگے ارشاد ہے: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِہٖ وَاصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوبُ عَلَیْہِ ۚ

اگر قطع یہ کفارہ ہے تو توبہ کی کیا ضرورت رہی ؟

آیت میں مذکور ترتیب کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی منقول ہے، امام محمدؒ نے ایک روایت کی تخریج کی ہے کہ ایک شخص کا ہاتھ کاٹنے کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا: نَبَّ اِلٰی اللّٰہِ عِزَّ وَجَلَّ فَتَقَالَ نَبَّتٌ اِلٰی اللّٰہِ فَتَقَالَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْکَ اِسْمُ سَہَابٍ ہُوَ اَنَّہُ بَلَّ تَوْبَہٗ بِمَرْفَعِہٖ لَکَیۡنَ سَہَابٌ مَّعَافٌ لِّہٖ ۚ
نہیں ہوتا۔

یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو لوٹائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو (یعنی بدامنی پھیلانے کو) کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یعنی

(۲) اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فِسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْہُمْ وَارْجُلُہُمْ مِنْ جِلْدَاتٍ اَوْ یُنْفَخُوا مِنْ الْاَرْضِ ۔ (ماثرہ)

دہنا ہوا تھا اور بایاں پاؤں یا دور کر دیے جائیں اس جگہ سے۔

ابو بکر جفا خن نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قطع الطریق (یعنی ڈاکوؤں اور زہرزوں) کی سزا ذکر فرمانے کے بعد ذاللعلم الخزی فی الدنیا و فی الآخرۃ عذاب عظیم میں اس کی تصریح ہے کہ دنیاوی سزائے آخرت سے لگانا معاف نہیں ہوتا۔

اگرچہ اس آیت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں مرتدین کا حکم ہے مگر صحیح ہے کہ اس آیت میں جو سزا بیان کی گئی ہے وہ زہرزوں اور ڈاکوؤں ہی کی سزا ہے مرتد کی سزا نہیں اس لئے کہ ارتداد کی سزا تو قتل ہے، باقی رہے "بھاریوں اللہ و سرسولہ کے الفاظ" سودوم اس کی یہ ہے کہ روایات مجھ سے ثابت ہے کہ اس کا شان نزول معاملہ عمرین میں ارتداد دیکھ کر اور قتل سبب سے تھے، اس آیت میں حکم قطع الطریق (ڈاکوؤں) ہی کا بیان کرنا ہے مگر نظم میں ایسے الفاظ بھی آئے ہیں جو اصل واقعہ کی طرف مشیر ہوں۔

بہر حال آیت کریمہ کے الفاظ عام ہیں اگرچہ شان نزول خاص ہے والحبۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص للسر۔

(۳) جب توہ سے بالاتفاق حد ساقط نہیں ہوتی حالانکہ گناہ معاف ہو جاتا ہے الذائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔
تو حد لگنے سے توہ بھی ساقط نہ ہوتی چاہئے۔

پس معلوم ہوا کہ حد کی تشریح غفرسیات کے لئے نہیں درز توہ کے بعد حد لگانا ہے معنی ہوگا۔

• بَابٌ مِنَ الدِّينِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ •

فتنوں سے دودھماکانا دین میں داخل ہے۔

بَابٌ بِالتَّنْوِينِ لِيُفْرَقَ بَيْنَ الْفِرَارِ وَالْهَجَرِ فِي الْإِثْمَةِ . (دعہ)

من الدین الفرار من الفتن علامتی فرماتے ہیں کہ یہاں عبارت مقدر ہے، اصل عبارت یوں ہے الفرار

من الفتن شعبۂ من شعب الدین۔

نام بخاری نے یہاں لفظ دین استعمال کیا ہے اور اس سے پہلے نیز ابواب آیت میں بعض ابواب پر ایمان اور بعض پر اسلام کا لفظ لایا ہے، ابواب سابقہ کی طرح من الایمان الفرار من الفتن

سوال

کیوں نہیں کہا؟

جواب :- علامتی فرماتے ہیں انا قال ذلک لم یطابق الترجمة الحدیث الذی یذکر فی الباب۔

نیز اس طرف بھی اشارہ مقصور ہے کہ ایمان، اسلام اور دین مصداقاً واحد ہیں۔

۱۸ • حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی صعبۃ عن ابیہ عن ابن سعید الخدری أنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک أن یکون خیر مال المسلم منفر

تَبِعَ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بَدِينَهُ مِنَ الْفِتَنِ •

ترجمہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کا بہتر مال وہ بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقاموں میں وہ اپنا دین فتنوں سے بچائے ہوئے سمجھا جائے گا۔

تقدیر الحوادث

آخر ص ۱۶۱ الباری ص ۱۶۱ فی بدء الفتن ص ۱۶۱ فی کتاب المناقب ص ۱۶۱ فی الرقاق ص ۱۶۱ فی الفتن ص ۱۶۱۔

مطابقتہ للترجمة :- مطابقتہ للترجمة ظاهرة في قوله " يَفِرُّ بَدِينَهُ مِنَ الْفِتَنِ "

حالات

یوشک بضم یاء و کسر الشین المعجمة بمعنى يقرب ما فعال مقدارہ میں سے ہے، ماضی میں ارشاد کیا جاتا ہے، اسی سے ہے یوشک ان تیسرتے بعضوں نے اس کے استعمال ماضی کا انکار کیا ہے لیکن یہ غلط ہے، البتہ مضارع کا استعمال ماضی سے زیادہ ہے۔

ان يكون خير مال المسلم نصب غير غنم بکریاں، بکریوں کا ریوڑ۔ اسم مؤنث ہے جس کے لئے وضع کیا گیا ہے مذکر و مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ نصیر کے وقت اس کے آخر میں تا کا اضافہ کر کے غنیمہ کہا جاتا ہے۔ شَعَفَ بفتح شین و لعین کی، پہاڑ کی چوٹی۔ مواقع بالنصب عطفًا على شَعَفَ جمع موقع بکسر القاف۔ قطر قطرة کی جمع ہے بمعنی بارش مواقع القطر بارش اترنے کی جگہ یعنی وادیاں اور جنگلات۔

يَفِرُّ بَدِينَهُ مِنَ الْفِتَنِ میں بار سببیت کے لئے ہے اور من الفتن میں من ابتداء ہے۔ یعنی فرار کا نشأ اور سبب دین ہی ہو کوئی اور دنیوی غرض نہ ہو بلکہ دین کی حفاظت کے لئے وطن چھوڑ رہا ہے۔ نیز بار مصاحبت و معیت کے لئے بھی ہو سکتی ہے یعنی اپنے دین کو ساتھ لیکر بھاگ جائے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرشتہ کے معنی ہیں، وہ پیٹھ پر لئے لیکر بھاگ گیا۔

ربط قبل

ما قبل میں انصار کے مناقب کا بیان تھا کہ انہوں نے کفر و ضلال کے فتنوں سے بچنے کے لئے مٹی کی گائیوں میں حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی اور دین کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا۔ اور اس باب میں بھی ہے کہ جب دین پر خطرہ کا اندیشہ ہو تو گھر بار سب چھوڑ کر سب کو قربان کر کے عزت و خلوت اختیار کر لی جائے۔

۷۔ دین میں دو قسم کی چیزیں ہیں وجودی اور ترکی۔ بعض چیزیں کرنے کی ہیں اور بعض بچنے کی اب تک ان چیزوں کو بیان کیا جو حاصل کرنے کی ہیں، اب یہاں ان چند امور کو بیان کر رہے ہیں جو ترکی ہیں اور ان سے بچنا چاہئے، دین کی حفاظت کے لئے وطن چھوڑنا بھی دین ہی ہے۔ اس لئے اب ان کو بیان کر رہے ہیں۔ (امداد الباری)

تشریح

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشینگوئی فرمائی ہے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کفر و مباحی کا آٹا غلبہ ہو جائے گا کہ دینداروں کے لئے شہر آبادی میں رہنا دشوار

ہو جائیگا مجبور ہو کر اپنے دین کی حفاظت کی خاطر شہر سے بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں کو اپنا مسکن بنالیں گے۔

جلوت بہتر ہے یا خلوت؟ بعض علما کا خیال ہے کہ خلوت (تنہائی و عزت نشینی) بہتر ہے کیونکہ جب فتنہ و فساد کا دور شباب ہوگا تو مجبے میں رہ کر پہچاننا مشکل ہے ایسے وقت

میں اپنے آپ کو خلوت ہی میں متعلق مع اللہ سے معبود کر سکتا ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ جلوت (اجتماعی زندگی) بہتر ہے کیونکہ خلوت میں بہت سے کام نہیں ہو سکتے جیسے نماز جمعہ، جماعت نماز، شرکت جنازہ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر یہ چیزیں اجتماعی زندگی ہی میں ہو سکتی ہیں اور خلوت میں انسان ان سب چیزوں سے محروم ہو جائیگا۔

۱۔ جہرہ محققین کی تحقیق ہے کہ کئی طور پر کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ حالات و اشخاص کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت ہوگی۔ چنانچہ اس حدیث مذکور سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ اجتماعییت کا تھا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہی انسانوں کی اصلاح کے لئے ہوئی ہے، پس جن لوگوں سے اہل حقوق کے حقوق و وابستہ ہوں یا عوام کی اصلاح ان سے متعلق ہو جیسے علماء اسلام، ان کے لئے خلوت گزرنی جائز نہیں، البتہ جب فتنہ آتی کثرت و قوت سے شروع ہو جائیں کہ اپنا ہی دین پیمانہ مشکل نظر آنے لگے تو علماء اور اہل اصلاح کو بھی خلوت اختیار کرنا جائز ہے۔ اس حدیث کا جو مضمون ہے بعینہ اس کا ماخذ قرآن کریم میں اصحاب کتب کا قصہ ہے جس کو قرآن حکیم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لوگ بھی اپنے دین و ایمان کو لے کر پہاڑ کی طرف بھاگ گئے تھے چنانچہ ان کا قول قرآن نے نقل کیا ہے:-

وَإِذْ اعْتَمَرْتُمُوهُم مَّا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ
فَأَنذَرْنَا إِلَى الْكُفْرِ يَنْشُرْكُمْ وَتَكْفُرْ مِنْ
تَحْتِهِ - آيَةُ (سُورَةُ كُفْرِ)

اور جبکہ تم ان سے اور ان کے معبودان غیر اللہ سے الگ ہو چکے تو اب غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دینگا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور نام سعد بن مالک ہے، اجداد میں سے ایک صاحب عبیدنازی تھے جن کے باپ کا نام ابوجبر تھا جنہیں غزوہ بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ غزوہ اہد میں صغر سنی کی وجہ سے شریک نہیں کئے گئے مگر اس کے بعد بارہ غزوات میں شریک رہے۔ ان کا والد مالک بن سنانؓ غزوہ اہد میں شہادت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ صحابہ میں عالمنا حل مشہور تھے ان سے گیارہ سو کثیر احادیث مروی ہیں ۶۷۰ قبل ۳۰ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

۱۳ **بَابُ** قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ وَأَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْهَلْبِ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَلَكِنْ يُوْا اخْذْ كَرِيمًا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بیان کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا جانتے والا ہوں اور میرے کہ معرفت (یقین) دل کا فضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورہ بقرہ میں) لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ کر لیا جو تمہارے دلوں نے (جان بوجھ کر) کھائیں۔

۱۹ • حدثنا محمد بن سلام قال أنا عبد الله عن هشام بن عمار عن أبيه عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أمرهم أمرهم من الأعمال بما يطيقون قالوا إنا لسنا كهيتك يا رسول الله إن الله قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر فيغضب حتى يعرف الغضب في وجهه ثم يقول إن تقسّموا علمكم بالله أنا •

ترجمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو کوئی حکم دیتے تو انہیں کاموں کا حکم دیتے جن کو وہ کر سکتے تھے، وہ عرض کرتے یا رسول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی تمام لغزشوں کو معاف فرمادیا ہے (یعنی ہمیں تو زیادہ سخت اعمال کا حکم ملنا چاہیے) پس اگر آپ آٹا غصہ ہوتے کہ آپ کے (مبارک) چہرہ پر غصے کے آثار نمودار ہو جاتے پھر آپ فرماتے (کیا تم کو معلوم نہیں) تم سب میں پرہیزگار اور اللہ کو زیادہ جانتے والا میں ہوں۔

مطابق للفقہ للجمہ - ترجمہ الباب سے مطابقت حدیث پاک کے آخری جملہ اعلیٰکم باللہ انا سے ہے۔

ربط قبل ماقبل کے باب میں فرامین اعتق کا بیان تھا اور ظاہر ہے کہ انسان کا دین و ایمان جتنا قوی ہوگا اور جس کی معرفت باللہ قوی ہوگی تقویٰ و خشیت بھی اس میں زیادہ ہوگی اور وہ فتنے سے آسان ہی زیادہ اجتناب کرے گا، ترک وطن اور سامان معیشہ کو دین کی محبت میں قربان کر دینا اس کے لئے آسان ہوگا، اس لئے امام نے علم و معرفت کو بیان کیا۔

اشکال اس ترجمہ الباب پر اشکال ہے کہ امام بخاری نے یہاں ترجمہ الباب قائم کیا ہے انا اعلیٰکم باللہ جو مظاہر کتاب العلم کے مناسب ہے حالانکہ یہاں کتاب الایمان کی مناسبت سے ابواب سابقہ کی تفسیر من الایمان یا من الاسلام یا من الدین کا ترجمہ ہونا چاہیے اس ترجمہ الباب "انا اعلیٰکم باللہ" کی کتاب الایمان کے ساتھ کیا مناسبت ہے ؟

جواب - (۱) یہ ہے کہ علم باللہ ایمان باللہ ہے، اور ارشاد نبوی انا اعلیٰکم باللہ میں اعلیٰ اسم تفضیل ہے جس سے معلوم ہوا کہ علم باللہ کے مختلف درجات ہیں پس ایمان باللہ کے مختلف درجات ہوں گے ایک جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادتی علم کی طلب کا حکم ہوتا ہے "قل رب زدنی علما" (سورہ ناز، اس سے صاف معلوم ہوا کہ علم کے مراتب و درجات مختلف ہیں و فوق کل ذی علم علیم۔

(۲) یہاں اعلیٰکم باللہ بمعنی اعرفکم باللہ ہے، چنانچہ بعض نسخوں میں یعنی اعلیٰ کی روایت میں اعلیٰکم

باللہ کے بجائے اصر فکرم باللہ ہے اسے صاف معلوم ہوا کہ یہاں علم بمعنی معرفت ہے اگرچہ مشہور قول یہی ہے کہ علم اور معرفت میں فرق ہے، کلیات کے جاننے کو علم کہا جاتا ہے اور جزئیات کے جاننے کو معرفت یا مرکبات کے جاننے کو علم کہا جاتا ہے اور بساط کے جاننے کو معرفت، یا علم متعدد بدو مغول ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے علمت زیداً کریماً اور معرفت ایک ہی مغول پر پس کرنا ہے جیسے معرفت زیداً مطلب یہ ہے کہ علم کا تعلق عین ذات سے نہیں بلکہ صفات سے ہوتا ہے اور معرفت عین ذات سے متعلق ہوتی ہے مثلاً علمت زیداً کریماً تو علم کا تعلق کریم کیساتھ ہوا زید پہلے ہی سے معلوم ہے، اور معرفت زیداً میں معرفت خود زید سے متعلق ہے، گویا منطقی اصطلاح کے اعتبار سے علم بمنزلہ تصدیق ہے کیونکہ اس کا تعلق ثبوت صفت للذات سے ہوتا ہے جیسا کہ مثالی ذکر میں واضح ہے، اور معرفت بمنزلہ تصدیق کے ہے کیونکہ اس کا تعلق عین ذات سے ہوتا ہے جو ایک مفرد چیز ہے، مگر دونوں کے متعارف ہونے کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتا رہتا ہے، اسی بنا پر اس جگہ نسخوں میں اختلاف ہے۔ بہر حال مطلب ایک ہی ہے خواہ انا علمکم ہو یا اصر فکرم ہو۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا من مات وهو یعلم ان لا اللہ الا اللہ الخ تو یہاں یعلم بمعنی یؤمن ہے۔

(۳) امام بخاریؒ کا استدلال بطور الحاقی تنظیر بالتظیر ہے کہ جس طرح علم میں مراتب ہیں اسی طرح ایمان میں بھی ہیں کیونکہ علم سبب ایمان ہے پس جبکہ سبب میں تشکیک ثابت ہے تو سبب یعنی ایمان میں بھی ثابت ہوگی۔

دوسرا اشکال ترجمۃ الباب کے دو جزو ہیں۔ ایک انا اعلکم باللہ، دوسرا ان المعرفة فعل القلب، ان دونوں کی آپس میں کیا مناسبت ہے؟

جواب ۱۔ اس کا جواب اشکال اول کے جواب میں گزر چکا ہے کہ یہاں اعلکم بمعنی اصر فکرم ہے۔
ترجمۃ الباب مقصد امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں دو جزو ذکر فرمایا ہے۔ ایک انا اعلکم باللہ، دوسرا ان المعرفة فعل القلب۔

امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے بھی قائلین بساطت کی تردید ہے جو "الایمان لا یزید ولا ینقص" کے قائل ہیں۔ اس مقصد کے لئے امامؒ نے ترجمۃ الباب قائم کیلئے انا اعلکم باللہ جو دراصل حدیث پاک کا ٹکڑا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم باللہ سب سے زیادہ ہے۔

پھر امام بخاریؒ نے اس کی تشریح کر دی ان المعرفة فعل القلب جس سے بتایا کہ یہاں اعلکم باللہ کے معنی ہیں اصر فکرم باللہ، اور معرفت قلب کا فعل ہے، پس معلوم ہوا کہ قلبی اشیاء میں زیادتی کی ہوتی ہے اور ایمان بھی قلبی چیز ہے لہذا ایمان کے اندر بھی کی زیادتی ہوگی، لہذا اس کی مرتبہ کی تردید ہو گئی۔

اب یہ کہ معرفت فعل قلب ہے، اس کی دلیل ولکن یراخذکم بما کسبت قلوبکم ہے (لیکن اللہ تعالیٰ تم سے نواخذہ کریگا اس پر جس کو تمہارے دلوں نے لایا ہے) اس آیت میں بصر احوال قلب کی طرف کسب کی نسبت کی گئی ہے جو فعل و عمل کے معنی میں ہے پس معرفت کا فعل قلب ہونا ثابت ہو گیا۔

اور یہاں علم و معرفت سے وہ معرفت غیر اختیاری مراد نہیں جو ایمان کے لئے موقوف علیہ ہے بلکہ اس معرفت صوفیہ مراد ہے جو ایمان کے بعد ریاضت سے حاصل ہوتی ہے اور اختیاری ہے۔ نیز ترجمۃ الباب کے جز ثانی انی المعرفة فعل القلب سے کراہی کی تردید ہو گئی جو صرف اقرار باللسان کو ایمان قرار دیتے ہیں، تردید اس طرح ہوئی کہ ایمان باللہ علم باللہ ہے اور علم بمعنی معرفت ہے اور معرفت فعل قلب ہے پس ثابت ہوا کہ ایمان فعل قلب ہے لہذا بدون تصدیق قلب کے صرف اقرار باللسان کافی نہیں۔

تشیخ حدیث

یہاں روایت مختصر ہے لیکن بخاری کتاب النکاح میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ منقول ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ تین صحابہ (حضرت علیؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ) ازدواج مطہرات کے پاس آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا، جب ان کو بتلایا گیا تو صحابہ نے ان عبادات کو کم سمجھا اور کہنے لگے کہہاں ہم کہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی ہم کو آپؐ سے کیا نسبت؟) آپؐ کے تو اگلے پچھلے سب قصود معاف ہیں (یعنی اگر حضور عبادت کم بھی کریں گے تب بھی کوئی حرج نہیں آپ معصوم و مغفور ہیں لیکن ہم تو گنہ گار ہیں اس لئے ہمیں تو زیادہ عبادت کرنی چاہئے) چنانچہ ایک صحابی نے کہا میں تو ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ دار رہوں گا کبھی دن کو افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا میں ہمیشہ غورتوں سے کنارہ کش رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپؐ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں؟ سنو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خشیت خداوندی رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہو جاؤ لیکن میں روزہ کھی رکھتا رہوں (اور افطار بھی کرتا ہوں) نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور تو ابھی ہوں، غورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (تم نے جو یہ باتیں کہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم نے ان عبادات کو قلیل سمجھا اور تم مجھ سے بھی بڑھنا چاہتے ہو)۔ بسن لو جو بھی میرے طریقہ سے اعراض کریگا وہ میرا نہیں ہے۔ (بخاری ثانی ص ۵۷)

قوله قد غفر لك ما تقدم من ذنبك الخ یہ اشارہ ہے آیت کریمہ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔ (سورۃ فتح)

ذنب سے مراد خطا و جہلادی ہے یا الفاظ کے ظاہر پر مواخذہ مراد ہے حسنات الابواب سنیاست المقربین (فرمانبرداروں کی نیکیاں مقررین کے درجہ میں پہنچ کر برائیاں بنجاتی ہیں) جیسے حضرت مویٰ علیہ السلام کو انا اعلم فرماتے پر عقاب ہوا حالانکہ بات سچی، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو انی لیغفر ذنبی ان تذنبوا بلہ و اخاف ان یا کذب الذمب کہنے سے بظاہر غلات توکل ہے کئی برس تک فراق برداشت کرنا پڑا۔ یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وذا النون اذ ذهب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ علائکہ حقیقتاً ان کا یہ ظن نہ تھا بظاہر آپ کا فعل اس کا متعقبی تھا۔

اور واقعہ ابن ام مکتوم میں فرماتے ہیں عیب و قرئی ان جاءہ الا عنی حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

تشریح حدیث

اس کی تشریح کے لئے حدیث ۵۱ ملاحظہ فرمائیے۔

اس حدیث میں کفر کی طرف لوٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو اسلام قبول کرنے والا شخص ہی ہو بلکہ وہ بھی مراد ہے جو پہلے ہی سے مسلمان تھا، اس میں دونوں صورتیں داخل ہیں کیونکہ جب نو مسلم کفر کی طرف لوٹنے سے اس قدر متنفذ ہوگا تو ایسا شخص جو اباً عن جد مسلمان ہے اس کو تو شرک و کفر سے اور بھی زیادہ متنفذ و بیزار ہونا چاہئے اور اس کو ایمان کی حلاوت بھی زیادہ ہونی چاہئے۔

باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال

ایمان داروں کا اعمال کی رو سے ایک دوسرے پر افضل ہونا۔

ای ہذا باب تفاضل اہل الایمان والاصل ہذا باب فی بیان تفاضل الایمان فی اعمالہم۔

وقفاصل مجرور باضافة الباب الیہ ویجوز ان یکون مرفوعاً بالابتداء وقولہ فی الاعمال

خبر الاز۔ (عذر)

ترجمہ الباب فی الاعمال ہے، علامہ عینی، علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ لفظ فی سببیۃ کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اعمال کی وجہ سے اہل ایمان میں تفاوت ہوتا ہے۔

۲۱ • حدثنا اسمعیل قال حدثنی مالک عن عمرو بن یحیی المازنی عن امیہ عن ابی سعید بن الحدادی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار ثم یقول اللہ اخرجوا من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل و من الایمان فیخرجون منها قد اسودوا فیکفون فی نہر الحیاء او الحیاة، سلف مالک فینبون کما تنبت العنبۃ فی جانب السبل العثرۃ انھا تخرج صفراء ملتویۃ قال وہیب حدثنا عمرو الحیاة وقال خردل من خیر •

ترجمہ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حساب کتاب کے بعد) اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر (بھی) ایمان ہو اس کو (دوزخ سے) نکال لو، چنانچہ (ایسے) لوگ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے وہ (جل کر) سیاہ ہو گئے ہوں گے، پھر وہ بارش کی یا زندگی کی نہر میں ڈالے جائیں گے، امام مالکؒ کو شک ہو گیا ہے کہ اوپر کے راوی نے کونسا لفظ استعمال کیا ہے، وہ اس طرح (نئے سرے سے) اگ آئیں گے جیسے دانہ ندی کے کنارے اگ آتا ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ دانہ (اول اول) زرد پٹا ہوا نکلتا ہے۔ وہیب نے کہا ہم سے عمرو بن یحییٰ نے (بجائے حیا کے)

حیاء اور (بجائے خردل من ایمان) خردل من حیل کا لفظ بیان کیا۔

رابطہ علامہ عینی اور علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ ماقبل کی حدیث میں ایمان کی تین خصلتوں کا ذکر تھا، اور ظاہر ہے کہ لوگ اس میں متفاوت ہوتے ہیں جس میں مکمل طور پر تینوں پائی جائیں گی وہ افضل ہوگا اور جس کے اندر ان خصلتوں میں سے ایک یا کسی ایک میں نقص ہوگا وہ مغضول ہوگا تو گویا ماقبل میں تفاضل بین المؤمنین کا بیان تھا۔

تغاب امام بخاری اسی چیز کو صراحت بیان فرما رہے ہیں۔
ماقبل میں علالت و محبت اور کرامت کا بیان تھا والناس فیہا متفاوتون لہذا تفاضل کا باب منعقد کیا۔
مطابقتہ للترجمۃ: مطابقہ للترجمۃ ظاہر فی قولہ "اخرجوا من کان فی قلبہ مشقال حسۃ من خردل من ایمان" یعنی ایمان کا لیل سے قلیل حصہ بھی ہوگا تو جہنم سے نکال لیا جائے گا پس معلوم ہوا کہ اہل ایمان میں تفاوت و تفاضل ہے۔ (معدہ)

اشکال ترجمۃ الباب میں تفاضل فی الاعمال کا ذکر ہے اور الفاظ حدیث اخرجوا من کان فی قلبہ مشقال حسۃ من خردل من ایمان سے تفاضل فی الایمان ثابت ہوتا ہے، اس لئے حدیث کی ترجمۃ الباری مطابقت نہ ہوئی۔

جواب ۱۔ صحیح بخاری میں (یہاں) ہدایت مختصر ہے، ابوسعید خدری کی یہی روایت صحیح مسلم میں باب اثبات رزق علیہ المؤمنین فی الآخرة ربہم سبعۃ وثمانۃ وقلۃ کے تحت تفصیل سے لائے ہیں جس سے تفاضل فی الاعمال ثابت ہوتا ہے چنانچہ مستطاب یہ الفاظ ہیں یقولون ربنا کانوا بصومر معنار یصلون ویصرون (الاقول) قد اخذت النار الی نصف مساقید الی رکبتیہ۔ اس میں ان لوگوں کے اعمال کا بیان ہے، اور ان اعمال میں تفاضل کا ثبوت بھی ہے بایں طور کہ نار جہنم بعض کے نصف ساقین تک ہے اور بعض کے رکبتین تک۔ یہ تفاوت فی العذاب تفاضل فی الاعمال کی وجہ سے ہے۔

آگے فرماتے ہیں اشر یقولون ربنا ما بقی فیہا احد ومن امر تنابہ فیقول ارجعوا فمع وجہتم فی قلبہ مشقال دینار من حیل فاخر منہ اس سے وہ لوگ ملا ہیں جن کے پاس اعمال بدیہ (اعمال جوارح) میں سے کوئی عمل نہ ہوگا البتہ اعمال قلب ہوں گے مثلاً خشیۃ اللہ، اخلاص، نیت وغیرہ یعنی ذکر قلبی اور تنبیر منکر کا پختہ ارادہ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من رای منکم منکرا فلیضیق بہیدہ فان لم یستطع فلیسائدہ فان لم یستطع فلیقلبہ وذلك اضعف الایمان۔ (مسلم ج ۱ صفحہ ۱۷۷)

تم میں جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے ختم کر دے اور اگر اس کی طاعت و استقامت نہ ہو تو زبان سے منع کر دے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو دل میں پختہ ارادہ رکھے کہ جب بھی موقع ہوگا اس کا اشغال کر دوں گا اور یہ ایمان کا آخری اور کمزور درجہ ہے۔

اس حدیث سے اعمال قلب کا وجود ثابت ہوا کیونکہ تغیر بالقلب کے معنی یہ ہیں کہ بدلنے کا عزم ہو، کما قال علی نقلی
صحیح مسلم شریف کے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قال ما من نبی بعثہ اللہ تعالیٰ فی امتہ حبلی الا کان لہ من امتہ جوار یون
واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخیل من بعدہم خلوت یقولون
مالا یفعلون، یرفعون مالا یؤمنون فمن جاهدہم ببیدہ فہو مؤمن ومن جاهدہم
بلسانہ فہو مؤمن ومن جاهدہم بقلبہ فہو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان
حیثہ خردل۔ (مسلم ج ۱ ص ۵۷)

اس حدیث میں جہاد بالقلب تغیر بالقلب کے معنی کی تائید کر رہا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہاں خیر سے مراد عمل ہے
آگے فرماتے ہیں فیخرج منها قوما لم یعملوا خیراً قط (مسلم ص ۱۱۱) اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسری
مرتبہ میں جن لوگوں کو نکالا گیا ہے ان میں تفاضل فی الایمان تفاضل فی اعمال القلب مراد ہے، اور آخر میں یعنی
آخر میں سطر میں فرماتے ہیں: ادخلہم اللہ العینۃ بغیر عمل منقولہ ولا خیر قدمہ اس سے بھی ثابت
ہوا کہ اوپر خیر سے عمل قلب مراد ہے ایمان مراد نہیں، کیونکہ بغیر ایمان کے دخول جنت نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ امام بخاریؒ باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال کے تحت جو مختصر حدیث لائے ہیں اس سے
استدلال کرتے وقت امامؒ کی نظر اس کے دوسرے طریق پر تھی جس کی تفصیل صحیح مسلم میں ہے، اس مفصل حدیث
سے تفاضل فی الاعمال ثابت ہو رہا ہے۔ امام بخاریؒ نے حدیث باب کے آخر میں بصورت تعلیق من خیر
کا لفظ لاکر اس کی طرف اشارہ بھی فرمادیا کہ یہ روایت تفاضل فی الاعمال کی مثبت ہے کیونکہ عرفاً خیر کا اطلاق عمل پر
ہوتا ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: یوم یاتی بعض آیات ربک لا ینفع نفساً ایمانہا لہا ربک امنہ ومن
قبلہا کسبت فی ایمانہا خیراً۔

تعداد الحدیث :- اخرجہ البخاری حناثہ فی الرقاق ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۱ ایضاً بمعناہ
حدیث ابی ہریرۃ ص ۱۱۱ -

اخرجوا بفتح الهمزة امر کا صیغہ ہے اخراج مصدر سے۔

تشریح الفاظ

اس بارے میں اختلاف ہے کہ خطاب کس کو ہے؟ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: وهو
خطاب للملائکۃ (ص ۱۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے اخرجوا الیہ - مثقال نقل مادہ
اسم آکر ہے، مثقال ایک باٹ (وزن) ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے لیکن یہاں مثقال وزن اور مقدار
مراد ہے جیسے قرآن کریم میں مثقال ذر (ذرہ برابر) مقدار ہی مراد ہے۔ حبتہ بفتح الحاء عام ہے
ہر قسم کے دانے کو کہا جاتا ہے جیسے گہوؤں وغیرہ اس کی جمع حبوب ہے اور حبتہ بکسر الحاء و ث مد الباء اللوحۃ
محرانہ ختم، جنگلی بیج۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح جنگلی بیج پانی کی رو میں بہہ کر ہر جگہ جلدی جم جاتی ہے

اسی طرح یہ لوگ نہر الحیاء میں پڑ کر فوراً ہی ایک نئی سرسبز و شاداب زندگی سے بہرہ مند ہو جائیں گے۔
فی نہر الحیاء اور الحیاء حیا بالقصر بارش، چونکہ بارش کے ذریعہ دانے اُگتے ہیں اور انہیں زندگی ملتی ہے
اس لئے وہ سبب حیات ہے، یہاں نہر کا نام ہے۔ قال وحیب ذہیب بن خالد نے بھی عمرو بن لُحی سے اس
حدیث کو نقل کیا ہے امام مالک کی طرح، لیکن امام مالک کو شک ہوا کہ استاد عمرو بن لُحی نے حیا کہا تھا یا حیا؟
لیکن ذہیب کی روایت بلا شک ہے۔ دو سرفرق یہ ہے کہ ذہیب کی روایت میں خوف من ایمان کے بجائے
خوف من خیر ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان سے مراد اعمال ہیں۔

تشریح حدیث امام بخاریؒ نے یہاں دو دھاریؒ کی طرح دو دھاریؒ کے لئے ہیں مقصد مرحۃ و خوارج کی تردید ہے۔ گویا امام
بخاریؒ نے یہاں دو دھاریؒ کی طرح دو دھاریؒ کے لئے ہیں مقصد مرحۃ و خوارج کی تردید ہے۔ گویا امام
مرجۃ کا عقیدہ ہے کہ اعمال کو تکمیل ایمان میں بھی دخل نہیں ہے ایمان کے ہوتے ہوئے مصیبت مضر نہیں ہے
لہذا مرحۃ پر زور اس طرح ہو گا کہ اگر معاصی مضر نہیں ہیں تو گنہگار مومن جہنم میں کیسے گئے؟
خوارج پر اس طرح زور ہو گا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مرکب کبار کا فر ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گی تو اس
حدیث میں ان کی کھلی تردید ہے کہ جہنم سے کیوں نکالے گئے؟۔

فائدہ اس باب سے صاف معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ وہی فرماتے ہیں جو حنفیہ اور جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ ایمان بسیط
ہے صرف تصدیق قلبی کا نام ہے، نفس ایمان ذو اجزاء یعنی مرکب نہیں ہے ہاں اعمال کے اعتبار سے
کی زیادتی ہوتی ہے البتہ امام بخاریؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان میں کیفیت کے اعتبار سے کی زیادتی ہوتی
ہے جیسا کہ ان المعروف فعل القلب اور اعلمکم سے ظاہر ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں لہذا جو لوگ
کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ حنفیہ پر زور فرماتے ہیں یہ غلط ہے، بے شک امام بخاریؒ ایمان کامل میں اجزاء کے اعتبار سے
کی زیادتی کے قائل ہیں اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں، صحیح یہ ہے کہ امام بخاریؒ زیادہ تر مرحۃ کی تردید کرتے ہیں
اور کبھی کبھی خوارج و مضر لہ کی بھی جیسے اوپر مذکور ہوا۔

۲۲ • حدثنا محمد بن عقیل اللہ قال حدثنا ابراہیم بن سعد عن صالح
عن ابن شہاب عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف انہ سمع اباسعد الخدری
یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا ناعمر رأیت الناس یفرضون
علیٰ وعلیہم قمم منہا ما یبلغ الشدۃ منہا ما دون ذلک وعرض علی
عمر بن الخطاب وعلیہ قمم ینزع قالوا فما اولک ذلک یا رسول
اللہ قال الدین •

ترجمہ حضرت ابو سعید خدریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک
مرتبہ میں سورہاتھا میں نے (خواب میں) لوگوں کو دیکھا وہ میرے سامنے پیش کئے جا رہے

ہیں اور وہ کرتے پہننے ہوئے ہیں، بعضوں کے کرتے چھاتیوں تک ہیں اور بعضوں کے اس کے بھی کم، اور حضرت عمر بن خطابؓ میرے سامنے لائے گئے وہ ایسا (لبا) کرتا پہننے ہوئے تھے جس کو گھسیٹ رہے ہیں (زمین تک نیچا ہے) صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تفسیر فرمائی؟ ارشاد فرمایا: "دین" یعنی قمیص کی تفسیر میں نے دین سے کی، جس کا حاصل ہے کہ مجھے لوگوں کی کیفیت دکھلائی گئی میرے سامنے ہمیشہ کردہ اشتیاق میں عمرؓ کی قمیص سب سے بڑی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ان کا دین ان سب (پیش شدہ حضرات) کے دین سے بڑھ کر واکمل ہے۔

قمیص کو دین کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جیسے لباس پہننے سے تین اغراض ہوتی ہیں۔ ستر عورت، گرمی و سردی سے حفاظت اور زینت اسی طرح دین بھی عیوب کے لئے ساثر اور اخروی معائب سے محافظ اور سب زینت ہے۔ یہ معلوم ہو چکا کہ دین کا اطلاق ایمان و اسلام کے مجموعہ پر آتا ہے اس لئے نفس ایمان میں کی و زیادتی اس کے ثابت نہیں اور اعمال کی وجہ سے تفاد و تفاضل کا اہل حق میں سے کسی کو انکار نہیں۔

تعلد الحدیث ۱۔ اخرجہ البخاری ص ۵۲۱ وفی فضل عمر ۵۲۱ وفی التفسیر ص ۱۳۸ ایضاً ص ۱۳۸۔

مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة من جهة تأويل القمصين بالدين و
ذكر فيه انهم متفاضلون في لباسها فدل على انهم متفاضلون في الايمان

في الاعمال۔

اسباں انا نا جائز ہے تو کیا حضور اکرم صلی اللہ نے خواب میں حضرت عمر فاروقؓ کو بظاہر معصیت میں مبتلا دیکھا؟

اشکال

جواب ۱۔ یہ دوسرے عالم کا واقعہ ہے جسے اس عالم پر قیاس نہیں کر سکتے۔

(۲) یہاں قمیص سے حقیقی قمیص مراد نہیں بلکہ یہ دین سے تعبیر ہے کا عبد اللہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وحرروا نفاق قوله تعالى ولباس النفاق ذلالت خیر

اشکال ۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں؟

جواب ۱۔ حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضور اقدسؐ کو جو لوگ دکھلائے گئے تھے ان میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ممکن ہے کہ صدیق اکبرؓ اس جماعت میں نہ ہوں۔

(۲) یہاں حقیقت فضل مراد نہیں بلکہ آثار دین دکھلائے گئے ہیں پس اصل دین کے لحاظ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں مگر آثار کا ترتیب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زیادہ ہوا یا اس طرح کہ آپ کے دور خلافت میں فتوحات بہت کثرت سے ہوئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی اولاد تو مدت خلافت ہی بہت مختصر ہے پھر اس میں مرزین کو کھلنے کی طرف توجہ رہی گویا کہ فتوحات کی راہ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو اکر دی تھی جس پر حضرت عمرؓ کا مزن ہوئے۔

حضرت محمد الف ثانیؐ فرماتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا درجہ معلوم کرنے کا خیال ہوا تو عالم مثال میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو میں کھڑے ہیں اور آپ کے نیچے آپ کے جوتوں کے متصل حضرت ابو بکرؓ کا سر ہے اور حضرت ابو بکرؓ کے جوتوں سے کچھ فاصلہ پر نیچے حضرت عمرؓ کا سر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقؓ کی نہایت نیچی برائیت ہے اور حضرت فاروقیؓ کی نہایت سے کافی اوپر حضرت صدیقؓ کی بجاہت ہے۔ اس حدیث سے قاضی فی الدین ثابت ہوا والدین والایمان متدان۔ (ارشاد القاضی)

• باب الحیاء من الایمان • بخاری مش

حیا (شرم) ایمان کا ایک جزو ہے۔

۲۳ • حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال أخبرنا مالک بن انس عن ابن شہاب عن صالح بن عبد اللہ عن انس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من لم یحش عیالہ فلیعزلہ عن الایمان •

ترجمہ | حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے اور وہ شخص اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں پوچھا رہے تھے (یعنی تنبیہ کر رہے تھے کہ اتنی شرم کیوں کرتا ہے؟) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کیوں کہ حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔

مطابقتہ للترجمة :- مطابق للترجمة ظاهر لانه اخذ من الحديث خبره عليه كاهو مائة -

تعدد الحديث :- اخرج هذا في كتاب الادب ص ۹۱ -

سابقہ باب میں قاضی اہل الایمان فی الاعمال کا بیان تھا اور اس باب میں حیا کا بیان ہے، حیا کے مرتبہ متفاوت ہیں اور اس میں باہمی تفاضل ظاہر ہے۔

تشخیص | یہاں یہ روایت مختصر ہے اسی بخاری کے کتاب الادب ص ۹۱ میں کسی قدر تفصیل ہے جس سے پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

ترجمہ | من لم یحش عیالہ یعنی جو اپنے عیال کے بارے میں شرم نہ کرے وہ ایمان سے محروم ہے۔

فرمایا اسے بہنے دو کیوں کہ حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔

امام بخاری کا مقصد مرجع کی تہدید ہے۔ امام بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان کے لئے اعمال کی ضرورت ہے خواہ قلب کا عمل ہو یا جوارح کا، عمل کے بغیر ایمان ناقص رہے گا کیونکہ عمل مکملاتِ ایمان میں سے ہے، اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ حیا و ایمان کا ایک شعبہ اور جزو ہے۔

حیا کے متعلق کچھ تفصیل حدیث میں گزر چکی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حیا کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے **هو انقباض النفس خشية ارتكاب ما يكره اعم من أن يكون شرعيا او عقليا او عرفيا** مکرودہ کے ارتکاب کے خوف سے نفس کا رک جانا چاہے وہ شرعی ہو یا عقلی ہو یا عرفی ؟ اب اگر مکرودہ شرعی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ ناشائستہ کہلاتا ہے اور اگر مکرودہ عقلی میں پڑتا ہے تو مجنون و پاگل کہلاتا ہے اور اگر عرفی مکرودہ میں پڑیگا تو وہ ابلہ اور بے وقوف کہلاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حیا ہر حال میں بہتر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے **الحياء خير كله**۔

• باب فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلوا سبيلهم •

اس آیت کی تفسیر میں کہ ”بھرا اگر توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ بھر دو۔“ لفظ باب کو اخافت اور تنوین دونوں صورتوں میں پڑھا جاسکتا ہے۔ بصورتِ عبارت ہوگی باب تفسیر قولہ تعالیٰ لا اور بصورتِ تنوین عبارت ہوگی **هذا ما جاء في تفسير قوله تعالى فان تابوا فخلوا** (فتح)

۲۴ • **حدثنا عبد الله بن محمد بن المسندي قال حدثنا ابو روح بن العريجي بن عمار قال حدثنا شعبه عن واقد بن محمد قال سمعت ابي يعقوب عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وبقبوا الصلوة ويؤتوا الزكوة فاذا فعلوا ذلك عصمتهم مني دماءهم واموالهم الا بحق الاسلام وجابهم على الله** •

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے (غذا کا یہ) حکم ہوا ہے کہ لوگوں کو کافروں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں، جب وہ یہ کہنے لگیں تو انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے بچایا مگر اسلام کے حق سے اور ان کے دلوں کی باتوں کا حساب اللہ پر ہے گا۔

مطابق للترجمۃ :- معنی الحدیث مطابق للمعنی الآتية یعنی آیت میں توبہ یعنی رجوع عن الشک الی التوحید نماز اور زکوٰۃ مذکور ہیں اسی طرح حدیث میں بھی ان ہی تین چیزوں کا ذکر ہے پھر آیت میں جس طرح کہا گیا

ہے کہ جو لوگ ان تین اشیاء کو سچا لائیں وہ مامون کر دیئے جائیں گے اسی طرح حدیث میں ہے جو لوگ ان تینوں کو بجا لائیں ان کے جان و مال محفوظ کر دیئے جائیں گے۔ آیت کریمہ میں تخلیہ اور حدیث میں عصمت دونوں کے یہاں ایک ہی معنی ہیں۔

نقطہ دالحدیث :- آخر جہ البخاری صامتہ و آخر جہ مسلم ص ۲۴۰

تشکیک

امام بخاری کا مقصد مرجع و کلامی کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے لئے اعمال کی ضرورت نہیں، آیت قرآنی و حدیث نبوی دونوں سے پوری پوری تردید ہو گئی کہ اگر اعمال کی ضرورت نہیں تو اداۓ شہادت کے ساتھ اقامتِ صلوٰۃ اور اداۓ زکوٰۃ پر تخلیہ سبیل کو کیوں موقوف بنایا گیا پس معلوم ہوا کہ کمالِ ایمان ان مستحقینِ زکوٰۃ کے ہے۔

اشکال

آیت و حدیث دونوں میں ارکانِ اسلام میں سے صرف اقامتِ صلوٰۃ اور اداۓ زکوٰۃ مذکور ہیں بقیہ ارکانِ اسلام (روزہ، حج، زکوٰۃ) کا کوئی ذکر نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب

بعضوں نے یہ کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم صوم و حج کی فرضیت سے قبل کا ہو لیکن، جواب حدیث میں تو ممکن ہے مگر آیت میں اس لئے نگہداشت نہیں ہے کہ یہ آیت سورہ براءت کی ہے جو شہد میں نازل ہوئی اور صوم (روزہ) کی فرضیت بلاشبہ اس سے پہلے ہو چکی ہے، اصل جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ سے عبادتِ بدنیہ کی جانب اشارہ ہے اور زکوٰۃ سے عبادتِ مالیہ کی جانب۔ صلوٰۃ کو علامہ الدین اور زکوٰۃ کو قطرۃ الاسلام فرمایا گیا ہے۔ پس ان دونوں کی اہمیت کی وجہ سے ان دونوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ورنہ تمام احکاماتِ شرعیہ علی حساب المراتب ہیں، اس صورت میں تمام عباداتِ بدنیہ اور مالیہ اور مرکب من المہدی واللہ سب اس میں شامل ہو جائیں گی۔

اشکال

اس آیت سے ثابت ہوا کہ عصمت دم و تخلیہ سبیل کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ ایمان لائیں اور صلوٰۃ و زکوٰۃ ادا کریں، حالانکہ دوسری جگہ ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ مِنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ۔ (سورہ توبہ)

جس سے معلوم ہوا کہ قبولِ جزیہ سے بھی قتل کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔

جواب

فتح الباری میں اس کے تحت جواب دئے گئے ہیں جو زیادہ معتبر ہیں، ذکر کئے جاتے ہیں۔ بعض نے کہا شاید اس وقت تک جزیہ کا حکم نازل نہ ہوا ہو مگر یہ محض احتمال ہے۔

(۱)

سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ جہاد سے اعدامِ کفر مقصود نہیں بلکہ کفر کی نشان و شوکت کا توڑنا اور مغلوب کے نامعلوم ہے، کہا قال اللہ تعالیٰ: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ وقال: لَتَكُونَ كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا، یعنی اعلا، کلمۃ اللہ اور اسلام کا سب ارباب پر غلبہ مقصود ہے۔

(۲)

فرمیکو دوسرے ادیان کو مغلوب کرنا مقصود ہے نہ کہ معدوم کرنا۔ لہذا اگر کوئی جماعت ایمان قبول نہیں کرتی مگر جزیہ قبول کر کے مسلمانوں کے تابع ہو جاتی ہے اور علما ملحق بزمرة المؤمنین ہو جاتی ہے تو جہاد کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

حکم تارکِ صلوٰۃ

اُمّ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ تارکِ الصلوٰۃ کے قتل کے قائل ہیں،
آگے ان میں اختلاف نظر ہے۔

امام احمد قتلِ ردّۃ کے قائل ہیں۔ یعنی ان کے یہاں تارکِ الصلوٰۃ مرتد ہے لہذا اس پر مرتد کے سراجام جاری کرتے ہیں۔
امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ مرتد نہیں قرار دیتے بلکہ حدِ اُقتل کا حکم دیتے ہیں جیسے کہ قصاص
یا زانی محض کو حداً رحم ہوتا ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے نرم ہیں یعنی فوراً قتل کرنے کا حکم نہیں فرماتے بلکہ فرماتے ہیں کہ اسے قید میں رکھا
جائے اور اتنا مل جائے کہ خون بہنے لگے حتیٰ یتوب اور یموت۔ معلوم ہوا کہ نتیجہٴ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
کے ہاں بھی حکم قتل ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ سوچنے کی مہلت اور توبہ کی فرصت مل جاتی ہے۔
اُمّ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل اس حدیث باب۔

امام نوویؒ نے بھی اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

جواب ۱۔ خود انہی میں سے منصفین حضرات نے اس حدیث سے استدلال کو غلط قرار دیا ہے، چنانچہ نقی الدین
ابن دین العید جو پہلے مالکی تھے پھر شافعی ہو گئے بہت منصف مزاج ہیں، اپنی کتاب "نوائد الاحکام" میں
فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قتلِ تارکِ صلوٰۃ پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ حدیث میں مقاتلہ کا حکم ہے اور
مقاتلہ قتل میں فرق ہے، مقاتلہ کے معنی ہیں لڑنا جھگڑنا، پھر اگر لڑائی میں کوئی شخص قتل ہو جائے تو وہ اور بات
ہے، مقاتلہ قتل کو مستلزم نہیں، بعض شافعیوں نے مثلاً اذان یا فتنہ کے ترک پر حاکم مسلم کو قتل کا حکم ہے
مگر ایسے لوگوں کا قتل جائز نہیں۔

اسی طرح مار بن یدری المصلیٰ کے بارے میں فرمایا خان ابی خلیقا تلہ حالانکہ اسے قتل کرنا جائز نہیں۔

ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا اقتل یا سعد، یعنی تم اپنی
بات پر اتنے مصر ہو کہ گویا حجر سے لڑ کر کام کر دانا چاہتے ہو۔ دیکھئے یہاں قتل کے کچھ معنی نہیں بنتے۔ قرآن مجید
میں ارشاد ہے وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما یہاں اگر قتال سے قتل مراد لیا
جائے تو جانین کے قتل ہو جانے کے بعد صلح کن لوگوں میں کر دائی جائے گی؟

خود امام شافعیؒ سے یہی ہستی نے نقل کیا ہے لیکن القتال من القتل بسبیل قد یصل قتال
الرجل ولا یصل قتله لہذا حدیث باب سے تارکِ صلوٰۃ کے ساتھ قتال ثابت ہوتا ہے جواز قتل
ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) ابن قیمؒ نے احکام صلوٰۃ پر ایک مستقل رسالہ بنام "کتاب الصلوٰۃ و احکام تارکہا" لکھا ہے جس میں
حدیث سے استدلال نہیں کیا بلکہ ترجمۃ الباب میں مذکورہ آیت کریمہ اقتلوا المشرکین (ای قولہ تعالیٰ) فان تابوا
واقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلہم کو دلیل میں پیش کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حدیث میں اگرچہ

قتال کا حکم ہے مگر قرآن میں حکم قتل مذکور ہے۔

ابن قیمؒ کے اس استدلال کے کئی جواب دیے جاسکتے ہیں :-

(۱) قرآن مجید میں قتل مذکور ہے اور حدیث میں قتل۔ لہذا رفع تعارض کے لئے ایک کو دوسرے پر غمبول کرنا ضروری ہوگا، یعنی باقوت قتل سے قتال مراد لیا جائے اور یا اس کے برعکس قتال سے قتل مراد ہو۔

چونکہ حدیث قرآن مجید کی شرح ہے اس لئے قرآن میں مذکور لفظ قتل سے قتال مراد لیا جائے جو کہ حدیث میں مذکور ہے، امام بخاریؒ نے بھی ترجمۃ الباب میں یہ آیت مذکورہ اور اس کے تحت یہ حدیث لاکر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔

(۲) قرآن مجید میں صرف قتل کا حکم نہیں بلکہ اس کے ساتھ چند اور احکام بھی مذکور ہیں۔ فرمانے میں اقتلوا المشرکین حیث وجدتمہم وخذوہم واحصروہم واقعدوا الہم کل من صد فان تاملوا واقاموا الصلوة واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ تخلیہ سبیل سب احکام مذکورہ یعنی قتل، اخذ، محاصرہ وغیرہ کو شامل ہے۔ احنافؒ بھی تارک صلوة کا تخلیہ سبیل نہیں کرتے جبکہ قید و ضرب کا حکم دیتے ہیں حتیٰ یتوب اور موت صرف توبہ کی مہلت دیتے ہیں۔

(۳) ابن قیمؒ کی مستدل آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تارک زکوۃ کو بھی قتل کیا جائے حالانکہ ائمہ اربعہ میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں صرف امام محمدؒ سے ایک مروج روایت ہے۔ فاما جوابکم فہو جوابنا۔

(۴) امام نوویؒ نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے مگر اُمرُتُ اَن اقاتل الناس سے نہیں بلکہ فاذا اخلا ذالک فقد عصوا متی دماہم و اموالہم سے استدلال کرتے ہیں بایں طور کہ "ذالک" کا اشارہ تین چیزیں ہیں۔ توبہ، اقامتِ صلوة، ایتارِ زکوۃ۔ اور عصمت بھی تین قسم کا ہے عصمتِ الدم، عصمتِ المال، عصمتِ الدنیا والمال یکساں۔ پس اگر شرط میں مذکور امور ثلاثہ سب پائے گئے تو عصمتِ مال دوم پائی جائیگی اور زکوۃ دنی تو عصمتِ مال مرتفع ہو جائے گی لہذا ترکِ صلوة سے عصمتِ دم جاتی رہے گی۔

جواب ۱۔ ہمارے یہاں بھی تارکِ صلوة کا دم معصوم نہیں حتیٰ یتوب اور یموت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

محمد الدین شیرازی صاحب قاموس فی اللفات اللغویۃ فی طبقات الشافعیہ .. میں امام شافعیؒ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا ملاحظہ نقل کیا ہے۔

امام شافعیؒ نے دریافت فرمایا کہ اگر تارکِ صلوة کا فر ہے تو اسے دوبارہ مسلمان کیسے کریں گے ؟

امام احمدؒ نے جواب دیا کہ اسے کڑا اسلام پڑھائیں گے، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ توبہ پہلے سے پڑھتا ہے۔

امام احمدؒ نے کہا کہ اسے نماز پڑھنے کا حکم دیں گے، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مرتد کی نماز نیچے قبول ہوگی ؟ امام

احمدؒ ساکت ہو گئے۔ والہ اعلم بالصواب۔

باب ۱۰ مَنْ قَالَ اِنَّ الْاِيْمَانَ هُوَ الْعَمَلُ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالٰی قِتْلًا

الجنة التي أوريتموها بما كنتم تعملون وقال عِدَّةٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي
قَوْلِهِ تَعَالَى فَوَرَّيْكَ لَنَسْتَلْتَهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ عَنْ قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَالَ يُشَلُّ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ •

اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے کہ ایمان ایک عمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ زمر میں) فرمایا ہے: یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو وہ تمہارے عمل کا بدلہ ہے۔ اور متعدد علماء نے (سورہ حجر کی آیت) فوریک الایہ کی تفسیر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے سے کی ہے (یعنی قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان سب کے (اہل کفر سے) ضرور پوچھیں گے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے بارے میں) اور (سورہ والعنقوت میں) فرمایا: ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔

۲۵ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ ابْنِ هُرَيْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مُّبَرُورٌ
ترجمہ | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پوچھا گیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، عرض کیا گیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا حج مقبول۔

باب لفظ باب اپنے مابعدی طرت معانی ہے عبارت ہوگی ہذا باب مَن قَالَ الْوَا (عبارت)
باب کے باب میں توبہ، اقامت صلوٰۃ اور ایتا، زکوٰۃ کا بیان تھا اور یہ سب اعمال ہیں، تو یہ باب رابطہ مقصد کا عمل ہے اور اقامت صلوٰۃ و ایتا، زکوٰۃ اعمال جوارح۔ اور اس باب میں عمل ہی کا بیان ہے کہ ایمان تو خود ہی عمل ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصد ان تمام تائیدیں بساطت کی تردید ہے جو لوگ اعمال کو ایمان سے بے تعلق قرار دیتے ہیں، امامؒ نے اس باب میں سب کا رد کیا ہے فرقہ کرام سے صرف قول کو ایمان کہتے ہیں، جبہ صرف معرفت کو اور مرجہ فقط تصدیق کو۔ امام بخاریؒ نے بتایا کہ صرف قول ایمان نہیں جب تک قلب کا فعل یعنی تصدیق نہ ہو علیٰ ہذا صرف معرفت و تصدیق اگر غیر اختیاری ہے تو ہرگز ایمان نہیں ہاں اختیاری تصدیق جو قلب کا فعل ہے وہ ایمان ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان عمل ہی ہے بلکہ اشرف الاعضاء یعنی قلب کا فعل و عمل ہے۔ ایمان کے عمل ہونے پر پہلی دلیل سورہ زمر کی آیت لائے ہیں تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُفِیْ فِيهَا النَّاسُ لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ •

دخول جنت ایمان کی وجہ سے ہوگا لا محالہ آیت میں كنتم تعملون یعنی كنتم فی جنات ہے۔ پہلا اشکال یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت عمل کے سبب سے ہوگا حالانکہ بخاریؒ ہی کی روایت میں ارشاد فرمایا ہے:

دو اشکال مع جواب

لَنْ يَدْخُلَ أَحَدُكُمْ حِلَّةَ الْجَنَّةِ (تم میں سے کوئی شخص صرف اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہو سکیگا بلکہ اللہ کے فضل سے جنت میں جائیگا۔

پس آیت وحدیث میں متعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب ع:۔ آیت کریمہ کے اندر ہماکنتم میں بناو سببیت کے لئے نہیں ہے بلکہ طاہریت کے لئے ہے۔ آیت وحدیث میں متعارض اس صورت میں ہوگا جبکہ بار کو سببیت کے لئے لیا جائے کیونکہ سبب پر مستحب کا ترتیب بطور دلیل کے ہوتا ہے اور طاہریت کی صورت میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ طاہریت کی صورت میں ہماکنتم تصدیق کا مفہوم ہوگا۔ ان اعمال کے ثواب و ثمرات کے ساتھ نہیں جنت کا مالک بنا دیا گیا، اسی طرح بار کو عوض و مقابلہ کے لئے لیا جائے تب بھی کوئی متعارض نہ ہوگا کیونکہ مفہوم ہوگا کہ جنت نہیں ملے گی بلکہ عوض و مقابلہ دی جائے گی۔

سبب اور مقابلہ میں فرق ہے کہ جس طرح سبب پر سبب موقوف ہوتا ہے مقابلہ میں ایسا نہیں۔ سبب کی صورت تو یہ ہے کہ دخول جنت عمل پر موقوف ہے علیٰ شایہ گیا تو وہ خود جنت نہ ہوگا اور مقابلہ کی صورت یہ ہے کہ جنت عمل کے مقابلہ تو ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے عمل پر موقوف نہیں رکھا انعام کے طور پر دی ہے۔

ع: حاکم ابن حنبل وغیرہ نقل فرماتے ہیں کہ اعمال کی دو قسم ہے۔ لفظی اعمال قبول ہوتے ہیں اور بعض غیر مقبول۔ اور یہ ہے کہ ہم ناقص اور ہمارا علیٰ ناقص لفظا ہمارا کوئی عمل فضل خداوندی کے بغیر مقبول نہیں ہو سکتا اور جنت بدون عمل مقبول کے حاصل نہیں ہو سکتی پس جنت موقوف ہے عمل مقبول پر اور عمل کی قبولیت موقوف ہے فعل الہی پر لفظ دخول جنت موقوف ہے فعل الہی پر۔ پس دونوں ہا میں صحیح ہیں عمل بھی، فضل بھی، ایک کو آیت میں بیان کیا ہے دوسرے کو حدیث میں۔ (اعمال بکوالہ لہذا لہذا ۱۷ ص ۱۷)

دوسرا اشکال دوسرا اشکال یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اور شفعہا فرمایا گیا ہے جبکہ وراثت کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو انتقال کے بعد ورثہ کے لئے چھوڑی جاتی ہے، جنت کسی شخص کی ملکیت نہیں کہ اس کے انتقال کے بعد ورثہ کو دیا جائے، جنت فرشتہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

جواب ع:۔ یہاں بطور تشبیہ وراثت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس طرح وراثت قطعی چیز ہے کسی سے واپس نہیں لی جاسکتی ہے اور حصول وراثت کے بعد تصرف میں مکمل طور پر مختار ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو دائمی طور پر بالکل آزادی کے ساتھ تصرف کا اختیار دیدیا گیا ہے اب ان پر کوئی پابندی نہیں جیسا کہ ارشاد الہی ہے۔

ولکن ضیاعا ما تشتهی أنفسکم ولکم فیہا ما تموتون (پہا رکوع ۱۸) اللہ تعالیٰ نے اہل (جنت) میں جو چیزیں تمہاری ہوا کرتی تھیں وہ تمہاری ہوا کرتی ہیں اور جو چیزیں تمہاری ہوتی تھیں وہ تمہاری ہوتی ہیں۔

یعنی جس چیز کی خواہش و رغبت ہوگی یا مطلب کر دے گا سب ملے گا گویا تشبیہ صرف بقا میں ہے۔ (علاقہ) جواب ع:۔ یہاں کا فقرہ صورت قریب دیا جائے حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک مکان جنت

ہم ہے اور ایک مکان دفع میں۔ مؤمن جب جنت میں جائیگا تو پنی جگہ پر توجہ کر لیا ہی کافروں کی جگہ پر تا بعین ہو جائیگا کیونکہ کافر کفر کی وجہ سے جنت سے محروم رہا اور مسلمان اس کو دلالت بنا لیں اسی صورت کو ابراہیم نے تعبیر فرمایا لی۔ اسی طرح بعد والی آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ: فَرَبِّكَ لَنَسْتَقِمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ اِی عَنْ قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یہاں قول سے مراد عام ہے قول قلبی یعنی تصدیق واعتقاد اور قول لسانی یعنی اقرار، مقصود صاف ہے کہ مولا ایمان ہے۔

تیسرا استدلال سورہ عافات کی آیت سے ہے لَمَثَلْ هَذَا فليعمل العاملون، اِی فليؤمن المؤمنون، اسکی ایمان کامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نیز حدیث باب سے بھی یہی ثابت کرنا ہے باہر طور کہ سوال ہے اِی العمل افضل؟ اس کے جواب میں حضور اکرم کا ارشاد ہے ایمان باللہ و رسولہ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ایمان عمل ہے۔

مطابقتی للترجمة یہ مطابقتی هذا الحديث للترجمة متاعشر وھی اطلاق العمل علی الایمان۔

تعداد الحدیث یہ اخرجہ البخاری هنا فی کتاب الایمان صفہ والیضا فی کتاب المناہج صفہ و اخرجہ مسلم فی الایمان صفہ وغیرہ۔

تشریح

حدیث شریف میں ہے اِی العمل افضل کون سا عمل افضل ہے؟ و اسائل ہذا ابوذرؓ۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ایمان باللہ یعنی تمام اہل ایمان باللہ و رسولہ افضل ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ کو عمل قرار دیا ہے۔ نیز ایمان و عمل میں تلازم ثابت ہو گیا کیونکہ جگہ پر عمل کا اطلاق اور کسی جگہ عمل پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے۔

ایک اشکال جواب اشکال یہ ہے کہ اتحاد سوال کے باوجود جواب میں اختلاف کیوں ہے؟ جواب دیا یہ ہے کہ اختلاف ساطین یا اختلاف حالات یا اختلاف زمان و مکان کے اعتبار سے جواب میں اختلاف ہے۔

یا ہر جگہ لفظ مع معذون مانا جائے یعنی یہ بھی افضل اعمال میں سے ہے اور یہ بھی الخ

باب اذالم یکن الاسلام علی العقیقۃ وکان علی الاستسلام لہو الخوف و من القتل لقولہ تعالیٰ: قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تَرْمِزُوا وَلَکِن قُولُوا أَسْلَمْنَا فَإِنَّا کَانَ عَلَى الْعَقِیقَةِ فَہو علی قولہ جل ذکرہ: إِنَّ الدِّینَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ الآية ●

قولہ باب بالتوفین خبر ہے مبتدا معذون کی ای ہذا باب۔ اگر اسلام اپنی حقیقت پر (یعنی شری معنی پر) نہ ہر محض ظاہری تابعداری (یعنی لغوی معنی) پر ہو یا قتل سے ڈر کر ہو (تو معتبر و نافع نہیں ہوگا اِی فی الآخرۃ) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورہ ہجرات میں) ذہبانی لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے، اے پیغمبر آپ

کہد یجئے کہ تم ایمان نہیں لائے (یوں) کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ لیکن اسلام جب اپنے حقیقی معنی (شرعی معنی) میں ہو گا تو وہ اسلام ہو گا جو (سورۃ آل عمران کی) اس آیت میں مراد ہے کہ اللہ کے نزدیک (اصل) دین اسلام ہی ہے نہ تو تک۔
 ورجاء۔ پہلے باب میں ایمان بالشرکایان تھا اب اس باب میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان معتبر کیا ہے؟

۲۶ • حکثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني عامر بن سعد بن ابی وقاص عن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اعطى رجلاً رسالة جالساً فترك رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً هو أعجبهم إلى قال قلت يا رسول الله مالك عن فلان فوالله اني لأراة مؤمناً فقال او مسلماً فسكت قليلاً ثم غلبني ما أعلم منه فعدت لمقاتلي فقلت مالك عن فلان فوالله اني لأراة مؤمناً فقال او مسلماً فسكت قليلاً ثم غلبني ما أعلم منه فعدت لمقاتلي وعاد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال يا سعد انا لا أعطي الرجل شيئاً أحب إلي من خشية أن يكذب الله في النار رواه يونس وصالح ومعه وابن أخى الزهري عن الزهري •

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو کچھ مال دیا اور سعد بن ابی وقاص سے کہے تھے آپ نے ایک شخص (جلیل بن سراقہ) کو چھوڑ دیا (دہا) وہ ان سب میں مجھے زیادہ پسند تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فلان شخص کو چھوڑ دیا قسم خدا کی میں تو اس کو تو من سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا۔ یا سلم! یہ شخص توڑی دیر میں غارِ خشیاں پھر جو حال میں اس کا جانا تھا اس نے زور کیا میں نے دوبارہ عرض کیا آپ نے فلان شخص کو کون چھوڑ دیا قسم خدا کی میں اس کو تو من جانتا ہوں آپ نے فرمایا۔ یا سلم! یہ شخص توڑی دیر میں چپ رہا پھر جو حال میں اس کا جانا تھا اس نے زور کیا میں نے تیسری بار وہی عرض کیا اور کہ حضرت نے وہی فرمایا۔ اس کے بعد یہ فرمایا اے سعد! میں ایک شخص کو کچھ دیتا ہوں باوجود کہ دو ستر شخص کو اس سے اچھا سمجھتا ہوں مجھے۔ ڈر رہتا ہے کہ میں (وہ گمراہ ہو جائے اور) اللہ اس کو اذہا دوزخ میں نہ ڈھکیں۔ اس حدیث کو یونس اور صالح اور معمر اور زہری کے مہتبی نے بھی شعیب کی طرح (زہری سے روایت کیا ہے۔

تعدد الحدیث۔ أخرجه البخاري صامتاً وإيضاً في الزكاة صنفه وأخرج مسلم في الإيمان حديثاً والزكاة وإيضاً لم يوافقوه۔

مطابقتہ للترجمة۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ مطابقة الحديث للترجمة ظاهر وهي ان الاسلام ان لم يكن على الحقيقة لا يقبل فلا لك قال عليه السلام او مسلماً لأن فيه التمسك عن القطع بالایمان لانه باطن لا يعلمه إلا الله والاسلام معلوم بالظاهر •

یعنی لایزالاً مؤثباتاً فقال او مسلماً ہے ترجمہ الباقی مناسب ظاہر ہے کیونکہ حضرت سعدؓ نے قسم کھا کر مؤمن کہا تھا اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ایمان تصدیق قلبی و انقیاد باطنی کو کہتے ہیں جس کا علم صرف حق تعالیٰ کو ہے کہ یہ انقیاد و اسلام حقیقی ہے یا صرف ظاہری؟ ان تم ظاہری انقیاد و استسلام سے مسلم کہہ سکتے ہو اور ترجمہ الباب کا حاصل بھی یہی ہے کہ اسلام کے دو معنی ہیں ایک حقیقی واقعی اور دوسرا استسلام یعنی ظاہری اور صوری، پس مطابقت ظاہر ہے۔

عمرؓ ترجمہ الباب یہ تھا کہ جب اسلام حقیقت و نفس الامر کے لحاظ سے صحیح نہ ہو تو وہ مقبر فی الآخرة یعنی نجات دلانے والا نہیں، تو حدیث سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ ایسا اسلام ایمان سے متایر ہوگا۔
تشریح اس ترجمہ الباب سے ایمان و اسلام کے درمیان نسبت بیان کرنا اور ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے۔

اعتراف اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آیت کریمہ قالت الاطراب اسنا قل لم تر منزا ولكن قولوا اسلمنا ولما لم يدخل الايمان في قلوبكم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام میں مغایرت ہے۔

اور دوسری آیت ان الذین عند الله الاسلام سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں متحد ہیں۔
جواب اسلام کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے پس اسلام کی صورت محض ایمان سے متایر ہے اور روح اسلام عین ایمان ہے پس قالت الاطراب الو میں صورت ایمان مراد ہے۔ یعنی جب قلب میں تصدیق نہ ہو بلکہ خوف قلب یا کسی طمع کی وجہ سے اظہار انقیاد ہو تو یہ آخرت میں نافع نہیں۔

اور ان الذین عند الله الاسلام سے حقیقت اسلام مراد ہے یعنی جبکہ قلب میں بھی تصدیق موجود ہو۔
قالت الاطراب کا مصداق اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ لوگ منافق تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مؤمن تھے مگر تاحال ایمان ان کے قلوب میں راسخ نہ ہوا تھا۔

حدیث باب میں قول سعدؓ فوالله انی لا رای مؤثباتاً کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد او مسلماً بھی ایمان و اسلام میں فرق کا مثبت ہے پس یہاں بھی صورت اسلام مراد ہے و در حقیقت اسلام ایمان سے متایر نہیں۔
 یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طرق ادب تعلیم فرما رہے ہیں کہ مغنیات کے متعلق خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قطعی حکم لگانا خلاف ادب ہے۔ جیسے حضرت عائشہؓ نے ایک بچے کی وفات پر کہا مصفوس من عصافیر الجنة تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی حالانکہ نفس الامر میں بات صحیح ہے مگر مغنیات میں یوں قطعی حکم لگانا خلاف ادب ہے۔ لہذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ومن تکلم فی القرآن بزانید فاصاب فقد اخطا۔ (رواہ ہروداد و التہذی والنسائی)

پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد او مسلماً سے یہ دہم نہ کیا جائے کہ اس شخص کے ایمان میں کچھ شبہ

سقاہ بن کانام جیل بن سراقہ الضری ہے جو طبل العذر مہاجر صحابی تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ستر موقع پر ان کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ حافظہ فرماتے ہیں:
رووینا فی مسند محمد بن حارون الرضائی وغیرہ باسناد صحیح الخ ابی سالم العیشانی
عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لدہ کیف تری حبیلہ قال قلت
کشفہ من الناس یعنی من المهاجرین قال کیف تری فلانا قال قلت مستبد من سادات
الناس قال فحبیل خیر من ساد الاخرین من فلان۔ (ارشاد القاری)

اشکال و اس کا جواب
اشکال یہ ہے کہ جب تعین اور جزم کے ساتھ حکم لگانے پر اول ہی دفعہ
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا اور اس عنوان کو بدلتے ہی تعین

فرمائی تو دوسری اور تیسری مرتبہ حضرت سعدؓ نے اس پر جرات کیوں کی؟
جواب یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کو اس شخص کے بارے میں اس کی ظاہری حالت شریعت کے مطابق ہونے کی وجہ سے
ظن تھا یا اس کی بھلائی اور نیکی کی طرف دل اتنا مشغول تھا جس کی وجہ سے نبی اکرم علیہ السلام کے ارشاد کی طرف
پوری توجہ نہ کر سکے۔

گویا حضرت سعدؓ اپنے اس خیال کے استیلا کی وجہ سے ایک طرح محذور تھے۔ ارشاد نبوی کی طرف پوری توجہ نہ
کر کے مگر، الحاح اور صورت منازعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار محسوس ہوئی۔ چنانچہ مسلم شریف کی
روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِقْتُلَا یَا سَعْدُ! سدا سفارش کرتے ہوئے ہوئے۔

باب افشاء السلام
وَن الْاِسْلَامِ وَقَالَ عَتَارِ ثَلُثٌ مِّنْ حُجَّتِهِ
فَقَدْ جَمَعَ الْاِيْمَانَ الْاِنْصِلَابَ وَنَ نَفْسِي

وَبَدَلُ الْاِسْلَامِ لِلْعَالَمِ وَالْاِتِّفَاقُ مِنَ الْاِقْتِرَارِ ●
● حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي حَبِيبٍ عَنْ اَبِي
الْعَبَّاسِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ نَظِيمُ الْعَطَامِ وَتَقَرُّ الْاِسْلَامِ عَلَى مَنْ عَرَفَتْ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ ●
باب بالسنن اى هذا باب۔ سلام کی اشاعت (سلام کا رواج) اسلام کا ایک شعبہ ہے۔ اور حضرت
عمارؓ نے فرمایا کہ تین باتیں جس نے جمع کر لیں اس نے ایمان کو مکمل کر لیا۔ اپنے نفس سے انصاف کرنا، سلام کو عالم
میں پھیلانا، تنگ رشتہ کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

رابطہ ۱۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ باپ سابق میں یہ بتایا تھا کہ ان الدین هو الاسلام اور اسلام کی تکمیل
کے لئے کچھ خصائص و اعمال ضروری ہیں، اب اس باب میں ان خصائص کو بیان کیا جا رہا ہے۔
وقال عتار الامام بخاریؒ نے حضرت عمارؓ کی روایت موقوفاً نقل کی ہے مگر چونکہ غیر مدرک بالانعام ہے

اسی افتقار و احتیاج کے ہیں۔ تلمذ سنی کے باوجود، یا تلمذ سنی کی حالت میں یا تلمذ سنی اور قحط کے زمانہ میں خرچ کرنا کمال ایمان کی دلیل ہے، قال اللہ تعالیٰ: و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بهم خصاصة۔ و من یشع عسہ فاموالہم للفقراء۔ و قال تعالیٰ: و من قدر علیہ ربہ فلیتفق معا اللہ (سورۃ طلاق) اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔

حضرت عمارؓ نام عمار بن قیس بن ابراہیمؓ، کنیت ابو القحطان (بالطاء المعجم) والدہ کا نام یاسر اور والدہ کا نام سیدہ ریحیمہ کنیا ہے۔ حضرت عمارؓ مع اپنے والدین رضی اللہ عنہم قدیم الاسلام ہیں، حضرت

عمارؓ اور حضرت صہیبؓ دونوں ایک ہی ساتھ دار اترم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ (طہات ابن سعد جلد ۱۸) حضرت عمارؓ ستر کھلا دلائے حضرت صہیبؓ کو اسلام قبول کرنے کے حرم میں ابو جہل ملعون نے ایسا برجمارا کر دیا کہ وہ شہید ہو گئے مگر اسلام سے نہ ہٹے۔ اس کی سب سے بڑی شہیدہ ہیں، حضرت عمارؓ ان کے والد کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں، سخت گرم پتھر اندھن میں لٹا دیا جلتے، تکلیف کی شدت سے جو اس قتل ہو جاتے، ایک شہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: انصبوا آل یاسر فاق موعدکم الجنة (معا) یکسر موعدا لودعہ انک میں ادا کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی: یا نار صکونی

ہو و اسلاما علی عمار کا کتب علی ابراہیم تقتلہ فی القیۃ الماعنیۃ: (اے آگ عمار پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامت ہو جا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئی تھی، لہذا عمار تم کو باقی گروہ قتل کر گیا۔)

وفات: سر جگہ صغیر میں آپؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے اسی صغیر میں کتبہ میں شہید ہو گئے اس وقت آپؐ کی عمر چوراسی برس کی تھی اور وہیں دفن ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ان سے کل بائیس روایاتیں مروی ہیں، دو صحیحین متفق ہیں اور بخاری تین روایت میں منقول ہیں اور مسلم ایک حدیث میں۔ (مجموعہ)

مگر ترجمہ حالات حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کی کوئی نئی فعلت بہتر ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانا کھاؤ اور متعارف

اور متعارف ہر ایک کو مسلم کر دو۔

تحدید الحدیث: بہ متلاحذہ بنیہ و نہامہ وانی فی الاستیذان ۱۲۱۔
باقی تشریح کے لئے حدیث ۱۱۱ ملاحظہ فرمائیے۔

باب کفران العشر و کفر بکفر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ای لہا باب فی بیان کفران العشر الا یعنی نقطہ باب مضاف ہے اپنے ماہر کی طرف الخ
خاندن کی نامشکری کا بیان اور ایک کفر کا موازنہ میں، حدیث کفر سے کم ہونے کا بیان، اور اس کا باب میں

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(روایات حدیث ابوسعید موصولاً فی کتاب العیض ص ۴۴)

۲۸ • حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُ النَّارَ فَمَاذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النَّسَاءُ يَكْفُرْنَ قَبْلَ أَنْ يَكْفُرْنَ بِاللَّهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ •

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جہنم دکھائی گئی دیکھا کہ وہاں عورتیں زیادہ ہیں وہ کفر کرتی ہیں آپؐ نے پوچھا کیا اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا (نہیں) شوہر کا کفر کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں، اگر تو ایک عورت سے ساری عمر احسان کرے پھر وہ (ایک ذرا کی) کوئی بات تجھے دیکھے (جس کو پسند نہ کرتی ہو) تو کہنے لگتی ہے میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔

ربط ابواب سابقہ میں ایمان کے مختلف درجات کا بیان تھا اب اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان کی ضد اور مقابل کفر کے بھی مختلف درجات ہیں۔

وَبُضْعَةٌ هَاتِيكَ الْأَشْيَاءُ ہر چیز اپنے ضد اور مقابل سے پہچانی جاتی ہے۔

مثلاً ربط کی تقریر اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ امام بخاریؒ نے جس طرح ماقبل کے باب میں یہ بتایا تھا کہ اسلام کا لفظ کبھی اسلام حقیقی واقعی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے یعنی اسلام کے شرعی معنی میں۔ اور کبھی صرف استسلام اور ظاہری اطاعت کے معنی میں، لیکن نجات کا اور وہ اسلام شرعی پر ہے، صرف ظاہری اطاعت اور استسلام پر نہیں ہے، اسی طرح اس باب میں بتانا چاہتے ہیں کہ کفر کا اطلاق بھی دو معنوں پر ہوتا ہے کبھی کفر حقیقی شرعی پر اور کبھی کفرانِ نعمت پر لیکن ابد الابد کیلئے جہنم میں لے جانے والا کفر حقیقی شرعی ہے کفرانِ نعمت نہیں ہے۔

مطابقتہ للترجمة۔ مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة في قوله "يكفر بالعشيرة"

تعداد الحديث:۔ أخرجه البخاري هنا في الإيمان م. ورواه في الملقاة م. أيضاً م. مطولاً

وأيضاً في النكاح ۷۸۲ تا ۷۸۳ مطولاً۔

ترشح الفاظ کفران العشیر کفران اور کفر دونوں مصدر ہیں از باب نصر جس کے معنی لغت میں کسی چیز کے چھپانے کے آتے ہیں، کافر کو کافر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے اور احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ رات گئی لے کافر کہتے ہیں کہ وہ اپنی عظمت میں چیزوں کو چھپا لیتی ہے، نیز کاشکار کو کبھی باعتبار لغت کافر کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ بیچ کو زمین میں چھپاتا

ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے "رأيت الكافر يكفر في كافر" یعنی میں نے ایک کاشکار کو دیکھا جو رات کو کسبت کرتا تھا یعنی زمین میں بیج چھاتا تھا۔ اسی اعتبار سے کفر نعمت اور کفر ان نعمت کے معنی شکر ادا نہ کر کے نعمت کو چھاپنے کے آتے ہیں لیکن کفر ان کا استعمال اکثر و بیشتر کفر ان نعمت اور ناشکری کے لئے ہوتا ہے اور کفر کا استعمال کفر حقیقی اور کفر ان نعمت دونوں کے لئے برابر ہوتا ہے۔

تفسیر: یعنی معاشرہ یعنی زندگی کا ساتھی جس کے ساتھ زندگی بسر کی جائے یہاں مرد و زوج ہے۔ کفر و کفر کفر اس کا عطف ہے کفر ان پر اسی لئے کفر اول مجرور ہے دون کفر کلام اضافی ہے اور دون منصوب ہے ظرفیت کی بنا پر۔

بعض حضرات نے کفر و کفر دون کفر میں کفر اول کو مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں اعراب جگالی ہو گا اس لئے کہ یہ حضرت عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفر کا لفظ کفر حقیقی کے معنی میں بھی آتا ہے اور کفر ان نعمت و ناشکری کے معنی میں بھی، یعنی ایک ہے کفر اللہ اور ایک ہے کفر اللہ۔

کفر حقیقی کی وجہ سے انسان خارج عن الایمان واللہ ہو جاتا ہے اور کفر ان نعمت سے خارج عن الایمان نہیں ہوتا اسی وجہ سے کفر ان عشر کو امام بخاریؒ نے کفر دون کفر سے تعبیر کیا ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کفر بالشریعہ یعنی کفر حقیقی کی چار قسمیں ہیں: کفر انکار، کفر تجدد، کفر عناد، کفر نفاق۔ یہ چاروں کفر کفر حقیقی ہیں، کفر اللہ میں ان کے مرکب کی مغفرت ہو ہی نہیں سکتی اگر اسی پر خاتمہ ہو۔

کفر انکار: کہ نہ تو تعبدین علیٰ حاصل ہے نہ زبانی، ہر طرح سے خدا کا منکر ہو گا قال تعالیٰ ان الذین کفروا

سواء علیہم اآذرتہم ام لم تنذرہم لا یؤمنون۔

کفر تجدد: یہ ہے کہ دل میں تو یقین ہے مگر زبان سے اقرار نہ کرے جیسے ابلیس وغیرہ کا کفر۔

کفر عناد: یہ ہے کہ دل کی معرفت اور زبان سے اقرار دونوں ہوں مگر قبول ایمان بالتوحید نہ کرے چاہے حب جاہ و مال کی بنا پر جیسے ہر قتل یا تقلید آباء کی وجہ سے جیسے ابوطالب کا کفر۔

کفر نفاق: یہ ہے کہ زبان سے اقرار کیے مگر دل سے انکار ہو جیسے منافقین کا کفر۔

دون کے معنی: لفظ دون دو معنی کیلئے آتا ہے کسی معنی غیر اور بری کے اور کسی معنی اردن و قتل۔

نعت میں یہ دوسرا معنی اصل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ رافضی نے کہا ہے کہ دون کے معنی القاصر من الشیخ یعنی کم درجہ کی چیز، گھٹا درجہ و کمتر مرتبہ اور یہی راجح ہے، لکھانی قولہ تعالیٰ: ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ،

و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء پس کفر دون کفر کے معنی یہ ہوئے کہ بڑے کفر سے کم درجہ کا کفر۔ اس سے کفر کے درجات کا تفاوت ثابت ہوا۔

واما الکفر الذی ہو دون ما ذکرنا فالوجہ یقر بالرحمۃ والنبوة بلسانہ و یعتقد

ذلك بقلبه لكنه يرتكب الكبائر (علاء) یعنی وہ کفر جو کفر کے مذکورہ اقسام سے کم درجہ کا ہے کہ دل میں تصدیق و ایمان بھی ہے اور زبان سے اقرار بھی ہے لیکن کبار معاصی کا مرتکب بھی ہے مثلاً قتل کفران العشر وغیرہ۔ جیسے حدیث مذکورہ فی الباب اور ترجمۃ الباب میں ہے۔

خبر عن أبي سعيد الخدري قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول قال الله تعالى يا معشر النساء تصدقن فاني اوتيكن ائثار اهل النار الخ (دیکھئے بخاری ص ۳۳)

قبيل اليكمن بالله الخ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں کفر کا وہ درجہ مراد نہیں جو مخرج عن الاسلام و مانع عن النجاة ہے بلکہ اس سے کم درجہ کا کفر ہے جو ایمان کے مٹانی نہیں۔

یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ جہنم دکھلائی گئی جس میں اکثریت عورتوں کی تھی اور دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو دو دو عورتیں ملیں گی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں زیادہ عورتیں ہوں گی۔ حافظ ابن حجر اس کا جواب مذکور ہے، حضرت شاہ ابوالکشمیریؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ دو بیویاں عورتان جنت ہوں گی جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: لعلی امری و وجبتان من العرس اللین۔

ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابتداء جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی کفران عشر وغیرہ کی وجہ سے، مگر چونکہ مؤمنہ ہوں گی اس لئے سزا سبکتے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گی تو پھر جنت میں زیادہ ہوں گی۔

اگر غور کیا جائے تو بشرائط چار عورتوں سے نکاح کی اجازت میں ایک لطف اشارہ ہے (دیکھو کی پیدائش و تعداد زیادہ ہوں گی، واللہ اعلم)۔ (امداد الباری)

بدون تکرار روایات بخاری کی تعداد علامہ عینیؒ نے اس موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں حدیث ابن عباسؓ کا ایک ٹکڑا بیان کیا ہے،

اور دوسری جگہ اسی اسناد سے بوری حدیث نقل کیا ہے، اس تقطیع سے امام بخاریؒ کا مقصد مختلف قسم کے تراجم و عنوانات قائم کر کے فوائد کثیرہ کا استنباط کرنا چاہتے ہیں اور ان کا اس طرح کرنا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ وہ اس طرح حدیث میں اختصار کرتے ہیں کہ جس سے معنی میں کوئی خرابی و فساد نہ آئے۔ پھر لکھا کہ اس طرح ٹکڑوں کی وجہ سے بعض شمار کنندہ دالوں نے کل احادیث صحیح بخاری کی تعداد بدون تکرار کے کم و بیش چار ہزار لکھا ہے ابن صلاح اور امام نووی رحمہما اللہ اور بعد کے لوگوں نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے، حالانکہ بوری تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ بدون تکرار کل احادیث دو ہزار پانچ سو چوبیس ہیں۔ (عمدة القاری ص ۲۷۳)

باب المعاصی من أمر الجاهلیۃ ولا ینکفر صاحبها بارتکابها الا بالشک لفقول النبی صلی

لِلّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ أَمْرٌ فِیْكَ جَاهِلِیَّةٌ وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ
اَنْ یُّشْرَكَ بِهِ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَاِنَّ طَائِفَتًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اَقْتَتَلُوْا فَاَصْلَحُوْا بَيْنَهُمَا فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِیْنَ •

قرولہ بآب یجوز فی (لفظ) بآب التوفیق والإضافة الی الجملة الی بعدہ لان قولہ المعصی
مبتدأ وقولہ من امر الجاہلیۃ خبرہ، وعلى کل تقدیر فقد یدرک ہذا باب فی بیان ان المعاصی
من امور الجاہلیۃ۔ (علا)

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ تمام معاصی دور جاہلیت کی یادگار ہیں تاہم ان کے ارتکاب کرنے والے
دگاہ کرنے والے کو بجز شرک کے کافر نہیں کہا جائیگا اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابودرغنیہ) فرمایا
کہ ابھی تمہارے اندر جاہلیت کی فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ نسا میں) فرمایا کہ اللہ شرک کی مغفرت
نہ فرمائیں گے اس کے سوا جس کے گناہوں کو چاہیں گے بخش دیں گے (نیز ارشاد الہی ہے) اور اگر مسلمانوں کے دلوں
گردہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں باہم صلح کرادو۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں (باہم قتال کرنے والوں) کو مسلمان فرمایا
علامہ میں فرماتے ہیں وجہ المناسبة بین المبادین خلاصہ الیہ اس لئے کہ باب سابق میں کفرانِ شریعت
کا بیان تھا اور کفرانِ شریعت بھی من جملہ معاصی میں سے ہے۔

ربط

اس باب میں دو ترجمے مذکور ہیں مگر مقصود اصلی اول ترجمہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ ہے
اور یہی مقصود اصلی ہے دوسرے ترجمہ کو دفع دخل مقدر کیجئے۔

مقصد ترجمہ

یعنی ترجمہ الباب کے دو جز ہیں پہلا جز المعاصی من امور الجاہلیۃ یعنی معاصی زمانہ جاہلیت اور دوسرے جز
چیزیں ہیں، ہر معصیت میں کسی نہ کسی وجہ میں کفر کا رنگ جھلکتا ہے، اشارہ ہے کفر دونوں کفر کی طرف۔ لفظ
ان کا مغفرت ایمان ہونا یقینی اور واضح بات ہے۔

زمانہ جاہلیت سے مراد زمانہ فترت ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے حضور قدس صلی اللہ علیہ
وسلم کی بعثت سے پہلے تک۔

مطلب یہ ہے کہ ترجمہ میں امر جاہلیت سے مراد امور کفر ہیں کیونکہ اس زمانے میں کفر ہی کفر تھا، اب اندیشہ
تھا کہ اس ترجمہ سے خوارج و معتزلہ طبع خام پکانے کو تیار نہ ہو جائیں اس لئے امامؒ نے اس کے بعد لا ینکفر
صاحبہا ہارتکابہا الا بالشریک فرما کر اس طبع کو روک دیا کہ معاصی کفری کا شعبہ ہیں، مگر کفر دونوں کفر کی وجہ سے
سوائے کفر و شرک کے کسی معصیت کی بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کیجا سکتی۔

القول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ جز اول سے متعلق ہے، اور قول اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ
یُّشْرَكَ بِهِ الخ جز ثانی کی دلیل ہے۔

قرولہ لا ینکفر صاحبہا ہارتکابہا الا بالشریک اس سے خوارج و معتزلہ کی تردید مقصود ہے کیونکہ وہ

مترکب کسرو کو کافر و مخلد فی النار کہتے ہیں۔

اشکال جب معاصی اجزاء کفر ہیں تو ان کے مترکب کو کافر ہونا چاہیے، جب مبدأ اشتقاق پایا جاتا ہے تو مشتق کا اطلاق ضروری ہے۔

جواب :- علامہ ابن تیم رحمہ اللہ تعالیٰ "کتاب الصلوٰۃ و احکامہ" میں فرماتے ہیں کہ مبدأ اشتقاق کی موجودگی میں صدق مشتق عرفاً ضروری نہیں، عرف میں حمل مشتق تب ہوتا ہے جبکہ مبدأ اشتقاق کا مقدرہ درجہ پایا جائے اگر مبدأ اشتقاق نہایت ضعیف ہے تو وہاں مشتق کا اطلاق نہ ہوگا مثلاً علم بمعنی دانستن ہے پس اگر کوئی ایک آدمہ بات کا علم کہتا ہو تو اگرچہ لفظ وہ بھی عالم ہے مگر عرف میں اسے عالم کہنا صحیح نہیں، اسی طرح دو چار مسائل کو معلوم کر لینے سے نفیہ اور دو چار نسخے حاصل کر لینے سے طیب نہیں کہلا سکتا۔

اسی طرح اگرچہ ہر معصیت کفر کا جز ہے مگر جب تک کفر کا مقدرہ درجہ ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار یا علامات مختلفہ بالکفر کا درکتاب نہ پایا جائے گا اس وقت تک کافر ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے، اس لئے امام بخاریؒ نے لایکفر صاحبہا الا فرمایا۔

سوال لیکن اشکال اب بھی باقی ہے کہ قرآن عزیز میں ہے: وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ آیت میں تو ایک خاص معصیت پر اطلاق کفر ہے۔

جواب :- اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس آیت کی تفسیری میں اختلاف ہے، کسی نے کہا کہ یہ آیت اس صورت میں ہے کہ جب کوئی ما انزل اللہ کا انکار کرے، یہود آیت رجم کا انکار کرتے تھے اس لئے ان کے متعلق فرمایا گیا ہم الکافرون، جس طرح شیطان صرف ترک سجدہ سے کافر نہیں بلکہ اباہر واستکبار کی وجہ سے ابی و استکبر و کان من الکافرین۔

کسی نے کہا کہ وہ لوگ ما انزل اللہ کو حلال سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ رجم قاضی کی مصلحت پر موقوف ہے یعنی ما انزل اللہ کے خلاف کو حلال سمجھتے تھے۔

کسی نے کہا یہ آیت یہود کے حق میں ہے مسلمانوں کے حق میں نہیں۔

لیکن اس کا جواب یہ بھی ہے کہ ایک حکم ہے شخص معین پر اور ایک حکم ہے وصف عنوانی پر، دونوں میں فرق ہے لعنہ اللہ علی الکافرین کہنا تو درست ہے لیکن کسی خاص پر معین کر کے لعنت بھیجناد درست نہیں جب تک کہ اس کے خاتمہ علی الکفر لایقین نہ ہو، اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہمیں کسی خاص شخص پر لعنت کا حق نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر چکا ہو یا آئندہ توبہ کرے، اور جھوٹوں پر لعنت کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں جو علم الہی میں جھوٹا ہوگا کہ اس کی توبہ جھوٹ پر ہوگی اس پر لعنت ہوگی مگر زید پر لعنت ہے اس لئے کہ وہ جھوٹا ہے یہ درست نہیں ہو سکتا ہے وہ توبہ کر چکا ہو یا کرے، پس ہمیں رحمت خداوندی سے بعید ہونے کی بددعا درست نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے شخص واحد کے متعلق فرمایا لایکفر صاحبہا الخ اور آیت میں کسی شخص واحد پر

کفر کا حکم نہیں بلکہ ایک خاص وقت کے ترکیب پر حکم ہے وستان بینہما۔ (امداد الباری)

۲۹ • حدثنا عبد الرحمن بن المبارك قال حدثنا حماد بن زيد قال ثنا ابو رونس عن الحسن بن الاحنف بن قيس قال ذهبت لانسر هذا الرجل فلقيني ابوبكر فقال اين تريد قلت انصر هذا الرجل قال ترجع فارني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا التقى المسلمان يستقيهما فاقاتل والمقتول في النار قلت يا رسول الله هذا المقاتل فما بال القاتل قال اياه كان حريصا على قتل صاحبه •

ترجمہ: احنف بن قیس سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں (جنگ جمل کے دوران) اس شخص (حضرت علیؓ) کی مدد کے لئے چلا تو درائے میں) محمد کو ابو بکرؓ کے لئے اور پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا اس شخص (یعنی حضرت علیؓ) کی مدد کو گیا، ابو بکرؓ نے کہا واپس جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لیکر (آپس) بھر جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے (یعنی اس کا دوزخی ہونا ظاہر ہے) مگر مقتول کا کیا قصور ہے؟ (یعنی مقتول کیوں دوزخی ہو گا؟) آپؐ نے فرمایا وہ بھی اپنے ساتھی (مسلمان بھائی) کے قتل کا خواہشمند تھا۔

مطابقتی للترجمة: حدیث کی مطابقت ترجمہ الباب سے اس طرح ہے کہ ترجمہ الباب میں تمام کتب مصیبت کو کافر نہیں کہا جائیگا اور حدیث میں باہم قتال کرنے والوں کو مسلمان کہا گیا حالانکہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس سے مستزاد کا واضح طور پر رد ہو گیا۔

۳۰ • بعض نسخوں میں یہ حدیث مؤخر ہے لہذا اس حدیث پر مستقل علیحدہ ترجمہ الباب ہے یہاں حضرت معمر وائل یعنی حدیث ۳۰ سے ملاحظہ ہو عمدۃ، فتح، قسطلانی

تحدید الحدیث: - أخرجه البخاری هنا فی الایمان ص ۱۱۵ والیہ فی الایات ص ۱۱۵ فی الفتاویٰ ص ۱۰۳۹ تا ۱۰۴۰

ترجمہ: اس حدیث کا تعلق جنگ جمل سے ہے، حضرت احنف بن قیسؓ کہتے ہیں کہ جنگ جمل کے موقع پر میں حضرت علیؓ کی امانت کے امداد سے نکلا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے منع کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی لہذا اتفق المسلمان الخ تو میں ترک کیا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ احنف بن قیس کا یہ واقعہ جنگ صفین کے متعلق ہے قطعاً صحیح نہیں ہے، علامہ قسطلانی نے تصریح کی ہے کہ کان ذلک یوم الجمل - (ارشاد الساری ص ۱۹۹)

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ کان الاحنف اراد أن یموت بقرۃ الی علی بن ابی طالبؓ لیمقاتل معہ یوم الجمل فتوایا ابو بکرؓ فرج (فتح ص ۱۶ ص ۱۷)

یعنی اخف نے ارادہ کیا تھا کہ اپنی قوم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوم الجمل میں ان کے ساتھ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے) قتال کریں حضرت ابوبکرؓ نے منع کیا تو اخف واپس ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس وجہ سے منع کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ ظاہر ہو سکتا تھا کہ حق پر کون ہے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ بالکل کنارہ کش اور الگ رہے۔

اور اخف بن قیس بھی حضرت ابوبکرؓ سے منع کرنے پر جنگ جمل میں شریک نہیں ہوئے لیکن بعد میں جب اخف برحق واضح ہو گیا اور شہر صدر ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں تو اخف بن قیس جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑے۔

جنگ صفین کا واقعہ احقر نے نہر الباری کتاب المغازی میں بیان کر دیا، دیکھئے نہر الباری کتاب المغازی ص ۱۹۵

ص ۱۹۸ تک

اخف بن قیس ان کا نام ضحاک ہے اور کنیت ابو بکر بن قیس ہے قبیلہ سہمہ صحرہ اور اخف لقب کے ساتھ مشہور ہیں اور تائیدی ہیں، علامہ بیہقیؒ لکھتے ہیں اور ایک زمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اسلام فی عہدہ وسلم ہوا۔ (علاء) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے لیکن ایمان لانے کے بعد زیارت سے محروم رہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں شامہ میں کوفہ میں وصال ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ حالات کے لئے دیکھئے نہر الباری کتاب المغازی ص ۳۹۵ البدن وفات میں کتابت کی غلطی ہو گئی ہے صحیح یہ ہے کہ شامہ میں آپ کا وصال ہوا۔

۳۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلِ الْأَحْدَبِ عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ خُلْعَةٌ وَعَلَى غَلَامِهِ خُلْعَةٌ فَسَلَّمْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي مَسَّيْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأَمِّهِ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَعَيَّرْتَهُ بِأَمِّهِ إِنَّكَ أَمْرٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ إِيَّوَانُكُمْ حَوْلَكُمْ جَاهِلُكُمْ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمَهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَ لْيَلْبِسَهُ وَمِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تَكْلَفُوهُمْ مَا يَكْلَفُوكُمْ فَإِنْ كَلَفْتُمُوهُمْ فَأَعْيَنُوهُمْ ●

حضرت معمرؓ سے منقول ہے کہ میں نے مقام ربذہ میں حضرت ابوذرؓ سے ملاقات کی وہ ایک جوڑا

ترجمہ

پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی (ویسائی) ایک جوڑا پہنے ہوئے تھا میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا میں نے ایک شخص (یعنی غلام) کو برا بھلا کہا پھر میں نے اسے اس کہاں کی غیرت دلائی اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ابوذر! تو نے اسے ماں کی عار دلائی ہے بیشک تو وہ آدمی ہے جس کا جاہلیت کی فطرت ہے، تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارا ماتحت بنایا ہے پس جس کا بھائی

اس کا ماتحت ہو تو اس کو ذی کھلانے جو آپ کھائے اور وہی پہنائے جو آپ پہنے اور ان سے وہ کام نہ لو جو ان سے
دوسرے کے اگر ایسا کام لینا چاہو تو ان کی مدد کرو۔

مطابقتہ للترجمة | حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے "اذا لك امر أخيك جاهلية الخ" یعنی ترجمۃ الباب حدیث ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

مقدمہ میں واضح ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ کو تنبیہ تو فرمائی لیکن ایمان سے خارج نہیں بنایا
ہن ذرا ثابت ہو گیا کہ کسی معصیت پر کافر کچھ کی اجازت نہیں۔

تحدید الحدیث :- أخرجه للبزارى صنفه الايمان م الاضافه العتق م وفي كتاب
الادب م ۸۹۳ تا ۸۹۴۔

حضرت ابوذرؓ :- مختصر حال گذر چکا ہے دیکھئے نصر الباری کی تفسیر ص ۵۳۵۔

تشریح | روایت (البیہ الارواح) ذات حرق کے قریب ایک گاؤں ہے جو مدینہ منورہ سے تین سو میل کے فاصلہ
پر ہے اس جگہ فوج رہتی تھی یہ جگہ فوجی چھاؤنی تھی جہاں ہزاروں گھوڑے رہتے تھے۔

عقیدہ حلت | حدیث ایک ہی نوع کے دو کپڑوں کو کہتے ہیں، ایک تہجد کی جگہ اور دوسرا جسم کے بالائی حصہ پر
آٹھ کل کے عرق میں ڈالے سوٹ کہتے ہیں۔

وعلى غلامه حلاله اور ان کا غلام بھی ایک حد (سوٹ) پہنے ہوئے تھا۔

اب احتمال ہے کہ دون حد ایک قسم کے ایک ہی قیمت کے تھے اس صورت میں حضرت معرور اس مساوات کو
دیکھ کر غضب چڑھے اور سوال کیا مگر اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حد ایک ہی تھا مگر اس حد میں سے ایک کپڑا

حضرت ابوذرؓ کے جسم پر تھا اور ایک غلام کے بدن پر اور ایک کپڑا دوسرا قیمت کا دونوں کے بدن پر تھا اور اس
بے جوڑ سوٹ پر حضرت معرور کو غضب ہوا اور دریافت کیا کہ یہ کیا نقد ہے ؟ اگر آپ غلام کو اپنا ایک کپڑا

دیگر دوسرا قیمتی لے لیتے تو آپ کا پورا سوٹ یکساں ہو جاتا، جواب دیا کہ پہلے قصہ سن لو :- میں نے ایک شخص کو (یعنی
حضرت بلالؓ کو) گالی دی تھی اور جہاں لے لے "تہا ابن السوداء" لے گالی عورت کا گلا کا کہہ دیتا تھا تو انہوں نے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی اس پر حضورؐ نے فرمایا انک امر أخیک جاهلیۃ (تمہارے اندر
جاہلیت کی فطرت موجود ہے)۔

امر | اس لفظ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا میں کہہ لام کہہ کے تابع ہوتا ہے یعنی ہر جو حرکت
ہو گی وہی مار یعنی میں کہہ پر بھی ہوگی۔

اخوانکم خولکم بظاہر خولکم اخوانکم ہونا چاہئے مگر اس تقدیم و تاخیر میں اشارہ ہے کہ اخوة اصل
ہے باعتبار ولاد آدم ہونے کی وجہ سے، اور خادم و تابع، نوکر و غیرہ ہونا امر عارضی ہے لہذا غلاموں (اسی طرح

نوکر و دوسرے مردوں) کے ساتھ معاطات میں اخوة علیہ کو نہ نظر رکھنا چاہئے۔

فلیطعمہ معا یا کل اس سے کامل مساوات مراد نہیں ورنہ دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائیگا درحقیقت مساوات مقصود ہے چنانچہ مقام میں من تبعیض اس پر دل ہے، نیز دوسری حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب تمہارا خادم کھانا پکا کر لائے تو اسے بھی اپنے ساتھ کھانے کے لئے بٹھا لو اور اگر کسی دم سے ساتھ نہ کھلا سکو تو اس کو ایک دو تھے ہی دیدو لو کا قال۔

حضرت ابو ذرؓ نے اس حدیث سے مساوات کا اسر سمجھا، یا مطلب تو صحیح سمجھا کہ مقصود مساوات ہے مساوات ضروری نہیں مگر مع نظر اعلیٰ درجہ پر عمل کرنے کیلئے مساوات برتتے تھے جیسے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غلام کے ساتھ بیت المقدس کے سفر میں اونٹ پر سوار ہونے میں مساوات فرمائی جو ضروری تھی ایک منزل خود سوار لگتا اور ایک منزل غلام سوار ہوتا جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو غلام کے سوار ہونے کی باری تھی اس نے عرض کیا کہ آپ سوار ہوں مگر آپ نے قبول نہ کیا چنانچہ جب بیت المقدس پہنچے تو غلام اونٹ پر سوار تھا، تمام عیسائی علماء غلام پر کتب سابقہ کا نقشہ منطبق کر کے کہنے لگے کہ یہ وہ خلیفہ نہیں جس کا ذکر کتب سابقہ میں ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا یا امیر المؤمنین اونٹ کی ہمار پڑے ہوئے ہیں عیسائی کا پٹے لٹھے کہ جس شخص کے ہاتھ سے دم و فاس فتح ہوا اس کا یہ حال ہے۔ کھانے کی دگڑھے آپؓ کی قمیص پھٹ گئی تھی ایک یہودی کو روک کر نے کے لئے دی اس نے درست کر کے اس کے ساتھ ایک نئی قمیص بھی دیدی، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین یہاں کے لوگ متول ہیں اس لئے آپؓ یہ نئی قمیص پہن لیں، آپؓ نے فرمایا کہی بلا ایمان نصیحتہ لہذا برائی قمیص ہی لاؤ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

عیسائیوں نے امتحان کی غرض سے پورا بازار سجا کر عورتوں کو دکانوں پر بٹھادیا اور کہا کہ مسلمان فوج کے سپاہی جو کچھ مانگیں دینے میں چون و چرا نہ کرنا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فوج میں صرف یہ آیت پڑھ دی قل انظر من ینضول من البصار ہم یرعظون فرجہم ذلک انکم چنانچہ کسی سپاہی نے آنکھ اٹھا کر سبھی نہ دیکھا نصاریٰ نے اقرار کیا کہ ان کا مقابلہ دنیا نہیں کر سکتی۔ (ارشاد القاری)

• باب ظلم دون ظلم •

اس بات کا بیان کہ ظلم بعض ظلم سے ادنیٰ ہے۔

اس باب میں یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ظلم کے مختلف درجات ہیں، بڑا درجہ کفر و شرک ہے، لکھا قال تعالیٰ:

والکافرین هم الظالمین۔ ان الشراک الظلم عظیم۔

اور درمیان درجہ معاصی کا ہے، لکھا قال اللہ تعالیٰ: (مبدأ ذکر احکام النکاح والطلاق والرجعة و

الخلع) ومن تبعہ حدود اللہ فقد ظلم نفسه۔

اور ادنیٰ درجہ خلوتِ ادنیٰ ہے لکھا قال تعالیٰ: ولا تقربوا هذه الشجر فتکونوا من الظالمین۔ وقل

أمر عليه السلام "ربنا ظلمنا أنفسنا" وقال موسى عليه السلام "رب اني ظلمت نفسي فاغفر لي" وقال يونس عليه السلام "سجانيك اني كنت من الظالمين"

۳۱ • حدثنا ابو الوليد قال حدثنا شعبه ^ح قال رحدثني بشر قال حدثنا محمد بن شعبة عن سليمان عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال لما نزلت "الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانا منهم بظلم" قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اننا لم نظلم فانزل الله ان الشرك لظلم عظيم •

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمَنُ وَهُمْ مُبْتَدُونَ

نازل ہوئی تو صحابہ رضی عنہم نے عرض کیا ہم میں سے کوئی شخص ہے جس نے کوئی ظلم نہ کیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے (سورہ لقمان کی) یہ آیت نازل فرمائی "بے شک شرک بڑا گھماری ظلم ہے"

ترجمہ الباب ہے "بعض ظلم بعض ظلم سے ادنیٰ و گھٹیا ہے" اور حدیث الباب سے بھی معلوم ہوا کہ ظلم کے مراتب و انواع ہیں۔ ظلم کا بعض نوع کفر ہے اور بعض کفر سے کمتر و گھٹیا ہے۔ نیز آیت میں شرک و کفر کو ظلم کا ایک فرد بتایا گیا ہے پس مطابقت ظاہر ہے۔

تعداد الحدیث :- اخرج البجاری هنا في الايمان من في كتاب الانبياء ص ۳۳۷ وفي التفسير ص ۳۳۷ ايضا ص ۱۳۲ في كتاب استنباط المعاني ص ۱۳۲ ايضا ص ۱۳۵ ايضا مسلم ص ۳۳۷

تشریح لم یلبسوا کس یقع اللام از باب ضرب غلط کرنا کہ امتیاز نہ دے۔ بظلم ظلم کے معنی ہیں وضع الشیء فی غیر محلہ یعنی کسی چیز کو بے محل رکھنا۔ پس اس لغوی معنی کے لحاظ سے ہر عزم و گناہ ظلم ہے خواہ بڑا گناہ ہو یا چھوٹا۔

جب سورہ انعام کی آیت کریمہ "الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا ايمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمَنُ وَهُمْ مُبْتَدُونَ" نازل ہوئی تو چونکہ آیت کریمہ میں بظلم کا لفظ مذکور ہے اور لغوی کے تحت میں اور قاعدہ کہ جب نکرہ تحت النفی واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اس وجہ سے صحابہؓ پر شاق گذرا اور خود فرزندہ لگ گئے کہ دنیا میں کوئی شخص بجز انبیاء علیہم السلام کے کوئی بشر معصوم نہیں اور ہم الامن میں ہم کی تقدیم بغیر حصر ہے تو آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان اور ہدایت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم کے ساتھ غلط ملا نہیں کیا خواہ وہ ظلم بڑا ہو یا چھوٹا یعنی کوئی گناہ نہ کیا ہو، اسی بنا پر صحابہؓ نے عرض کیا ایتنا لعل بظلم ہم میں سے کوئی ہے جس سے کوئی گناہ نہ ہوتا ہو؟ تو کیا ہیں جہنم سے امن نہ ہوگا؟

اس کے جواب میں معلم الکتاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ یعنی ظلم بظلمتوں میں ظلم پر تنوین تعظیم کے لئے ہے لہذا اس سے ظلم کا سب سے بڑا درجہ اعلیٰ فرد یعنی شرک مراد ہے۔

اب یہ بحث رہ جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بظلم کی تنوین کو تعظیم کے لئے قرار دیکر ظلم عظیم سے تفسیر فرمائی ہے اس پر کوئی قرینہ ہے یا نہیں؟ حضرت نانوتویؒ نے منقول ہے کہ خود آیت کریمہ میں قرینہ موجود ہے اور وہ ظلم بظلمتوں میں ظلم بظلمتوں اور یہ معلوم ہے کہ اختلاط وہیں ممکن ہے جہاں دو چیزوں کا ظرف ایک ہی ہو، ظاہر ہے کہ چوری، زنا، شراب نوشی اور سہیذا بینی یہ سارے معاصی اعمال جوارح ہیں اور ایمان کا عمل ظرف قلب ہے تو لبس اور اختلاط اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دونوں کا ظرف داخل ایک ہو جیسے شربت اسی وقت بن سکتا ہے جب پانی میں شکر ملا دی جائے اس کے بعد امتیاز باقی نہیں رہتا، تو یہاں اگر جوارح کے اعمال مراد لئے جائیں تو اتحاد نہ ہوگا اتحاد تو جب ہوگا کہ ظلم کے وہ معنی ہوں جو ایمان کے عمل اور ظرف کا ظلم ہو اور یہ شرک و کفر ہے۔ تو حضور اقدسؐ نے آیت کریمہ کی مراد ظاہر فرمادی یہ مصداق ہے یتعلمہم الکتاب کا۔

حضرت شاہ اندکشیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بعینہ یہی توجیہ حضرت نانوتویؒ والی علامہ تاج الدین سبکیؒ نے بھی مرسد الافراح میں اپنے والد ماجد سے نقل کی ہے۔

زنجشیری کا استدلال | علامہ زنجشیریؒ نے لکھا ہے کہ ایمان و شرک آپس میں ضدین ہیں جن کا ایک محل میں اجتماع ناممکن ہے لہذا ظلم سے شرک نہیں مراد لیا جاسکتا ہے بلکہ کہاؤ

مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان کی حالت میں ارتکاب کبائر سے امن بن الئار نہ ہوگا۔

جواب ۱۔ جب معلم الکتاب صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کی تفسیر شرک سے کر دی ہے تو ہمیں کسی قسم کی لب کشائی کی اجازت نہیں۔

۲۔ اگر ہم زنجشیریؒ کی تفسیر قبول کر لیں تو بھی اس پر وہ اعتراض لازم آئیگا جو اس نے ہم پر وارد کیلئے باس طور کہ معتزلہ کے یہاں ارتکاب کبیرہ سے ایمان باقی نہیں رہتا لہذا ظلم معنی گناہ کبیرہ اور ایمان آپس میں ضدین ہونے تو اجتماع ضدین فی محل واحد لازم آئیگا فنا ہو جائیگا جو اکم فہو جوابنا۔

۳۔ نیز ہم یہ جانتے ہیں کہ وما یؤمنون الا وهم مشرکون میں اجتماع ضدین کیسے ہوا؟ زنجشیریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں ایمان سے ایمان شرعی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں، پس ہم بھی ظلم بظلمتوں میں ظلم بظلمتوں میں یہی کہتے ہیں کہ یہاں ایمان لغوی مراد ہے۔

۴۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ کے لئے دخول نارس امن نہیں یا خلود سے نہیں؟ اگر دخول نارس امن نہیں تو اسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور اگر خلود سے امن نہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ آیت کہ ان الله لا یغفر ان یشرکوا و یغفر ما دونه ذلک لمن یشاء اے زود کر لے

قوله فانزل الله عن رجل :-

اشکال | اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی حالانکہ دوسری روایت میں ہے کہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی ، یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

جواب :- کسی موقع کے مطابق کسی آیت کی تلاوت کو انزل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے اگرچہ اس کا تزل بہت پہلے ہو چکا ہو چنانچہ اگر صحیح کوئی چوری کرے تو اسے کہا جاتا ہے کہ السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما الخ تمہارے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔

یہ اصول قابلِ یادداشت ہے اس سے بہت سے مشکل مقامات حل ہو جاتے ہیں ۔ (ارشاد القاری)

• باب ۲۲ علاقۃ المنافق • منہ

منافق کی علامتوں کا بیان ۔

۲۲ • حدثنا سليمان بن ابراهيم قال حدثنا اسماعيل بن جعفر قال حدثنا نافع بن مالك بن ابی عامر ابو سہیل عن ابیہ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابیہ المنافق ثلاث اذا حدث کذب و اذا وعده اخلف و اذا اؤتمن خان •

۲۳ • حدثنا قیس بن عقیبہ قال حدثنا سفیان عن الاعمش عن عبد اللہ بن مسروق عن عبد اللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع من کت فیہ کان منافقا خالسا ومن کانت فیہ خصلۃ و نزلت کانت طہر خصلۃ و من النفاق حتی یدعها اذا اؤتمن خان و اذا حدث کذب و اذا عاہلک عذر و اذا خاصم فجع تابعہ شعبہ عن الاعمش •

ترجمہ | حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں جب یہ تین کتبہ تو جھوٹ بولے ، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس ممانعت دیکھی جائے خیانت کرے ۔

دوسری حدیث کا ترجمہ | حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ چیزیں ہیں پھر جیسے ہوگی وہ چھ منافق ہو گا اور جیسے ایمان چار باتوں میں سے ایک ہوگی اس میں سے ایک غفلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اس سے باقی جائے

جب اس کے پاس ممانعت دیکھی جائے خیانت کرے اور جب ہمت کرے تو جھوٹ بولے اور جب مخاطب کرے تو خلاف

مہر کرے اور جب کسی جھگڑے تو کالی گھوج پر اتر آئے۔ سفیان کی متابعت شعبہ نے کھٹش سے روایت کرنے میں۔
مطابقتہما للاتیحۃ:- ہر روایت کی مطابقت ترجمہ الباب سے بالکل واضح ہے۔

تعداد الحدیث:- اخرجہ البخاری ہذا منہ وایضا منہ ۳۶۸ تا منہ ۳۶۹ ایضا منہ ۳۸۳ ایضا منہ ۳۸۴
و مسلم شریف کتاب الایمان ص ۵۱۔

رابطہ ماقبل:- ماقبل کے باب میں ظلم کا تذکرہ تھا اور اس باب میں نفاق کا تذکرہ ہے جو متعلق ظلم ہے۔

ماقبل کے باب میں یہ بتایا گیا تھا کہ ظلم کے مختلف مراتب ہیں بعض ایسے ہیں جو ملت سے خارج کر دیتے ہیں اور بعض نہیں، اسی طرح اس باب سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ نفاق کے بھی مختلف مراتب ہیں۔

مقصد ترجمہ:- اس باب سے امام بخاری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جیسے ایمان و کفر اور ظلم کے مراتب ہیں اسی طرح کفر کی ایک نوع نفاق کے بھی مختلف مراتب و درجات ہیں، چنانچہ اس کی علامات بتاتے ہیں کہ جس میں زیادہ علامات ہیں وہ بکا منافق ہے اور جو کم ہیں وہ ناقص، پس معلوم ہوا کہ نفاق کے بھی درجات ہیں۔

اشکال:- باب کی پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جس میں منافق کی تین علامتیں بیان کی گئیں۔ اور دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق کی چار علامتیں ہیں، بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب:- عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

تذکرہ:- ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے تین علامتوں کی اطلاع دی گئی ہو پھر بعد میں چوتھی علامت کی اطلاع دی گئی ہو۔

تذکرہ:- امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت نقل کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علامات المنافق ثلاث الا (مسلم اول ص ۵۱)
اس میں بحث تبیین کے لفظ سے مطلب صاف ہو گیا کہ تین میں حصہ مقصود نہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں کی علامتوں کو جمع کیا جائے تو پانچ علامتیں ہو جاتی ہیں: کذب، خائنیت، وعدہ خلافی، عہد شکنی اور غیور۔ ان پانچوں کو تین ہی سے سمیر کیا جاسکتا ہے، چنانچہ غیور کذب کے تحت آسکتا ہے۔ جھگڑے میں آپ سے باہر ہو کر کالی گھوج پر اتر آئے کو غیور کہتے ہیں۔ نیز وعدہ خلافی اور عہد شکنی میں مصداق کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، ایسی صورت میں تین ہی خصلتیں رہ جاتی ہیں اور دونوں روایتوں کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

منافق کی تعریف:- منافق مشتق ہے نفاق سے، دل میں جو کچھ ہو اس کے خلاف ظاہر کرنے کو نفاق میں نفاق کہتے ہیں۔ اور شریعت میں ابطان الکفر و اظہار الایمان یعنی دل میں تو کفر ہو لیکن کسی غرض کی وجہ سے اپنی زبان سے اسلام کو ظاہر کرنا۔ یعنی منافق وہ ہے جس کا باطن کافر ہو

اور ظاہر میں مسلمان ہوا جو اس کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) قول عمل صحیح ہو یعنی ظاہر میں مسلمان ہو مگر اعتقاد خراب ہو، قرآن و حدیث میں منافق سے یہی قسم مراد ہوتی ہے یعنی منافق اعتقادی یہ منافق کافر بلکہ کافر سے بدتر ہے، لکائی التزلی العظیم ان المنافقین سف الذلیلہ الأسفل من الناس ۛ

(۲) اعتقاد صحیح ہو، دل سے مسلمان ہو مگر عمل خراب ہو یہ قسم منافق علی ہے جو ایمان سے خارج نہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: زعم ابن مسیّدہ انہ الدخول فی الاسلام من وجہ والخروج عند من آخر مشتق من نفاق الیہ یروع۔ (عدد ۱۷۱۷) یعنی ابن مسیّدہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں ایک طرف سے داخل ہونا اور دوسری طرف سے نکل جانا نفاق ہے اور منافق مشتق ہے نفاق سے۔

نفاق، گڑھ کا بل، گڑھ جنگلی جو ہے کے مانند ایک جانور ہے جس کو عربی میں یربوع اور صنب کہتے ہیں۔ اس گڑھ کی عادت ہے کہ وہ اپنے رہنے کی جگہ دو راستہ بناتا ہے ایک راستہ تو کھلا ہوا اور ظاہر ہوتا ہے اس کو قاصدا کہا جاتا ہے اور دوسرا راستہ جو اس کے مقابلہ میں ہوتا ہے وہ کھلا ہوا اور ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس جگہ کو صرف اندر سے کھوکھلا کر کے اتنا نرم کر دیتا ہے کہ ضرورت کے وقت اگر اپنی ایک ٹھوکر مارے تو اس راستہ سے آسانی کے ساتھ نکل سکاگے اس کو نفاق کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شکاری اس کو شکار کرنے آتا ہے تو یہ یربوع قاصدا سے اندر داخل ہو جاتا ہے اور شکاری یہ سمجھتا ہے کہ یہیں کہیں اندر چھپا بیٹھا ہے وہ اس قاصدا کا انتظار کرتا ہے پھر کھوڑتا ہے حالانکہ یہ نفاق سے بھاگ جاتا ہے۔

منافق کا یہی حال ہے کہ ایک راستہ سے اسلام میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے راستہ سے نکل جاتا ہے، لکائی القرآن الحکیم واذا نقول الذین امنوا قالوا امنا واذا خلقوا انشیاطینهم قالوا انما حکم ۛ یا اس وجہ سے کہ جس طرح یربوع (گڑھ) ایک راستہ کو کھوکھلا کرتا ہے اور دوسرے کو چھپاتا ہے اسی طرح منافق اسلام کو تو ظاہر کرتا ہے اور کفر کو چھپاتا ہے۔

یا اس وجہ سے کہ جس طرح گڑھ شکاری کو دھوکہ دیتا ہے اسی طرح منافق مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے۔

تشیع پہلی حدیث میں منافق کی تین علامتیں بتائی گئی ہیں ۛ اذا حدثت کذب جب کوئی بات کہے تو جھوٹ یعنی واقع کے خلاف کہے۔ مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹ بولے اس لئے کہ سزا اور عید کے لئے عہد کی قید ہوگی لہذا اگر کوئی شخص اپنی دانست میں صحیح کلمہ کہتا ہے اور وہ واقع کے خلاف ہے تو اس میں داخل نہیں، تیر جھوٹ کی علامت ہو۔

ۛ اذا وعد خلف جب کوئی وعدہ کرتے پورا نہ کرے، مطلب یہ ہے کہ وعدہ کرتے وقت ہی ایسا وعدہ کا ارادہ نہ ہو لیکن اگر وعدہ کرتے وقت ایسا وعدہ کا پختہ ارادہ ہو پھر کسی مجبوری یا معذوری کی بنا پر پورا نہ کر سکے تو اس میں داخل نہیں۔

۴۳۱ اذّا اُڑتھن خان جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرنے خواہ مال و متاع کی امانت ہو یا کسی نے مانگ کی بات کہی اس کو دوسروں پر ظاہر کر دیا تو نون محمد توں میں خیانت کے اندر داخل ہے جو متفاق کی علامت ہے۔

اشكال

اشکال اشکال یہ ہے کہ یہ علامتیں بعض مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں تو کیا انہیں بھی منافق قرار دیا جائے گا؟ حالانکہ جمہور علماء اسلام کا فیصلہ ہے کہ ایسا شخص مومن مسلمان ہے پھر حدیث شریفہ کا مطلب کیا ہوگا؟ اس اشکال کے پیش نظر علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کو مشکل الآثار میں شمار کیا ہے۔ اہل اس کے علاوہ جو اب میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں:-

علاوہ: قرآن حکیم میں منافق کی جو سزا اور وعید: کر کی گئی ہے وہ عقیدہ منافق کے متعلق ہے یعنی دلی تو کفر ہے مگر بھروسہ ہے اور صرف ظاہر میں مسلمان بنا ہوا ہے، اور حدیث میں مثل کا اتفاق مراد ہے جیسا کہ جھوٹ بولنا وغیرہ۔

مگر اس آیت المنافق میں الف لام عہد کی ہے جس سے مراد خاص جماعت ہے جو حضور اقدسؐ کے زمانہ میں تھے یعنی عہد النبیؐ بن ابی اور اس کے متبعین۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد زبردستی کے لئے ہے تاکہ مسلمان ان بری فعلتوں سے حق الامکان پر سیز کریں اور اجتناب کو ضروری سمجھیں۔

علاوہ یہ باب تشبیہ سے ہے یعنی ایسی شخصتوں والا انسان منافق کے مشابہ ہے جیسا کہ تارکِ صلوة۔

حسن بصری کا رجوع

حسن بصری کا رجوع حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ: مَنْ كَانَ فِيهِ ثَلَاثُ خِصَالٍ لَمْ يَخْرُجْ أَنْ يَقُولَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذِبَ، أَلْحَمِينَ مَسِيئِينَ

فصلتیں ہوں میں اسے منافق کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، وہ عذرہ کرے تو خلاف کرے، جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

ایک شخص نے حضرت عطاء کے سامنے حضرت منبجریؒ کا یہ قول نقل کیا تو حضرت عطاء نے فرمایا کہ ان سے کہنا کہ عطاء نے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے واقعہ کو یاد کیجئے اور یہ بھی کہ اتفاق کا لفظ اسی پر صادق آسکتا ہے جس کے دل میں ایمان درج ہو کیونکہ خداوند قدوس نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے ذلک بانتم امنوا شتم کفرنا پس جس کے دل میں کفر ہو اس کو منافق کیسے کہا جائیگا۔ اس شخص نے حضرت منبجریؒ کو سلام کا بیانیہ بیان کیا تو حضرت منبجریؒ نے کہا جزا اللہ خیرا اوما فی ما سے شروع کر لیا پھر حضرت منبجریؒ نے اپنے تلامذہ سے کہا اسی طرح اگر کوئی عالم میری بات کو نامصواب قرار دے تو تم مجھے مطلع کر دیا کرو۔

ظلم کرنے لکھا ہے کہ فرمان نبوی جوامع الکلم میں ہے کہ انسان میں تین چیزیں ہیں قول، فعل، نیت۔ یہ تینوں درست ہو جائیں تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے؟

اس طرح عمل کے تین درجے ہیں ایک دل کا فعل، دوسرا زبان کا، تیسرا جوارح کا۔ کذب قول کے فساد پر دل الہی ہے

نبات نعل کے نادر پر مبنی ہے اور وعدہ خلافت میں نیت کا نادر ہے۔

• بَابُ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدَرِ مِنَ الْإِيمَانِ •

شب قدر میں عبادت کرنا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

۲۴ • حَدَّثَنَا أَبُو الْإِيمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدَرِ إِيْمَانًا وَاجْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ •
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شب قدر میں عبادت کرے گا ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

مطابقت الترجمة :- مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة في قوله "من يقم ليلة القدر" تعدل الحديث :- أخرجه البخاري هنا في الصوم ۲۵۵، والبصائر ۲۴۔

ربط قبل | امام بخاریؒ کا اصل مقصد تو امور ایمانیہ کو بیان کر کے فرق باطلہ مرحبہ اکر امیہ رجحانہ اور معتزلہ و خوارج کی تردید ہے۔ درمیان میں استطرادی اور ضمنی طور پر چار ابواب کو بیان کیا تھا "لَا تَأْتُوا الشَّيْءَ نَحْبًا وَلَا بَعْدًا"۔

اب ضمنی ابواب سے فارغ ہو کر اصل مقصد ایمان کے اجزاء اور متعلقات کی طرف رجوع فرماتے ہیں گزشتہ ابواب میں ایمانیات سے متعلق آخری باب "افشاء السلام من الاسلام" تھا جس میں سلام کا تذکرہ تھا اور اس باب میں غصہ قد کا تذکرہ ہے جس میں فرشتے سلام کی اشاعت کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ شب قدر میں حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں آتے ہیں اور شخص کو نماز، تلاوت قرآن اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں اسے سلام کہتے ہیں: یعنی ان عابدین وذاکرین کے حق میں رحمت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں اور یہ سلسلہ تک جاری رہتا ہے، کمالی القرآن الکريم:

مَنْزِلَ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا مَبَازِيحٌ رِيحٌ مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (سورة القدر)۔
اس رات میں فرشتے اور روح القدس (جبریلؑ) اپنے پروردگار کے حکم سے امر خیر کو لیکر آتے ہیں وہ غصہ قدر طلع فجر تک رہتی ہے۔

سوال :- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باب افشاء السلام اور قیام لیلۃ القدر میں چار بابوں کا فاصلہ کیوں ہے؟

جواب :- حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا نور اللہ مرقدہ سے جواب منقول ہے، امام بخاریؒ نے یہ طریقہ اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کی وہ نفیلت جو احادیث میں وارد ہوئی ہے

وہ شب تدری کسی خاص آن کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ آئی اور ختم ہوگئی بلکہ وہ پوری شب میں مست ہے۔
دوسرا ربط :- گزشتہ باب میں علامات نفاق کا ذکر تھا اور اس باب میں علامات ایمان کا ذکر ہے۔

قولہ ایماناً قر احتساباً ہر عمل و عبادت کے لئے سب سے پہلی شرط ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل کارآمد نہیں سب بیکار ہوگا، یہی وجہ ہے کہ کفار کے اعمال بیکار ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَمِمْحَانٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مَتَا كَسَبُوا عَلَيْهِ شَيْئًا ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْعَبِيدُ۔

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو جس کو تیز آندھی کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے اور ان لوگوں نے جو کچھ عمل کئے تھے اس کا کوئی حصہ (یعنی نفع) ان کو حاصل نہ ہوگا یہی بڑی دور درازی گمراہی ہے۔
 (سورۃ الاحقاف)

اس آیت نے یہ امر واضح کر دیا کہ کفار کے اعمال چلے وہ کتنے ہی بھلے معلوم ہوتے ہوں اور مخلوق ان سے کہتے ہی فائدے کیوں نہ اٹھا لے گی، مگر یہ راکھ کے ڈھیر کی طرح قیامت میں اڑ جائیں گے اور وہ حسرت کرتے رہ جائیں گے۔
 معلوم ہوا کہ بغیر ایمان کے اعمال کچھ اعتبار نہیں۔
 دوسری جگہ (سورۃ نور میں) فرمایا :-

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا حَبَسَ لَهُمُ الْيَوْمَ هَوْبَةُ اللَّهِ أَنَّ اللَّهَ وَعَدَهُمْ قَوْلَهُ حَسَابُ اللَّهِ وَاللَّهُ مَرِيعُ الْحِسَابِ۔ (سورۃ نور)

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چلتا ہواریت کہ پیاسا اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے مگر جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ نہ پایا اور خدا والہی یعنی موت کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب اس کو برابر سرا بر جکا دیا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب۔
 جن کافروں نے سمجھا تھا کہ ہم بڑے بڑے کام کرتے ہیں، ہزاروں مخلوق کے کام آتے ہیں سب رائیگاں جائیگا؟ انہیں جواب دیا کہ اللہ پر ایمان کے بغیر کوئی عمل قیمتی نہیں، دنیا میں دیکھو باغی کے کسی اچھے عمل کی کوئی قیمت حکومت کی نگاہ میں نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے باغی کا کوئی عمدہ عمل بھی بے وزن ہے۔

احتساب :- یہ دوسری قید ہے یعنی قیام کا منشاء ایمان باللہ اور طلب ثواب ہو۔
 عمل صالح اگرچہ ویسے بھی موجب ثواب ہے مگر اس میں ثواب کی نیت کر لینا بھی ایک مستقل عمل ہے جس پر مزید ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح جن اعمال کے کچھ خواص منقول ہیں ان کے ادا کرتے وقت ان کی خاصیت کا تصور اور اس کی تحصیل کی نیت سے خمرہ جلدی مرتب ہوتا ہے۔
 حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے انفاس العارفین میں ایک قصہ تحریر فرمایا ہے، کہ ایک بزرگ نے طویل مدت تک مجاہدہ کیا، آواز آئی کہ عبادت کس لئے کر رہا ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟ ہم دیتے ہیں۔

جواب دیا کہ میں کچھ نہیں چاہتا، فرمایا تو عبادت کیوں کرتے ہو؟ جواب دیا کہ میرا کام یہی ہے کیوں کہ میں اسی لئے پیدا ہوا ہوں۔ جیسے گائے کا کام دودھ دینا ہے کہ اس سے کوئی چارہ ہی نہیں۔ جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ جو تو چاہتا ہے وہ بھی دیتے ہیں اور جو نہیں چاہتا وہ بھی دیتے ہیں۔

اگرچہ غلاموں کا تو یہی وظیفہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کی تحصیل کی نیت بھی قبیح نہیں بلکہ یہ بھی ایک مستقل ثواب ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایمان نادار احتساباً عبادت کرنے والے کو دوا جرح ہے۔

قرآن غفرلہ ما نقدر من ذنبہ اس سے صفا مراد ہیں اور غفر کیا مراد مفوض الی اللہ ہے یعنی بدوین تو یہ بھی معاف ہو سکتے ہیں مگر ضابطہ اور وعدہ نہیں۔

اشکال | حدیث اب میں یہ فرمایا کہ لیلۃ القدر کے قیام سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور آگے چل کر باب تطہیر قیام رمضان من الایمان کے تحت حدیث ہے من قام رمضان والحدیث جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا رمضان قیام کرے تب گناہ معاف ہوں گے۔

وجہ تطبیق | درحقیقت مقصود تو قیام لیلۃ القدر ہی ہے اور مغفرت ذلالت کا وعدہ اسی پر ہے مگر چونکہ لیلۃ القدر متعین نہیں سارے رمضان میں دائر ہے لہذا قیام لیلۃ القدر کا یقینی طور پر حاصل ہونا پورے رمضان کے قیام پر موقوف ہے اس لئے لیلۃ القدر کے ساتھ من تقسم بعینہ مفسر فرمایا اور رمضان کے ساتھ من قائم بعینہ ماضی لائے کیونکہ رمضان میں قیام لیلۃ القدر کا حصول متیقن ہے پس دلالت علی التیقن والتحقق کے لئے عینہ ماضی لائے بخلاف اس کے کہ صرف لیلۃ القدر میں قیام کرنا چاہے تو چونکہ اس کا یقینی طور پر علم نہیں ہو سکتا اس لئے عینہ مفسر سے بیان فرمایا جو دال علی التردد ہے۔

لیلۃ القدر | لیلۃ القدر (شب قدر) سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق تقریباً پچاس اقوال ہیں جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئیگی ان شاء اللہ۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر (شب قدر) رمضان شریف میں ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ حدیث صحیحہ نے بتایا کہ رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں بالخصوص عشرہ کی طاق راتوں (۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) کی راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہئے پھر طاق راتوں میں بھی تیسویں شب پر گمان غالب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

لیلۃ القدر کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ ہو گا۔ قدر کی رات۔ لفظ قدر متعدد معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱) بمعنی تقدیر، اس لحاظ سے اس رات کو لیلۃ القدر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس رات میں منتظمین فرشتوں کو سالی بھر کے سارے معاملات کی اطلاع دی جاتی ہے اور ان کے امور مخصوصہ کو ان کے حوالہ کیا جاتا ہے کسی کی موت، کسی کی زندگی کسی کا عروج کسی کا زوال اسی طرح رزق کی کمی و زیادتی وغیرہ۔

(۲) عزت و عظمت کے معنی میں، یعنی عزت کی رات، عظمت والی رات۔ لیلۃ القدر خیر من الف شہر ای

رات میں قرآن مجید نازل ہوا انا اتزلناہ فی لیلۃ القدر وغیرہ نیزہ عزت و عظمت عابدین کے بھی متعلق ہو سکتی ہے کہ اس رات میں عبادت کرنے والوں کی غذا اللہ بڑی قدر و منزلت ہے۔
(۳) وہ عبادت جو اس رات میں کی گئی دوسری راتوں کی عبادت کے مقابلہ میں ان کی قدر و منزلت اور عزت زائد ہے وغیرہ وغیرہ۔

باب الجہاد من الایمان •

جہاد ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

۲۵ • حدثنا حرمی بن حصیب قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا عمارہ قال حدثنا ابو زرعة بن عمرو بن جریر قال سمعت ابا هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال استدب الله عز وجل ليعن حرج في سبيله لا يخرجني الا ايمان بي وتصديق برسلي ان ارجعكم بما نال من اجر او غنيمة او ادخله الجنة ولولا ان اشدق على امتي ما قتلت خلف نصرتي ولولا اني اقتل في سبيل الله ثم احبب ثم اقتل ثم احبب ثم اقتل •
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ترجمہ

زمرہ داری لے لی ہے جو اس کے راستہ میں جہاد کے لئے نکلتے اور اس کا ہلکا محض اللہ پر ایمان اور اس کے رسول کی تصدیق کی بنا پر ہو کہ میں اس کو اجر و غنیمت دے کر واپس لوٹاؤں گا یا اس کو جنت میں داخل کر دوں گا (حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اور اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں کسی سریت (محرک جہاد) میں جاؤں سے نہ کرتا اور میری دلی تمنا ہے کہ اللہ کے راستے شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

ربط قبل

اس سے پہلے باب میں لیلۃ القدر کا بیان تھا اور ظاہر ہے کہ لیلۃ القدر کی تلاش میں مجاہدہ کرنا شرط ہے مشقت اٹھانی پڑتی ہے نیز اہل و عیال سے علیحدگی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے جہاد میں بھی زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے اور اہل و عیال سے دور رہنا پڑتا ہے، نیز شب قدر کی تلاش میں محنت و مشقت اٹھانے کا مجاہدہ کر کے شب قدر کی جستجو کرتے ہیں پھر وہ کسی میسر آتی ہے کسی نہیں۔ اسی طرح مجاہد فی سبیل اللہ بھی علاوہ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد و مجاہدہ کر کے شہادت کا طالب ہوتا ہے، پھر کسی شہادت کا شرف حاصل ہوتا ہے کسی نہیں، پس دونوں بابوں میں قوی مناسبت ہوگئی۔ الغرض دونوں میں جدوجہد ہے اور دونوں میں الایمان ہیں۔

مطابق للترجمة :- ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت من حرج فی سبیلہ الخ۔

تقدیر دلی حدیث :- اخریٰ من البجاری فی الایمان منہ والیضا فی الجہاد منہ ۳۹۶ والیضا منہ ۳۹۷ والیضا منہ ۳۹۸

ایضاً ص ۱۰۴ ایضاً ص ۱۱۱ و مسطور ثانی ص ۱۳۳۔

اشکال

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ جہاد مع النفس اور جہاد مع الکفار۔ اور ظاہر ہے کہ جہاد مع الکفار میں مشقت زیادہ ہے، زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے اس لحاظ سے جہاد کو لیلۃ القدر پر مقدم کرنا چاہیے۔

جواب :- جہاد مع النفس کا درجہ بلند ہے اس سے انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا تابع بناتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے الجہاد من جاهد نفسه یعنی کامل مجاہدہ شخص ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے کیونکہ انسان کے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے۔ لہذا نفس سے جہاد اعلیٰ ہوگا۔ نیز جہاد مع الکفار کا موقع تو کبھی کبھی بستر ہوتا ہے بخلاف نفس کے کہ اس سے ہر وقت جہاد کرنا پڑتا ہے، پھر دشمن سے جہاد و قتال کرتے ہیں کبھی کبھی انسان کو مزہ کبھی آتا ہے اور اپنے نفس سے مجاہدہ میں کوئی لذت نہیں حاصل ہوتی اس لئے جہاد مع النفس اہم ہے جہاد مع الکفار سے، بلکہ جہاد مع النفس متوقف علیہ ہے جہاد مع الکفار کے لئے کیونکہ جب تک اپنے نفس سے جہاد کر کے اپنے نفس کو متراض نہ بنا لیا گیا اور اس پر قابو یافتہ نہ ہوگا جہاد کیلئے کمر بستہ ہونا ہی دشوار ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں سیکڑوں دس دس و خطرات دہن میں آویں گے کہ اگر میں شہید ہو گیا تو میرے اہل و عیال یا بال بچوں کا کیا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے جہاد مع النفس کو پہلے بیان کیا تاکہ اس کی وجہ سے تمام دس دس ختم ہو جائیں۔ اگر جہاد مع النفس کے بغیر جہاد مع الکفار کر لیا تو یا تو مال غنیمت کی حرص و طمع میں کر لیا یا کسی انتہائی جذبہ کے ماتحت اپنے نفس کا غصہ اتارنے کیلئے یا لڑائی کی لالچ میں یا کسی اور غرض فاسد سے جہاد کر لیا جو درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ نہ ہوگا اس لئے جہاد مع النفس کو مقدم کیا۔

حل لغا

استندب بکسر الهمزة وسكون النون دفع التاء المشاة من فوق الدال الهمزة وفي آخره باء یہاں معنی تکفل ہے، جیسا کہ کتاب الجہاد ص ۳۳ میں ہے تکفل اللہ من جاهد فی سبیلہ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لے لی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا کفیل و ضامن ہو جاتا ہے۔

لا ینخرجہ الا ایمان مرفوع لا نہ فاعل ینخرجہ۔ و تصدیق برسنی مشہور و اکثر نسخہ میں یہاں داو ہی ہے، جیسا کہ شروع بخاری عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ میں داو ہی ہے، نیز ہمارے ہندوستانی نسخہ کے حاشیہ پر بھی یہ نسخہ موجود ہے اور داو کی صورت میں کوئی اشکال بھی نہیں کیونکہ ایمان بالشر بھی ضروری ہے اور تصدیق رسول بھی۔ لیکن ہمارے ہندوستانی نسخہ کے متن میں ہے او تصدیق اس صورت میں اشکال وارد ہوگا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک کاafi ہے حالانکہ اگر کسی شخص کا ایمان صرف اللہ پر ہو اور اس کے رسول پر نہ ہو یا صرف رسول پر ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ ہو تو اجماعاً ایسے نجات نہیں مل سکتی۔

جواب یہ ہے کہ اگر لفظ آخر کو تحبیر یا تنوید بن لایا جائے تو بے شک اعتراض وارد ہوگا، اور اگر آخر کو واو کے معنی میں لیا جائے تو دوسرے نسخہ کے قریب سے کوئی اشکال نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر لفظ آخر کو شک راوی کے لئے لیا جائے کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک ہی فرمایا تھا راوی کو صحیح الفاظ یاد نہیں تھے تو روایت بالمعنی

کے طور پر کہا اور تصدیق برسی۔ اس صورت میں بھی کوئی اشکال نہ ہوگا، کیونکہ ایمان بالشر مستلزم ہے تصدیق بالرسول اور تصدیق بالرسول مستلزم ہے ایمان بالشر کو۔

ان ارجحة: بفتح الهمزة از ضرب رجع رجعا لوٹانا، یعنی واپس لوٹا لوٹنا۔ اور یہ رجع رجع رجوعاً لازم بھی مستعمل ہے بمعنی لوٹنا مگر یہاں اول معنی متعدی ہی ہے بعض لغتوں میں معجم الهمزة بھی آیا ہے۔
من اجر وغنیمة یہاں آواز غنیمة کے لئے ہے مانعہ الجمع مراد نہیں یعنی کم از کم ایک، یعنی اجر تو ملیگا ہی ہو سکتا ہے کہ اجر اور غنیمت دونوں ملیں۔

یا آذ بمعنی داو لیا جائے جیسا کہ مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے من اجر وغنیمة الخ۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اصل عبارت ہے من اجر فقط، اور اجر مع غنیمة اس میں چونکہ تکرار تھا اس لئے اختصار کے لئے دوسرے اجر کو حذف کر دیا گیا۔

اور ادخلہ الجنة یہاں آذ انفصال کے لئے ہے کہ یہ دونوں نہ جمع ہو سکتے ہیں اور نہ مرتفع ہو سکتے ہیں، بہر کیف دو باتوں میں سے ایک ضرور ملے گی اگر زندہ واپس لوٹے تو اجر تو ہر حال میں اور اکثر غنیمت بھی، اور اگر شہید ہو گئے تو سیدہ جنت میں بہر حال فائدہ ہی فائدہ ہے، لہذا قال اللہ تعالیٰ:-

قل هل ترصون بنا الا احدى العشیرین
ورضن نقرضکم بکم ان یصیبکم اللہ بعد ان یب
من عندہ اور یا یما حشر بقصر انا معکم
متر تصون۔ (سورہ توبہ)
تم تو ہمارے حق میں دو بہتر لوگوں سے ایک کے منظر رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں سے تم پر عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے تم بھی انتظار کر دو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔

ولو لا ان اشتق علی امتی الخ۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سریت کے ساتھ تشریف لے جاتے تو امت پر مختلف مشکلات پڑ جاتیں مثلاً (۱) ہر آنوالے خلیفہ و حاکم پر ہر سریت کے ساتھ نکتہ فاجب ہو جاتا۔

(سریہ اور غزوہ کی تشریف اور فرق کے لئے نصر الباری کتاب المغازی دیکھئے)

(۲) اگر آپ مدینہ منورہ میں رہ کر بعض اہم امور کا انتظام نہ فرماتے تو مؤمنین کے لئے باعث مشقت ہوتا۔

(۳) ایسے معذورین جو جہاد میں شریک نہ ہو سکتے تھے ان کی دل شکنی ہوتی لہذا ان کی تالیف قلب کے لئے بعض مرتبہ آپ بھی ان کے ساتھ مدینہ منورہ میں قیام فرماتے۔

ولو جدت کافی احتل الخ یعنی مجھے جہاد فی سبیل اللہ میں ایسی لذت آتی ہے کہ ایک دو بار نہیں بلکہ جی چاہتا ہے کہ بار بار جہان دیتا ہوں۔

شہید کے اور صدیق کا درجہ ہے اور اس کے اوپر نبی کا پس نبی شہید سے افضل بہر تین ہوا
تو آپ نے شہادت کی تمنا کیوں فرمائی؟

اشکال

جواب:- ما اس اظہار تمنا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد امت کو جہاد کی رغبت اور شہادت کا شوق دلانا ہے۔

علا بل تشبہ بتواتر و رسالت شہادت سے اعلیٰ اور افضل ہے مگر اس افضل کے رہتے ہوئے بھی کبھی کبھی بعض وجوہات کی بنا پر معذول کی خواہش ہوتی ہے جیسے کسی کے سامنے بلاؤ، قورمہ سے بھرے ہوئے برتن رکھے ہیں وہ اس میں سے کھار رہا ہے اور بطور تعفن ذائقہ برتنے کیلئے اس کو چٹنی کی خواہش اور تنہا ہوتی ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو معزول فرمادیا تو حضرت خالد نے ایک مسرت کا اظہار فرمادیا کہ اب تک لشکر کو لڑانا تھا اب خود لڑو لگا لگا ہر ہے کہ جہنم کا درجہ سچا ہی سے کہیں زیادہ ہے لیکن سچا ہی بن کر کڑے میں ایک خاص قسم کا لطف ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر جنت ملی گئی تو محض ایک مصلیٰ کی جگہ اللہ تعالیٰ سے طلب کروں گا جس میں عبادت ہی کرتا رہوں گا۔ دیکھئے جنت و لا تشکیل نہیں مگر لذت عبادت کی وجہ سے تنہا فرما رہے ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے کہا کہ آپ کی قبر حضرت نافوئی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کے پاس ہو تو کیسا ہی اچھا ہے؟ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ میں تو یہ نہیں چاہتا، میری تنہائی ہے کہ اللہ کے راستہ میں میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

• بَابُ تَطَوُّعِ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ •

رمضان کی راتوں میں نفل عبادت بھی ایمان کا جزو ہے۔

۳۷۲ • حَدَّثَنَا اسْمَعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاجْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ • حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان میں (راتوں کو) ایمان کے ساتھ نوافل کی نیت سے قیام کرتا ہے (یعنی تراویح کے لئے اللہ کے حضور کھڑا ہو کر ہے) اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

مطابقتہ للترجمة :- مطابقتہ الحدیث للترجمة ظاهر فی قوله "مَنْ قَامَ رَمَضَانَ" •

تقدیر الحدیث :- أخرجه البخاری هنا مشروا ایضاً فی الصوم ص ۲۶۹ •

تشریح حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ علماء محدثین نے جو اعمال کو ایمان میں داخل رکھا ہے ان میں دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ فقط فرائض ایمان میں داخل ہیں، دوسری جماعت فرائض و نوافل و جلہ اعمال کو داخل فرماتے ہیں۔ غالباً امام بخاری نے اس ترجمہ میں لفظ تطوع زاد فرما کر قول ثانی کے رجحان کی طرف اشارہ فرمادیا۔ واللہ اعلم (الابواب والترجمہ)۔

تطوع قیام رمضان سے مراد تراویح ہے جو رمضان المبارک کی راتوں کا مخصوص عمل ہے، اس کے علاوہ شہد، نوافل، تلاوت قرآن وغیرہ سب اپنے اپنے درجہ میں قیام میں شامل ہیں۔

البتہ نوافل کی جماعت خواہ تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح، صلوٰۃ کسوف و استسقاء کے اگر تین سے زائد مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے البتہ دین میں کراہت نہیں۔

• باب سوم رمضان احتساباً من الایمان •

ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھنا ایمان کا شعبہ ہے۔

۳۷ • حدثنا ابن سلاّم قال اخبرنا محمد بن فضیل قال حدثنا یحییٰ بن سعید عن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدمه من ذنوبه •

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے گا اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

مطابقتہ للترجمۃ :- مطابقہ الحدیث ظاہر فی قولہ من صام رمضان ايماناً

تعدد الحدیث :- اخرجه البخاری هنا حدیث من اخرجه بتمام فی الصوم ۳۷۵ وایضاً ص ۲۷۰

تشریح حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ رمضان میں روزہ رکھنا ان دو شرطوں (ایمان و احتساب) کے ساتھ مغفرت ذنوب کا ذریعہ ہے۔ رمضان المبارک کا پورا مہینہ خیر و برکت کا مہینہ ہے رحمت الہی جو شش میں ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رمضان کی پہلی رات سے اعلان شروع ہو جاتا ہے:

یا باغی الخیر اقبل و یا باغی الشر اقص۔ اے خیر کے طلبکار (یعنی اور ثواب کے طالب) آگے بڑھ (اور رحمت سے بھر پور فائدہ حاصل کر) اور بدی کے چاہنے والے (وگے جا (مشکوٰۃ) یعنی شروع برائی بالکل چھوڑے تاکہ خسارہ سے بچ جائے)۔

ایک حدیث میں ہے: رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يَغْفَرَ لِنَفْسِهِ (یعنی خاک آلود ہوا اس شخص کی ناک کہ جس پر رمضان آیا پھر وہ ختم ہو گیا اس سے پیشتر کہ اس شخص کی بخشش کی جائے) اور اس سے سنت و عید اس حدیث میں ہے جو کعب بن عجرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے قریب ہو جاؤ، پہلوگ قریب ہو گئے تو آپؐ میرے چڑھے، جو ایسی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا فرمایا "آمین" پھر دوسرے زین پر قدم رکھا تو فرمایا "آمین" اسی طرح تیسری سیڑھی پر بھی قدم رکھتے ہوئے آپؐ نے فرمایا "آمین" ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آج یہ نئی بات کیسی گئی؟ فرمایا ہاں ہوا یہ کہ اس وقت جبریل امین میرے سامنے آئے تھے جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی میں نے کہا آمین، پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو جبریل نے کہا "ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین"

جب میں تیسرے درجہ پر پہنچا تو چہرے نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پا رہے
اور وہ اس کو جنت میں داخل ذکر کرتے ہیں کہ کیا آمین :-

اللہ کے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی راتوں کے قیام اور دن کے روزے کو مغفرت کا ذریعہ
قرار دیا اور تمام بخاریوں نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق انہیں ایمان میں داخل بتایا۔

یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ صوم رمضان فرض ہے اور قیام رمضان یعنی تراویح سنت۔ تو پہلا
ترتیب صوم رمضان کو قیام پر مقدم ہونا چاہیے تھا ترتیب میں تطوع کی تقدیم فرض پر کس وجہ
سے ہوئی ہے۔

جواب :- رمضان المبارک کے اعمال میں سب سے پہلے عمل قیام رمضان کا ہے کہ چاند نہ دیکھتے ہی شروع
ہوجاتا ہے کیونکہ شریعت میں رات پہلے جرتی ہے اور دن بعد میں۔ تو چاند نہ دیکھنے کے بعد پہلے رات ہی کو قیام
رمضان کا عمل یعنی تراویح پڑھی جاتی ہے اور روزہ دن کو رکھا جائیگا۔

۲ :- تطوع قیام رمضان تنہید ہے صیام رمضان کی، اور یہ قاعدہ ہے کہ تنہید کو اصل سے مقدم رکھا جاتا ہے، بعض
حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنے اس ترتیب سے شاید اشارہ کیا ہے کہ قرآن میں سنت کے راستے سے
داخل ہونا چاہیے کیونکہ مجہولیت کا راستہ یہی ہے۔

بابُ الذِّينِ يُسِرُّونَ

دین اسلام آسان ہے۔

● قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم احبُّ الذین الی اللہ العفیفین السَّعِدَةُ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ دین برحق ہے جو سیدھا
اور آسان ہے۔

● ۳۸۔ حدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ قَطَرٍ قَالَ نَا عَمْرُ بْنُ قُلَيْبٍ عَنْ مَعْنِ بْنِ مَعْمَرٍ
الْبَغْدَادِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَخْبَرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّ دَوَارَ
قَارِبِلَ وَابْتِزُوا وَاسْتَعِينُوا بِالْقُدْرَةِ وَالْمَرْحَةِ رُسُلِي مِنَ الدَّلَالَةِ ●

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ دین اسلام آسان ہے
اور دین میں جو بھی تشدد اختیار کریگا دین اس پر غالب آجائیکا اس لئے میاں دروی اختیار نہ کرو اور
قریب قریب رہو اور رحمت الہی امید سے خوش رہو اور صبح و شام اور آخر شب کے اوقات نشاط سے دلچسپی
اعمال کے لئے مدد حاصل کرو۔

مطابقتہ للترجیمہ :- مطابقتہ الحدیث للترجیمہ ظاہر فی قلبہ انہ الدین یسر :-

تعدد الحدیث :- اخرج البخاری عنہما ایضاً اخرجہ مع شئی من المقص والنہیۃ ۱۵۵ :-

الشکال :- اس باب کا ماقبل اور مابعد کے ساتھ بظاہر کوئی ربط نہیں۔

جواب :- باب سابق میں صوم رمضان کا ذکر تھا اور قرآن مجید میں حکم صوم کے بعد ارشاد الہی ہے : یوسد اللہ بکم العسر ولا یرید بکم العسر (الشرعی کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں)۔

اسی مناسبت سے مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ بھی باب صوم رمضان کے بعد الدین یسر کا باب لائے۔ اس اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری قرآن مجید کے کتنے ماہر حافظ ہیں، جب امام بخاری نے صیام کا باب باندھا تو فوراً قرآن حکیم کی طرف متقل ہو گئے، ارشاد الہی ہے :-

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی للناس وبینات من الہدی والفرقان فمن شہد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ (سیقول)

الدین یسر الف لام عہد کا ہے، مراد دین اسلام ہے اور یسر کامل الدین پر ذوالیسر کی تاویل ہے یا از قبیل زید عدل ہے یعنی دین غایت یسر کا وجہ سے خود یسر ہو گیا۔

امام بخاری کا مقصد خارج و معتزل کی تردید ہے، اس لئے کہ ان لوگوں نے دین کو آنا سخت بنا دیا کہ اگر ایک وقت کی نماز چھوڑ دیا تو کافر ہو گیا یا ایمان سے خارج ہو گیا، اگر کوئی گناہ کبیرہ ہو گیا تو کافر ہو گیا، امام بخاری فرماتے ہیں کہ دین آنا سخت نہیں جتنا بنا رکھا ہے بلکہ دین آسان ہے۔

عز :- اس سے قبل مسلسل چار ابواب کے ذکر کردہ اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بڑی مشقت ہے۔ لیلۃ القدر کا قیام، پھر جہاد مع الکفار، رمضان کا روزہ اور تراویح سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دین میں عہایت مجاہدہ و مشقت مطلوب ہے، اب امام بخاری بتلانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ مجاہدہ و مشقت مطلوب ہے لیکن آٹھویں کراپدی اور عبادت ہمہ کے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی ہے احب الدین الی اللہ ما داء و مر علیہ صاحبہ (بخاری ص ۱۱۱) خلاصہ یہ کہ بقدر تحمل مقصود ہے اور تمام اعمال میں اعتدال مطلوب ہے۔

الحصین یسر :- دین اسلام آسان ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ دین اسلام ادیان سابقہ کے لحاظ سے بہت آسان ہے یعنی ام سابقہ پر جو سخت احکام تھے ان میں سخت مشقتیں تھیں وہ اس امت سے مرتفع ہو گئیں، کما قال اللہ تعالیٰ : و یضع منہم اصرہم والاعلال اللہ کانت علیہم (سرقہ اعظم) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مصافحہ مذکورہ فی التورات والانجیل میں یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل پر جو بوجھ اور کئے کے پھندے تھے اسے آثار دین کے یعنی سختیاں اٹھا دیں گے، جیسے کبیرہ گناہ سے توبہ میں اپنے کو قتل کر دینا اور اس امت میں توبہ دل کی شرمندگی کے ساتھ

اس سے احتراز کا عزم و عہد ہے۔ اگر نجاست لگ گئی تو اس حصے کو کاٹے یا جلانے بغیر پاک ہو ہی نہیں سکتا تھا، اور ہمارے یہاں کسی ہی نجاست جو تین مرتبہ دھوئے سے پاک ہو جائیگا، اسی طرح زکوٰۃ میں مال کا جو تعداد حقہ نکالنا پڑتا تھا اور ہمارے یہاں چالیسواں حصہ، اسی طرح ام ساقر میں احوال غنیمت حلال نہ تھا اس امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا، اہل کتاب کی نمازیں صرف ان کے معابد میں ہو سکتی تھیں اور ہمارے یہاں وقت ہونے پر جہاں بھی پڑھ لیں ادا ہو جائیگی وغیرہ۔

۲۔ اور اگر حسب نفس الامر دیکھا جائے تو بھی دین اسلام بہت آسان ہے۔ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے جتنے احسان ہیں غیر متناہی ہیں "ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" ماں کے پیٹ سے آدمی کے اوپر احسانات و انعامات کی بارش برسنی شروع ہو جاتی ہے لیکن باری تعالیٰ کا فضل و کرم دیکھئے کہ پندرہ برس تک غیر مکلف رکھا جاتا ہے اس کے بعد بھی شب و روز میں فقط پانچ وقت نمازوں کی تکلیف دی جاتی ہے، پورے سال میں محض ایک مہینے کے روزے فرض کئے جاتے ہیں، پوری زندگی میں صرف ایک حج فرض قرار دیا جاتا ہے، غرض ان احسانات خداوندی پر اگر غور کیا جائے تو:-

۳۔ شکر نعمتہائے تو چنداں کہ نعمتہائے تو : عذر تقصیرات با چنداں کہ تقصیرات با
احب الدین الی اللہ الحلیفۃ المہتہ الشکر کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب دین دین خفیف ہے جو آسان ہے۔

خفیف کے معنی ہیں ادا یا باطلہ کو چھوڑ کر دین حق اختیار کرنے والا۔ جیسا کہ شیخ فرید الدین عطارؒ نے اپنے رسالہ "منطق الطیر" میں اشارہ کیا ہے۔

ازیکے گو دا زہم یک سوی باشش : یک دل و یک قبلہ دیک روی باشش
خفیف اصل میں لقب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، یوں تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام خفیف ہیں و مامروا الّا لیجدوا اللہ مخلصین لہ الدین حقاً - (سورح البیت)
ان لوگوں کو بھی حکم ہوا تھا کہ ان کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں اٹل کمر ہو کر اٹل و اٹھل کے اندر ہے کہ خفیف کا لفظ عبادتی کے مقابلہ میں ہے، خفیف معترف نبوت ہے اور عبادتی شکر نبوت ہے اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت صابئین کی جانب ہوئی، ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اعمال کے ذریعہ ستاروں کو مسخر کیا جاسکتا ہے اس لئے اس صفت خفیفیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل پڑ چو کہ یہ لوگ ستاروں کی پرستش کرتے تھے ان کی اصلاح کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔

لن یشاد الدین احد (بشہید الدال فعل معروف ہے از باب معاظلت اصل میں یشاد وہ تھا تا حد کے مطابق ادغام کیا گیا بمعنی ایک دوسرے پر غالب آنے کیلئے زور آزمائی کرنا۔
یعنی دین سے زور آزمائی نہیں کریگا کوئی شخص مگر دین اس پر غالب آجائیگا

مشادۃ فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ دین کے اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک عزیمت اور دوسرے رخصت۔ عزیمت وہ عمل ہے جو اصالۃً واجب ہے یعنی شارع کی جانب سے بلا لحاظ اعذار مقرر کیا گیا ہو، اور جس عمل کے اندر اعذار عباد کا لحاظ ہے وہ رخصت ہے۔ یہ دونوں چیزیں دین میں داخل ہیں پس عبادت کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ موقعِ عمل کے لحاظ سے دونوں پر عمل ہو، لیکن اگر کوئی شخص اپنے دل میں ارادہ کرے کہ ہر حال میں عزیمت ہی پر عمل کروں گا اور رخصت پر کبھی عمل کروں گا تو تجربہ شاہد ہے کہ انسان بہت سے حالات میں اس پر کامیاب نہیں ہوتا، صرف عزیمتوں پر عمل کرنا اور شرعی رخصتوں سے فائدہ نہ اٹھانا بھی شدت و مشادہ ہے، ہم بندے ہیں تو بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ شریعت کی جانب سے جو حکم بھی جس حال میں آئے ہم اس پر عمل کریں، عزیمت کی حالت میں عزیمت پر اور رخصت کے موقع پر رخصت سے فائدہ اٹھائیں۔ صرف عزیمت پر عمل کرنا عزمِ حقیقت میں شانِ بندگی کے خلاف ہے اور اپنے کو بہت ادبنا سمجھنا ہے جو کسی طرح درست نہیں، مثلاً تریض کیلئے اللہ تعالیٰ نے رخصت یعنی اجازت دی ہے کہ نماز میں اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے، غدر کی حالت میں بجائے وضو کے تیمم کر لے، شرعی سفر میں روزہ توڑنے کی رخصت ہے۔ وغیرہ۔

لیکن شیطان کے فریب میں آکر ان رخصتوں پر عمل نہیں کرتا اور بجائے تیمم کے وضو کر کے بیماری بڑھالیتا ہے سفر میں تکلیف شدید کے باوجود روزہ نہیں توڑتا ہے جس سے انتہائی پریشانی اٹھاتا ہے، ارشادِ نبوی ہے "لیس من البر الصیام فی السفر"

نیز یہ بھی تجربہ ہے کہ انسان جب عزیمت پر عمل کو لازم کر لیتا ہے تو بسا اوقات اتنا کہ اصل چیز کو بھی چھوڑ دیتا ہے بعض لوگ رات بھر شب بیداری کرتے ہیں پھر آخر میں نیند کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ فجر کی جماعت یا نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ صبح کی نماز جماعت سے پڑھنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ ساری رات عبادت کروں اور صبح کی نماز نہ پڑھ سکوں۔

اسی طرح ہر موقع پر رخصت کے متلاشی بننے سے دین کی غفلت ہی ختم ہو جائیگی، مثلاً اگر کوئی انسان اپنی بہوت کے لئے ائمہ اربعہ کے مذاہب میں سے ہر مسئلہ کی رخصتیں اختیار کر کے اس پر عمل شروع کر دے تو وہ دین کیا ہو گا خواہشات نفسانی کا مجموعہ اور باز بچہ اطفال بن کر رہ جائیگا۔

فَسَدَ دَوَا مِیَانِ رُوی اختیار کرو، بلند پروازی نہ کرو خیر الامور واسطیاً۔

وَقَارِبُوا اگر مکمل طور پر اعتدال و میان روی نہ اختیار کر سکو تو اس کے قریب قریب رہو۔ قاربوا کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے مل کر رہو، باہم اختلاف نہ کرو۔

وَابْشِرُوا بقطع الہمزہ من الابشار ای البشر و ابشرب علی العمل و ان قل دعوۃ یعنی اجر و ثواب کی بشارت حاصل کرو اگرچہ عمل کم ہو، ملاومت و پابندی کے ساتھ تھوڑے عمل میں بھی بشارت ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ایک قطرہ جو مسلسل دونوں تک پہنچ رہے گرتا رہیگا تو اس میں سوراخ کر دیا لیکن اتنا ہی پانی
ایک دم گرادیا جائے تو کچھ بھی اثر نہ ہوگا اسی طرح عبادت و ذکر قلب کو جمید دیتی ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں کہ شریعت نے تعقیل عبادت کا حکم نکشیر کیلئے دیا ہے یعنی جو تعیل
کر گیا اور پابندی سے کرتا رہیگا قودہ بہت ہرجائیگا اور جب ایک دم بہت سا کر لیا تو عمر بھر پابندی قونہ کر سکیگا تنگ کر
جورڈیگا، جرد کا نذار کم نفع لیتا ہے وہ زیادہ پیچ لیتا ہے اس لئے نفع بھی زیادہ کما لیتا ہے اور جرد کا نذار زیادہ
نفع لیتا ہے وہ قائم نہیں رہتا اس لئے بالآخر نفع میں کمی آجاتی ہے بس یہی معاملہ عبادت میں بھی ہے اس کو
استاکرہ و کرباہہ سکور

[illegible]

خانہ غفلت کے گھر میں یہ دیتا ہے منادی :
 گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھنٹی
 چلے اگر انسان مضبوطی سے پکڑے تو وہ بن سکتا ہے ، یہ تین اوقات آدمی کے لئے کافی ہیں جبکہ وہ پابندی
 سے لگا رہے۔

مَشَى مِنَ الدَّلَاجَةِ اَنْذَمِي رِدَاتِ كَاغُورِ اَسَا حَمْدِ عَزَّتْ وَشَقَتْ بَرَدَاتِ كِبَا اَسَى بِه حَقِيقَتِ هُے كَرِ عِلْمِ دِي اَبَرِ
يَا عِلْمِ طَرِيقَتِ بِغَيْرِ شَبِّ بِيَدَارِي كَمَا لِ پِيْدَا نَهِيں ہوگا۔

ع من طلبة العتيق سهر الليالي

• بَابُ الصَّلَاةِ مِنَ الْإِيمَانِ •

اس بات کا بیان کہ نماز ایمان کا نفل کا ایک شعبہ ہے۔

- **دَعَا إِلَهَ تَعَالَى** "مَنْ كَانَ اللَّهُ يُضَيِّعُ أَيْمَانَكُمْ يَعْنِي صَلَاتُكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ" ●
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورہ بقرہ میں) اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں جو تمہارا ایمان خالص کر دے۔
یعنی بیت اللہ کے پاس جو تمہیں نماز پڑھنی بہت المقدس کی طرف منہ کرے۔

٣٩ • حدثنا عمرو بن خالد قال نا زهير قال نا ابو اسحق عن البراء اذ النبي صلى الله عليه وسلم كان اول ما قدم المدينة نزل على اجداده او قال اخواله من الانصار وأنه صلى قبل بيت المقدس سنة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت وأنه صلى اول صلوة خلاها

صلوة العصر وصلى معه قومٌ فخرج رجلٌ مِمَّنْ صلى معه فمضى على اهل مسجد
وهم راكعون فقال اشهد بالله لقد صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل
مكة فداروا كما هم قبل البيت وكانت اليهود قد اعجبهم اذا كان يصلى قبل
بيت المقدس واهل الكتاب فلقاوا في وجهه قبل البيت انكروا ذلك قال
رُحْبَرٌ حَدَّثَنَا ابْنُ اسْمَاعِيلَ عَنْ ابْنِ بَرَاءٍ فِي حَدِيثِهِ هَذَا أَنَّهُ مَلَتْ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ
تَعْرَ لَ رِجَالٌ فَلَمَّا نَدَّرَ مَا نَقُولُ فِيهِمْ فَأَنزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ
إِيمَانَكُمْ

ترجمہ

حضرت براہ (ابن عازب) سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے
انصار میں اپنے نائبان یا مہال میں اترے اور آپ سولہ یا سترہ بیٹے تک (مدینہ میں) بیت المقدس
کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے رہے اور آپ طہا پسند کرتے تھے کہ آپ کا قبلہ کعبہ کی طرف ہو جائے اور پہلی نماز جو
آپ نے (کعبہ کی طرف) پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز ادا فرمائی ان میں سے ایک
شخص (عباد بن نہیک) جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا ایک اور مسجد والوں کی طرف سے گذرا اور وہ لوگ رکوع
میں تھے (بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے) اس شخص نے کہا میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے (اسی)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کی طرف نماز پڑھی، یہ سنتے ہی وہ لوگ نماز ہی میں کعبہ کی طرف پھر گئے
اور جب آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے تو یہودی اور دوسرے اہل کتاب (نصارائی) خوش
ہوتے تھے، جب آپ نے اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیا تو انہوں نے اس امر کو برا مانا۔ نہ ہیر نے کہا کہ ہم سے اب اس
نے بیان کیا انہوں نے براہ سے اسی حدیث میں کہ قبلہ بدل جانے سے پہلے کچھ لوگ دفات پا چکے تھے جو (اگلے)
قبلہ ہی کی طرف نماز پڑھتے تھے اور کچھ شہید ہو گئے تھے، ہماری کچھ میں نہ آیا کہ ان کے متعلق کیا کہیں تب اللہ تعالیٰ
نے یہ آیت اتاری۔ اللہ ایسا نہیں ہے جو تمہارا ایمان (یعنی تمہاری نماز) اکارت کر دے۔

خطابۃ للتوحید

ترجمہ الہام کے درجہ ہیں۔ عا المصلوۃ من الایمان۔ عا و قول اللہ تعالیٰ وما
کان اللہ لیضیع ایمانکم یعنی صلوۃ تم عند البیت۔

حدیث پاک کی مطابقت دوسرے ترجمہ یعنی آیت کریمہ سے تو باطل واضح ہے کہ آیت کریمہ میں ایمان کا اطلاق
صلوۃ پر کیا گیا ہے جیسا کہ خود امام بخاری نے ایمانکم کی تفسیر کردی ہے یعنی صلوۃ تم عند البیت سے اور اطلاق
یعنی نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکل علی الجزاء کے قیاس سے ہے۔ (عمدہ)
اور چونکہ حدیث شریف میں بھی نماز ہی کا ذکر بیان ہے اس لئے مطابقت ظاہر ہے۔

تعدد الحدیث :- اخرج البخاری ضا فی الایمان ص ۱۱۱۱ فی المصلوۃ ص ۵۵۵ فی کتاب التفسیر ص ۱۳۳ والبنا
ص ۱۳۵ فی اخبار الاحاد ص ۱۰۰۔

رابطہ۔ باب سابق میں الدین بکسر (دین آسان ہے) فرمایا گیا تھا اب اس باب میں دین کے آسان ہونے کی ایک مثال پیش کی ہے، اگر دین کی آسانی دیکھنا ہو تو دین کے ستون نماز کو دیکھو جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے الصلوۃ عماد الدین، اور جسے ایمان و کفر کے درمیان حد فاصل قرار دیا گیا ہے، کافی الحدیث المخرق بین الایمان والکفر ترک الصلوۃ او کما قال علیہ السلام۔

اس اہم اور عظیم ترین عبادت کو دیکھو کہ اس میں کتنی آسانی ہے کہ جو بیٹس کھینچنے میں صرف پانچ وقت کی نماز فرض ہے جو گھنٹہ سوا گھنٹہ کا عمل ہے، پھر اس میں بھی سفر و حضر میں سہولتیں دی گئی ہیں، نیز پانی پر قدرت ہو تو وضو کرو ورنہ تیمم کافی ہے، الغرض آسانی ہی آسانی ہے۔

مقصد ترجمہ امام بخاری لا عقود مرجہ و جہیدہ کی تردید ہے جو عمل کو تکمیل ایمان میں بھی دخل نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے، اعمال کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ دیکھو آیت کریمہ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم میں صلوۃ کو ایمان کہا گیا ہے، یعنی آیت میں ایمان سے مراد نماز ہے اور شان نزول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ تو نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکل علی الجزاء ہے لہذا جزئیت صلوۃ للایمان ثابت ہو گئی۔

قولہ عند البیت البیت جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے بیت الشریعہ مراد ہوتا ہے۔ کافی قولہ تعالیٰ: وما کان صلوۃکم عند البیت الا تمکاداً (انقل) تا لیاں۔ الآیۃ۔ (پ ۱۸۷)

اشکال اشکال ہے کہ صحابہ کو جو کچھ تردد تھا وہ بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں میں نہیں تھا

اب سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے آیت کریمہ کی تفسیر عند البیت سے کیوں کی؟ اور اگر عند البیت سے بیت المقدس مراد ہلانے کو یہ خلاف مقادیر ہے۔

حافظ عسقلانی نے جو داؤد طرابلسی اور نسائی سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں لیضیع ایمانکم کی تفسیر صلوۃ عند البیت المقدس کی تصریح ہے اس پر کوئی اشکال نہیں۔

جواب۔ بعض لوگوں نے صاف کہہ دیا کہ اصل میں لغیر البیت تھا کاتب نے عند البیت لکھ دیا، اس صورت میں عبادت تو درست ہو گئی مگر مشکل یہ ہے کہ بخاری شریف کے تمام نسخوں میں لغت عند وجود ہے اگر کسی ایک نسخہ میں بھی لغیر البیت ہوتا تو ہم تسلیم کر لیتے کہ دوسرے نسخہ میں غلطی ہو گئی ہے ورنہ بلا وجہ قیاس بازی درست نہیں۔

حافظ عسقلانی کا جواب :- البیت سے بیت الشریعہ مراد ہی ہے اور عند اپنے معنی ظرفیت ہی ہے البتہ عبارت میں تھوڑا سا اختلاف ہے اصل عبارت یوں ہے: ما کان اللہ لیضیع ایمانکم یعنی صلوۃکم

التي صلتها عند البيت الى بيت المقدس۔ یعنی بیت اللہ کے پاس رہتے ہوئے مکہ معظمہ میں جو نمازیں
تم نے بیت المقدس کی جانب پڑھی ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ خائے نہیں کریں گے۔ پس جو نمازیں بیت اللہ سے
دور رہتے ہوئے یعنی مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی جانب تم نے پڑھی ہے وہ تو بدرجہ اولیٰ خائے نہ ہونگی۔
اس تقریب سے ایک طرف صحابہ کرام کو تسلی بھی ہو گئی اور اشکال کا جواب بھی ہو گیا اور دوسری طرف یہ فیصلہ بھی
ہو گیا کہ ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں بھی بیت المقدس ہی کی جانب چہرہ کر کے نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔

اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ہوتی ہے جو روایت متعدد کتابوں میں موجود ہے کہ حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل بیت المقدس ہی کا استقبال کرتے تھے۔ البتہ آپ اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ
کعبہ استدارہ ہو۔ قال ابن عباس وغیرہ انی بیت المقدس لکنہ لا یمتد من الکعبۃ بل یجعلہا
بینہ و بین بیت المقدس۔ (تسطلا فی)

بیت المقدس

مدینہ

جنوب کعبہ

یعنی آپ کعبہ کے جنوب (چھوڑا سو اور رکن یمانی کے درمیان) کھڑے ہوتے تھے تاکہ لو اجہتہ بیت اللہ بھی فوت نہ ہو۔
لیکن اس پر اشکال ہے کہ حدیث امامت جبریلؑ کے بعض طرق میں عند باب البیت آیا ہے اور باب البیت
کے پاس کھڑے ہو کر بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کا استقبال نہیں ہو سکتا کیونکہ باب البیت جانب شرق میں
ہے اور بیت المقدس جانب شمال میں اس لئے اس صورت میں صرف کعبہ کا استقبال ہو سکتا ہے بیت المقدس کا نہیں۔
البتہ اس میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ ابتداء استقبال بیت اللہ مامور بہ تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تیار
تھے اور آپ اپنے اختیار سے بیت اللہ کا استقبال فرماتے تھے۔ شق ثانی راجح معلوم ہوتا ہے۔ استقبال بیت اللہ
آپ کا فطری رجحان تھا کیونکہ آپؐ اشبہ بابرہیم علیہ السلام تھے۔ لکھا قال اللہ تعالیٰ: ان اولی الناس
بابن اہیم للذین اتبعوا و هذا النبی والذین امنوا (آن مران آیت ۶۸) بلاشبہ لوگوں میں زیادہ مشابہت
ابراہیم سے ان کو تھی جنہوں نے (ان کے وقت میں) انکا اتباع کیا اور یہ نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو ان پر
ایمان لائے۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: رأیت ابراہیم علیہ السلام انا اشبہ ولده بہ (مسلم ۶۷۵)
وایضاً قال صلی اللہ علیہ وسلم: واذا ابراہیم علیہ السلام قائم یصلی اشبہ الناس بہ صاحبکم
یعنی نفسہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مسلم ۶۷۵)

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ شریعت محمدیہ درحقیقت ملت ابراہیمیہ کی تفصیل و تکمیل ہے، غرض کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلقتاً و خلقاً حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت رکھتے ہیں۔ نیز کعبہ کی ایک
خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ یہ سب انبیاء علیہم السلام کا قبلہ تھا مگر حج سوائے کعبہ کے اور کہیں نہ ہوا اس لئے آپؐ کا رجحان
کعبہ کی طرف تھا جس کی بنا پر آپ استقبال کعبہ فرماتے تھے۔

بعدہ ہجرت سے تین سال قبل جب استقبال بیت المقدس کا حکم ہوا تو ماحمدؐ کے ساتھ فطری رحمان پر بھی مل گئے
کے لئے آپ بیت اللہ کی جانب جنوب میں بنی الرکین الیہائی قیام فرما کر بیت اللہ و بیت المقدس دونوں کا استقبال فرماتے
تھے، مدینہ منورہ پہونچکر دونوں کا اجتماع ناممکن ہو گیا تو تحویل القبلہ الی الکعبہ کا شدید تقاضا پیدا ہوا کہا قال اللہ تعالیٰ:
قد نرى قلبك وجهك في السماء فلتوليته قبلتہ ترضاها۔ (سبحن)

اس تقریر پر زکریاؑ کی حاجت بھی لازم نہیں آئی۔

حدیث نامت جبریلؑ سے قائلین تکرار نسخ استدلال کرتے ہیں۔ تقریر مذکورہ سے اس کا بھی جواب ہو گیا کہ ابتداء استقبال
قبلہ ماحمدؐ نے نہ تھا بلکہ حضور اکرمؐ کے الشریعہ و سلم کا فطری رحمان تھا اس لئے حضرت جبریلؑ نے بھی یہی کی تو اسے قرآنی (ارشاد تعالیٰ)
کا ان اولیٰ ما قدم بکسر الدال و نصب لول علی الظرفیۃ یہ جملہ ان کی خبر علیٰ رتبہ میں ہے
بہائی اولیٰ قدومہ للدينۃ عندنا الحق۔

تحقیق و تشریح

قرآن علیٰ احیادہ اوقال اخوانہ من الانصار مشک من بل اسحق والمرو بالاجداد من جہۃ الاموت۔
دانش رہے کہ حضرات انصاریہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد یا احوال (انام، ماموں) نہیں تھے بلکہ حضور
کے دادا عبدالمطلب کے اجداد تھے تو چونکہ حضور اقدس عبدالمطلب کے پوتے ہوتے ہیں اس لئے مجازاً حضور اقدس کی طرف
نسبت کر دی گئی، چنانچہ فقہ ہجرت کی روایت میں صاف موجود ہے۔ قول علی بن ابی النضر اخوال عبدالمطلب، اس کی
تفصیل یہ ہے کہ عبدالمطلب کے چار بیٹے تھے مطلب، ہاشم، ایک ماں سے نوفل اور عقیل دوسری ماں سے۔ ہاشم تجارت
کے لئے شام آئے جاتے تھے درمیان میں مدینہ طیبہ پڑتا تھا وہ یہاں قیام کرتے تھے، ایک شریف زلوی اور شریف غورث
بن کاناسہؒ منتہی عمر تھا جو قبیلہ بنی ہماز سے تھے وہ شریف بھی تھے اور حسین و جلیل بھی، ہاشم بن کنان یہاں تھے انہیں کی
یہ بڑی بھی تھی، جب ہاشم کی نظر ان پر پڑی تو نکاح کا پیغام دیا، نکاح اس شرط پر ہوا کہ سلی خود مختار ہوگی یعنی حق علیحدگی
میرے اختیار میں ہوگا، ان کے لئے یہ شرط ناجائز نہیں ہوگا، ہاشم نے یہ شرط منظور کر لی اور نکاح ہو گیا۔
پھر کنسلی مدینہ منورہ میں تھے ان سے ایک لڑکا یعنی عبدالمطلب پیدا ہوا جس کا نام شبیبہ الحمد تھا، ہاشم کا بیٹا تھا
ہونے لگا تو انہوں نے اپنے حقیقی بھائی مطلب سے وصیت کی کہ میرے لڑکے (شبیبہ) کا خیال رکھنا، شبیبہ جب تک بچے تھے
ماں ہی کے پاس رہے پھر مطلب اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق شبیبہ کو لینے کیلئے گئے، مطلب نے اپنے بھتیجے شبیبہ کو
پچھے اونٹ پر بٹھالیا، لوگوں نے شبیبہ کو پیچھے بیٹھا دیکھ کر عبدالمطلب کہنا شروع کیا، اسی روز کے شہید عبدالمطلب
کے نام سے شہید ہو گئے۔

قبل بیت المقدس والمقام من فتح الیم وکون القاف وکسر الدال مصدر یسی ولام مکان من المقدس
وہو الطہر ای مکان القریٰ یطہر فیہ العابد من الذنوب اور تطہر العبادۃ من الاثام و جار نیہ (ای المقدس)
بضم الیم وفتح القاف والدال المشددة۔

مستقہ عشر شہر اور مسجد عشر شہر مدینہ منورہ میں استقبال بیت المقدس کی مدت کیلئے باحفاظہ

مستقلانے اس بارے میں روایات ذکر کی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے کہ بہت سی روایتیں ضعیف ہیں ان میں سے تین روایتیں مشہور ہیں:-

(۱) سولہ سترہ یعنی شک کے ساتھ کافی حد تک الروایت وکذا فی صلیح البخاری مشکوٰۃ وعند الترمذی
ایضا وکذا ذکر السیوطی فی الجلائین بالشد۔

(۲) مسلم شریف، نسائی اور مسند احمد بن حنبل بغیر شک کے سترہ عشر مشہور ہے۔

(۳) ولبنار والطبرانی سبعة عشر یعنی بلا شک سترہ کی روایت ہے۔

بظاہر ان روایتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ ربیع الاول کے مہینہ میں مدینہ منورہ تشریف لائے، حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آپ بارہ ربیع الاول بعد از مدینہ منورہ پہنچے اور جہور کا صحیح قول یہ ہے کہ اگلے سال یعنی سترہ ھار رجب کو تخیل قبلہ کا حکم آیا پس بارہ ربیع الاول سے ھار رجب تک سولہ ماہ اور تین دن ہوتے ہیں اور یہی اصح الاقوال و مستند ہے۔

پس جن حضرات نے ماہ دخول یعنی ربیع الاول اور ماہ تخیل یعنی رجب دونوں مہینوں کو مستقل شمار کر لیا تو سترہ ذکر کیا اور جن حضرات نے دونوں مہینوں کو ملا کر ایک شمار کیا اور زائد تین دن یعنی کسر کو چھوڑ دیا تو انہوں نے سولہ ذکر کیا اور جن حضرات کو شک و تردد تھا انہوں نے شک کے ساتھ بیان کیا۔ (فتح الباری، عمدة القاری وغیرہ)

وكان يعجبه ان تكون قبلته قبل البيت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو۔ اس کے متعدد وجوہ منقول ہیں:-

۱۔ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قبلہ تھا اور آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم تھا مثلاً ان اتبع ملکہ ابراہیم حنیفاً و غیرہ۔

۲۔ صاحب جلائین نے مختصر جامع جواب دیا لاندہ ادعی اسلام العرب۔

اہل مکہ کا دنیا میں وقار تھا اور ان کا اسلام سارے عرب کے اسلام کا باعث ہو سکتا تھا اہل مکہ کو خانہ کعبہ سے بے انتہا محبت اور عقیدت تھی اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طبی رجحان تھا کہ خانہ کعبہ کے استقبال کا حکم ہو جائے تاکہ اشاعت اسلام میں آسانی ہو۔

۳۔ ظاہری عالم میں خانہ کعبہ کو مرکزیت حاصل ہے کیونکہ زمین کی نائے خانہ کعبہ ہے اور ساری زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے، اسی طرح خانہ کعبہ کو عالم ظاہری میں مرکزیت حاصل ہے اسی طرح عالم ارواح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مرکزیت حاصل ہے اور مرکز کو مرکز سے ربط ہونا ہی چاہئے اس لئے آپ کو اس قبلہ کی طبی تمنا تھی۔
۴۔ انسان کی خلقت مٹی سے ہوئی ہے اور ساری زمین اسی جگہ سے پھیلائی گئی ہے جہاں آج خانہ کعبہ ہے گویا انسان کا مرکز خانہ کعبہ ہے اور مرکزی جانب میلان فطری اور طبی چیز ہے۔

خروج رجل من عباد بن ہشیر وخیل عباد بن ہشیر بفتح الحزین وکسر الجاء۔

نہج علی اہل مسجد یہ مسجد بنی حارثہ ہے، اہل قبا کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، وہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے جب کسی نے تحویل کی خبر دی تو نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔

اشکال :- استقبال بیت المقدس کا حکم قطعی تھا اور خبر واحد قطعی ہے تو اس سے قطعی کافر کیسے جائز ہوا؟
جواب :- بعض دفعہ خبر واحد معروف بالفرائض موجب علم یقینی ہوتی ہے یہاں ایسے قرآن کا طے موجود تھے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تحویل کی خبر کرنا اور اس کا انتظار اور اللہ تعالیٰ کا قد مرنے کا قلب و جھٹکنا النساء فلنزلنہ قبلہ فرضا خاصے کی جو نسی دینا وغیرہ، ان فرائض کی وجہ سے یہ خبر واحد قطعی ہو گئی تھی، اور خبر واحد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غواہش معلوم تھی اس لئے ان فرائض کی وجہ سے یہ خبر واحد قطعی ہو گئی تھی مثلاً ایک شخص یہاں ہے اس کی جانچ کی اطلاع آچو ہو گئی ہے سٹورڈی دیر کے بعد آپ گھر سے نکلے تو اس کے گھر سے رونے کی آواز آ رہی ہے اور دروازے پر لوگ کھنسن رہے ہیں، آپ نے کسی سے دریافت کیا کیا بات ہے؟ اس نے وفات کی خبر دی تو آپ کو یقین ہو جائیگا وہ برابر شک نہ ہوگا حالانکہ یہ بھی خبر واحد ہے۔

• باب حسن اسلام المرء •

ایہذا باب حسن اسلام المرء۔ والیاب هنا مضاف قطعا (مدح) باضافۃ باب لتالیہ (قس) یعنی انسان کے اسلام کی خوبی۔

● قال مالک اخبرنی زید بن اسلم ان عطاء بن یسار اخبرنی ان اباسعید الغدیری اخبرنی انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا السلم العبد فحسن اسلامہ یکفر اللہ عنہ کل سببۃ کان زلفہا رکن بعد ذلک القصاص الحسنۃ بمشر أمثالہا الی مسیح ما شق ضعف والستینۃ بمثلہا الا ان یتجاوز اللہ عنہا ●
ترجمہ حضرت ابوسعید غدیری کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جب کوئی بندہ مسلمان ہو جائے اور اس کا اسلام اچھا ہو (یعنی اچھی طرح مسلمان ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کا ہر ایک گناہ معاف فرمادیں گے جو وہ (اسلام سے پہلے) کر چکا تھا اور اس کے بعد بدلہ کا اصول جاری ہو جاتا ہے تو نیا حساب شروع ہوگا، ایک نیکی کا بدلہ ویسی دس نیکیاں سات سو نیکیوں تک (لکھی جائیں گی) اور برائی کے بدلہ میں ویسی ہی ایک برائی لکھی جائیگی مگر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے۔

قال مالک ماہ ظہری کی ملاقات چونکہ تمام احادیث سے ثابت نہیں ہے اس لئے یہ روایت معلق ہے۔

باب سابق ربط سابق اسب "الصلوۃ من الایمان" میں نماز کا بیان تھا اور اس باب میں حسن اسلام دونوں میں مناسبت ظاہر ہے کہ دین اسلام میں حسن نماز سے پیدا ہوتا ہے بلکہ جن اعمال سے اسلام میں حسن پیدا ہوتا ہے ان میں سب سے اہم نماز ہے۔

مطابقتہ للترجمہ :- مطابقتہ الحدیث للترجمہ ظاہر فی قولہ "فحسن اسلامہ"

اسلام کے درجات کا تفاوت بیان کرنا مقصود ہے کہ بعض کا اسلام حسن اور بعض کا غیر حسن ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ایمان و اسلام ہم معنی ہیں۔

مقصد ترجمہ

۳۰ • حدثنا اسحق بن منصور بن حازم قال حدثنا عبد الرحمن بن عوف قال اخبرنا معمر بن حاتم عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أحسن أحدكم إسلامه فكل حسنة يعملها تكتب له بعشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف وكل سيئة يعملها تكتب له بمثلها •

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے اسلام کو اچھا کرے تو اس کے بعد جو نیکی وہ کریگا دس گنی سے لیکر سات سو گنی تک لکھی جائے گی اور جو برائی کریگا وہ دس گنی ہی ایک لکھی جائے گی۔

مطابقتہ للترجمہ :- مطابقتہ الحدیث للترجمہ ظاہر فی قولہ "إذا أحسن أحدكم إسلامه" •

تشریح ارشاد ہے کہ جب کوئی مسلمان ہو جائے اور اس کا اسلام اچھا ہو (یعنی اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرے، دل کی گہرائی سے اسلام قبول کرے، اس کا اسلام صرف نمائش اور نفاق پر مشتمل نہ ہو بلکہ اللہ عندہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک گناہ معاف فرمادیں گے) •

تفسیر اللام و تنقیفہا نیز ازلفہا از باب افعال تینوں طرح روایت ہے یعنی تدنہا۔ یعنی جس گناہ کو پہلے کرچکا سب معاف ہو جاتے ہیں مگر حقوق العباد معاف نہیں ہوتے البتہ حقوق اللہ خواہ عمیرہ ہوں یا کبیرہ و تہاہا معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ حقیقی اسلام ہو لا ینالہ اسلام یہود و ما کان قبلہ۔

• بَابُ أَحَبِّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَدْوَمُهُ •

اللہ تعالیٰ کو وہ عمل زیادہ محبوب ہے جو ہمیشہ کیا جائے۔

۳۱ • حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا يحيى بن عمار قال اخبرني أبي عن عائشة أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ مَن هَذِهِ قَالَتْ فَلَانَةٌ تَذْكُرُ مِن صَلَاتِهَا قَالَتْ مَدَّ عَلَيْكُم بِمَا تَطِيقُونَ فَوَاللَّهِ لَا يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوا وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ •

ترجمہ حضرت عائشہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) ان کے پاس تشریف لائے اس وقت ان کے پاس ایک عورت تھی آپ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ رضی عنہا عرض کیا یہ نفل عورت ہے اور ان کی کثرت نماز کا حال بیان کرنے لگی آپ نے فرمایا "مکرمہ" (بس کرد) "تسبیح وہی"

عمل اختیار کرنا چاہئے جو ہمیشہ کر سکے جو (یعنی ناہم کو) خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تنگ کرے
ہی (عمل کرنے سے) تنگ جاؤ گے (یعنی تنگ کر چھوڑ دو گے) اور آپ کو سب سے زیادہ عمل پسند تھا جس پر
عامل مدح و ثناء کرے۔

مطابقتہ للنجمۃ:۔ مطابقتہ الحدیث للترجمہ ظاہرۃ وہی قولہ "وكان أحب الدين إليما
داود عليه صاحبہ"۔

ما قبل کے باب میں حسن اسلام کا بیان تھا اور اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں حسن عبادت کا
رابطہ ما قبل وجہ سے پیدا ہوتا ہے (القول المنصیح ص ۴۲)۔

حافظ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ما قبل میں ایک نیکی پر سات سو نیکیوں کی بشارت تھی تو جو سکتا ہے کہ کوئی خوش
میں اگر خدا سے زیادہ عمل شروع کرے جس پر مدح و ثناء ہو تو یہ باب خوش میں اعتدال پیدا کرنے کیلئے
منفرد کیا ہے۔ (فتح الباری، اول الباری)

تعدد الحدیث:۔ أخرجه البخاري حنا في الإيمان ص ۱۵۱ وايضا في التجدد ص ۲۱۶ مسلم اول ص ۲۱۶۔

مقصد ترجمہ: حافظ مستطانی فرماتے ہیں: مراد المصنف الاستدلال على ان الإيمان يطلق على
الأعمال لأن المراد بالدين هنا العمل۔ (فتح)

یعنی امام بخاری کا مقصد اس بات پر استدلال کرنا ہے کہ ایمان کا اطلاق عمل پر ہوا کیونکہ حدیث پاک کے
اندر احب الدین میں دین سے مراد عمل ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک دین اور ایمان متحد المعنی
ہیں پس مرتبہ کی تردید ہو گئی کیونکہ حدیث شریف سے عمل اور ایمان کا گہرا تعلق ثابت ہوا۔

ترجمہ الباب ہے "احب الدین" احب اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ دین کے درجات متفاوت
ہیں بعض کا درجہ بعض سے زیادہ محبوب و افضل ہے اور چونکہ دین و ایمان متحد المعنی ہیں اس لئے یہ ثابت
ہوا کہ ایمان کے متفاوت درجات ہیں۔

تشریح: قالت فلانة مرفوع لانه خبر مبتدأ محذوف ای ہی فلانة العسلاء
(بنت قریب) الاسديۃ وہی غیر منصرف الی (علاء) یعنی لفظ فلانة چونکہ گویا ہے علم سے
اس وجہ سے قائم مقام علم کے ہے لہذا تانیث اور غلبت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ مسلم شریف میں نام مذکور ہے
فقلت هذه العسلاء بنت قریب الی مسلم ج ۱ ص ۲۱۶۔

تذکرہ: بفتح التاء الفاء واحد مؤنث غائب مضارع معروف والفاعل عائشة یعنی حضرت عائشہ رضی
اس کا نام بتا کر یہ بھی کہنے لگیں کہ یہ نمازیں بہت بڑھتی ہیں۔ رات بھر نوافل ہی پڑھتی رہتی ہیں۔ اور بعض روایتوں
میں یہ لفظ یتذکر بالیاء التثانیۃ یعنی واحد مذکر غائب مضارع مجهول ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے
یہ وہی ہیں جن کی نماز کا بڑا پرچہ ہے۔

اشکال :-

۱۔ منہ پر تعریف کرنا ممنوع ہے پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے تعریف کیوں کی ؟
جواب :- اولاً تو حضرت صدیقہؓ کا مقصد تعریف کرنا نہ تھا بلکہ تعارف مقصود تھا آنحضرتؐ کی خدمت میں ان کا حال عرض کر کے ہدایت حاصل کرنی تھی اس لئے ساری بات اور سامنے ہی کہنے کی ضرورت تھی تاکہ کسی غشی نہ ہو۔

۲۔ علامہ سطلانی فرماتے ہیں عن عائشہ امنت علیہا الفتنۃ فمدحتہا فی وجہہا (مس) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر تعریف اس اطمینان پر کی کہ ان کے کسی فتنہ (کبر، غرور وغیرہ) میں پڑنے کا اندیشہ نہ تھا۔
۳۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعریف اس وقت کی جب وہ اشکر کرجا چکی تھیں فی مسند

الحسن بن سفیان کانت عنہا امراة خلعتا قامت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خدمت یا عائشہ (رد شاد السدی) جب حواء کے چلے جانے کے بعد تعریف کی گئی فلا اشکال۔

قال مسند بطبع الیم وسکون الہاء اسم للزجر بمعنی الکف (مس)
یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہرہ پس کرو دیکھم ہما تطیقون یہاں خطاب مؤنث کو ہے اس لئے بظاہر علیکم ہونا چاہئے، لیکن پوری امت کے لئے تعظیم علم مقصود ہے جس میں رجال و نساء سب شامل ہیں بقاعدۃ تغلیب الرجال علی النساء مذکور کا صیغہ لایا گیا۔

فواللہ لا یملئ اللہ حقاً تملوا خدا کی قسم اللہ تو ثواب دینے سے تھکے گا نہیں تم عبادت کرنے سے تھک جاؤ گے۔

اشکال

طلال کے معنی میں شگدل ہونا یعنی طال اس مکان اور قصبہ کو کہتے ہیں جو مشقت اٹھانے سے لائق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند و برتر ہے کہ اس کو قصبہ و مشقت ہو۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے طال کا لفظ بطور صفت مشاکلتہ استعمال کیا گیا ہے مثلاً جزاء و سبتہ سبتہ بشلہا (شرعاً آیت ۴۴) برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے بدلہ کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقتہً برائی نہیں بلکہ صورتہً برائی ہوتی ہے، سبتہ کا اطلاق اس پر بطور مشاکلتہ کیا گیا کیونکہ بدلہ لینا سبتہ نہیں۔

علامہ عینیؒ نے ایک دوسری مثال پیش کی ہے فعن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ (بقرہ) جزاء اعتدوا کو اعتدوا کہا گیا مشاکلتہ حالانکہ بدلہ ہے، عدل ہے۔

علامہ خطابیؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ فکفی عن الترتک بالملال الذی ہو سبب الترتک یعنی طال کا قبیحہ ترک ہے یعنی طال سبب ہے ترک کا لہذا یہاں سبب بول کر سبب مراد لیا گیا مجازاً مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اجرو ثواب کو منقطع نہیں فرماتے جب تک تم عمل ترک نہیں کرتے، اور ظاہر ہے کہ جب تم طاعت سے زیادہ عمل ترک کرو گے تو کسی روز ان کا کرجوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بھی منقطع ہو جائیگا۔ لہذا اعتدال کے ساتھ عمل کرو تاکہ اس پر مدد کی جائے، جب تک آپ عمل پر مداومت رکھیں گے ثواب ملتا رہیگا یہ تغلیل للتکثیر ہے۔

تنبیہ :- یہ حکم عام امت کے لئے ہے خواص مستثنیٰ ہیں چنانچہ حضرت امام الکملہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے

پانچ سال تک (وئی قول تیس سال تک) عشاء کے دوسرے فجر کی نماز پڑھی۔

• بَابُ زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَتَقْصَانِهِ

اَكَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ فَإِذَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ •

ایمان کی زیادتی اور کمی کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورہ کہف میں) ہم نے ان اصحاب کو کفر سے عذاب دیا، اور (سورہ نعر میں) ایمان والوں کا ایمان بوزیادہ ہو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (سورہ فائدہ میں) آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا پس جب کوئی کمال میں سے کچھ چھوڑ دے تو وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔

۴۷ • حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ بْنُ أَبِرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا حُشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزَنُّ شُعْبِرَةٍ وَمِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزَنُّ بُتْرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزَنُّ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَبَانٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي إِيْمَانِي مَكَانَ خَيْرٍ •

ترجمہ | حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ سے ہر وہ شخص نکلے گا یا نکال لیا جائیگا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جس کے برابر بھی خیر ہو، اور دوزخ سے ہر وہ شخص نکلے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں گہروں کے برابر خیر ہو، اور دوزخ سے ہر وہ شخص نکلے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں ذرہ کے برابر بھی خیر ہو۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابان نے حضرت قتادہ سے اور قتادہ نے حضرت انس سے بطور تحدیث روایت بیان کی کہ حضرت انسؓ نے حضورؐ سے میں خیر کے بجائے من ایمان کا لفظ نقل فرمایا ہے۔

مطابقت الحدیث للترجمة | ترجمہ الباب سے مطابقت مفہوم حدیث سے ہے کہ لا ایمان کے اقرار کے بعد حدیث میں جو گہروں اور ذرہ کے ذکر سے تفاوت مراتب ظاہر ہے البتہ یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ حدیث میں ایمان کا لفظ نہیں ہے گویا خیر کا باہم تفاوت واضح ہے مگر اس اشکال کا جواب امام بخاری نے متابعت میں کر کے تہلکہ دیا کہ اس حدیث میں خیر سے مراد ایمان ہے۔

ربط قبل | ماقبل کے باب میں احب الدین کا بیان تھا اور ظاہر ہے کہ جس کا دین احب ہوگا اس کے دین میں زیادتی ہوگی اور جس کا دین خیر احب ہوگا اس میں نقص ہوگا پس سابق باب میں جو چیز غصتا مذکور تھی اب اس کو صراحتاً بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تعدد الحدیث :- أخرجه البخاری صاف الایمان ص لا وأخرجه بتمامه مفصلاً في التوحيد ص ۱۱۰

وأيضا مسلم في كتاب الأيمان مفصلا والترمذي أيضا -

نوٹ :- ایمان کی حیا دینی، مکی کا مسئلہ کتاب الایمان کی ابتداء میں بالتفصیل گزری چکا، اس حدیث سے خاکہ خواہجہ و معترضہ کی پوری تردید پوری ہے جو کہتے ہیں کہ گنہگار مسلمان مخلد فی النار ہوگا، حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مؤمن گنہگار رحمت ایمان کی وجہ سے بالفرد جہنم سے نکالا جائیگا۔

متابعت کے فوائد یہ متابعت بخاری شریف میں تعلیقاً مذکور ہے لیکن حاکم نے کتاب الاویسین میں اسے موصولاً ذکر کیا ہے من طریق ابی سلمہ موسیٰ بن اسمعیل قال حدثنا کہاں ابی اسس متابعت کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ قوادح کس ہیں اگر سماع کی تصریح نہ ہو تو ان کی معضن روایت مقبول نہیں ہوتی اور یہ روایت معضن ہے اس لئے امام نے متابعت نقل فرمایا جس میں تحدیث کی تصریح ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ متابعت میں خیر کے بجائے ایمان کا لفظ ہے جس میں اشارہ ہو گیا کہ روایت میں خیر سے مراد ایمان ہے۔

نیسٹر افانڈہ یہ ہے کہ اس متابعت سے شام کی روایت کی تائید و تقویت ہو گئی۔

٢٣ • حَدَّثَنَا الْحَسَنُ الصَّبَّاحُ سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَرَفٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْقَعْمِيسِ أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مَسْلَمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ قَالَ لَنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرُؤُنَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ تَزِلُّنَا لَا تَخْذُنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا قَالَ أَيْ آيَةٌ قَالَ الْيَوْمَ أَكَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَقْنَعْتُ عَلَيْكُمْ نَفْعِي وَرَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي تَقْرَأُ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ •

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ان سے کہا کہ اے امیر المؤمنین تمہاری کتاب (قرآن مجید) میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے پہچانا وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے جواب دیا البیوم اکملت اللہ علیہ العبادت لعلکم ترضوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور دین اسلام تمہارے لئے پسند کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم اس دن اور اس مقام کو خوب جانتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے، آیت عرفات میں جمعہ کے دن کھڑے تھے۔

مطابقتہ الحلیۃ للترجمۃ :- کیونکہ حدیث پاک میں ترجمۃ الباب کی آیت
کریمہ لاسب نزول مذکور ہے ۔

تعدد الحديث۔ اخرج البخاری عن ابی ایمن ملا فی الغازی ۲۳۲ فی التفسیر ۶۶۳ فی الاعمام ۱۰۹

ایضاً مسلم ثانی ص ۲۱۹ تا ص ۲۲۰ ایضاً ترمذی -

تشریح

اس حدیث کی سند میں سمیع جعفر تقدیر عبارت ہے اُتد سمیع جعفر ابو محمد بنی عاتق ہے کہ اس قسم کے موقوف پر کتابت میں اُتد کو حذف کر دیتے ہیں لیکن اس کا بڑا حنا ضروری ہے و لکن لا بد من قرأته، جس طرح لفظ قال کو اختصاراً حذف کر دیا جاتا ہے کتابت میں لیکن پڑھا جاتا ہے۔ (حدیث) ان رجلا من الیہود بعض روایت میں تصریح ہے کہ یہ کہنے والے کعب احبار تھے جو شام میں یہود کے بہت بڑے عالم تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے۔

کتاب البخاری کی روایت میں ہے ان اناسا من الیہود، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کعب احبار کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ تھے، مگر حضرت عمرؓ کو روایت کرنے سے کعب نے کہا اے امیر المؤمنین اگر یہ آیت ہم یہود پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے یوم نزل کو عید منایا کرتے۔

انصاف کی بات ہے کہ یہود نے انتخاب خوب کیا پورے قرآن مجید میں سے جائزہ انتخاب کیا کیونکہ جس روز باری تعالیٰ نے اپنے تمام اختلاف مکمل کر لیا اعلان فرمایا اس سے زیادہ سرت کا اور کو نہا موقوف ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ نے جواب بھی خوب دیا کہ اے نبیؐ جو ہم جانتے ہیں اگر تو جانتا تو اعتراض کے لئے کشتائی کی جرات ہرگز نہ کرتا، یوم عید تمام دنوں کا سید ہے جیسے کہ جمعہ پورے ہفتہ کا سید ہے، حقیقی عید یوم عید ہے اور مذہبی عید حاشیہ ذی الحجہ ہے دراصل یوم عید کی فضیلت پورے عشرہ میں سرات کی ہوئی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ عشرہ ذی الحجہ اشرف ہے یا کہ عشرہ رمضان؟ ابن قیم نے زاد المعاد میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایام میں سے عشرہ ذی الحجہ افضل ہے اور ایام میں سے عشرہ رمضان کیونکہ عشرہ رمضان میں یلہ القدر افضل الیوم اور عشرہ ذی الحجہ میں یوم عید افضل الیام ہے۔

رفی روایت الطبری فی تفسیر نزولت یوم جمعہ یوم عیدتہ کلاھا جمعہ اللہ عید، یعنی میں عید منانے کی ضرورت نہیں بشرط تعالیٰ نے ان دونوں دنوں کو ہمارے لئے عید بنا دیا ہے ہم خود عید بناتے تو یہ بدعت ہوتی رفی روایت الطبری و حالنا عید ان، وعند الترمذی نزولت فی یوم عیدین یوم جمعہ و یوم عیدتہ یہ دو عید ہر روز ہیں ایک تیسری عید مکانی بھی ہے جو مرن حجاج کے ساتھ مخصوص ہے یعنی میدان عرفات و اشار الیہ بقولہ و مکان الی الذی نزلت فید علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ہر قاسم بعرفۃ۔

قال العائض رحمہ اللہ تعالیٰ و اتخذوا یوم عرفتہ عیداً لانہ لیلۃ العید و لکل اکسا جاء فی الحدیث للآتی فی الصیام شہر عید لا ینقصان رمضان و ذوالحجۃ فسی رمضان عیداً لانہ بعقبہ العید۔

فان قيل کیف دلت هذه القصة على ترجمة الباب؟

اجیب من جهة انها بلیت ان نزلها کان بعرفۃ وکان ذلک فی حجة الوداع التي هی

آخر عهد البعثة حين تمت الشريعة و اركانها، والله اعلم۔

وقد جزم السدي بانه لم يسئل بعد هذه الآية شئ من حلال والحرام (ارشاد تاجي)
نوٹ: اس حدیث کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے "نعم الباری" کتاب المغازی ص ۲۸۳ تا ۲۸۵

• باب الزکوة من الاسلام •

ویر قرآن کریم وذلک دین القیمۃ • صلا

زکوة اسلام کا ایک شعبہ اور رکن ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورہ بقرہ میں) حالانکہ ان لوگوں کو دکتب سابقہ میں، یہی حکم دیا گیا تھا کہ یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوة ادا کریں یہی دین مستقیم ہے۔

۴۴ • حدثنا اسفعلی قال حدثني مالك بن النسي عن عطاء بن سہیل بن مالك عن ابيه انه سمع طلحة بن عبيد الله يقول جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد فائثر الرأس سمع ذبى صوتيه ولا نفقة ما يقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات في اليوم والليلة فقال هل علي غيرها قال لا الا أن تطوع قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وصيام رمضان قال هل علي غيرها قال لا الا أن تطوع قال وذكر له رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكوة قال هل علي غيرها قال لا الا أن تطوع قال فادبر الرجل وهو يقول والله لا أزيد على هذا ولا انقص قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أفلح إن صدق •

ترجمہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نجد والوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پر اگندہ سر یعنی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے ہم اس کے آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے اور اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی یہاں تک کہ وہ نزدیک آگیا، جب معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں دریافت کر رہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر (فرض) ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر کہ تم نفل پڑھو۔ کھوڑے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور رمضان کے روزے فرض ہیں اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر روزہ ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر کہ تم نفل روزے رکھو، حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوة کو بھی بیان کیا اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی کوئی صدقہ میرے ذمہ ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر کہ تم نقل صدقہ دینا چاہو۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ پیٹھ پھیر کر یہ کہتا ہوا چلا کہ خدا کی قسم نہ اس پر بڑھاؤ لگا اور نہ گھٹاؤ لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اگر اس نے چکا کہا تو کامیاب ہو گیا۔

مطابقتہ للترجیم

مطابقتہ للحدیث للترجیمہ ظاہر لآلہ الترجمہ للزکوۃ من الاسلام و موضع الدلائل فی الحدیث و قولہ فاذا هو یسألہ عن الاسلام فذكر الصلوة والصوم والزکوۃ وهذا ظاہر فی کتبہا من الاسلام رکبہ لک مطابقتہ للآلہ ظاہر من حیث ان الذکور فی کل واحد منها الصلوة والزکوۃ۔ (عقود)

ترجمہ الباب کا جز ثانی یعنی آیت کریمہ جزء اول یعنی الزکوۃ من الاسلام کے لئے دلیل ہے باہم طور کہ آیت کریمہ میں دین الزکوۃ کے بعد فرمایا وذلک دین القیۃ، ذلک کا اشارہ جلد اول ذکر کردہ کی طرف ہے جن میں زکوۃ بھی داخل ہے۔

ربط قبل

اس سے پہلے اب میں ایمان کی زیادتی اور نقصان کا بیان تھا اور جن اعمال سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے وہ دو قسم کے ہیں بدعتی اور ناکہ۔ عبادات پر نہ کو پہلے بیان کر چکے اب عبادات مالہ کو بیان کر رہے ہیں۔ ایک طبعین ربط یہ بھی ہے کہ پہلے زیادتی اور نقصان کا بیان تھا اور اس باب کی حدیث میں واللہ لا یزید علی هذا علی الفص ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں زیادتی اور کمی نہ ہو سکتی ہے در قسم کھا کر اسکی نفی کی حاجت نہ ہوتی۔ (امام ابیہام) قلہ الحدیث اور اخرج البخاری صنف الامان ص ۱۵۷ وفی الصوم ص ۱۵۷ وفی الشهادات ص ۱۵۷ وفی العیال ص ۱۵۷ مسلم شریعت کتاب الامان ص ۱۵۷۔

تشریح

جاء رجل من نجد وطلب منی عن ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ عرب کے جرحہ کو نجد (موضع النزد سکون الیم) کہتے ہیں اور بہت حد کو تہمت اور وسط حد کو تہمت کہتے ہیں بیان نجد سے مروی تہمت کے مقابلہ میں جرحہ کا جرحہ ہے جو عراق تک پہنچا گیا ہے

ناشر الکتاب (بارخ حنفی رحیل) ابو بانبہ علیہما السلام اس کے سرکے بال بھرے ہوئے تھے یہ تہمت سفر کا تہمت تھا۔ اس روایت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کو علم حاصل کرنے کیلئے دور دراز کا سفر کرنا پڑے تو اس میں تاخیر اور وقت نہیں کرنا چاہئے نیز طالب علم کو ضرورت سے زیادہ زیب و زینت، بناؤ سنگھار کے پکڑ میں نہ پڑنا چاہئے بس ایک ہی کتا ہو۔ طالب علم میں ہمیں دیکھنا ہے کیا مطلب ملے وہ ملے میرا۔ میرے گے ہم کتابوں پر وقت بیکار کفن میرا اس آنے والے اور سوال کرنے والے تہمتی کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ تاہم جامعہ اور ابن بطالہ کی رائے ہے کہ نجدی شخص ضمام بن ثعلبہ ہیں یہ حضرات اپنے خیال کی تائید میں مختلف قرآن و دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل ہے کہ امام مسلم نے اس حدیث طحہ کے بعد ضمام بن ثعلبہ کی حدیث بیان فرما کر اشارہ کر دیا کہ حدیث طحہ میں رجل من اہل نجد سے مروی ضمام بن ثعلبہ ہیں کیونکہ امام مسلم کا عام طریقہ ہے کہ احادیث ایسی قریب سے بیان کرتے ہیں کہ پہلی روایت میں اگر کوئی ابہام و احتمال ہو تو دوسری روایت سے اسکی

وضاحت ہو جائے چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ کی روایت کے بہت سے الفاظ اس روایت سے ملتے جلتے ہیں کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ کو اعرابی و بدوی سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس نجدی کی حالت بھی ناٹھراٹھس کے ذریعہ بدویت کا ظہور ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں رجل من اهل الملبدینہ سے یقینی طور پر بالاتفاق حضرت ضمام بن ثعلبہؓ مراد ہیں۔

تیسری دلیل واپسی کے وقت دونوں نے لا ازیذ علی هذا ولا نقص مند کہا ہے۔ محمد بن عظام دائرہ حدیث کی ایک جماعت اس سے متفق نہیں ہے چنانچہ علامہ قرطبیؒ، حافظ عسقلانیؒ، علامہ عینیؒ اور حضرت شاہ ابوالکثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رجل ہم ضمام نہیں دونوں کے سوالات و جوابات میں بہت فرق ہے اگرچہ بعض اور میں مشابہت ہے۔

مسموع دري صرحہ ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ سے تھے کہ دی۔ بلغ اللہ وکسر اللواؤ وشدید لیا، لغوی معنی میں مکھی کی بھنبھناہٹ، یہاں بدوی کے گنگناہٹ کی وجہ سے کہ یہ ایک قوم کے نمائندہ تھے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ان سوالات کو حضور اقدسؐ کی خدمت میں پیش کرنا تھا ان کو اپنی زبان پر دہرا رہے تھے تاکہ گنگناہٹ کرنے وقت کسی لغزش کی نوبت نہ آئے۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بڑے کے پاس جاتا ہے تو اس پر رعب پڑتا ہے، ہیبت طاری ہو جاتی ہے اس لئے یہ شخص آہستہ آہستہ یاد کرتا جاتا ہے تاکہ کوئی بات نہ رہ جائے۔

فاذا هو يسأل عن الاسلام اذا عفا جاتہ ہے یعنی اس کی ہیبت رخص سے یہ توقع نہ تھی کہ اسلام کے بارے میں سوال کریگا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں اسی من ارکان الاسلام، یعنی اس نجدی کا سوال اسلام کی حقیقت و ماہیت کے متعلق نہ تھا بلکہ اسلام کے ارکان و فرائض کے متعلق سوال تھا، یہی وجہ ہے کہ اس میں شہادتین کا ذکر نہیں ہے، احتمال ہے کہ سوال حقیقت اسلام ہی کے متعلق ہو اور آنحضورؐ نے شہادتین کو بیان بھی فرمایا ہو مگر راوی نے اختصاراً اس کا ذکر نہیں کیا کہ یہ تو سب کو معلوم ہے۔

خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ دن و رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔

فقال حل علی منہا قال لا اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی نماز میرے ذمہ ہے؟ تو

آپؐ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ وتر اور عیدین واجب نہیں۔

مسئلہ وتر امام شافعیؒ اپنی کتاب الام میں اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں خمس النصف الصلوات خمس وما سواها تطلوع یعنی فرض نمازیں پانچ ہیں اور اس کے علاوہ نفل ہے۔

خود امام شافعیؒ نے اتنا ہی لفظ کہا ہے وتر کے متعلق خصوصیت سے انکار لزوم یا عدم وجوب کچھ نہیں کہا، بعد میں شوافع نے وتر کے عدم وجوب پر اس روایت سے استدلال شروع کر دیا۔

چنانچہ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ وتر وغیرہ واجب نہیں۔ (فتح جلد ۱ ص ۵۹)

جوابات: اگر اس روایت سے آپ عدم وجوب وتر ثابت کرتے ہیں تو آگے چل کر زکوٰۃ سے

سے متعلق بھی بعینہ ہی الفاظ ہیں لا الا ان تطوع تو اس سے ثابت ہو گا کہ صدقۃ الفطر واجب نہیں حالانکہ حضرت شوافع اور خود امام بخاری کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے۔ خدا جو ایک فہر جو اپنا۔

(۲) یہ حدیث وجوب وتر سے قبل کی ہے مگر اس کی روایت ابی داؤد:

ان الله تعالى قد اكدكم بالصلاة هي خير الله تعالى في تمہاری نمازوں میں ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے
مگر منہم النعم رھی الوتر (ابو داؤد رشیدی، دبی ص ۱۸۷)
جو تمہارے لئے سرخ اوتاروں سے بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے پانچ نمازیں ہی فرض تھیں پھر ایک نماز وتر کا اضافہ ہوا اور چونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اس لئے اس سے وجوب ہی ثابت ہو گا۔

(۳) عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم قال بادر بالصبح بالوتر (ابو داؤد ص ۲۰۷)
اذا اسرعا باداء الوتر قبل الصبح والامر للوجوب۔

(۴) الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا۔ (ابو داؤد ص ۲۰۷)

(۵) من نسي الوتر او ناسى عنها فليصلها اذا ذكرها۔ (مسند احمد)

جو وتر کو بھول جائے یا اس سے سو جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے۔

جس طرح فرائض کی قضا کا حکم ہے اسی طرح وتر کی قضا کا بھی حکم ہے یہی دلیل وجوب ہے، اگر وتر کی نماز واجب نہ ہوتی تو قضا کیوں واجب ہوتی۔ قضا کا حکم واجبات میں ہوتا ہے ذکر سنن میں۔
چونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اس لئے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوگی اس کا درجہ فرضی سے کم سنت سے ہو پر یعنی واجب ہو گا۔

(۶) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا اهل القرآن اوتروا (ابو داؤد ص ۲۰۷)

واللواذ باهل القرآن المؤمنون فان الاهلية علمته شاملة لمن آمن به سواء قرأ او لم يقر
اس میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

(۷) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم اجعلوا اخر صلواتكم اللیل وتروا (ابو داؤد ص ۲۰۷)
اسی طرح بکثرت احادیث میں وتر کی تاکید ہے جس سے وجوب کا درجہ معلوم ہوتا ہے یہاں صرف چند دلائل کی طرف اشارہ ہے۔ انشاء اللہ مدلل تفصیل ابواب الوتر میں معلوم ہوگی۔

الآن (فتح الموقر) تطوع میں استسقاء متصل ہے یا منقطع ؟

اتمام وقضائے نوافل | اس حدیث کے تحت ایک بحث یہ ہے کہ اگر نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر دے تو تمام اور کسی وجہ سے خاسر ہو جائے تو اسکی قضا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

احناف کے ہاں اس کی قضا لازم و واجب ہے۔ عام کتابوں میں مالکیہ کا مذہب بھی منقول ہے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک کسی نفل کو شروع کر دینے کے بعد بلا عذر فاسد کرنے پر قضا واجب ہے۔

شوافع کے دلائل چونکہ استثناء میں اصل اتصال ہے اور حضرات شوافع انقطاع کے قائل ہیں یعنی الا ان قطع میں شوافع کے نزدیک مستثنیٰ منقطع ہے یعنی مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے خارج ہے۔ مستثنیٰ منہ میں فرائض و واجبات تھے اور مستثنیٰ میں نوافل و مستحبات ہیں۔ اور اگر مستثنیٰ متصل مانا جائے جیسا کہ احناف کہتے ہیں تو حدیث کا مطلب ہوگا کہ ان کے علاوہ اور کچھ فرض نہیں مگر یہ کہ نفل پر عفو تو شروع کرنے پر واجب ہو جائیگا چونکہ مستثنیٰ متصل میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے جنس سے ہونا ضروری ہے اور یہ مسلم ہے کہ اصل متصل ہی ہے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی شافعی فرماتے ہیں:

وحرث المسئلة دائرة على الاستثناء فنف
قال انه متصل متصل بالاصل ومن قال
انه منقطع احتاج الى دليل والدليل
عليه ما روي النسائي وغيره۔

اور سند لا دار استثناء پر ہے جس نے کہا متصل ہے اس نے اصل کے ساتھ تمسک کیا اور جس نے کہا منقطع ہے وہ دلیل کا محتاج ہے اور اس پر دلیل نسائی کی روایت ہے۔ پھر حافظ نے نسائی شریف کتاب الصوم کے ایک روایت نقل کیا ہے :-

احناف کے دلائل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی نفل روزے کی نیت فرمالتے پھر افطار کر لیتے تھے اور بخاری شریف کی ایک روایت نقل کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمیرہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کو جبہ کے دن روزہ شروع کرنے کے بعد افطار کا حکم دیا۔ (بخاری ص ۲۶۷)

حافظ عسقلانیؒ نے ان دونوں روایتوں کو تو ذکر کیا جو قضا سے سکت ہیں اور جن روایتوں میں قضا کا صریح حکم ہے اس کو دیدہ و دانستہ چھوڑ دیا یہ خلاف انصاف ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اور حفصہؓ نے روزہ رکھا تھا بکری کا گوشت ہدیہ میں آیا ہم دونوں نے کھالیا پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے (اور حفصہؓ نے یہ بات بتادی) تو آپؐ نے فرمایا: اقضیا یوماً اخر کاذا (تمہاری مشکوٰۃ ص ۱۱۱) ایضا مسند احمد۔ یعنی اس کے کسی دوسرے دن قضا کر لو۔

(۲) دارقطنی نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت درج کی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ ایک دن روزہ رکھا پھر کسی وجہ سے توڑ دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قضا کا امر فرمایا اور مرد و عورت کے لئے ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ قضا واجب ہے۔

(۳) ارشاد الہی ہے: لا تبطلوا اعمالکم یعنی اپنے اعمال کو باطل مت کرو۔

نہی کا مہض ہے اور اصل نہیں میں تحریر ہے، جب عمل کا باطل کرنا حرام ہوا تو اس عمل کا قائم رکھنا ضروری ہوا یعنی شروع کرنے کے بعد پورا کرنا واجب ہے۔

(۴) اجماع سے بھلا حائف کا مذہب ثابت ہے اگر کوئی نفل حج شروع کرنے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے توڑنا جائز نہیں، قسطن نے پر ہما قضا واجب ہے لہذا نفل نماز، روزہ کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

(۵) عبادت میں احتیاط لونی ہے ظاہر ہے کہ عبادت کرنے اور عبادت چھوڑنے میں عبادت کر لینا احتیاط بالعل ہے۔

(۶) سب سے بہتر دلیل وہ ہے جو صاحب بدائع نے جلد اول ص ۲۹ میں بیان کیا ہے:

انشر تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولینوہا نذروہا ہم اور اپنی نذروں کو پورا کریں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ صحیح نذر (میت) کا پورا کرنا واجب ہے اور نذری دو قسم ہے:

۱۔ نذر تولی جو متعارف و مشہور ہے۔ ۲۔ نذر فعلی، نفل شروع کرنا نذر فعلی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کیلئے

کسی چیز کے کرنے کا زبانی عہد کر لیتا ہے تو عہد شکنی سے بچنے کے لئے اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے تو

جس چیز کو انسان نیت کے ساتھ شروع کر چکا ہے اس کا اتمام تو بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔

واللہ لا یزال علیٰ ہذا ولا یقتضی

اشکال

زیادہ عبادت نہ کرنے پر قسم کیوں کھائی؟

جواب

بعض دفعہ طرفین ذکر کر کے طرف واحد کی تاکید مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ مشتری ثمن میں کمی کا مطالبہ کرنے کو بانی جواب میں کہتا ہے کہ اس میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمی نہ ہوگی اگر

تاکیداً پیشی کا نقطہ بھی ساتھ ملانے کا عرف ہو چکا ہے پس یہاں بھی صرف لا یقتضی مقصود ہے۔

(۲) یہ شخص اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قوم

تک پہنچانا ان کے ذمہ واجب تھا پس ان کے اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ارشادات کی تبلیغ میں اپنی

طرف سے کمی پیشی نہ کروں گا۔

(۳) یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ کیفیت میں کمی پیشی نہ کروں گا۔ یعنی فرض کو غیر فرض اور غیر فرض کو فرض نہ

سمجھوں گا، نیز فجر کی نماز دو رکعت کے بجائے چار اور ظہر میں چار کے بجائے دو نہ کروں گا۔

(۴) اس قول کو اس کے ظاہر پر نہ کھائی جائے ہو سکتا ہے کہ میں نفل عبادت نہ کروں گا اور اس پر قسم کھانا

امرا عند نفرت کی بنا پر نہیں بلکہ حکیم الغرضی کی وجہ سے ہوگا۔

حضرت ثمالی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے حضرت حاجی صاحب

قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں صرف بیعت ہونا چاہتا ہوں دیگر شغل وغیرہ مجھے سے کچھ نہ ہو سکتا

فرمایا کہ کچھ نہ کرنا لیکن کم از کم سیکھ لو مثلاً یہ بھی دلچاسپن ہے، دو روزہ سبج کا طریق تعلیم قبول یا صرف

سیکھ لیا خیال تھا کہ کروں گا نہیں۔

حاجی صاحب قدس سرہ نے یہ تصریح کیا کہ خادم سے فرمایا "ان کا بستر میرے قریب لگا دو" اجاںک رات کو آنکھ کھل حالانکہ جوانی کی عمر تھی رات کو کبھی اٹھنے کا خیال تک بھی نہ کیا تھا آنکھ کھلنے کے بعد پھر سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آرہی، خیال کیا کہ نیند نہیں آتی تو چلو آج حضرت کا بتایا ہوا وظیفہ ہی پڑھ لوں، مسجد ادا کی پھر بڑے شوق سے ذکر کیا آخر ذکر کی ایسی جاٹ لگی کہ ساری رات ذکر ہی میں گزر جاتی۔ اسی طرح ممکن ہے کہ اس شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تو لا ازیں کہا مگر بعد میں کثرت سے نقل عبادت کرنے لگے ہوں۔

انفج ان صدق اگر یہ شخص اپنے کلام میں سچا رہا تو کامیاب ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے انفج واسیدہ ان صدق (مسلم اول سنہ) یعنی اس کے باپ کی قسم اگر یہ سچا رہا تو کامیاب ہوگا۔

اس میں بغیر اللہ کی قسم ہے حالانکہ ارشاد نبوی ہے: لَا تَخْلُقُوا بَابًا فَكُفِّرَ (جہاں چاہے) **اشکال** حب بغیر اللہ کی قسم منوع ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اللہ کی قسم کیوں کھالی؟

جواب علامہ شوکانی غیر مقلد نے تل الاوطار میں بے سرچشمے یہ جواب دیا ہے کہ حرم من فلتات لسانہ یعنی یہ قسم سبقت لسانی کے طور پر آپ سے صادر ہو گئی (العیاذ باللہ) یہ جواب بلاشبہ غلط ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اللہ میں دجا جسارت ہے۔

جواب بلا ممکن ہے کہ حلف بغیر اللہ کی حرمت سے قبل کا واقعہ ہو۔

۲۔ اس قاذوں سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ پر تو ظاہر ہے کہ کسی چیز کے حرام یا فرض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مستثنیٰ ہیں کہ وہاں علت حرمت مفقود ہے۔ حرمت بغیر اللہ کی علت یہ ہے کہ کہیں مقسم بہ کی علت مفقود الی اللہ نہ بن جائے، رسول میں اور کوئی احتمال نہیں۔

جواب ۳۔ یہاں لفظ رب محذوف ہے اصل ورب اسیدہ تھا۔

۴۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ لفظ اصل میں تھا انفج واللہ کاتب کی غلطی سے انفج واسیدہ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

طاہر بن عبید اللہ حضرت طاہر بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو محمد ہے، حضرت طاہر عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان آنکھ بزرگوں میں سے ہیں جو سابقین اسلام

میں سر فہرست ہیں، نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لئے جن چھ بزرگوں کا انتخاب کیا تھا ان میں یہ بھی تھے۔ ارجمادی الاولیٰ عشرہ کے زینوسناک جبکہ جل میں کسی طرف سے ایک تیر لگا اور شہید ہو گئے، شہادت کے وقت عمر مبارک چھ عشرہ یا زائد تھے یا اسٹاٹس

سال کی تھی۔ ان سے کل ۸۳ حدیثیں مروی ہیں دو حدیثوں پر شیخین متفق ہیں اور دو روایتوں میں امام بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں یعنی بخاری شریف میں ان کی کل چار حدیثیں اور مسلم میں پانچ۔

باب ۲۵ اتباع الجنائز من الایمان ۱۲

جنازہ کے پیچھے چلنا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

۴۵ • حدثنا احمد بن عبد الله بن علي المنجوني قال حدثنا روح قال حدثنا عوف عن الحسن ومحمد عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من اتبع جنازة مسلم ايمانا واحتسابا وكان معه حتى يصلى عليها و يكفنها فانها ترجع من الاجر بقيراطين كل قيراط مثل أحد ومن صلى عليها شتر رجوع قبل ان تكفن فانها ترجع من الاجر بقيراط تابعه عثمان السوف قال حدثنا عوف عن محمد عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم نفق •

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلے اور نماز اور دفن سے فرقت تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب کے ساتھ لوٹے گا ہر قیراط اُحد بیاض کے برابر ہے اور جو شخص صرف جنازے پر نماز پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے واپس ہو جائے تو وہ ایک قیراط ثواب لیکر لوٹے گا۔ روح کی متابعت کی عثمان موزن نے انہوں نے کہا ہم سے عوف نے محمد بن سیرین کے واسطے سے نقل کیا اور وہ ابو ہریرہؓ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی روایت کے مطابق ای مبناہ۔

مطابقتہ للترجمة :- مطابقة الحديث للترجمة في قوله من اتبع جنازة مسلم

قعد والحديث :- اخرج البخاري في الایمان ۱۲ وفي الجنائز ۱۲

باب سابق ربط باب سابق سے ربط یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے اور جنازہ کے ساتھ چلنے میں ایک بات قدر مشترک ہے یعنی حقوق مسلم کی ادائیگی، یا اس طرح کہا جائے کہ جس طرح

ایک فقیر و مفلس مسلمان کے خراج و ضروریات دوسرے کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں اسی طرح مرنے والا بھی اپنی ضروریات کے لئے تعاون کا محتاج ہے اسی قدر مشترک کی وجہ سے امام نے الزکوٰۃ من الاسلام کے بعد اتباع الجنائز کا باب منعقد کیا ہے۔

مقصد ترجمہ امام بخاریؒ کا مقصد مرحۃ کا رد ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانا ایک عمل ہے پھر شرکت کرنے والوں کی شرکت کے فرق سے ثواب میں تفاوت بیان کیا گیا ہے جس سے

اعمال کے تفاوت سے ایمان میں کمی بیشی ثابت ہو گئی۔

تشریح

احناف دشوافع میں یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے جنازہ کے آگے رہیں یا پیچھے؟ اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جنازہ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے اختلاف صرف اولویت و افضلیت میں ہے۔ حضرات شوافع کہتے ہیں کہ میت کے ساتھ آگے چلنا چاہئے کیونکہ ساتھ جانے والے گویا سفارشی ہیں۔ اور حضرات احناف کہتے ہیں کہ میت کے ساتھ پیچھے چلنا افضل ہے، اس اختلاف کا تعلق جنازہ اٹھانے والوں سے نہیں بلکہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں سے ہے۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے ایک سفارشی کی حیثیت میں ہوتے ہیں اور عام قاعدہ یہی ہے کہ مجرم پیچھے ہوتا ہے اور سفارشی آگے ہوتے ہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ میت کو بارگاہ خداوندی میں مجرم کے طور پر پیش کرنے کا نظریہ درست نہیں ایسا ہوتا تو ملزم کو خستہ حال اور پھٹے پرانے کپڑوں میں لیجاتے۔ مگر شریعت کا حکم یہ ہے کہ میت کو اچھی طرح نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر کے اچھے اور نئے کپڑوں میں ملبوس کر کے خوشبو لگا کر تعظیم کے ساتھ لیجایا جائے، اور نماز جنازہ کے وقت بھی میت کو آگے ہی رکھتے ہیں۔

بہر حال احناف کے نزدیک ساتھ جانے والوں کو میت کے پیچھے ہی چلنا افضل ہے یہی مفہوم لفظ اتباع سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے ترجمہ میں لفظ اتباع رکھا اور حدیث میں بھی لفظ اتباع ہے اور لغت میں لفظ اتباع کے معنی پیچھے چلنے کے ہیں۔

نماز جنازہ کہاں افضل ہے؟ | اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے یا نہیں؟

حضرات شوافع کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ افضل تو بیرون مسجد ہی ہے مگر مسجد کے اندر بھی بلا کراہت جائز ہے۔

حضرات احناف کے یہاں افضل یہ ہے کہ مسجد سے باہر ہو اور مسجد کے اندر مکروہ ہے۔
مزید تفصیل کتاب الجنائز میں آئیگی انشاء اللہ۔

ایسا نا و احتسابا ایمان رکھ کر اور ثواب کی نیت سے۔
یعنی یہ دونوں چیزیں کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلنے کی باعث و محرک نہیں محض رسم و رواج یا خاندانی تعلق کی بنا پر نہ ہو جیسا کہ آج کل عموماً ہوا کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احتساب کا لفظ ارشاد فرما کر نیت ثواب کی طرف متوجہ فرمادیا کہ اگر تم اپنے جھوٹے سے عمل کے ساتھ یہ نیت کر لو تو اجر و ثواب بہت بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص میت کے ساتھ رہا اور نماز جنازہ میں شرکت کے بعد دفن تک ساتھ رہا تو وہ دو قیراط ثواب کے ساتھ لوٹتا،

اور اگر کوئی شخص صرف نماز جنازہ میں شرکت کے بعد دفن کرنے سے پہلے واپس آجائے تو اس کو ایک قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اور قیراط بھی دنیا کا نہیں جو دینار کا بار ہواں حصہ ہوتا ہے بلکہ آخرت کا قیراط مراد ہے جس کی مقدار جیل احد کے برابر ہے اور مقصود اس سے ترغیب ہے اور اس سے تفاضل ایمان کی طرف بھی کچھ اشارہ ہو گیا۔ تابعہ عثمان الموذنی اس حدیث میں ردح کی متابعت عثمان موزن نے کی ہے، یعنی انہوں نے اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی، مقصد یہ ہے کہ جو ردح کے طریق سے ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی گئی ہے اس کی موافقت میں عثمان موزن سے بھی ایک روایت مقول ہے، امام بخاریؒ یہ فرق بتانا چاہتے ہیں کہ میری روایت باللفظ ہے اور عثمان کی روایت بالمعنی ہے اس لئے ہجائے مثلث کے نحو سے تفسیر کیا گیا ہے۔

● **بابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ** مِنْ أَنْ يَعْصِيَ عَمَلَهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ وَقَالَ اِبْرَاهِيمُ النَّيْسَبِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي إِلَّا خَشِيتُ أَنْ أَكُونَ مَكْذُوبًا وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَلِيكَةَ أَدْرَكْتَ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ إِنَّهُ عَلَى إِيْمَانٍ جَبْرِيٍّ وَمِكَائِيلُ وَيُذَكِّرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهُ إِلَّا مَوْتٌ وَلَا أَحْسَنَهُ إِلَّا مَنَافِقٌ وَمَا يَخْذَرُ مِنَ الْأَصْرَارِ عَلَى التَّقَاتِلِ وَالْعَصِيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَلَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ مَا فَعَلُوا وَهُمْ

يَقْتُمُونَ ● ترجمہ مؤمن کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اس کا عمل اکارت نہ ہو جائے اور اس کو خبر نہ ہو، اور ابراہیم نیسبئی نے کہا (جو داعط تھے) کہ جب بھی میں نے اپنے قول کا عمل سے موازنہ کیا تو یہ خوف ہوا کہ کہیں میں (شریعت کے) جھٹلانے والوں میں سے نہ ہوں، اور ابن ابی ملیک نے کہا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابہ سے ملا ان میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا ڈر لگا ہوا تھا ان میں سے کوئی بھی یہ نہ کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے ایمان جیسا ہے، اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ نفاق سے وہی ڈرتا ہے جو مومن ہے اور نفاق سے بے فکر نہیں رہتا ہے مگر منافق، اور ان امور کا بیان جن سے ڈرایا جاتا ہے یعنی باہمی جنگ اور گناہوں پر بغیر توبہ کے اصرار کرنا (اڑے رہنا) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورہ آل عمران میں) اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے (برے) کام پر اصرار نہیں کرتے۔

ربط باب سابق میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اتباع جنازہ اور دفن میں شرکت سے ثواب عظیم اس وقت حاصل ہو گا جبکہ ایمان و اعتقاد کے ساتھ ہو کسی دنیوی غرض سے نہ ہو بلکہ خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اب اس باب میں یہ بیان کرتے ہیں کہ کبھی کبھی عمل کے ساتھ یا بعد میں ایسی چیزیں عارض ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے انسان ثواب موعود سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا اس لئے انسان کو عمل کے وقت اور بعد میں ایسے عوارض سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے اجر موعود کے سوخت

ہو جانے کا خطرہ ہو۔

اس باب میں دو ترجمے ہیں، ایک تو خوف المؤمن ان یحبط عمله وهو لا یشرع یعنی مؤمن کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کسی وقت غفلت و بے شعوری میں اس کا کوئی عمل اکارت نہ ہو جائے۔

دوسرا ترجمہ ہے "ما یحذر من الاصرار علی التقاتل والمعیان من غیر قیادۃ"

یعنی ان امور کا بیان جن سے مؤمن کو ڈرایا جاتا ہے مثلاً باہمی جنگ اور گناہوں پر بغیر توبہ کے اصرار کرنا۔

امام بخاری نے پہلے ترجمہ کے اثبات کیلئے ابراہیم تیمی وغیرہ کے اقوال ذکر کئے ہیں، اور دوسرے ترجمہ کے لئے دو حدیثیں ذکر کیں، چونکہ احادیث میں اصرار من غیر توبہ کا ذکر نہیں تھا اس لئے ایک آیت ولم یصروا علی ما فعلوا وہم یعلمون ذکر کر کے اس کی کو پورا کر دیا۔

امام بخاری کا اصل مقصد اس باب سے بھی مرجئہ کی تردید ہے لیکن امام نے اس باب سے دوسرا طرز اختیار کیا ہے۔ اب تک مکتلات ایمان کو بیان کیا تھا اور اب اس باب سے مضرات ایمان کو بیان فرما رہے ہیں۔

مرجئہ کہتے ہیں کہ عمل لاشعری محض ہے، عمل نہ تو ایمان کا جزو حقیقی ہے نہ جزو تکمیلی، تو امام بخاری نے اب تک یعنی اتباع الجنائز تک من الایمان، من الاسلام اور من الدین کے ابواب منعقد کر کے یہ بتلا دیا کہ یہ سارے اعمال ایمان کامل کے اجزاء ہیں، ان سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، ردنی بڑھتی ہے۔ اب اس باب میں دوسرے پہلو سے مرجئہ کی تردید کر رہے ہیں، مرجئہ یہ بھی کہتے ہیں کہ لا تنصر مع الایمان معصیتہ۔

امام اس باب سے بتلا رہے ہیں کہ معصیت ایمان کو ضرر پہنچاتی ہے، اگر ایمان کے لئے معصیت مضر نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان تعبط اعمالکم نہ فرماتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان تعبط اعمالکم ارشاد فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ معصیت کی وجہ سے عمل برباد ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی جبکہ انسان معصیت پر اصرار کرے اور توبہ نہ کرے تو کفر تک فوبت پہنچ جاتی ہے۔

خوف المؤمن ان یحبط عمله وهو لا یشرع مؤمن کو بے شعوری میں حبط عمل سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ یہ ترجمہ الباب ایک آیت سے مقتبس ہے یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تعہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تعبط اعمالکم واستنموا لاشعرون (سورہ حجرات) اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احرام کی تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح سے آپس میں ایک دوسرے سے بلا تکلف ہو کر یا ٹرخ کر بات کرتے ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا بے ادبی ہے ممکن ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تلذذ بپیش آنے جس سے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے سارے اعمال ضائع و اکارت نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی ہو۔

بعض چیزیں بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں بڑی خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ جیسے ڈانٹنا، ڈرا سا ہونا ہے مگر پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

اشکال اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ کفر کے علاوہ کوئی معصیت محبط اعمال نہیں اور معتزلہ کے نزدیک چونکہ معاصی مخرج عن الایمان ہیں اس لئے معاصی محبط اعمال بنتے ہیں چنانچہ علامہ زحشری نے اس مسئلہ میں کثرت مذکورہ سے استدلال کیا ہے کہ رفع صوت فوق صوت النبی کفر نہیں مع ہذا ان محبط اعمال کو فرمایا گیا معلوم ہوا کہ کفر کے علاوہ دوسرے معاصی بھی محبط اعمال ہیں۔

جواب۔ جوابات تو مختلف دیئے گئے ہیں لیکن سب سے بہترین جواب ابن منیر مالکی کا ہے جو حاشیہ کشاف میں ہے جو رد مقدموں پر موقوف ہے۔

(۱) چھوٹے شخص کا بڑے کے سامنے باوازا بلند کلام کرنا بعض دفعہ موجب ایذا بن جاتا ہے۔
(۲) ایذا نبی بالا جاح کفر ہے اللہ تعالیٰ نے ایذا نبی پر سزائے سخت کا اعلان فرمایا ہے: **وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** (سورہ توبہ)

پس چونکہ رفع صوت فوق صوت النبی کے بعض افراد موجب کفر ہیں اور اس میں امتیاز بھی مشکل ہے کہ کس حد تک رفع صوت موجب کفر ہے اور کس حد تک نہیں لہذا حسا للمارہ ہر رفع صوت سے منع فرمادیتا تاکہ غیر شعوری طور پر بعض افراد کے ارتکاب سے کفر نہ لازم آجائے جس سے تمام اعمال حبط (اکارت) ہو جائیں گے اس کی نظیر یہ ہے یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (دجوات) حالانکہ بعض ظن اثم (گناہ) ہے مگر کثیر ظن سے بچنے کا حکم فرمایا کہ امتیاز مشکل ہونے کی وجہ سے مبادا ایسے ظن میں مبتلا ہو جائیں جو کہ اثم (گناہ) ہو۔

قال ابراہیم النبی امام بخاریؒ نے پہلے ترجمہ کے اثبات کے لئے سب سے پہلے ابراہیم نبیؑ کا قول پیش کیا ہے **ما عرضت قولي على عملي الا خشيت ان اكون مكذبا** میں نے اپنے گفتار کو رد کر دیا کہ وہب ملایا تو مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں میں (شریعت کے) جھٹلانے والوں میں سے نہ ہوں۔

مکذبا اسم فاعل (بکسر الذال) بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول (بفتح الذال) بھی۔ اگر اسم فاعل ہو تو اس میں دو احتمال ہے **ما مکذبا للدين** یا **مکذبا للنفس**

پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب میں ایمان کے مقتضی پر عمل نہ کروں گا تو گویا اپنے عمل سے دین کو جھٹلانے والا ہوں، کیونکہ اگر ایمانیات اور اعمال ایمانیہ کار آمد و مفید ہوتے تو جھٹلا میں اس پر عمل کیوں کرتا؟ معلوم ہوا کہ ایمان کا مذہب حق ہونا اور اسلامی امور و احکام کے اچھے ہونے کا دعویٰ زبانی ہے دل سے اسے نہیں مانتے ورنہ اس پر ضرور عمل کرتے۔ اس صورت (یعنی مکذبا للدين کی صورت) میں ایک معنی **مشابہا للکذابين** بھی ہو سکتے ہیں یعنی عمل کے اعتبار سے دین کی تکذیب کرنے والوں سے مشابہت کی وجہ سے میرا شمار بھی

دین کے جھٹلانے والوں میں سے نہ ہو جائے کیونکہ منافقین میں طلاقت لسانی تو بہت ہوتی ہے لیکن عمل کے میدان میں وہ صفر ہوتے ہیں۔

دوسری صورت مکذ بالانفسی کا مطلب یہ ہوگا کہ جب میں اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ میں اپنے کو جھوٹا تو نہیں کہہ رہا ہوں کیونکہ میری بات سچی ہوتی تو اس پر عمل ضرور کرتا۔

بہر کیف شراح بخاری کی رائے یہ ہے کہ اسم فاعل ہی کا صیغہ زیادہ رائج ہے لیکن فتح کی روایت بھی ثابت ہے اس صورت میں مفعول کا صیغہ ہوگا معنی یہ ہوں گے کہ جب میں اپنے قول و عمل کا موازنہ کرتا ہوں تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جھٹلا دیا جاؤں کہ تیرا قول و عمل یکساں نہیں ہے یعنی ہر دیکھنے والے مجھے جھوٹا کہیں گے۔

حضرت ابراہیم تیمیؒ بڑے عابد زاہد متقی و پرہیزگار تابعی تھے، واعظ تھے اور عامل بھی تھے اس لئے ابراہیم تیمیؒ کا یہ قول تواضع اور غلبہ خشیت پر مبنی ہے یہ ان واعظین میں سے نہ تھے جن کے متعلق حافظ شیرازی نے کہا ہے :

واعظان کیں جلوہ بر محراب و منبر ی کنند چوں بخلوت ی روند آں کار دیگری کنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس تو بہ فرمایاں چرا خود تو بہ کتری کنند

ان کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے "یا ایہا الذین آمنوا لعلکم تفلحون مالا تفلحون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفلحون" (نہج ۹۷)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ: ان ابراہیم جو ابن زید بن شریک الکوفی قتلہ الحجاج بن یوسف وقیل مات فی سجنہ ابو یعنی حجاج بن یوسف مشہور ظالم نے حضرت ابراہیم تیمیؒ کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن سپاہی نے ہمنام ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم تیمیؒ کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا، لوگوں نے کہا کہ آپ کو غلطی سے پکڑا گیا ہے آپ صفائی پیش کریں، فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے کو بچا کر ایک بے گناہ کی سزا کا سبب بنوں چنانچہ اسی جیل میں سلسلہ میں وصال فرمایا۔

وقال ابن ابی مہککۃ (بضم المیم) عبد اللہ بن عبد اللہ القرشی المکی التیمی الا تابعین کے علماء شامیر میں سے ہیں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے قاضی اور موذن تھے سلسلہ میں وفات ہوئی امام بخاریؒ پہلے ترجمہ کے اثبات کے سلسلہ میں ابراہیم تیمیؒ کے بعد عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی ملیکہ کا قول پیش کرتے ہیں۔

ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلہم یخاف النفاق علی نفسه ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں تیس صحابہ سے ملا ان میں سے ہر ایک نفاق سے ڈرتا تھا یعنی نفاق عملی سے ڈرتا تھا یا یوں کہا جائے کہ یہاں نفاق سے دونوں نفاق مراد ہے۔

اس سے اہل بدعت مرجئہ کی تردید ہوگئی جو ایمان کے۔ اخلاص اعمال کی اہمیت نہیں دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل خوف و خشیت الہی سے معمور تھے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا سکھ ان کے قلوب پر تھا جس کی وجہ سے ہر وقت ترساں دلرزاں رہتے تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مقدس خلیفہ جو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جنت کی بشارت سن چکے تھے اور آپ کے وزیر و شیر تھے، صاحب ستر رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام منافقین میں تو نہیں لیا؟ یہ سب اسی کا ثمرہ تھا الایمان بین الخوف والرجاء۔

ایجاد العلوم میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اثر منقول ہے کہ بالفرض میدان حشر میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے کہ پوری مخلوق میں سے ایک شخص کے علاوہ کوئی دوزخی نہیں ہوگا تو مجھے خوف و اندیشہ رہیگا کہ وہ ایک شخص شاید میں ہی ہو جاؤں۔ اور اگر یہ اعلان ہو جائے کہ صرف ایک شخص جنت میں جائیگا تو مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے امید ہوگی کہ شاید وہ شخص میں ہی ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید اور اس کے عذاب سے بے خوف ہونا دونوں کفران و خسران کے آثار ہیں۔

ما منهم احد يقول انه على ايمان جبریل ومیکائیل ان صحابہ میں سے کوئی یوں نہیں کہتا تھا کہ میرا ایمان جبریل اور میکائیل کا سا ہے۔

بعض شائخ درکس کا خیال ہے کہ اس جملہ کے نقل سے بظاہر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر تعریض ہے لیکن شراح معروفین نووی، کرمانی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ حافظ عینی، شمس الدین اور تیسرے القاری کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اس جملہ سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تردید مقصود ہے اور اس کے لئے ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے کلام میں ایمان کا ایمان جبریل و میکائیل ہے اور امام اعظمؒ کے کسی کتاب میں میکائیل کا لفظ منقول نہیں اس لئے کچھ بعید نہیں کہ امام بخاریؒ کے معاصرین میں سے کسی مرجع اہل بدعت کا یہ قول ہو جس کی تردید مقصود ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کی عبادت و استقامت، اخلاص و للہیت، تقویٰ اور خوف و خشیت مشہور و خلاقی ہے جو تو اس سے ثابت ہے۔ امام بخاریؒ اس سے ناواقف نہیں ہو سکتے اس لئے اس ترجمہ الباب اور اس قسم کے اقوال سے ان کی تردید مقصود ہی نہیں ہو سکتی، اس قسم کے تراجم سے ایسی کی تردید مقصود ہو سکتی ہے جو معاصی کو مفسد نہ سمجھتا ہو، اور جو یہ کہتا ہو کہ انبیاء و رسل و صدیقین اور عام مومنین کا ایمان یکساں ہے ان میں کوئی تفاوت نہیں، پھر اس سلسلے میں امام بخاریؒ جو روایت ذکر کی ہے اس میں صاف مرجعہ کا لفظ ہے۔ اور سبب المسلم فسق سے اس کی تردید ہو سکتی ہے جو مصیبت کو مفسد نہ سمجھتا ہو، امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تو مسلک ہی یہ ہے کہ سبب المسلم فسق، پس اس سے امام اعظمؒ کی تردید کیے ہو سکتی ہے؟ البتہ غیر مقلدین امام بخاریؒ کو جو خوف نہ سمجھتے ہیں اس لئے اس قسم کی باتیں ان کی جات منسوب کرتے ہیں۔

یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ امام اعظمؒ کی تردید ہے گویا وہ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے امام اعظمؒ کی بات

سمجھا ہی نہیں اس لئے کہ امام اعظمؒ کا مقولہ یہ ہے کہ ایمانی کما ایمان جبریلؑ پس امام اعظمؒ نے ایمانی کما ایمان جبریلؑ کہہ کر مثل ایمان جبریلؑ کی نفی فرمادی اور اس کی تصریح موجود ہے۔ "از امام ابوحنیفہؒ مروی است کہ گفت "اقول ایمانی کما ایمان جبریلؑ ولا اقول مثل ایمان جبریلؑ"۔ چہ شلیت مقتضی مسادات است در جمیع صفات و تشبیہ کاف آن مانعی خواہد بل مسادات در بعض کافی است ذکر ابن الہمام فی السائق۔ (شیخ الاسلام بر حاشیہ تفسیر القاری ج ۱ ص ۱۳۱)

اور قاعدہ ہے کہ کاف سے ذات کے اندر تشبیہ مقصود ہوتی ہے اور مثل سے جمیع صفات میں۔

تو امام صاحبؒ نے ذات ایمان (عین ایمان) میں اپنے ایمان کو ایمان جبریلؑ کے تشبیہ دیا اور صفات میں برابری کی نفی فرمادی لہذا امام صاحبؒ کا مقصد یہ ہوا کہ جن جن چیزوں پر ان کا ایمان ہے ان ہی پر ہمارا بھی ایمان ہے مومن بہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، البتہ رہے ادھان ان میں یقیناً جبریلؑ کا جیسا ایمان نہیں ہو سکتا علامہ شامیؒ نے رد المحتار میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ خلاصۃ الفوائد میں امام صاحبؒ سے یہ منقول ہے: "اکبر ان يقول الرجل ایمانی کما ایمان جبریلؑ ولكن يقول لعنت بما آمن به جبریلؑ"۔ اس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تعبیری اختلاف کے باوجود کمال ایک ہی بات ہے کہ مومن بہ کا اتحاد ہے امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کا اصل مقصد یہ ہے کہ میرا اور حضرت جبریلؑ ایمان کا مومن بہ ایک ہے، جن چیزوں کی تصدیق سے حضرت جبریلؑ مومن ہوئے ہیں میں بھی ان ہی کی تصدیق سے مومن ہوں یہ مقصد نہیں کہ کیفیات ایمان و جملہ صفات میں میں جبریلؑ کے برابر ہوں اور مومن بہ کے اتحاد پر خود نصی قرآنی شاہد ہے:

امن الرسول بما انزل الیہ من ربه ایمان رکھتے ہیں رسول اس چیز پر جو ان کے پاس نازل ہوئی

والمؤمنون (بقرہ) ان کے رب کی طرف سے اور مؤمنین بھی۔

اس آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ عاترہ مؤمنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا مومن بہ ایک ہے۔

حسن بصریؒ کا قول امام بخاریؒ پہلے ترجمہ "خوف المؤمن من أن یحبط عمله" کے اثبات کے لئے ابن ابی ملیکہ کے بعد حسن بصریؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

ریذکر عن الحسن ما خافه الامؤمن ولا امنه الامنافق حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ تفاق سے وہی ڈرتا ہے جو ایماندار ہوتا ہے اور اس سے بڑوہی ہوتا ہے جو منافق ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ اسے خوف بھی رہتا ہے اور طمع بھی، اس لئے کسی اپنے اعمال پر اطمینان و اعتماد نہیں کرتا بلکہ ہر وقت تفاق علی سے خائف رہتا ہے۔ امام نوویؒ، ابن التین اور متاخرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ماخافہ اور لا امنہ میں ضمیر منصوب اللہ کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سے وہی ڈرے گا جو مومن ہو اور اس سے بے خوف وہی رہے گا جس کے دل میں تفاق ہو یہ معنی اگرچہ صحیح ہیں

قال الله تعالى: ولعن خاف مقام ربه جنتان. وقال ايضا: فلا يا من مكسر الله الا القوم الخاسرون بلا شبه الله تعالى کا خوف محمود و مطلوب ہے مگر یہاں یہ معنی مصنف کی مراد اور خود حسن بصری کے سیاق کلام کے خلاف ہے۔ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں حسن بصری سے روایت نقل کی ہے: والله ما مضى مؤمن ولا نفي الا وهو يخاف النفاق والامانة الامناف (فتح الباری ج ۱) اللہ کی قسم کوئی مؤمن نہیں جو نفاق سے ڈرتا ہو اور منافق اس نفاق سے بے فکر رہتا ہے۔ دوسرے طرق سے بھی حسن بصری سے ایسی روایات منقول ہیں جن میں لفظ نفاق کی تصریح موجود ہے۔ علامہ عینی نے بھی متعدد طرق سے نقل کیا ہے سند کا حاصل یہی ہے کہ ماخوذہ کی ضمیر نفاق کی جانب را جع ہے اور ابن ابی ملیکہ کے اثر کے موافق بھی یہی ہے کیونکہ اس میں یہی ہے کلام یخاف النفاق علی نفسه۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ نفاق سے وہی ڈرتا ہے جو مؤمن ہے اور اس نفاق سے وہی ڈرتا ہے جو منافق ہے۔

یاد کر صفحہ بھول ہے، اور صفحہ بھول سے کسی چیز کا تذکرہ اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے حالانکہ یہاں حسن بصری کا قول بالکل صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اپنے شیخ ابو الفضل بن الحسین سے ایک قاعدہ نقل کیا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک اس قسم کے صفحہ کا استعمال صرف ضعف سند ہی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ متن کا ذکر بالمعنی کریں یا کسی قول کے بیان اختصار کریں تب بھی یہ صفحہ لاتے ہیں، امام بخاری نے اس سے پہلے ابراہیم تیمی اور ابن ابی ملیکہ کے قول کے نقل میں کوئی تفسیر یا اختصار نہیں کیا اس لئے ان کا ذکر صفحہ جزم سے فرمایا، اور حسن بصری کے قول کو نقل بالمعنی کے طور پر مختصر ذکر کیا ہے اس لئے اس کے نقل کیلئے صفحہ تخریض استعمال فرمایا اب اس باب کے دوسرے ترجمہ کی تشریح کی جاتی ہے۔

وما يحذر من الاصرار اس کا عطف خوف المومن پر ہے، ما يحذر میں ما مصدر ہے جو فعل کو مصدر کے معنی میں بنادیتا ہے۔ یہاں جس چیز سے ڈرایا گیا وہ اصرار علی العاصی ہے۔

من غیر توبہ تفسیر ہے اصرار کی، یعنی دوسری وہ چیز جس سے مومن کو ڈرنا چاہئے وہ گناہ پر اصرار ہے جو بہت خطرناک ہے۔

اصرار علی المعصية اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی میں جسارت پیدا ہو جائے، گناہ پر گناہ کرتا رہے اور ذرا بھی ندامت نہ ہو کہ توبہ واستغفار کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرنی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائیگا وہ نقطہ بڑھتا جائیگا، یہاں تک کہ تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے، یہی وہ دین (دنک) ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ "دنک پکڑ گیا ان کے دلوں پر جو وہ کھاتے تھے، یعنی ہماری آیتوں میں شک و شبہ کا کوئی موقع ہی نہیں۔"

اصل یہ ہے کہ گناہوں کی بے دریغ کثرت سے ان سب کے دلوں پر رنگ چڑھ گئے اس لئے عقائد صحیحہ کا انکسار ان میں نہیں ہوتا۔

ترجمہ الباب میں من غیر توبہ اس لئے فرمایا کہ اگر گناہ کے بعد بندناوم ہو جائے، سچے دل سے توبہ کرنے پھر بشریت کی بنا پر گناہ صادر ہو جائے تو اسے اصرار نہیں کہا جاتا، ترمذی شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرة۔

۴۶ • حدثنا محمد بن عرق قال حدثنا شعبہ عن زبید قال سألت ابا وائل عن المرحب فقال حدثنی عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سبب السیر فسوق و قتالہ کفر •

ترجمہ: حضرت زبید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوداؤد سے مرجہ کے (مقاتلہ کے) بارے میں دریافت کیا (وہ لوگ ایمان کے ساتھ معصیت کو مضر نہیں سمجھتے تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور مسلمان سے قتال کرنا کفر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں "حدیث عبد اللہ هذا للفرجة الثانية وهي قوله وما يعذر من الاصرار الخ آخر (عرق ص ۲۷)

یعنی مرجہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ اور دو سکر معاصی مثلاً مسلمانوں کو گالی دینے والا فسق نہیں ہے حالانکہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

(۲) ترجمہ الباب کے جز اول خوف المؤمن من ان يعبط عمله الا سے بھی حدیث کی مطابقت ہو سکتی ہے کیونکہ اس حدیث میں قتالہ کفر فرمایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ کفر سے قتال کو جائز و حلال سمجھنا کفر ہے جس سے جسطا اعمال کا خطرہ ظاہر ہے۔

تعداد الحدیث ۱۔ اخرجہ البخاری طبعنا فی الایمان ص ۱۳ ایضاً فی الادب ص ۸۹۳ وفی المغنی ص ۱۲۳

تشریح: ابوداؤد (شقیق بن سلمہ کوئی کبار تابعین میں سے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشد تلامذہ ہیں سے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم اور حضرت عمارؓ وغیرہ سے روایت کی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دس سال کے تھے جس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایاں لگانے کا زمانہ نہیں ہے بلکہ اس لئے صحابہ میں شمار نہیں ہے بلکہ میں وفات ہوئی۔

حضرت ابوداؤد سے مرجہ کے عقیدہ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں حدیث پڑھی:

سبب المسافر فسوق و قتالہ کفر یعنی اگر عقیدہ مرجئہ کے مطابق ایمان میں سیئات مضر نہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب مسلم کو فسق اور اس سے قتال کو کفر کیوں قرار دیا ؟

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ معاصی انسان کو فاسق بنا دیتی ہے اور بعض کفر تک پہنچا دیتی ہیں اور ظاہر ہے کہ کفر و فسق ایمان کے لئے مضر ہیں، کفر تو ایمان کی ضد ہی ہے لیکن فسق و عصیان بھی کفر ہی کے شعبے ہیں، ارشاد خداوندی ہے: وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبُ الْيَكْرَ الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْهُ فِي قُلُوبِهِ كَثِيرٌ مِّنَ الْيَكْرِ وَالْفُسُوقِ وَالْعِصْيَانِ (سورہ حجرات) اللہ نے محبوب بنا دیا تمہارے دلوں میں ایمان کو اور آراستہ کر کے تمہارے دلوں میں اس کو رچا دیا اور کفر و فسق اور عصیان کی نفرت ڈال دی۔

آیت کریمہ میں کفر، فسق و عصیان کو ایمان کے ضد مقابل ذکر کیا گیا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ فسق و عصیان بھی کفر ہی کے شعبے ہیں، پھر ایمان کو محبوب بنا دینے اور کفر و فسق و عصیان کو ناگوار بنا دینے کا احسان جتایا گیا ہے پس اگر فسق و عصیان مضر نہ ہوتے تو ان سے نفرت مومن کی شان کیوں بتائی جاتی۔

مرجئہ کی مؤثر تمویہ (۱) جس طرح حالت کفر میں حسنات نافع نہیں اسی طرح حالت ایمان میں سیئات مضر نہیں۔ (۲) جیسے کفر جنت میں نہیں جاسکتا اسی طرح ایمان جہنم میں نہیں جاسکتا۔

جواب :- قرآن و حدیث کے مقابلہ میں تلبیسات ابلیس کام نہیں چل سکتا، عصاة المؤمنین کا جہنم میں جانا لغویں مروجہ متواترہ سے ثابت ہے لہذا مرجئہ کے تلبیسات کا عقلی جواب

دینے کی کوئی ضرورت نہیں مگر مع ہذا تبرعاً جواب دیا جاتا ہے:

تمویہ اول کا جواب :- ایمان و کفر کی مثال حیات و موت جیسی ہے، ایمان حیات القلب ہے اور کفر موت القلب، اور حیات میں سیکڑوں درجات ہیں، ایک ضعیف بچے کی حیات ہے

اور ایک پہلوان کی، دونوں کے درمیان حیات کے صدہا درجات ہیں، اور موت کا صرف ایک تبار ہے یعنی لاشیء محض، یہاں دو سرا درجہ منظور ہی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح کفر سے سب اعمال ہبازہ منشورہ ہو جاتے ہیں، اور میت کی طرح لاشیء ہو جاتے ہیں، بخلاف مصیبت کے اگرچہ نقص ایمان کا سبب ہے مگر مزیل ایمان نہیں، جیسے کہ قطع اعضاء عن الجسم اگرچہ مضر ہے مگر مزیل حیات نہیں، اب اگر کوئی یوں کہے کہ جیسے میت کے لئے سلامۃ الاعضاء مفید نہیں اسی طرح زندہ کے لئے قطع اعضاء مضر نہیں تو کیا اس قیاس کو کوئی (صحیح العقل) قبول کر سکتا ہے ؟

تمویہ ثانی کا جواب :- کفر اس لئے جنت میں نہیں جاسکتا کہ اس کے ساتھ جنت میں لیجانے والی چیز نہیں، بخلاف ایمان العصاة کے کہ اس کے ساتھ جہنم میں لیجانے والے سبب

یعنی سیئات موجود نہیں ہیں۔ عصاة المؤمنین کی مثال میلے کپڑے کی طرح ہے جو صفائی کے لئے دھویں کو دیا جاتا ہے۔

ہے اور کافر بوسیدہ کپڑے کی طرح ہے جو دھلنے کے قابل ہی نہیں، ہاتھ لگانے سے ہی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

توجیہ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ حضرات صوفیاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عصاة المؤمنین کو جہنم میں ڈالتے وقت ان کے قلوب سے ایمان کو نکال لیا جائیگا جیسے قیدیوں کا اصل لباس باہر

ہی اتار دیا جاتا ہے اور جیل کا مخصوص لباس پہنا کر اندر داخل کیا جاتا ہے، اس کی نظیر دوسری حدیث میں ہے وَلَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَلَا يَسْرِقُ الْمَسَارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (العنید) اس کی تفسیر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے اِذَا زَفِيَ الْعَبْدُ خَرَجَ عَنْهُ الْاِيْمَانُ حَتَّى يَصِيْرَ اِلَيْهِ كَالظِّلِّ فَاِذَا اَقْلَعَ رَجَعَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانُ۔

مگر روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں عصاة المؤمنین کے قلب پر ایمان کا اثر معلوم ہوگا ان کے قلوب نار جہنم سے محفوظ رہیں گے، بعض روایات میں مواہجے خود کا محفوظ رہنا بھی مذکور ہے، اور آیتہ کریمہ تَطْلُعُ عَلَى الْأَشْجِدَةِ الْكَافِرَةِ بَارِئٌ مِنْهُمْ، اگر بالفرض سول مؤمنین بھی تسلیم کر لیا جائے تو اطلاع علی الغواد اثر علی الغواد کو مستلزم نہیں۔

تلبیس خوارج و معتزلہ خوارج و معتزلہ کہتے ہیں کہ ترکیب کبیرہ بعث اور حساب و کتاب پر یقین نہیں اس لئے وہ خارج عن الایمان ہے، اگر اسے قیامت پر یقین اور بد علی کی سزا پر ایمان ہوتا تو ہرگز کبیرہ کا ارتکاب ذکر تا چنانچہ جو شخص سانپ کے مہلک ہونے کا یقین رکھتا ہو وہ کبھی اس کے بل میں انگلی داخل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا پس ارتکاب کبیرہ عدم یقین کی دلیل ہے۔

جواب :- ارتکاب کبیرہ عدم یقین کو مستلزم نہیں، قیامت اور حساب و کتاب، جزا و سزا کا یقین کامل ہوتے ہوئے بھی ارتکاب کبیرہ کی جرأت اس لئے ہو جاتی ہے کہ اس یقین کا استحضار نہیں رہتا، نیز امید غفوری باقی ہے اگرچہ اس امید پر گناہوں کا ارتکاب سخت غلطی ہے مگر نصوص قرآنیہ قل یعبادی الذین اسرعو علی انفسهم لَا تَقْطَعُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ اِنَّ اللَّهَ یَغْفِرُ الذَّنْبَ جَمِیْعًا اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

وَلَا تَيْسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ اِنَّهُ لَا یَهْدِیْ مَنْ رَزَقَ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ اِلَّا الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ۔
اِنَّ اللَّهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُشْرَکَ بِهِ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَٰلِكَ لِمَنْ یَشَاءُ۔ وغیرہا من الایات و الاحادیث۔

اور تو مبنی توبہ کے پیش نظر انسان حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوئے بھی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
قرآنہ سبب المسلم فسوق وقتاله کفر، سبب کبرائین کفالت، اس سے بھی معتزلہ و خوارج استدلال کرتے ہیں بایں طور کہ قتالہ کفر میں حقیقی کفر مراد ہے، کفر دون کفر کی تادیل یہاں نہیں چل سکتی، کیونکہ حلال اولیٰ میں شوق بھی کفر دون کفر ہے تو دونوں میں فرق کیا ہوگا؟ لہذا قتال المسلم ایضا کفر ہوگا جو غرض عن الایمان الزامی جواب :- سبب المسلم بھی کبیرہ ہے لہذا اس کا ارتکاب بھی تمہارے یہاں مخرج عن الایمان ہو جائیگا۔

تو دونوں جہلوں میں کیا فرق رہا؟ فنا ہو جاوے یا نہ ہو جاوے۔

تحقیقی جواب :- قتالہ کفر میں کفر دون کفر ہی مراد ہے مگر اس کفر کے درجات متفاوت ہیں لہذا جملہ اولیٰ میں فسوق اور ثانیہ میں کفر فرما کر اختلاف درجات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ (ارشاد)

۴۷ • حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ النَّسَائِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدَرِ فَنَلَّاحِي رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ إِنِّي خَرَجْتُ لِأَخْبِرْكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدَرِ وَإِنَّهُ تَلَّاحِي فَلَانٌ وَفَلَانٌ فَرُفِعَتْ رَعْسِي أَنْ تَكُونَ خَيْرَ الْكُفَرِ فَالْتَمَسُوها فِي السَّبْعِ وَالتَّمَعِ وَالْخَمْسِ •

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے مجھے خبر دی کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر کی معین تاریخ بتانے کے لئے باہر تشریف لائے اتنے میں (آپؐ نے دیکھا کہ) دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ میں تو اس لئے باہر نکلا تھا کہ تمہیں شب قدر بتلاؤں، کہ فلاں فلاں جھگڑنے لگے تو وہ معین تاریخ (میرے دل سے) اٹھالی گئی، اور ہو سکتا ہے کہ اسی میں تمہارے لئے بہتری آگے اسے (رمضان کی) سات اور نو اور پانچ میں تلاش کرو۔

مطابقتی للترجمة علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: هذا الحديث للترجمة الارشاد ووجه تطابقه اياها من حيث ان فيه ذكر الملاحي وان صاحبه نا قص لا نه يشغل

عن كثير من الغيب بسببه سيما اذا كان في المسجد وعند جهر الصوت بحضرة الرسول صلى الله عليه وسلم بل ربما ينجر الى بطلان العمل وهو لا يشعر (عبد)

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ البیاب کے پہلے جزوہ خوف المؤمنین سے ہے۔ وجہ مطابقت یہ ہے کہ اس حدیث میں مسلمانوں کے باہمی جھگڑنے کی مذمت ہے اور یہ کہ باہمی جھگڑا بہت سی خیر و بھلائی سے محرومی و نقصان کا باعث ہوتا ہے بالخصوص مسجد میں اور وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلند آواز سے تو بسا اوقات جہل اعمال کا خطرہ ہے۔

(۲) وقال فيفيض الباري في وجه المطابقة ان التنازع صار سببا لرفع علم ليلة القدر فكذا الحصة قد تكون سببا للحبط، يعني جس طرح مسلمانوں کا باہمی نزاع شب قدر کے علم کے رفع کا سبب بن گیا اسی طرح معاصی بھی جہل اعمال کا سبب بن جاتے ہیں۔

تعدیل حدیث أخرجه البخاري هنا في الامان ص ۱۳ والاضاف ليلته القدر ص ۲۱ وايضا في الادب ص ۸۹ ايضا أخرجه النسائي في الاعتكاف۔

تشریح

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے لیلۃ القدر متعین طور پر بتلا دی گئی تھی اور ظاہر اس رمضان میں جو لیلۃ القدر تھی اس کی تعین بتلائی گئی تھی، صحابہ کو اس کی اطلاع دینے کے لئے آپؐ باہر تشریف لائے تو مسجد نبوی میں دو آدمی جھگڑا کر رہے تھے ایک کعب بن مالکؓ تھے جو قرض خواہ تھے اور دوسرے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ تھے جو مقروض تھے، اس قرض کے سلسلے میں دونوں میں کچھ ٹکڑا ہو گئی بعض رولتوں میں ہے ارتفاع صوتہا فی المسجد آپؐ نے قرض خواہ سے فرمایا کہ نصف معاف کر دو، انہوں نے معاف کر دیا پھر آپؐ نے قرضدار سے فرمایا کہ بقیہ ادا کر دو، جھگڑا تو ختم ہو گیا اس دوران میں آپؐ کے ذہن مبارک سے وہ بات نکل گئی، آپؐ نے بطور تنبیہ ارشاد فرمایا "میں تو تمہیں یہ بتلانے گھرے باہر آیا تھا کہ لیلۃ القدر کس شب میں واقع ہو رہی ہے تاکہ تم بہ آسانی پاسکو لیکن فلاں فلاں شخص کا جھگڑا تمہاری محرومی کا سبب بن گیا، اور اسی جھگڑے کی غرست کی وجہ سے لیلۃ القدر کی تعین میرے دل سے اٹھالی گئی، شاید اسی میں تمہارے لئے بہتری ہو۔"

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر کا وجود ہی اٹھایا گیا لیکن یہ بالکل غلط ہے، اگر لیلۃ القدر اٹھالی جاتی اس کی تلاش و جستجو کا حکم کیوں دیا گیا۔ حالانکہ صریح ارشاد ہے التسع والستع والخمس۔

● **باب سؤالی جبریل صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة وبيان النبي صلی اللہ علیہ وسلم له ثم قال جاء جبریل علیہ السلام یقول لکم دینکم فجعل ذلك کلمة دینا وما بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم لوفد عبد القیس من الایمان وقوله تعالیٰ "وَمَنْ یُشْغِ غَیْرِ الْإِسْلَامِ دِینًا فَلَنْ یُعْبَلَ مِنْهُ" ● ص ۱۳**

ترجمہ حضرت جبریلؑ کا بھی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے علم کے بارے میں سوال کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان باتوں کو ان سے بیان کرنا، پھر آپؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ یہاں آپؐ نے ان تمام باتوں کو دین فرمایا اور (اس باب میں اس کا بھی بیان ہے) جو باتیں ایمان کے بارے میں آپؐ عبد القیس کے وفد سے بیان فرمایا استخا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورۃ آل عمران میں) جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا۔

بلت معان الی السؤال، والسؤال مضاف الی جبریل بن إضافة المصدر الی فاعله وجبریل لا یصرف للعلیة والعجۃ۔ قوله المنجی منصوب لانه مفعول المصدر۔ (مدہ)

یہ ترجمہ الباب ابواب سابقہ کے لئے جامع ہے، ابواب سابقہ میں ایمان، اسلام، اور دین کا اتحاد ثابت کیا گیا ہے، اور اس باب میں بھی اس کا اثبات ہے، بایں طور کہ پہلے حدیث

تشریح

جبریلؑ لائے ہیں جس میں تمام احکام کو دین کہا گیا ہے، پھر وفد عبدالقیس کا قصہ بیان کیا جس میں تمام احکام کو ایمان کہا گیا ہے پس دین و ایمان کا اتحاد ثابت ہوا، پھر آیت کریمہ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ سے دین و اسلام کا اتحاد ثابت کیا۔ (ارشاد القاری)

رابطہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں "وجه المناسبة بين البابين من حيث ان المذکور فی الباب الاول هو یعنی اس سے قبل کے باب میں خوف المؤمن من ان یحبط عمله الا کا ذکر تھا اب اس باب میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے ؟ اور شریعت میں مؤمن کون ہے ؟ (مدک ۳۵۲)

۳۸ • حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اخْبَرَنَا ابو حَيَّانَ التَّمِيمِيُّ عَنْ ابِي مُرَّةٍ عَنْ ابِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيهِمْ يَوْمًا لِلنَّاسِ قَاتَانَهُ رَجُلٌ فَقَالَ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تَوَكَّنَ بِاللَّهِ وَتَلَقَّاهُ وَبَلَقَّاهُ وَتَرَسَّلَهُ وَتَوَكَّنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ وَقَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ وَتَقِيَّ الصَّلَاةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا السَّاعَةُ عَنْهَا بَأْعَامُ مِنَ السَّائِلِ وَسَأْخِطُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتْ الْأُمَّةُ نَرْبَهَا وَإِذَا تَطَاوَلَتْ رِعَاةُ الْأَبْلِ الْبُهْرَى فِي الْبَنِيَانِ فِي خَمْسٍ لَا يَنْقُصُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عَلَمُ السَّاعَةِ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ رَدُّوهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاشْتِئَامًا فَقَالَ هَذَا جَبْرِيْلٌ جَاءَ يُبَلِّغُكَ النَّاسَ دِينَهُمْ قَالَ ابْرَحِيْلُ اللَّهُ جَبَلٌ ذَلِكَ كَلِمَةُ الْإِيمَانِ • ۱۱

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجمع عام میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں اور (آخرت میں) اللہ سے ملنے اور اس کے رسولوں اور دوبارہ جی اٹھنے پر یقین رکھو اس نے سوال کیا اسلام کیسے ؟ آپؐ نے فرمایا - اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ مفروضہ کو ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اس نے سوال کیا احسان کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ تصور نہ ہو سکے کہ اسے دیکھ رہے ہو تو (یہ سمجھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اس نے کہا قیامت کیسے آئیگی ؟ آپؐ نے فرمایا جس سے تم لوچ رہے ہو وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں تمہارے اس کی نشانیاں بتاؤں دیتا ہوں " جب لونڈی اپنے آقا کو بخشنے لگے اور کالے اونٹوں کے چرواہے لمبی لمبی عمارتوں کے بنانے میں تباہ

کرنے لگیں (بڑے امیر بن جائیں) قیامت کا وقت معین غیب کی ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر آپ نے (سورہ لقمان کی) آیت تلاوت فرمائی ان اللہ عنده الی شک اللہ جانتا ہے قیامت کب آئے گی؟ پھر وہ شخص چلا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو واپس لاؤ (لوگ گئے) تو وہاں کسی کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا: "یہ جبریل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔"

ابو عبد اللہ بخاری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کو ایمان کا مل کا جز قرار دیا۔

مطابقتہ للصحیح

حدیث کی مطابقت ترجمۃ البیاض سے بالکل واضح ہے اس لئے کہ ترجمۃ الباب میں جن چیزوں کے متعلق حضرت جبریل کا سوال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب مذکور ہے

حدیث پاک میں اس کا مفصل بیان ہے۔

تعداد الحدیث

اخرجه البخاری هنا فی الایمان ص ۱۲ والبیاض فی کتاب التفسیر ص ۳۳ ایضاً مسلم والترمذی فی الایمان و ابوداؤد فی کتاب السنۃ ۲ ص ۱۲۵ و الجماعۃ فی الایمان ص ۱۰۰

تشریح

یہ حدیث یہاں مختصر ہے مسلم شریف میں مفصل ہے۔ اس حدیث کو عام طور سے حدیث جبریل کہا جاتا ہے۔ یہ حدیث نہایت عظیم الشان اور جامع ہے، علامہ قرطبی کہتے ہیں: یصلح ان یقال لہ امر السنۃ، یہ حدیث اس لئے کہ اس کو ام السنۃ کہا جائے، یعنی جس طرح پورے قرآن مجید کا بخوبی اور خلاصہ سورہ فاتحہ ہے اسی لئے سورہ فاتحہ کا نام ام القرآن رکھا گیا ہے، اسی طرح ذخائر احادیث کے تمام مضامین کا خلاصہ علی الاجمال اس حدیث میں موجود ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تینیس سالہ زندگی کے ارشادات و ہدایات کا مغز و عطر ہے اسی لئے امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم شریف کا آغاز اسی حدیث سے کیا اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی انھیں کا اتباع کیا، نیز امام بیہقی نے مصابح السنۃ اور شرح السنۃ دونوں کتابوں کو اسی حدیث سے شروع فرمایا۔ یہ حدیث حضور اقدس کی آخری عمر مبارک کی ہے۔ تینیس سال کے عرصہ میں جو احکام آپ پر نازل ہوئے اور جو تفاسیر آپ نے بیان فرمائیں ان تمام کا خلاصہ آپ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے جیسے کہ کوئی داعظ و مقرب دو تین گھنٹے تقریر کرنے کے بعد آخر میں پوری تقریر کا خلاصہ بیان کر دیتا ہے تاکہ علی وجہ الاجمال ہر ایک کو کچھ نہ کچھ یاد رہے اور عمل میں آسانی ہو۔

دین کے تمام علوم اس حدیث میں آگئے۔ اول عقائد یہ ایمان میں آگئے۔ دوم احکام و اعمال اسلام کے تحت آگئے۔ سوم روحانی ترقی یعنی سلوک و تصوف اور تزکیہ نفس احسان کے ضمن میں آگئی۔

ایمان جڑ ہے اور اسلام اس کی شاخیں ہیں کیونکہ ایمان کی تکمیل و رونق اسلام سے ہوتی ہے اور آخری تر احسان کا ہے جو بمنزلہ اشجار ہے۔ اور یہ اللہ رب العالمین کا عظیم احسان ہے کہ جبریل کے توسط سے تینیس سال تک دین کو نازل کرتا رہا اخیر میں انہی کے ذریعہ اس دین کا خلاصہ بھی بیان کر دیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا "ھذا جبریل جاء یسلم الناس حبہم" اس سے یہی مراد ہے کہ سوال و جواب

سے دین کا خلاصہ معلوم ہو جائے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم باسرا في يوم الاثنين من ذي الحجة صلى الله عليه وسلم لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے یعنی ممتاز مقام پر نمایاں ہو کر بیٹھے ہوئے تھے اس کی تفصیل ابو داؤد کی روایت میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا و حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی امتیاز کے صحابہ کرام کے ساتھ مل جل کر بیٹھا کرتے تھے جب باہر سے کوئی مسافر آتا تو نا آشنا ہونے کی وجہ سے دریافت کرنا پڑتا تھا (مثلاً ضمام بن ثعلبہ ہی کی روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخاری ص ۱۵۱)۔

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو ہم حضور کے بیٹھنے کیلئے ایک چبوترہ بنادیں اور آپ اس پر تشریف رکھیں تاکہ اجنبیوں کو بوجھنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے، آپ نے اجازت مرحمت فرمادی اور ہم نے مٹی کا ایک چبوترہ بنادیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی چبوترہ پر رونق افروز تھے اور صحابہ اندر گرد بیٹھے تھے، اسی کو اس حدیث میں باسرا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مسئلہ مستنبط اس واقعہ سے مسئلہ معلوم ہوا کہ مدرس یا مقرر کے لئے اگر کوئی خاص ممتاز نشست گاہ (یعنی اسٹیج) بنادی جائے یا ممتاز مقام پر بیٹھا جائے تو جائز ہے مگر زیادہ پر تکلف نہ بنانا چاہئے، چنانچہ آپ کے اس چبوترے کے بارے میں آئمہ فقہینا لہذا کلام من حلیہ ہم نے مٹی کا ایک چبوترہ آپ کے لئے بنادیا۔

فاتناہ رجل ای ملک فی صورۃ رجل یعنی حضرت جبریل آدمی کی صورت میں آئے۔ مسلم شریف میں کچھ تفصیل ہے رجل شدید بياض الشیاب یعنی انتہائی سفید و شفاف کپڑے میں تھے اس سے سفید کپڑے اور نیز نظافت کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

شدید سواد الشعر بال بالکل سیاہ تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے سے قبل جوانی میں علم حاصل کر لینا چاہئے کیونکہ اس وقت بدن میں قوت ہوتی ہے، حافظہ قوی ہوتا ہے۔ لایتری علیہ اثر السفر اس پر سفر کا کوئی اثر اور علامت نظر نہیں آتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی باہر کا مسافر نہیں ہے ورنہ گرد و غبار ہوتا اور کپڑے اتنے صاف نہ ہوتے، یہ کوئی مقامی باشندہ ہے لیکن ہم میں سے کوئی اس کو پہچاننا نہ تھا یہ علامت تھی کہ باہر کا کوئی آدمی ہے کیونکہ اگر قریب کا آدمی ہوتا تو کوئی ضرور ان کو پہچان لیتا۔

نسائی شریف میں ابو فروہ کے طریق سے منقول ہے وانہ جبریل نزل فی صورۃ حبیۃ الکلبی اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب جبریل وحی کلمی کی صورت میں آئے تھے تو انہیں کسی نے کیوں نہیں پہچانا؟ حضرت وحیہ تو معروف و مشہور شخص تھے۔

جواب :- علامہ مینی فرماتے ہیں نزل فی صورۃ حبیۃ الکلبی وہم راوی ہے محفوظ روایتوں

میں یہ جملہ نہیں ہے (مدہ ۱۹) اور اگر نسائی کا یہ جملہ وہم نہ مانا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ پہلے ہی سے حضرت دجہ مجلس میں موجود ہوں، اب جبریلؑ وحید کی شکل میں آئے تو صحابہ کو تو یقین تھا کہ یہ ہمارے دجہ نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے مجلس میں موجود تھے اس لئے حضرت جبریلؑ کو کسی نہیں پہچانا ہو۔ دراصل اس مرتبہ حضرت جبریلؑ نے تعمیہ (اخفاء حال) کا رویہ اختیار کر رکھا تھا، حدیث میں یہ بھی ہے کہ سوال کیا ما الایمان، جب حضورؐ نے جواب دیا تو کہا حدیث یعنی آپ نے شہیک کہا، صحابہ کہتے ہیں خبیثا لہ یسالہ و یصد تدہیں تعجب ہوا کہ سوال بھی کرتے ہیں جو علامت نہ جانے کیسے ہے اور تعذر بھی کہتے ہیں جو علامت ہے واقفیت کی، یہ بھی تعمیہ ہے، غرض ہر مرحلہ پر کوشش کی گئی ہے کہ کسی کو بت نہ چلے یہاں تک کہ خود حضور پر نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بیس سالہ جان پہچان کے باوجود پہچان نہ سکے جب حضرت جبریلؑ چلے گئے تب معلوم ہوا کہ جبریلؑ تھے جو امت کو دین سکھانے آئے تھے۔

اخفاء کا اس قدر اہتمام کیا گیا، ممکن ہے کہ اس سے یہ بتانا منظور ہو کہ باوجودیکہ تمام ضروری علوم و معارف آپ پر ختم کر دیئے گئے اور آپ کو علوم الاولین والآخرین عطا کئے گئے تھے پھر بھی بندہ کا حال یہ ہے کہ اپنی ذات سے کچھ نہیں ہے سب کچھ عطا خداوندی ہے وہ اگر چاہے تو عکس و مشاہد کا علم بھی واپس لے لے حقائق و معارف کا تو پوچھنا ہی کیا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

وَلَنْ نُّشْنَا لَكَ حَبْتَ بِالَّذِي آوَحَيْنَا

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر ہم نے وحی بھیجی ہے

إِلَيْكَ تَعْلَمُ لَا تَجِدُ لَكَ دَاهٍ عَلَيْنَا وَكَيْلًا -

سب سلب کر لیں پھر اس (وحی) کے واپس لانے کیلئے ہمارے

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۷)

مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملیگا۔

آگے فرمایا: إِنْ رَجَعْتَ مِنْ رَبِّكَ إِنْ فَضْلَهُ كَانَ

مگر (یہ) آپ کے رب ہی کی رحمت ہے (کہ ایسا نہیں کیا، بیشک

عَلَيْكَ كَبِيرًا دینی اسرائیل آیت ۸۷)

آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم ایسا کریم گے نہیں مگر کر سکتے ہیں اس کا یہ ایک نمونہ دکھلا دیا کہ بیس سال کی شاعیت و تعارف کے باوجود بھی اس قدر جبریلؑ عظمیٰ رہے، آپ کو ان کا علم نہ ہوا، جب آپ کی یہ حالت ہے تو اوروں کا کیا ہو چھنا؟ لہذا انسان کو کسی چیز پر ناز و فخر کرنا اور اترانا نہ چاہئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے ایک روز ایک فتویٰ پر دستخط کرتے وقت اپنا نام بھول گئے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ خانقاہ سے گھر تشریف لیجانے سے تھے کہ مکان کا راستہ بھول گئے اور کافی دیر تک جھک کاٹتے رہے کہ کدھر جاؤں؟ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس پر مجھے یہ حدیث یاد آگئی۔

جو تک آپ کو علم کامل دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد گرامی ہے عَلِمْتَ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ مجھے اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے، اس لئے ایک نمونہ اس کا بھی دکھلا دیا گیا کہ ہم اس کے واپس لینے پر ہر وقت قادر ہیں

جس کا علم چاہیں دیکر واپس لے لیں خواہ نبی ہو یا ولی۔

اور یہ تمہید جسے کو علم الساعۃ آپ کو نہیں تھا

قال الایمان ان تؤمن باللہ الخ ترجمہ گذر چکا ہے۔

ایمان باللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین رکھا جائے اور یہ تمام صفات کمالیہ کا جامع اور منبع اور تمام تقاضوں سے منزہ ہے۔

سوال بعض روایات میں ہے جبریلؑ نے یا محمد (ص) کہہ کر پکارا حالانکہ آپ کا نام لیکر پکارنے سے ممانعت تھی۔ نیز ابتداء میں سلام کیوں نہیں کیا؟

جواب۔ قال الصافظ رحمہ اللہ تعالیٰ بعد نقلہ الروایات المختلفۃ فی هذا الباب، فاختلقت الروایات

قال لہ یا محمد از یارسول اللہ رحل سلم اولاً فاما السلام فممن ذکرہ مقدم علی من سمکت عنہ الخ (فتح مبین) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں روایت میں اختصار ہے بعض روایت میں سلام کی تصریح موجود ہے، عسلاہ معنی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی قریب قریب یہی فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض روایت میں ہے کہ یا رسول اللہ اور بعض میں ہے کہ یا محمد کہا۔

جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے، دوسری صورت کا جواب یہ ہے کہ مباغہ فی الاختلاف کے لئے بدویوں کا طریقہ اختیار فرمایا۔

(۲) ممانعت کے مکلف انسان ہیں اور یہ فرشتے تھے۔ (۳) معنی وصفی مراد میں معنی علمی مراد نہیں، چونکہ مشرکین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بغض و عداوت میں مذموم کہتے تھے اس لئے حضرت جبریلؑ نے ان کی تردید کے لئے معنی وصفی کے لحاظ سے تعریف کے طور پر یا محمد کہا (صلی اللہ علیہ وسلم)

الایمان ان تؤمن باللہ

سوال یہ تعریف الشئی بنفسہ ہے جو درست نہیں کیونکہ ما الایمان سے ایمان ہی کا سوال ہے اور جواب میں ان تؤمن باللہ یعنی اللہ پر ایمان لاؤ۔

جواب عا محمد یعنی الایمان میں ایمان شرعی مراد ہے اور حد یعنی تعریف ان تؤمن سے ایمان لغوی مراد ہے اے ان تصدیق فلا اشکال۔

۲۔ سوال نفس ایمان کا تھا بلکہ متعلقات ایمان کا تھا جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے کہ آپ نے جواب میں وہ تمام چیزیں بیان فرمائیں جن سے تصدیق متعلق ہوتی ہے۔

قال ما الا سلام دوسرا سوال اس نے یہ کیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ان تصد اللہ الخ بعض روایت میں ہے ان تشهد ان لا الہ الا اللہ، معلوم ہوا کہ تصد اللہ سے مراد بھی کہ ہی پڑھنا ہے کیونکہ یہ ما الا سلام کا جواب ہے، اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام مثل قالب و بدن کے ہے اور ایمان مثل

قلب و روح ہے، اور یہ موقع تھا کہ دونوں (یعنی ایمان اور اسلام) کی پوری تعریف و تفریق کر دی جائے اس لئے وہ فرق واضح کر دیا گیا البتہ مجاز اور درجہ تکمیل ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے، اس کے لئے حافظ ابن رجب جنس کا مشہور مقولہ ہے، وہ کہتے ہیں: اذا اجتمعوا افتقروا و اذا افتقروا اجتمعوا یعنی جب دونوں ایمان و اسلام ایک ساتھ جمع ہوں تو الگ الگ اپنے حقیقی معنی رکھتے ہیں اور جب دونوں علیحدہ علیحدہ ہوں (یعنی صرف ایمان ہو یا صرف اسلام ہو) تو ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوگا۔ یعنی دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں۔

قال ما الا حسان یہ تیسرا سوال ہے کہ احسان کیا ہے؟ احسان کے معنی میں حسین بنانا، اچھا کرنا، نکھارنا سوال کا منشاء یہ ہوگا کہ ایمان و اسلام کی حقیقت تو معلوم ہوگئی اب اس کو اچھا بنانے و نکھارنے کی صورت بتائیے؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: ان تعبد الله كما تفتقره .. یعنی تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اس میں دراصل اخلاص کی تاکید اور پورے طور سے توجہ ہونے کی ترغیب ہے کہ اس تصور سے اللہ کی عبادت کرو کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

اب شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اس دنیا میں خداوند قدوس کی رویت نہیں ہو سکتی تو ایک نہ ہونے والی چیز کا تصور کیسے ہو سکتا ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے: واعلموا انكم لن تروا ربكم حتى تموتوا یعنی تم اپنے رب کو ہرگز نہ دیکھو گے جب تک تمہیں موت نہ آئے، اور قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال رجب ابرہی انظر الیّ کے جواب میں ارشاد الہی ہے لن تراهی، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں بیکسہ حضری رویت باری تعالیٰ ممکن ہے۔

ربا حضرت اقدس کالیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا مختلف فیہ ہے بنا بر قول رویت اے مستثنیٰ کہا جائیگا، یا یہ کہ وہ عالم ملکوت کا واقعہ ہے جو دنیا سے خارج ہے۔

اس شبہ کو خالی لم تکن تراه فانہ یدر اللہ سے دفع کیا گیا کہ اگرچہ تم اے نہیں دیکھتے مگر یہ تو تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھتے ہیں اسی کو دل میں جماؤ اور اس یقین کے راسخ و مستحکم ہو جانے کے بعد دیکھنے ہی جیسی عبادت ہوگی کیونکہ احسان عمل کا مدار ان کے دیکھنے پر ہے نہ تمہارے دیکھنے پر، اخلاص کا مدار اس استحضار پر ہے کہ خداوند قدوس میری ہر حرکت و سکون اور قلبی خطرات و ارادہ کو دیکھ رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نابینا بھی اگرچہ نہیں دیکھتا لیکن دربار شاہی میں جب پہنچ جاتا ہے تو تعظیم شاہی میں کسی قسم کی تقصیر نہیں کرتا بلکہ یہ سوچتا ہے کہ میں اگرچہ بادشاہ کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تو مجھے دیکھتا ہے کہیں کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو خلاف منشا ہو اور میں دربار سے نکلا جاؤں، اور اگر آقا موجود ہو اور نابینا ہو تو بھی ملازم کا حق کام نہیں کرتے اور اگر آقا سامنے نہ ہو اور ملازم کو معلوم ہو جائے کہ میرا آقا دوسرے مجھے دیکھ رہا ہے تو خوب تن دہی سے کام کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں جنات مصروف رہے اگر جنات یہ خیال نہ کرتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں اور ہمیں دیکھ رہے ہیں تو بھاگ جاتے۔

معلوم ہوا کہ درباری کے دیکھنے کو دخل نہیں بلکہ صاحب دربار کو دیکھنے کا دخل ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ عبادت اس طرح کر کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اگر بالفرض تم دیکھتے ہو تو کیا کرتے جس طرح
اس وقت کرتے اسی طرح اب بھی بغیر دیکھے کر اس لئے اگرچہ تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہے اور اصلی
مدار اس کے دیکھنے پر ہے تمہارے دیکھنے پر نہیں۔

ایمان، اسلام، احسان کی ترتیب

اول درجہ ایمان کا ہے جس پر نجات کا مدار ہے، ایمان کے بعد
دوسرا درجہ اسلام کا ہے جس پر کامل نجات موقوف ہے ایمان
خلود نارسہ بجاتا ہے اور اسلام مطلقاً دخول ہی سے نجات دیتا ہے، تو خلود سے نجات اول درجہ ہے اور دخول
سے نجات دوسرا درجہ ہے اس کے بعد رفع درجات کا آخری مرتبہ ہے جو احسان سے حاصل ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے
کہ ایمان و اسلام کے لئے احسان درجہ تکمیل ہے لہذا ایمان و اسلام کے بعد احسان کا ذکر ہے۔

قال متع الساعۃ قیامت کب آئے گی ؟

سب سے پہلے ایمان کے متعلق سوال ہے جو اساس الاعمال ہے جس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں، پھر
اسلام کے متعلق جو مکمل ایمان ہے اور بمنزلہ صحت اعضاء ہے، پھر احسان کے متعلق جو بمنزلہ کمال صحت و
رفع درجات کا باعث ہے۔ پس ان تینوں کا آپس میں ربط ظاہر ہے مگر اس کے بعد قیامت سے متعلق سوال
بظاہر بے ربط معلوم ہوتا ہے۔

حضرت نانوتوی قدس سرہ کی بعض تصانیف سے اس کا ربط مستفاد ہوتا ہے جو دو مقدموں پر مبنی ہے
(۱) جملہ عالم کو انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے لکھا قال تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعاً، وقال: ستقر لکم
ما فی السموات وما فی الارض۔ وغیر ذلک من النصوص۔

(۲) انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ لکھا قال عز وجل: وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔
ان دونوں مقدموں کو اس آیت کریمہ میں یکجا فرما دیا ہے، یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم
والذین من قبلکم لعلکم تتقون، الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء
ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم فلا تجعلوا لله اندادا وانتم تعلمون۔

ان دونوں مقدموں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلا کہ سارے عالم کی پیدائش سے مقصود عبادت ہے کیونکہ
پورا عالم انسان کے لئے ہے اور انسان عبادت کے لئے۔ پس تخلیق عالم کی غرض و غایت بالواسطہ یا بلاواسطہ
عبادت ہے اور عبادت کا کمال اور درجہ علی احسان ہے۔ پس جب عبد کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے کہ آپ کے درجات قرب تک کسی کی رسائی ممکن نہیں اور آپ نے احسان
عبادت کی تعلیم حلالہ عملاً مکمل فرمادی تو مقصود عالم حاصل ہو گیا۔

لہذا طبقاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ حصول مقصود کے بعد اس کا رخصانہ کو کب منہدم کیا جائے گا ؟

مثلاً جلسہ کے لئے تیاریاں کی جاتی ہیں، اسٹیج، ملاؤڈ اسپیکر، بجلی اور قانون وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے اور جہاں جلسہ ختم ہوا سب اشیاء کو توڑ پھوڑ کر اپنے مقام میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مقصد تخلیق عالم یعنی عبادت کے درجہ علی کی تکمیل کے بعد طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کب ہوگی؟ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بعثت انا والمساءة کما ہئین گویا کہ آپ کا تشریف لانا قرب قیامت کی خبر دے رہا ہے۔ لکھا قال تعالیٰ: اقربت المساعة والنشق القمر یعنی اشتقاق القمر معجزہ ہونے کی وجہ سے آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور آپ کی نبوت قرب قیامت کی دلیل ہے۔

سوال :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کافی زمانہ گزر جائے پر بھی قیامت نہیں آئی؟
جواب :- عالم دنیا کے ہزاروں سال طواغی کے حساب میں چند ایام شمار ہوتے ہیں لکھا قال اللہ عزوجل ان یوما عند ربی کألف سنة مما تعدون پس ہمارے حساب میں اگرچہ طویل زمانہ گزر چکا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حساب میں ابھی ڈیڑھ دن بھی نہیں گزرا تاں اللہ تعالیٰ: انہم یروندہ بعیداً و نراہ قریباً۔

(۲) تکمیل عبادت دو طرح مقصود ہے، ایک کیفاً دوسرا کملاً۔ تکمیل کیفاً تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی اور تکمیل کملاً یعنی اتنے بندگان الہی عبادت کریں کہ گھر گھر عبادت کا غلغلہ اور بچے بچے کی زبان پر اس کا چرچا ہو، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کے ذریعہ ہوگی۔ چنانچہ نزول حبیبی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے بعد یہ تکمیل ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے لا یبقی عنی ظہر الارض بیت مدر ولا دبر الا ادخلہ اللہ الاسلام بغير عزیف وذلک ذلیل اس وقت عبادت کی ہر طرح تکمیل ہو جائے گی تو یہ کارخانہ منہدم کر دیا جائیگا، اٹھانے میں کچھ سال لگیں گے جیسے بدترک بنایا گیا ویسے ہی اٹھایا جائیگا، البتہ بالآخر میں کلمح البصر اور ہوا قرب قیامت کا وقوع ہوگا۔ پہلے بیت اللہ اور ام القری کو اٹھا جائیگا بعدہ دیگر مقامات کو۔

اگر کوئی آج بیت اللہ کو بدم کا قصد کرے تو اصحاب نبیل کی طرح خود تباہ ہو جائیگا اور جب اللہ تعالیٰ خود اسے اٹھانا چاہے گا تو ایک حبشی کعب کی ایک ایک اینٹ کو علیحدہ علیحدہ کر دیگا کہ اس میں فی الحدیث (ارشاد اناری) ما المسئول عنها با علم من السائل اس جملہ میں مسؤل اور سائل کا لفظ لام عہدی اور استغفراتی دونوں درست ہے اگر عہدی ہو تو مراد مسؤل خاص آقائے کائنات رحمۃ اللہ علیہ وسلم ہیں اور سائل خاص افضل الملائک حضرت جبریلؑ ہیں۔

اور اگر لام استغفراتی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وقت قیامت کے عدم علم میں ہر مسؤل و سائل برابر ہے۔ جیسا کہ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی سوال حضرت جبریلؑ سے کیا تو جبریلؑ نے اپنا پر جھاڑا اور جواب دیا ما المسئول عنها با علم من السائل۔

ساحد ثلث عن اشراطہا میں تجھ کو اس کی علامتیں بتا رہا ہوں۔ اشراط شرط بفتح الراء بمعنی

علامت کی جمع ہے۔ اور شرط سکون المراد کی جمع شرط و شرط لفظ آتی ہے۔ یہاں اشراطِ ساعت سے مراد علامت سابقہ قریبہ ہے جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے یعنی عین وقوع کی علامتیں مراد نہیں ہیں۔

اذا ولدت الامۃ رکبھا بعض روایت میں رکبھا اور بعض روایت میں بدلھا ہے ہر سہ الفاظ کا مفہوم اس حدیث میں مالک اور سید ہی ہے۔ اس جملہ کی شرح میں اقوال مختلف ہیں۔ سب سے قوی تر اور رائج قول یہ ہے کہ رب بمعنی مری ہے، مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت میں حالات اس قدر متغیر ہو جائیں گے کہ مری بصیغہ اسم فاعل مری بصیغہ اسم مفعول ہو جائیگا، عالی ساخل ہو جائیں گے چھوٹے بڑوں کا احترام نہیں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے حقوق والدین کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک و برتاؤ کریں گے جیسے مالک نوکر کے ساتھ، آقا باندی کے ساتھ۔ یعنی قرب قیامت میں اولاد اپنے ماں باپ کو ڈانٹ ڈپٹ، برا سہلا کہیں گے، والدین پر حکومت کریں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ قرب قیامت میں حالات اتنے خراب ہو جائیں گے کہ لوگ جائز و ناجائز، حلال و حرام کا خیال نہیں کریں گے اور ام و لد کی پیروی کریں گے وہ ام کے بعد دیگرے مختلف خریداروں کے قبضہ میں جائیں گے ہاں تک کہ اس کا لڑکا جو اپنے باپ کی جگہ مالک ہو اسے وہ اس ام کو خرید لیگا، اس صورت میں تلذذ الامۃ و تبہا بالکل بنی حقیقت ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں مگر قول اول و دوم ہی رائج عند اکثر ہے اس لئے بھی کہ باقی علامتیں بھی اسی پر دال ہیں۔

حفاۃ حالی کی جمع ہے بمعنی تنگ پایوں عراۃ عاری کی جمع بمعنی تنگ بدن رعاۃ ملائی کی جمع بمعنی چرواہا ہم بضم الباء انہم کی جمع وہی الضعفاء من اولاد الغنم و الفان و المعز جیسا، نیز گائے کے بچے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کا واحد بہت ہے و من البہیمہ چوپایہ ہر وہ جانور جس میں قوت گویائی نہ ہو جمع بہائم۔

حاصل یہ ہے کہ کم درجہ کے لوگ، اراذل غلبہ و اقتدار حاصل کر لیں گے اور اشراف ذلیل و کمزور ہو جائیں گے ریاست و سیادت غیر مستحقین کو مل جائیگی اہل حق کو نہیں ملیگا۔ بعض روایتوں میں ہے اذا وشد الامس الی غیر احمد فانظر الساعۃ جب معاملات نا اہل لوگوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ آج ملک میں ملک کے ہر شعبہ و حکم میں، مدارکس اور خافیا ہوں میں کیا ہو رہا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

فی خمس لا یعلمون الا اللہ قیامت کے وقت معین کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آپ نے آیت تلاوت فرمائی ان اللہ عنده علم الساعۃ الایۃ (سورۃ لقمان)

یعنی انبیاء کے پاس ہے علم قیامت کا (کہ کس سال کس ریح میں آئے گی) اور وہی بارش کو اتارتا ہے اور وہی جانتا ہے جو شکم مادر میں ہے (کہ لڑکی ہے یا لڑکا) اور کس شکل و صورت کا ہے (؟) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کائے گا (یعنی خبر شرمیں سے کیا حاصل کرے گا) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟

دوسوالی :- امام رازی نے یہاں دو سوال کئے ہیں۔ اول یہ کہ اس آیت کی رو سے یہ ہونا چاہئے کہ

ان پانچوں میں سے کسی ایک جزئی کا علم بھی غیر اللہ کو دہو حالانکہ ہم سیکڑوں واقعات اس کے خلاف پاتے ہیں، اولیاء کرام کی کرامات بکثرت منقول ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ کو رحم کی حالت معلوم ہو گئی تھی اور آپؐ نے انتقال سے پہلے اپنی حاملہ بیوی کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کے لڑکی ہوگی اس لئے آپؐ نے وصیت فرمائی کہ اس حمل کو لڑکی مان کر ترکہ تقسیم کیا جائے وغیرہ بہت سے واقعات ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پانچ کی کیا تخصیص ہے اور اس میں انحصار کیوں ہے اور بھی بہت سی اشیاء ہیں جن کی اور کچھ کو اطلاع نہیں تو یہ انحصار کہاں صحیح ہوا؟

جواب۔ دوسرے سوال کا آسان جواب علامہ سیوطیؒ نے باب النقول میں یہ دیا ہے کہ مسائل کا سوال انہیں پانچ سے متعلق تھا اور جو عدد کسی سائل کے سوال کی موافقت میں ذکر کیا جاتا ہے وہ باتفاق علماء اصول تحدید کے لئے نہیں ہوا کرتا۔

سوال اول کے جواب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ علم غیب سے مراد اصول اور کلیات کا علم ہے فروع اور جزئیات کے علم پر عالم غیب نہیں کہا جائے گا۔ جیسے کوئی شخص سو، دو سو نسخے لٹ لے تو اس کو طبیب نہیں کہا جائیگا، اسی طرح اگر کوئی فقہی جزئیات یاد کر لے بلکہ بہشتی زیور پوری کتاب حفظ کر لے تو اسے فقیہ نہیں کہا جائیگا جب تک اصول و کلیات سے واقف نہ ہو، اور اصول و کلیات کا علم بمنزلہ مفتاح اور کنجی ہے۔

تکوینیات کا فی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے انہی کلیات کو مفتاح الغیب سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد الہی ہے:-

وعند ما مفتاح الغیب لا یعلمها
الآنہون۔ (سورہ انفاس) سو کوئی نہیں جانتا۔

اور ظاہر ہے کہ خزانہ سے وہی کچھ نکال سکیگا جس کے پاس مفتاح ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کلیات تکوینیہ کا علم اور اسی طرح جملہ فروع کا اس طرح علمی احاطہ کہ کچھ بھی خارج نہ رہے خاصہ باری تعالیٰ ہے یہ علوم نہ نبی کو حاصل ہیں نہ ولی کو، انہیں جو کچھ حاصل ہے خواہ کتنا ہی کثیر ہو سب جزئیات ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مفیات دو قسم کے ہیں: تشریعی، تکوینی۔ تشریعی جیسے وہی تمام از قبیلہ غیب ہے اشرفیاء کے کلیات بھی بقدر ضرورت تلقین ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہیں وہ کامل ہوتا ہے۔ اور تکوینیات کے اصول و کلیات مختص بالباری ہیں۔ ان تکوینیات میں سے اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب سمجھے ہیں عطا فرماتے ہیں مگر یہ سب جزئیات و فروع ہوتے ہیں اس لئے عالم غیب کہنا درست نہیں۔

نوٹ علم غیب پر مفصل و مدلل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ امداد الباری شرح بخاری جلد رابع میں حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بحث کی ہے اور رضا خانی بدعتیوں کے دلائل نقل کر کے آیات قرآنی و روایات نبوی سے کما حقہ رد کیا ہے جو لائق مطالعہ ہے۔

نیز ارشاد القاری میں مولانا مفتی رشید احمد دامت برکاتہم نے نہایت مدلل و مفصل طور سے اہل بدعت کی کامیاب تردید کی ہے فخر اہم اللہ خیر الجزاء

● باب ۳۱ ● بالشونین مع سقوط الترجمة ص ۱۲

۳۹ ● حدثنا ابراهيم بن حمزة قال حدثنا ابراهيم بن سعيد عن صالح عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله أن عبد الله بن عباس أخبر قال أخبرني ابراهيم بن حرب أن هرقل قال لدا سألتك هل يزيدون أم ينقصون فزعمت أنهم يزيدون وكذلك الإيمان حتى يتبع وسألتك هل يرتد أحد سخطه لدينه بعد أن يتدخله فيه فزعمت أن لا وكذلك الإيمان حين تغارط بشاشت القلوب لا يسخطه أحد ●

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ مجھ سے ابرہیمان بن حرب نے بیان کیا کہ ہرقل (شاہ روم) نے ان سے کہا میں نے تم سے پوچھا کہ وہ لوگ (یعنی اس پیغمبر کے تابعدار) بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تو تم نے بتلایا کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور اسی طرح ایمان کا معاملہ ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہوا (اپنے زور کو پہنچ جائے) اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اسے برا سمجھ کر پھر بھی جانکے؟ تم نے بتلایا کہ نہیں اور یہی حال ایمان کا ہوتا ہے جب اس کی بشاشت (خوشی) دلوں میں سما جائے تو کوئی اس سے ناخوش نہیں ہوتا۔

باب بلا ترجمہ یہ باب بلا ترجمہ ہے۔ ترک ترجمہ کی مختلف توجہات بیان کی گئی ہیں۔

(۱) یہ باب کا الفصل من الباب السابق ہے یعنی باب سابق کے لئے بمنزلہ فصل ہے اور اس کے متعلقات میں سے ہے، باب سابق میں امام بخاریؒ نے فرمایا تھا جعل ذلک کلمہ حینا یعنی ایمان، اسلام اور احسان سب کا اتحاد ثابت کیا تھا اس باب سے بھی امام کا مقصد یہی ہے کہ دین و ایمان متحد ہے، دیکھو ہرقل نے سوال کیا تھا هل يرتد أحد سخطه لدينه بعد أن يتدخله فيه؟ ابرہیمان کی نفی پر ہرقل نے کہا كذلك الإيمان (ایمان کا یہی حال ہے) معلوم ہوا دین و ایمان متحد ہیں۔

(۲) ابواب سابقہ میں زیادۃ الایمان و نقصانہ کا اثبات تھا۔ اسی طرح اس باب میں بھی حین تغارط بشاشت القلوب سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حدیث کی تشریح امام بخاریؒ نے یہاں حدیث ہرقل کا ایک ٹکڑا پیش کیا ہے ہرقل کی یہ گفتگو کتاب الوحي میں مفصل گزر چکی ہے، امام بخاریؒ اس پوری حدیث کو کتاب الجہاد میں اسی سند سے نقل کریں گے، یہاں مختصر ہے۔

خرم کی تعریف اور اس کے جواز پر اختلاف

حدیث کے کئی ٹکڑے کو الگ کر دیا جائے تو اس مختصر کو محدثین کی اصطلاح میں خرم کہتے ہیں، امام بخاری

بکثرت ایسا کرتے ہیں۔ محدثین کرام میں اختلاف ہے کہ احادیث نبوی میں خرم و اختصار جانتے ہیں یا نہیں؟ بعض حضرات مطلقاً جائز کہتے ہیں اور بعض نے مطلقاً ناجائز قرار دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حدیث کا وہ مخروم ملکہ اگر اظہار معنی کے لئے دوسرے اجزاء حدیث کا محتاج ہے یا ٹکڑے کو الگ کرنے کے بعد اس کے معنی بڑھ جائیں تو ایسا خرم جائز نہیں اور اگر وہ مخروم (حدیث کا ٹکڑا) اپنے معنی بتانے میں دوسرے اجزاء حدیث کا محتاج نہ ہو تو ایسا خرم و اختصار جائز ہے اور یہ ماہر فن کا کام ہے، امام بخاری جہاں بھی حدیث میں اختصار کرتے ہیں وہ حد جواز ہی میں ہوتا ہے۔

اشکال و جواب | یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ہر قل تو کافر تھا، امام بخاری نے کافر کے قول سے استدلال کیوں کیا؟

جواب یہ ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کر رہے ہیں لہذا مر اسل صحابہ اور موقوفات صحابہ کے قبیل سے ہوئی اور یہ سب ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

باب ۳۹۰ فضل من استکبرا لِدینہ ۳۱

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو اپنا دین قائم رکھنے کے لئے مشتبہات سے بچے۔

۵۰ • حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحِلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ بَيْنَهُمَا مَشْتَبِهَاتٌ لَا يَلْبِسُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الْمَشْتَبِهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ وَمَنْ رَفَعَ فِي الْمَشْتَبِهَاتِ كَرَّجَ يَرْعَى حَوْلَ الْعِجَى يَوْشِكُ أَنْ يَوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمِّيَّ اللَّهِ فِي أَرْضِهِ مَعَارِضَهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْعَبْدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ •

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان بعض چیزیں مشتبہ کی ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ حلال ہیں یا حرام ہیں تو جو شخص مشتبہ کی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو کوئی ان مشتبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو شاہی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چراتا تو قریب ہے کہ وہ جانور چراگاہ کے اندر گھس جائے

مسن لو ہر بادشاہ کی ایک محفوظ جگہ ہوتی ہے، مسن لو اللہ کی زمین (یعنی دنیا) میں اللہ کی چراگاہ اس کے محارم (حرام کردہ چیزوں) ہیں۔ مسن لو کہ جسم میں ایک لوطہ ہے (یعنی گوشت کا) جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے، مسن لو کہ وہ لوطہ شر (افسوس) کا دل ہے۔

رابطہ اس سے پہلے حدیث مجری میں احسان کا بیان تھا اس باب سے طریق احسان کی تعلیم مقصود ہے یعنی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احسان کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ اجتناب دین کی نیت سے احوال قلب کا مراعات رکھی جائے اور شبہات سے اجتناب کیا جائے۔

مقصد ترجمہ مراد کہتے ہیں کہ لا تنزع مع الایمان معصیت تو اس باب سے ان کی تردید کی جلدی ہے کہ تر معصیت کو غیر مضر بتاتے ہو حالانکہ حدیث سے عیان ظاہر ہے کہ شبہات سے نہ پرہیز بھی مضر ہے (۲) نیز امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احیاء کرنے والوں کو غیر مٹاؤ لوگوں پر فضیلت ہے، نتیجہ ظاہر ہے کہ دین و ایمان کے مراتب ہیں۔

مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة في قوله "فمن اتقى المشتبهات استبرا لدينه وعرضه"

مطابقہ للترجمة

أخرج البخاري هنا في الإيمان ۴۴ وفي كتاب البيوع ۲۴۵ أيضا مسلم والترمذي والنسائي وابن داود كلهم في البيوع -

تعدد الحديث

تشریح الحلال بیتین والعلم بیتین وینہما مشتبہات و علامہ یعنی جرحہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جاء فيه خمس روايات الخ (دعوت ۴۴) یعنی اس میں پانچ روایات ہیں یعنی مختلف نسخے ہیں۔

۱۔ مشتبہات - بضم الميم وسكون الشين المعجمة وكسر الباء على وزن مفتعلات وهي رواية الاصيلي وكذا في رواية ابن ماجه يعني باب افتعال سے اسم فاعل ہے۔

۲۔ مشتبہات - بضم الميم وفتح التاء المشقة وفتح الشين وتشديد الباء الراجعة المشددة یعنی باب تفعیل سے اسم فاعل یہ روایت طبری کی ہے۔

۳۔ مشتبہات - بضم الميم وفتح الشين وفتح الباء الراجعة المشددة یعنی باب تفعیل سے اسم مفعول ہے۔ یہ مسلم وغیرہ کی روایت ہے۔

۴۔ مشتبہات - یعنی باب تفعیل سے اسم فاعل۔ ۵۔ مشتبہات - بضم الميم وسكون الشين وكسر الباء الراجعة یعنی باب افتعال سے اسم فاعل ہے۔

مذکورہ نسخوں میں سے جو نسخہ بھی لیا جائے مادہ اس کا شبہ ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اشیاء تین قسم کی ہیں۔ ایک حلال واضح جس کی حلت صاف واضح ہے جیسے فواکہ اور روٹی کھانا اور جیسے بات کرنا، چلنا وغیرہ۔ ۲ اور بعض چیزیں ایسی حرام ہیں کہ جن کی حرمت بالکل واضح اور ظاہر ہے جیسے خمر (شراب پینا)، لحم خنزیر، خون اور جھوٹ وزنا وغیرہ۔

۳ اور بعض چیزیں مشتبہات ہیں ای لیست بواضحة العقل والحرمة۔ یعنی حلت و حرمت میں شبہ پیدا ہو جائے مثلاً کلب معلّم (ترہت یافتہ شکاری کتا) کے ساتھ کلب غیر معلّم شکار کے پاس پایا جائے تو شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ شکار ان دونوں میں سے کس کلب ہے، معلّم کا ہو تو حلال ہے ورنہ حرام۔ تو اس صورت میں استبراء دین کا تقاضا شکار کا ترک و اجتناب ہے۔

بہر حال شریعت میں جب اصول شریعت (ادلہ اربعہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس) سے جب کسی چیز کی حلت و حرمت ثابت و متعین ہو جائے تو وہ یقین ہے، یعنی اس کا حکم واضح ہے جو حلال ثابت ہو اس کو کر دو اور جو حرام ثابت ہو اس کو چھوڑ دو، گویا یقین کے معنی ہوئے یقین حکم یعنی اس کا حکم واضح ہے۔ اب اشتباہ کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں۔

(۱) ادلہ میں تعارض ہو ایک حدیث سے کوئی چیز حلال اور دوسری حدیث سے وہی چیز حرام معلوم ہوتی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ۱۔ تعارض ادلہ کی وجہ سے کسی مجتہد نے کوئی فیصلہ نہ کیا ہو اور خود ائمہ مجتہدین متردد ہوں تو ایسی صورت میں ترک و اجتناب ہی میں دین و آبرو کی حفاظت و سلامتی ہے۔ جیسے ماہ مشکوک دافع میں یا ظاہر ہے یا نجس مگر تعارض ادلہ سے شبہ ہو گیا اور تمام مجتہدین کو یہ صورت پیش نہیں آتی ہے اس لئے فرمایا: لا یصلحہا کثیر من الناس یعنی جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نہیں جانتا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ بعض مجتہدین نے دلائل شرعیہ میں غور و فکر کر کے حلال کہا اور دوسرے نے اسی چیز کو دلائل ہی سے حرام کہا اور ان مجتہدین کو کوئی شبہ بھی نہیں ایسی صورت میں اختلاف ائمہ سے بچتے ہوئے جو جس مجتہد کا مقلد ہے اس کے فیصلے پر عمل کرے فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔

(۳) علامہ زین الدین ابن المنیر کے شیوخ طریقت میں سے ایک بزرگ شیخ ابوالقاسم قباری ہیں یہ طریقت کے امام اور عارف تھے۔ ابن منیر نے ان کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب میں یہ حدیث بھی آگئی ہے تو اس کے متعلق ابن المنیر نے اپنے شیخ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ وما بینہما مشتبہات سے مراد یہاں کراہت ہے کیونکہ وہ ذواشبہتین ہے گویا پہلے دو معنوں میں صرف دوسرے تھے تبسرا ہمارے دلائل سے اشتباہ پیدا ہو گیا تھا تو اب مشتبہات سے بچنے کا مطلب یہ ہوا کہ جو مکروہ سے بچا تو استبراء للبدنہ و عرضہ (اپنے دین اور عرض کے لئے استبراء کیا) اس کی تائید ضیح ابن حبان کی حدیث سے ہوتی ہے جیسے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ سند مسلم کی ہے اگرچہ متن مسلم کا نہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں: اجعلوا بینکم و بین الحرام مستورۃ من العلل (رج ۱۱۸) یعنی ایک ردّ حلال کی قائم کر لو، مطلب یہ کہ اگر سارے حلال

کاہوں کو کیا کرے تو بیچ میں سترہ نہیں رہتا۔ آگے فرماتے ہیں: من فعل ذالک فقد استبرأ لدينہ و عمرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کچھ حلال چیزوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔

تباری فرماتے ہیں کہ بندہ اور حرام کے درمیان مکروہ ایک عقبہ (گھٹائی) ہے جو حلال سے جس کو اس گھٹائی میں آئیگا تو حرام میں جا پڑے گا۔ پھر کہتے ہیں کہ مباح ایک عقبہ ہے بندے اور مکروہ کے درمیان یعنی اگر سارے حلال کو اختیار کرے گا تو اندیشہ ہے کہ کہیں مکروہ کی گھٹائی میں نہ پہنچ جائے، معلوم ہوا کہ حلال کی بھی ایک حد ہے اور مکروہ کی بھی ایک حد ہے، اب ابن حبان کی حدیث "حلال کو سترہ خانو" کا مطلب واضح ہو گیا۔ (درس بخاری ص ۲۹)

فمن اتقى المشتبهات استبرأ لدينہ و عمرہ و جس نے ان مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتبہات میں پڑنے سے دیوی نقصان بھی ہے کہ لوگ برا سمجھا کہتے ہیں اور طعن و تشنیع کرتے ہیں جس سے آبرو بریزی ہوتی ہے۔ اور دینی حضرت بھی ہے دین بالکل صاف ستھرا اور محفوظ نہیں رہتا اندیشہ ہے کہ آگے چل کر شیطان کے اغوائے عمرات محضہ میں واقع ہو جائے۔

من وقع فی المشتبهات الا اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو سرکاری چراگاہ کے لوگ گرد چرا رہا ہے، ڈر ہے کہ مقرب وہ جانور چراگاہ میں داخل کر دیا اور مجرم قرار پائیگا۔ اس مثال کا مطلب ہے کہ انسان خود تو راعی (چرواہا) ہے اور اس کا نفس وہ جانور ہے جسے یہ جمانا ہے، اگر انسان نے اس جانور (نفس) کو جو حق اللہ یعنی چراگاہ حق میں جانے سے ڈرنا تو جرنے اور جانے والا دونوں مجرم ہوں گے چراگاہ حق عمرات (یعنی حرام کی ہوئی چیزیں اور معاصی) ہیں اور اس کا ماحول مشتبہات ہیں، جس نے اپنے نفس کو مشتبہات کے لئے آزاد چھوڑا وہ یقیناً عمرات میں بھی جا سکتا ہے کیونکہ عمرات سرکاری چراگاہ ہیں، شاہی چراگاہ نہایت منظر فریب اور خوشنما ہوتی ہے مگر اس سے بچنا ضروری ہوتا ہے۔

وجہ مشابہت یہاں فقط اس قدر ہے کہ جس طرح شاہان دنیا ایک حصہ کو اپنے لئے مخصوص کر کے اس کی حرمت سب پر لازم کر دیتے ہیں اور باقی حصہ مباح رہتے ہیں اسی طرح اللہ جل مجدہ کے بھی عمرات کی ایک بوئدی بنی ہوئی ہے اس کے قریب بھی نہ جانا چاہئے۔

اس تشبیہ سے مغالطہ نہ ہونا چاہئے، تفصیل تو اپنے مقام پر آئے گی مختصر ہے کہ بادشاہ وقت کو خاص اپنی ذات کے لئے حلی کا حق نہیں یہ تو جاہلیت کا دستور تھا البتہ بیت المال اور عمومی ضرورتوں کے لئے یعنی معارف شرعیہ کے لئے حلی کا حق ہے خلفاء راشدین سے ثابت ہے ورنہ میں چھاؤنی تھی اور حلی بنائی گئی تھی جس میں تینسٹل ہزار گھوڑے رہتے تھے اب بارہ ہزار دیتے ہیں یا تارگا دیتے ہیں۔

الا وان فی الجسد مضغہ کسن لو جسم کے اندر (گوشت کا) ایک ٹوٹھرا ہے جب وہ درست ہوگا تو

سارا بدن درست ہوگا اور جہاں وہ بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔

یہ جملہ بظاہر ماقبل سے مرتبط نہیں معلوم ہوتا لیکن درحقیقت یہ جملہ نہایت پرمغز اور حکیمانہ ہے جس کا ماقبل سے نہایت ہی لطیف ارتباط و تعلق ہے۔

پہلے تو امام بخاریؒ نے مشتبہات سے بچنے کی تاکید فرمائی اب بیان فرماتے ہیں کہ محرمات اور مشتبہات سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ قلب درست کر لو کیونکہ وہی تمام نکالات کا منبع اور مخزن ہے یہ یقین درست ہوگئی تو محرمات و مشتبہات سے بچنا بھی آسان ہوگا اور اگر دل ہی کی مشین خراب ہے تو مشتبہات سے احتیاط خواب و خیال ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس جملہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی حقیقت پر مطلع فرمایا کہ جو اس پر عامل ہوا اسے حقیقت تقویٰ حاصل ہو جائیگی، اگر دل خدا کی عظمت و محبت، خوف و خشیت سے معمور ہو، اخلاقی خوبی منور ہو تو مریضیات پر عمل کرنا غیر مریضیات سے محفوظ رہنا سہل و آسان ہو جاتا ہے۔

الاردی للقلب سن لودہ گوشت کا لوتھڑا جس کے صلاح و فساد پر سارے جسم کے صلاح و فساد کا مدار ہے وہ قلب ہے۔

اطباء کے نزدیک قلب ایک صنوبری شکل کا مضغہ متحرک ہے جو تمام اشیاء کا منبع ہے، اور شرع میں قلب لطائف الہیہ میں سے ایک لطیفہ ہے جس کا مرکز قلب ملوی ہے پس یہاں مضغہ سے وہ قوت مراد ہے جس کا عمل یہ گوشت کا ٹکڑا ہے جو تمام خیر و شر کا منبع ہے اسلئے مومن کو اپنی ساری توجہات کا مرکز اصطلاحات قلب کو بنانا چاہئے بقیہ اعضاء خود اس کے تابع ہو جائیں گے، دوسرے عنوان سے یوں سمجھئے کہ ایک ملک ہے جس کے دار السلطنت کے تخت پر بادشاہ بیٹھا ہوا ہے لیکن کوئی بادشاہ اتنا مضبوط اور محکم نظام رکھتا ہے کہ اس کا کنٹرول پورے علاقہ پر رہتا ہے، کسی کو بغاوت کی جرأت و ہمت نہیں ہوتی۔ اور کوئی بادشاہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقہ پر کنٹرول نہیں کر سکتا، اوپر سے حکم آتا ہے لیکن نیچے والے اسے توڑ دیتے ہیں، آج یہ علاقہ بغاوت کرتا ہے تو کل دوسرا علاقہ باغی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بلا تشبیہ انسان کا پورا جسم ایک ملک ہے اور سینہ اس کا دار السلطنت ہے قلب اس کا تخت ہے جس پر ایمان کا بادشاہ بیٹھا ہوا ہے، اگر ایمان کا بادشاہ قوی ہوگا تو سارے خوارج کو تابع بنالیا نہ ہاتھ بغاوت کر سکتا ہے نہ آنکھ، نہ کان بغاوت کر سکتا ہے نہ زبان، اور اگر ایمان کا بادشاہ کمزور ہوگا تو ایک ایک عضو باغی ہو سکتا ہے گویا اصل مشین یا محکم قلب ہے اس کو درست کر لو وہ جدمر جائیگا اعضاء کے سب ڈبے اس کے ساتھ ادھر ہی جائیں گے۔

عقل محل قلب یا دماغ؟ قال المصنف واجتہد جماعہ بهذا الحدیث ومعقولہ تعالیٰ: "لہم قلوب لا یعقلون بها" علی ان للعقل فی

القلب لاف الرأس۔ قلت فیہ خلاف مشہور فمنہ ذہب الشافعیہ والمکملین انہ فی القلب ومذہب

الی حنیفۃ انه فی الدماغ - وحکی الاول عن الفلاسفۃ والثانی عن الاطباء ، واحتج بانماذا فسد
الدماغ فسد العقل -

وقال ابن بطال وفي هذا الحديث ان العقل انما هو فی القلب وما فی الرأس منه فانما هو من
القلب وقال المزنی لیس خیه دلالة علی ان العقل فی القلب - (عدة ۳)

بظاہر نفوس من کان له قلب او اتق السمع وهو شهید (سورۃ) انما یتدبرون القرآن
امر علی قلوب افعالها (سورۃ) امام شافعیؒ کی تائید کرتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حقیقۃً عمل عقل قلب ہے مگر قلب و دماغ میں اس قدر اتصال ہے کہ قلب
سے فوراً دماغ میں آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اس کی شان بجلی کی بجلی کی سی ہے کہ جتن دیا اور روشنی ہو گئی ایسے
ہی جتن تو قلب ہے اور دماغ میں اس کی بتیاں ہیں۔

اس تقریر پر آیات میں اشکال ہو گا اور حکماء کا اختلاف - اسی لئے امام عظیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دماغ کو عمل
عقل فسرمایا۔

شاہ صاحبؒ کا یہ قول ابن بطال کے قول مذکور کی تشریح ہے۔

حدیث البَاب | یہ حدیث نہایت ہی عظیم الشان حدیث ہے۔ امام نوویؒ نے شرح بخاری میں لکھا ہے
کہ یہ حدیث ارکان اسلام میں سے ایک ہے اور ان احادیث میں سے ہے جن پر اسلام
کا مدار ہے، اس کی شرح کے لئے بہت سے دفتر چاہئیں، بہت سے علماء نے اس کو تمام اصول اسلام کا ایک
تہائی اور بعض نے جو تعالیٰ حصہ قرار دیا ہے۔

باب بیث اداء الخمس من الایمان ۱۳

اس بات کا ایمان کہ مال فقیر کا پانچواں حصہ ادا کرنا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

۵۰ • حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ كُنْتُ أَقْعُدُ مَعَ
ابْنِ عَبَّاسٍ فَيُحِيلُنِي عَلَى سَرِيرَةٍ فَقَالَ أَقْعُدْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي فَأَقْسَمْتُ
مَعَهُ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ الْقَوْمُ أَوْ مِنَ الْوَفْدِ قَالُوا رَجُلَةٌ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرُ خَزَايَا وَلَا
نَدَائِي فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْعَوَامِ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ
هَذَا النَّهْيُ مِنْ كِفَارٍ مَقْضٍ فَمَرْنَا بِأَمْرِ فَصَلِ تَخَيَّرَ بَيْنَ مَنْ تَوَلَّاهُ وَتَدَخَّلَ بِهِ الْجَنَّةُ وَ
سَأَلَهُ عَنِ الْأَشْرِيَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَفَهَا هُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَحْدَهُ
قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحْدَهُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَخْلَا اللَّهُ

إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تَقُطُّوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخَمْسَ، وَنَهَاهُمْ عَنْ ارْتِجَاعٍ عَنِ الْخَيْثَمِ وَالذُّبَابِ وَالْمَقْبَرِ وَالْمَرْقَتِ وَرَبَّيْنَاهُ قَالَ احْفَظُوا هَذِهِ وَاخْبِرُوا فِيهِ مَنْ تَرَسَّاهُمْ

ترجمہ | ابو جہرہ (نصر بن عمران تابعی) سے مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور وہ مجھ کو خاص اپنے تخت پر بٹھالیتے تھے ایک بار کہنے لگے تو میرے پاس وہ جا میں تمہارے لئے اپنے مال میں سے کچھ حصہ مقرر کر دوں گا چنانچہ میں نے دو جینے تک ان کے پاس قیام کیا پھر (ایک دن) ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب عبدالقیس کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور اقدسؐ نے دریافت فرمایا تم کون لوگ ہو؟ یا فرمایا کس جماعت کے ہو؟ (شک الراوی والاشاک شعبہ ابو جہرہ) انہوں نے عرض کیا ہم بنی ربیعہ کے لوگ ہیں آپؐ نے فرمایا مرحبا خوش آمدید وہ وفد جو نہ رسوا ہوئے نہ شرمندہ، پھر وفد نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم شہر حرام کے علاوہ اور کسی جینے میں آپؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ ہے اس لئے آپؐ ہمیں ایک ایسی فیصل بات بتا دیجئے کہ جس کی خبر ہم اپنے ان لوگوں کو کر دیں جو ہمارے پیچھے ہیں (یعنی یہاں نہیں آئے) اور اس پر عمل کہے ہم جنت میں داخل ہو سکیں۔ اور انہوں نے آنحضرتؐ سے ظروف مشروبات کے بارے میں (یعنی باسنوں کے متعلق) بھی دریافت کیا آپؐ نے چار باتوں کا ان کو حکم فرمایا اور چار باتوں سے منع کیا، آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ آپؐ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو خدا کے واحد پر ایمان کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسولؐ خوب واقف ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔ اور آپؐ نے ان لوگوں کو چار چیزوں سے منع فرمایا سبز ٹھلیا سے کدو کے توہنے سے اور بکڑی کے کریدے ہوئے برتن سے اور روغنی برتن سے (یعنی ان برتن سے جس پر روغن زیت لگایا گیا ہو) اور کبھی مقبر کہا (یعنی حضرت ابن عباسؓ نے جو تھی چیز کو کبھی مرقت کہا اور کبھی مرقت کے بجائے مقبر فرمایا) (دونوں کے معنی ایک ہیں) اور فرمایا انہیں یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے (اپنے ملک میں) ہیں انہیں بھی بتا دو۔

مطابقة الحديث للترجمة

مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة لأنه عقد الباب على جزء منه و

هو قوله "وَأَنْ تَقُطُّوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخَمْسَ" (۳۵۲)

بطوقصد

اس سے پہلا ترجمہ "من استبوا لذینہ" صحاح میں اس شخص کی فضیلت و عظمت تھی جو دین میں صفائی رکھے، امام بخاریؒ اب اس باب میں وفد عبدالقیس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھہری ہوئی باتیں معلوم کرنے کا ذکر فرما رہے ہیں، اس طرح کی باتوں کی طلب اسی شخص کے دل میں ہوگی جن کے دل میں دین کی صفائی کا جذبہ ہو، ایسے ہی لوگ اہل علم کی مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور ایسی باتوں کی

مستقیم لگے رہتے ہیں جو دنیا میں امن و عزت اور آخرت میں حصول جنت کی ضمانت ہوں۔ (نفل الباری)

(۲) ماقبل میں حلال بین اور حرام بین کا ذکر تھا اس باب میں گویا اس کی مثال دی گئی ہے کہ حلال بین وہ ہے جس کا بالضرع آپ نے حکم فرمایا ہو اور حرام بین وہ ہے جس سے آپ نے صراحتہ منع فرمایا ہو۔ (ماخوذ از عمود)

(۳) ایک ربط یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ماقبل میں احتیاط فی الدین کا بیان تھا، مشبہات سے بچنے کی تاکید تھی، اور اس باب کی حدیث میں جو مخصوص برتنوں کی ممانعت ہے وہ احتیاط ہی کی وجہ سے تھی۔ (ادار)

تعداد الحدیث

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: أخرجه البخاری فی عشرة مواضع: الحاشی فی الایمان ۱۸۸، وفی کتاب العلم ۱۸۹، وفی مواقیب الصلوة ۱۹۰، وفی کتاب الزکوة ۱۹۱، وفی کتاب الجہاد ۱۹۲، وفی کتاب المناقب ۱۹۳، وفی المغازی ۱۹۴، وفی کتاب الادب ۱۹۵، وفی اخبار الاحاد ۱۹۶، وفی الترجیم ۱۹۷۔

سوال و جواب

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ میں بہت سے ایسے ابواب گزرے ہیں جن میں امام بخاریؒ نے اجزاء ایمان کا ذکر کیا ہے اور باب اداء الخمس من الایمان کا ان ابواب سے گہرا ربط تھا چاہئے تھا کہ امام بخاریؒ اس باب کو بھی ان ابواب کے ساتھ رکھتے۔

جواب :- سابقہ ابواب میں امام بخاریؒ نے جن اجزاء ایمان کا ذکر فرمایا ہے ان کو لائق ایمان سے ہمیشہ ہمیش کا ہے، جیسے نماز، زکوٰۃ اور صوم رمضان وغیرہ، اور یہ ادا خمس ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق مستقل نہیں ہے بلکہ گاہے گاہے، اب ترجمہ کے انعقاد سے یہ تبہ ہو سکتی ہے کہ جزا ایمان شہاد کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ چیزیں مستقل طور پر ایمان سے متعلق ہوں بلکہ وہ چیزیں بھی اجزاء ایمان ہیں جو کبھی کبھی ایمان سے متعلق ہوتی ہیں۔

کنت اقمع مع ابن عباس ابو جبرہ تابعی راوی حدیث حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد اور خاص مصاحبین میں سے تھے یہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: یعنی زمین ولایتہ البصرة من قبل علی ابن ابی طالبؓ الخ یعنی قصداً اس وقت کا ہے جب حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بصرہ کے حاکم تھے، ابن عباسؓ ابو جبرہ کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ چنانچہ ابو جبرہ کو اپنے بغل میں تخت پر بیٹھاتے تھے، اس اعزاز کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بصرہ فارس کی سرحد پر واقع ہے اس لئے فارسی لوگ بھی حضرت ابن عباسؓ کے پاس مقدمہ لیکر آتے تھے ابو جبرہ فارسی زبان سے واقف تھے اس لئے ابن عباسؓ ترجمان کی حیثیت سے اپنے پاس بیٹھاتے تھے چنانچہ بن السطوط میں لکھا بھی ہے: لانه کان یترجم لہ ابن عباس الفارسیۃ نیز اسی بخاری شریف کتاب العلم ۱۹۰ میں ہے عن ابی حمزہ کنت اترجم بین ابن عباس و بین الناس الخ یعنی ابو جبرہ حضرت ابن عباسؓ اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کی خدمت انجام دیتے تھے چونکہ حضرت ابن عباسؓ کی زبان عربی تھی اور ابو جبرہ بصرہ میں رہنے کی وجہ سے فارسی کے ماہر تھے۔

اقم عنہی حتی اجعل لک مہماً ابو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم میرے پاس کچھ روز قیام کرو میں تمہارے لئے اپنے مال میں سے تمہارا حصہ لگا دوں گا چنانچہ میں ان کے پاس دو ماہ قیام پذیر رہا۔
دوسری وجہ بخاری کتاب الحج ص ۲۲۸ سے معلوم ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بعض مصلحتوں کی بنیاد پر تمتع سے منہ کھٹے تھے ان حضرات کا منشا یہ تھا کہ خانہ کعبہ پونے سال آباد ہے قریب کے لوگ حج کے موسم میں حج کیا کریں اور عمرہ کے لئے مستقل سفر کیا کریں۔ جب ابو جبرہؓ نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر لیکھ حجۃ و عمرۃ کہنا شروع کیا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو ابو جبرہؓ نے ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا ان کا مسلک خود تمتع کا تھا اس لئے ان کو اجازت دیدی اور ابو جبرہؓ مطمئن ہو کر تمتع کے احرام سے رزادہ ہو گئے اور فارغ ہونے کے بعد ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: ”حجٌ مبرورٌ وعمرہٌ متفقۃٌ“ یہ حج اور عمرہ مقبول ہے۔

واپس آنے کے بعد ابو جبرہؓ نے یہ خواب ابن عباسؓ سے بیان کیا ابن عباسؓ کو بہت خوشی ہوئی اور اپنے مسلک کی صحت کا یقین بڑھ گیا، فرمایا: مسند ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم ”نیز اس خواب سے ابو جبرہؓ کے صلاح و تقویٰ کا حال بھی معلوم ہو گیا اس لئے حضرت ابن عباسؓ ابو جبرہؓ کا خصوصی خیال رکھتے تھے اور چونکہ ترجمانی بھی کرتے تھے اس لئے اپنے مال میں سے کچھ حصہ دینے کا ارادہ کیا، بخاری ج ۱ ص ۲۱۳ میں یہ واقعہ موجود ہے اس میں اتنی بات زیادہ ہے کہ ابو جبرہؓ کے ساتھ اگر دشمن کہتے ہیں کہ میں نے ابو جبرہؓ سے پوچھا اے فقال للرویا اللہی راۃ تھا معلوم ہوا کہ اصل سبب اعزاز و اکرام کا وہ خواب تھا اور نہ ترجمانی کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے اتنا احترام و اکرام ہو۔ بہر کیف حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد سے ابو جبرہؓ نے دو مہینہ قیام کیا۔ مسلم شریف میں ہے کہ ایک دن ایک عورت نے نبی جبرہؓ (ظروف نبیہ) کا مسئلہ دریافت کیا ابن عباسؓ نے اس کو منہ کیا تو ابو جبرہؓ کو یہ سوال و جواب سن کر خیال آیا کہ میں بھی جبرہؓ (کھلیا) میں نبیذ بناتا ہوں، ابو جبرہؓ نے اپنا حال ابن عباسؓ سے بیان کیا اس پر ابن عباسؓ نے یہ حدیث سنائی۔

ان وفد عبد القیس لما اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو نیز ابو جبرہ قبیلہ عبد القیس کے تھے اس لئے بھی ان کو یہ حدیث سنائی۔

وفد عبد القیس

قبیلہ عبد القیس بحرین میں رہتا تھا، اس قبیلہ کا تاجر متقذ بن حیان مدینہ میں تجارت کا کسٹرا لیکر تجارت کرتا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضور اقدسؐ ان سے ملے اور بحرین کے حالات دریافت فرمائے، بحرین کے شرفاء اور رؤساء کے حالات نام بام آپؐ نے دریافت فرمائے بالخصوص اس قبیلہ کے سردار منذر بن عائد الملقب بمنذر الاشج کا حال دریافت فرمایا اور یہ منذر متقذ کے خسر تھے اس لئے متقذ بن حیان کو سخت حیرت ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی بحرین تشریف نہیں لے گئے پھر آپؐ کو بحرین کے تفصیلی حالات کیسے معلوم ہوئے؟ نہایت توجہ سے متقذ آپؐ کی

بائیں سنتے رہے اور بہت متاثر ہوئے، آپ نے اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے، حضورؐ نے منقذ کو سورۃ فاتحہ اور سورہ علق (یہی اقدس بانہم ربک) کی تعلیم دی، منقذ جب وطن جانے لگے تو حضور اقدسؐ نے قبیلہ کے سرداروں کے نام خطوط لکھوا کر دیا، منقذ نے اپنے وطن بحرین جا کر اسلام اپنا، ظاہر نہیں کیا موقع کے منتظر رہے البتہ جب نماز کا وقت آتا تو گھر میں نماز پڑھ لیتے ان کی بیوی منذر الاشجعی بیٹی تھی اس کے دل میں یہ بات کھٹکی، اس نے منقذ کے لئے افعال و اعمال کا تذکرہ اپنے باپ سے کیا کہ اس مرتبہ منقذ جب سے مدینہ سے آئے ہیں رنگ ڈھنگ بدلا ہوا ہے ہاتھ منہ اور پیر دھوئے ہیں پھر قبلہ رو ہو کر کبھی کھڑے ہوتے ہیں، کبھی جھکتے ہیں اور کبھی زمین پر سر رکھ دیتے ہیں، منذر نے یہ حال سن کر اپنے دادا منقذ سے پوچھا کہ کیا نئی بات ہے؟ انہوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ حضور اقدسؐ نے آپ کا حال بھی خصوصیت سے دریافت فرمایا، اس پر منذر الاشجعی مسلمان ہو گئے، پھر حضرت منقذ کی تبلیغ سے ایک جماعت مسلمان ہو گئی اور چالیس آدمی پر مشتمل ایک وفد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شہرہ فتح مکہ سے کچھ قبل آیا، حضورؐ نے مرحبا بالوفد یعنی خوش آمدید کہا، وفد والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر ہیں اس لئے ہم لوگ شہر حرام (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) کے علاوہ باقی خدمت نہیں ہو سکتے اس لئے آپ ہمیں ایسی قطعی اور واضح بات بتلا دیجئے جس کی ہم اپنے پیچھے رہنے والوں کو خبر کرسکیں اور اس پر عمل کر کے ہم لوگ جنت میں جا سکیں اور ان وفد والوں نے مشروبات (ظروف) کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع کیا۔

اشکال و جواب

اشکال یہ ہوتا ہے کہ اجمال میں چار چیزیں مذکور ہیں، تفصیل میں پانچ چیزیں۔ ایمان، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام اور مال غنیمت کا خمس۔ اس لئے اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہیں ہوئی۔

جواب :- اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں :-

(۱) یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کلام کسی خاص مقصد کے لئے بیان کیا جائے اور ضمناً کوئی دوسری چیز آجائے تو اس ضمنی چیز کو شمار نہیں کیا جاتا ہے، صرف اصل مقصد شمار کیا جاتا ہے۔ عبدالقیس کا یہ وفد چونکہ مسلمان تھا جیسا کہ اس کے قول اللہ و رسولہ اعلیٰ سے صاف ظاہر ہے تو جب وہ مسلمان تھے تو ایمان سے بخوبی واقف تھے اس لئے شہادتین کا ذکر ضمنی ہے اور نہ کلمے اس کا شمار مستقل نہیں ہوگا۔

(۲) ان خزائن الخصال من المغنم کوئی جدا گانہ چیز نہیں ہے بلکہ یہ زکوٰۃ کی تفصیل ہے۔ اب زکوٰۃ وہ ہے جو متین ہے اور ہمیشہ وصول کی جاتی ہے اور دوسری کبھی کبھی جب مال غنیمت حاصل ہو۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ روایت میں چار میں سے صرف ایک ہی کا تذکرہ ہے یعنی ایمان باللہ کا اور بقیہ امور ایمان کی تفسیر ہیں اور باقی متن امور کو راوی نے اختصاراً یا نسیاناً ترک کر دیا۔

(۴) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: امرهم بالایمان باللہ وحده و امرهم بالربیع و اقامہ الصلوٰۃ الخ چنانچہ امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں جو روایت

نقل کہ اس میں اسی طرح ہے پس اجمال و تفصیل میں مطابقت ہو گئی۔

تحقیق الفاظ

خزایا جمع ہے خزیان کی بمعنی رسوا جیسے حیران کی جمع حیارئ۔ مذاہج ندان بمعنی نادم کی جمع ہے بمعنی شرمندہ، مطلب یہ ہے کہ مذموم رسوا ہو کر آئے نہ شرمندہ ہو کر۔

رسوائی تو اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ تم لوگ خود بخود آ گئے، گرفتار اور قیدی ہو کر نہیں آئے، اور ندامت و شرمندگی اس لئے نہیں کہ تم نے ہم سے کبھی مقابلہ نہیں کیا، اگر ہماری تمہاری پہلے لڑائی ہوئی ہوتی تو آج ہمارے پاس آنے میں شرمندگی محسوس ہوتی۔

حَتَّم بَغِيعَ الْمَاءِ وَكُونَ النُّونَ وَفَتَحَ النَّارَ، مَثَلًا، مَثَلِيًّا، شَرَابًا مَسْكًا، وَكَأَنَّكَ أَكْثَرُ سَبْرًا لِّكَ بِمَا تَحْتَمِلُ، اس کا ترجمہ سبزی میلے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ دَبَّاءُ، بَعْضُ الدَّالِ وَتَشْدِيدُ الْبَاءِ، مَدَّ اور فَعَرَ دونوں کے ساتھ منقول ہے کدو کا تو بنا، کدو کو اس کے درخت پر ہی خشک کر لیتے ہیں پھر اس کے اندر سے سارے کو دے اور بیج نکال کر برتن سامان لیتے ہیں

تَقْرِيرٌ بَغِيعَ النُّونِ وَكُسْرُ الْقَافِ، یہاں بغیر بمعنی منقول ہے کھجور کی جڑ کو دکر بنایا ہوا برتن۔

مَرْفُوعٌ تَشْدِيدُ الْفَاءِ، بعض روایت میں مقتدر ہے دونوں کا مفہوم ایک ہے روغن زفت لگایا ہوا برتن مَرْفُوعٌ زَفْتٌ ہے اور مَقْرِقٌ قَارِسٌ، قَارِ کو قیر بھی کہتے ہیں تار کو ل جیسا ایک تیل مہرہ سے آتا تھا اور اس کو کشتیوں میں مسامات بند کرنے کے لئے لگاتے تھے۔

مسئلہ

خَفِيعَةُ شَافِعِیہ کے نزدیک برتنوں کی حرمت منسوخ ہو گئی۔ مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک اب بھی ان برتنوں کی ممانعت ہے، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بھرہ کی گورنری کے زمانہ میں جب ان برتنوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس حدیث کو سنایا اس سے معلوم ہوا کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

احاث اور شوافع رحمہم اللہ کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ منسوخ ہے حضرت ابن عباسؓ کو ان کے نسخ کا علم نہیں تھا اس بنا پر انہوں نے بیان کیا، منسوخ ہونے کی دلیل مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کُنْتُ نَهَيْتُكَ عَنِ الْإِسْبَازِ الْإِفِي الْأَسْقِيَةِ فَاسْتَبَدَّ فِي كُلِّ دَعَاءٍ وَلَا تَشْرَبُوا مَسْكًا۔

(ارشاد الباری ۱۵، ۲۵۳)

باب

• مَا جَاءَ أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْجَسَدِ وَبِكُلِّ أَمْرٍ عَمَلٌ مَا فَرَى فَدْخَلَ فِيهِ الْإِيمَانُ وَالزُّمُورُ وَالصَّلَوةُ وَالزُّكُوفُ وَالْحَسْبُ وَالصُّومُ وَالْأَحْكَامُ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى "عَلَى كُلِّ عَمَلٍ عَلَى شَأْنِكُمْ" عَلَى نِيَّتِهِمْ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى عَالِهِ يُغْنِيهَا حَقْدَةٌ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ •

اس بات کا بیان کہ (شریعت میں) اعمال کا دار و مدار نیت و اخلاص پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی

ہے جس کی اس نے نیت کی ہے تو عمل میں ایمان اور وضو، نماز، زکوٰۃ اور حج اور روزہ اور احکام (شرعیہ) بھی داخل ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورہ بنی اسرائیل میں) قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ لِنَفْسِهِ اَنْتَ اَنْتَ رَاجِعٌ ہر آدمی اپنے طریقے پر یعنی اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے، انسان کا اپنے اہل و عیال پر بہ نیت قرابہ خرچ کرنا صدقہ ہے، اور (جب مکہ فتح ہو گیا تو) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اب مکہ سے ہجرت تو باقی نہیں رہی) لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

رابطہ

ما قبل کے باب میں یہ ہے کہ وفد عبد القیس نے یہ سوال کیا تھا کہ کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے جس کی وجہ سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اعمال کو بتلا دیا۔ اب امام بخاری اس باب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اعمال دخول جنت کا سبب اس وقت نہیں گے جب نیت صحیح ہو۔
۲۔ یایوں کہا جائے کہ ایمان کے شعبوں کو بیان کرنے کے بعد امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ امور ایمان کا شعبہ اس وقت ہو سکتے ہیں جبکہ خالص اللہ ہوں۔ (اداد الباری)

مقصد ترجمہ

اس سے کراہیہ پر رد مقصود ہے جو صرف اقرار باللسان کو ایمان کہتے ہیں، رد کی تقریر یوں ہوگی
"الایمان عمل وکل عمل لا بد لہ من النیۃ فالایمان لا بد لہ من النیۃ"
عملی شاکستہ علی نسبتہ امام بخاری نے شاکستہ کی تفسیر نیت سے کی ہے، لیکن شاکستہ کے اصل معنی مناسبت طبعیہ کے ہیں کہ ہر انسان اپنے طبعی مناسبت و رجحان کے مطابق عمل کرتا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:
وقال اللیث الشاکستہ من الامور ما وافق فاعلمه والمعنی ان کل احد یعمل علی طریقۃ اللہ تشاکلی اخلاقہ الی (مدۃ ص ۳۱۵) یعنی ہر شخص اپنے اس طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے جو اس کے اخلاق سے مطابقت کرتا ہے، مثلاً لائے اپنے طریقے سے میل کھانے والے اعمال کرتا ہے، نعمت خداوندی کے اعراض و دوگردانی شدت و مصیبت کے وقت یاس و دل شکستگی وغیرہ۔ اور مومن اپنے طریقے اور مذہب کے مطابق اعمال کرتا ہے
الاناء ینترشح بما فیہ۔

۵۲ ● حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ قال اخبرنا مالک عن یحییٰ بن سعید عن محمد بن ابراہیم عن علقمہ بن وقاص عن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الاعمال بالنیۃ ولکن امری ما نونی فمن کانت ہجرۃ الی اللہ ورسولہ فہجرۃ الی اللہ ومن کانت ہجرۃ لذنبا یصیبہا او امر آتو یتزرجھا فہجرۃ الی ما ہاجر الیہ۔

۵۳ ● حدثنا حجاج بن منہال قال حدثنا شعبۃ قال اخبرنی عدی بن ثابت قال سمعت عبد اللہ بن یزید عن ابی مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا انفق الرجل علی اہلہ یحسبھا ذمہ لہ صدقۃ ●

۵۲ • حدثنا الحكم بن نافع قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال حدثني عامر بن سعد عن سعد بن ابی وقاص أنه اخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الا أجرت عليها حتى تجعل في نعم امرئتك • حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا دار مداریت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔ پس میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی تو وہ اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے شمار ہوگی اور جس نے حصول دنیا یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو وہ اسی مد میں (شمار) ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت اختیار کی۔

ترجمہ حدیث ۵۲

مطابقتہ للترجمة | امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں تین امور ذکر کئے ہیں علی الاعمال بالنیۃ علی الجسۃ (یعنی استحضار نیت) علی لکل امرئ ما فری۔

ان تینوں کے لئے علی الترتیب تین حدیث لائے ہیں، اس حدیث کی مطابقت اول ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ای فی قولہ "الاعمال بالنیۃ"

تعدد الحدیث :- اس کے لئے بخاری شریف کی پہلی حدیث یعنی حدیث ۱۷۸۱ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کے لئے

ترجمہ حدیث ۵۳

صدقہ ہے یعنی صدقہ کا ثواب پائیگا۔ نفقۃ الرجل مبتداء ہے اور تحقیقاً حال ہے اور صدقہ خبر ہے۔ اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے دوسرے جزو سے ہے ای، اذا انفق الرجل علی اہلہ یعطیہا ذہبی لہ صدقۃ۔

مطابقتہ للترجمة

اہل و عیال کا نفقہ ایک معاشرتی چیز ہے، انسان اہل و عیال پر خرچ فطری اور طبعی تقاضوں کے تحت کرتا ہے اس لئے ہو سکتا تھا کہ اس میں ثواب کا تصور بھی نہ ہوتا اس لئے احتساب کے لفظ سے تشبہ کر دیا گیا کہ ان میں بھی اچھی نیت اور حصول ثواب کا استحضار ہو تو انسان باخبر و مستحق ثواب ہوگا۔

تعدد الحدیث :- اخرجہ البخاری هنا فی الایمان ۳۷۱۱ فی الفای مایہ فی کتاب النفقات ۵۵۰۰ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہیں ہر اس نفقہ و خرچ پر ثواب دیا جائیگا جس سے اللہ کی رضامندی مقصود ہو یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے۔

ترجمہ حدیث ۵۴

مطابقتہ للترجمة | اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے تیسرے جزو سے ہے۔ یعنی لکل امرئ ما فری :-

تعدد الحدیث :- اخرجہ البخاری هنا فی الایمان ۳۷۱۱ وایضا مفصلاً فی العنای ۳۷۱۱

وایضا فی الرصایا ۳۸۳ وایضا ۵۱ و۶۳۳ نام۳۳ و۸۰۶ و۸۴۲ و۹۳۳ و۹۹۴۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذین التَّصَدَّقُوا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ
وَلَا تُشْتَرِی السَّامِیْنَ وَعَمَّتْهُمْ وَقَوْلُهُ تَعَالَى " اِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ " ●
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور ان کے مسلمانوں کے لئے
خبر خوار ہی کرنا دین ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورہ توبہ میں) کہ جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ
خلوص رکھیں۔

مقصد ترجمہ اس باب میں امام بخاری نے دو حدیثیں نقل کی ہیں لیکن پہلی روایت النصحۃ للہ ورسولہ
ولاشئۃ المسلمین ہے جو علی شرط البخاری نہیں تھی اس لئے اس کو ترجمہ کا جزو بنادیا اور اسے
کریۃ پیش کر کے اس کسر کو پوری کر دی۔

الدين النصيحة تصيحت كاحل دين پر کیا گیا ہے اور ابواب سابقہ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام بخاری
کے نزدیک دین و ایمان متحد ہیں لہذا الایمان النصیحة ہو گیا اور چونکہ نصیحت کے معنی اخلاص کے ہیں اور اخلاص کے
درجات مختلف ہیں اس لئے ایمان کے درجات و مراتب بھی مختلف ہو گئے جس سے ایمان کے اندر زیادتی و کمی
کا معاملہ بھی صاف ہو گیا اور چونکہ یہ باب کتاب الایمان کا آخری باب ہے اس لئے امام بخاری نے جو کتاب الایمان
تاتم کیا تھا اس کی ابتدا اور انتہا مرتبط ہو گئی۔

ربط قبل باقبل کے باب میں نیت کی اہمیت کا بیان تھا اب اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر معاملہ میں
خواہ اللہ سے ہو یا رسول سے یا ائمۃ المسلمین سے یا عام مسلمانوں سے، اخلاص ضروری ہے
اس طرح ہر کہ کسی معاملہ میں غش اور کھونٹ کی آمیزش نہ ہو۔

● ۵۵ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ اسْتَعْفِيلٍ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ
عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمَدَنِيِّ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَقَامَةِ
الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالتَّصَدَّقِ لِكَلِّ مُسْلِمٍ ●

● ۵۶ حَدَّثَنَا ابْنُ النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُرْوَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَافَةَ قَالَ سَمِعْتُ
جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَوْمَ مَاتَ الْمَذْبُوحُ بْنُ شَعْبَةَ قَامَ فَحَمِدَ اللَّهُ وَاتَّخَذَ عَلَيْهِ رِ
قَالَ عَلَيْكُمْ بِإِتْقَانِ اللَّهِ وَحَدِّهِ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْوَقَارِ وَالسَّكِينَةِ حَتَّى يَأْتِيَكُمْ أَمِيرٌ
فَاتَّمَا يَأْتِيكُمْ الْآنَ تَمَّ قَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَمِيرِكُمْ فَإِنَّهُ كَانَ يَجِبُ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا
بَعْدُ فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ أَبَايُكَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَشَرَّطَ عَلَيَّ
وَالْتَّصُّحَ لِكَلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهُ عَلَى هَذَا وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ إِنِّي كُنَّا صَبْحُكُمْ لَكُمْ ثُمَّ
اسْتَغْفِرُكُمْ وَنَزَلَ ●

ترجمہ حصہ ۵۵

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلي سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی

مطابقتہ للترجمة :- مطابقہ ظاہر فی قولہ " والنصح لكل مسلم "

تعدد الحديث

اخرجه البخاري هنا في الايمان ص ۱۳ ايضاً ص ۱۳ ايضاً ص ۱۳ ايضاً ص ۱۳۹

ترجمہ حصہ ۵۶

زیاد بن علاقہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ جس دن مغیرہ بن شعبہ کا انتقال ہوا اس روز میں نے جریر بن عبد اللہ سے سنا کھڑے ہو کر انہوں نے (اول) اللہ کی حمد

تثانیان کی اور (لوگوں سے) کہا تمہیں صرف خدا کے وحدۃ لا شریک سے ڈرنا چاہئے اور وقار اور سکون کے ساتھ رہنا چاہئے یہاں تک کہ کوئی امیر تمہارے پاس آجائے وہ امیر غنیمت ہی تمہارے پاس آنے والے ہیں پھر کہا اپنے (مرحوم) امیر کے لئے دعاؤں مغفرت کرو کیونکہ وہ بھی معافی کو پسند کرتے تھے پھر کہا اب اسی (حمد و صلوة) کے بعد (دن لوگ) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت اسلام کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے اسلام پر قائم رہنے کی اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کی شرط لی تو میں نے اسی پر آپ کی بیعت کی، اور قسم ہے اس مسجد کے رب کی کہ یقیناً میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں پھر انہوں نے استغفار کیا اور منبر سے اتر گئے۔

مطابقتہ للترجمة :- مطابقہ حدیث ظاہر ہے۔ فی قولہ " والنصح لكل مسلم "

تعدد الحديث :- والحديث هنا ص ۱۳ ویاقی ص ۳۴۵

تشریح

نصيحة: ام مصدر اس کے اصل معنی ہیں اخلاص، از باب فتح نصا ونصھا غلص ہونا یہ لفظ اور طرح مشتمل ہے، ایک تو نصح الثوب کبر اسما، نصیحت سے بھی منصوح کے برے حال کی اصلاح ہوتی ہے اسی سے توبہ منصوح ہے بمعنی خالص توبہ گویا معاصی لباس دین کو چاک کر دیتے ہیں اور توبہ اسی کو درست کرتی ہے۔
یا نصح العسل سے ہے جب شہد کو موم وغیرہ سے صاف کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں نصحت العسل، نصیحت سے بھی برائی کو دور کیا جاتا ہے۔

علامہ خطابی کہتے ہیں کہ نصیحت ایک جامع کلمہ ہے جس کے معنی ہیں منصوح لہ کے پورے حق کو ادا کرنا۔

النصيحة لله اللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ اس کو وحدۃ لا شریک مانے، تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف مانے، اور نقائص و زوائد سے اس کو منزہ اور پاک سمجھے اور پوری زندگی عبدیت و غلامی کی بنالے۔
ولرسوله رسول کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ ان پر ایمان لائے، ماجاد براہ الرسول کی تصدیق کرے، اپنی تمام تر خواہشات کو آپ کی لائی ہوئی شریعت کے تابع کر دے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: لا يؤمن احدکم حتى

یکون حواء تبعاً لما جئت به، آپ کی تعظیم و تکریم میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، درود کا اہتمام کرے۔

ولا ثمة المسلمين اللہ دو ہیں ایک اللہ علم و ہدایت اور دوسرے امر اور حکام۔

.. کتاب العلم ..

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کی ابتداء باب بدء الوحی سے فرمائی اور اس میں وحی کی عظمت صداقت اور عصمت و حقانیت کو واضح فرمایا، کیونکہ عقائد ہوں یا احکام، عبادات ہوں یا معاملات تمام امور کا منبع و مخزن اور سارے علوم حقہ اور معارف الہیہ کا سرچشمہ صرف وحی ہے۔ اس کے بعد کتاب الایمان لائے کیونکہ ایمان کے بغیر کسی چیز کا اعتبار نہیں، بندہ پر جاتی و مالک اللہ رب العالمین کے جو حقوق ہیں ان میں سب سے پہلے اور اصل بنیادی چیز ایمان ہے، ایمان کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال و عبادات کا کوئی وزن و قدر نہیں لہذا تمام اعمال کے لئے اصلی بنیاد و اساس ایمان ہے اس لئے اس کو باقی سب چیزوں سے مقدم رکھا اب جبکہ ایک شخص ایمان لا چکا تو ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم کر لی اور اطاعت کے معنی ہیں مطاع یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو کرنا اور غیر مرضیات کو چھوڑنا، اور ظاہر ہے کہ یہ علم ہی کے ذریعہ حاصل ہوگا لہذا کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم لائے اور ایک ایسی آیت بھی یہاں درج کی جس میں ایمان کے بعد علم ہی کا ذکر ہے تو علم سے غرض یہ ہوگی کہ مرضیات الہی معلوم ہوں لہذا کتاب العلم کے ماتحت اس علم کے فضائل اور اس کے حقوق و آداب اور حاصل کرنے کے طریقے بتائے، پھر سب سے پہلے فضیل علم کا باب رکھا تاکہ شوق و رغبت پیدا ہو۔

علم سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں۔ جہل سے بدتر کوئی آفت نہیں۔
اس سے امام بخاریؒ کی حسن ترتیب و دقت نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

باب فضل العلم وقول الله عز وجل "يَرْفِعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ

أَتَوْا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" وقوله "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا" ●
علم کی فضیلت کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورہ مجادلہ میں) تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (سورہ نمل میں) پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

آیت کریمہ سے ایمان اور علم کا ربط بھی معلوم ہوا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایمان و علم کی وجہ سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

تشریح

آیت مبارکہ میں الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ پر وَالَّذِينَ أَتَوْا الْعِلْمَ کا عطف عطف الخاص علی العام ہے

جواہر شام شان کا فائدہ دیتا ہے۔ بدون ایمان کے علم غیر نافع ہے، کافی استنزیل العظیم بتعمول مس

بضرہم ولا ینفعهم (بقصر)

ایک معمولی ایماندار بے ایمان فخر عالم سے لاکھوں درجہ افضل ہے۔

باب فضل العلم

امام بخاریؒ اکثر و بیشتر صحیح بخاری شریف کے تراجم میں بطور تبرک و استشہاد قرآن حکیم کے آیات پیش کرتے ہیں، چنانچہ اس باب کے اندر بھی دو آیتیں ذکر کیں جن سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ پہلی آیت سورہ مجادلہ کی ہے، اس میں پہلے تو آداب مجلس کا بیان ہے: یا ایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فامسحوا یفسح اللہ لکم و اذا قیل للفسحوا فامسحوا اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات واللہ بما تعملون خبیر۔ (سورہ مجادلہ آیت ۱۱)

اس آیت میں دو چیزیں بتلائیں۔ اول یہ کہ کھل کر بیٹھو یعنی جب مجلس میں کچھ لوگ بعد میں آجائیں تو مسلمان ان کے لئے جگہ دینے کی کوشش کریں ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے وسعت پیدا فرما دیں گے۔ اس آیت میں دوسرا حکم آداب مجلس کے متعلق یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ تو اسے اٹھ جانا چاہئے۔ اس آیت میں لفظ قیل مجہول استعمال فرمایا گیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا کہ کہنے والا کون ہو، مگر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنے والے شخص کو اپنے لئے جگہ کرنے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یقیم الرجل الرجل من مجلسہ فی مجلس خبیث و لکن تفسحوا و توسعوا یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنیوالے کو جگہ دیدیا کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اسی کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہنا آنے والے شخص کے لئے تو جائز نہیں البتہ میر مجلس یا مجلس کا انتظام کرنے والا اٹھ جانے کے لئے کہے تو اٹھ جانا چاہئے۔ (معارف القرآن جلد ۱۷)

اس کی حزا کیا ہے؟ یرفع اللہ الذین آمنوا۔ اولیٰ اللہ تم میں سے مؤمنین اور اہل علم کے درجات بلند کرے گا۔ تو امام بخاریؒ کا مقصود اثبات فضلی علم ثابت ہو گیا نیز اس پر بھی شبہ نہ کر دیا کہ ایمان کے بعد علم کا بیان کیوں لائے؟ اس لئے کہ آیت میں ایمان کے بعد علم کو بیان کیا گیا۔

واللہ بما تعملون خبیر اشارہ مقصود ہے کہ اللہ خبردار ہے کہ کون کس درجہ کا علم رکھتا ہے اور کس مرتبہ کا شخص ہے اس کے اعتبار سے ہم بھی رفع درجات کریں گے۔

قولہ رب زدنی علما اس سے فضلی علم یوں ثابت ہوتا ہے کہ سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

جنہیں علم الاولین والآخرین عطا کیا گیا ہے انہیں بھی مزید علم طلب کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علم کتنی بڑی دولت ہے۔

بہی آدم از علم یابد کمال : نماز حشمت و جاہ و مال و منال۔

ترجمہ آدم کو علم سے اس علم سے خاک کی تو خاک بھی عظمت نہیں

اشکال :- جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اکمل و اتم تھا تو طلب زیادہ کے کیا معنی ؟

جواب :- یہاں علم سے معارف الہیہ کے وہ درجات مراد ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔

سوال :- یہاں امام بخاریؒ نے ترجمہ الباب تو قائم کیا مگر کوئی حدیث نہیں لائے ؟

جواب :- شاید امام بخاریؒ کو اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہیں ملی اس لئے آیت کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔

۲ :- امام بخاریؒ کہیں کہیں ترجمہ قائم کر کے روایت نہیں ذکر کرتے ہیں جس سے طلباء حدیث کا امتحان اور سمیرن

و تشہید ازبان مقصود ہے کہ اس کے مناسب کوئی روایت از خود تلاش کر لیں مثلاً : مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسْ

فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ (مسلم ۱۷۳۵)

باب ۵۵ :- مَنْ سَأَلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِمْ فَاتَمَّ الْحَدِيثَ تَعَرَّ أَجَابَ السَّائِلُ

۵۵ :- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَسْنَانَ قَالَ سَأَلْتُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ

قَالَ سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ قَلْبِشَيْحٍ قَالَ سَأَلْتُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنِي جَلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَافٍ

عَنِ ابْنِ هَرِيرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ

أَصْرَاقٌ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَمَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ فَقَالَ

بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ . وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ لَمْ يَسْمَعْ حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ

قَالَ آيُنَ أَرَاهُ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ هَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ! قَالَ فَإِذَا ضَيِّقَتِ الْأَمَانَةُ

فَانْظُرِ السَّاعَةَ فَقَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا ؟ قَالَ إِذَا أُرْسِلَتْ إِلَّا مَرَأًى غَيْرَ أَهْلِهَا فَانْظُرِ السَّاعَةَ

باب اس شخص کے بیان میں جس سے کوئی علمی سوال کیا گیا جیکہ وہ اپنی گفتگو میں مشغول ہو تو اپنی بات پوری

کر کے سائل (پوچھنے والے) کا جواب دے۔

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں لوگوں سے (کچھ) ارشاد

فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی (دریہائی) آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی ؟

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیان جاری رکھا یعنی سائل کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی تو بعض لوگ

(جو اس مجلس میں حاضر تھے) کہنے لگے کہ آپ نے اعرابی کی بات سن لی ہے مگر اس کی بات (درمیان گفتگو میں)

تا گوار ہوئی اور بعض حضرات نے کہا "نہیں بلکہ آپ نے اس کی بات سنی ہی نہیں" یہاں تک کہ جب آپ نے

اپنا بیان پورا فرمایا تو فرمایا کہ قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے ؟ سائل (اعرابی) نے عرض

خيارکم و اغنياکم سمعناکم و امرکم شری بینکم فظہر الارض خیر لکم من بطنها و اذا کانت اموالکم شریکم و اغنياکم بخلافکم و امرکم الخ فاسأکم فبطن الارض خیر لکم من ظہرها۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۵۱ ابواب الفتن)

۱۔ معلم (سائل) کو چاہئے کہ اگر معلم (عالم) کسی کے ساتھ گفتگو میں یا مطالعہ میں مشغول ہے تو درمیان میں دخل انداز نہ ہو بلکہ بیٹھ کر انتظار کرے جب علم فدا ہو جائے تب سوال کرے۔

مسائل مستنبطہ

۲۔ ہر سوال کا جواب فوراً دینا ضروری نہیں ہے، اگر معلم اشتغال کی وجہ سے فوراً جواب نہ دے تو یہ کبر کی علامت نہیں ہے اور نہ کتمانِ علم ہے، ہاں اگر مصلحت فوراً جواب دینے کی مقتضی ہو تو فوراً جواب دینا چاہئے، معلم موقع اور مصلحت کے اعتبار سے جیسا مناسب سمجھے وہ کرے، اگر عالم جانتا ہو کہ سائل میں سمجھنے کی صلاحیت نہیں تو یہ بھی جائز ہے کہ بالکل ہی جواب نہ دے مگر ایسے موقع پر حرکت کے ساتھ عذر کر دینا چاہئے تاکہ تکبر پر محمول نہ کرے۔

۳۔ لیکن اگر معلم یا سائل بیجا مداخلت کر بیٹھے تو معلم کو چاہئے کہ زری کا برتاؤ کرے خواہ مخواہ زبردستی اور تشدد کا برتاؤ نہ کرے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو کے دوران بیجا مداخلت پر زبردستی سے کام نہیں لیا اسی طرح معلم کو بھی چاہئے کہ اس وقت خاموشی اختیار کرے اور بعد میں موقع پائے پر جواب دے۔

چنانچہ حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ کے خادم نے ایک دفعہ سوال کیا کہ لوگ بزرگوں کی قبر کے پاس دفن ہونا کیوں پسند کرتے ہیں؟ اس پر مولانا خاموش رہے، ایک روز خادم شکھا جعل رہا تھا، فرمایا کہ شکھا کس کے لئے جعل رہے ہو؟ عرض کیا آپ کے لئے، فرمایا کہ اس کی ہوا قریب بیٹھنے والوں کو بھی پہونچتی ہے یا نہیں؟ عرض کیا پہونچتی ہے، فرمایا یہی آپ کے سوال کا جواب ہے کہ رحمت کی ہوائیں جو قبور اولیاء پر چلتی ہیں ان سے اس پاس کے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔

باب ۵۸ مِّن رَّفَعِ صَوْتِهِ بِالْعِلْمِ ۳

الشیخ کا بیان جو علمی باتیں بلند آواز سے بیان کرے۔

۵۸ • حدثنا ابو النعمان قال حدثنا ابو عروانہ عن ابی ہشیر عن یوسف بن ماہل عن عبد اللہ بن عمرو قال تَخَلَّفَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ سَافِرًا هَافًا زَكَنًا وَقَدْ أَرَهَقْنَا الصَّلَاةَ وَنَحْنُ نَقُصُّا نَفْعُلْنَا نَفْسُحَ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا •

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے روگئے جو ہم نے (مکہ سے مدینہ کی طرف) کیا تھا، پھر آپ نے (اگے بڑھ کر) ہم کو پالیا اور اس وقت نماز (عصر) کا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے (ہم مجلس کے ساتھ) وضو کر رہے تھے تو ہم (جلدی میں خوب

دھونے کے بجائے، ہاتھ سے پانی پاؤں پر پھیرنے لگے، آپ نے (یہ حال دیکھ کر) بلند آواز سے فرمایا: ایڑیوں کے لئے دوزخ (کے عذاب) سے خرابی ہے، دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ نماز کا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے عجلت میں صحابہ پاؤں کو اچھی طرح سے دھونے کی بجائے ہاتھ میں پانی لے کر پاؤں پر پھیرنے لگے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ڈرنا صابر تھے اس لئے آپ نے پکار کر فرمایا: ایڑیاں اگر خشک رہ جائیں گی تو دھو پوری نہ ہوگی جو عذاب کا باعث ہوگا۔

معلوم ہوا کہ مسح علی الرجلین میں مسح سے مراد غسل خفیف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد رسول اللہ لعقاب من النار اس پر دلیل ہے کیونکہ اگر مسح سے عرفی مسح مراد لیا جائے تو مسح میں استیعاب کا کوئی بھی قائل نہیں پس اعقاب کے خشک رہنے پر وعید کیوں وارد ہوئی؟

ویل اور ویج دونوں ہم معنی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اگر مستحق ہلاکت ہے تو لفظ ویل بولتے ہیں جیسے یہاں، اور اگر مستحق ہلاکت نہیں تو ویج کا استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ ویج للعسائر تفضلہ الغنۃ الباعیۃ انفسہ ہے مثلاً کہ اس کو ایک باغی گروہ قتل کریگا، ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ویل دوزخ میں ایک راوی ہے۔

● باب قول المحدث حدثنا و اخبنا و انا و قال العمیدی کان عند ابن عیینۃ حدثنا و اخبنا و انا و سمعت واحداً و قال ابن مسعود حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو الصادق المصدوق و قال شقیق عن عبد اللہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمۃ کذا و قال یفۃ حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثین و قال ابو العالیۃ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن ربہ و قال النس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یروی عن ربہ عن ربہ و قال ابو ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یروی عن ربہ عن ربہ و تبارک و تعالیٰ ●

محدث کے قول حدثنا (ہم سے بیان کیا) یا اخبنا (ہمیں خبر دی) اور انا (ہم کو بتلایا) کا بیان۔ اور شیخ حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ ابن عیینۃ (یعنی حمیدی کے بیٹے سفیان بن عیینۃ) کے نزدیک حدثنا اور اخبنا اور انا نا اور سمعت ایک ہیں (یعنی کوئی فرق نہیں راوی کو اختیار ہے جیسے چاہے روایت کرے) اور حضرت بن مسعود نے کہا حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو الصادق المصدوق (یعنی ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا اور آپ سچے تھے اور جو آپ سے کہا گیا وہ بھی سچ تھا)۔

اور شقیق (یعنی ابو داؤد کوئی) نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دو حدیثیں بیان کیں۔ اور ابو العالیہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن رجبہ۔ اور حضرت انسؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی اور آپؐ اپنے پروردگار سے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہا ہوں جو آپؐ نے تمہارے رب عزوجل سے روایت فرمائی ہے۔

گزشتہ باب میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ عالم کو علمی باتیں بلند آواز سے بیان کرنا چاہئے کہ سارے حاضرین سُن سَچے لیں تاکہ یہ حاضرین پھر دوسروں کو تعلیم دے سکیں۔ اب اس باب سے ان الفاظ کو بتانا چاہتے ہیں جن الفاظ سے یہ حاضرین دوسروں تک پہنچائیں گے۔

مقصد ترجمہ امام بخاریؒ اس باب کو منعقد کر کے اشارہ کر رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب کی بنیاد ان مسندات پر رکھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور متنبہ فرما رہے ہیں کہ اس میدان میں ہر شخص کو غن مانی بات کہنے کی آزادی نہیں دی جاسکتی، کسی بات کے قابل اعتماد و اعتبار کے لئے اسناد (سلسلہ سند) ضروری ہے، امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: الامسناد من الدین ولولا الامسناد لقال من شاء ما شاء۔

عزیز حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ میں کوئی فرق نہیں، متقدمین اور ائمہ اربعہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک تحدیث، اخبار و انباء کے الفاظ میں راوی کو اختیار ہے جیسے چاہے روایت کرے۔

متاخرین اور امام مسلم رحمہم اللہ کے نزدیک ان میں فرق ہے۔
تخلیل حدیث اسناد سے احادیث حاصل کرنے کو اصطلاحاً تخلیل کہتے ہیں۔
تخلیل حدیث کے مختلف طریقے ہیں:-

- (۱) قرأۃ الشیخ یعنی استاذ خود حدیث پڑھے اور شاگرد سنتے رہیں۔
- (۲) قرأۃ علی الشیخ یعنی شاگرد حدیث پڑھے اور استاذ سُنے۔

اب ان دونوں صورتوں میں روایت کرتے وقت کیا کہیں؟ کونسا لفظ اختیار کریں؟ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ ہر دو صورت میں حدثنا، اخبرنا، انبانا سب کہہ سکتے ہیں اس میں کوئی فرق نہیں، یہی تدریج محمدؐ میں سے حتیٰ کہ ائمہ اربعہ سے بھی منقول ہے کہ سب برابر ہیں۔ امام مسلمؒ ان دونوں (حدثنا و اخبرنا) میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلی صورت یعنی شیخ کے پڑھنے پر حدثنا کہیں گے اور دوسری صورت یعنی شاگرد نے قرأت حدیث کی تو اخبرنا کہیں گے۔ پھر اس میں بھی بعض نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر سننے والا شاگرد ایک ہی تھا تو حدثنا بصیغہ واحد اور اگر متعدد تھے تو حدثنا بصیغہ جمع کہیں گے۔ اور بعض نے اس میں وسعت دی ہے کہ بہر صورت حدثنا

بعض جمع کہہ سکتا ہے لجوازہ فی کلام العرب اور حدیثی بعضیہ واحد بھی کہہ سکتا ہے لاق المحدث حدثہ وغیرہ۔

و علیٰ ہذا القیاس قرأۃ علی الشیخ کی صورت میں بھی بعضوں نے تفعیل کی ہے کہ جوت گردنے خود پڑھا وہ تو اخباری بعضیہ واحد کیگا اور دوسرے حضرات سامعین اخباریہ بعضیہ جمع کہیں گے۔ اور بعض حضرات نے اس میں بھی وسعت دی ہے کہ ہر شخص اخباری اور اخباریہ کہہ سکتا ہے۔

(۳) الإجازۃ :- تیسری صورت اجازت بالمشافہہ کی ہے اور اس کو انباء کہتے ہیں، یعنی دشنا گرد پڑھے اور ہی شیخ کسی نے نہیں پڑھا بلکہ شیخ نے مشافہۃ اجازت دیدی اس صورت میں راوی یعنی جس کو شیخ نے اجازت دی ہے وہ انباء یا انباء نا کہیگا۔

(۴) جو بھی صورت منقولہ ہے اس کے لئے مستقل باب آ رہا ہے۔ (۵) مکاتبۃ یا مراسلۃ ہے اس کا ذکر بھی منادہ میں آ رہا ہے۔ (۶) ایک صورت وحیادۃ (بکسر اللام) کی ہے یعنی مذکورہ کوئی صورت بھی متحقق نہیں ہوئی بلکہ کہیں سے کسی محدث کی کتاب ہمارے ہاتھ میں آگئی اب ہم اس کتاب سے حدیث بیان کرتے ہیں اور اس محدث کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر یہ لفظ مؤخر ہے لم یسمع من العرب (یعنی عرب سے منقول نہیں) اس صورت میں وحدت فی کتاب فلاں کہنا چاہئے۔

محدثین کرام کے یہاں نقل روایت کے یہ مختلف طرق ہیں، تحدیث و اخبار کے لئے قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے یومئذ نحدثہ اخبارہا (الانزال آیت سے) اور انباء کے لئے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے لا یحدثک مثل خبیر (ناظر)۔

پھر محدثین کرام میں اختلاف ہے کہ اخبار اور تحدیث میں کون افضل ہے؟ یعنی قرأۃ علی الشیخ افضل ہے یا قرأۃ الشیخ؟ اس کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے دو قول ہیں ایک یہ کہ دونوں متساوی ہیں، دوسرا یہ کہ قرأۃ علی الشیخ یعنی اخبار افضل ہے کیونکہ جب تک اگر خود سنائیگا تو خوب احتیاط کریگا اور اگر شیخ پڑھائیگا تو اس قدر اعتبار نہ کریگا۔

بہتر فیصلہ وہ ہے جو حافظ عسقلانی نے فیج الباری میں فرمایا ہے کہ احوال مختلف ہیں، کہیں تحدیث اقوی ہوگی کہیں اخبار جہاں پر جو مامون من الغلط ہو وہاں وہی اقوی ہوگا لہذا فیصلہ یکطرفہ نہیں ہونا چاہئے، امام بخاریؒ دونوں ایک کہتے ہیں۔

۵۹ • حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اسْمَعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرًا لَا يَنْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مِثْلُ الْمُسْلِمِ فَحَدَّثْتُ فِي مَا رَجَعْتُ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبُرَادِيِّ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَقِعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النُّخْلَةُ فَاسْتَعْيَبْتُ ثُمَّ قَالَ

حَدَّثَنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ •

ترجمہ

حضرت (عبداللہ) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے (خزاں میں بھی) نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی طرح ہے تو مجھے بتاؤ کہ وہ کونسا درخت ہے؟“ یسئیر لوگ جنگلی درختوں (کے دھیان) میں پڑ گئے۔ عبداللہ (ابن عمرؓ) کا بیان ہے کہ میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے (عرض کرتے ہوئے) شرم آئی (کہ جڑوں کے سامنے بکشاں کروں) پھر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی بتا دیجئے کہ وہ کونسا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا ”وہ کھجور کا درخت ہے“

مطابقتی للترجمة

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خد خد ثری ماہی اور آخر میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حد ثنا ماہی امام بخاریؒ ان دونوں کے مجموعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ خواہ استاذ پڑھے یا شاگرد دونوں پر تحدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ (عملہ) حافظ مستطانیؒ نے صرف حد ثری ترجمۃ الباب ثابت کیلئے کہ امام بخاریؒ کی نظر اس حدیث کے مختلف طرق کے سارے الفاظ پر ہیں یہاں حضور کا ارشاد حد ثری ماہی ہے اور کتاب التفسیر ۲/۶۸۱ اور کتاب الادب ۹ میں حضرت نافع کے طریق سے اخبر وثی ماہی ہے اور اسماعیل کے طریق میں انبویؑ نیز صحابہ کرامؓ کی طرف سے بھی بعض روایات میں بجائے حد ثنا ماہی کے اخبرنا یا ہے بخاریؒ نے پس معلوم ہوا کہ یہ تینوں الفاظ برابر ہیں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں۔

تعدد الحديث

اخرجه البخاري في كتاب العلم في أربعة مواضع ص ۱۳۰ وافي بعدا ۱۳۰ رم ۱۷۰ ايضا في البيوع ۲۹۳ وفي التفسير ۶۸۱ وفي الاطعمه ۸۱۹ وايضا في كتاب الادب ۹۰۳ ايضا ۱۰۰ قللك مشرق كاحلة۔

مومن کی دعاؤں نہیں ہوتی

لا يسقط ورقها اس میں اشارہ ہے کہ مومن کی دعاؤں نہیں ہوتی قبول کے طرق مختلف ہیں کبھی بعینہ مطلوب چیز مل جاتی ہے اور اگر وہ علم باری تعالیٰ میں سائل کے لئے مضر ہوتی ہے تو اس کی بجائے کوئی دوسری نافع چیز عطا کی جاتی ہے بالعرض اگر دنیا میں کچھ بھی نہیں ملا تو اجرائی تو ضرور ملے گی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اور غلام میں وجہ شبہ یہی ہے۔ حافظ مستطانیؒ فرماتے ہیں:

وجه الشبه بين النخلة والمسلم من جهة عدم سقوط الورق مارواه الحارث بن اسامة في هذا الحديث من وجه آخر عن ابن عمرؓ ولفظه قال: كنا عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ذات يوم فقال إن مثل المؤمن كشل شجر لا تسقط لها اثملة أخبرني ما هي قالوا لا قال هي النخلة لا تسقط لها اثملة ولا تسقط لئومن دمق (رق ۱۵)

وجہ شبہ بین اسلام و نخلہ

و انہا مثل المسلم و وجہ شبہ میں مختلف اقوال ہیں :-
(۱) بعض نے کہا کہ جیسے انسان سر کاٹنے سے زندہ نہیں رہتا اسی طرح

نخلہ سر کاٹنے سے ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) بعض نے کہا کہ نخلہ انسان کی طرح ذکر و طوٹ ہوتی ہے، بدون قطع (تاہیر) پھل نہیں دیتی۔

(۳) بعض نے کہا نخلہ انسان کی عتہ (پھوکی) ہے کیونکہ بعض روایت میں ہے کہ حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بچی ہوئی سٹھا سے نخلہ پیدا کی گئی۔

ذکورہ بالا وجوہ اس لئے صحیح نہیں کہ پہلی دونوں حیوانات اور تیسری غیر مسلم کو بھی شامل ہے، ان میں مسلم کی کوئی خصوصیت نہیں، وجہ ثالث سب سے زیادہ اوہن (ضعیف) ہے کیونکہ یہ حدیث ثابت نہیں صرف مندرجہ ذیل دو وجہیں صحیح ہیں :-

(۴) جیسے کجور کا کوئی جز بیکار نہیں جاتا جڑ پتے، ٹہنیاں، تنہ، مغز، پھل اور پٹھلی ہر چیز کا آمد و نافع ہے

ایسے ہی مسلم کامل کا ہر فعل نافع ہوتا ہے ویدل علیہ ماراۃ المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ فی الاصلۃ: عن ابن عمرؓ قال بینا نحن عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نالی بجار فقال ان من الشجر لما برکتہ

کبرکۃ المسلم الخ

(۵) ما من من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسقط لها اخلہ ولا تسقط لمؤمن دموق (ارشاد عظمیٰ)

اشکال :- ممکن ہے کہ بعضات کسی دوسرے درخت میں لگی پائی جاتی ہوں۔

جواب :- اول تو کسی دوسرے درخت میں ان سب صفات کا وجود ثابت نہیں، ثانیاً یہ کہ عرب میں ان صفات کا حامل صرف یہی درخت بکثرت ہوتا تھا اس لئے اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

قال عبد اللہ فرقع فی نفسی انہا الفطالۃ فاستحیت بعض روایات میں ہے کہ میں اصغر القوم

سٹھا اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے حضرات تشریف فرما تھے اس لئے بتانے سے جبار مانع ہوئی۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم بتا دیتے تو میرے لئے حرم نعم سے بھی بہتر ہوتا، حضرت عمرؓ کے اس قول کی

وجہ یہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مواقع پر اپنے شخص کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ (ارشاد عظمیٰ)

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے ذہن میں جو نخلہ آیا اس کے لئے قرینہ بھی تھا وہ یہ کہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس جبار تھا جیسا کہ بعض طرق میں آیا ہے اور بعض روایت میں آیا ہے کہ اس وقت حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:

الم ترکیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طلیقۃ کثیرۃ

طلیقۃ اصلها ثابت و فرعہا فی السماء (ابن جیم)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کسی مثال بیان فرمائی ہے کہ طلیقہ

کی کہ وہ شاہد ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب

کڑی ہوئی ہو اور شاخیں اونچائی میں جاری ہوں۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ شجرہ طیبہ سے مراد نخلہ ہے، اس آیت کو تلاوت فرمانے سے یہاں ایک اور وجہ شبہ بھی معلوم ہوئی کہ جس طرح نخل کی جڑ زمین میں ثابت ہے اور فرع اس کی آسان کی طرف ہے اسی طرح مؤمن کا ایمان تو اس کے قلب میں مضبوط ہے یعنی تصدیق جو ایمان کی جڑ ہے اور اعمال جو برکت شاخ کے ہیں وہ سوا قبولیت تک پہنچتے ہیں۔

● **باب طرز الامام المسئلۃ علی اصحابہم لیختبر ما عندہم من العلم** ●

استاذ کا اپنے شاگردوں کے سامنے سوال پیش کرنا تاکہ ان کے علم کا امتحان لے سکے۔

۶۰ ● حدثنا خالد بن مخلد قال ثنا سليمان بن بلال قال ثنا عبد الله بن دينار عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من الشجر شجرة لا يسقط ورقها وانها مثل المسلم حدثني ما هي قال فوقع الناس في شجر البوادی قال عبد الله فوقع في نفسي انها النخله فاستحييت ثم قالوا حدثنا ما هي يا رسول الله قال هي النخله ●

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک بار) ارشاد فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ بے شک مسلمان کی طرح ہے جسے ہلکا نہ کرے۔ عبداللہؓ کہتے ہیں کہ لوگ جنگلی درختوں (کے خیال) میں پڑ گئے اور میرے ذہن میں یہ آیا کہ وہ کھجور (کا درخت) ہے مگر مجھے (عرض کرتے ہوئے) شرم آئی، پھر صحابہ رضی عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ (دیکھا) بتا دیجئے کہ وہ کون سا درخت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ کھجور ہے۔

رابطہ قبل علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: والناسبة بين البابين ظاهرة فان الحديث فيها واحد عن صحابي واحد، مطلب یہ ہے کہ گذشتہ باب جو شجرہ والی حدیث تھی وہی حدیث اس باب میں بھی ہے اور صحابی بھی ایک ہی ہیں۔ ترجمہ مختلف ہونے کی وجہ سے حدیث کا اعادہ فرمایا ہے، نیز نیز یہ ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس سے متنازع بخاری کے تعدد اور وسعت روایت پر تنبیہ ہوگئی، یہاں تک کہ امام بخاریؒ ایسا اوقات ایک ہی حدیث کو اپنے بہت سے شیوخ سے نقل کرتے ہیں۔ (عمدة)

اس ترجمہ سے امام بخاریؒ کا مقصد کیا ہے؟ علماء کے مختلف اقوال ہیں:-

مقصد ترجمہ (۱) گذشتہ باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ دین کی کوئی بات بیان کرنے میں سند کا لحاظ ضروری ہے، اب اس باب میں یہ بتا رہے ہیں کہ جس طرح دین کی باتیں بیان کرنے کے وقت پورے تیقظ و بیداری کو کام میں لانا چاہئے اسی طرح طلبہ کو بھی متیقظ و بیدار رکھنے کی کوشش کی جائے تاکہ طلباء درس کے وقت غفلت سے کام نہ لیں جس کی ایک بہترین صورت یہ ہے کہ طلبہ سے وقتاً فوقتاً سوالات کے جائیں تاکہ طلبہ ہمہ وقت بیدار اور متوجہ رہیں۔

(۲) اس طرف بھی اشارہ ممکن ہے کہ طلبہ کا پہلے داخل امتحان لیکر علی معیار جانچ کر داخل کیا جائے جیسا کہ معیاری

مارس میں اس پر عمل ہے اگرچہ آجکل کچھ کوتاہی شروع ہو گئی ہے بلاشبہ اس سے بچنا ضروری ہے۔

(۳) ابوداؤد شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الاغلو طات (ابوداؤد کتاب العلم) جس سے مانعت امتحان کی طرف وہم جاسکتا ہے۔ امام بخاری نے یہ ترجمہ قائم کر کے اس وہم کو دور کیا اور حدیث لا کر یہ ثابت کر دیا کہ تشہید ذہن اور تینفظ کے لئے امتحان جائز ہے اس سے علی ترقی ہو سکتا ہے۔

اب رہا حدیث معاویہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر امتحان سے مقصد اپنی تعلیٰ اور بڑائی کا اظہار ہو اور مسئلہ کو توڑ مروڑ کر اغلو ط پیش کرے جس سے عالم یا مفتی کی توہین و تذلیل کا قصد ہو بلاشبہ حدیث معاویہ سے ناجائز ہے درنہذا وجہ علی کے لئے اغلو ط یعنی چیستان پوچھنا جائز ہے۔

مطابقت للتوجہ | حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباس کے واضح ہے فی قولہ قال۔ ان من الشجر شجرة... الخ قولہ... حدثنی ماہی۔

باقی تشریح کے لئے گذشتہ باب کی حدیث دیکھیے۔

● **باب القراءۃ والقرآن علی المحدث ورائی الحسن والشوری ومالك**
القراءۃ جائزۃ واحتج بعضهم فی القراءۃ علی العالم بعدیث ضامربین شلبۃ أنه قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم أمرک أن تصلّی الصلّات قال نعم قال فہذا قراءۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أخبر ضامراً قویۃ بذلك فاجازۃ واحتج مالک بالصّحیح یقرء علی القوم فیقولون أشہدنا فلان ویقرء علی السّفری فیقول القارئ اقرأ فی فلان۔

حدثنا محمد بن سلام قال ثنا محمد بن الحسن الواسطی عن عوف عن الحسن قال لا بأس بالقراءۃ علی العالم وحدثنا عتبید اللہ بن موسیٰ عن سفیان قال إذا قرأ علی المحدث فلا بأس أن یقول حدثنی قال وسمعت ابا عامر یقول عن مالک وسفیان القراءۃ علی العالم وقراءۃ سواہ ●

محدث (استاذ محدث) کے سامنے حدیث پڑھنے اور محدث کے سامنے پیش کرنا کا بیان۔

حسن یعنی سفیان ثوری اور امام مالک رحمہم اللہ نے قرأت (یعنی قراءۃ التعمید علی الشیخ) کو جائز سمجھا ہے اور بعض محدثین نے استاذ کے سامنے قرأت کرنے پر ضامربین شلبہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم لوگ نماز پڑھا کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو یہ (گویا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا ہی ہوا، ضامر نے (بچہ جاکر) اپنی قوم سے اس کو بیان کیا تو انہوں نے اس کو جائز رکھا، اور امام مالک نے دساتیر (یا قبائل) سے استدلال کیا جو پڑھ کر

لوگوں کو سنائی جاتی ہے، چنانچہ وہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں فلاں شخص نے گواہ بنایا اور مقری کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو قاری کہتا ہے کہ: مجھے فلاں شخص نے پڑھایا۔

فائدہ مقری بعینہ اسم فاعل کے معنی استاذ قراءت ہیں اور قاری کے معنی پڑھنے والا یعنی شاگرد، اب مطلب یہ ہوا کہ قاری (پڑھنے والا شاگرد) استاذ کے سامنے پڑھ کر سناتا ہے پھر کہتا ہے کہ مجھ کو فلاں نے پڑھایا ہے۔

محمد بن سلام (ریکندی) نے بیان کیا کہ محمد بن الحسن واسطی نے حضرت امام حسن بصریؒ سے بواسطہ عرف نقل کیا کہ عالم (استاذ) کے سامنے پڑھنے میں کوئی قیامت نہیں، اور امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے سفیان ثوری سے نقل کیا کہ جب کوئی شخص محدث کے سامنے حدیث پڑھے یعنی شاگرد حدیث پڑھ کر محدث کو سنائے، تو محدث کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (امام بخاریؒ کہتے ہیں) اور میں نے ابو عاصم سے سنا وہ امام مالک اور سفیان ثوری سے نقل کرتے تھے کہ عالم کو پڑھ کر سنانا اور عالم کا (خود) پڑھنا (شاگردوں کے سامنے) دونوں برابر ہیں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ گزشتہ باب میں قراءت شیخ کا بیان تھا، اب اس باب میں قراءت علی الشیخ کا ذکر ہے، اور یہ دونوں طریقے جہور کے نزدیک معتبر ہیں مناسبت ظاہر ہے۔

باب سابق میں طالب علم کے امتحان و اختبار کا ذکر تھا اب اس باب میں طالب علم کی قراءت علی الشیخ کا بیان ہے، گویا امتحان داخلہ کے بعد پڑھنے کی اجازت ہے پس مناسبت ظاہر ہے۔

مقصد ترجمہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: اراد بہ الرد علی طائفة لا یعتدون الا بما یسمع من الفاظ الشیخ (علا ۱۶)

خلاصہ یہ ہے کہ "امام بخاریؒ" کا مقصد اس باب سے ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قراءت علی الشیخ (یعنی شاگرد پڑھے اور استاذ سنے) معتبر نہیں یعنی اگر کسی نے شیخ کے سامنے حدیث کی قراءت کی تو اسے حدیث ثابہ قرار دینا جائز نہیں، اس کا قول حجت ہو سکتا ہے جب تک کہ شیخ کے الفاظ ذہن، مطلب یہ ہے کہ صرف قراءت الشیخ معتبر ہے، امام بخاریؒ ان کی تردید میں دلائل پیش کر رہے ہیں۔

باب القراءۃ والعرض ای ہذا باب فی بیان حکم القراءۃ والعرض علی الحدیث یتعلق بالقراءۃ والعرض کلہما فہو من باب تنازع العاقلین علی معنی واحد۔ (علا ۱۶)

یہاں دو مسئلے ہیں: ۱۔ قراءت علی المحدث، یعنی محدث (استاذ) کے سامنے شاگرد قراءت کرے جیسا کہ آج کل مرکزی مدارس میں بھی طریقہ رائج ہے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ عرض علی المحدث ہے، یعنی استاذ شاگرد کو اپنی کتاب دیدے اور شاگرد نقل کر کے استاذ سے مقابلہ کرے، یا شاگرد کے پاس استاذ کی لکھی ہوئی حدیثوں کا مجموعہ پہلے سے موجود ہو اب شاگرد نقل کر کے استاذ کے سامنے اس مجموعہ کو سن کر اجازت حاصل کرے یہ عرض علی المحدث ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ قرأت علی المحدث تو وہی ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاذ نے، لیکن پڑھنے والے کے جو ساتھی ہیں وہ اگرچہ پڑھتے نہیں ہیں مگر سنتے ہیں تو ان ساتھیوں کا یہ فعل عرض علی المحدث ہے۔ والشرائع

واجب بعضہم بعض سے مراد کوئی ہیں؟ بین السطور میں لکھا ہے کہ یہ امام بخاری کے شیخ حمیدی ہیں حافظ نے فتح الباری میں اس مقام پر لکھا ہے کہ میں مقدمہ میں لکھ چکا تھا کہ حمیدی مراد ہیں مگر اب مجھے معلوم ہوا کہ ابوسعید خدری مراد ہیں، پھر یہی ہی کی کتاب معرفۃ السنن والاثر سے یہ نقل پیش کی کہ خود امام بخاری کہتے ہیں کہ ابوسعید خدری مراد ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۱)

باقی عبارت ترجمہ سے ظاہر ہے۔ واجب مالک بالصلف ملک بفتح الصاد معرب ہے چکا، آجکل اس کو دستاویز و قبالہ کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دین (قرن) کا معاملہ ہو یا بیع و شراک و متاویز لکھنے والا، قبالہ نویس معاملہ کی کتابت کر کے متعاقبین اور گواہوں کی موجودگی میں پڑھ کر سنا دیتا ہے متعاقبین اس کو تسلیم کرتے ہیں، گواہوں کے دستخط ہو جاتے ہیں متعاقبین خود اس کی قرأت نہیں کرتے لیکن بوقت قضا قاضی کی عدالت میں گواہی دیتے ہیں اور عدالت ان کی گواہی کو معتبر قرار دیتی ہے اور یہ مسلم ہے کہ شہادت کا معاملہ بمقابلہ اخبار کے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور نقل روایت از قبیلہ اخبار ہے، پس جبکہ عدالتی فیصلوں میں اس قسم کا اقرار صحیح اور معتبر ہے تو باب روایت میں بدرجہ اولیٰ معتبر ہونا چاہیے۔

دیفری علی المقری ابو مقری بضم المیم قرآن پڑھانے والا یعنی استاذ امام مالک کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ قاری یعنی شاگرد مقری یعنی استاذ کو پڑھ کر سنانا ہے استاذ نہیں پڑھتا صرف سن کر تصدیق کر دیتا ہے لیکن شاگرد یہ کہتا ہے کہ فلاں نے مجھے قرآن پڑھایا تھا حالانکہ اس نے خود پڑھ کر استاذ کو سنا یا تھا بعینہ یہی صورت قرأت علی الشیخ فی الحدیث کی ہے، امام مالک سے اگر کوئی کہتا کہ آپ خود حدیث سنائیں تو خفا ہوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی قرآن پڑھ کر سنائے تو تم تصدیق کہتے ہو تو حدیث میں تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ (فتح، عمدہ)

البتہ کبھی کبھی خود بھی سناتے تھے چنانچہ امام محمدؒ کو پانچ سو احادیث سنائیں اور انکی خصوصیات میں سے ہے اور کسی کے لئے امام مالکؒ نے گوارہ نہیں کیا۔ (درس بخاری ص ۳۲)

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک قرأت علی الشیخ اور قرأت الشیخ جواز و محبت میں دونوں برابر ہیں ورنہ امام مالکؒ کے یہاں قرأت علی الشیخ افضل ہے یہی مسلک حضرت امام اعظمؒ کا ہے۔

۶۱ • حدثنا عبد الله بن يوسف قال حدثنا الليث عن سعيد بن جابر عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم في المسجد دخل رجل على جمل فاناخه في المسجد

ثُمَّ قَالَ لَهُمْ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَكَيِّئٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنِهِمَا
فَقُلْنَا هَذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ التَّكَيُّ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا ابْنَ عَبْدِ الْمَطْلَبِ فَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَبْتُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي سَأَلْتُكَ فَمَشَدُّ عَلَيْكَ فِي
الْمَسْأَلَةِ فَلَا تَجِدُ عَلَيَّ نَفْسِيكَ فَقَالَ سَلْ عَنَّا بِذَلِكَ فَقَالَ: أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ
مَنْ قَبْلَكَ اللَّهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ فَقَالَ اللَّهُ نَعَمْ فَقَالَ أُنْشِدْكَ بِاللَّهِ
أَللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ تَصِلِيَ الصَّلَاةَ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اللَّهُ نَعَمْ
قَالَ أُنْشِدْكَ بِاللَّهِ أَللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ تَصُومَ هَذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ قَالَ اللَّهُ
نَعَمْ قَالَ أُنْشِدْكَ بِاللَّهِ أَللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيائِنَا
فَتَقْسِمَها عَلَى فَقَرَائِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ
آمَنْتُ بِمَا جِئْتُ بِهِ وَأَنَا رَسُولُ مَنْ وَرَأَيْ مِنْ قَوْمِي وَأَنَا حِمْيَارُ بْنُ ثَعْلَبَةَ
أَخْرَجَنِي سَعْدُ بْنُ بَكْرِ رَوَاهُ مُوسَى وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الصَّمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ
عَنِ النَّبِيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا ۝ ۱۵

ترجمہ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک
شخص اونٹ پر سوار آیا اور اونٹ کو مسجد کے دروازے پر بیٹھا کر بانٹھ دیا اس کے بعد (حاضرین سے)
پوچھنے لگا تم میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان ٹیک لگائے
جلوہ افروز تھے، ہم نے کہا یہ صاحب سفید رنگ کے (یعنی گورے) شخص جو ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ جب وہ آپ سے
کہنے لگا اے ابن عبدالمطلب! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں کہو) میں تیری بات سن رہا ہوں، اس پر
اس نے کہا میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں اور کچھ سختی سے سوال کروں گا تو آپ میرے اوپر ناراض نہ ہوں، آپ
نے فرمایا جو تیرا جی چاہے پوچھ، تب اس نے کہا میں آپ کو آپ کے پروردگار اور آپ سے پہلے لوگوں کے پروردگار
کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ جانتا ہے
(لفظ اللہم جس کے معنی ہیں یا اللہ تیرا دیکھنا تاکید فرمایا ہے)۔ تب اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم
دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر کہنے لگا
میں آپ کو قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ سال بھر میں اس ہینے میں (یعنی رمضان میں) روزے کرو؟
آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر کہنے لگا میں آپ کو قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم میں جو مالدار
لوگ ہیں ان سے زکوٰۃ لیکر ہمارے محتاجوں میں بانٹ دو؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ تب اس
شخص نے کہا جو احکام اللہ کی طرف سے آپ لے کر آئے ہیں میں ان پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کے لوگوں کا جو
یہاں نہیں آئے ہیں نمائندہ ہوں اور میں ضام بن ثعلبہ ہوں بنی سعد بن بکر کے خاندان سے ہوں۔

اس حدیث کو (لیث کی طرح) سنی اور علی بن الحسین نے سلیمان سے روایت کیا انہوں نے ثابت سے انہوں نے حضرت انسؓ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

۶۲ • حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ سَأَلْتُ بَنِي الْمُغِيرَةِ قَالَ ثَابِتٌ عَنْ النَّبِيِّ قَالَ تَهَيَّأْنَا فِي الْقُرْآنِ أَنْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَتَعَبَّأُنَا أَنْ يَجْعَلَ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْمَاقِلَ فَيَسْأَلُهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ أَنَا رَسُولُكَ فَأَخْبَرْنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ فَقَالَ فَخَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَخَلَقَ الْأَرْضَ وَالْجِبَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَخَلَقَ فِيهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَجَعَلَ فِيهَا السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَرُكُوعٍ فِي أُمُورِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ بِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِي سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ بِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقَ قَالَ بِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَرَأَيْتَ تَبَشَّرَ بِالْعَقْلِ لَا أَرْبِيدَ عَلَيْكَ تَشْيِئًا وَلَا انْقِمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ صَدَقَ لَيْدَ حُلَّتِ الْحَقَّةُ •

ترجمہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو قرآن میں منع کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کریں اور ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ کوئی عقلمند شخص دیہات سے آئے (جس کو اس ممانعت کی خبر نہ ہو) وہ آپ سے سوالات کرے اور ہم سنیں، آخر دیہات والوں میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا ہمارے پاس آپ کا قاعدہ پہنچا تھا اس نے یہ بیان کیا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا، پھر کہنے لگا اچھا آسمان کس نے پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اس نے پوچھا اچھا زمین اور پہاڑ کس نے بنائے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اس نے پوچھا اچھا اس میں اتنے منافع کس نے رکھے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے، تب اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو قائم کیا اور ان میں نفع کی چیزیں رکھیں کیا اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، تب اس نے کہا آپ کے قاعدے کہا کہ ہم پر پانچ نمازیں ہیں اور اپنے مالوں میں زکوٰۃ (فرض) ہے آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا پھر وہ بولا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، پھر اس نے کہا

کہ آپ کے قاصد نے کہا ہے کہ ہم پر سال بھر میں ایک جینے کے روزے ہیں آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا تب وہ کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تب وہ کہنے لگا کہ آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہم پر بیت اللہ کا حج ہے جسے وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا تب وہ کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں ان باتوں پر نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ ان میں کی کر دوں گا یہ شکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر یہ سچا ہے تو بلاشبہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

ترجمہ الباب مطابقت

حضرت ضمام کی دونوں حدیثوں سے ترجمہ الباب کی مطابقت ظاہر ہے کہ حضرت ضمام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے معلوم کی ہوئی باتوں کو آپ کے سامنے پیش کیا اور آپ نے تصدیق فرمائی پھر ضمام جب قوم کے پاس واپس گئے تو قوم کے سب لوگ ایمان لے آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قراءت شیخ ہی ضروری نہیں بلکہ یہ بھی معتبر اور درست ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاد سن کر تصدیق کر دے۔ اس سے قراءت علی الشیخ اور عرض کا معتبر ہونا ثابت ہو گیا۔ یہی امام بخاری کا مقصد ہے۔

تشریح ۹۱

نصف جلوس جالس کی جمع ہے جیسے راکع کی جمع رکوع نصف مبتدا ہے اور جلوس اس کی خبر۔ دخل رجل مراد ضمام بن ثعلبہ ہیں جیسا کہ اسی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ اس رجل نے کہا انا ضمام بن ثعلبہ الخ۔

علی جبل فانماخذ فی المسجد اس سے ابن بطال وغیرہ نے ماکول اللحم کے ارواث والوال (بول و براز) کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ اونٹ کا مسجد میں بیٹھنا خطرہ بول سے خارج نہیں اور اس کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت اس کی دلیل ہے کہ اونٹ کا پیشاب پاک ہے۔

مگر یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں صرف ایک احتمال ہے کہ پیشاب وغیرہ کر دیتا لیکن پیشاب کرنا ثابت نہیں۔ قابل غور یہ ہے کہ وہ ذات اقدس جو مسجد میں تھوک برداشت نہیں کرتی اور غضب سے چہرہ متغیر ہو جاتا اس نے مسجد میں اونٹ کا داخل کرنا اور اس کا بول و براز کیسے برداشت کر لیا؟ یہ امر قرین قیاس نہیں کہ اونٹ کو مسجد میں بیٹھایا گیا ہوگا، راوی نے قرب مسجد کو مسجد سے تعبیر کر دیا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے جو مسند احمد میں ہے: فانماخذ علی باب المسجد فمقله شہد دخل

ماقلہ مستطالی کہتے ہیں: فقلی هذا فی رواية النبی مجاز الحدیث والتقدیر فانماخذ فی ساحة المسجد ارغوز لک (فتح الباری) اس سے واضح ہو گیا کہ فی المسجد سے مراد علی باب المسجد یا فی ساحة المسجد ہے۔

نتم قال لهم ایتکم محمد الا پھر اس نے حاضرین مجلس سے پوچھا تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں ؟ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان ٹیک لگائے بیٹھے تھے ۔ ظہر منہم یعنی ان میں سے ظہر نما مشرب بجمہ (قس) ظہر کا شنیہ ظہران ہے پھر ظہران کو مفرد کے حکم میں قرار دے کر شنیہ کی علامت اس کے ساتھ لگا دی ظہرانین ہوا اور اخافت الی الضمیر کی وجہ سے شنیہ کی نوں گرادی یہ لفظ ایسی وقت بولتے ہیں جب جمع کثیر ہو اور ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کئے ہوئے ہوں۔

اشکال

قرآن مجید میں ہے لا تعجلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (سورہ نور آیت ۲۴) اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت سے پکارنا یا مخاطب کرنا ہو تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لے کر یا محمدؐ نہ کہو کہ یہ بے ادبی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضام بن شعلہ کا یہ خطاب ادب و تعظیم کے خلاف ہے جو جائز نہیں۔

جواب :- بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ ضام نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا پھر تو جواب کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن امام بخاری، قاضی عیاض اور حافظ عسقلانی رحمہم اللہ وغیرہ کا مختار قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو کر آئے تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے اسی بنا پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اور ابوسعید خدریؓ اور حمیدؓ نے اسی بنا پر ضام بن شعلہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے کیونکہ کافر کی قرأت بالاتفاق مجہر نہیں۔

اور خطاب میں بے ادبی و گستاخاں طرز کا جواب یہ ہے کہ یہ تو مسلم تھے ابھی اسلامی احکام سے واقف نہ تھے، پھر اعرابی (دیہاتی) تھے، ادب، تہذیب سے ناواقف تھے ان کے مسلمان ہونے کا سب سے بڑا قرینہ ان کے سوالات کی نوعیت ہے کہ انہوں نے وحید کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی آپ سے معجزات طلب کئے بلکہ پورے سوالات تعظیم رسالت اور شرائع اسلام سے متعلق ہیں۔

هذا الرجل الامیض مراد خالص یاض (سفید) نہیں ہے جیسا کہ شاملی ترمذی کی روایت کے الفاظ ہیں لا بالامیض الامیض ولا بالادمر یعنی آپؐ نے نہ چمکے کی طرح خالص سفید رنگ کے تھے اور نہ گندہ رنگ (یعنی آپؐ سانپوں کے تھے) بلکہ یاض مشرب بجمہ مراد ہے۔ لیکن چونکہ سفیدی غالب تھی اسلئے امیض سے تعبیر کر دیا۔

یا ابن عبد المطلب یہ خطاب ادب و احترام کے خلاف نہیں ہے کیونکہ عبد المطلب عرب کے مشہور سردار تھے اور اسی شہرت کی بنا پر غزوہ خنین میں آپؐ نے خود رجز پڑھا تھا ۔

انا انبی لا کذاب : انا ابن عبد المطلب

یعنی میں نبی ہوں اور نبی کبھی جنگ میں پیٹھ نہیں پھیرتا ہے اور نبوی اعتبار سے بھی میں عرب کے مشہور سردار کا بیٹا ہوں۔

مذاہبت میں تیرا جواب دے چکا یعنی میں بالکل تیار ہوں گویا جواب دے چکا بلا تکلف اور غصہ

۱۰ احببت یحییٰ سمعت ہے یعنی میں نے تیری بات سن لی ہے
 اُمنت بما جئت به ضام کہنے لگے "جو حکم آپ (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) لائے ہیں میں ایمان
 لاچکا، یعنی اخبار ہے ایمان سابق کی یہی امام بخاری، امام اوزاعی اور قاضی عیاض کا مختار قول ہے۔
 اور علامہ قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اُمنت بالانشاء ایمان ہے، اس صورت میں اُمنت الخ کو تجدید ایمان
 پر محمول کیا جائیگا۔

انا ضام بن ثعلبہ ضام بکسر الفاء المعجمة وثعلب بالثاء المشددة المفتوحة والباء الموحدة۔ (عموہ)
 ابو جہلی سعد بن بکر بنو سعد کا یہ خاندان قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم کی مرضۃ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اسی قبیلہ سے تھیں، شاید اس تعارف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ساتھ قربت کا اظہار مقصود ہو کہ آپ پر ہمارے حقوق ہیں۔

اس میں حج کا ذکر نہیں | بعض حضرات نے لکھا کہ حج اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا اس لئے اس
 کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے لیکن یہ بات سچ و جودہ درست نہیں ہے۔

۱۱ دراصل یہ روایت مختصر ہے مسلم شریف جلد اول صفحہ ۳ میں ضام بن ثعلبہ کی اس روایت میں حج کا ذکر موجود ہے
 خود بخاری شریف ہی میں متصلاً موسیٰ بن اسماعیل شیخ بخاری کی روایت آرہی ہے جس میں حج کی تصریح
 موجود ہے اگرچہ موسیٰ بن اسماعیل کی روایت صرف فربری کے نسخے میں ہے دوسرے نسخوں میں یہ روایت
 نہیں ہے، چنانچہ عمدۃ القاری، فتح الباری، ارشاد الساری کسی میں بھی موسیٰ بن اسماعیل کی روایت نہیں ہے
 پس عام نسخوں کے لحاظ سے رواہ موسیٰ الخ تعلیقاً لائے ہیں جس سے مقصود استشہاد اور مذکورہ روایت
 کی تائید و تقویت ہے۔

۱۲ البتہ ہمارے ہندوستانی نسخہ میں چونکہ موسیٰ بن اسماعیل کی روایت موصولاً موجود ہے اس لئے اس
 نسخہ میں اس عبارت (رواہ موسیٰ الخ) کا ہونا درست نہیں، کاتب نے دو نسخوں کو ایک میں ملا دیا ہے۔

علامہ بیہقی فرماتے ہیں: رواہ موسیٰ الخ ای روی الحدیث الذکورہ موسیٰ بن اسماعیل
 البوسلہ المنقری السبذکی وهو شیخ البخاری وقد مؤذکرہ (یعنی کتاب الرقی حدیث) وهو
 بیروی هذا الحدیث عن سلیمان بن العفیر ابی سمید القیس البصری عن ثابت البنانی
 عن النبی بن مالک عن واخرجه ابن مویانہ فی معجمہ موصولاً بهذا الطريق وهكذا
 ابن مندہ فی الإیمان۔

فان قلت لم يعلقه البخاری ولم يخرجہ موصولاً ؟ قلت قال الکرمانی يحتمل ان
 يكون البخاری يروی عن شيخه موسى بالواسطة فيكون تعليقاً وفائدة ذكر الاستشهاد
 وتقوية ما تقدم۔ (عموہ)

تشریح حدیث ۶۲

اس میں بھی ضام بن نعلیہؓ ہی کا واقعہ ہے، یہ روایت (یعنی موسیٰ بن اسماعیل کی) بنیادی شریف کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے یہ صرف فریری ہی کے نسخہ میں ہے اور یہی نسخہ ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش میں رائج ہے۔ چونکہ علامہ فریریؒ امام بخاریؒ کے بلاواسطہ اور خصوصی شاگرد ہیں۔ علامہ فریریؒ نے امام بخاریؒ سے دو مرتبہ یابی قول تین مرتبہ ٹرھی ہے اس لئے یہ نسخہ زیادہ متداول و متعارف ہے۔ (تفصیل کے لئے مقدمہ ملاحظہ فرمائیے)۔

نہینا فی القرآن اللہ مطلقاً سوال سے مانعت نہ تھی بلکہ فضول سوالات سے روکا گیا تھا مگر مقررہ مقربان را بیش بود جہانی، صحابہ کرامؓ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کا غلبہ تھا اس لئے بالکل رک گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کوئی سوال کریں اور وہ مورد عقاب و عذاب ہو جائیں، لیکن صحابہ کرامؓ چاہتے تھے کہ کوئی عقلمند دیہاتی آجائے جو مانعت سے واقف نہ ہو اور شہکانے کا سوال کرے، چنانچہ سیدنا فاروقؓ رضام بن تعلیق کی تعریف میں فرماتے ہیں: ما رأیت احسن مسئلة ولا اجزى من صنام۔ (فقہ ۱۲۵۷)

● **باب ما یذکر فی المنازلۃ و کتاب اہل العلم بالعلم الی البلد ای وقال النبی نسیخ عثمان المصاحف فبعث بہا الی الافاق و رآی عبد اللہ بن عمر و یحیی بن سعید و مالک ذلك جائزاً و احتج بعض اہل العجاز فی المنازلۃ بحديث النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث کتب لا میں الترتیب و کتاباً وقال لا تقرأ حق قبل کذا و کذا فلما بلغ ذلك انکأ قراء علی الناس و اخبرهم بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ● ص ۱۵**

منازلہ کا بیان اور عالوں کا علی تائیں لکھ کر دوسرے شہروں کی طرف بھیجنے کا بیان۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھوائے اور انہیں مختلف ملکوں میں بکھوائے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور یحیی بن سعید اور امام مالکؒ نے اس کو (یعنی مناولہ کو) جائز رکھا ہے، اور حجاز کے بعض علماء نے مناولہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپؐ نے امیر لشکر کو ایک مکتوب دیا اور فرمایا کہ جب تک تم فلاں مقام تک نہ پہنچ جاؤ اس مکتوب کو نہ پڑھنا چنانچہ جب وہ امیر اس مقام پر پہنچ گئے تو اس مکتوب کو پڑھ کر لوگوں کو سنایا اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطلاع دی۔

● **ربطاً** نقل حدیث کے مختلف طریقے ہیں، ان طریقوں میں سے ایک قراءۃ الشیخ علی التلذذ ہے، دوسرا طریق قراءۃ التلذذ علی الشیخ ہے۔ باب سابق میں امام بخاریؒ نے اسی کو بیان فرمایا تھا، ان دونوں طریقوں (قراءۃ الشیخ اور قراءۃ علی الشیخ) سے فراغت کے بعد اب اس باب میں مزید دو طریقے بیان کر رہے ہیں۔ ۱۔ مناولہ ۲۔ مکاتبت۔

مناولہ کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی مکتوبہ احادیث کسی شاکر کو بالمشافہہ (آنکھ سے سامنے) دیدے، اب اگر اس کو دیکر روایت کی اجازت دیدے (مثلاً یہ کہے کہ میں اجازت دیتا ہوں تم میری سند سے روایت کرو) تو یہ مناولہ مقرونہ بالا اجازت ہے اور اگر بالمشافہہ کتاب دیدے مگر اجازت روایت کا ذکر نہ کرے تو مناولہ بجزوہ عن الاجازت ہے اس صورت میں شیخ سے روایت جائز نہ ہوگی البتہ اس طرح روایت کر سکتا ہے ناویسہ فلان کے کتابا فیہ ہذا۔

اس باب میں دوسرا طریقہ مکاتبتہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی مکتوبہ احادیث غائب کی طرف بھیج کر روایت کی اجازت دیدے۔

مناولہ اور مکاتبہ اگر مقرونہ بالا اجازت ہوں تو ان دونوں کے صحیح اور معتمد ہونے پر امام بخاری مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:-

یہ لکھ لکھ لکھ لکھ عثمان المصاحف الا مصاحف بفتح المیم جمع ہے مصحف کی مصحف کی میم میں تینوں حرکات جائز ہیں لیکن مشہور بفتح المیم ہے بمعنی جملہ کتاب یہاں مراد قرآن مجید ہے۔ اور حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف (قرآن مجید کے متعدد نسخے) لکھوائے اور مختلف علاقوں میں بکھوائے۔

امام بخاریؒ نے اس مقام پر جس روایت کی جانب اشارہ کیا ہے وہ بخاری شریف جلد ثانی ص ۳۷۷ میں پوری سند کے ساتھ مفصل موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور آرمینیہ اور آذر بیجان کی فتح کے لیے جہاد میں گئے تھے تو دیکھا کہ عراق اور شام کے مسلمانوں میں قرآن مجید کی قراءت میں اختلاف ہو رہا ہے، یعنی جدا جدا طریق سے پڑھ رہے ہیں اور ہر ایک اپنے طریقہ کو صحیح اور دوسروں کی قراءت کو غلط بتا رہے ہیں تو حضرت حذیفہؓ نے اس اختلاف سے گھبرا کر اپنے امیر المؤمنینؓ اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے امیر المؤمنینؓ خدا کے واسطے اس امت کی خبر لیجئے اور قبل اس کے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب الہیہ میں اختلاف کرنے لگیں اس مصیبت عظمیٰ سے انہیں بچائیے تو حضرت عثمانؓ نے ام المؤمنینؓ حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ اپنا مصحف ہمارے پاس بھیج دیں ہم اس کی نقل کر کے آپ کے پاس واپس کر دیں گے، ام المؤمنینؓ حضرت حفصہؓ نے اپنا مصحف بھیج دیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمن بن العمارؓ بن ہشامؓ کو حکم دیا اور ان سب حضرات نے ان کی نقلیں اتار لیں اور جب یہ حضرات اپنے مصاحف لکھ چکے تو ام المؤمنینؓ حضرت حفصہؓ کے پاس ان کا مصحف واپس کر دیا اور حضرت عثمانؓ نے مختلف علاقوں (بصرہ، کوفہ، شام، اور کربلا وغیرہ) میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ۲۵ھ میں امیر المؤمنینؓ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کو اہل عراق اور اہل شام کے اختلاف فی القرآن سے قند کا خوف ہوا تو حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ صحیفہ کی

نقل کر اگر مختلف نسخے تیار کر دئے اور یہ نسخے صرف لغت قریش کے مطابق کر دیا، چونکہ قرآن مجید کا اصل نزول لغت قریش ہی پر ہوا اور بعد عارض تو سہات کو ختم کر کے صورت مکتوب بھی متعین فرمادی تاکہ کلی طور پر اختلاف کا سد باب ہو جائے، اور اسی نسخہ کی تقلید مختلف علاقہ میں ارسال کرائی گئیں۔
 معلوم ہوا کہ ارسال کتب (مکاتبہ) کا طریقہ بھی معتبر ہے اور جب قرآن مجید کے معاملہ میں مکاتبت کا طریقہ مستند اور حجت ہے تو حدیث کے بارے میں تو بدرجہ اولیٰ معتبر ہو گا۔

دوسری دلیل درای عبد اللہ بن عمروؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور سعید انصاریؓ اور امام مالک رحمہم اللہ نے اس منوالہ کو جائز رکھا ہے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ یہ عبد اللہ بن عمر بن عامر بن عمر بن الخطاب ابو عبد الرحمن القرشی المدنی ہیں، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پڑے پوتے ہیں جو عبد اللہ عمری کے ساتھ مشہور ہیں، یہی تحقیق ہے علامہ عینی اور علامہ کرمانی رحمہما اللہ کی اگرچہ احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمرؓ مراد ہوں۔ واللہ اعلم۔

تیسری دلیل واجب بعض اهل الحجاز بعض اہل حجاز سے مراد امام بخاریؒ کے شیخ حمیدیؒ ہیں شیخ حمیدیؒ نے صحت منوالہ کے لئے اپنی کتاب فوائد میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جمادی الثانیہ ۱۰۸ھ غزوہ بدر سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ ہاجرین کو حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا اور امیر سرسہ عبد اللہ بن جحشؓ کو ایک خط دیا اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس کو کھولنا اور ساتھیوں کو پڑھ کر سنانا اور اسی کے مطابق عمل کرنا۔ اس مقام پر پہونچ کر جب خط کھولا گیا تو اس میں یہ ہدایت تھی کہ کہہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں پہونچ کر قریش کا حال معلوم کریں اور ہمیں اس کی اطلاع دیں اور ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرنا جو چاہے جائے اور جو دے چاہے نہ جائے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد دو آدمی لوٹ آئے اتنے میں قریش کا ایک بخاری قافلہ سامنے آگیا اور یہ رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن صحابہ کو ۹۸ھ کے چاند کی خبر نہ تھی، مگر رجب کو شیش جمادی الاخریٰ تکھ کر ایک شخص عمرو بن محضری کو قتل کر دیا اور دو آدمیوں کو قید کر لیا اور چھال قیمت بھی حاصل کیا مکان اولیٰ مقتول من الکفار فی الاسلام و فی اللہ فی اولیٰ یوم من رجب وغنما ما کان محمداً اول غنیمة فی الاسلام۔

بہر حال امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ اس سے منوالہ مفردہ بالا اجازت کا اثبات ہو گیا کیونکہ آج سے ایک مکتوب بالمشافہہ دیا، نہ پڑھ کر سنا یا اور نہ سافر مکتوب دیا اور فرمایا کہ دو دن کی مسافت کے بعد کھولنا اور ساتھیوں کو پڑھ کر سنانا، لہذا منوالہ مفردہ بالا اجازت کی صورت ہو گئی اور اس میں مکاتبتہ کے معنی بھی موجود ہیں اور اس پر عمل کا حکم فرمایا۔

۶۳ • حدثنا اسمعيل بن عبد الله قال حدثني ابراهيم بن سعيد عن صالح عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود أن عبد الله

بن عباس اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث بکتابہ رجلاً وامراً
ان تبدفعہ الی عظیم البحرین فدفعہ عظیم البحرین الی کسریٰ فلما تراه مرقدہ
فحسبت ان ابن المسیب قال فدعا علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
یتمیزوا کل ممرقہ • ۱۵

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط لکھ کر ایک شخص (حضرت
عبداللہ بن حذافہؓ) کو دیا اور ان سے یہ فرمایا کہ وہ اس خط کو بحرین کے حاکم (منذر بن سادیؓ) کو دیں
بحرین کے حاکم نے وہ خط کسریٰ (خسرو پرویز) کو بھیج دیا، تو جب کسریٰ نے اس مکتوب گرامی کو پڑھا تو اسکو ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا، راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن مسیب نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے (اس واقعہ کو سنکر) حکومت ایران کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی بددعا فرمائی۔

تعدد الحدیث :- والحديث هنا رواه في الجهاد ۴۱۱ وفي الغزى ۲۳۳ ومثله ۱۰۴۹۔

تشریح

رجلاً سے مراد حضرت عبداللہ بن حذافہؓ ہیں جو قدیم الاسلام مہاجرین اولین میں سے
ہیں ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔

البحرین عظیم البحرین ہوا منذر بن سادی بفتح الواو۔ بادشاہوں کا عام دستور تھا کہ بلا واسطہ خط نہیں
لیتے تھے اس لئے بادشاہ فارس کسریٰ کی طرف خط عظیم البحرین کی وساطت سے بھیجا گیا۔

کسریٰ فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا، جس کسریٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی
کو چاک کیا تھا وہ نوشیروان کا پوتا خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ محسبت یہ قول راوی حدیث
ابن شہاب کا ہے کل ممرقہ ایسی تہذیب کہ اس کے آگے تقسیم نہ ہو سکے۔

کسریٰ کی ہلاکت

واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد مختلف بادشاہوں کے
پاس تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تھے، ان خطوط میں ایک خط کسریٰ کے پاس لکھا تھا
جو حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو دیگر ہدایت فرمادی کہ بحرین کے گورنر منذر بن سادی کو پہنچا دیں چنانچہ عظیم
بحرین نے وہ خط کسریٰ کو پہنچا دیا۔

دستور کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط کے سرنامہ پر اپنا نام پہلے لکھا، من محمد
رسول اللہ الی کسریٰ الخ، خسرو پرویز کو سخت ناگوار ہوا کہ میرا نام پہلے کیوں نہیں لکھا اس نے طیش میں
آکر مکتوب مبارک بھاڑ دیا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکتوب ٹکڑی کو پھاڑ دینے کی اطلاع پہنچی تو
آپؐ نے بددعا فرمائی کہ جیسے اس نے میرے خط کو پھاڑا ہے خدا کرے کہ اس کی حکومت بھی پارہ پارہ ہو جائے۔
اس بددعا کا اثر اس کی جان پر بھی ہوا اور حکومت پر بھی۔

ظاہری سبب یہ ہوا کہ خسرو پرویز کا بیٹا شیرویہ اپنی سوتیلی ماں شیریں پر عاشق ہو گیا، باپ کی موجودگی

میں شیریں پر دست دہاڑی دھونے سے اس لئے اس نے باپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا، ادھر باپ خسرو پر دیر کر بیٹے کے خطرناک ارادے کی اطلاع مل گئی تھی اس لئے اس نے ایک زہری کیشی پر مقوی باہ لیل لگا کر شاہی خزانہ میں رکھ دیا تاکہ ریشا بھی زہرہ کے چنانچہ بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا، شیریں نے یہ واقعہ سن کر خود کشی کر لی، کسریٰ کے قتل کے بعد جب شیریں تخت نشین ہوا اور خزانہ کھولا تو مقوی باہ کا لیل دیکھ کر بہت خوش ہوا اور استعمال کر کے ہلاک ہو گیا، پھر اس کی بیٹی پیمان تخت نشین ہوئی جو کم عمر تھی، طوائف اللہ کی شروع ہوئی بالآخر حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اس کی سلطنت کا بالکل استیصال ہو گیا اور ایسی دھجیاں بکھریں کہ کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ "اذا جلائی کسری فلا کسری بعدہ"

مطابقۃ للترجمہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن حذافہؓ کو مکتوب گرای بالمشافہ عنایت فرما کر اجازت دیدی کہ عظیم بحرن سے کہیں کہیں مکتوب گرای حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس بالمشافہ دینے کو مناولہ کہتے ہیں اور کسریؓ کے پاس مکتوب گرای بھیجا تو اس سے مکاتبتہ ثابت ہوئی۔

۶۴ ● جلد ثانی محمد بن مقابلی ابن الحسن قال ثنا عبد اللہ قال اخبرنا شعبہ عن قتادۃ عن النسب بن مالک قال کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتابا أو أراد أن یتکتاب فقیل لہ انہم لا یقرؤن کتابا الا مغنوما فانخذ خاتما من فضتہ فکشف رسول اللہ کافی أنظر الی بیاضہ فی یدہ فقلت لقتادۃ من قال نکشف محمد رسول اللہ قال النسب ●

ترجمہ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (عجم یا روم کے بادشاہ کو) ایک خط لکھا، یا لکھنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا وہ لوگ (عجم کے یا روم کے) وہی خط پڑھتے ہیں جس پر ہر لکھی ہو (یعنی بے ہر خط کو مستند نہیں سمجھتے) تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی خوائی اس پر محمد رسول اللہ کا نقش تھا (حضرت انسؓ نے کہا) گویا میں آج بھی آپ کے دست مبارک میں انگوٹھی کی سفیدی دیکھ رہا ہوں، شعبہ نے کہا کہ میں نے تمہارے پوچھا یہ کس نے کہا کہ اس پر محمد رسول اللہ کا نقش تھا انہوں نے جواب دیا یہ انسؓ نے۔

تعلیل الحدیث :- اخرج البخاری عنہما وصالحا وفي اللباس ۸۷۴ ايضا ۸۷۵ وفي الاحكام ۸۷۶

تشریح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ ان بادشاہوں کے یہاں کوئی تحریر مہر کے بغیر اس قابل نہیں سمجھی جاتی کہ اسے دیکھا بھی جائے اور چونکہ ان خطوط کا تعلق تبلیغ سے ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر خوائی جائے تاکہ وہ لوگ معتبر اور مؤثر سمجھ کر پڑھیں اور اسلام کی دعوت ان تک پہنچ سکے چنانچہ آپ نے اس ضرورت کی بنا پر چاندی کی انگوٹھی خوائی جس پر محمد رسول اللہ کا نقش تھا اور یہ نقش تین سطریں تھا

پہلی سطر اللہ دوسری سطر رسول تیسری محمد (ص) گویا نیچے سے بڑھا جائیگا **ﷺ**

اتخاذ الخاتم قال فی فیض الباری " علم مند اند (صلی اللہ علیہ وسلم) لم یکن یحب

اتخاذ الخاتم ثم اتخذها لاجل الضرورة فاحفظه كالأصل ، فإنه يدل على أنه قد بقرت شئ مرضى عند الضرورة ، وكان نقشه "مجد رسول الله" على اختلاف في صورته . وكان نقش خاتم عمر كفى بالمرء غفلا : وكان نقش خاتم امامنا "قل الغر والأفاست" وهذا يدل على أنه لا يجب كتابة اسم صاحب الخاتم على الغصن وكان الخاتم في القديم امارته الإختصار الشئ ويختتم الآن للتصديق ، وقوله تعالى "خاتم النبيين" على العرف القديم فلاحجة فيه للشق القادياني .

مطابقتہ للترجمہ حدیث کی مطابقت ترجمہ کے دونوں جز سے ہے . مناولہ سے تو یہ ہے کہ آپ نے اپنا مکتوب گرامی اپنے قاصدوں کو دیا . اور مکاتبت سے مناسبت تو باطل ظاہر ہے

ارشاد خداوندی ہے :-

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتك . اے رسول آپ اس چیز کی تبلیغ کریں جو آپ کے رب کی جانب سے آئی ہو گئی ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔

اس فرمان خداوندی کی تعمیل کے لئے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغی مکاتیب بھیجے ، معلوم ہوا کہ مکاتبت کی صورت بھی مستند اور لائق اعتماد و اعتبار ہے ۔

باب ۵۵ من قعد حيث ينتهي به المجلس ومن رأى فرجة في الحلقة تجلس فيها ● اس شخص کا بیان جو مجلس کے آخر میں بیٹھ گیا اور اس شخص کا بیان جو درمیان مجلس میں ملے پا کر بیٹھ گیا۔

● ۵۵ حدثنا اسبعل بن اسحق عن اسحق بن عبد الله بن أبي طلحة أن أبا مرة مولى عقيل بن أبي طالب أخبر عن أبي رافع المديني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو جالس في المسجد والناس معه إذ أقبل ثلثة نفر فاقبل اثنين الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وذهب واحد قال فوقفنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فاما احدهما فرأى فرجة في الحلقة فجلس فيها واما الآخر فجلس خلفهم واما الثالث فادبم ذاهبا فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ألا أخبركم عن النفر الثلثة اما احدهم فأراني الى الله فأواة الله واما الآخر فاستعني فاستعني الله ومنه واما الآخر فاعمر من فاعمر من الله عنه ●

ترجمہ

حضرت ابو داؤد شافعیؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے ساتھ بیٹھے تھے اتنے میں تین آدمی (باہر سے) آئے ان میں سے دو شخص تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے (آپ کا کلام سننے کے لئے) اور ایک چلا گیا، راوی (یعنی ابو داؤدؒ) کا بیان ہے کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ٹھہرے۔ پھر ان میں سے ایک نے مجلس میں گنجائش دیکھی تو اس میں بیٹھ گیا اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا پیٹھ پیچھے ہوئے چلا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دعا) فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا میں تمہیں ان تینوں آدمیوں کا حال نہ بتا دوں؟ ایک نے تو ان میں سے اللہ کی پناہ لی تو اللہ نے اس کو جگہ دی (یعنی اس نے خیر کی طرف رغبت کی، متوجہ ہوا تو اللہ نے اس کو ثواب عطا فرمایا) اور دوسرے نے اندر گھسنے میں لوگوں سے شرم کی تو اللہ نے بھی اس سے شرم کی، ربا تیسرا اس نے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔

مطابقت الترتیب

مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة، لأن الترجمة فمن قعد حيث ينهى به المجلس وفيه رأى فرجة في الصلوة فجلس فيها والحديث مشتمل على ذكر

الحلقة والدرجات وعلى من جلس ينهى به المجلس - (ع ۲۷۰ ج ۲ ص ۳۲۳)

رابطہ مقصد

کتاب العلم سے اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ یہاں حلقہ اور مجلس کے فرقہ علم اور علم ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصد طالب علم کو کسی علمی مجلس میں شرکت کے آداب کی تعلیم دینا ہے کہ جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائے کہ اس میں کبر و غرور کا علاقہ ہے، خواہ خواہ اہل مجلس کو پریشان کرنے کے لئے تنگ نظری رقاب نہ کرے لیکن اگر کسی علمی حلقہ میں آگے جگہ خالی ہو تو آگے بڑھ کر خالی جگہ کو پر کر دینا جائز ہے، مقصد یہ ہے کہ کسی علم ذکر، وعظ و نصیحت کی مجلس میں پہنچ کر پہلے دیکھ لے اگر اندر جگہ ہے تو بڑھ کر بیٹھ سکتا ہے ورنہ جہاں آسانی ہو وہیں بیٹھ جائے یہ درست نہیں کہ اگر جگہ نہیں مل رہی ہے تو دماں سے منہ موڑ کر چلا جائے اگر علمی مجلس میں بیٹھے گا تو علمی فوائد کے علاوہ اللہ کی رحمت کی آغوش میں آئیگا اگر بے اتفاقی سے چلے تو خود اپنا ہی نقصان کرے گا، علمی مجلس و حلقہ سے اعراض (چل دینا) اگر تکبر کی وجہ سے ہے تو حرام ہے اور اگر لاپرواہی اس کا سبب ہو تو ایک سعادت و مقام استفادہ سے محرومی ضرور ہے۔

تعداد الحضور

أخرج البخاري هنا ۱۶۱۵ وايضا في الصلوة ۶۵ وأخرجه مسلم والترمذي

وغني

وَأَمَّا الْآخِرُ فَمُسْتَعْيٍ فَلَسْتَعِي اللَّهَ مِنْهُ أورد دوسرے نے (اندر گھسنے میں لوگوں سے) شرم کی تو اللہ نے بھی اس سے شرم کی۔

اس جگہ کے مطلب میں علماء کے دُعا قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اول نے آگے مجلس میں جگہ دیکھی اور وہ بڑھ کر وہیں بیٹھ گیا مگر اس کے دوسرے ساتھی کو اس کی شرم آئی کہ لوگوں کی گردنیں پھانڈ کر آگے جائے اس بنا پر

مجلس کے اخیر میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس حیا کا ثواب عطا فرمایا اور مجلس میں بیٹھنے کا ثواب بھی عنایت فرمایا اس صورت میں اس کا مرتبہ اول سے بڑھ جائیگا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کا ارادہ مجلس میں بیٹھنے کا دستیابی چاہ رہا تھا کہ تیسرے کی طرح چلا جائے مگر شرم آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہیں گے؟ صحابہ کیا کہیں گے؟ اس نے شراب منواری میں آکر بیٹھ گیا اس صورت میں اس کا درجہ پہلے شخص سے کم ہوگا۔ لیکن تیسرے شخص نے اعراض کیا، بے رخی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اعراض کیا اس نے سخط علیہ بشرطیکہ بلا عذر ہو۔

صنعت مشاکلہ

اس حدیث میں ابواء، استعجاء اور اعراض کے الفاظ کا استعمال بطور صنعت مشاکلہ ہے ایسے اطلاقات کے بابے میں جن کا ظاہری معنی مراد لین ممکن نہ ہو تو ان کے کلمات دلائل مراد لئے جاتے ہیں۔

نصیحت آمیز واقعہ

اس حدیث میں ایک لفظ آیا ہے خرجه جوفاء کے پیش اور زبردوں کی طرح مستعمل ہے، فنی نحو کے ایک مشہور امام ابو العلاء سخوی کا واقعہ مشہور ہے کہ ان کو اس لفظ میں تردد تھا کہ لفع الفاظ زیادہ فصیح ہے یا بضم الفاء؟ اور یہ حجاج ظالم کے زمانہ میں تھا، حجاج سے کسی بات پر بحث ہوگئی تو حجاج کے خوف سے کسی دیہات میں رہنے لگے۔ ایک روز ایک اعرابی (دیہاتی) حجاج کی وفات پر ایک شعر پڑھا ہوا جارہا تھا، غالباً اس کا دل بھی ابو العلاء کی طرح زخمی تھا کہ

ربما تکرہ النفوس من الدھر : لد فرجة كهل المسال

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبائع زمانہ کی تلخ آزمائشوں سے تنگ آجاتی ہیں لیکن خلاف توقع دفعۃً ان سے چھٹکارا مل جاتا ہے جیسے اونٹ کی رسی کھل گئی اور وہ آزاد ہوا۔

غرض وہ اعرابی حجاج ظالم کے مرنے کی خوشی میں شعر مذکور پڑھا جارہا تھا، ابو العلاء کہتے ہیں کہ مجھے بھی حجاج کے مرنے کی بڑی خوشی ہوئی مگر یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ مجھے اس کے مرنے کی زیادہ خوشی ہوئی یا اس بات سے کہ فرجۃ زبر کے ساتھ اعرابی نے پڑھا جس سے مجھے تحقیق ملی کہ نسبت پیش کے وہی زیادہ فصیح ہے۔

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں علم کی کتنی قدر قیمت تھی کہ حجاج کی وجہ سے مارا مارا پھرتا تھا کہ کسی طرح جان بچ جائے، کتنی کچھ تکالیف و مصائب برسوں تک برداشت کئے ہوں مگر خود نام لفت ہونے کے باوجود ایک لفظ کی تحقیق پر اتنی بڑی خوشی منا رہے ہیں کہ وہ سارے مصائب کے خاتمہ کی خوشی کے برابر ہو گئی۔ (نقۃ امین)

باب ۱۷

قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رُبَّ مَبْلَغٍ أَوْعَىٰ مِنْ سَامِعٍ • ۱۷

باب :- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کو میرا کلام پہنچایا جائے وہ اس سے زیادہ فہیم اور یاد رکھنے والا ہوتا ہے جس نے مجھ سے سنا۔

مبلغ بفتح اللام ای رب مبلغ الیہ اذ علی یہ حفاظت الفاظ و معنی دونوں کو شامل ہے، چنانچہ امت میں کئی حضرات ایسے گذرے ہیں جو حفظ و تفقہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ تھے مگر یہ جزئی فضیلت ہے، کئی فضیلت صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم ہی کے لئے مخصوص ہے کوئی شخص کسی لائق صحابی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

۶۶ • حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بَشَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَرَبٍ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ ابْنِ بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعْدًا عَلَى بَعِيرٍ وَأَمْسَكَ النَّاسُ بِخَطَامِهِ أَوْ بَزِمَامِهِ قَالَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا فَسَكَنَّا حَقَّ ظَنَّنَا أَنَّكَ سَيَسْمِيهِ سُمِّيَ اسْمُهُ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّعْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَيُّ شَهْرِ هَذَا فَسَكَنَّا حَقَّ ظَنَّنَا أَنَّكَ سَيَسْمِيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فَمَنْ شَرِبَ مِنْ هَذَا فِي بِلَدِكُمْ هَذَا لِيَبْلُغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يَبْلُغَ مَنْ هُوَ أَوْحَى لَهُ مِنْهُ •

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ آپ اپنے اونٹ پر بیٹھے تھے (مٹی میں دو سو ذی الحجہ کو) ایک آدمی اونٹ کی ٹیکل (لگام) تھلے ہوئے تھا آپ نے (لوگوں سے) فرمایا "یہ کون سا دن ہے؟" ہلوگ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ آپ اس دن کا کچھ اور نام رکھیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا "کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟" ہم نے عرض کیا بیشک ہے، آپ نے پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ آپ اس ماہ کا کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے آپ نے فرمایا "کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟" ہم نے عرض کیا ہاں ہے آپ نے فرمایا بلاشبہ تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری ابروئیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت تمہارے اس ماہ میں اور اس شہر میں جو یہاں حاضر ہے اسے چاہئے کہ غائب کو یہ بات پہنچا دے، کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ جو یہاں موجود ہے وہ ایسے شخص کو یہ خبر پہنچائے جو اس سے زیادہ (حدیث کا) محفوظ رکھنے والا ہو۔

مطابقتہ للحديث للترجمة من حيث المعنى یعنی حدیث کے آخری ٹکڑا مبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسى ان يبلغ من هو اوحى له

مطابقتہ للترجمة

سے ظاہر ہے۔

اخرجه البخاری هنا في العلم ۳۱۹ ایضاً ۳۱۹ وفي الناسک ۳۳۲ وفي بدو الخلق ۳۵۳ وفي المغازی ۶۳۱ وفي التفسیر ۶۴۲ وفي الاضاحی ۸۳۳

تقدیر الحدیث

وفي الفتق ۱۳۸ وفي الترحید ۱۱۹ -

تشریح

اس حدیث میں حجۃ الوداع کا وہ خطبہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ صحابی ہیں اور مشہور صحابی حضرت ابوبکرؓ کے فرزند ہیں وحو اول مولود ولد فی الاسلام۔ بالبصرہ سنۃ اربع مائے عشرۃ و قوفی سنۃ تسلیع و تسعین ھ۔
عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت ابوبکرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کر رہے تھے کہ آنحضورؐ ادب پر سوار ہیں اور ابوبکرؓ ٹیکل تھلے ہوئے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ ہنسکتا یعنی ہم لوگ خاموش رہے۔ لیکن کتاب الحج ص ۲۳ میں ہے: قلنا اللہ ورسولہ اعلم پھر اسی صفحہ پر حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ ہیں: قالوا یومہ حرام۔ نظام تعرض ہے لیکن یہ کوئی تعرض نہیں ہے، چونکہ مجمع کثیر تھا کچھ لوگ تو اللہ ورسولہ اعلم کہہ کر خاموش ہو گئے اور جو لوگ حضرت ابن عباسؓ کے قریب تھے ان لوگوں نے جواب دیا: یومہ حرام۔
بہر حال خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوالی نوعیت اختیار فرمائی تاکہ ارشادات عالیہ کی اہمیت واضح ہو جائے اور حاضرین خوب ذہن نشین کر لیں کہ مسلمان کی عزت و حرمت اور اس کے جان و مال کا احترام ہر وقت اور ہر مقام میں ضروری اور فرض ہے بلکہ اشہر حرم کی حرمت سے بڑھ کر ہے، آخر میں فرمایا: جو لوگ یہاں حاضر ہیں انہیں چاہئے کہ غائبین تک میرا پیغام پہنچا دیں۔ لم یبلغ الشاہد بکسر الیٰین امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ واجب ہے۔

باقی حجۃ الوداع کی تفصیل کے لئے احقر کی نصر الباری کتاب الغازی ص ۴۴ ملاحظہ فرمائیے۔

باب ۵۲

العلم قبل القول والعمل لقول الله عز وجل "فاعلم انك لا اله الا الله" فبدأ بالعلم وان العلم اثة العلماء هم ورثة الانبياء واثرا العلم من اخذه اخذ بعظا واضي ومن سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقا الى الجنة وقال "انما يغشى الله من عباده العلماء" وقال ر ما يعقلها الا العالمون وقال وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا في اصعب السعير وقال هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون وقال النبي صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، وانما العلم بالتعلم وقال ابو ذر لورفعتم الصمصامة على هذه وأشار الى قفاه ثم ظننت اني انفذ كلمة سمعتها من النبي صلى الله عليه وسلم قبل ان تجيزوا على لانفذتها وقول النبي صلى الله عليه وسلم ليبلغ الشاهد الغائب وقال ابن عباس كونا راسخين حكماء فقهاء علماء ويقال السراي الذي يرن في الناس بصغائر

العلم قبل حکایہ ●

باب (بالتحریر) علم (معتقد شرعی) مقدم ہے قول اور عمل پر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورۃ محمد میں) آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے (دیکھئے) اللہ نے علم کو پہلے بیان کیا اور (حدیث میں ہے) علماء ہی ایفاء کے وارث ہیں اور پیغمبروں نے علم (ہی) کا ترک چھوڑا ہے، پھر جس نے مسلم حاصل کیا اس نے پورا حصہ (اس ترک کا) لیا اور (حدیث میں ہے) جو شخص کسی راستہ پر علم حاصل کرنے کے لئے جلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے، اور اللہ نے فرمایا (سورۃ فاطر میں) خدا سے اس کے دہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں، اور فرمایا (سورۃ عنکبوت میں) ان مثالوں کو عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا، اور فرمایا (سورۃ ملک میں) وہ دوزخی کہیں گے اگر ہم پیغمبروں کی بات سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے، اور فرمایا (سورۃ زمر میں) کیا اہل علم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سمجھائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی کچھ عنایت فرمادیتا ہے اور علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے۔

اور حضرت ابوذرؓ کا ارشاد ہے "اگر تم اس پر تلوار رکھ دو اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور مجھے امید ہو کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ایک کلمہ سنا ہے گردن کٹنے سے پہلے بیان کر سکوں گا تو یقیناً میں اسے بیان کر دوں گا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "حاضرین مجلس کو چاہئے کہ وہ (میری بات) غائب کو پہنچادے، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت کریمہ کو فورا دینین کی تفسیر میں حکماء، فقہاء، علماء مراد ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ ربانی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے مسائل سمجھا کر لوگوں کی (علمی) تربیت کرنے۔

تشریح امام بخاریؒ کا مقصد اس ترجمہ الباب سے یہ بتلانا ہے کہ علم بالذات قول و عمل پر مقدم ہے تمام اعمال و اقوال علم ہی پر مبنی ہیں کیونکہ قول و عمل کی صحت و درستگی علم پر موقوف ہے۔ جب جانتا ہی نہیں تو کیسے کوئی بات کہیگا؟ اور کس طرح عمل کریگا، نیز علما و شرف و مرجع بھی علم کو فوہیت ہے عمل پر کیونکہ علم قلب کا عمل ہے جو اشرف اعضاء بدن ہے اور عمل و قول کا تعلق جو اعضاء بدن (یعنی ہاتھ، پاؤں اور زبان) سے ہے نسبت قلب کے مغفول ہیں۔

امام غزالیؒ نے اس کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک شخص جارہا ہے اور دور سے ایک چلنے والے کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ شیر ہے تو ہرگز اس کی طرف قدم نہیں بڑھایگا، بلکہ الٹے پاؤں بھاگے گا اگرچہ حقیقت میں بیل گائیے ہی ہو، اور اگر اس نے اس کو بیل سمجھا تو وہ بے خوف چلا جائیگا اگرچہ وہ واقع میں شیر ہی ہو۔ معلوم ہوا کہ عمل کا مدار علم پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں ایک کسی چیز کے جاننے کی دوسری اس بات کے کرنے کی۔

پہلے انسان علم حاصل کرتا ہے، پھر رغبت یا احتراز و خوف پیدا ہوتا ہے، پھر رغبت یا نفرت سے ارادہ میں حرکت پیدا ہوتی ہے بعد ارادہ قدرت کو متحرک کرتا ہے بعد استعمال قدرت سے عمل وجود میں آتا ہے معلوم ہوا کہ عمل علم پر متضرع ہے۔

اثبات ترجمہ کے لئے امام بخاری نے سب سے پہلے سفیان بن عیینہ کا استدلال نقل کیا کہ ارشاد خداوندی ہے
 فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبك الآية اس آیت کریمہ میں علم اور عمل دونوں کا ذکر ہے مگر پہلے علم ہے
 یعنی فاعلم انه لا اله الا الله اس کے بعد فرماتے ہیں واستغفر لذنبك یہ عمل ہے کہ استغفار کر دو۔

ای العلماء هم ورثة الانبياء ورثوا العلم بشدة يد الاله المفعول ای الانبياء، یعنی نبیوں نے علم ہی کا ترکہ چھوڑا ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ورثوا العلم۔ (ابوداؤد کتاب العلم)

یعنی انبیاء نے دلائم و دلائر یعنی دنیاوی مال و دولت کا وارث نہیں بنایا ہے بلکہ علم کا وارث بنایا ہے۔
 دنیا میں کمال و قسم کے ہوتے ہیں ایک علمی، دوسرا عملی۔ نبی میں علمی و عملی دونوں قوتیں اتنی کامل ہوتی ہیں کہ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا مگر چونکہ نبوت من حیث النبوة کمالات علیہ میں سے ہے کیونکہ نبی کے لغوی معنی ہیں خبر دینے والا، اور اصطلاحاً اخبار الہیہ دینے والے کو نبی کہا جاتا ہے، پس اگر اسے اخبار الہیہ کا علم ہی نہیں تو دوسروں کو کیسے خبر دیگا؟ لہذا علم کو خصوصی طور پر وراثت انبیاء قرار دیا۔

واضح رہے کہ علماء صرف وہ ہیں جنہیں قرآن و حدیث عالم کہے درجہ بہت سے لوگ علم ہوتے ہوئے بھی گمراہ ہیں، لکھا قال اللہ تعالیٰ راضی اللہ علی علم (سورہ جاثیہ)

انما یفتنی اللہ من عباده العلماء یہ کہہ حصر کہے ترجمہ ہوگا اللہ تعالیٰ سے اس کے صرف وہی بڑے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں، اس کو اس طرح سمجھو کہ ایک بادشاہ سفر کرتے ہوئے کسی گاؤں میں پہنچ گیا تو شاہی رعب و ہیبت اس شخص پر مؤثر ہوئی اور وہی شخص بادشاہ کی شایان شان تعظیم کے لئے مستعد ہوگا جس کو علم ہو جائے کہ یہ بادشاہ ہے، جس کو یہ علم نہیں وہ تو ایک آدمی سمجھے گا اور کچھ پرواہ نہ کرے گا۔ اسی طرح اللہ کی مرضیات و غیر مرضیات کا علم اگر صحیح ہوگا تو عمل بھی صحیح اور درست ہوگا۔

وما یعقلها الا العالمون یہاں ضمیر "ما" راجع ہے امثال کی طرف یعنی قرآن حکیم میں جگہ جگہ مثالیں دی گئی ہیں ان مثالوں کو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔

قالوا لو كنا نسع او نعقل ما كنا في اصحب السعير ووزی کہیں گے ہم اگر پیغمبروں کی بات سننے یا عقل رکھتے تو آج روزخوں میں نہ ہوتے، انسان کے لئے علم حاصل کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں کہ یا تو خود سمجھتا ہو یا پھر دوسرے کی سنے، علم حاصل کرنے کے ان ہی دو طریق کی طرف اشارہ ہے:

ان في ذلک لمن كان له قلب بے شک اس میں اس کے لئے عبرت ہے جس کے پہلو میں

ہم اے السبع وهو شہید (سورۃ) دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر ان لگا دیتا ہو۔
 سبع و تعقل سے کام نہ لینے والے خود اعتراض کریں گے کہ دخول ناز کا سبب علم نہ ہونا ہے۔
 فاعترفوا بذنوبهم فسحقا للاحصاب (سورۃ ملک) سو قائل ہو گئے اپنے گناہ کے اب تو اہل دوزخ دفع ہوں۔
 یعنی اب جو ارحمت میں ان کے لئے کہیں ٹھکانہ نہیں۔

امام بخاریؒ نے اس سے یہ نکالا کہ مدارجات علم ہی پر موقوف ہے۔
 و اتقوا العلم بالتعلم علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ یہاں تو قسم بفتح العین و تشدید اللام ہے لیکن بعض
 نسخوں میں بالتعلیم ہے، یعنی قابل اعتماد و معتبر علم وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام سے بذریعہ تعلیم و تعلم ماخوذ
 ہو، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کا اطلاق صرف علم شریعت پر ہوگا اس لئے اگر
 کوئی شخص وصیت کر جائے کہ میرے مال سے علماء کی امداد کی جائے تو اس کا معرف صرف اصحاب حدیث و
 تفسیر و فقہ ہوں گے۔ (عمدہ ج ۲ ص ۴۲)

قال ابو ذرؓ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ شام میں رہتے تھے، اس وقت حضرت امیر معاویہؓ
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے والی تھے، حضرت ابو ذر غفاریؓ زائد تھے اور حضرت معاویہؓ
 آیت کریمہ والذین یکفرون للذهب والفضۃ کی تفسیر میں اختلاف ہو گیا، حضرت ابو ذرؓ مالداروں سے
 فرماتے تھے کہ مال و دولت جمع کرنا درست نہیں، حضرت امیر معاویہؓ نے اس اندیشے کے یہ مسئلہ بڑھ کر
 حوام میں انتشار کا باعث نہ بن جائے، خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ انہیں شام سے
 بلا لیجئے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مزید بلا کر خاص اس مسئلہ میں فتویٰ دینے سے منع کر دیا اور بمقتضائے مصالح
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ذرؓ سے ربذہ میں مقیم ہونے کی خواہش ظاہر کی یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ذرؓ
 ربذہ چھوڑ کر ربذہ میں مقیم ہوئے اور وہیں ان کا وصال ہوا۔

اسی آثار میں حضرت ابو ذرؓ کا کوئی تشریف لائے تو میں نے لوگ ان سے مسائل دریافت کر رہے تھے
 اور یہ فتویٰ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ آپ کو تو امیر المومنین نے فتویٰ دینے سے منع کر دیا ہے،
 اور آپ فتویٰ دے رہے ہیں؟ چونکہ اس کا اعتراض غلط تھا اس لئے حضرت ابو ذرؓ نے بگڑ کر جواب دیا کہ
 "اگر میری گردن پر شمشیر بران بھی رکھ دی جائے اور مجھے موقع ملے تو میں حدیث نبویؐ سے منہ نہ سنا دوں گا۔"

ابو ذرؓ معلوم ہو چکا ہے کہ صرف ایک خاص مسئلہ میں حرام کی اجتہادی رائے تھی انہیں منع کیا گیا تھا اور یہ
 معاذ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا تھا اس لئے انہیں بتانے کا حق تھا اور کسی کو روکنے کا حق
 نہیں تھا اس لئے حضرت ابو ذرؓ کا جواب بھی تلخ تھا، دشمنان عثمانؓ نے اس واقعہ کو بہت اچھا لا
 اور ابو ذرؓ کو مقابل کرنا چاہا لیکن وہ بہر حال صحابی تھے اور اطاعت امیر کو واجب سمجھتے تھے اس لئے اس
 خاص مسئلہ میں اطاعت امیر کا حق ادا کیا اور حدیث بتانے میں حدیث پاک کا حق ادا کیا۔

کو نذر ربا نین حکماء فقہاء علماء ربانی اصل میں رب کی طرف منسوب ہے، الف اور نون مزید مبالغہ کے لئے زیادہ کر دیتے ہیں اس لئے ربانی ہو گیا، اسی کی جگہ ربانین ہے۔ یعنی اللہ والے بن جاؤ۔
ربانی کس کو کہتے ہیں؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جس میں تین چیزیں جمع ہوں علم، فقہ، حکمت۔ علم کے معنی تو ظاہر ہیں کسی چیز کو جانتا، اور تفقہ کے معنی ہیں خوب سمجھنا یعنی عمیق علم ہو محض سطحی نہیں۔ اور حکمت کے معنی ہیں وضع الشیء فی محلہ یعنی ہر چیز کو اس کے موضع اور محل میں رکھنا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور قوتوں کا صحیح استعمال کرنا، مثلاً اللہ تعالیٰ نے قوت سماعہ مرحمت فرمائی اسے اگر غلی گانے سننے میں صرف کرے تو یہ بے موقع صرف کرنا ہوگا، غرض حکمت ایک نور بصیرت ہے جس کے ذریعہ سے ہر چیز کو اپنے موقع پر رکھنے کا شعور حاصل ہوتا ہے اور بے موقع استعمال سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس معنی میں تمام دانائی کا انبیاؑ شامل ہیں، بعض مفسرین (ابن کثیر وغیرہ) نے حکمت سے سنت مراد لی ہے وہ بھی درست ہے کیونکہ سنت کا کام ہی ہے ہر چیز کا موقع و محل بتانا، مثلاً جب یہ آیت نازل ہوئی فسبح باسم ربك العظيم تو آپؐ نے فرمایا اجعلوها فی رکوع حکم۔ اور جب آیت اُلیٰ سبح اسم ربك الاعلیٰ تو آپؐ نے فرمایا اجعلوها فی سجود حکم۔ تو ہر آیت کا محل و موقع بتانا سب حکمت ہے۔ حکمت کا مادہ راجح، ک، م ہے لغت میں اس کے معنی اصلاح کی غرض سے رد کرنے کے ہیں، چنانچہ اہل عرب بولتے ہیں حکمت اللہ ابہ میں نے جادو کو لگائی، پس حکمت کو یا عقل کی لگام ہے، عقل کو قابو میں رکھتی ہے کہ بے قابو ہو کر کلمہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ کو حکیم اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی کام بے محل، بے موقع اور خلاف مصلحت ہو ہی نہیں سکتا۔

و یقال المرانی الذی یرى الناس بصائر العلم قبل حکماء دراصل یہ بھی پہلی تفسیر جو حضرت ابن عباسؓ رضی عنہ سے نقل کی گئی ہے الگ نہیں ہے، ان حضرات نے رب کو یعنی مرقی (تربیت کرنے والا) لیا ہے اور تربیت کہتے ہیں کسی چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچانا، جیسے بچہ کی تربیت اس کے مرقیہ اور علم کے لحاظ سے اسی طرح عالم ربانی وہ ہے جو لوگوں کی اس طرح تربیت کرنے کہ پہلے دین کی چھوٹی چھوٹی باتیں بتائے پھر بڑے علوم۔ اس کا مال بھی یہی ہے کہ موقع و محل پر رکھے، حکیم یہ دیکھتا ہے کہ کہاں تک اسے فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ کہ اپنے علوم کے اعتبار سے اوق تفریر کرے، تو پہلے عادت ڈالتے ہیں جیسے بچوں کو پہلے قواعد بنیادی پڑھاتے ہیں پھر تدریج ترقی کراتے ہیں۔

یہ حکمت و دانش کے خلاف ہے کہ ہذا نحو میں شرح جاتی کی تفریر کرنے لگیں اور مرقات پڑھانے میں سلم و ملاحسن کی تفریر۔ حکمت و دانائی یہ ہے کہ تلمذ الناس علی قدر عقولہم۔

باب ۵۳ ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخوّلہم یا لمو عظمہ والعلم کئی لا یتغیر و

باب :- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ او تعلیم میں صحابہ کرامؓ (کے اوقات و احوال) کی رعایت فرماتے

تھے تاکر وہ مقرر ہو جائیں۔

ربط قبل

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: وجہ المناسبة بین البابين من حيث ان المذكور في الباب الاول هو العلم والمذكور في هذا الباب هو العقل بالعلم۔

۶۷ • حدثنا محمد بن يوسف قال أنا سفيان عن الأعمش عن أبي واقل عن ابن مسعود قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يَتَخَرَّكُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْآيَاتِ صِرَاحَةً الشَّامَةِ عَلَيْنَا۔

۶۸ • حدثنا محمد بن بشر قال ثنا يحيى بن سعيد قال ثنا شعبه قال حدثني أبو القاسم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يَتَخَرَّكُنَا وَلَا تَمَيَّرُوا وَلَا تَمَيَّرُوا وَلَا تَمَيَّرُوا۔

ترجمہ حدیث ۶۷: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحت فرمانے میں دو چیزیں کاٹنا فرماتے تھے اس وجہ سے کہ آپ اس کو برا سمجھتے تھے کہ ہم اکتا جائیں۔

تعداد الحدیث:۔ والمحدث هنا في العلم ۱۱۱ وساقی فی باب الفصل ۱۱۱ والاموات ۱۱۹۔
ترجمہ حدیث ۶۸: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (لوگو! یاد رکھو) اسالی کو سختی مت کرو، خوشخبری دو نفرت نہ دلاؤ۔

تعداد الحدیث:۔ اخبر الجاری هنا ۱۱۱ وايضا في الادب ۹۳۔

مطابقة الحديث

ترجمہ باب کے دو جز ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ”والباب مترجم بقريتين احداهما بالموعظة والاخرى كفي لا ينفرد امام بخاري“ باب کے تحت دو حدیثیں لائے، پہلی حدیث جز اول یعنی موعظتہ کے اور دوسری جز ثانی کے مطابق ہے۔

تشریح: يتخولنا بالموعظة: تخول کے معنی میں نگہبانی کرنا، دیکھ بھال کرنا یعنی تقریر و وعظ بھی اتنا طول و طویل نہ کرنا چاہئے کہ لوگ اکتا جائیں، البتہ اکتانا صرف ان حضرات کا مقبرہ ہے جو دیندار ہیں یعنی ذوق رکھتے ہیں۔

سأمة: طول ہونا، اکتا جانا، بڑے سے بڑا عالم بھی اگر روزانہ وعظ کہے تو لوگ اکتا کر بدول ہو جائیں گے۔ غرضیکہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ میں خصوصاً نبی من المکر میں تشدید نہ ہو بلکہ ملاحظت سے کام لیا جائے۔ فرعون کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ایمان نہیں لائیں گے اس کے باوجود حضرت موسیٰ و ہارون علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام حکم ہوئے کہ: فَقُولَا لَهُ تَوَلَّيْنَا لَعَلَّهُ يَنْدَكِرُ او يَخْشَى (سورۃ طہ)۔

برعات و رسوم کی اصلاح میں بھی حکمت سے کام لینا چاہئے۔ ارشاد ربانی ہے: ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجاهلهم بالتي هي احسن (سورۃ نحل)۔

تشدد و عوام مضرب تلہے۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: میں نے اپنے اکابر سے بارہا سنا غالباً حضرت سنا نوی قدس سرہ کے ملفوظات میں بھی دیکھا ہے کہ ایک دیہاتی حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت ہوا، آپ نے زنا، چوری اور جھوٹ وغیرہ سے توبہ کر دانی اس نے کہا یہ کام تو پہلے بھی کرتا تھا آپ نے ایون سے توبہ کر دانی نہیں، فرمایا کتنی کھایا کرتے ہو؟ اس نے کچھ مقدار بتلائی، فرمایا اس سے ادھی کھا لیا کرو وہ گھر چلا گیا۔ گھر جا کر خیاں کیا کہ اگر یہ اچھی چیز ہوتی تو حضرت ادھی کا حکم کیوں دیتے؟ پس جب بری ہے تو ادھی بھی بری ہے بالکل چھوڑ دی، اس سال (دست) شروع ہو گئے یہاں تک کہ حیات سے لایوس ہو گیا، اطباء نے ایون کھانے کو کہا لیکن انکار کیا، تندرست ہوا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے پہچانا نہیں (غالباً حضرت کی بینائی جاچکی تھی یا کمزور ہو گئی تھی) کہنے لگا حضرت نے یہاں نہیں پہچانا تو پھر اس پر کیسے پہچانیں گے، بتلایا کہ میں ایون والا مرید ہوں، اور تمام قصہ سنایا، جاتے وقت دو روپے بطور نذرانہ پیش کئے آپ نے لے لئے کہا کہ آپ نے یہ تو پہچانا ہی نہیں کہ یہ روپے کیسے ہیں؟ یہ ایون کے روپے ہیں، میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ نے جو ایون چھڑائی ہے اس پر خرچ ہونے والی رقم آپ کی خدمت میں پیش کرونگا۔ اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ لیں کہ ملاطفت کی غرض سے کسی بدعت یا گناہ کے اذکار کی گنجائش ہے

تنبیہ | یا کسی کو کسی گناہ کی اجازت دیا جاسکتی ہے، کسی مصلحت کی بنا پر نہ خود کوئی گناہ کرنا جائز ہے اور نہ دوسرے کو اجازت دینے کی گنجائش ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی اجازت تداوی بالمحرم بلکہ اکل مضطر کے قبیل سے تھی۔

غرضیکہ ملاطفت کے پیش نظر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اگر موقع مناسب نہ ہو تو سکوت اختیار کرے اس کی ہرگز اجازت نہیں کہ خود گناہ یا بدعت میں شریک ہو جائے یا کسی کے سوال پر اس کی اجازت دیدے۔ (ارشاد القامی)

بَابٌ مِّنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَّعْلُومَةً ۝۱۶

اس شخص کے بیان میں جو علم (سیکھنے) والوں کے لئے کچھ دن مقرر کر دے۔

ربط | گذشتہ باب میں تحول کا ذکر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم و موعظہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوقات و احوال، نشاط و طلال کا لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

یہ باب باب سابق کا مکمل ہے کیونکہ اس باب کا مقصد بھی یہی ہے کہ طلال نہ پیدا ہو جائے۔ اس باب سے امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تعلیمی انتظام کی غرض سے ایام کی تعیین اور اوقات مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ علم ایک عظیم الشان چیز ہے اس کے لئے اہتمام و انتظام کی ضرورت ہے اس لئے ایام اور اوقات کی تعیین کر دی جائے تاکہ معلم اور متعلم دونوں اعانت و توفیق

سے بچ سکیں اگر تعین نہیں کی گئی تو ایسی صورت بھی ہو جائیگی کہ معلم (استاذ) آگے اور شاگرد غائب، یا شاگرد موجود اور استاذ غائب، اس لئے ایام و اوقات کی تعین بدعت نہیں بلکہ انتظامی معاملہ ہے۔

بدعت کی تعریف یہ تعین یوم بدعت نہیں کیونکہ بدعت کی تعریف ہے غیر دین کو دین میں داخل کرنا۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو ردة پس تعین وہ منع ہے جسے موجب ثواب یا باعث زیادہ ثواب سمجھا جائے، لکھا قال صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصروا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیلای ولا تفسروا یوم الجمعة بصیام من بین الاکیام الا ان یکون فی صوم یوم احدکم۔ (مسلم ج ۳ ص ۳۱۱) لہذا میلاد مروج کی قیود سب بدعت ہیں اور جیسے وغیرہ کی تاریخ متعین کرنا بدعت نہیں کیونکہ اس سے مقصد صرف انتظام ہے اس متعین تاریخ میں زیادہ ثواب کا عقیدہ نہیں ہوتا۔ (ارشاد القاری)

۶۹ • حدثنا عثمان بن ابی شیبہ قال ثنا جریر بن منصور عن ابی وائل قال کان عبد اللہ یدکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یا ابا عبد الرحمن لو دعتک انک ذکرنا کل یوم قالہ اما لانه یقعنی من ذلک انا اکره ان املکم وانی انتقمکم بالمرحطۃ کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بسبھا مخافۃ السامة علینا •

ترجمہ ابوداؤد ہے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ سنایا کرتے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا اے ابو عبدالرحمن (کنیت عبداللہ بن مسعودؓ) میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ سنایا کریں، انہوں نے فرمایا سن لو مجھے اس فعل سے یہ چیز روکتی ہے کہ میں تمہیں تنگ دل اور طول کرنا پسند نہیں کرتا اور میں وعظ کے لئے تمہاری نگہداشت رکھتا ہوں، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اندیشہ سے کہ ہم طول خاطر نہ ہو جائیں ہماری نگہداشت فرمایا کرتے تھے۔

مطابقت التوجہ حدیث کی مطابقت ترجمہ الباب سے یدکر الناس فی کل خمیس۔

اور چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استدلال کیا ہے اس لئے امام بخاریؒ پر یہ اعتراض بھی وارد نہ ہوگا کہ موقوف حدیث لائے ہیں۔

تعدد الحدیث:۔ والحدیث هنا مثلاً وباتی مثلاً۔

حدیث کا متن واضح ہے، گذشتہ باب کا مطالعہ فرمائیے۔

باب مَن یُرِدِ اللہُ بِهِ خیرًا یَفْقِہْهُ فِی الدِّینِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر و سبب لائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ و عطا فرمادیتے ہیں۔

ربط

وجہ المناسبة بین البایین من حیث ان الذکر فی الباب الاول شان من یدکر الناس فی امور دینهم بیان ما ینفعهم وما یضرهم وليس لهذا الا شان الفقیہ فی الدین والذکر فی هذا الباب هو مدح هذا الفقیہ وکیف لا یکن مدحاً وحراراً اللہ بہ خیر حیث جعلہ فقیہاً فی دینہ عالماً باحکام شرعہ۔ (مکالمات ۲۵ ص ۲۵)

● حدثنا سعید بن عقیل قال ثنا ابن رجب عن یونس عن ابن شهاب قال قال حمید بن عبد الرحمن سمعت معاویہ خطیباً یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یردد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین وراشداً قاسماً واللہ یعطی، ولکن ترالک هذه الأمت قاسمة علی أمر اللہ لا یقرهم من خالفهم حتی یاتی أمر اللہ ●

ترجمہ

حمید بن عبد الرحمن کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ خطبہ کے دوران فرماتے تھے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی کچھ عنایت فرادیتے ہیں اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو اللہ ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی جو شخص ان کی مخالفت کرے گا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکیگا یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے۔

مطابقتہ للترجمہ :- حدیث کی مطابقت ترجمہ سے ظاہر ہے کیونکہ ترجمہ الباب حدیث ہی کا لکھا ہے۔

تعداد الحدیث

والحدیث هنا فی العلم ۱۱ ویا فی النحس ۳۲۱ و فی کتاب المناقب ۵۱۳ الطرف الاخر فقط ۱۸۵ و فی الاعتصار ۱۸۵ و فی التوحید ۱۱۱۔

تشریح

اس حدیث سے علم کی تفصیل اور تفقہ فی الدین کی عظمت معلوم ہوتی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو تفقہ فی الدین حاصل ہو جائے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔

خیال میں متوین تعظیم کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے خیر عظیم کا فیصلہ فرمادیا، یہ محض عطائے خداوندی ہے جو انتہائی قابل قدر اور لائق شکر ہے۔

اشکال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتہً وقاسم ہیں د معطی، اور مجازاً آپ قاسم بھی ہیں اور معطی بھی تو یہ تفریق کیسے صحیح ہوئی۔

جواب :- حقیقتہً اگرچہ معطی وقاسم میں کچھ فرق نہیں مگر عرفاً دونوں میں یہ فرق ہے کہ مالک کو معطی اور خازن کو قاسم کہا جاتا ہے جو معطی اور معطی لڑکے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

اس حدیث کو کتاب العلم میں لانے سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف علوم شرعیہ کے قاسم ہیں نہ کہ جملہ اشیاء کے، پس اہل بدعت کا حضور اکرم کو قاسم مطلق کہنا صحیح نہیں۔

لَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأَمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ۔ یہ مطلب نہیں کہ امت میں سے کوئی بھی گمراہ نہ ہوگا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے ام سابقہ کمال کی کل گمراہ ہو گئیں اس طرح یہ پوری امت گمراہ نہ ہوگی۔ چنانچہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے لَا تَزَالَ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ إِلَّا (بخاری مشتمل) ایک روایت میں ہے لَا يَزَالُ الْحَقُّ قَوْمَ ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ۔ (بخاری مشتمل) محدثین، فقہاء اور حضرات مجاہدین رحمہم اللہ میں سے ہر طائفہ اپنے کو اس کا مصداق بناتا ہے۔

طائفۃ علی الحق سے کوئی جہاں مراد ہے

ابام بخاری کے نزدیک طائفۃ علی الحق سے مراد اہل علم ہیں جیسا کہ امام بخاری نے اس حدیث پر ترجمہ الباء میں تصریح کی ہے "حم اهل العلم" (بخاری مشتمل) مگر ظاہر یہ ہے کہ اس سے مجاہدین کا طائفہ مراد ہے کیونکہ دوسری حدیث میں تصریح ہے یَقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ (حق کی خاطر قتال کرتے رہیں گے)۔ سب سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے، ہر وہ طائفہ مراد ہے جس کے عقائد قرآن و حدیث کے مطابق ہوں خواہ محدثین ہوں یا فقہاء ہوں یا صوفیاء ؟ اور یقاتلون میں قتال عام ہے خواہ باللسان و یا بالسان ؟

لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل حق کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو ان کے دین سے کوئی نہ ہٹا سکے گا اور جمہوری طور پر دلیل کی رو سے ان پر اہل باطل کو غلبہ نہ ہوگا۔ (ارشاد القاری)

حق یاقی امر اللہ بعض دعائیوں میں حق تقوم الساعة آیا ہے اس سے مراد قرب قیامت ہے، اس وقت ایک ہوائیں کی طرف سے چلے گی اور جملہ مؤمنین کی دروح قبض کر لے گی پھر اس وقت کوئی مؤمن نہ رہے گا اور اس کے بعد قیامت آجائے گی۔

بَابُ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ ۱۶

علمی سمجھ کا بیان۔

علامہ عینی فرماتے ہیں وَجَدَ الْمُنَاسِبَةَ بَيْنَ الْبَابَيْنِ مِنْ حَيْثُ أَنَّ الْفَهْمَ فِي الْعِلْمِ دَاخِلٌ فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ يَرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ" حاصل یہ ہے کہ باب سابق میں تفقہ فی الدین کا ذکر تھا اور تفقہ کے معنی فہم فی العلم کے ہیں گویا یہ ترجمہ شامع ہے۔

ربط

۱۷ • حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ قَالَ لِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ

و سلم کے اصحاب نے بڑھاپے میں علم حاصل کیا ہے۔

ربط قابل

علامہ عینی فرماتے ہیں۔ "وجہ للتاسبہ بین البابین من حیث أن فی الباب الاول الغم فی العلم وفي هذا الباب الاقتضا فی العلم لا یعنی گذشتہ باب میں علمی کچھ یاد کرنا جو عظیم نعمت ہے اور اس باب میں علم وحکمت میں غبطہ کا بیان ہے، اگر کسی انسان کے پاس یہ نعمت عقلی ہے تو وہ قابل غبطہ ہے اس کو دیکھ کر پس کوئی چاہے اور حاصل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس نعمت عقلی کے ملاحل فرمائے آمین۔"

۴۲ • حدثنا القمہی قال حدثنا صفیان قال حدثنا اسفعل بن بک خالد عن غیر واحد شاء الزهری قال سمعت قیس بن ابی حازم قال سمعت مکر اللہ بن مسروق قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا حسد الا فی اشتین رجل اتاک اللہ مالا فسلطہ علی حاکمتہ فی الحق ورجل اناؤ اللہ العکسۃ فہو بقضی ہما ویکتہما •

ترجمہ

حضرت مہاشین بن مسروق سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمیوں کی خصلتوں پر کوئی رشک کرے تو ہو سکتا ہے، ایک تو اس پر جس کو اللہ نے دولت دی وہ اس کو نیک کاموں میں فوج کرتا ہے، دوسرے اس پر جس کو اللہ نے قرآن و حدیث کا علم دیا وہ اس کی عیب باتیں فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔

مطابقتہ للعجمی

حدیث پاک میں ہے لا حسد الا فی اشتین الا نام بکارقانی ترجمۃ الباء میں اقتضا فی العلم قائم فرما کر اشارہ کیا ہے کہ حدیث باب مسوین غبطہ ہے۔

تحدید الحدیث

والحدیث هنا فی کتاب العلم مثلاً وواقی فی التفرقة ملکہ وفي الاحکام ۱۵۴ وفي الامتصار ۱۵۴۔

تشریح

لا حسد الا کلمۃ لا تنفی العین وجداً اسماء مبینی علی الفتح وغیرہا جذوف ای لا حسد جنس او صالح اور نفع اللہ۔

رجل یجوز علیہ الاعمی الثلاثۃ من الارباب المرفوع علی تقدیر احدی الاشتین خصلۃ رجل فلا حذف المضاف اکثری المضاف الیہ اعمایہ، والنصب علی اخبار اعمی رجلاً وہی رواۃ ابن ماجہ، والجر علی انہ بدل عن اشتین واما علی رواۃ الاشتین بالقاء فہو بدل ایضا علی تقدیر حذف المضاف ای خصلۃ رجل لأن الاشتین معناه خصلتین (رحمہ)

الفرق بین الحسد والغبطۃ :- کسی کی علمی ملامت یا مال کی خوشحالی یا اور کوئی نعمت

و عظمت دیکھ کر اپنے لئے تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے یہ غلط ہے جس کا مفہوم رشک کرنا نہیں کرنا ہے اس میں دوسرے کے زوال نعمت کی تمنا نہیں ہوتی اس لئے اشیاء محمودہ (مثلاً علمی صلاحیت علی کمال وغیرہ) میں غبطہ جائز ہے بلکہ محمود اور مطلوب، کما فی السنن میں اعظیم وفی ذلک فلیقتنا فی السنن (اور غریب کرنے والوں کو چاہئے کہ ایسی چیز کی خواہش کریں) یہاں تنافس سے غبطہ ہی مراد ہے۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دی ہو اور دوسرا انسان یہ تمنا کرے کہ اس سے یہ نعمت نازل ہو جائے اور مجھے حاصل ہو جائے تو یہ حسد ہے، یعنی حسد میں زوال نعمت کی تمنا ہوتی ہے یہ ناجائز اور حرام ہے۔

وقال عمر تفتھوا قبل ان تسودوا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سردار بنائے جانے سے پہلے دین کا علم حاصل کر لو کیونکہ سیادت کے بعد کسی کے سامنے زانوئے تلمذہ کرنے میں حیا مانع ہوگی اور تحصیل علم سے محروم رہ جاؤ گے اور جہالت کی وجہ سے بھلے اصلاح کے سب کو خراب کر دو گے اور ضلوتا فاضلوا کے مصداق بنو گے۔ سیدنا حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ سیادت یا کبریٰ کے بعد علم حاصل نہ کرنا چاہئے، اس لئے امام بخاریؒ نے بطور دفعہ دخل مقدمہ کے فرمایا وبعد ان تسودوا یعنی سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کر دو علم کی پیاس کبھی نہیں بجھنی چاہئے ہاں گے اس کا شاہد بھی پیش کر دیا کہ صحابہ کرامؓ نے بڑے ہونے کے بعد علم حاصل کیا تھا۔

مشہور ہے کہ طالب علم ہمد سے لحد تک طالب علم ہے، علم کے معاملے میں بڑے چھوٹے کا لحاظ نہ کرنے بلکہ چھوٹے بڑے ہم عمر اور ہم عمر ہر ایک سے فائدہ حاصل کرے۔

مدارس سے رسمی سند حاصل کر لینے سے عالم نہیں بن جاتا البتہ عالم بننے کی استعداد ہو جاتی ہے اس کے بعد جس قدر محنت و مطالعہ بڑھتا ہے اتنا ہی اپنا جہل کھٹا جاتا ہے۔ مثل ہے کہ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے سے نہ گزرے اس وقت تک وہ اپنے سے اونچا کسی کو نہیں سمجھتا۔

رجل آتاه الله مالا فسلطه على حليته في الحق ایک آدمی ہے جس کو اللہ نے مال و دولت دی پھر اس کو حق کے معاملے میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بے دریغ خرچ کرتا ہے۔

رجل آتاه الله الحكمة فله يقضى بها ويعلمها یہاں لفظ حکمت آیا ہے اور ص ۱۱۲ کی روایت میں لفظ قرآن آیا ہے، دونوں کو جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ فہم قرآن مراد ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا فہم عطا فرمایا ہے اور وہ اپنے معاملہ میں اور دوسرے کے معاملہ میں اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ تو یہ چیزیں جمع ہو گئیں علم، عمل، اور تسلیم ایسے شخص کو عالم ملکوت میں کیوں کے لفظ سے مشرف کیا جاتا ہے۔ یعنی بڑا عالم۔

قال حدثنا سفیان قال حدثنا اسفیل الا سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حدیث اسفیل بن ابی خالد نے ہم سے بیان کی مگر زہری کی سند سے یہ روایت نہیں بلکہ دوسری سند سے۔ مطلب یہ ہے کہ امام زہری کی سند سے یہ بھی روایت ہے مگر کچھ فرق ہے زہری تو روایت کرتے ہیں عن سالم عن ابیہ عن المنبہی

صلی اللہ علیہ وسلم جو ۱۲۳ھ پر آرہی ہے۔ اور یہ روایت اسماعیل بن ابی خالد کی ہے جو قیس بن ابی حازم
میں عبد اللہ بن مسعود کے۔

مقصود اس سند کے بتلانے سے یہ ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد نے ہمیں جس طریقہ سے حدیث سنائی وہ امام
زہری کی سند کے علاوہ ہے، اور یہ تیسرا نسخہ ہے، فرمائی تاکہ کوئی مختلف سند دیکھ کر اضطراب کا شائبہ نہ کرنے لگے،

باب ۵۵ ما ذکر فی ذہاب موسیٰ فی البصر الی العضر وقولہ تبارک و تعالیٰ "هل اتبعك علی أن تعلمني الا • ص ۱۰۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضرؑ کے پاس دریا کے کنارے جانے کا بیان۔
اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ کہف میں) حضرت موسیٰؑ کا یہ قول نقل کرنا کہ آپ کے ساتھ چلوں اس شرط پر
کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔

ربط قبل علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: وجہ المناسبة بین البابين ان المذكور فی الباب
الاول هو الاغتراب فی العلم وهذا الباب فی الترغیب فی احتمال

المشقة فی طلب العلم الا
خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ باب میں علم و حکمت میں غبطہ کا بیان تھا اور اس باب میں علم کی طلب کے لئے
مشقت و مشاقق کی ترغیب ہے کیونکہ جو چیز قبل غبطہ ہوتی ہے اس کی تحصیل میں مشقت و مشاقق کا سامنا ہوتا ہے۔

مقصود ترجمہ اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد کیا ہے؟ مختلف اقوال منقول ہیں:۔
حافظ عسقلانیؒ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لئے مشقت و مشاقق کا سامنا

کی ترغیب ہے۔
(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے یہ ہے کہ اس باب سے علم حاصل کرنے کے لئے سفر کی ترغیب

مقصود ہے۔ لیکن اشکال یہ ہے کہ صرف دو باب کے بعد طلب علم کے لئے مستقل طور پر ایک باب باب الخرج
فی طلب العلم لایسے ہیں اب اگر یہاں بھی سفر کی اجازت یا ترغیب مقصود ہو تو بلاوجہ تکرار ہوگا۔

اس اشکال سے بچنے کے لئے بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہاں دریائی سفر کا جواز یا ترغیب مقصود
ہے اور اس کے بعد آنے والے باب "باب الخرج فی طلب العلم" سے شکی کے سفر کی ترغیب یا مطلق

سفر کی ترغیب مقصود ہے۔ یعنی علم طلب کرنا چاہئے اگرچہ دریا کا سفر بھی کرنا پڑے۔

(۳) حضرت شیخ الہندہؒ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں قتال جو عبد اللہ بن مسعودؓ سے امام بخاریؒ نے فرمایا تھا کہ سواد
کونے کے بعد بھی علم حاصل کر دو یعنی چھوٹی عمر میں اور بڑی عمر میں، سیادت سے قبل اور سیادت کے بعد ہر طرح

ضروری ہے، وہاں صحابہ کرامؓ کے قاتل سے استشہاد کیا تھا، یہاں ایک علیہ السلام سے بیغیر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے اپنے زمانے کے سید العالم اور علم الناس بننے کے باوجود طلب علم کے لئے سفر کیا اور

میں تو نہیں جانتا، جب اللہ نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ کیوں نہیں، یہاں ایک بڑھ حضرت ہے (جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے) اس پر موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ حضرت سے ملنے کی کیا صورت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے ایک بھلی ان کے لئے نشانی مفرد کر دی اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جب تم اس بھلی کو گم کر دو تو وہ ایس لوٹ جانا، یقین رکھو کہ قریب ہی تمہاری ان سے ملاقات ہو جائے گی پس موسیٰ مڑ چلے اور دریا میں بھلی کی نشانی تلاش کرتے رہے، ان کے خادم (دو شخص) نے ان سے کہا جب ہم صحرو کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھلی کا قصہ بیان کرنا سمجھ گیا تھا اور شیطان ہی نے مجھ کو بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کرتا، حضرت موسیٰ نے کہا ہم تو اسی جگہ کی تلاش میں تھے پھر دونوں اپنے پیروں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹے وہاں انہوں نے حضرت کو پایا پھر ان کا وہی قصہ گزرا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔

مطابقتہ للتوجہ

مطابقتہ الحديث للترجمة ظاهرة لا منها في ذهاب موسى عليه السلام الى الغضر وسركوبه البعير وسواله منه الاتباع لاجل التعليم

والحديث يبين ذلك كله. (علاء)

تعداد الحدیث

والحديث هنا في العلم ۳۱ ايضا ياتي ۳۱ والمضايف ۲۳ وفي الاجازات مختصر ۳۳ وفي الشرح ۳۴ وفي بدء التعلق ۳۵ وفي كتاب الانبياء ۳۶ ايضا ۳۸۲ وفي التفسير ۳۸۸ والمضايف ۶۹ وفي كتاب الاحاديث والفتاوى ۹۸ وفي التوحيد ۱۱۲

تشریح

تشارلی ایستجاءل وبتنازع۔ التعریف قیس الخ۔ بعض علماء الجہلۃ وشدیداء الزور و دھوکا حضرت ابن عباسؓ اور عمر بن قیس رضی اللہ عنہما دونوں صحابی میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ فوج خدا عبداً من عبادنا (سرسن کہتے) میں جس بڑھ کا ذکر ہے وہ بڑھ کون ہے؟ جس سے ملاقات کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے سفر کیا تھا؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ہیں اور عمر بن قیسؓ کیا کہتے تھے اس کے متعلق کچھ بت نہیں چلا، لیکن اس اختلاف سے اتنی بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ حضرت خضرؑ کے علاوہ اور کسی کے بارے میں کہتے ہوئے نہ تھے، اس کا فیصلہ حضرت اہل ابن کعب رضی اللہ عنہم ہی واقعہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ امام بخاریؒ آگے ایک اور باب (باب ما يستحب للعالم اذا سُئِلَ الخ) کے تحت ۲۳ میں یہی حدیث لائیں گے۔ جس میں سعید بن جبیر اور فون بکالی دونوں کا اختلاف مذکور ہے، ان کا اختلاف اس بات میں تھا کہ حضرت خضرؑ کے پاس جو موسیٰ گئے تھے وہ موسیٰ کون تھے؟ آیا موسیٰ بن عمران تھے جو بنی اسرائیل کے مشہور رہی ہیں جن پر تورات نازل ہوئی تھی؟ یا کوئی اور موسیٰ تھے؟ سعید بن جبیر کہتے تھے کہ یہ وہی موسیٰ کلیم اللہ صاحب تورات ہیں، فون بکالی کہتے تھے کہ نہیں یہ موسیٰ بن یثا بن یوسف بن یعقوب علیہ السلام تھے، یہ دونوں واقعے صحیح ہیں کوئی متعارض نہیں۔ اس دوسرے جھگڑے کا فیصلہ حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما نے کیا تھا جیسا کہ آ رہا ہے۔

یہ حدیث مختصر ہے، مفصل حدیث سننے میں آرہی ہے۔ خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حمر بن عیسٰیؓ میں اختلاف چل رہا تھا کہ ابی ابن کعب ان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ابن عباسؓ نے انہیں بلایا اور کہا کہ ہمارا فیصلہ کر دیجئے ممکن ہے آپ نے حضورؐ اور اس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ سنا ہو، ابی ابن کعبؓ نے بیان کیا کہ میں نے حضورؐ کا یہ ارشاد سنا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے اور عجیب عجیب علوم و مضامین بیان فرماتے، ان مضامین کو شکر ایک شخص سوال کر بیٹھا کہ دنیا میں کوئی آپ سے زیادہ علم رکھنے والا ہے؟ موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں کسی کو نہیں جانتا، اور یہ درست بھی تھا کہ اس وقت یقیناً وہ سب سے بڑھ کر اسرار شریعت اور احکام کے عالم تھے اور ان سے زیادہ حقائق و معارف الہیہ کا جاننے والا کوئی نہ تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اس لفظ کا نکلنا بارگاہ خداوندی میں پسند آیا اسی پر گرفت ہو گئی، خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو حق تعالیٰ کے علم محیط پر محمول کہتے مثلاً یہ کہہ دیتے کہ اللہ کے مقرب و مقبول بندے بہت سے ہیں سب کی خبر اکی کو ہے۔

چنانچہ حضرت جبریلؑ وحی لیکر آگئے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰؑ تمہیں کیا خبر کہ میرا علم کہاں کہاں تقسیم ہوا ہے، دیکھو میرا ایک بندہ حضرتؑ ہے جس کا علم تم سے زیادہ ہے حضرت موسیٰؑ نے درخواست کی کہ مجھے اس کا پورا نشان و پتہ بتا دیا جائے تاکہ میں جا کر علی استفادہ کر سکوں، حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو پھلی نمبون کر زنبیل میں رکھ لو جہاں یہ پھلی گم ہو جائے بس وہیں وہ بندہ ملے گا۔

حضرت موسیٰؑ نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص یوشع بن نون علیہ السلام کو ہمراہ لیکر سفر شروع کر دیا اور ان سے کہہ دیا کہ پھلی کا خیال رکھنا میں برابر سفر کرتا رہوں گا تا آنکہ منزل مقصود (دور دریاؤں کے سنگم) پر پہنچ جاؤں خواہ اس میں کتنی ہی مدت لگ جائے۔

حضرت یوشع بن نونؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص تھے پھر ان کے رد و ردیف بنیامین اور ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔ چنانچہ مجمع البحرین پر پہنچ کر ایک بڑے پتھر پر جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ تھا حضرت موسیٰؑ سر رکھ کر سو گئے، حضرت یوشع بن نونؑ بیٹھے ہوئے تھے کہ چشمہ کا کچھ پانی وضو کرتے وقت با اور کسی طرح سے زنبیل میں پہنچ گیا، یوشعؑ نے دیکھا کہ پھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکلی پڑی اور عجیب طریقہ سے دنیا میں سیرنگ سی بناتی چلی گئی وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا، حضرت یوشع کو یہ ماجرا دیکھ کر تعجب ہوا ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰؑ بیدار ہوں تو ان سے کہوں حضرت موسیٰؑ جب بیدار ہوئے تو دروڑوں آگے چل پڑے اور یوشعؑ حضرت موسیٰؑ سے پھلی کے زندہ ہو کر دریا میں چلے جانے کا اعلان بتانا بھول گئے۔

روایات میں ہے کہ موسیٰؑ نے جب ان کو پھلی کی خبر گیری کے لئے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں، اس لئے متنبہ کیا گیا کہ جھوٹے سے جھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر

بہر حال دونوں بزرگ بقیہ دن اور پوری رات چلتے رہے، موسیٰ کو اب تک بھوک نہ لگی تھی اب صبح کے وقت

بھوک کا احساس ہوا اور ممکن محسوس ہوئی بخیر کہ اللہ تعالیٰ کو انہیں لوٹانا مقصود تھا، موسیٰ نے ناشتہ طلب کیا اس پر شیخ کو خیال آیا اور فرمایا: فَاَتَىٰ خَسِيتُ الصَّوْتِ وَمَا فَاسَدَ بِهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكَرَكَ (کہتے) اسے میں تو بھلی کا قصہ آپ سے بتانا بھول ہی گیا اور شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے ذکر کرتا۔

غرض موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لوٹ چلو وہیں مقصود ہے چنانچہ لائے پیروں واپس لوٹے اور جب اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ مرد خلا لیا ہوا ہے، موسیٰ نے سلام کیا انہوں نے جواب سلام کے بعد کہا کون؟ فرمایا موسیٰ ابن عمران، پھر جو واقعہ گذرا وہ مفصل آئیگا۔

تنبیہ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق کہ نبی تھے یا رسول؟ دلی تھے یا فرشتہ؟ زندہ ہیں یا نہیں؟ پوری تفصیل احقر نے نہر الباری کتاب التفسیر میں ذکر کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو نہر الباری کتاب التفسیر سورہ کہف ص ۳۹ تا ص ۴۹۔

• باب قولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنِ الْکِتَابَ • ص ۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (ابن عباسؓ) کیلئے یہ دعا کرنا دیا اللہ اس کو قرآن کا علم دے۔

۴۲ • حَدَّثَنَا أَبُو مَعْصُومٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ عَدِيٍّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنِ الْکِتَابَ • حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو (اپنے سینے سے) چسایا اور دعا فرمائی یا اللہ اس کو قرآن کا علم عطا فرما۔

تعداد الحدیث أخرجه البخاری هنا ص ۵۳ وفي کتاب الوضوء ص ۲۷ وفي مناقب ابن عباس ص ۵۳ وفي الاعتصام ص ۱۰۸

ربط ما قبل علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "المناسبت بين البابین من حيث ان من جملة المذكورين في الباب الاول غلبة ابن عباس على حنبل تيس في تاريخها الا (ع ۱۳ ص ۶)۔

خلاصہ ہے کہ باب سابق میں جو حدیث ہے اس میں یہ بات ذکر کی گئی تھی کہ حضرت موسیٰؑ کے متعلق ابن عباسؓ اور حنبل تیس رضی اللہ عنہما کے مباحثہ میں ابن عباس کا غالب آنا ان کے علم و فضل کی کثرت کی وجہ سے تھا۔

اور اس باب میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ابن عباسؓ کے علم کی کثرت و فضیلت حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت سے تھی لہذا مناسب و واضح ہو گئی۔

مقصد ترجمہ :- امام بخاریؒ کا مقصد علم اور حضرت ابن عباسؓ کی عظمت و فضیلت کے ساتھ یہ بتانا

ہے کہ علم جو کہ حق تعالیٰ کا خاص انعام اور خصوصی فضل ہے جیسا کہ باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین سے معلوم ہو چکا ہے۔ تو انسان کی ساری ذہین و فطین ہو اپنی ذکات اور جہد و کد کو کافی نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا رہے۔

۷۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر اشارہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے کیوں کی؟ اس کی علت اور سبب کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ قضاہ حاجت کے لئے تشریف لے گئے حضرت ابن عباسؓ نے وضو کے لئے پانی رکھ دیا حضور اقدسؐ واپس تشریف لائے تو بہت خوش ہوئے اور دریافت فرمایا کہ میں نے رکھا ہے؟ بتلایا گیا کہ ابن عباسؓ نے رکھا ہے آپؐ نے خوش ہو کر دعویٰ یہ حدیث ۲۶ پر یعنی نعم الباری جلد ثانی میں ایسی ہی انشاء اللہ الرحمن۔

تو امام بخاریؒ نے بتلایا کہ یہ دعا خدمت کی وجہ سے تھی، لہذا اساتذہ اور مشائخ کی خدمت کرنی چاہئے۔ مطابقت الحدیث۔ ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت بالکل واضح ہے کہ ترجمہ حدیث ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

تشریح

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر دعا فرمائی۔ اے اللہ اس کو کتاب یعنی قرآن کا علم عطا فرما، اور بخاریؒ ۱۲ میں ہے اللہم فقہہ فی الدین بعض روایت میں علقہ الحکمة آیا ہے، بعض میں ہے اللہم علقہ الحکمة و تاویل الکتاب، اس صورت میں حکمت سے مراد سنت اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، اب ترجمہ ہو گا اے اللہ اے دین کی سمجھ اور علم عطا فرما۔

چنانچہ آج جس قدر تفسیریں ہیں وہ اس کی (یعنی تفسیر ابن عباسؓ کی) محتاج ہیں اور سب سے بڑھ کر انہیں کی تفسیر ہے اور یہی سبب ہے کہ ابن عباسؓ جبر الامۃ راس المفسرین کے ساتھ ملقب ہیں اور تفسیر کا حال یہ ہے کہ فقہ شافعی کا تمام ترجمہ مدار ان ہی پر ہے۔

باب ۱۱۱ مَتٰی یَصِیْحُ سَمَاعُ الصَّغِيرِ ۱۱۱

بچے کا حدیث سنانا کس عمر میں درست (معتبر) ہے۔

۷۵۔ حکثنا اسمعیلؒ قال حدثنی مالکؒ عن ابن شہاب عن حمید بن عتبہ بن عبد اللہ بن عباسؓ قال اقبلت راکباً علی حمایر اتانی وانا یومئذ قد ناہزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بمتی الی غنیر جدای فصررت بین یدی بعض الصف وارسلت الاتان قرنح و دخلت فی الصف فلم یتکثر ذلک علی •

۷۶۔ حکثنا محمد بن یوسفؒ قال حدثنا ابو مسہرؒ قال حدثنی محمد بن حربؒ

قال حدثني الزبيري عن الزهري عن محمود بن الربيع قال عقلت عن النبي صلى الله عليه وسلم متعباً في وجهي وأنا ابن خمس سنين من ديار • ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور ان دونوں میں جوانی کے قریب تھا (لیکن جوان نہیں ہوا تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنی میں نماز پڑھ رہے تھے آپ کے سامنے دیوار کی آڑ تھی میں کچھ صف کے آگے سے گذر گیا اور گدھی کو چھوڑ دیا وہ چمکنے لگی اور میں صف میں شریک ہو گیا، محمد پر کسی نے اعتراض نہیں کیا (یعنی نہ حضور اقدسؐ نے اور نہ ہی کسی صحابی نے ٹوکا)۔

تعدد الحديث

أخرجہ البخاری حنا في العلم في وفي الملوحة في وفي الاذان في وفي الصحيح في وفي المغازي في ۶۳۳

ربط قبل

گذشتہ باب میں اس بات کا بیان تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے بچپن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کی تھیں اور بلوغ کے بعد ان دعاؤں کو نقل فرمایا اور ابن عباسؓ کی اس نقل پر اعتماد کیا گیا۔ اب اس باب میں امام بخاریؒ نے بلوغ سے قبل کی ایک روایت بیان کی جس کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس زمانے میں قریب البلوغ تھا (یعنی بالغ نہیں ہوا تھا) معلوم ہوا کہ نابالغ کا نقل حدیث صحیح اور معتبر ہے۔

مقصد ترجمہ

پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ایک ہے تحمل حدیث، اور ایک ہے ادار حدیث۔ تحمل کے معنی ہیں اٹھانا اور ادار کے معنی ہیں دوسروں تک پہنچانا، دوسرے کو سنانا۔ اس ترجمہ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ ادار حدیث کے وقت راوی کا بالغ ہونا شرط ہے لیکن تحمل حدیث کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ارید بالسماع مطلق المتحمل ویؤخذ من مجموع حدیثی الباب أن من سمعته السماع والمتحمل مطلق من المتحمل (ماخوذ من بخاری ص ۲۵۷) خلاصہ یہ ہے کہ باب کی دونوں حدیثیں (حدیث ۵۷۷ و ۵۷۸) بتاتی ہیں کہ تحمل حدیث (سماع حدیث) کے لئے کچھ خاص عمر کا قید یا بلوغ شرط نہیں بلکہ سن تحمل و سماع سن متحمل ہے یعنی بچہ جب کچھ وار ہو جائے تو وہ حامل حدیث ہو سکتا ہے۔

ترجمہ ۷۶

حضرت محمود بن ربیع نے فرمایا کہ مجھ کو (اب تک) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کئی یاد ہے جو آپؐ نے ایک ڈول سے پانی لیکر میرے چہرہ پر گلی ماری اور اس وقت میں

پانچ برس کا تھا۔

مطابقة للتوجه :- مطابقة الحديث للتوجه واضحة في "وأنا ابن خمس سنين من ديار"

تعدد الحدیث :- والعحدث حنا فی العلم مکار فی ملا فی ملا و ۱۵۵ و ۱۵۶ و ۱۵۷

تشریح

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ محفل حدیث کے لئے بانی ہونا شرط نہیں ہے، اگرچہ میں کوئی حدیث نسخی اور وہ یاد ہے اور بلوغ کے بعد بیان کر رہا ہے تو وہ قبول کی جائے گی کیونکہ ابن عباسؓ، عثمان بن بشیرؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ بہت سے کم عمر صحابی ایسے ہیں جو حضور اللہؐ کی صحنہ حیات میں مابالغ مگر ان کی احادیث کو عمر کے متعلق استفسار کے بغیر تمام امت نے قبول کیا، خصوصاً عبداللہ بن زبیر اور عثمان ابن بشیرؓ کہ ان کی عمر وفات نبوی کے وقت تقریباً دس سال یا اس سے بھی کچھ کم تھی۔ معلوم ہوا کہ عمر کے بارے میں کوئی تحدید نہیں اصل اعتبار عقل و شعور اور تمیز کا ہے۔

علامہ عثمانؓ فرماتے ہیں بہترین بات وہ ہے جو ابن ہمام نے تحریر الاصول میں لکھی ہے اور جس کو حافظ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ سال کی کوئی تعیین و تحدید نہیں بلکہ بچوں کے قوی و احوال کے اختلاف اور واقعات کی نوعیت کے تفاوت پر اس کا مدار ہے، ذہر بچہ کی ہر بات مردود ہے اور نہ بچے کی ہر بات مقبول۔ بعض صغیر بچے ذہین ہوتے ہیں اور بعض چھ سات سال گزرنے پر بھی ناکچھ رہتے ہیں، مثلاً ایک بچہ کہتا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ جب میں پانچ سال کا تھا اس وقت یہ مکان بنا تھا تو اسے قبول کر لینے میں کچھ حرج نہیں، لیکن اگر یہ کہے کہ میں پانچ برس کا تھا اس وقت میں نے فلان عالم کی تقریر سنی تھی جو مجھے بالکل محفوظ ہے تو بے شک اس کے قبول کرنے میں تردد ہوگا۔ معلوم ہوا کہ واقعات کی نوعیت سے بھی قبول اور عدم قبول میں فرق ہوتا ہے۔ (درس بخاری)

امام بخاریؒ نے بھی کوئی معین حد ذکر نہیں کی، دو مخدئی واقعات ذکر کر دیئے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ کوئی خاص تحدید اس بارے میں بطور ضابطہ و کلیہ کے نہیں۔

ابی غنیر حیدار اس بارے میں اختلاف ہے کہ سترہ تھا یا نہیں؟ اس کی تفصیل تو کتاب السنۃ میں آئے گی انشاء اللہ۔ یہاں بس اتنا ذکر کر دینا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کو مستغرق الامار سنۃ من خلفہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ سترہ تھا لیکن جدار دیوار کا سترہ نہ تھا بلکہ عتیزہ وغیرہ کا تھا۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ما اختار البخاری اولى وعليه تظهر فائدة التعرض الى اخى العبدار خاصة لانه اذا لم يكن هناك حداس ولا مطلق فالتعرض الى نفسه خاصة لغرض (نیز البخاری ۱۸/۱۵۹)

یعنی اگر بالکل سترہ نہ ہوتا تو ابی غنیر جدار کا لفظ لغو تھا ابی غیر سترہ کہنا کافی ہوتا اس لئے راجح یہی ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہے : الى سنۃ غیر حیدار۔

فلم ينكر ذلك علي یعنی کسی نے مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کے ابن عباسؓ کا مقصد ان لوگوں

کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ کلب (کتاب) حار (گرم) اور مرآت (عورت) اگر سامنے سے گزر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حاکم کے بعد اتان لانے میں اشارہ ہے کہ حاکم مونت (گدھا کی میم صاحب) کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو بنان مونت کے گزرنے سے تو بدعت اولیٰ نماز فاسد نہیں ہوگی کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے نہر الباری کتاب النماز ص ۴۸۸۔

وانا ابن حمص بسین یہ محمود بن ریح مصنفار صحابہ میں ہیں خود کہتے ہیں کہ مجھے اب تک وہ واقعہ یاد ہے جب حضور نے مجھ پر کلب کی تھی اس وقت میری عمر پانچ سال کی تھی۔

حضور نے یہ عمل (کلب کرنا) مالوس کرنے کے لئے کیا اس کو طاعت کہتے ہیں اس سے والدین بھی خوش ہوتے ہیں اور بچہ کو بھی انس ہوتا ہے۔

باب الصَّوْرُجِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ وَرَجُلٍ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَسِيرَةَ شَهْرِ
إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ • ص ۱

باب :- حصول علم کے لئے سفر کرنا، اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کے لئے عبد اللہ بن انیس کی طرف ایک مہینے کی مسافت کا سفر کیا۔

• ۷۷ • حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلِيفَةَ قَاضِي جَمْعٍ قَالَ سَمِعْتُ بَنِي حَرْبٍ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ أَخْبَرَنَا الزَّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ تَمَارِي هُوَ وَالْحَرَّ بْنَ قَيْسٍ بَنِي حِصْنِ الْفَرَّازِيِّ فِي صَاحِبِ مَوْسَى فَمَرَّ بِهِمَا أَبُو بَكْرٍ فَدَعَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ إِنِّي تَمَارِي أَنَا وَمُنَاحِي هَذَا فِي صَاحِبِ مَوْسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقْيَتِهِمْ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ يَقُولُ بَيْنَمَا مَوْسَى فِي مَلِكٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذَا جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ مَوْسَى لَا فَارَحَى اللَّهُ إِلَى مَوْسَى بَنِي عَمَّةٍ نَاخِضٍ فَسَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقْيَتِهِمْ فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْعَوْتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ إِذَا فَقَدْتَ الْعَوْتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ فَكَانَ مَوْسَى يَتَّبِعُ أَثَرِ الْعَوْتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ قَتَّى مَوْسَى لِمَوْسَى أَرَأَيْتَ إِذَا أَرَيْنَا إِلَى الصَّغْرِ فَإِنَّ نَسِيتُ الْعَوْتَ وَمَا أَنَسِيَةُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكَرَ قَالَ مَوْسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْتَغِي فَارْتَدَّ عَلَى أَثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ •

ترجمہ :- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اور حُر بن قیس بن حصن فریزی حفر

اصل یہ ہے کہ سفر ایک قسم کا عذاب ہے جو تمہارے خورد و نوش اور نیند سب میں رخنہ انداز پڑتا ہے اس لئے جب بھی ضرورت پوری کہنے کو جلد اپنے گھر واپس آجائے۔

اس روایت سے سفر کی ممانعت کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اس میں سفر کی اجازت ہے البتہ مقصد حاصل ہونے کے بعد اپنے اہل و عیال میں واپسی کی ہدایت ہے۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے لا یزکب الذی لا حاج او معتمرا و غایر فی سبیل اللہ یعنی حاجی، معتمر اور غازی فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی شخص مسند کا سفر نہ کرے۔

اس حدیث میں سفر بلا ضرورت کی ممانعت ہے۔

بہر حال امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ علم نہایت ضروری چیز ہے اس کے لئے سفر جائز ہے اگر کسی روایت سے ممانعت معلوم ہو تو بلا ضرورت سفر پر غور ہوگا۔

امام بخاری نے الخروج فی طلب العلم کا ترجمہ قائم کر کے بتا دیا کہ علم حاصل کرنے کے لئے علی الاطلاق سفر جائز ہے سفر قریب کا ہو یا بعید کا خشکی کا ہو یا مسند کا۔

تشریح ترجمہ الباب میں حضرت جابر بن عبد اللہ کے سفر کا بیان ہے۔ امام بخاری نے "الادب المفرد" اور امام احمد اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی کہ ایک صحابی کے پاس ایسی حدیث ہے جسے انہوں نے براہ راست حضور اقدس سے سنا ہے تو میں نے اونٹ خرید اور کجاوا کسا اور ایک ماہ کی مسافت طے کر کے شام پہنچا، حضرت عبد اللہ بن ابیس کے گھر آ کر دربان سے اطلاع کرائی کہ جابر دروازہ پر ہے، دربان نے واپس آ کر دریافت کیا کہ کیا آپ جابر بن عبد اللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں، حضرت عبد اللہ بن ابیس رونے آئے اور ممانعت کیا پس میں نے کہا۔

حدیث بلغنی عنک لک سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخشیت أن امریک قبل أن اسمعہ۔
مجھے آپ سے ایک حدیث پہنچی ہے جو آپ نے خود انحضرت سے سنی ہے مجھے خوف ہوا کہ اس حدیث کے سننے سے پہلے میں مرد ہاؤں۔ چنانچہ انہوں نے وہ حدیث سنائی۔

امام بخاری نے کتاب التوحید کے باب قول اللہ عزوجل ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ میں اس حدیث کا ایک محکمہ اطلاق ذکر کیا ہے و یذکر عن جابر عن عبد اللہ بن ابیس قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یعیش اللہ العباد فینادیہم بصوت یسمعون بعد ما یسمعون من قرب انا الملائکۃ انا الدیۃان۔ (بخاری ص ۱۱۱)

اس کے علاوہ علامہ عینی اور حافظ عسقلانی نے ایک ایک حدیث کے لئے سفر کرنے کے متعدد واقعات ذکر کئے ہیں، من شاء فلیطالع۔

علوم کیلئے میر سید شریف کا سفر

مفتوحین نے کس قدر محنتیں اور شقتیں برداشت کی ہیں اور یہ تو حدیث نبوی ہے، معلوم ہوا کہ اسے جس قدر بھی محنت اور کوشش سے حاصل کیا جائے بہتر ہے، ورنہ لوگوں نے تو اور فنوں کے حصول میں بڑی بڑی محنتیں برداشت کی ہیں۔

میر سید شریف جرجانی نے شرح مطالعہ بڑھی تو شوق ہوا کہ اسے اس کے مصنف سے پڑھنا چاہئے بس چل بیٹے اور اس کے مصنف علامہ قطب الدین رازی کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اس وقت اس قدر ضعیف ہو چکے تھے کہ بھڑوں کو اٹھا کر دیکھا اور پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا میں سید شریف جرجانی ہوں، میں شرح مطالعہ اگرچہ پڑھ چکا ہوں مگر صرف اس تمنا میں کہ آپ سے اس کو پڑھوں آیا ہوں۔ جواب دیا کہ میں بالکل ضعیف ہو چکا ہوں تم جوان ہو مجھ سے تمہاری تسکین نہ ہو سکے گی ہاں میرا ایک شاگرد روم میں ہے اس کا نام مبارک شاہ ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ اس کا پڑھانا گویا میرا ہی پڑھانا ہے، یہ وہاں پہنچنے اور سارا قصہ بیان کیا، مبارک شاہ علامہ قطب الدین کے غلام تھے علامہ نے ان کی مدد پر درش کی تھی اور اچھی طرح پڑھایا تھا حتیٰ کہ وہ ہر فن میں فاضل و ماہر ہو گئے تھے اور خوب درس دیتے تھے، لوگ اکثر انہیں مبارک شاہ منطق کے نام سے پکارتے تھے، جب میر سید شریف سے پوری بات سن لی تو فرمایا کہ ہمارے یہاں داخلہ کی ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ میں ایک اشرفی بومیہ ایک سبق کے لئے لیتا ہوں، میر صاحب روزانہ ایک اشرفی کہاں سے لاتے؟ کہتے ہیں کہ میں نے بہت سوچنے کے بعد ان سے عرض کیا کہ روزانہ کی شرط تو نہیں جب میرے پاس ایک اشرفی ہو جایا کرے گی ایک سبق پڑھ لیا کروں گا، فرمایا منظور ہے۔

میر صاحب میں سبھی طلب تھی فیصلہ کیا کہ جھولی ڈال کر بیٹھ کر ایک اشرفی پڑھا کر گئی ایک سبق پڑھ لیا کر دنگا، میر صاحب نے تو یہ فیصلہ کیا مگر اشرفی کو کچھ اور ہی منظور تھا اس نے ابھی میر صاحب کو بیٹھ مانگنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ایک رئیس کو اس کا علم ہو گیا کہ ایک سید ہے اور وہ اس طرح پڑھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے انہیں بلایا اور کہا کہ میں تم کو ایک اشرفی بومیہ دیا کروں گا تم سبق پڑھنا شروع کر دو، میر صاحب کی مانگی مراد پوری ہوئی اور پڑھنا شروع کر دیا، ایک ہفتہ گزرا تھا کہ استاد نے بلا کر کہا میاں ہمیں اشرفی کی کچھ پرواہ نہیں ہمارا مدعا تو نہیں جانچنا اور تمہاری طلب کا امتحان لینا تھا وہ ہو چکا اب تم پڑھو اور اپنی اشرفیاں اپنے پاس رکھو مگر اگلی صف میں بیٹھنے کی اجازت نہیں نہ بولنے کی بس سماعت کرو، یہ اس پر بھی راضی ہو گئے اور سماعت کرنے لگے اور عجیبے ہی بیٹھتے تھے لیکن آخر سید شریف تھے، تفارقی کو شکست دی تھی درمیان درس میں جوش اٹھتا تھا شکوک و شبہات لگتے تھے مگر بولنے کی اجازت نہ تھی اس لئے خاموش رہنا پڑتا تھا البتہ جب اپنے حجرہ میں جاتے تو دیوار کو مخاطب کرتے اور کہتے صاحب کتاب نے یوں کہا اور استاد نے یوں کہا اور میں یوں کہتا ہوں۔

ایک مرتبہ استاد طلبہ کو اس علم کے گشت میں نکلے جب ان کے حجرے کے پاس پہنچے تو یہ
تقریر کر رہے تھے، استاد آواز سن کر کھڑے ہو گئے اور جب انہوں نے کہا وافول کذا تو پوری توجہ
اور غور سے سناتے بہت جلد تھی، پسند آئی اور بہت خوش ہوئے، صبح کو دریافت کیا کہ فلاں حجرہ میں کون
رہتا ہے؟ بتلایا گیا کہ سید شریف دہشتہ ہیں اور فرمایا تم اگلی صف میں بیٹھا کرو اور خوب جی کھول کر پڑھو۔
پھر ان کا مجدد تہذیب کا مہم کو معلوم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک معمولی سی کتاب شرح مطالعہ کیلئے اتنی مشقیں برداشت کیں پھر اگر حدیث نبوی
کے لئے اس سے بہت زیادہ مشقت برداشت کی جائے تو کیا بید ہے (درس بخاری ص ۳۵۸)
مطابق الحدیث: مطابقة الحديث للدرجة ظاهرة في قوله: فكان موسى يبيع اثر الخيل

باب فضل من علم وعلم • ص ۱۸

اس شخص کی فضیلت کا بیان جس نے علم سیکھا اور سکھایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سابق باب میں عالم اور معلم کا حال بیان کیا گیا تھا اب اس باب میں ان دونوں
کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے۔

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ مصنف نے ما قبل کے ابواب میں تعلیم (علم سیکھنے) کی ضرورت و اہمیت بیان کی ہے
اور اب اس باب میں تعلیم (علم سکھانے و پھیلانے) کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

• ۷۸ • حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا حماد بن أسامة عن أبي عبد
الله عن أبي هريرة عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال
مثل ما بعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير أصاب أرضاً
فكان منها نقيصة قلبت الماء فانبثت الكلا والعشب الكثير وكانت منها
أجادب أمسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزادوا
أصاب منها طائفة أخرى إنما هي قيعان لا تملك ماءً ولا تثبت كلاً
فذلك مثل من فقه في دين الله وفعه بما بعثني الله به فعلم وعلم
ومثل من عجز فزع بذلك رأساً ولم يقبل هدى الله الذي أوتي به
قال أبو هريرة قال قال أسحق عن أبي أسامة وكان منها طائفة قلبت الماء
فأعجل الماء والعصم المسمى من الأرض •

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ نے
مجھے جس علم سے تہذیب کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال بڑھت و زور بادش کی ہے

ترجمہ

جو زمین پر برسی تو بعضی زمین عمدہ تھی جس نے پانی جو سس لیا اور اس نے سبزی اور گھاس خوب اگائی اور بعض زمین سخت تھی (یعنی پتھری) اس نے پانی روک لیا (یعنی جمع کر لیا) اشر نے اس سے لوگوں کو فائدہ دیا پیا اور (جانور) کو پلایا اور کھیتوں کو سیراب کیا، اور بعضی ایسی زمین پر یہ میدانہ برسا جو برابر اور چیل تھی تو نہ پانی کو اس نے جمع کیا اور نہ اس نے گھاس اگائی (اور اس پر سے بہہ کر نکل گیا) بھی اس شخص کی مثال ہے جس نے اشر کے دین میں کچھ پیدا کی اور اشر نے جو کچھ دیکر سمجھا ہے اس سے اس کو فائدہ پہنچا اس نے خود علم سیکھا اور دوسرا کو سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے اس کی جانب سر ہی نہیں اٹھایا اور اشر کی اس ہدایت کو جس کے ساتھ میں سمجھا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔

ابو عبد اللہ (یعنی خود امام بخاری) نے کہا اسحاق نے ابواسامہ سے اس حدیث کو روایت کیا اس میں قبلت الماء کی جگہ قیلت الماء ہے یعنی بعض زمین نے خوب پانی پیا (اس حدیث میں قیلت الماء جمع ہے قاع کی قاع وہ زمین جس پر پانی جڑا جئے (ٹھہرے نہیں) اور (قرآن حکیم میں جو قاعاً مضمضاً ہے تو) منصف کہتے ہیں ہموار زمین کو۔

مطابقہ للترجمة ۱۔ مطابقہ الحديث للترجمة خلاصہ فی قولہ "فعلیہ و یقلو" :

شرح الفاظ

الفیلت ضرورت کے وقت کی بارش تقبیۃ صاف ستھری بفتح النون و کسر القاف و تشدید الیا و بالرفع اسم کان منها مقداً غیرہ قیلت الماء بفتح القاف و کسر الباء الواوہ از سبج قبول مقرر سے یعنی پانی قبول کر لیا جو سس لیا۔ المکلا بفتح الکان و القام و فی آخرہ ہمزہ یعنی الف ہمزہ ہے بعض کتابوں میں الف کے بعد ہمزہ ہے جو غلط ہے۔ کلا گھاس خشک ہو یا ہری عشب تر گھاس، سبز گھاس پس یہاں تخصیص بعد التعمیم ہے اجادب بالیمیم واللال المہملہ جمع جذب علی غیر قیاس پس وہ زمینیں جن میں پیداوار نہ ہو یعنی نہ پانی کو جو سے نہ گھاس اگائے۔ قیلت بکسر القاف جمع القاع چیل میدان۔

تشریح

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی ربانی کو مثال دیکر سمجھایا ہے کہ جو ہدایت اور علم میں لیکر آیا ہوں اس کی مثال اس برکت اور زوردار بارش کی سی ہے جو زمین کے مختلف حصوں پر برسی اب زمین کا بعض حصہ وہ ہے جو ستر اور پاکیزہ ہے (یعنی نرم جوتی ہوئی زمین قابل کاشت ہے) یہ حصہ پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے پھر پودے اگاتا ہے اور پھل پھول کھلاتا ہے جس سے عوام و خواص اور جانور سب مستفید و شفیع ہوتے ہیں یہ مجتہدین کرام کی مثال ہے جنہوں نے وحی الہی (خواہ متلو ہو یا غیر متلو) کو پی لیا پھر اصول و فروع کے پھل پھول اگائے اور مسائل کے پھل پھولے لگائے ان کو زمین نبرا یک کے ساتھ مشابہت ہے یہ حضرات خود بھی نفع اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتے ہیں۔ اور زمین کا دوسرا حصہ وہ ہے جو سخت ہے (یعنی نرم قابل کاشت نہیں ہے) بارش کا پانی جذب

کرنے کی صلاحیت نہیں لیکن تشبیہ ہے جیسے حوض تالاب یہ پانی کو فو جذب نہیں کرتا لیکن پانی کو جمع کریت ہے جس سے انسانوں اور جانوروں کو نفع پہنچتا ہے یہ مثال ہے اس کی جس نے علم حاصل کر کے خود تو عمل نہ کیا لیکن دوسروں کو سکھایا، نفع پہنچایا۔

زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو چیل میدان ہے نہ پانی رکھتا ہے نہ پیداوار ہوتی ہے یہ مثال ہے اس کا جس میں ہدایت و علم ٹھہرا ہی نہیں، ایک کان سے سننا دوسرے سے نکال دیا یعنی اس نے علم و ہدایت کی طرف کئی تو جبر ہی نہیں کی۔

اشکال

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ مثال اور مثل لاء میں مطابقت نہیں ہے، مثال (یعنی مشبہ بہ) میں قسم کی زمینوں کا ذکر ہے اور مثل لاء (یعنی مشبہ) میں صرف دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔
جواب :- یہ ہے کہ حضور اللہ کے پیش نظر افادہ و استفادہ تھا اس لئے پہلی دونوں قسموں کو یعنی جس نے پانی کو پی لیا اور جس نے روک کر جمع کیا دونوں کو ایک شمار کر لیا کیونکہ یہ دونوں قسمیں نافع ہیں تو اس لحاظ سے کہ ان دونوں سے نفع حاصل کیا جاتا ہے یہ ایک قسم ہے۔

اور دوسری قسم یعنی تیسری زمین بالکل ناقابل نفع اور بخر ہے اور یہ لوگ کافر و جاہل ہیں کہ خود علم و ہدایت سے نفع اٹھایا نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

قال ابو عبد اللہ الو یعنی امام بخاری فرماتے ہیں کہ اسحاق (یعنی ابن راہویہ) کی روایت میں قبلت الملو کی جگہ خلیت (بفتح الہاء الختامیۃ) آیا ہے۔ بعض حضرات نے اس کو درست قرار دیا ہے کہ اس کے معنی بھی پانی روکنے کے آتے ہیں، لیکن حافظ نے کہا ہے کہ یہ تصحیف وادی ہے۔

امام بخاری کی عادت علامہ یعنی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ مشکل الفاظ کی تفسیر کر دیتے ہیں اور اگر قرآن حکیم میں اس کے مناسب لفظ ملتا ہے تو اس کی بھی تفسیر کر دیتے ہیں، چنانچہ اسی حدیث میں لفظ حیوان آیا تو اس کی تفسیر کر دی کہ یہ قاع کی جمع ہے تو اس کے ساتھ مصفص کی تفسیر بھی کر دی حالانکہ یہ لفظ یہاں نہ تھا لیکن قرآن حکیم میں خیزر حافا عاصف صفا ہے اس لئے امام نے پہلے قاع کی تفسیر کی پھر اس کے ساتھ مصفص کی تفسیر بھی کر دی۔

باب ۴۳ رَفَعَ الْعِلْمَ وَظَهَرَ الْحَقْلَ وَقَالَ رَبِيعَةُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْدَا شَيْءٌ مِّنَ الْعِلْمِ أَنْ يَتَّبِعَ نَفْسَهُ ۝ ۱۵

(دیکھو) علم اٹھ جانے اور جہالت پھیلنے کا بیان۔ اور ربیعہ نے کہا کہ جس کو (دین کا) حقوڑا بس بھی علم ہو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ضائع کر دے۔

گذشتہ باب میں عالم اور متعلم (تعلیم اور تعلم) کی فضیلت بیان کی گئی تھی اور تحصیل علم کی ترغیب تھی اب یہ باب اسی سابق باب کا مکمل ہے کہ تعلیم نہایت ضروری ہے اگر یہ سلسلہ بند

رابطہ

فروخ فوج میں خراسان بنی امیہ کے دور میں گئے، ربیعہ اس وقت ماں کے پیٹ میں تھے، ربیعہ کے والد فروخ جاتے وقت اپنی بیوی کے پاس تیس ہزار دینار چھوڑ گئے تھے اور ستائیس سال کے بعد مدینہ میں آئے، گھوڑے پر سوار تھے اور ہاتھ میں نیزہ تھا اپنے گھر پر پہنچے تو گھوڑے اتر کر دروازہ کو پاؤں سے دھکیلا، ربیعہ نکلتے اور کہنے لگے "یا مدنی اللہ انت دخلت علی حرمی" اللہ کے دشمن تو میرے حرم میں کیوں داخل ہوا؟ فروخ نے جواباً کہا کہ اللہ کا دشمن تو ہے جو میرے حرم میں داخل ہوا۔ دونوں آپس میں الجھ گئے، امام مالک کے پاس اس کی اطلاع پہنچی ادھر مسائے ربیعہ کا مدد کو پہنچ گئے، دونوں ایک دوسرے سے کہتے لا فارقتک میں تھے نہیں چھوڑونگا، جب امام مالک کو دیکھا تو خاموش ہو گئے امام مالک نے کہا "بزرگ عترم آپ کے لئے کسی اور مکان میں وسعت ہو سکتی ہے، بڑے میاں نے جواب دیا کہ یہ میرا مکان ہے میں فروخ ہوں۔ بیوی نے ان کی بات سنی تو نکل آئیں اور کہنے لگیں کہ یہ میرے خاوند ہیں اور یہ میرے بڑے بیٹے ہیں جنہیں یہ محل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے، باپ بیٹا گلے ملے اور بہت روئے فروخ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو بیوی سے پوچھا اہذا ابنی؟ فقالت نعم اس کے بعد فروخ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس جو مال چھوڑ گیا تھا وہ کہاں ہے؟ پھر صبح کو ربیعہ مسجد نبوی میں اپنے حلقے میں جا بیٹھے اور ان کے پاس امام مالک اور دوسرے شرفاء مدینہ آئے اور ربیعہ کے گرد حلقہ لگ گیا۔

ربیعہ کی والدہ نے فروخ سے کہا: جانیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھئے مسجد میں آئے تو ایک بڑا حلقہ دیکھا کھڑے ہو گئے۔ ربیعہ نے اس انداز میں سر جھکائے رکھا کہ وہ گمان کریں کہ ان کو دیکھ نہیں رہے ہیں، فروخ کو بیٹے کا شک ہوا تو دریافت کیا کہ یہ آدمی کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن ہیں، کہنے لگے اللہ نے میرے بیٹے کو بلند مرتبہ دیا ہے، گھر آکر بیوی سے کہا میں نے تمہارے بیٹے کو ایسی شان میں دیکھا ہے جو اہل علم اور فقہاء میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

ربیعہ کی ماں نے کہا آپ کو تیس ہزار دینار زیادہ پسند ہیں یا اپنے بیٹے کی یہ شان؟
کہنے لگے:

لا واللہ بل ہذا فقالت انفقت
المان کلہ علیہ قال فواللہ ما ضیعبتہ
(فضل ابی نعل)

امام ربیعہ کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔

ربیعہ الرالی پر یہ لفظ ہوا مستعمل نہ ہوتا تھا۔ متقدمین میں جن لوگوں پر استنباط واجتہاد کا غلبہ ہوتا تھا انہیں اصحاب الرالی کہا جاتا تھا اور سلف میں

اصحاب الرالی

یہ لفظ محسوس تھا

ہمیشہ دو جماعتیں ملی آئی ہیں، ایک پر روت غالب تھی جو محمد میں کہلاتے تھے اور دوسری جماعت پر روایت واجتہاد غالب تھا جو فقہاء کے لفظ سے مشہور ہوئے۔

ایسی جماعتیں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھیں، ایک جماعت کا عمل جذبہ اتباع سنت کی وجہ سے صرف الفاظ حدیث پر تھا اور دوسری جماعت حدیث کا منشا و غرض تلاش کرتی تھی۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب سے واپسی پر فرمایا: لا یصلین احد العصر الا فی ہبی قریظۃ صحابہ کرامؓ باوجود سعی یتلخ کے عصر تک بنی قریظہ میں نہ پہنچ سکے، راستہ میں عصر کا وقت آگیا اب اختلاف ہوا، ایک جماعت نے راستہ میں نماز پڑھ لی اور کہا کہ حضور اکرمؐ کا مقصد یہ تھا کہ جلدی پہنچو۔ دوسری جماعت نے راستہ میں نماز نہیں پڑھی بعد میں قضا پڑھی، حضور اکرمؐ کو اطلاع ہوئی تو دونوں جماعتوں میں سے کسی پر سختی نہیں فرمائی کیونکہ دونوں کی غرض و منشا اتباع سنت تھا لہذا دونوں میں سے کسی کی تفسیل نہیں کیجا سکتی، ہاں اہل اجتہاد کا درجہ اہل ظاہر سے بلند ہے کیونکہ وہ عامل معنی ہیں اور یہ حامل الفاظ ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے نہر الباری کتاب المغازی ص ۱ تا ص ۱۱۔
واضح رہے کہ نصوص مجملہ کی تشریح مذموم نہیں کیونکہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ البتہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا مذموم ہے، سفہائے زمانہ نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ فقہاء رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں اور اہل حدیث حدیث کو رائے پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ صریح جہالت و حماقت ہے۔

قال ربیعۃ لا ینبغی لاحد عنده الا ترجمہ گزر چکا ہے۔
حضرت ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس علم کا کچھ بھی حصہ ہے وہ اپنے آپکو ضائع اور بیکار نہ کرے کیونکہ برسہا برس کی محنت اور جدوجہد سے حاصل کئے ہوئے علم کو ضائع کرنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ تعلیم و تدکسین اور تقریر و تبلیغ چھوڑ کر زراعت و تجارت میں مشغول ہو جائے جس سے اشاعت علم کے بجائے اخافت علم ہو جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ علم کی عظمت و توقیر کا خیال نہ رکھائے اور علم کو حصول دینا کا ذریعہ بنا لیا جائے، جو عالم اپنے علم کو اہل ثروت، امراء کے تقرب کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ یقیناً علم اور اپنے آپ کو ذلیل اور ضائع کرتا ہے، عالم کو چاہئے کہ اس عظیم الشان نعمت کی قدر کرے، اس کے بقا کو محفوظ رکھے۔
تیسری صورت یہ ہے کہ نااہلوں کو پڑھانا، نااہلوں کے ساتھ مشغول رہنا بھی اپنے آپکو ضائع کرنا ہے۔

کافی الحدیث واضح العلم عند غیر احده لمقلد الخنازیر الجرہر واللؤلؤ والذهب۔
رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۳)

کیونکہ اخافت نفس کا ایک مطلب ترک عمل ہے کیونکہ علم پر عمل نہ کرنا بھی اخافت نفس و اخافت علم ہے۔

لاحديثكم حديثا لا يبعد عنكم احد بعدى به جملہ متعدد مقامات پر آیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حدیث صرف مجھ ہی کو معلوم ہے کسی اور کو معلوم نہیں کہ وہ بیان کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد بعصرہ میں تم سے کوئی سماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان نہیں کریگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت صرف چند صحابہ اور اضرہ گئے تھے اور بعصرہ میں ان کے علاوہ کوئی صحابی نہ تھا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آخر ہم موتا بالبصرہ ہیں۔

اشراط الساعة الا اشراط بفتح الهمزة جمع ہے شرط بفتح الشین والراء کی انی بفتح الهمزة قیامت کی نشانوں میں سے یہ بھی ہے کہ دین کا علم اٹھ جائیگا اور اس کے بعد والی روایت میں انی بفتح الهمزة آ رہا ہے دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ابتداء کم ہوتا جائیگا پھر رفتہ رفتہ بالکل اٹھالیا جائیگا یا طلت سطل مراد لیا جائے کیونکہ محاذہ میں قلت کا لفظ کسی علم کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

تکثر النساء الا عورتیں زیادہ ہونگی الا اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آخر زمانہ میں جنگ و فساد، قتل و قتال کی کثرت ہوگی، رجال مائے جائیں گے کیونکہ لڑائیوں میں اکثر مرد ہی جاتے ہیں اور مارے جاتے ہیں اور عورتیں رہ جائیں گی جس کا آج کل بخوبی مشاہدہ ہو رہا ہے۔

عورتیں بکثرت پیدا ہونگی چنانچہ آج کل اس کا تجربہ ہے۔
لخمسين امرأة الا یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ٹکڑا (خبر گیری اور انتظام کرنے والا) ایک مرد ہوگا، نکاح مراد نہیں۔ ع یا پچاس اس کی حقیقی تحدید مقصود نہ ہو بلکہ پچاس سے مجازاً صرف کثرت مراد ہو ہر دو احتمال منقول ہے۔

حکمت تعدد الزوجات و طهر فی الاربع

عقل و نقل و تجربہ و قیاس ہر لحاظ سے یہ امر مسلم ہے کہ مرد میں عورت کی بہ نسبت شہوت کئی گنا زیادہ ہے بشرط اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویوں کا اختیار دیا، اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو اس کا برعکس ہوتا چاہئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے بہت سی وعیدیں بیان فرمائی ہیں جبکہ وہ مرد کے ٹھکانے پر بہستری کے لئے راضی نہ ہوں، اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو مردوں کے لئے ایسی وعیدیں آتی چاہئے تھیں۔

عقل اس لئے کہ مرد کا مزاج گرم ہے جو سبب شہوت ہے اور عورت کا مزاج سرد ہے۔
تجربہ اس لئے کہ کوئی شخص اس کا قائل نہیں اور اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا کہ عورت بہستری کی دعوت دے اور مرد انکار کرے اس کے برعکس اس کی مثالیں روزانہ پیش آتی رہتی ہیں کہ مرد بلاتا ہے عورت راضی نہیں ہوتی۔

قیاساً اس طریقہ سے کہ دوسرے حیوانات میں یہ امر مشاہدہ ہے کہ ایک مذکر سیکڑوں مؤنث کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

اگر عورتوں میں شہوت زیادہ ہوتی یا برابر ہوتی تو شہر کا ہر گلی کوچہ شب دروزن کاری کا بازار ہوتا۔ بازار میں ہر مرد عورتوں کی طرف طبی میلان ہوتا ہے۔ الا المتقین۔
اگر عورت کی جانب سے بھی ایسا ہی میلان پایا جائے تو فحش سے مانع کیا جائے ہوگی، خصوصاً جس حکومت میں بد فعلی جرم نہ ہو اور لڑکیوں کے والدین اور اقربان سے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں۔

قرآن کریم میں الزانیہ والزانیہ فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زانیہ کی تقدیم اس کی دلیل ہے کہ اس میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر مفسرین کا یہ خیال صحیح نہیں اس لئے کہ یہ خیال عقل و نقل اور تجربہ و قیاس سب کے خلاف ہے۔

مزید برآں مرد میں کثرت اختلام اور عورتوں میں اس کا وجود کالعدم ہونا بھی یقین دلیل ہے کہ عورت میں شہوت کالعدم ہے۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ مرد میں شہوت زیادہ ہے۔

بعض علماء کو ایک مسئلہ فقہیہ سے بھی مغالطہ ہوا ہے وہ یہ کہ نظر الرجل الی المرأة کی نسبت نظر المرأة الی الرجل اخف ہے جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت میں شہوت زیادہ ہے لہذا مرد کے دیکھنے سے اگر مرد میں بھی شہوت پیدا ہوگئی تو فتنہ زیادہ ہے، اس کے برعکس اگر عورت نے دیکھا تو چونکہ مرد میں شہوت کم ہے لہذا فتنہ کا کوئی احتمال نہیں۔

اس مسئلہ کی یہ توجیہ بھی سراسر غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ مرد کے مفتون ہونے کی صورت میں چونکہ اس کی کامیابی سہل ہے اس لئے کہ مرد کے ہاتھ پیر میں مقصد کے ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ قلب حیاء، کثرت شہوت، قوت قلب اور مال و زر، قوت جسم اور آزادی سے آنا جانا یہ امور اس کے مقصد کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس عورت کی نظر مرد کی طرف اس قدر خطرناک نہیں اس لئے کہ اولاً تو ان میں قلب شہوت کی بنا پر فتنہ کا احتمال نہیں اور ثانیاً شاذ و نادر یہ نظر موجب شہوت ہو بھی جائے تو کثرت حیاء، قلب و جسم کا ضعف اور قلب مال، آمد و رفت کا تعسر، ایسے امور ہیں کہ ان کی بناء پر عورت اپنی بری خواہش کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی۔

آیت کریمہ میں زانیہ کی تقدیم کی وجہ بھی یہی ہے کہ قلب شہوت، کثرت حیاء، کثرت موانع اور قلب ذرائع کے ہوتے ہوئے عورت کا زانیہ میں مبتلا ہونا نہایت ہی نتیجہ ہے لہذا اس کی تصحیح اور تشبیہ شان کی غرض سے اسے مقدم ذکر کیا۔

پس ثابت ہوا کہ مرد کی کثرت خواہش کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے متعدد بیویاں ہوں۔ نیز کثرت نساء و ثلث رجال مذکور ہونے کے ساتھ مشاہدہ بھی ہے اولاً تو عورت کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم، ثانیاً عالمگیر جنگوں میں مرد ہی تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں۔ پس اگر تعدد ازدواج کا مسئلہ

تسلیم نہ کیا جائے تو عورت کی مکافات کے لئے اتنے مرد کہاں سے آئیں گے ؟

اب رہا حصر فی الاربع کا مسئلہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ عورت چار مہینے تک نفسانی خواہش کو ضبط کر سکتی ہے چنانچہ قرآن میں مسئلہ ایلاء اور عدت متوفی اعتباراً وہ جہاں اس پر مبنی دلیل ہے۔ ایلاء میں چار ماہ سے زیادہ مدت تک مرد کا بیوی کے پاس نہ جانا چونکہ ظلم تھا اس لئے شریعت نے چار ماہ کے بعد عورت کو خیال دیدیا، اسی طرح جاہلیت میں عدت وفات ایک سال تھی شریعت نے اسے ظلم قرار دیتے ہوئے چار مہینے دس دن سے زائد مدت کو ساقط کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت کسی گلی میں سے گذر رہے تھے کان میں کسی عورت کی آواز پڑی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی

واللہ لولا اللہ تغشی عراضہ
لما خرج من هذا السریر جراحہ
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس کا شوہر مدت طویل سے جہاد میں گیا ہوا ہے حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ سمجھا دو عورتوں کی شوری بلا کر بیٹے کو کہ عورت کتنی مدت تک ضبط کر سکتی ہے چنانچہ متفقہ طور پر بیٹے پایا کہ چار ماہ کی مدت تک عورت صبر کر سکتی ہے۔
نبأ علیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قانون بنا دیا کہ اس مدت سے زیادہ کوئی شادی شدہ سپاہی جہاد میں نہ رہے۔

اسی کے پیش نظر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ چار مہینے میں ایک دفعہ ہمیشہ کنا دانا فرض ہے۔ اور مرد کے لئے مدت ضبط شرعاً منقول نہیں مگر کئی ایک معاملات میں مدت شہر کو کثیر شمار کیا جاتا ہے جیسے کہ بیچ مسلم اور عند البعض اختلاف مطالعہ میں مدت شہر کا اعتبار کیا جاتا ہے، نیز ایک ماہ میں قمریہ یا ذریعہ کالی کر لیتا ہے جس کا انسانی خون پراثر پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی قوت برداشت کی انتہا ایک مہینہ ہے اور عورت کی چار ماہ، دونوں کے تناسب سے معلوم ہوا کہ ایک مرد کے لئے چار بیویاں کافی ہو سکتی ہیں۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وظی سے مقصد نوالہ ہے اور موجب نوالہ وظی ہوتی ہے جو حیض کے بعد ہو اور انقطاع حیض کے بعد مرد کے لئے شہوت صادق بھی ہوتی ہے، حیض عام طور پر تند و مت عورت کو مہینے میں ایک دفعہ آتا ہے اس بنا پر مرد پر مہینے میں ایک وظی کا محتاج ہے اور عورت چار مہینے میں۔ تو ثابت ہوا کہ ایک زوج کے لئے چار بیویوں کی ضرورت ہے۔ (ارشاد القاری)

• باب فضل العلم •

علم کی فضیلت کا یازائد علم کا بیان۔

۸۱ • حدثنا سَعِيدُ بْنُ عَفِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنْ ابْنِ خُبَّابٍ عَنْ حَمَزَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ ابْنَ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَكْتَيْتُ بِقَدْجٍ لِبْنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى أَتَى لَأَرَى الرِّقَّةَ يَخْرُجُ لِي اخْطَارِي ثُمَّ اعْطَيْتُ فَضَلَى عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَرْسَلْتَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْعِلْمُ •

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ایک بار میں سو رہا تھا میرے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے پی لیا خوب ابھی طرح پی لیا، حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ اس کی تازگی میرے ناخونوں میں جھلک رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا (جو غصا دودھ) عمر بن الخطاب کو دیدیا صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس کی کیا تمغیٰ؟ فرمایا "علم"۔

ربط گذشتہ باب میں علم کا ذکر تھا اور اس باب میں بھی علم ہی کا بیان ہے، فرق صرف ایک وصف میں ہے کہ گذشتہ باب میں رفیع علم کا ذکر تھا اور اس میں فضل علم کا ذکر ہے، فالمناسبة بین البابين ظاہر۔

تعدد الحديث: - والحديث هنا ۱۸، وای ۵۲، و۱۲۳، ایضا ۱۳، و۱۲۳، و۱۲۴۔

مقصد ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد اس ترجمہ الباب سے یہ بتانا ہے کہ جو علم اپنی ذات سے متعلق نہ ہو بلکہ حاجت اور ضرورت سے زائد اور فاضل ہو تو کیا ضرورت سے زائد علم کے حصول سے ان فضائل کا تعلق ہو گا جو فضیلتیں علم کے متعلق وارد ہوئی ہیں یا مالا یعنیہ میں شمار ہو گا؟

ایک روایت میں ہے من حسن اسلام المرء ثلث ما لا یعنید یعنی لایعنی چیزوں سے احتراز انسان کے اسلام کی خوبی ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ باب منفرد کر کے بتلادیا کہ اس میں بھی ثواب ہو گا، علم مطلقاً مفید اور مطلوب ہے مثلاً ایک مفلس نادار مزدور ہے تو زکوٰۃ درج کے مسائل سیکھنا باعثِ ثواب ہو گا یا نہیں؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثواب ہو گا کیونکہ خود اگرچہ نفع حاصل نہیں کر سکتا مگر دوسروں کو تو تعلیم دے سکتا ہے کیونکہ تعلیم علم سے فقط عمل ہی مقصود نہیں تبلیغ و تعلیم بھی ایک اہم مقصود ہے۔ غرض اس باب سے بھی تبلیغ و تعلیم کی اہمیت و فضیلت مقصود ہے۔

اشکال یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ کتاب العلم کی ابتداء میں بعینہ یہ ترجمہ "باب فضل العلم" آچکا ہے اور پھر یہاں دوبارہ ذکر کیا جا رہا ہے جس سے ترجمہ الباب کا تکرار لازم آ رہا ہے۔

جواب: - اس کے متعدد جوابات منقول ہیں ۱۔ ابتداء میں فضیلتِ علما کو بیان کرنا مقصود تھا اور اس باب میں علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

۱۔ ما قبل میں فضل یعنی فضیلت ہے اور یہاں فضل بمعنی فضل یعنی زائد کے معنی میں ہے۔

۲۔ ما قبل میں علم کی فضیلت کی بیان کی گئی تھی اور یہاں جزئی فضیلت بیان کی جا رہی ہے وغیرہ۔

علم اور دودھ میں مناسبت
 علامہ معنی فرماتے ہیں دونوں کثیر المنفع اور مفید ہونے میں مشترک ہیں، دودھ انسان کی فطری غذا اور مقوی بدن ہے اور دودھ کی فطری غذا ہے اس پر دین دنیا دونوں کی صلاح و فلاح موقوف ہے، اور دودھ سے جسم میں تازگی

ہے تو علم پر قلوب کی حیات کا دلوں پر وغیرہ (امداد البحاری ۱۵۶)

وتفسیر اللہ بالعلم لا شتر اکھما فی کثر من المنفع بہما (فتح)
 انی لا ادری (بکسر اللام وتشدید الیاء) از باب سبغ مصدر اکثر ویا اور بھی زیادہ آگے یعنی سیراب ہونا
 فی اظہاری علامہ معنی فرماتے ہیں یہاں فی بمعنی علی ہے جیسے قرآن حکیم میں ہے:
 وَلَا صَلْبَتْکُمْ فِی جُذُوعِ النَّخْلِ (نور طن) اور سولی دو تنگام کو کھجور کے تنہ پر نہ
 اور بعض روایت میں ہے من اظہاری (فتح)۔

تنبیہ
 اس روایت سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا شبہ درست نہیں کہ یہ ایک جزئی فضیلت ہے جو ان کی فضیلت کو مستلزم نہیں۔ اس لئے صدیق اکبرؓ کی شان میں ارشاد بڑا ہے: ما حبت اللہ فی صدق حبیبہ فی صدر الی بکر۔
 اس روایت میں صدیق اکبرؓ کا تذکرہ ہی نہیں اور ظاہر ہے کہ عدم ذکر عدم شئی پر دل نہیں ہو سکتا ہے کہ حاضر فی بن صدیق اکبرؓ موجود ہی نہ ہوں۔

بہر حال صدیق اکبرؓ کی یہی افضل ابشر بعد الانبیاء بالیقین پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

باب الفیاء وهو واقف علی ظہر الدابة او غیرہا۔

جانور وغیرہ پر سوار ہو کر دین کا مسئلہ بتانا۔

الفیاء بضم الفاء اسم وکذا لفظ الفریق وهو الخراب فی العادۃ (حیف)

۸۶۔ حدثنا اسمعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن عیسیٰ بن طلحۃ عن عیسیٰ بن عبد اللہ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف فی حجة الوداع بمعنی للناس فسألوه فجاء رجل فقال لم أشعر فقلت قبل ان أدبج قال لا أدبج ولا حرج فجاء آخر فقال لم أشعر فنعت قبل ان أری قال ازمی ولا حرج فما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شئی قد مر ولا أیقن الا قال انقل ولا حرج ●

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں مقیم رہے اس لئے کہ لوگ آپ سے (دین کے مسئلہ) پوچھیں گے چنانچہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھ کو خیال نہیں رہا میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا اب قربانی کر لے کوئی مضائقہ نہیں، پھر دوسرا آدمی آیا اور کہنے لگا مجھ کو خیال نہیں رہا میں نے ننگریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی، آپ نے فرمایا اب ننگریاں مار لے کچھ مضائقہ نہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ (اُس دن) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو پوچھا گیا کوئی بات کسی نے آگے کر لی یا پیچھے کر دی تو آپ نے یہی فرمایا جو ہو گیا، جس نے کوئی مضائقہ نہیں جو باقی ہے اسے اب کر لے۔

مطابقة الحديث للترجمة :- من حيث أن المذكور في الحديث هو الاستفتاء والاختفاء والترجمة هي الفتيا۔

ربط ما قبل علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ باب میں علم کی فضیلت کا بیان تھا اور اس باب میں فتویٰ کا بیان ہے یہ بھی علم ہی ہے۔

مقصد ترجمہ فقہ والحدیث :- والعیدت ۱۸، وایاتی ۲۳، تاملہ ۲۳، و۲۳، و۱۸۶۔
اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد کیا ہے؟ حافظ مسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عالم کسی سواری پر سوار ہوا اور اسی حالت میں کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو عالم کے لئے سوار رہ کر جواب دینا جائز ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم سے ہر حالت میں سوال کرنا جائز ہے خواہ عالم پیدل چل رہا ہو یا سوار ہو کر، کھڑا ہو یا بیٹھا؟ ہر حال میں مسئلہ بتانا جائز ہے۔

۳۳ ایک روایت میں ہے لا تجعل علی ظہری ذوابکم منابری (رواہ ابو داؤد ۳۳، مشکوٰۃ ۳۳) یعنی جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ، منبر کا کام مت لو۔ اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ جانور پر سواری کی حالت میں فتویٰ دینا، مسئلہ بتانا ممنوع ہو، امام بخاریؒ نے جواز ثابت کرنے کے لئے یہ باب مستفاد فرمایا کہ صرف مسئلہ بتادینا ممنوع نہیں ہے البتہ دیر تک بیٹھ کر گفتگو کرنا یا باضابطہ مقدمات کا فیصلہ کرنا، لمبی تقریر کرنا منبر بنانا ہے اور ممنوع ہے۔

تشریح حدیث میں ہے وقف فی حجۃ الوداع اور ترجمۃ الباب میں ہے واقف علی ظہری المداۃ بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی؟ اس کی دو توجیہ ہے:

۱۔ حدیث میں وقوف کا لفظ عام ہے اور ہر عام کے تحت خاص داخل ہوتا ہے اس لئے مطابقت ہوگئی۔
۲۔ یہ روایت یہاں مختصر ہے، کتاب الحج ۲۳ پر یہی حدیث آ رہی ہے جس میں پورا جملہ موجود ہے وقف علی ناخذہ الامام بخاریؒ کا اشارہ مفصل روایت کی طرف ہے۔

اذبح ولا حرج یعنی اب فزح کر لو اس میں کوئی گناہ نہیں، دوسرے سے فرمایا اذبح ولا حرج

یعنی اب لکریاں مار لو کوئی حرج نہیں الہیہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے تفصیلی بحث اپنی جگہ پر آئیگی انشاء اللہ الرحمن۔

مختصر یہ ہے کہ یوم النحر سے متعلق چار چیزیں ہیں رسی، ذبیح، حلق یا قصر، طواف۔

طواف میں کوئی ترتیب نہیں مقدم بھی کر سکتے ہیں اور مؤخر بھی باقی تینوں میں اخلاف کے نزدیک ترتیب واجب ہے، خلاف ترتیب عمل کی صورت میں کفارہ یعنی دم واجب ہوگا، یہی مالکیہ کا مذہب ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے، چنانچہ یہ لوگ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ارشاد نبوی ہے "ولا حرج" حنفیہ مالکیہ کی جانب سے یہ جوابات دیئے جاتے ہیں:-

۱۔ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ ترک سنت میں بلا تشبہ حرج ہے۔

۲۔ لا حرج میں صرف اخروی گناہ کی نفی ہے کیونکہ ان لوگوں نے لاعلمی کی وجہ سے غلطی کی جیسا کہ لغو اشعار کے لفظ سے ظاہر ہے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معذور کچھ کہ سائل کی پریشانی کو دفع فرمایا تھا سائل نے لزوم گناہ کچھ کہ اظہار پریشانی کیا تھا، رہا معاملہ دم کے وجوب کا؟ اس سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ لا حرج سے مراد گناہ اللہ دم دونوں کی نفی مراد لی جائے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے کیونکہ لاعلمی عذر تھی۔

پھر اگر حاجی مفرد ہے تو اس پر تو قربانی واجب ہی نہیں قربانی تو صرف قارن اور متمتع پر واجب ہے پس مفرد کے ذمہ صرف دو چیز رسی اور حلق میں ترتیب ہے کہ رسی کی تقدیم حلق پر ضروری ہے۔

• بَابُ مَنْ أَجَابَ الْفَتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّاسِ • ص ۱۸

باب میں نے فتویٰ کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دیا۔

باب سابق میں بھی فتویٰ کا بیان تھا اور اس باب میں بھی فتویٰ ہی لاذکر ہے اس لئے دونوں باب کے درمیان مناسبت ظاہر ہے۔

مقصد ترجمہ امام بخاری کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ کسی مسئلہ کا جواب سر یا ہاتھ کے اشارے سے بھی دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ اشارہ اپنے مقام و محل کے لحاظ سے مفہم ہو، خود حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب بلا اشارہ ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی پہلی دو حدیثوں (حدیث ۱۳۳۷ و ۱۳۳۸) سے واضح ہے۔

۲۔ دوسری غرض یہ ہو سکتی ہے کہ امام بخاری "فتویٰ اور قضا میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی ہاتھ یا سر کے اشارے سے نفی یا اثبات فتویٰ دینا تو جائز ہے مگر قضا میں جائز نہیں۔

۸۳ • حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبٌ قَالَ ثَنَا أَبُو بَرٍّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَزِيحَ قَالَ فَأَوَّعًا بَيِّدَةً قَالَ وَلَا حَجَّجَ وَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَأَوَّعًا بَيِّدَةً وَلَا حَرَجَ •

ترجمہ :- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے (آخری حج میں پوچھا گیا، ایک شخص نے کہا میں نے زی کرنے (کنگیاں مہرنے) سے پہلے ذبح کر لیا، آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا کچھ حرج نہیں اور ایک شخص نے کہا میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈا لیا آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمادیا کچھ حرج نہیں۔

تعدد الحدیث :- والعیدت ہینا مشا ویا فی الناسک ۲۳۲ وص ۲۳۲ وفی اللہ ۲۸۶

فاوما بیدہ قال ولا حرج آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کچھ حرج نہیں۔

امام بخاریؒ نے اُمّاً کے لفظ سے استدلال کیا ہے، مگر بظاہر یہاں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اور اشارہ دونوں جمع فرمائے ہیں گوا احتمال یہ بھی ہے کہ قال لا حرج یہ بیان ہوا اس اشارہ کا اور ترجمہ کے ساتھ ہی نسب و الیق ہے۔

۸۴ • حدثنا المکی بن ابراہیم قال انا حظلة عن سالم قال سمعت اباہمیر عن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقبض العلم ویظہر العہل والفقہ ویکثر المہرج قیل یا رسول اللہ وما المہرج فقال ہکذا بیدہ فخر فہا کاذہ یؤیدہ المقتل

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا (دین کا علم) اٹھایا جائے گا اور جہالت اور فتنے پھیل جائیں گے اور حرج بڑھ جائیگا، آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ آپ نے اپنے ہاتھ کو ترچھا ہلا کر فرمایا گو یا آپ نے قتل مراد لیا۔

مطابقت الحدیث للشرح جہت :- ترجمہ الباب میں اشارہ بالید والراس ہے مذکورہ دونوں روایتوں میں اشارہ بالید ظاہر ہے، اشارہ بالراس کے لئے امام بخاریؒ نے اس کے بعد الی حدیث (یعنی اس باب کی تیسری حدیث) کو ذکر کیا ہے۔

تعدد الحدیث :- والعیدت ہینا مشا ویا فی الناسک ۱۳۱ وص ۱۳۱ وص ۱۵۳

اس حدیث کے الفاظ کی شرح باب رفع العلم میں گذر چکی ہے یہاں تو امام بخاریؒ کا استدلال اس بات سے ہے کہ جب صحابہ کرامؓ ہرج کے معنی نہ سمجھ سکے تو آپ سے سوال کیا تو آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیا اور ہاتھ کو ترچھا کر بتلایا جیسے کسی کی گردن اڑائی جاتی ہے۔

۸۵ • حدثنا موسیٰ بن اسمعیل قال ثنا ہبیب قال ثنا ہشام عن فاطمہ عن اسماء قالت اتیت عائشہ وہی تصلی فقلت ما شان الناس فاشارت الی السماء فاذا الناس قیام فقلت سبحان اللہ قلت اتیت فاشارت براسہا ای تحرف فقلت حتی عملا فی الغشی فجعلت أصب علی راسی الماء

فَعَمِدَ اللَّهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَارْتَضَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا وَدَّ شَيْءٌ
لَمْ أَكُنْ أُرْسِيَتْهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْعَبْتَةِ وَالتَّارِ فَأَوْجَى إِلَيَّ
أَنَّهُمْ يُقْسِنُونَ فِي قُبُورٍ كَوْنَهُمْ أَوْ قَرِيبَ لَا أَدْرِي أَيْ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ وَمَنْ
يَسْتَدِ السَّيِّحُ الْأَجْبَالُ يُقَالُ مَا مَلَكَ بِهَذَا الرَّجُلُ فَأَمَّا الزُّوْنُ أَوِ الْمَوْقِنُ
لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ هُوَ مُحَمَّدٌ هُوَ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ
وَالْهَدَى فَاجْعَلْنَاهُ وَارْتَبِعْنَاهُ هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا فَيَقَالُ تُمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنَّ
كَنتَ لَمَوْقِنًا بِهِ وَأَمَّا الصَّامِقُ أَوِ الزُّنَاتُ لَا أَدْرِي أَيْ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ
فَيَقُولُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا ذَلِيلًا ۱۰

ترجمہ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں میں نے کہا
لوگوں کا کیا حال ہے ؟ (یعنی لوگ پریشان کیوں ہیں ؟) تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا
(یعنی سورج کو گہن لگا ہے) دیکھا کہ لوگ کھڑے ہیں حضرت عائشہؓ نے کہا "سبحان اللہ" میں نے کہا کیا کوئی
(عذاب یا قیامت کی) نشانی ہے ؟ انہوں نے سر ہلا کر کہا ہاں ، تب میں بھی (نماز میں) کھڑی ہو گئی یہاں تک کہ
مجھ کو غش آنے لگا میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور
خوبی بیان کی پھر فرمایا جو چیزیں ایسی تھیں کہ یہاں رہ کر مجھے دکھ لائی نہیں جاسکتی تھیں ان سب کو میں
نے (آج) اس جگہ سے دیکھ لی یہاں تک کہ بہشت اور دوزخ بھی دیکھ لیا ، اور مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے
کہ تم لوگ اپنی قبروں میں اس طرح یا اس کے قریب آدھے جاؤ گے۔ (فاطر کو یاد نہیں کہ اسماءؓ نے کونسا
کہہ کہا) جیسے سیدہ دجال سے آدھے جاؤ گے (تم سے) کہا جائیگا اس شخص کے بارے میں (یعنی حضور
اندر اس کے بارے میں) کیا اعتقاد رکھتے تھے ، ایماندار یا بدعتی رکھنے والا (معلوم نہیں اسماءؓ نے کونسا
لفظ کہا) کہیگا وہ محمدؐ ہیں ، اللہ کے رسول ہیں ، ہمارے پاس اللہ کی ہدایت اور دلیلیں لیکر آئے قوم نے
ان کا کہنا مان لیا اور ان کی پیروی کی وہ محمدؐ ہیں تین بار (ایسے ہی کہیگا) پھر اس کے کہا جائیگا کہ تو مزے
سے سو جا ہم تو (پہلے ہی) جان چکے تھے کہ ان پر یقین رکھنا ہے۔ اور منافق یا تک کر بولا (نہیں
معلوم کہ اسماءؓ نے کونسا لفظ کہا ان دونوں میں سے) یوں کہیگا میں کچھ نہیں جانتا (میں نے تو دنیا میں
کچھ غور ہی نہیں کیا) لوگوں کو جو کہتے سنا وہی میں بھی کہنے لگا۔

مطابقتہ للترجمۃ :- مطابقہ للعیدیت للترجمۃ طاہرہ فی "فاشارت براسماہی انعم ۵

تعدۃ الحدیث :- والحديث طهنا من رواية في الطهارة من ۳۳۳ و ۱۲۵ و ۱۲۴

ایضاً ۱۲۵ و ۱۲۴ و ۳۳۳ فی الاعتصام ۱۰۸۲۔

حضرت اسماءؓ کا مختصر حال

عن بنت ابی بکر الصديق زوجة النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ ماجدہ ہیں، ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور ستر برس کی عمر پر اکبر جباری الاولیٰؓ کے ساتھ حرم میں انکا انتقال ہوا مگر نہ کوئی دانت گرا اور نہ عقل و ہوش میں کوئی فرق آیا۔

سفر ہجرت میں توشہ دان باندھنے کو جب کچھ نہ ملا تو اپنی لکڑ کا پشکا بھاڑ کر ایک ٹکڑا سے توشہ دان باندھ دیا اس پر حضور اکرمؐ نے ذات النطاقین کے شرف سے نوازا اور ارشاد فرمایا کہ خداوند قدوس اس کے عوض جنت میں دو نفاق عطا فرمائیں گے۔

بڑی شجاع، صبر و استقلال کی پہاڑ تھیں، جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے اور حجاج بن یوسف نے ان کی نعش مبارک کو سوئی پر چڑھایا تو اپنے نو بہ نظر لخت جگر کے نقش پر تشریف لائیں اور فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ یہ شہ سوار سوار سے اترے؟ حجاج نے ان کو بلوایا، انکار کر دیا، دھمکی دی لیکن کوئی پروا نہ کی، حجاج خود آیا تو نہایت دلیری سے کہنے لگیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تعیف میں ایک کذاب ہو گا اور ایک سفاک، کذاب تو ہم نے دیکھا اور سفاک تیرے سوا کوئی نہیں۔

قامت ایت عایشہؓ دھبی قصی الخ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں الخ۔

اس میں نماز کسوف کا ذکر ہے جس کی پوری تفصیل تو ابواب کسوف میں آئے گی انشاء اللہ الرحمن۔ مختصر یہ کہ سترہ ربیع الاول میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی اتفاق سے اس روز سورج میں گہن لگا، حضور اقدسؐ نے الصلوٰۃ جامعۃ کے ذریعہ نماز کسوف کی سنائی کرائی صحابہ کرامؓ نماز کے لئے جمع ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف باجماعت پڑھائی نماز ہو رہی تھی کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں داخل ہوئیں، دیکھا کہ حضرت عائشہؓ نماز میں ہیں، حضرت اسماءؓ مسجد میں اتنے بڑے مجمع کو دیکھ کر گھبرا گئیں ازواج مطہرات حجروں میں سے حضور اقدسؐ کی اقتدا کر رہی تھیں اور حضورؐ مع اجماعت مسجد میں تھے، حضرت اسماءؓ نے حضرت عائشہؓ سے اس ہجوم کا سبب پوچھا حضرت عائشہؓ نے اسماءؓ کے جواب میں آسمان کی جانب اشارہ کیا اور سبحان اللہ کہا کہ یہ ہجوم اور پریشانی سورج گہن کی وجہ سے ہے۔

فاذا الناس خيام یہاں رذات میں تقدیم و تاخیر ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ حضرت اسماءؓ نے سوال سے پہلے لوگوں کے ہجوم کو دیکھا پھر سوال کیا فقالت سبحان اللہ حضرت عائشہؓ نے حضرت اسماءؓ کے سوال کا جواب آسمان کی جانب اشارہ سے دیا جو مفسد صلوٰۃ نہیں۔

اور سبحان اللہ ان کے سوال کے جواب میں نہیں بلکہ عائشہؓ نے تنبیہ فرمائی کہ میں نماز میں ہوں اور تم سوال کر رہی ہو، اور تنبیہ کے طور پر سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قلت ایہ اسرار کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے؟ یعنی ہمزہ استفہام محذوف ہے سورج کہن اور چاند کہن کو حضور اکرمؐ نے بھی آیتان فرمایا ہے اور بعض روایتوں میں یخوف اللہ عبادہ بھی ہے تاکہ چاند سورج کے پرستش کرنے والے اور غافل و بے کار اللہ تعالیٰ کے غضب و عقاب سے ڈریں۔

فاشارت براسہا ای نعم اسرار وایت میں فاشارت دو جگہ ہے مگر پہلی جگہ صرف فاشارت ہے اور دوسری جگہ فاشارت براسہا ہے اگر دونوں جگہ اشارہ بالراسیٰ مراد ہو تو ترجمہ الباب کا ایک جز اشارہ بالراسیٰ ثابت ہوگا اور پہلا جز اشارہ بالید سابق روایت سے ثابت ہوگا، لیکن موطا میں پہلی جگہ فاشارت مسید حاسہ اس صورت میں بود ترجمہ الباب اشارہ بالید والراسیٰ اس روایت سے ہی ثابت ہو جائیگا۔

مگر یہ حضرت عائشہؓ کا فعل ہے جو بظاہر مرفوع نہیں اس لئے امام بخاریؒ کا استدلال درست نہیں لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ یہ نماز کا واقعہ ہے اور نمازیوں کا حال آپؐ پر منکشف ہو جاتا تھا اور آج نماز کے بعد منع نہیں فرمایا اس لحاظ سے حکم یہ مرفوع ہے کہ آپؐ کی تقریر ثابت ہوگئی۔ (امداد الباری جلد خامس)

ففتحت حتی غلانی الغشی حضرت اسرار کہتی ہیں کہ میں بھی نماز کے لئے کھڑی ہوگئی، حضور اکرمؐ نے اس نماز میں قیام بہت زیادہ طویل کیا تھا اس طول قیام وغیرہ اور گرمی کی شدت کی وجہ سے مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ مطلب یہ ہے کہ غشی کے قریب کیفیت ہونے لگی یعنی سرچکرانے لگا معلوم ہوا کہ غشی سے مراد غشی مشغل یعنی بے ہوشی نہیں ہے کیونکہ بیہوشی ناقض وضو ہے اور اس پر واضح قرینہ خود روایت میں موجود ہے۔

فجعلت اصعب علی راسی اللہ اگر حقیقت غشی رہے ہوشی ہوتی تو سر پر پانی ڈالنے کا ہوش ہی کیا رہتا فجعہ اللہ الخ یعنی نماز کے بعد آپؐ نے خطبہ پڑھا اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا:-

ما من شیء لم اکن الرحیمۃ الا راجتہ مطلب یہ ہے کہ وہ سارے نفعی یا ثواب و عقاب جو دنیا یا آخرت میں ہمیشہ آنے والے تھے وہ سب دکھا دیئے گئے حتی الجنۃ والناس یہاں تک کہ بہشت و دوزخ بھی، الجنۃ والناس میں یمنون اعراب جاگڑے۔ رفع اگر حتی ابتدا یہ ہو، اور اگر حتی عاطفہ ہو تو نصب اور اگر حتی جارہ ہو تو جر۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور آپؐ نے اپنی جسم مبارک سے جنت و جہنم کو دیکھا جیسا کہ واقعہ معراج میں کفار و مشرکین جب مسجد اقصیٰ کے بارے میں سوالات کے تو آپؐ نے معجزاً قصی کا پورا نقشہ پیش کر دیا۔

بعض روایت میں ہے کہ جنت و دوزخ کی صورتیں قبل کی دلدل میں منتشل کر دیئے گئے جس طرح آئینہ کے اندر چیزوں کی صورتیں منتشل ہوا کرتی ہیں یا عالم مثال کو سامنے کر دیا گیا۔

اشکال :- اشکال یہ ہے کہ جنت و دوزخ کو تو آپؐ نے شبہ معراج میں دیکھا تھا؟

جواب :- اس روایت میں مقامی ہذا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سرزمین پر رہتے ہوئے میں نے جنت و جہنم کو بھی دیکھ لیا اور شیب معراج کا واقعہ عالم بالا کا ہے فلا اشکال۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنت و دوزخ اس وقت بھی موجود ہے، نیز قرآنی آیات سے ثابت ہے، لیکن یہ سوال کرنا کہ جنت و دوزخ اگر موجود ہے تو کہاں ہے اور کس طرف ہے؟ اس زمانہ میں توساری کائنات کا جغرافیہ معلوم کر لیا گیا ہے مگر کہاں جنت و جہنم کا پتہ نہیں؟

اولاً تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ ساری کائنات کا جغرافیہ معلوم کر لیا گیا کیونکہ دنیا کی عظیم دریافت نے بھی اس دعویٰ کی تکذیب کر دی ہے۔

ثانیاً اگر بالفرض تم نے معلوم کر بھی لیا تو صرف اس عالم کا جغرافیہ معلوم کیا جنت و جہنم کا وجود دوسرے عالم میں ہے، جنت و جہنم کے وجود کی دوسری نوع ہے ایک عالم کے اعتبار سے این و متی کا سوال ہو سکتا ہے مثلاً کوئی پوچھے کہ فلاں شہر کہاں ہے؟ کس طرف ہے؟ تو کہا جاسکتا ہے کہ پورب ہے یا بچم ہے، شمال میں ہے یا جنوب میں، کیونکہ اس کا تعلق ہمارے عالم سے ہے مگر جنت و جہنم کا تو عالم ہی اور ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ دار یعنی عالم تین ہیں۔ دنیا، برزخ، آخرت۔

ہر ایک کے قوانین و حالات جدا ہیں ایک عالم میں دوسرے عالم کا سوال ہی بے جا ہے، جو قانون وہاں ہے وہ یہاں نہیں، مثلاً عالم حیوانات ہے کوئی شخص گدھے سے کہے کہ انسان کا عالم ایسا ہے، اس کے ایسے کہانے ہیں، ایسے آرام ملتا ہے تو وہ کیا سمجھے گا؟ درحقیقت یہ تمام عالم موجود ہیں مگر ہماری نظریں انہیں نہیں دیکھ سکتیں جب عجب اٹھ جائیگا سب منکشف ہو جائیگا، یہی وجہ ہے کہ جب حجاب اٹھ گئے تو حضور اقدسؐ نے دیکھ لیا۔

مثلاً او قریب لا ادری الخ حضرت اسامہ کی شاگرد فاطمہ کہتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ حضرت اسامہؓ نے مثل فتنۃ المسیح الدجال کہا تھا یا قریب فتنۃ المسیح الدجال کہا۔ اسی طرح مومن کہا یا مومن کہا منافق کہا یا مومن کہا، یہ کمال احتیاط ہے کہ جس لفظ میں شبہ تھا اس کو ظاہر کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ قبر میں تمہارا امتحان ہوگا جو دجال کے فتنہ ہی جیسا ہو لٹاک اور شدید ہوگا یا اس کے قریب قریب۔

فتنۃ دجال سے اس لئے تشبیہ دی کہ یہ فتنہ مشہور ہے، حضرت نوحؑ ہی کے زمانہ سے انبیاء علیہم السلام اس فتنہ سے ڈراتے رہے ہیں مگر دونوں فتنوں میں بہت فرق ہے اس لئے کہ دجال کا فتنہ اس دنیا میں ہوگا جو دار تکلیف والعمل ہے، اس پر احکام کا مدار ہے۔ اور قبر کا امتحان تکلیف و عمل کے طور پر نہ ہوگا بلکہ اظہار عمل اور انجام پر مطلع کرنے کے لئے ہوگا۔

یقال ما علمک بهذا الرجل ای یقال للمفتون ما علمک بهذا الرجل (قدس) والجملة وقعت مقول القول یعنی تم سے کہا جائیگا کہ اس شخص (ذات اقدس) کے باب میں کیا عقیدہ رکھتے تھے، اس مسئلہ کی تفصیل تو انشاء اللہ کتاب الجنائز میں آئے گی۔

مختصراً ہے کہ یہ بتایا گیا ہے کہ قبروں میں تم آزارے جاؤ گے اور یہ آزارش دجال کے زیادہ کی آزارش کی طرح ہوگی یا اس کے قریب ہوگی۔ دجال کی آزارش کی صورت یہ ہوگی کہ جب وہ قبروں پر قوماں کہے گا تو شیاطین قبروں سے برآمد ہوں گے جن کی صورت مردے کی ہوگی لوگ اس سے اپنے رشتہ داروں کے متعلق سوال کریں گے تو وہ انہیں زندہ کر کے دکھلائیں گے، الوہیت کا دعویٰ کریں گے، قوماں باذن کے الفاظ اہل قبور سے کہیں گے اور مردے اٹھتے دکھائی دیں گے، یہ وقت انتہائی آزارش کا وقت ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس ابتلائے عظیم کی طرح ایک ابتلاء تمہیں اپنی قبروں میں ہمیشہ آنے والا ہے اور وہ یہ کہ منکر کبیر آئیں گے خوفناک صورت، سخت مزاج، پھرتہ نالی، سوال کریں گے من ربک، ما دینک، من هذا الرجل؟ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ یہ کون ہیں؟

هذا کا مشار الیہ کیا ہے؟ | قبر میں منکر کبیر کے تیسرے سوال میں هذا کا مشار الیہ کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں:-

۱۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ هذا الرجل سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ فرشتہ ما علمک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گے اس صورت میں انہذا الرجل راوی کی اپنی تعبیر ہوگی۔

۲۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں الاظهر انه سئل یعنی زیادہ ظاہر یہ ہے کہ فرشتہ آپ کا اسم مبارک (محمد) ذکر کر کے سوال کریں گے جبکہ بعض روایات میں لفظ محمد کی تصریح ہے۔

۳۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ تو اپنی جگہ تشریف فرما ہوں گے میت اور آپ کے درمیان سے حجاب اٹھا دیا جائیگا، جیسے معراج کے واقعہ میں فجلی اللہ فی بیت المقدس آیا ہے۔

۴۔ علامہ رشید احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صفات بیان کئے جائیں گے کہ ایسے ایسے شخص جو تمہارے پاس ایسی ایسی چیزیں لائے تھے ان کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ کیا قول ہے؟ (درس بخاری ص ۳۲)

نم صالحت اچھی طرح آرام کر۔ ہم نے نم کا ترجمہ "سوچا" نہیں کیا اس وجہ سے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو بھی کسی نہ کسی کام میں لگا دیتے ہیں، بعض تلاوت کرتے ہیں، بعض نمازیں پڑھتے ہیں۔

مکلف نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اب ان پر ضروری نہیں رہا مگر وہ یہ از خود بطور التذاذ کرتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اللہ ایک بار جنت میں پہنچا دے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں اب کسی اور چیز کی ضرورت نہیں بس ایک مصلیٰ بھر جگہ دیدی جائے کہ ہمیشہ نماز پڑھتے رہیں تو یہ اس لئے نہیں کہ وہ

سکلف ہیں بلکہ اس لئے کہ انہیں لذت اسی میں ملتی ہے جعلت فرقہ عینی فی الصلوٰۃ ۴
یہاں کافر مجاہد کا ذکر نہیں ہے مگر بعض روایات میں تصریح ہے اس لئے تحقیق یہ ہے کہ کافر سے
بھی سوال ہوگا۔ واللہ اعلم۔

باب ۶۷

تَحْرِیضِ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى أَنْ
يَحْفَظُوا الْإِيمَانَ وَالْعِلْمَ وَيُخْبِرُوا مَنْ قَرَأَهُمْ وَقَالَ
مَالِكُ بْنُ الْحَوَارِثِ قَالَ لَنَا النَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِرْجِعُوا إِلَى أَهْلِكُمْ
فَعَلِمُوهُمْ ۱۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ عبد القیس کے وفد کو اس بات کی ترغیب دینا کہ ایمان اور عمل کی باتیں یاد
کر لیں اور جو لوگ ان کے پیچھے (اپنے ملک میں) ہیں ان کو خبر کر دیں۔ اور مالک بن حواریث نے کہا ہم سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ اور انہیں (دین کا) علم سکھاؤ۔
گذشتہ باب میں استفتاء اور فتویٰ یعنی سوال و جواب کا ذکر تھا جس کا حاصل یہی ہے کہ علمی باتوں کو
ربط سمجھو اور دوسروں کو بتاؤ اب اس باب میں اسی چیز کو باتصریح بیان فرما رہے ہیں۔

مقصد ترجمہ

امام بخاریؒ کا مقصد اس ترجمہ سے اس بات کی تاکید ہے کہ علم حاصل کرنے کے بعد
تعلیم و تبلیغ سے غافل نہ ہوں نیز معلم کے لئے ضروری ہے کہ شاگردوں کو دو باتوں کی
ہدایت و تلقین کرے ۱۔ جو کچھ پڑھا اور سیکھا ہے اس کو پورے طور پر یاد کریں۔
۲۔ اور اسے اپنی ذات تک محدود نہ رکھیں بلکہ دوسروں تک پہنچانا بھی اپنے ذمہ سمجھیں۔

۸۶ • حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَسَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَنْدَرُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ
أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَتُرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ إِنَّ وَفَدَ
عَبْدَ الْقَيْسِ أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ الْوَفْدُ أَوْ مَنْ الْقَوْمُ
قَالُوا رَاسِبَةُ قَالَ مَحْبَا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرُ خَزَايَا وَلَا نَدَاغِي قَالُوا إِنَّا
نَاتِيكَ مِنْ شَقِيَّةٍ بَعِيدَةٍ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْعَمَى مِنْ كُفَّارٍ مُضْتَرٍّ
لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَاتِيكَ إِلَّا فِي شَهْرِ حَرَامٍ فَمَرْنَا بِأَمْرِ نَهَيْتُمْ بِهِ مَنْ وَرَأَيْنَا
نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ فَأَمَرَهُمْ بِارْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ
بِاللَّهِ وَحَدَّه قَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحَدَّه قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَاقَامُوا
الصَّلَاةَ وَابْتِئَاءَ الزَّكَاةَ وَصَوْمَ رَمَضَانَ وَتُعْطُوا الْخُمْسَ مِنَ الْمَغْنَمِ
وَنَهَاهُمْ عَنِ الذُّبَاءِ وَالْحَنْتِ وَالْمُرْتَبِ قَالَ شُعْبَةُ وَرَبَّمَا قَالَ

النَّصِيرِ وَرَبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرُ قَالَ احْفَظْهُ وَأَخْبِرْ مَنْ وَرَاءَكُمْ •

ترجمہ ایک دن عبداللہ بن عباسؓ نے کہا قبیلہ عبدالنقیس کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کون قاصد ہے یا (یہ پوچھا کہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ کے لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مبارک ہو تو تم کو آنا یا مبارک ہو اس وفد کو جو کبھی نہ سوا ہوا نہ شرمندہ ہوا اور کہنے لگے ہم آپؐ کے پاس دُور کا سفر کر کے آئے ہیں اور ہمارے اور آپؐ کے درمیان کفار و مضر کا یہ قبیلہ (پڑتا) ہے (اس کے خوف کی وجہ سے) ہم شہر حرام کے علاوہ اور ایام میں حاضر نہیں ہو سکتے اس لئے ہمیں کوئی ایسی قطعی بات بتلا دیجئے جس کی خبر ہم اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو کر دیں اور اس کی وجہ سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں تو آپؐ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا۔

ان کو حکم دیا خدا کے واحد پر ایمان لانے کا، فرمایا تم جانتے ہو خدا کے واحد پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا۔ یوں گناہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی (بچا) معبود نہیں ہے اور حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت کے مال سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔

اور ان کو منع کیا کہ دو کے تو بنے اور سب سے لاکھی برتن سے اور روغنی برتن سے۔ شعبہ نے کہا کہ ایچمرہ نے کبھی تو کہا اور کریدے ہوئے لکڑی کے برتن سے اور کبھی کہا عزت کے بدلے مفیر، آپؐ نے فرمایا اس کو یاد کرو اور اپنے پیچھے والوں کو اس کی خبر کر دو۔

مطابقتہ للترجمة:۔ مطابقة الحديث للوجوه ظاهرة في قوله "احفظوه واخبروه من وراءكم" •
پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے نصر الباری کتاب الغازی ص ۲۳۵ کا "باب وفد عبدالنقیس" نیز اس پہلی جلد میں کتاب الایمان کا باب منک حدیث ۵۱۸ دیکھئے۔

• بَابُ الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْئَلَةِ النَّازِلَةِ •

کوئی مسئلہ جو پیش آیا ہو اس کے لئے سفر کرنا (کیسا ہے؟)

ربط و مقصد گذشتہ باب میں علی الاطلاق تعلیم و تبلیغ کی ترغیب و تاکید تھی اور کلی علم کا ذکر تھا اب اس باب میں ایک جزئی مسئلہ کے لئے سفر کا اثبات فرما رہے ہیں کہ اگر ہنگامی طور پر کوئی خاص جزئی مسئلہ درپیش ہو اور علم معلوم نہ ہو اور نہ ہی مقامی طور پر کوئی مصلحتی موجود ہو تو ایسی صورت میں قیاس آرائی درست نہیں بلکہ سفر کر کے کسی عالم سے معلوم کرے۔

• ۸۷ • حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ قَالَ أَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَنَا عَمْرٍو

سعد بن ابی حسین قال حدثنی عبد اللہ بن ابی ملیکہ عن عقبہ بن الحارث أنه تزوج ابنته لابی اہاب بن عزیز فاشتد امرہ فقال لہ انی قد ارضعت عقبہ والسی تزوج بها قال لہا عقبہ ما أعلم انک ارضعتی ولا أخبرتینی فزکب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة فسأله فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف وقد قیل ففارقا عقبہ و نکحت زوجاً غیرہ •

ترجمہ عبد اللہ بن ابی ملیکہ نے بیان کیا انہوں نے عقبہ بن حارث سے سنا کہ انہوں نے (یعنی عقبہ نے) ابواہاب بن عزیز کی بیٹی (غنیہ) سے نکاح کیا پھر ایک عورت آئی (اس کا نام نہیں معلوم) کہنے لگی میں نے تو عقبہ اور اس کی دلہن (غنیہ) کو دودھ پلایا ہے، عقبہ نے اس سے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تو نے مجھ کو دودھ پلایا ہے نہ تو نے مجھ سے پہلے کبھی یہ بیان کیا، پھر عقبہ سوار ہو کر (اپنے ملک مکہ سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مدینہ کو چلے اور آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا (تو اس عورت سے) کیونکر (صحبت) کر گیا جب ایسی بات کہی گئی (کہ وہ تیری بہن ہے) آخر عقبہ نے اس کو چھوڑ دیا، اور اس دوسرے نکاح کر لیا۔

مطابقہ للترجمة :- مطابقہ الحدیث للترجمة ظاهرة فی قولہ "فزکب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

تعدد الحدیث :- والحديث ههنا ۱۹ ویاقی فی المبرع ۲۷۶ وفي الشهادات ۳۳۶ ایضاً ۳۶۳ وفي النکاح ۷۳ تا ۷۵ -

اشکال اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے ابواب سابقہ میں طلب علم کے لئے سفر باب الخروج نے طلب العلم میں بیان کر چکے ہیں اس لئے اب یہ باب الرحلة سے بظاہر تکرار معلوم ہو رہا ہے۔

جواب :- اس اشکال کا جواب ربط کے عنوان میں دیا جا چکا ہے قال الحافظ والفرق بین هذه الترجمة وترجمته باب الخروج فی طلب العلم ان هذا اخص وذالك اعم

تشریح امام بخاری نے حضرت عقبہ بن حارثؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عقبہؓ نے صرف ایک مسئلہ کے لئے مکہ سے مدینہ کا سفر کیا، امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا۔

حضرت عقبہؓ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابواہاب بن عزیزؓ کی لڑکی غنیہ سے نکاح کیا جس کی کنیت ام یحییٰ تھی جب شادی ہو گئی تو ایک عورت نے کہا کہ میں نے عقبہ اور غنیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے یعنی یہ دونوں رضائی بھائی بہن ہیں ان کا باہمی نکاح کیسے درست ہوگا؟ عقبہ نے کہا مجھے کوئی علم نہیں کہ تم نے مجھ کو دودھ پلایا ہے اور تم نے نکاح سے پہلے اس کی اطلاع دی، عقبہ کا مقصد یہ تھا کہ نکاح کا معاملہ چھپ چھپا کر نہیں ہوتا اگر یہ حقیقت ہے تو تم نے اس کی اطلاع پہلے کیوں نہ دی؟

حضرت عقبہؓ نے اس عورت کو تو یہ جواب دے دیا مگر اپنے اطمینان کی غرض سے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا کہ اس حالت میں ایک عورت کا قول معتبر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوت رضا کیلئے کافی ہے یا نہیں؟ | امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ تنہا دور حدیث نے دالی کی شہادت

کافی ہے مزید شہادت کی حاجت نہیں۔

امام احمدؒ کا استدلال اسی روایت سے ہے جس میں حضور اقدسؐ نے تنہا مرضعہ کی شہادت کا اعتبار فرمایا۔ جہورائے نزدیک ثبوت رضا کے لئے بھی نصاب شہادت ضروری ہے اور یہ نصاب شہادت عام خابطہ شہادت کے مطابق ہوگا جو دعاوی میں معتبر مانا جاتا ہے۔

واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان لکم علیہن جلیان فجعلوا منہن اثباتاً (البقرہ) اپنے مردوں میں سے دو شخصوں کو گواہ بنالیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ رحمہم اللہ کا بھی مسلک ہے اور یہ حدیث بظاہر امام احمدؒ کے موافق ہے۔

جہورائے کی طرف سے خابطہ کے جوابات:-

اس روایت سے خابطہ کا استدلال درست نہیں کیونکہ خابطہ کے نزدیک مرضعہ کی شہادت مع الیمین ضروری ہے اور یہاں شہادت ہی ثابت نہیں کیونکہ شہادت عدالت میں ہوتی ہے اور اس حدیث سے تو ظاہر ہے کہ مرضعہ دربار نبویؐ میں حاضر ہی نہیں ہوئی ہے چہ جائیکہ شہادت مع الیمین ہو۔

امام بخاریؒ نے کتاب الیموع میں اشارہ کیا ہے کہ تنہا مرضعہ کی شہادت سے تفریق کرانا عام قانون نہیں اور نہ شریعت حرمت کو ثابت کرتی ہے ہاں اس سے ایک قسم کا شک و شبہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے اس لئے دعایہ مایہ سیک الیٰ حالاً یرسیک کا لحاظ کر کے شبہ سے اجتناب کے لئے تو رعا فرمایا کیہت وقد خلیٰ یا لفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ حرمت کا قطعی حکم نہیں اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی تنہا مرضعہ کی شہادت موجب حرمت نہیں بلکہ صرف مورث شبہ ہونے کی وجہ سے احتراز کرنا چاہئے۔ نیز شبہ پیدا ہونے کے بعد اس بوی کے ساتھ مخالفت میں انبساط نہ ہوگا، عمر بھر کا معاملہ ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موجب انقباض رہے گا جس کا امور معاشرت و تربیت اولاد پر برا اثر پڑیگا۔

یہ مسئلہ کتاب الرضاع اور کتاب الشہادت کا ہے، مفصل بحث اپنی جگہ پر آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

• باب التناوب فی العلم • ۴۹

باب: علم حاصل کرنے کے لئے باری مقرر کرنا۔

مطلب یہ ہے کہ علیم الفرصت (کثیر المشاغل) کے لئے تحصیل علم کا طریقہ۔

ابواب سابقہ سے امام بخاری نے یہ بتایا تھا کہ تحصیل علم کے لئے اگر سفر کی ضرورت پیش آئے تو بھی تاثر نہ کرنا چاہئے اگرچہ صرف ایک سہل ہی کی خاطر سفر کرنا پڑے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو تحصیل علم کا جذبہ اور شوق ہے مگر کثرت مشاغل کی وجہ سے مہلت نہیں پاتا تو ایسے حضرات کے لئے امام بخاری باری کا طریقہ بیان کرتے ہیں۔

مقصد

ندیم الفرصت لوگوں کو تحصیل علم کا ایک طریق بتلانا مقصود ہے کہ گھر کے افراد طلب علم کے لئے باری مقرر کر لیں، ایک روز ایک شخص طلب علم کے لئے جائے اور دوسرے افراد اپنے ضروری کاموں میں مشغول رہیں یہ شخص جو کچھ سمجھ کر آئے شام میں گھر آ کر اپنے ساتھیوں کو سکھا دے، دوسرے روز دوسرا شخص طلب علم کے لئے جلاجلے اور رات میں آ کر دوسروں کو سکھا دے۔

۸۸ • حَدَّثَنَا ابُو الْيَمَانِ قَالَ اَنَا شَعِيبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ ابُو عَبْدِ اللَّهِ وَقَالَ ابْنُ رَهَبٍ اَنَا يُونُسُ عَنْ ابْنِ شَرَابٍ عَنْ عُمَيْدٍ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَجَارُكِي مِنْ الْاَنْصَارِ فِي بَنِي اُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاقَشُ الْقُرْآنَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَآيَةٌ يَوْمًا فَاذَا نَزَلَتْ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ وَإِذَا نَزَلَ فَقُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَتَزَلُّ صَاحِبِي الْاَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوَيْتُهُ فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا فَقَالَ أَتَعْرِفُ هُوَ فَفَرَعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ حَدَّثْتُ أَمْرًا عَظِيمًا فَدَخَلْتُ عَلَى مِفْصَلَةٍ فَاذَا هِيَ مَتَبَكِّي فَقُلْتُ أَطَلَّقَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَا اَدْرِي ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَأَنَا قَاتِعًا أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ قَالَ لَا فَقُلْتُ اللَّهُ اكْبَرُ

ترجمہ

حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ میں اور میرا ایک انصاری بڑا دوسرا عوالی مدینہ کے ایک گاؤں بنی امیہ بن زید میں رہتے تھے اور ہم دونوں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا کرتے تھے، ایک روز وہ حاضر ہوتا اور ایک روز میں، جس دن میں حاضر ہوتا تو اس دن کی ساری خبریں وحی وغیرہ جو آپ پر نازل ہوتی اس کو بتلا دیتا، اور جس روز وہ آپ کی خدمت میں جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا، ایک دن ایسا ہوا کہ میرا ساتھی انصاری اپنی باری کے دن آپ کی خدمت میں گیا اس نے وہاں سے آ کر میرا دروازہ زد سے کھٹکھٹایا، کہنے لگا عمر ہیں؟ میں گھبرا کر باہر نکل آیا وہ کہنے لگا آج تو بڑا سنا

ہوا آنحضرتؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی یہ سنکر میں نے اپنی بیٹی) حفصہ کے پاس پہنچا تو وہ رو رہی تھیں، میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو طلاق دیدی؟ اس نے کہا میں نہیں جانتی، پھر میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے کھڑے ہی کھڑے آپؐ سے دریافت کیا کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدیا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں میں نے کہا اللہ اکبر۔

مطابقہ للتحقیق :- مطابقہ للحديث للترجمة طاهر في قوله " كما متارب المنزول :-
تعدد الحديث :- والحديث ههنا ص ۱۱ و يأتي في ابواب المظالم ص ۳۳۳ وفي التفسير ص ۴۱۹ تا ص ۴۳۰
وفي النكاح ص ۱۰۷ والص ۱۰۸

تشریح حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا ایک بڑا دوستی انصاری بنی امیہ بن زید کے قتل میں رہتے تھے، اس انصاری کا نام عقیان بن مالک تھا، مدینہ منورہ کی شرقی جانب کو عوالی نیر مدینہ کے قریب بلندی پر جو گاؤں تھے ان کو عوالی کہا جاتا تھا اور جو علاقے مدینہ طیبہ سے مغرب جانب نشیب میں تھے ان کو سوانہل کہا جاتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ بنی امیہ بن زید عوالی مدینہ کا ایک گاؤں تھا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں نے بیٹے کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باری باری جایا کریں گے کیونکہ روزانہ گاؤں سے آئے جانے میں کسب معاش اور دیگر ضروریات میں حرج ہوتا تھا۔

ایک دن میرا بڑا دوست عقیان بن مالک آیا اور میرا دروازہ بہت زور سے کھٹکھٹایا اور دریافت کیا اُنتم ہاں کیا وہ یہاں ہیں؟ میں تو گھبرا کر ابھر نکلا آیا فقال حدث امر عظیم انصاری پڑوسی نے کہا آج تو ایک بڑا بھارتیہ پیش آگیا۔ یہاں روایت میں اختصار ہو گیا مفصل روایت خضہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے پوچھا اجاء غسانی، چونکہ اس وقت یہ خبریں سنی جاتی تھیں کہ مدینہ طیبہ پر غسانی چڑھائی کر رہے ہیں اسلئے حضرت عمرؓ کے دل میں فوراً اس طرف خیال گذرا، عقیان بن مالک نے کہا کہ نہیں بلکہ اس نے سبھی بڑھ کر حاد ثبہ کے حضور اکرمؐ نے ازدواج مطہرات کو طلاق دیدی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور اکرمؐ نے ایلا ونوی کیا تھا اور جاہلیت میں ایلا کو طلاق سمجھتے تھے اس لئے طلاق کی خبر شہور ہو گئی اور اسی کو حضرت عقیان نے نقل کر دی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو پریشان کرنے کیلئے منافقین نے مشہور کر دیا جس کو سنکر حضرت عقیان نے نقل کر دی بہر حال حضرت عمرؓ کو شبکھ رات گذر کر پہلے اپنی بیٹی حفصہؓ کے پاس پہنچے دیکھا تو وہ رو رہی ہیں، پوچھا کیا حضورؐ نے طلاق دیدی ہے؟ کہنے لگیں لا احدى۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کی پریشانی میں کچھ کمی ہوئی، حضرت حفصہؓ منہراج کی کچھ تیز تھیں حضرت عمرؓ نے بیٹی سے کہا کہ تمہیں دھوکہ نہ ہو کہ حضورؐ جس طرح عائشہؓ کو محبوب رکھتے ہیں مجھے بھی رکھیں، خبردار جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہنا، حضورؐ سے بھی نہ کہنا پھر حضورؐ گرم کی خدمت میں پہنچے اور حاضری کی اجازت چاہی میں مرتبہ اجازت چاہنے کے بعد اجازت ملی تو حاضر خدمت ہو کر سب پہلے یہ سوال کیا کہ کیا ازدواج مطہرات کو طلاق دیدی؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں، حضرت عمرؓ نے فرح و سرور بابت تعجب کیساتھ اللہ اکبر کہا۔ بہر حال امام بخاریؒ نے یہ ثابت کر دیا کہ ضرورت کی وجہ تحصیل علم کیلئے باری مقرر کرنا درست ہے اور بھی واضح ہو گیا کہ بہر حال علم سے لاپرواہی درست نہیں۔ نیز حضرت عمرؓ کے اس ثواب فی العلم سے ثابت ہوا کہ خبر واحد محبت ہے، مگر خبر واحد محبت نہ ہوتی تو ایک دوسرے کی خبر قبول نہ کرتے۔

بَابُ الْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ

وعظ کہنے یا پڑھانے میں ناپسندیدہ امر دیکھتے تو غصہ کرنا۔

ربط ما قبل علامہ عینی فرماتے ہیں کہ باب سابق میں تناوب فی العلم کا بیان تھا جو منجملہ متعلمین (یعنی طلبہ) کی صفات میں سے ہے اب اس باب میں بھی منجملہ طلبہ کے صفات کا ذکر ہے کہ معلم (استاد) اگر طلبہ کی کوئی ناپسندیدہ حرکت دیکھے، بے ضابطگی اور بد عنوانی پائے تو اظہار غصہ کر سکتا ہے اور بطور تنبیہ اظہار غصہ عین شفقت ہے لَآئِیَ الرَّحْمَتِ خَيْرٌ مِنَ الرَّحْمَتِ۔

مقصد مقصد یہ ہے کہ ہر جگہ غضب و غصہ قبیح نہیں ہے بلکہ بعض مواقع پر غضب ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُرُجُجہ پر غضب آتا تھا۔ ایک جگہ محارم توڑے جائیں، دوسرے لایعنی فضول سوالات پر۔

۸۹ • حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَفْيَانُ عَنْ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا أَكَادُ أَدْرِكُ الصَّلَاةَ مَتَى يُطَوَّلُ بِنَا فَلَا تُمْ فَمَارِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مُنْفِرُونَ فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمُرِضَ وَالضَّعِيفَ وَذُو الْحَاجَةِ •

ترجمہ حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں نے نماز پڑھا ہے اس لئے میں (جماعت کی) نماز میں شریک نہیں ہو سکتا (ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی وعظ میں اس دن سے زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا "اے لوگو تم لوگوں کو (جماعت سے) منفرد کرنے والے ہو، پس جو شخص لوگوں کو نماز پڑھاے تو ہلکی نماز پڑھے (یعنی مختصر پڑھے) کیونکہ ان میں بیمار، کمزور اور ضرورتمند (سب ہی قسم کے لوگ) ہوتے ہیں۔"

مطابق تہ للترجمة مطابق الحدیث للترجمة فی قوله "فی موعظة اشد غضبا من یومئذ" •

تعداد الحدیث والحديث ههنا ما وایاتی ۹۰ و فی الادب ۱۰ و فی الاحکام ۱۰ •

۹۰ • حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ ثنا سَلِيحُ بْنُ بِلَالٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُشَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ رَجُلًا عَنِ النَّقْطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ وَكَأَها أَوْ قَالَ وَعَلَوْها وَعِفا صَها نَعَرَ عَمْرٌ فَها سَنَتْ ثُمَّ اسْتَمْتَحَ بِها فَإِنْ جَاءَ رَبُّها فَأَدِّها إِلَيْه فَقَالَ فَصَالَةُ الْإِبْلِ فغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوْ قَالَ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ مَا لَكَ وَلِها مَعَهَا سِقَاؤُها وَ جَذَاؤُها تَرُدُّ الْمَاءَ وَتَرعى الشَّجَرَ نَذَرُها حَتَّى يَلْقَاها رَبُّها قَالَ فَصَالَةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ

اولاخیك اور اللذئیب •

ترجمہ

حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقطہ دگری پڑی ہوئی چیز کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا "اس کا بندھن پہچان لیا آپؐ نے فرمایا کہ اس کا برتن اور اس کی تھیل (پہچان لو) پھر ایک سال تک اس کی شناخت (کا اعلان) کراؤ پھر اس کا مالک ملے تو اس سے فائدہ حاصل کرو (یعنی اپنے کام میں لاؤ) پھر اگر (ایک سال کے بعد بھی) اس کا مالک آجائے تو اس کو ادا کر دو، اس نے پوچھا کہ گم شدہ اونٹ؟ (یعنی گم شدہ اونٹ اگر ملے تو کیا حکم ہے؟) یہ سن کر آپؐ اتنا غصہ ہوئے کہ آپؐ کے دونوں رخسارے سرخ ہو گئے یا در اوئی نے یہ کہا کہ آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا، آپؐ نے فرمایا تجھے اونٹ سے کیا واسطہ؟ اس کے ساتھ اس کی مشک اور اس کا جوتا ہے وہ خود پانی پر پہنچتا ہے اور درخت سے چر لیتا ہے لہذا اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک مل جائے۔ اس نے کہا کہ گم شدہ بکری؟ آپؐ نے فرمایا وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی (اس کے مالک) کے لئے یا بیٹے کے لئے (غذا) ہے۔

مطابقة للترجمة في قوله "فغضب حتى احمرت وجنتاه"

تعدل الحديث

والحديث ههنا ۱۹ وياتي في المساقات ۳۱۹ وفي اللقطة ۳۲۴ ايضا

۳۲۴ تا ۳۲۸ وايضا ۳۲۹ تا ۳۳۹ وفي الطلاق ۳۴۱ وفي الادب ۹۰۲

تشریح

نقطۃ (بضم اللام وفتح القاف) الشیء الملقوط، عمدۃ یعنی گری پڑی ہوئی چیز جس کا مالک موجود نہ ہو اٹھا لی جائے۔ بعض اہل لغت نے بسكون القاف بھی صحیح کہا ہے۔ اعرفت صیغہ امر از باب ضرب۔ وکاء بکسر الواو بندھن وہ رسی جس سے مشک وغیرہ باندھی جائے، نیز تھیل، ڈاٹ۔ وکاء بکسر الواو ظرف، برتن۔ سنۃ منصوب بنزع الخافض ای عمدۃ سنۃ۔ عرضہا سنۃ یہ مسئلہ تو دراصل کتاب اللقطہ کا ہے مختصر یہ ہے کہ ایک سال تک تعریف ضروری نہیں بلکہ لقطہ کی مالیت پیش نظر رکھتے ہوئے جب غن غالب ہو جائے کہ مالک یا بوس ہو گیا ہوگا تو یہ حکم ہے کہ واجد (پانے والا) اگر خود مسکین ہے تو خود صرف کر سکتا ہے اور اگر غنی ہے تو صدق علی الفقیر لازم ہے، اگر اس کے بعد مالک کا علم ہو گیا تو دونوں صورتوں میں ضمان لازم ہوگا الا ان یرضی المالك۔

فغضب غلب اس لئے تھا کہ اس زمانہ میں خیر غالب تھا اس لئے اونٹ کے ضائع ہونے کا کوئی احتمال ہی نہ تھا لہذا ضالۃ الابل کے بارے میں سوال کرنا فضول تھا، لیکن آج کل شرکی وجہ سے یہ حکم نہیں لہذا ضالۃ الابل کی حفاظت کے لئے اسے بچاؤ تعریف کرنا اور مالک پر زکر ضروری ہے۔ غرضیکہ اس زمانہ میں ضالۃ الابل اور ضالۃ الغنم کا ایک ہی حکم ہے۔

پوری تفصیل اس مسئلہ کی کتاب اللقطہ میں آئیگی انشاء اللہ الرحمان۔

۹۱ • حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا أبو أسامة عن بريد عن أبي بردة عن أبي موسى

قال سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن أشياء كبرها فلما أكثر عليه غضب ثم قال للناس سلوني عما شئتم فقال رجل من أبي قال ابولك حذافه فقام آخر فقال من أبي يا رسول الله قال ابولك سالم مولى شيبه فلما رأى عمر ما في وجههم قال يا رسول الله إنا نقول إلى الله عز وجل • ص ۱ تا ص ۲

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں دریافت کی گئیں جو آپؐ کو ناگوار ہوئیں چنانچہ جب اس طرح کے سوالات کی بہتات ہوئی تو آپؐ کو غصہ آگیا اور پھر آپؐ نے لوگوں سے فرمایا (اچھا تو نہیں ہے) اب جوچا ہو پوچھتے جاؤ، ایک شخص (حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ) نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے، پھر دوسرا کھڑا ہوا (سعید بن سالم) کہنے لگا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیرا باپ سالم ہے شیبہ کا آزاد کردہ۔ جب حضرت عمرؓ نے آپؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو کہنے لگے یا رسول اللہ ہم اللہ عز وجل کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔

مطابقہ للترجمة في قوله "فلما أكثر عليه غضب

تعدد الحديث • والمحدث ههنا ص ۱۹ تا ص ۲۰ ریاقی فی الاعتصام ص ۱۸۳

سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن أشياء كبرها فلما أكثر عليه غضب ثم قال للناس سلوني عما شئتم فقال رجل من أبي قال ابولك حذافه فقام آخر فقال من أبي يا رسول الله قال ابولك سالم مولى شيبه فلما رأى عمر ما في وجههم قال يا رسول الله إنا نقول إلى الله عز وجل • ص ۱ تا ص ۲

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات کئے گئے جو نا پسندیدہ تھے۔ دراصل یہ نامعقول اور غیر ضروری سوالات منافقین نے آپؐ کو لاجواب اور پریشان کرنے کیلئے کئے تھے اور بعض بھولے بھالے فلفلس مسلمان بھی نا فہمی سے اس میں مبتلا ہو گئے جیسا کہ عبد اللہ بن حذافہؓ اور سعید بن سالم جنھوں نے اپنے اپنے باپ کے متعلق سوال کیا۔

حضرت عبد اللہ بن حذافہؓ کو لوگ نسب کے بارے میں مطعون کرتے تھے کہ تم اپنے باپ حذافہ کے لطف سے نہیں ہو اس بنا پر حضرت عبد اللہؓ حضور اقدسؐ سے پوچھ بیٹھے یا رسول اللہ! میرے باپ کون ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا تمہارے باپ حذافہ ہیں، حضرت عبد اللہ بن حذافہؓ بہت خوش ہوئے کہ آج معاملہ صاف ہو گیا، لوگوں کے شکوک و شبہات ختم ہو گئے اب کوئی میرے نسب پر طعن نہیں کریگا خوشی خوشی گھر گئے اور ماں کو مزہ سنایا تو ماں نے ملامت کی اور کہا تو مجھے رسوا کرنے کے لئے لگ گیا تھا، جاہلیت کے دور میں فحور کی کثرت تھی خدا نخواستہ اگر تیری ماں سے غلطیاں سرزد ہوئی ہوتیں تو وہ آج کیسی رسوا ہوتی؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر حضورؐ کسی اور کو بتلاتے تو میں اسی کو باپ کہتا خواہ کچھ ہوتا۔

سبحان اللہ یہ تھا صحابہ کرام کا ایمان و یقین کی پختگی کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا تھا مگر ان کو جو یقین پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر تھا وہ کسی طرح ہمیں ٹل سکتا تھا۔

سلونی عما شئتم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی وجہ سے فرمایا تھا بعض نے حقیقت پر

محول کے سوالات شروع کر دیئے مگر حضرت عمر فاروقؓ نہ سمجھ گئے کہ آپؓ حالت غضب میں فرما رہے ہیں تو عرض کیا یا رسول اللہ! انا فتوب الی اللہ عزوجل صحیح بخاری ص ۱۸۳ پر اسی حدیث میں یہ الفاظ ہیں من احب ان یسئل عن شیء فلیسئل عندہ فواللہ لا تستلونی عن شیء الا اخبرتکم بہ ما دمت فی مقامی ہذا اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدسؐ کا معجزہ تھا جو اسی مقام کے ساتھ مخصوص تھا اس کا دوام و استمرار ثابت نہیں بلکہ لغو اس کی نفی کرتی ہے۔

باب من برك علی ركبتيہ عند الامام أو المحدث منہ

امام یا محدث کے سامنے دوزالو (ادب سے) بیٹھنا۔

رابطہ و مقصد گذشتہ باب میں عالم اور استاد کے اس غضب کا ذکر تھا جو متعلم کی بے ادبی اور بیوقوفی کی وجہ سے ہوتا ہے اب اس باب میں اس ادب و احترام کو بتایا جا رہا ہے جو متعلم کو استاد کے لئے اختیار کرنا چاہئے۔

امام بخاریؒ کا مقصد واضح ہے کہ متعلم کو اپنے استاد و شیخ کے سامنے ادب سے بیٹھنا چاہئے۔

● ۹۲ حدثنا أبو الیمان قال أنا شعيب عن الزهري قال أخبرني انس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج فقام عبد الله بن حذافه فقال من أبي قال ابولہ حذافه ثم أكثر أن يقول سلوني فبرك عمر على ركبتيه فقال رضيانا بالله ربنا و ربنا لا سلام دينا و بمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا ثلاثا فسكت ●

ترجمہ حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو عبد اللہ بن حذافہؓ کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے، پھر بار بار فرمانے لگے کہ مجھ سے پوچھو آخر حضرت عمرؓ نے یہ حال دیکھ کر دوزالو بیٹھ گئے اور کہنے لگے ہم اللہ کے رب ہونے سے اور اسلام کے دین ہونے سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے سے خوش ہیں تین بار یہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

مطابقہ للترجمہ مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة في قوله "فبرك عمر على ركبتيه" تعدل الحديث ههنا ص ۲ و يأتي ص ۳ وفي التفسير ص ۶۶ وفي الدعوات ص ۱۴۱

وص ۱۰۵ وفي الاعتصام ص ۱۸۳

تشریح حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو عبد اللہ بن حذافہؓ نے کھڑے ہو کر آپؐ سے پوچھا کہ میرے والد کون ہیں؟

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں حذف ہے جو دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ والمقدیر

خرج فسئل فاکثر ما علیه فغضب فقال سلونی فقال عبد اللہ بن حذافہ الخ آیا باہر تشریف لائے جب آپ سے سوالات کی بہتات ہوئی تو آپ عفتہ ہو گئے اور فرمایا جو چاہو پوچھو اس وقت حضرت عمرؓ نے دو چیزیں اختیار فرمائیں ایک تو آپ کے سامنے دو زانو ہو کر ادب سے بیٹھ گئے۔

دوسری یہ کہ زبان سے یہ کلمات دہرنے شروع کر دیئے "ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں، بعض روایتوں میں "والمقرآن احماً" اور قرآن کے امام ہونے پر راضی ہیں۔

یعنی اب ہمیں کسی سوال کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کا فہم ابن بطالؒ کہتے ہیں کہ ان کلمات سے حضرت عمرؓ کے فہم و بصیرت اور علم و فضل کا پتہ چلتا ہے، حضرت عمرؓ جب سمجھ گئے کہ سوالات لعنت اور شک کے طور پر ہیں تو ڈرنے لگے کہ شاید اس وجہ سے نزول عذاب ہو جائے چنانچہ حضرت عمرؓ کے ان کلمات سے آپ راضی ہو گئے اور آپ کا غصہ فرو ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کے ان کلمات میں جہاں حضور اقدسؐ کے لئے تادب و احترام تھا وہاں مسلمانوں کے لئے جذبہ شفقت بھی تھا کہ آپ کو اذیت پہنچا کر اس آیت کے مصداق نہ بنیں:

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ واعدّ لہم عذابا
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں یقیناً اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ واعدّ لہم عذابا
مہینا۔ (احزاب)

اس سے ہر متعلم کو سبق ملتا ہے کہ اسٹاذ سے فیما یتحتاج الیہ کے سو سوالات نہ کئے جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ ایسے سوالات جن سے اپنی قابلیت و بڑائی کا اظہار مقصود ہو یا دوسروں کی توہین و تذلیل ہو ممنوع ہیں ورنہ مسلم مسئلہ ہے فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون اگر علم نہ ہو تو فرما لیں یا پوچھنا فرض، واجبات کا پوچھنا واجب اور مستحبات کا پوچھنا مستحب ہے۔

باب من أعاد الحدیث ثلاثاً لیفہم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ألا قول الزور

فما زال یکررہا وقال ابن عمر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هل بلغت ثلاثاً

ربط گذشتہ باب میں متعلم کے ادب و احترام کو بیان کیا گیا تھا اب اس باب میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جب متعلم اتنا مؤدب و وفادار ہے تو معلم کو بھی چاہیے کہ تعلیم و تفہیم میں اس کی رعایت کریں۔

اگر مسئلہ اہم ہے یا مشکل ہے تو افہام کے لئے مکرر سے مکرر بیان کریں۔

مقصود امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ معلم کو چاہئے کہ تعلیم میں متعلمین و محاطین کا خیال رکھے مثلاً مضمون مشکل ہے یا تسہل ذہین نہیں ہے تو مضمون کو مکرر یہ کر بیان کر دے جیسا کہ لیفہم سے واضح ہو رہا ہے یہ مطلب نہیں کہ ہر ہر بات کو دہرایا جائے بلکہ جن مواقع میں تکرار کی ضرورت ہو وہاں مکرر بیان کرے۔
۲ امام بخاری کا مقصد ان لوگوں کا رد ہے جو حدیث کے دہرانے کو یا تسہل کی جانب سے دہرانے جانے کی طلب کو درست نہیں سمجھتے۔

۳ بعض نے بیان کیا کہ امام بخاری اس ترجمہ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بلید (غبی) کے لئے زیادہ سے زیادہ تین بار دہرایا جاسکتا ہے۔ (فتح)

الا و قول المزور هو طرف من حديث ابي بكرة سياقي موصولاً في الشهادات ۳۶۳
۹۳ • حدثنا عبد الله بن عبد الصمد قال ثنا عبد الله بن المثنى قال ثنا ثمامة بن عبد الله بن النسي عن النسي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثاً حتى تفهم عنه وإذا أتى على قوم فسلكم عليهم سلم عليهم ثلاثاً •
ترجمہ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات فرماتے تو تین بار فرماتا تاکہ لوگ اس کو (خوب) سمجھ لیں اور جب کسی قوم کے پاس تشریف لاتے تو ان کو سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔

مطابقته للترجمة مطابقته الحديث للترجمة ظاهرة في قوله "إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثاً"

والحديث ههنا من ۲ و يأتي في كتاب الاستيذان ۹۳۳

اعادة حديث مختلف اغراض سے ہوا کرتا ہے:

(۱) دور پہلے ہوئے لوگوں کو آواز پہنچانا مقصود ہو۔ (۲) اعادہ بغرض تفسیم۔ (۳) اہتمام کے لئے۔
اذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثاً ہر گز سے یہ معاملہ نہ ہوتا تھا بلکہ جس کا اہتمام مقصود ہوتا یا جس کے کھنے میں کچھ وقت ہوتی اس کا اعادہ فرماتے تھے چنانچہ حدیث کے الفاظ حتی تفہم عنہ اس پر دلیل ہیں۔

مسلم علیہ ثلاثاً بعض نے کہا ہے کہ ایک سلام استیذان، دوسرا سلام تحیہ تیسرا سلام دواع ہوتا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مجلس عظیم سے متعلق ہے کہ ایک سلام اس کی ابتداء میں، ایک وسط میں اور ایک انتہا پر کہتے تھے۔ بہتر تو جیہ یہ ہے کہ یہ تینوں سلام استیذان کے لئے ہوتے تھے اس پر دلیل حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے تین مرتبہ سلام استیذان پر جواب نہ ملا تو واپس چلے گئے حضرت عمرؓ نے بلا کر واپسی کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یوں ہی ہے، حضرت عمرؓ نے مزید تاکید کے لئے اس پر شہادت طلب فرمائی تو اصغر القوم

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شہادت طلب فرمانا سیاست تھا تا کہ ابتداء ہی سے روایت حدیث کی بنیاد مضبوط ہو، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مدینہ کے بچے بھی عمر سے اہم ہیں (حقیقت حوصلہ بڑھانے کے لئے یوں فرمایا۔)

● ۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُرْوَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَاهَلَكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمِيرٍ وَقَالَ تَخَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ فَأَذْرَكْنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلَاةَ صَلَاةَ الْعَصْرِ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بَاعِثِي صَوْتَهُ وَيْلٌ لِلْإِعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ●

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے پھر آپؐ ہم سے اس وقت ملے جب عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے پس اپنے پیروں کو (معمولی سا دھو رہے تھے گویا) مسح کر رہے تھے آپؐ نے بلند آواز سے پکارا دوزخ سے ایڑیوں کی خرابی ہونے والی ہے دوبار یا تین بار یونہی فرمایا۔

مطابقتہ للترجمہ مطابق الحدیث للترجمة في قوله "مرتين او ثلاثا"

والحدیث قد مضی ص ۱۷۰ رھنما ص ۲ و یاق ص ۲۸

تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیے باب ۲۵ حدیث ۵۸

باب تعلیم الرجل اُمّته وَاَهْلَهُ

مرد کا اپنی باندی اور گھروالوں کو (دین کا علم) سکھانا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ باب میں تعلیم عام کا ذکر تھا اب اس باب میں تعلیم خاص کا بیان ہے ختمنا سبباً من هذه الجهة (عمدہ)

مقصود یہ ہے کہ تعلیم ضروری ہے اور ہر شخص کو علم حاصل کرنا چاہئے ہندو مذہب کی طرح نہیں کہ صرف برہمن ہی فضیلت علم حاصل کر سکتا ہے۔

اور نسیم تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ تعلیم صرف مردوں کے ساتھ خاص نہ رہے بلکہ عورتوں کو بھی اس کا ضروری حصہ ملنا چاہئے بلکہ عورتوں کی تعلیم اس لئے بھی اہم ہے کہ ماں کی آغوش شفقت بچوں کا پہلا مدرسہ ہے، پھر عورتوں میں بھی حائر ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ باندیوں کو بھی دینی تعلیم دینی چاہئے اور مردوں کے فرائض منصبی میں یہ داخل ہے۔ مگر یہاں دینی تعلیم و تربیت مراد ہے وہ تعلیم و تہذیب جس سے آدمی بے حیا اور شیطان بن جائے واللہ درالقائل

ہم ایسے ہر سبق کو قابل ضبطی سمجھتے ہیں کہ جس کو پڑھنے کے لڑکے باپ کو ضبطی سمجھتے ہیں

امام بخاریؒ نے ترجمہ میں امتہ اور اہل کا ذکر فرمایا ہے یعنی اپنی لونڈی اور گھردالوں کو علم دین کھانا مگر جو حدیث لائے ہیں اس میں امتہ کا ذکر ہے اہل کا ذکر نہیں ہے مگر باندی پر قیاس کر کے اہل کی تعلیم کا مسئلہ اس طرح ثابت ہو گا کہ جب باندی کی تعلیم ضروری ہوئی تو حرہ بیویوں اور گھردالوں کی تعلیم بطریق اولیٰ ثابت ہوگی۔

۲ حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان اپنی لونڈی اور بیوی کی تعلیم پر مامور ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، الامام راع ومسئول عن رعیتہ والرجل راع فی اہلہ وھو مسئول عن رعیتہ۔ الحدیث بخاری ص ۱۲۲

۹۵ • حدثنا محمد بن ہریرۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ لہم اجران رجل من اہل الکتاب آمن بنبیہ وآمن بمعہ والعبد المملوک اذا اذی حق اللہ وحق مولیہ ورجل کانت عنده امۃ یطأھا فاذبہا فاحسن تادیبہا وعلّمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا فتنکحھا فله اجران ثم قال عامر اعطینا کما بنیئ شیئ قد کان یرکب فیما دونہا الی المدینۃ •

ترجمہ | ابو بردہ اپنے والد (ابو موسیٰ اشعریؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کے لئے دو گنا ثواب ہے۔ ایک شخص اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے جو اپنے پیغمبر پر ایمان لایا تھا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، دوسرے وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی، تیسرے وہ شخص جس کے پاس ایک لونڈی ہو وہ اس سے صحبت کرتا ہو پھر اس کو اچھی طرح ادب سکھائے اور اچھی طرح تعلیم دے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دو ہزار ثواب ملے گا۔ عامر شعبیؒ نے خراسانی سے کہا ہم نے تم کو یہ حدیث بدون مشقت سنا دی ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگ اس سے کم حدیث کے لئے مدینہ تک سوار ہو کر جاتے۔

مطابقہ للترجمہ | مطابقہ الحدیث للترجمۃ فی قولہ "وعلمھا فاحسن تعلیمھا" تعدد الحدیث | والمحدث ھنہا ص ۲ ویا قی ص ۳۶۶ ایضا ص ۳۶۶ وفی الجہاد ص ۴۲۲ وفی کتاب الانبیاء ص ۴۹ وفی النکاح ص ۵۱

تشریح | ہوا بن سلام رحمہ اللہ - یہ ہوا بن سلام امام بخاریؒ کے تلمیذ فریریؒ کا مقولہ ہے اصل روایت میں نہیں ہے فریریؒ نے تشریح کے لئے اضافہ کیا ہے۔ یہ حضرات محدثین کا احتیاط ہے کہ جب اصل روایت میں کسی لفظ کا اضافہ کرتے ہیں تو یعنی یا وھو کا اضافہ کر دیتے ہیں

تا کہ امتیاز ہو جائے۔

ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ تَيْنِ آدَمِيَّوْنَ كُودُورِ الْجَزْلِ كَا۔ ایک تو اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا، قرآن حکیم میں اس کا ذکر موجود ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ
وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ
مَنْ رَبُّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ
يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا -
پارہ ۲۰، رکوع ۹ (سورہ قصص)

حافظ نے اور بھی بہت سے لوگ ایسے ذکر فرمائے ہیں جن کے لئے تضعیف اجر کا وعدہ ہے، چونکہ عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا لہذا کوئی تعارض نہیں پس یہاں تین کا عدد تحدید کے لئے نہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ ان تین کے ذکر کا کوئی داعیہ ہوگا۔

اور یہ تو رات دن کا مشاہدہ ہے کہ مقررین و واعظین جس وقت اور جس مقام پر جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اس کو بیان کرتے ہیں کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ صرف یہی چیزیں اہم ہیں جس کو اس وقت بیان کیا گیا بلکہ ہر شخص بھی سمجھتا ہے کہ حاضرین کی مصالحت کی بناء پر ان کو خصوصیت سے بیان کیا گیا۔

یہاں بحث ہے کہ دو اجر دو عملوں پر ملتے ہیں یا اس طور
البحث فی تحقیق سبب الاجرین
کہ ہر ایک عمل پر ایک اجر یا کہ ہر ایک عمل پر دو دو اجر

ملتے ہیں؟

علماء دونوں جانب گئے ہیں مگر صورت اولیٰ پر دو اشکال لازم آتے ہیں:

اشکال اول
پہلے دو شخصوں نے دو دو کام کئے ہیں لہذا ان کے لئے اجرین کا ہونا صحیح ہے مگر تیسرے شخص نے کئی کام کئے ہیں۔

جواب :- اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اعتاق کا ما قبل تعلیم و نادب وغیرہ اعتاق میں داخل ہے یعنی ایک عمل اعتاق (آزاد کرنا) اور دوسرا عمل نکاح۔

اشکال دوم
جب عمل دو ہیں تو اجر بھی دو ہی ہوں گے یہ عام قاعدہ ہے کہ جتنے اعمال اتنے ہی اجر تو مذکورہ اشخاص کی وجہ فضیلت کیا ہوئی؟

اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا۔

سبب الطف توجیہ
نہ دو عمل پر دو اجر کا وعدہ مقصود ہے اور نہ ہر ایک عمل پر دو اجر کا بلکہ اعمال مذکورہ میں سے جو عمل ترتب اجرین کی صلاحیت رکھتا ہے صرف اس پر

دو اجر میں گے اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمل میں جتنی مشقت زیادہ ہوگی اسی قدر اس پر اجر زیادہ ہوگا۔ مقولہ مشہور ہے: **العطایا علی قدر البلیا**۔ چنانچہ صحیحین کی حدیث ہے:-

المأجر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة
والذي يقرأ القرآن ويقتنع فیه وهو
علیه شاق له اجران۔ (مسلم اول ص ۲۶۹)

قرآن کا شاق ان بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہے جو لوہے کی
کے پاس لکھتے رہتے ہیں اور جو قرآن پڑھتا ہے اور اس میں
لکھتا ہے (دک کر پڑھتا ہے) اور اس کو محنت ہوتی ہے
اس کے لئے دو اجر ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو قرآن کو ایک ایک کر یا تاکر پڑھتا ہے اسے بہت مشقت ہوتی ہے زبان پر الفاظ
بہت مشکل سے آتے ہیں مگر وہ بہت نہیں ہارتا، کلام الہی کے بیش نظر بڑی محنت سے پڑھنے کی
کوشش کرتا ہے تو اس کے لئے ایک اجر قرأت کا اور ایک محنت کا۔

ارشاد الہی **أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا**۔ میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ تضعیف
اجر مکارہ نفس پر صبر اور مشقت کی وجہ سے ہے پس اعمال مذکورہ فی الحدیث میں جس عمل میں مشقت زیادہ
ہوگی اسی پر ترتیب اجرین ہوگا۔

سیر مذکورہ نیز، ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر وہ عمل (ماوربہ) جو مزامنت کے ساتھ کیا جائے جس
میں مشقت و صوبت زیادہ ہو اور وہ فشار شریعت کے مطابق ہو اس پر یہ دو اجر ہوگا۔ چنانچہ علامہ
سیوطی نے تیس سے زیادہ اعمال کو بیان کیا ہے جس میں احادیث کے اندر دو اجر کی بشارت موجود ہے۔

اب حدیث کو ملاحظہ فرمائیے:-
اس میں پہلے شخص کو ایمان بجمہد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دو اجر ملیں گے اس لئے کہ ایک دین کو
چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا بہت مشکل امر ہے خصوصاً جبکہ پہلا دین بھی سادہ ہو اور بعد میں آئیوالا
نبی اس کی تصدیق بھی کرتا ہو۔

اسی طرح جو شخص حق موالی کے ساتھ حقوق اللہ بھی ادا کرتا ہو اجرین کا اس لئے مستحق ہے کہ اس
میں بڑی مشقت ہے کہ شب و روز مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہنے کے باوجود حقوق اللہ سے
غافل نہ رہے۔

یہی حال سب سے شخص کا ہے کہ اولاً جاریہ کو تعلیم دینا اور ادب سکھانا بھی باعث مشقت ہے پھر
اس سے نکاح کرنا تو بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ اسے بہت محبوب سمجھا جاتا ہے۔ غرضیکہ لوگوں کے طعن و تشنیع
کی پرواہ نہ کرنا اور جاریہ کو مساویانہ حقوق دیدینا بہت بڑا مجاہدہ ہے اس لئے اس پر اجرین کا وعدہ ہے۔

آمن بنیہ:-

اشکال

یہ یہود کو بھی شامل ہے حالانکہ یہود کا ایمان بوسنی علیہ السلام اس لائق نہیں کہ اس پر اجر ملے کیونکہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور بزعم خود آپ کو سولی پر چڑھایا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ایک نبی کی تکذیب سے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر بھی ایمان نہیں رہتا لہذا تکذیب عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ایمان بوسنی علیہ السلام بھی ساقط ہو گیا تو اس پر اجر کیسا؟

جواب :- بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اہل کتاب سے نفاری مراد ہیں۔ مگر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے عموم کو ترجیح دی ہے۔ نیز حدیث کا خصوص تسلیم بھی کر لیا جائے تو آیات قرآنیہ "یؤتیکم کفیلین من رحمۃ" اور "اولئک یؤتوہ اجر ہم مرتین" سب اہل کتاب کو شامل ہیں، اور حضرت عبداللہ بن سلام و انسا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو یہود میں سے تھے۔

(۲) صحیح جواب دو مقدموں پر موقوف ہے :-

مقدمہ اولی :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیام قیامت تک کافۃً للناس اور عام ہے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کسی خاص قبیلہ یا خاص علاقہ کی طرف ہوا کرتی تھی جیسا کہ اللہ شاد نبوی ہے کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃً و یبعث الی الناس کافۃً۔ (بخاری اول ص ۶۷)

مقدمہ ثانیہ :- ایک علاقہ یا ایک قوم کی طرف مبعوث نبی کی دعوت اگر دوسری قوم یا دوسرے علاقہ تک پہنچے تو ان پر اقرار توحید اور اس نبی کی تصدیق لازم ہے مگر التزام طاعت ضروری نہیں جبکہ وہ کسی دوسرے دین ساوی پر عامل ہوں۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے آباء و اجداد اصل میں شام کے باشندے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

بخت نصر نے جب شام پر حملہ کیا تو یہ حجاز کی طرف آگئے اور بنی اسرائیل سے ان کے تعلقات بالکل منقطع ہو گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض حواری تبلیغ کرتے ہوئے روم، ترک اور انطاکیہ تک پہنچے ہیں، مدینہ منورہ کے گرد نواح میں یہودیوں کا بھی ثبوت ہوتا ہے مگر ان کی دعوت کا مدینہ میں یہودیوں کا ثبوت نہیں، اور اگر مدینہ میں یہودیوں کا تسلیم بھی کر لیا جائے تو عبداللہ بن سلامؓ کی تکذیب ثابت نہیں، ممکن ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی ہو مگر التزام طاعت نہ لیا ہو جو ان کے ذمہ ضروری نہ تھا۔

(۳) قال الطیبی رحمہ اللہ یحتمل اجراء الحدیث علی عمرہ اذ لا یبعد ان

یكون طریقان الايمان بمحمد صلى الله عليه وسلم سببا لقبول تلك الاديان وان كانت منشقة
مطلب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں اہل کتاب سے عام مراد لیا جائے اور یہود و نصاریٰ دونوں کو شامل
رکھا جائے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کسی کا ایمان فی حد ذاتہ معتبر و نافع نہیں تھا لیکن ہو سکتا ہے کہ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسوخ شدہ دین پر بھی اجر دے دیں، جیسا کہ کتاب
الایمان میں ایک مسئلہ گذر چکا ہے کہ کافر نے حالت کفر میں کوئی نیک کام کیا تو قواعد کے اعتبار سے وہ نیکی
بالکل بیکار اور کاغذی ہے مگر مسلمان ہو جانے سے اگر ایمان و اسلام کی برکت سے حالت کفر کی نیکی پر اگر
ثواب مرتب ہو جائے تو یہ قواعد کے خلاف نہیں۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ کا ایمان اگرچہ معتبر و نافع نہ تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی برکت سے
وہ بھی معتبر ہو گیا، اس کا راز یہ ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے وہ حضرت موسیٰ و حضرت
عیسیٰ علیہما السلام پر بھی صحیح ایمان لاتا ہے اس لئے اس کے ایمان سابق کی بھی عزت افزائی اور صحیح ہو گئی۔
اشکال اہل کتاب نے دین میں تحریف کر ڈالی تھی، تعدد الہ کے قائل تھے اور کئی مزا، گمراہ عقائد
بنائے تھے پس ان کا ایمان بھی ہم مستحق اجر کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب :- علامہ طبریؒ کے قول مذکور سے اس کا جواب ہو گیا کہ ان کا اپنے نبی پر ایمان اگرچہ فی نفسہ غیر
معتبر تھا مگر ایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ بھی معتبر ہو گیا، جیسے حالت کفر کے حناات غیر معتبر
ہیں مگر اسلام لانے پر اسلام کی برکت سے حالت کفر کی حناات پر بھی ثواب ملے گا۔

نکتہ از محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لاتا ہے وہ ہر وقت دو ایمان کو جامع ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل کتاب کا ایمان اپنے نبی سابق پر بالاستقلال
اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضمنا تھا کیونکہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی بشارت دی ہے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا تو آپ پر ایمان بالاستقلال
اور نبی سابق پر ضمنا ہو گیا۔ پس چونکہ اس کا ایمان ہر وقت دو ایمانوں کو شامل ہے اس لئے اسے دو
اجر ملتے ہیں (ارشاد القاری)

ثم قال عامر اعطينا كمالا الو عامر شعبي تابعي ہیں، شعبي نے اعطينا كمالا میں کس کو خطاب کیا ہے؟
علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ عامر شعبي اپنے شاگرد صالح سے کہا مگر یہ درست نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ خطاب
ایک خراسانی شخص کو ہے جس نے شعبي سے کہا کہ ہمارے علاقہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی نو نڈی کو آزاد
کر کے نکاح کرنے والا کالراکب بدنہ ہے، یعنی جس طرح قربانی کے ادب پر سواری بلا عذر براہے
اسی طرح یہ نکاح براہے۔

حضرت ثعلبیؒ نے جواب دیا کہ وہ لوگ غلط کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ ایسے شخص کو دو اجر ملے گا۔ ملاحظہ ہو بخاری اول صفحہ ۴۹ نیز مسلم کتاب الایمان۔
بغیر مشی یعنی مفت میں گھر بیٹھے یہ حدیث صحیحہ کو سناری المرزہ۔

بَابُ عِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءِ وَتَعْلِيمِهَا

امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو دین کی باتیں سکھانا۔

رابطہ و مقصد

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں تعلیم خاص کا ذکر تھا کہ ہر شخص اپنے گھر والوں کو تعلیم دے خواہ آزاد ہوں جیسے بیوی اور اولاد، یا باندی و لونڈی ہو تقسیم تعلیم کا تقاضا یہی ہے اب اس باب میں تعلیم عام کا ذکر ہے کہ امام المسلمین اور حاکم سبھی عورتوں کی تعلیم کا نظم کرے کیونکہ ہر شوہر تعلیم یافتہ نہیں ہوتا اس لئے امام و حاکم کی ذمہ داری ہے کہ تعلیم نسواں کا انتظام کرے۔

(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں اس کا بیان تھا کہ شوہر کو بیوی اور آقا کو اپنی باندی کی تعلیم کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اب یہ بتانا چاہئے ہیں کہ صرف شوہر و آقا ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ وقت کے حاکم و امام یا اس کے نائب کو بھی اس کا انتظام و اہتمام کرنا چاہئے۔

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ امام عورتوں کے مجمع کو وعظ مناسک، ضروریات دین سکھائے۔ حکم راع و حکم مسئول عن رعیتہ۔ البتہ عورتوں کی تعلیم مردوں سے الگ ہونا چاہئے۔ مخلوط تعلیم نقصان دہ نہ سے خالی نہیں۔

۹۶ • حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ ثنا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَیَاحٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ اشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ عَطَاءُ اشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ النِّسَاءَ فَوَعِظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَاتِ فَجَعَلَتِ الْمَوَاتَا تُلْقِي الْقِرَاطَ وَالْخَاتِمَ وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ وَقَالَ اسْمَعِيلٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ •

ترجمہ | عطاء ابن ابی رباح نے کہا میں نے ابن عباسؓ سے سنا انھوں نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں، یا عطاء نے کہا میں ابن عباسؓ پر گواہی دیتا ہوں درادی کو تنگ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (مردوں کی صف سے) نکلے اور آپ کے ساتھ بلالؓ تھے آپ کا خیال ہوا کہ عورتوں تک میری آواز نہیں پہنچی، پھر آپ نے عورتوں کو نصیحت کی اور ان کو حد تک نہ کرنے

کا حکم دیا تو کوئی عورت بے بی بالی پھینکنے لگی، کوئی انگوٹھی اور بلالؓ نے اپنے کپڑے کے کونے میں (یہ خیرات) لینا شروع کی۔ اس حدیث کو اسمعیل بن علیؓ نے ایوب سے روایت کیا ہے انھوں نے عطاء سے کہ ابن عباسؓ نے یوں کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں (اس میں شک نہیں ہے)۔

مطابقتہ للترجمہ مطابقتہ الحدیث للترجمة في قوله "فوعظهن وامرهن بالصدقة"

والحدیث ۱۱۹ و ۱۳۱ و فی خروج الصبیان ۱۳۳

وفی باب العلم بالمصلی ص ۱۳۳ و فی باب معظمتہ الامام النساء ص ۱۳۳ و فی باب الصلوة قبل العید ص ۱۳۵ و فی الزکوۃ ص ۱۹۲ و فی التفسیر ص ۱۹۵ و فی النکاح ص ۱۹۹ و فی اللباس ص ۲۰۰ و فی باب القلائد والسخاب ص ۲۰۰ و فی باب القراط للنساء ص ۲۰۰ و فی الاعتصام ص ۲۰۹

تشریح خراج و معہ بلالی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عید کے موقع پر جب نماز اور خطبہ سے فارغ ہوئے تو یہ خیال ہوا کہ عورتیں پیچھے بیٹھی ہیں شاید ان تک میری آواز نہ پہنچی ہو تو آپؐ نے بلالؓ کو ساتھ لیکر مردوں کے صف سے نکلے اور عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں "ای خروج من بین صفوف الرجال الى صف النساء" (عمود ص ۱۳۳) آپؐ نے انھیں وعظ فرمایا اور انھیں تعلیم دی، وعظ کے الفاظ دوسری روایات میں موجود ہیں کہ میں نے تمہیں باہمی لعن و لعن اور شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے جہنم میں زیادہ دیکھا ہے "وعظ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آخرت کا دھیان غالب ہو جائے، وعظ سے مراد نصیحت ہے اور امر سے مراد تعلیم احکا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ارشاد وعظ ہے اور دوسرا ارشاد تعلیم ہے جس میں آپؐ نے صدقات و خیرات کا حکم فرمایا اور اس پر عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں (یا ایرنگ) اور ہاتھوں کے زیورات اتار کر دینے لگیں اور حضرت بلالؓ کپڑے میں جمع کرنے لگے۔

قرطیؒ ہر وہ چیز جو کان میں پہنا جائے جیسے ایرنگ، بالی، بندکی۔ چونکہ عورتیں کفرانِ مشیر بہت کرتی ہیں تو عذاب سے بچانے کے لئے آپؐ نے صدقات و خیرات کا حکم دیا کیونکہ الصدقة تطفي غضب الرب وان الصدقة تمحو كثير من الذنوب التي تدخل النار۔

قال اسماعيل الا یہاں سے امام بخاریؒ تعلیقاً نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث کو اسماعیل بن علیؓ نے ایوب سختیانی سے روایت کیا ہے اور ایوب نے عطاء بن ابی رباح سے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یوں کہا اشہد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بلا شک مردی ہے۔ چونکہ پہلی روایت میں شک تھا کہ لفظ اشہد عطاء کا ہے یا ابن عباسؓ کا؟ اس تعلیق سے وضاحت ہو گئی کہ ابن عباسؓ نے اشہد کہا ہے یعنی عطاء کا لفظ نہیں ہے۔ البتہ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عطاء اور ابن عباسؓ

دونوں نے لفظ اشہد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بَابُ الْحَرَصِ عَلَى الْحَدِيثِ

حدیث نبوی معلوم کرنے کے لئے حرص کرنا۔

ربط و مقصد

ایک ہے طلب اور ایک ہے حرص جو طلب سے خاص ہے، حرص میں کبھی قناعت نہیں ہوتی اس لئے امام بخاریؒ نے ترجمہ میں حرص کا لفظ رکھ کر اشارہ کر دیا کہ علم حدیث کی طلب میں ایسے حریص بخداؤ کہ ہر دم ہل من مزید کا نعرہ لگاتے رہو کہ دنیا بے ناپید اگنا ہے۔

باب سابق میں خطاب خاص کا ذکر تھا جو عورتوں کے لئے تھا اب اس باب میں بھی خطاب خاص کا ذکر ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہؓ کے سوال پر صرف انہیں کو مخاطب فرمایا۔ نیز گذشتہ باب میں عمومی تعلیم کی اہمیت بیان ہوئی اور اب اس باب میں خاص علم حدیث کی طرف ترغیب دی جا رہی ہے گویا یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔

۹۷ • حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال حدثني سليمان عن عمرو بن ابی عمرو عن سعيد بن ابی سعيد عن الثقبري عن ابی هريرة أنه قال قيل يا رسول الله من أسعد الناس بشفا عتلك يوم القيامة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد ظننت يا ابا هريرة أن لا يسألني عن هذا الحديث أحد أول منك لما رأيت من حرصك على الحديث أسعد الناس شفا عتي يوم القيامة من قال لا اله الا الله خالصا من قلبه أو لنفسه •

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ حصہ پانے والا کون ہوگا؟ کس کی قسمت میں یہ نعمت ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو ہریرہ! میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے کوئی مجھ سے یہ بات نہیں پوچھے گا کیونکہ میں نے حدیث کے متعلق تمہاری حرص دیکھ لی تھی (اب سن لے) قیامت کے دن سب سے زیادہ فیضیاب میری شفاعت سے وہ شخص ہوگا جس نے اپنے دل سے (یا اپنے جی سے) اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) کہا ہو۔

مطابقة للترجمة في قوله "لما رأيت من حرصك على الحديث"

آملد الحدیث • الحدیث ھہنا منہ و یاتی فی الرقاق ۹۷۲

تشریح

قیل یا رسول اللہ! ایہاں قیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ کوئی اور صحابی میں لیکن بعض نسخوں میں قیل نہیں ہے حافظ عسقلانی

فرماتے ہیں وہو الصواب (فتح)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں قال القاضی عیاضؒ قوله قیل وهو الصواب سقوط قیل لما جاء عند الاصبی والمقابی لأن السائل هو ابو هريرة فضله (عمدة)
خلاصہ یہ ہے کہ سائل خود ابو ہریرہؓ ہی ہیں جیسا کہ اس کے بعد کا جملہ ظاہر کر رہا ہے لہذا ظننت
ابا ہریرۃؓ الیٰ نیز یہی حدیث جلد ۹ پر آرہی ہے وہاں بجائے قیل کے قلت ہے اس سے بظاہر معلوم
ہوتا ہے کہ یہاں قیل کسی راوی کا تصرف ہے۔

ان لا یسألنی عن هذا الحدیث یجوز نظم اللام فی یسانی وفتحها لان کلمة ان اذا وقعت بعد النظم
یجوز فی مدخلها الوجہان، الرفع والنصب۔ أحد بالرفع لان فاعل یسانی اولیٰ منکلف یجوز فیہ الرفع والنصب
فالرفع علی ان صفة لأحد أو بدل منه والنصب علی الظرفیۃ (عمدة)

اسعد الناس بشفاعتی البقیات کے دن سب سے زیادہ فیضیاب و کامیاب میری شفاعت سے وہ شخص
ہو گا جس نے اپنے دل سے یا اپنے جی کے خلوص کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" کہا ہو۔

روز قیامت میں جو واقعات و حالات پیش آنے والے ہیں اس میں حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی مختلف قسمیں ہوں گی۔

شفاعت کے اقسام

علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ پانچ قسموں کی شفاعتیں ہوں گی (شرح مسلم ج ۱، عمدہ ص ۱۲)

- (۱) میدانِ محشر کی ہولناکی سے نجات، اور یہ شفاعت تمام انسانوں کے لئے ہوگی خواہ مومن ہو یا کافر، مشرک
ہو یا منافق سب کے لئے عام ہوگی تاکہ حساب و کتاب جلد کر کے ہولناک تکلیف سے نجات ملے۔
- (۲) کچھ لوگوں کو بلا حساب جنت میں داخل کرنے کے لئے سفارش فرمائیں گے۔
- (۳) بعض مستحق جہنم لوگوں کے لئے سفارش فرمائیں گے کہ انھیں عذاب سے بچا لیا جائے۔
- (۴) بعض کافر (جیسے ابوطالب) کے عذاب میں تخفیف کی سفارش
- (۵) بعض مستحق جنت کے لئے ترقی درجات کی سفارش وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ ہر مومن عکس کو میری شفاعت کی سعادت حاصل ہوگی اور دوسری
روایت میں ہے شفاعتی لأهل الکبائر من امتی (ترمذی شریف جلد ۲ ص ۶)

سوال

باب ماجاء فی الشفاعۃ۔

بظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے کیونکہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کبار
کے لئے میری شفاعت ہوگی۔

جواب :- درحقیقت تعارض نہیں، تعارض اس وقت ہوتا جب ترمذی شریف کی روایت میں کوئی کلمہ
حصر کا ہوتا حالانکہ حصر کا کوئی کلمہ نہیں اس لئے یہ کہا جائے گا کہ اس باب کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے

اخلاص کے ساتھ کلمہ پڑھا صرف زبانی اقرار نہیں کیا ان سب کے لئے میری شفاعت ہوگی۔

اور شفاعتی لاکھلی کبائر من اہتی کا مطلب یہ ہے کہ میری شفاعت کا نفع اہل کبائر کے حق میں زیادہ ظاہر ہوگا کہ وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں تڑپ رہے ہوں گے اور ان کے بدن سیاہ کوئلہ جیسے ہو چکے ہوں گے۔ بجز موضع سجود کے۔ پھر میری شفاعت کے بعد جہنم سے نکال کر پہلے نہر الحیاء میں داخل کر کے انھیں صاف و شفاف نازک اندام بنا کر جنت میں داخل کیا جائیگا، تو شفاعت کا اثر ان کے حق میں زیادہ ظاہر ہوگا۔

اور حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی شریف کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ میری شفاعت اہل کبائر کیلئے بھی ہوگی (المکوک الدریج ۲ ص ۲۸۲) یعنی یہ مطلب نہیں کہ اہل کبائر ہی کے لئے ہوگی، جب یہ مطلب نہیں تو تعارض بھی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جب آپؐ نے یہ فرمایا کہ میری شفاعت ہر مومن مخلص کے لئے ہوگی تو کسی کو وہم ہو گیا کہ جو مومن مخلص ہو گا وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا اس لئے آپؐ نے فرمایا ہو کہ میری شفاعت مرتکب کبیرہ کے لئے بھی ہوگی۔ واللہ اعلم

فائدہ

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اور اہل سنت کا اجماع ہے کہ مذنبین اور مرتکب کبیرہ کیلئے شفاعت ہوگی جہنم سے نکلنے کے لئے۔ آیات قرآنہ اور احادیث متواترہ المعنی سے بھی ثابت ہے خوارج اور بعض معتزلہ نے ترقی درجات کے لئے شفاعت کو تسلیم کیا ہے لیکن اخراج من النار کی شفاعت کو تسلیم نہیں کرتے اور فعما تنفعہم شفاعۃ الشافعیین اور ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس قسم کی آیتیں کفار کے بارے میں ہیں اور احادیث میں تصریح ہے کہ بہت سے مذنبین جہنم میں جائیں گے اور شفاعت کی وجہ سے انھیں جہنم سے خلاص ہوگی۔ (امداد الباری)

باب

کیف یقبض العلم وکتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فاتی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلك حتی یكون یسرا ضا۔

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ علم کس طرح اٹھایا جائے گا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (خلیفہ) نے (مدینہ منورہ کے قاضی) ابو بکر بن حزم کو لکھا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیقی حدیثیں بھی ہوں انھیں لکھ لو اس لئے کہ مجھے علم کے شے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سوا کسی اور کا قول و فعل نہ قبول کیا جائے، اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں، علمی مجلس قائم کریں تاکہ جس کو علم نہیں وہ علم حاصل کرے کیونکہ علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔

ربط مقصد

باب سابق میں حرص علی الحدیث کی ترغیب تھی جو انواع علم میں اشرف ہے اب اس باب میں ارتقاء علم کا بیان ہے دونوں میں تقابل ہے اور دونوں اس جہت سے متناسق ہیں (علاوہ) (۲) یا یہ کہا جائے کہ باب سابق میں تحصیل حدیث میں حریص بن جانے کی ترغیب تھی جس کا منشاء یہی تھا کہ اس صورت میں علم باقی رہ سکتا ہے۔ اب اس باب میں بقاء علم کی مزید صورتوں کا بیان ہے کہ تعلیم کا سلسلہ قائم و جاری رکھا جائے، علمی مجالس اور درسگاہیں قائم کی جائیں، علماء کو اشاعتِ علم کے لئے ہر تن مستعد رہنا چاہئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا حال تفصیل سے مقدمہ میں گزر چکا ہے ملاحظہ فرمایا لیجئے، خلاصہ یہ ہے کہ چوراسی سال کی عمر میں شاہد میں انتقال ہوا۔

ابی بکر بن حسنؓ الایہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؓ ہیں، ان کا نام ابو بکر اور کنیت ابو محمد ہے اور یہ تابعی ہیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ غلیظہ وقت کی جانب سے مدینہ طیبہ کے حاکم و قاضی تھے اسی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ انہیں حکم دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث جمع کریں، ان کا وصال شاہد ہشام بن عبد الملک کے عہد میں ہوا۔

باقی تفصیل کے لئے مقدمہ میں تدوین حدیث کا عنوان دیکھیے۔

● ۹۸ ● حدثنا العلاء بن عبد الجبار حدثنا عبد العزیز بن مسلم عن عبد اللہ بن دینار بذلك یعنی حدیث عمر بن عبد العزیزؓ الی قولہ ذہاب العلماء ● پہلے تو امام بخاریؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے ارشاد کو تعلقاً نقل کیا ہے، اب اس کی ہند بیان کر رہے ہیں، مگر علاء بن عبد الجبارؒ کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا کلام صرف ذہاب العلماء تک ہے۔

مگر احتمال ہے کہ بعد کا جملہ لا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن عبد العزیزؓ ہی کا کلام ہو اور علاء کی روایت میں نہ ہو امام بخاریؒ کو کسی دوسری سند سے معلوم ہوا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ سرے سے یہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا کلام ہی نہ ہو اور یہی زیادہ ظاہر ہے، تدوین حدیث کے اندر مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔

● ۹۹ ● حدثنا اسفعل بن ابی اوس قال حدثنی مالک عن هشام بن عروق عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤوساً جہلاً لا نسئلہم

فافترو بغیر علم فضلو واضلوا قال الفربی ناعباسی قال ثنا قتیبہ قال حدثنا
جریر عن هشام بن عوف •

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ
فرماتے تھے اللہ تعالیٰ دین کا علم بندوں سے چھین کر نہیں اٹھائیں گے بلکہ عالموں کو اٹھا کر
(یعنی موت دیکر علم کو اٹھائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار (پیشوا) بنا لیں گے
ان سے مسئلہ پوچھیں گے وہ بے علم فتویٰ دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ فربری
(راوی بخاری) نے کہا ہم سے عباس نے بیان کیا کہا ہم سے قتیبہ نے کہا کہا ہم سے جریر نے عن هشام
اسی طرح بیان کیا۔

مطابقہ للترجمة في قوله "ولكن يقبض العلم بقبض العلماء"
تعدد الحديث ههنا من رواية في الاعتصام ۱۰۸ واخرجه مسلم ايضا

امام بخاریؒ نے قبض علم پر دوسرا استدلال حضرت
عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت سے کیا ہے حضرت
عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس
علماء کے جانشین جہلوار ہوں تو
یہ رفع علم کی علامت ہے

طرح نہیں اٹھائے گا کہ علماء کے سینوں سے علم کو نکال لیں بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ علماء ختم ہو جائیں گے
اور ان کی جگہ پر کرنے کے لئے علماء پیدا نہ ہوں گے اور جہلاء علماء کی جگہ بیٹھیں گے اور گمراہی بھیلانے لگیں گے۔
اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قلوب میں حاصل شدہ علم کو سلب نہیں کریں گے بلکہ صورت یہ ہوگی کہ علماء
موتے جائیں گے اور ان کے ساتھ افی کا علم بھی ختم ہوتا جائیگا۔

یہ افسوسناک عظیم حادثہ آج کل دیکھا جا رہا ہے اچھے اچھے علماء اپنی اولاد کو بی لے اور ایم اے
کرا رہے ہیں، میٹریک پاس کر کے ڈاڑھی منڈاتا ہے اور سائتھ رہتا ہے، ساتھ ہی کھاتا بیٹا ہے اور
عالم صاحب اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں جبکہ ڈاڑھی ایک مشت واجب ہے منڈانے والا ڈاڑھی
خورا اور کٹانے والا ڈاڑھی چور فاسق ملعن ہے، لیکن اونچی پوزیشن کے عالم کہلاتے ہیں لمبی لمبی تقریریں
کرتے ہیں مگر اولاد کو علم دین سے محروم رکھ کر بے عمل و بد عمل دیکھ کر نکیر و تنبیہ تک نہیں کرتے، حدیث ہے
کہ اپنی صاحبزادیوں کو بھی بی لے اور ایم لے کر ان کے رشتوں کے لئے ایسے ہی فاسقوں
کی تلاش ہوتی ہے فیما للعجب۔

مسند احمد اور طبرانی میں حضرت ابوامامہؓ کے طریق سے ایک روایت ہے کہ حجتہ الوداعہ میں حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خذوا العلم قبل ان يقبض یعنی علم حاصل کر د قبل اس کے کہ

اٹھایا جائے۔ اس پر ایک اعرابی نے عرض کیا حضور! علم کیسے اٹھایا جائے گا؟ ارشاد فرمایا: **اَلَا اِنَّ ذَهَابَ الْعِلْمِ ذَهَابُ حَمَلَتِهِ** سن لو علم کا اٹھنا حاملین علم کی وفات ہے، تین مرتبہ فرمایا۔

ابن المیزان فرماتے ہیں **مَحْوُ الْعِلْمِ مِنَ الْمَدَوْرِ جَائِزٌ فِي الْقُدْرَةِ اَلَا اِنَّ هَذَا الْحَدِيثَ دَلٌّ عَلَى عَدَمِ وَقْعِهِ** (ردہ) اللہ تعالیٰ علوم کو سینوں سے نکالنے پر قادر ہیں لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرت کے باوجود ایسا نہ کریں گے۔

روایت مذکورہ فی الباب سے تو یہی ظاہر ہے کہ علم سینوں سے نہ نکالا جائیگا لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عزیز سینوں سے نکال لیا جائے گا، پس تعارض ہو گیا۔

اشکال

جواب :- محققین کی رائے یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ابتداء قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ علماء رخصت ہوتے جائیں گے اور ان کے ساتھ علم بھی ختم ہوتا جائیگا۔ اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت سے جو معلوم ہوتا ہے کہ علم سینوں سے محو کر دیا جائے گا وہ اچانک قیامت کے قریب ہوگا کیونکہ قیامت اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوگی جب تک کوئی مومن باقی رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے دونوں صورتیں دو وقت میں ہوں گی فلا تعارض۔

شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے اصول میں سے ہے کہ جو روایت ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی ہے اس کی تردید کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں۔ چونکہ غرض من القلوب والی روایت امام بخاریؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اس لئے ترجمۃ الباب، کیف یقبض العلم کا منقہ کر کے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت لا کر اشارہ کر دیا کہ قبض علم کی کیفیت یہ ہوگی۔ دوسری روایت قابل اعتماد نہیں واللہ اعلم۔

قال العزبری وهو ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن مطهر بن صالح بن بشر (عمدة)
یہ محمد بن یوسف فربری امام بخاریؒ کے تلمیذ ہیں اور صحیح بخاری کے راوی ہیں اور چونکہ انھوں نے امام بخاریؒ سے دو مرتبہ یا تین مرتبہ پڑھا اور امام بخاریؒ کے انتقال کے بعد چونسٹھ (۶۴) سال بعد تک زندہ رہے اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے اس لئے ان کا نسخہ سب سے زیادہ متداول و متعارف رہا۔

ان کی (یعنی علامہ فربری کی) عادت ہے کہ جب کوئی حدیث باب کے مناسب امام بخاریؒ کے علاوہ کسی دوسرے سے ملتی ہے تو اسے بھی نقل کر دیتے ہیں، یہ روایت بھی انھیں روایات میں سے ہے جو فربری کو امام بخاریؒ سے بھی ملے اور دوسرے شیخ سے بھی، اس لئے اسے بھی نقل کر دیا۔

بَابٌ هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ

کیا عورتوں کی تعلیم کے لئے کوئی خاص دن مقرر کیا جائے؟

یعنی امام کے لئے مناسب ہے یا نہیں کہ عورتوں کی تعلیم کے لئے کوئی خاص دن مقرر کر دے؟

رابطہ و مقصد

باب سابق میں قبضِ علم کی کیفیت کو بیان کیا گیا جس کے فوائد میں اشاعتِ علم کی ترغیب اور علمی مجلس منعقد کرنے کی تاکید ہے۔

اب امام بخاریؒ اس باب میں ایسی حدیث نقل کر رہے ہیں جس میں علم کی حفاظت و اشاعت کی ترغیب موجود ہے، ظاہر ہے کہ تعلیم میں تمیم مقصود ہے بالخصوص ماں کی آغوشِ شفقت بچوں کا پہلا مدرسہ ہے اس لئے عورتوں کی تعلیم بہت اہم ہے۔ چنانچہ عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کی تعلیم کیلئے علیحدہ دن مقرر کیا جائے اس لئے کہ عورتیں اپنے مخصوص مسائل کی دریافت میں حیا محسوس کریں گی، آپؐ نے ان کی درخواست پر متعین دن میں تشریف لانے کا وعدہ فرمایا اور ان کے لئے مستقل وقت مقرر فرمادیا۔

۱۰۰۔ حَدَّثَنَا أَدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكَرَ أَنَّ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبْنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَأَجَعَلْنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ فَوَعَدَ هُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَرَعَطَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ فَكَانَ فِيمَا قَالَ لِهِنَّ مَا مَنَكُنَّ امْرَأَةً تَقْدَمُ ثَلَاثَةَ مِنْ وَلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ وَاشْنَيْنِ

۱۰۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ ثَنَا عُنْدَرُ قَالَ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ عَنْ ذَكَوَانَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَعَنَ بِلَغُوا الْجَنَّةَ

ترجمہ حدیث عنتا
حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مرد آپ کے پاس آنے میں (یعنی آپ سے استفادہ ہونے میں) ہم پر غالب ہو گئے اس لئے آپ اپنی طرف سے (خاص) ہمارے لئے ایک دن مقرر کر دیجئے تو آپؐ نے ان سے ایک دن کا وعدہ کر لیا جس میں آپؐ نے ان سے ملاقات کی پھر آپؐ نے انہیں نصیحت کی اور انہیں شرعی احکام بتلائے، ان باتوں میں سے جو آپؐ نے فرمائیں یہ بھی تھی کہ جو عورت اپنے تین بچے آگے بٹھے تو وہ آخرت میں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گے، اس پر ایک عورت نے کہا اگر دو بچے ہوں تو آپؐ نے فرمایا اور دو بھی۔

ترجمہ حدیث عنتا
حضرت ابوسعید خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث نقل فرمائی، اور (دوسری سند میں) عبد الرحمن بن الاصبہانی سے روایت ہے کہ میں نے ابو حازم سے سنا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایسے تین لڑکے جو ابھی بلوغ کو نہ پہنچے ہوں۔

مطابقہ للترجمہ | مطابقہ الحديث للترجمة في قوله "فوعدهن يوما ليقين فيه"

تعدی الحدیث | والحديث ههنا ص ۲ ویاق ص ۲ وفي کتاب الجنائز ص ۱۶ وفي الاعتصام ص ۱۸۶

قائدہ | امام بخاری صحیح بخاری میں علی العموم (یعنی اکثر) ہر باب میں ایک روایت لاتے ہیں لیکن کبھی کسی خاص مصلحت سے ایک سے زیادہ روایتیں بھی ذکر کر دیتے ہیں، اس باب میں بھی پہلی روایت کے بعد دوسری روایت لائے دو دیے سے :-

اولیٰ تویہ کہ پہلی روایت میں ابن الاصبہانی مبہم تھا۔

دوسری روایت میں اس ابہام کو ختم کر دیا کہ ابن الاصبہانی سے مراد عبد الرحمن بن الاصبہانی ہیں۔ دوسرا قائدہ یہ ہے کہ پہلی روایت میں تین بچوں کا ذکر ہے لیکن نابالغ ہونے کی قید کا ذکر نہیں ہے، دوسری روایت میں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے لائے ہیں اس میں یہ قید ہے کہ حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں جس سے وضاحت ہو گئی کہ بشارت مذکورہ فی الحدیث اس کے لئے ہے جس کے نابالغ بچوں کا انتقال ہوا ہو اور اس نے صبر کیا ہو۔

اشکال | لم يبلغوا الحنث کی قید سے اشکال ہوتا ہے کہ بالغ و جوان کے مرنے سے یہ اجر نہیں ملے گا حالانکہ بالغ کام کے لائق ہو کر مر جائے صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔

جواب ۱ :- نابالغ سے عقوبت مقصور نہیں ہوتا اس لئے اس کی موت کا زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔
جواب ۲ :- صحیح تر جواب یہ ہے کہ یہاں دو جدا گانہ مسئلے ہیں۔ ایک مصیبت کے کفارہ بننے کا اور دوسرا شفاعت کا۔

بلاشبہ جوان کے صدمہ سے گناہ ضرور معاف ہو گا مگر یہ من باب کفارات ہے کہ مومن کو اگر کوئی صدمہ یا مصیبت پہنچے تو وہ مکفر ہوتا ہے سیئات کے لئے۔

بہر حال کفارہ کا حکم یہی ہے کہ جتنا زیادہ صدمہ ہو گا اسی قدر مکفر سیئات ہو گا اور یہ وعدہ مغفرت ماں باپ دونوں کے لئے ہے صرف والدہ کے ساتھ نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الجنائز میں یہ الفاظ موجود ہیں :

ما من الناس من مسلم ان احادیث میں شفاعت کا بیان ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کے سامنے چل جائے گا اور خدا کرنا شروع کرے گا کہ میں اکیلا جنت میں نہیں جاؤں گا میرے ماں باپ کو میرے ساتھ بھیجو، یہ چیز بڑوں سے نہیں ہو سکتی اس کے لئے کچھ ہونا شرط ہے۔ چنانچہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ ماں باپ بچہ کی خدا ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں سو دفعہ پوری کرتے ہیں اور بچوں کی خدا بڑی معلوم نہیں ہوتی۔ خلافت کسی بڑے جوان آدمی کے کہ اگر بچوں کی سی خدا کرنے لگے تو کون پرواہ کرے گا بلکہ سب اس کی اس ناشائستہ حرکت پر ہنسیں گے۔

نیز جوان بالغ تو اپنے حساب و کتاب کے غم میں ہوں گے نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے وہ کیا شفاعت کریں گے۔

مراد تو اعمال کا بتلادینا ہے لیکن جس سے حساب میں مناسبت کیا جائے گا وہ تباہ ہو جائے گا۔

مطابقہ للترجمة في قوله "كانت لا تسمع شيئا

لا تعرفه الا راجعت فيه حتى تعرفه"

تعداد الحديث ههنا ص ۲۱ و ياتي في التفسير ص ۳۶ وفي الرقاق ص ۹۶ ايضاً ص ۹۶

تشریح

ایم المؤمنین عائشہؓ کی عادت تھی کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد کچھ میں نہ آتا تو اسے مکرر پوچھ لیا کرتی تھیں جب تک وہ بات پورے طور سے کچھ میں نہ آجائے برابر پوچھتی رہتیں۔ چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "من حوسب عذاب" قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائیگا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا، حضرت عائشہؓ کی کچھ میں یہ بات نہ آئی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے فسوف يحاسب حساباً يسيرا نہیں فرمایا؟ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد اور قرآن حکیم کی انص صریح میں تعارض معلوم ہوا، سورۃ اشقاق میں ارشاد ربانی ہے:

فاما من اوتي كتابه بيمينه فسوف يحاسب حساباً يسيرا وينقلب الى اهله مسروراً۔ (بارہ عم)

تو جس کا نامہ اعمال اس کے دایرے ہاتھ میں ملیگا اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش و خرم واپس ہوگا۔

حساب یسر، آسان حساب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی محض کاغذات (نامہ اعمال) پیش ہو جائیگے اور بدون بحث و مناقشہ کے سستے چھوڑ دیئے جائیں گے نہ سزا کا خوف رہے گا نہ غصہ کا ڈر، نہایت امن و اطمینان سے اپنے احباب و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں منانا ہو جائیگا۔

وجہ تعارض یہ تھی کہ حضور تو علی العموم من حوسب عذاب فرما رہے ہیں اور قرآن حکیم سے معلوم ہو رہا ہے کہ بعض ایسے بھی ہوں گے یعنی اصحاب یمن جن سے آسان حساب لیا جائیگا چنانچہ آپ کے ارشاد کا عموم حضرت عائشہؓ کے لئے سوال کا باعث ہوا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ روایات میں ہے کہ جب آیت:

الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون۔ (سورۃ انفاس آیت ۸۲)

جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوٹ نہیں کیا انھیں کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

نازل ہوئی تو حضرات صحابہؓ کو بہت ہی شاق گذرا، اور اشکال پیش آیا۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں عرض کیا ایتنا المؤمنون بظلم ہم میں سے کون ہے جن نے کوئی ظلم نہ کیا ہو، پھر تو ہم سب عذاب الہی سے غیر مومن اور ہدایت سے محروم ہو گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے مطلق

گناہ نہیں (بخاری اول ص ۱۸)

بہر حال حضرت عائشہؓ کو من حوسب عذاب پر اشکال پیش آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: انما ذلك العرض یہ تو نامہ اعمال کی پیشی ہے اے عروض افعال العبد علیہ مع التبشیر بالغفران مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز حساب کی مختلف قسمیں ہوں گی، ایک حساب تو یہ ہے کہ اعمال نامہ سامنے کر دیا گیا اور کسی طرح کی گرفت دہاز پر نہیں ہوئی کہ سنیہ کیوں دیکھا؟ غیبت کیوں کی؟ بالکل بلا مناقشہ مغفرت کی بشارت کے ساتھ بندے کے سامنے اس کی خطائیں پیش کی جائیں تو یہ حساب سیر یعنی عرض ہے۔ اور ایک وہ حساب ہے جس سے مناقشہ کیا جائے تو چشکارا مشکل ہے یہ باز پرس ہی ایک عذاب ہے جس سے انسان خواستہ بخت ہو جائے گا۔

بَابٌ لِيُبْلَغَ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ

قال له ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم

حاضرین کو غیر حاضرین تک علمی بات پہنچا دینی چاہئے اس کو ابن عباسؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں استاد سے سنی ہوئی بات کو سمجھنے اور ضبط کے لئے ربط و مقصد متعلم یا سامع کی مراجعت کا ذکر تھا فکات المراجع کان کالغائب عند سماعہ یعنی مراجع الیہ (استاد و شیخ) کی طرف سے مراجع (متعلم و سامع) کو تبلیغ کی جا رہی ہے اور اس کی حیثیت سمعی غائب ہی جیسی تھی کہ مجلس میں بظاہر تو موجود ہے مگر سن کر سمجھ نہ سکا اس لئے مکرر پوچھنے کی نوبت آئی تو موجود ہونے کے باوجود گویا مجلس سے غائب ہے۔

امام بخاریؒ اب اس باب میں بھی یہ بیان کر رہے ہیں کہ حاضر کو غائب تک دین کی بات پہنچانی چاہئے، امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے ایک عظیم شبہ کا ازالہ ہے:-

شبہ یہ ہے کہ حدیث پاک میں ہے "بلغوا عني ولو آية" اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ صرف آیات قرآنی کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام بخاریؒ نے لیسبلغ العلم کا ترجمہ منعقد کر کے اشارہ فرمادیا کہ مقصود تبلیغ علم ہے خواہ آیات قرآنی ہوں یا حدیث پاک ہو قال له ابن عباس الو هو طرف من حدیث وصلہ فی الحج فی باب الخطبة ایام منی ص ۲۳۲۔

۱۰۳ • حدثنا عبد الله بن يوسف قال حدثنا الليث قال حدثني سعيد هو ابن ابي سعيد عن ابي شريح انه قال لعمر بن سعيد وهو يبعث البعوث الى مكة ائذن لي ايها الامير احدثك قولاً قام به رسول الله صلى الله عليه وسلم الغد من يوم الفتح سمعته اذ نأى ووعاه قلبي والبصر ثم عيناى حين تكلم به

سید بن العاص بن امیہ القرظی الاموی يعرف بالاشدق لیست لاصحبه ولا کان من التابعین یا حسان، یعنی صحابی تو قطعی نہیں ہے البتہ تابعی ہے مگر اچھا نیک تابعی نہیں ہے، بعض اکابر نے اس کو شیطان فاسق بھی لکھا ہے۔

بہر حال یہاں صحیح بخاری میں اس کا ذکر ضحّا آگیا ہے بطور راوی حدیث نہیں کہ کوئی غلطی اس فاسق کو رواۃ بخاری میں سے سمجھ لے۔

امام بخاریؒ تبلیغ علم کے لئے ایک اہم اور مشہور واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، واقعہ کا تعلق اور جو مرجعین سے ہے جسے احقر نے بھی بقدر ضرورت نصر الباری کتاب المغازی میں بیان کر دیا ہے، ملاحظہ ہو نصر الباری کتاب المغازی ص ۱۶۵۔

واقعہ یہ تھا کہ جب فرائد رسول سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کر لی اور خلافت انھیں سپرد کر دیا تو پھر مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع ہو گیا، فتوحات اسلامیہ کا سلسلہ جو تقریباً منقطع ہو چکا تھا پھر شروع ہو گیا، حضرت معاویہؓ کو مشیروں نے سمجھایا کہ اس وقت آپ بالاتفاق خلیفۃ المسلمین ہیں اگر آپ نے اپنی زندگی میں کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تو آپ کے بعد پھر مسلمانوں میں اختلاف ہوگا اور قتل و قتال کی نوبت آسکتی ہے اس لئے مناسب ہے کہ آپ اپنی زندگی میں یزید کو اپنا ولی عہد بنادیں، اگرچہ ولی عہدی کا یہ طریقہ اسلامی طریقہ نہیں، اور یزید کے اندر دنی حال کا علم حضرت معاویہؓ کو نہ تھا اس لئے قتل و قتال اور اختلاف و شقاق سے اجتناب کے لئے حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنادیا گویا یہاں سے ولی عہد بنانے کی رسم پڑ گئی چنانچہ بہت سے لوگوں نے جن میں بلاد اسلامیہ کے گورنران بھی تھے یزید کی ولی عہدی کو منظور کر لیا مگر سیدنا الامام حسینؓ اور محمد بن ابی بکرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے ولی عہدی کی بیعت نہ کی (البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۶۷)۔

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب یزید تخت نشین ہوا تو اہل مدینہ سے بیعت لینا چاہی خصوصاً ان حضرات سے حضرت محمد بن ابی بکرؓ تو پہلے ہی امیر معاویہؓ کی حیات ہی میں وفات پا چکے تھے، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ امیر معاویہؓ کے بعد بیعت ہو گئے، حضرت حسینؓ اہل کوذ کی دعوت پر کوذ کے لئے روانہ ہو گئے پھر ان کے ساتھ کچھ ہوا وہ مشہور ہے اگرچہ اس میں مبالغہ آمیزی بھی ہے، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ طیبہ چھوڑ کر مکہ معظمہ (حرم) میں پناہ لی اس لئے ان کو ماند البیت کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مکہ معظمہ پہنچ کر معاطات سنبھال لئے، یزید کو غصہ آیا اور اس نے مکہ کے والی یحییٰ بن حکیم کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیرؓ سے میرے لئے بیعت لے لو، مکہ معظمہ کے حاکم نے عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لیکر یزید کو مطلع کر دیا تو یزید نے کہا کہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت قبول نہ کروں گا جب تک وہ میرے پاس قید ہو کر نہ آئیں گے، جب حاکم مکہ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو یزید کا حکم نامہ سنایا تو عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ میں نے تو حرم میں پناہ لی

ہے میری گرفتاری کیسی ؟ (مدحہ)

عبد القاری کی مذکورہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد انکار نہیں کیا مگر اس منکر یزید کو خدا تعالیٰ نے میرے پاس ہتھکڑی اور بیڑی میں آئیں اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خطرو تھا اس لئے اسخون نے کہا کہ میں نے تو حرم میں پناہ لی ہے میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔

پھر جریدے مدینہ کے حاکم عمرو بن سعید کو لکھا کہ عبد اللہ بن زبیرؓ سے قتال کے لئے تم میں فوج بھیجو۔
وہو مبعث المبعوث۔ مبعوث (بضم الباء) بعث کی جیسے ہے ای رسول الجوش یعنی عمرو بن سعید حرم مکہ پر فوجیں بھیج رہا تھا اس وقت حضرت ابو شریح صحابیؓ نے کہا ایدھا الامیر اے امیر مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو ایک حدیث مسندوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی، یہ نہایت ادب و تہذیب کا خطاب تھا اور یہ احوال دعوت و تبلیغ میں سے ہے کہ امرا و سلاطین کے دلچسپی میں ایسا عنوان اختیار کیا جائے جس میں غری و جا ز بیت ہو بالخصوص ان کاموں میں جن کو وہ اپنے حقوق میں مداخلت شمار کرتے ہیں، نیز اس طرح بات کہنے میں قبولیت کی زیادہ توقع ہوتی ہے۔

الغد من یوم الفتح ۲۰ رمضان المبارک ۱۱ھ مکہ فتح ہوا اور فتح مکہ کے دوسرے دن آپؐ نے خطبہ دیا جس میں مندرجہ ذیل باتیں فرمائیں:

سمعتہ اذ نای الی میر نے کانوں نے خود سنا الا مقصد یہ ہے کہ جس وقت آپؐ ارشاد فرما رہے تھے میں ہر تن گوش تھا اور قلب نے محفوظ کر لیا، مطلب یہ ہے کہ پورا پورا محفوظ ہے۔

ان مکة حرمها الله الی یعنی مکہ معظمہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے، یہ کسی انسان کا بنایا ہوا حرم نہیں اس لئے کسی انسان کے لئے اس کی حرمت کا ختم کرنا جائز نہیں۔

اشکال ایک روایت میں ہے ان ابرہہ حرم مکة وانا احرم ما بین لابقی المدينۃ اور اس روایت میں ہے لہو یحرمها الناس بظاہر تعارض ہے۔

جواب:- حضرت ابراہیمؑ کی جانب تحریم کی نسبت مجازی ہے بلکہ مکہ معظمہ کی حرمت خداوند قدوس کی طرف سے ہے اور ہمیشہ سے ہے طوفان فوج سے اس کے آثار و نشانات مٹ گئے تھے اور حدود حرم غنی تھیں حضرت ابراہیمؑ نے بحکم الہی اس کی تحدید فرمائی کہ یہ حصہ حرم ہے۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ نے اس کے حرم ہونے کا اعلان کیا ہے درود در اہل مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے اس لئے کسی انسان کے لئے اس کی حرمت کا ختم کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کسی صاحب ایمان کے لئے قطعاً جائز نہیں کہ وہاں خونریزی کرے خون و بیوی تو بہت بڑی بات ہے وہاں کے درختوں کو کاٹنا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مخصوص وقت و طلوع شمسی سے لیکر عصر تک کے لئے اجازت دی تھی۔

حرم کے مسائل اور ائمہ کرام کے اقوال یہاں چند مسائل ہیں:-

ع اگر کوئی شخص حرم مکہ ہی کے اندر کسی کو قتل کر دے یا زخمی کر دے تو بلا تفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جاسکتا

ہے اگر کسی نے حرم سے باہر کسی کو زخمی کر دیا مثلاً: ہاتھ کاٹ دیا، ناک کاٹ دی تو اس صورت میں بھی سب
ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس کا قصاص حرم میں لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اگر کسی نے حرم سے باہر کسی کو قتل کر دیا اور پھر حرم میں داخل ہو کر پناہ لے لیا اس صورت میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے حرم کے اندر قصاص لیا جاسکتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے حرم میں قصاص نہیں لیا جاسکتا ہے بلکہ قاتل کو اس طرح تنگ کیا جائیگا، اس کا مقاطعہ (ڈائیگٹ) کیا جائیگا، کھانا پینا، لین دین سارے تعلقات کو منقطع کر دیا جائے گا کہ وہ مجبور ہو کر باہر نکل آئے پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔

حدیث باب سبک احناف کی تائید کرتی ہے جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس جملے سے استدلال کرتے ہیں

حضرات احنافؒ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی حدیث نہیں بلکہ عمرو بن سعید کا قول ہے جو صحابی نہیں بلکہ یزید کا گورنر تھا اور اجماعاً تابعی بھی نہیں تھا چنانچہ اس کو لطیم الشیطان کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ابن حزمؒ کہتے ہیں وَلَا كَرَامَةِ لِلطَّيْمِرِ الشَّيْطَانِ أَنْ يَكُونَ أَعْلَمَ مِنْ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ولا یعضد بہا شجرة حرم کہ کی نباتات تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو کسی شخص نے اپنی محنت لگائی ہو ان کو کاٹنا بالاتفاق جائز ہے۔

دوسری وہ کہ ان کو کسی نے اگایا تو نہ ہو لیکن وہ انھیں نباتات کی جنس سے ہوں جنہیں لوگ عام طور سے اگاتے ہیں، اس دوسری قسم کی نباتات کو بھی کاٹنا اور اکٹھا کرنا جائز ہے۔

تیسری خود رو گھاس وغیرہ، اس میں صرف آخر ایک قسم کی خوشبودار گھاس کو کاٹنا اور اکیر کاٹنا ہے نیز خود رو پودوں میں سے کوئی پودا بالکل سوکھ گیا ہو یا جل گیا ہو یا ٹوٹ گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ لایقہ بند بہا شجرۃ میں شجرہ سے مراد وہ گھاس اور پودے ہیں جو خود اُگے ہوں۔ ہا
انستہ الناس کی جنس میں سے بھی نہ ہوں۔ ٹوٹے ہوئے، جلے ہوئے اور سوکھے ہوئے بھی نہ ہوں، نیز
اخر بھی نہ ہوں۔ ایسے پودوں اور گھاس وغیرہ کا سنا جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں جزا واجب ہے۔

١٠٣ • حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب قال ثنا حماد عن الربيع عن محمد بن عبد الله بن بكره عن أبي بكره ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال فإن دما نكحوا و أموالكم

قال محمد وأحسبه قال وأعرضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهركم

رابطہ و مقصد

باب سابق میں تبلیغ علم کا ذکر تھا کہ علم اپنی ذات تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ جو کچھ دین کا علم حاصل کیا ہے اسے دوسروں تک پہنچانے کی پوری پوری کوشش کرے۔

امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ یہ بالکل درست ہے کہ تبلیغ و تعلیم علماء کا مستقل فریضہ ہے اس لئے تبلیغ کا اہتمام کرنا چاہئے مگر اس اہتمام کے ساتھ ساتھ احتیاط بھی لازم ہے کہ کہیں شوق تبلیغ میں کوئی غلط بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نہ ہو جائے۔

۱۰۵ • حدثنا علي بن الجعيد قال أنا شعبة قال أخبرني منصور قال سمعت ربيع بن خراش يقول سمعت علياً يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تكذبوا علياً فإنه من كذب علياً فليكن النار •

ترجمہ ربيع بن خراش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (دیکھو) مجھ پر جھوٹ نہ باندھو کیونکہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ دوزخ میں جائیگا۔

مطابقته للترجمة من كذب علياً فليكن النار •

یعنی حدیث پاک میں کذب علیؑ سے منافقت ہے جو مستلزم ہے گناہ کو اور گناہ مستلزم ہے دخول جہنم کو اور ترجمہ الباب ہے کذب علیؑ کے گناہ کا بیان (علامہ)

ربیع بکسر الراء وسكون الباء الموحدة وكسر العين المهملة وتشديد الياء ابن خراش بکسر الحاء المهملة وتخفيف الراء (علامہ)

ربیع بن خراش

تابعی ثقہ لم یکذب کذبہ قط (تہذیب التہذیب جلد ثالث (۳))
زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولے، ان کے دو بیٹے حجاج ظالم کے باغی و مخالف تھے اور روپوش تھے حجاج سے لوگوں نے کہا ان کے باپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے ان کے پاس آدمی بھیج کر معلوم کرو، حجاج نے حضرت ربیع کے پاس آدمی بھیجا، حجاج کے فرستادے نے پوچھا کہ تمہارے دونوں بیٹے کہاں ہیں؟ ربیع نے کہا "ہما فی البیت" وہ دونوں گھر میں ہیں۔ حجاج نے جب سنا تو بہت متاثر ہوا اور کہا قد عفونا عنہما لصدقت تمہاری صدق بیانی کی وجہ سے ان دونوں کو معاف کر دیا۔

قسم کھائی تھی کہ اس وقت تک نہ ہنسوں گا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میرا ٹھکانہ جنت میں ہے یا جہنم میں؟ عمر بھر کبھی نہ ہنسے موت کے بعد مسکرا رہے تھے توفی فی خلافة عمر بن عبد العزیز سن۱۹۸ھ وقیل توفی فی سنة اربع و مائة۔

حضرت علیؑ رض نام ہے علی اور کنیت ابوالحسن و ابو تراب ہے، حیدر، اسد اللہ خطابات میں۔

ابوطالب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں ابوطالب کا مشہور نام عبد مناف تھا۔ حضرت علیؑ کی کنیت ابوالحسن ہے لیکن انہیں اپنی کنیت ابوتراب بہت پسند تھی اس لئے کہ یہ کنیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ کسی وجہ سے ان میں اور حضرت سیدہؑ میں کچھ شکر رنجی ہو گئی یہ مسجد میں جا کر سو گئے اتفاقاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حضرت علیؑ کو نہ پایا تلاش کر دانے پر معلوم ہوا کہ مسجد میں سو رہے ہیں آپ تشریف لائے دیکھا کہ پیٹ پر گر دلی ہوئی ہے تو فرمایا قویا اباتراب لے ابوتراب اٹھو اور آپ گر دجھاڑنے لگے، اعلان نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے ان کی تربیت اغوش نبوت میں ہوئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ سے ان کی شادی فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے فاطمہ میں نے اپنے خاندان کے بہترین شخص سے تمہارا نکاح کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴)

علامہ علیؑ فرماتے ہیں اولیٰ خلیفۃ من بنی ہاشم واحد العشرۃ المبشرۃ بالجلۃ و احد الستۃ اصحاب الشرائع الذین توفی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و هو عنہم راض واحد الخلفاء الراشدين واحد العلماء الربانیین واحد الشجعان المشہورین۔ (عمدة ج ۲ ص ۱۳۷)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تیسرے دن باتفاق اہل حل و عقد ۳۷ ہجری بماء ذی الحجہ خلیفہ منتخب ہوئے تین ماہ کچھ دن کم پانچ سال تک مسند امارت خلافت رہے۔ ۸ اردیفرحان مندرجہ میں نماز فجر کے لئے جاتے ہوئے مسجد کوفہ میں عبد الرحمن بن ملجم نے زہر آلود تلوار ماری اور تیسرے دن یکشنبہ کی رات شہید ہو گئے۔ امام حسینؑ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور کوفہ کے ایک قبرستان میں دفن کر دیا اس وقت آپؑ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔

بلاشبہ کذب و جھوٹ، مطلقاً ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے خواہ دین کے معاملہ میں ہو یا دنیا کے معاملہ میں، عبادت سے متعلق ہو یا معاملات سے علی الاطلاق جھوٹ ناجائز و حرام ہے، اور کذب علی الرسول اشد کبائر میں ہے۔ ارشاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا اشد کبائر میں سے ہے

گرامی ہے:

ان کذابا علیٰ لیس ککذب میرے اوپر جھوٹ بولنا لوگوں پر جھوٹ بولنے جیسا نہیں ہے۔

جہود علماء اسلام کے نزدیک کذب علی النبی متعمدا علی الاطلاق اشد کبائر سے، حرام ہے مگر بجز استعمال کافر نہیں ہو گا۔

صرف امام الحرمین ابو العالی شافعیؒ کے والد ابو محمد جوینی اور ابن المیزان نے جھوٹی حدیث بیان کر نیوالے کی تکفیر کی ہے لیکن امام الحرمینؒ نے اس کی تردید کر دی ہے کہ کافر نہیں ہوگا بلکہ خاسق ہوگا۔
بہر حال جہود علماء اسلام کا یہی فتویٰ اور فیصلہ ہے کہ تکفیر اصول اسلام کے خلاف ہے ہاں گناہ کبیرہ بلکہ اکبر کیا کر کا مرتکب کہتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی چیز کے اتساب میں پوری احتیاط کے لئے پانچ روایات پیش کی ہیں جو پانچ صحابہ سے مروی ہیں، ان روایات کو بہترین انداز سے مرتب لایا ہے۔ پہلی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں کذب سے صراحتاً منع فرمایا گیا ہے اور جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کے لئے دوزخ کی وعید سنائی گئی ہے۔ دوسری روایت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۱۰۶ • حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدٍ قَالَ ثنا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزَّبْرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِلزَّبْرِ أَيْ لَا أَسْمَعُكَ تَحَدَّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَحْدُثُ فَلَانٌ وَفَلَانٌ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَفَارِشْهُ وَلَكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ كَذَبَ عَلَى فُلَيْتَبَوَّاءَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ •
ترجمہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ میں نے (اپنے باپ) حضرت زبیرؓ سے کہا میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں فلاں فلاں کی طرح بیان کرتے نہیں سنتا، انھوں نے کہا سنو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں رہا آپ کی حدیثیں میں نے نہ سنی ہو لیکن میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

۱۰۷ • حَدَّثَنَا أَبُو قَعْقَرٍ قَالَ ثنا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ كَذَبَ فُلَيْتَبَوَّاءَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ •
ترجمہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

مطابقته للترجمة مطابق الحديث للترجمة ظاهر

۱۰۸ • حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ هُوَ ابْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ يَقُولُ مَنْ يَقُولُ عَلَى مَا لَمْ أَقُلْ فُلَيْتَبَوَّاءَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ •

ترجمہ

حضرت سلم بن اکوع فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس نے میری جانب ایسے قول کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

مطابقتہ للترجمة | مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة -

۱۰۹ • حدثنا موسى قال ثنا ابو عوانة عن ابي حصين عن ابي صالح عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال تَسْقُوا بِأَسْمِي وَلَا تَكْتُمُوا بِكُنْيَتِي وَمَنْ رَأَى فِي النَّارِ فَقْدَ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَمْتَلِ فِي صُورَتِي وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَدًّا فَلْيَتَّبِعْهُ مَقْعِدَةً مِنَ النَّارِ •

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھو (محمد اور احمد نام رکھو) اور میری کنیت (ابو القاسم) ذکر رکھو اور (ذہن میں رکھو) جس نے خواب میں مجھ کو دیکھا اس نے بلاشبہ مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا اور جو جان بوجھ کر تصدأ مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

مطابقتہ للترجمة | مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة -

تعداد الحديث | والحديث ههنا ٥ وفي المناقب ٥ وفي الادب ٥ ايضا ٩١٥

قوله من رأى في النار فقد رأى فإن الشيطان لا يمتثل في صورتي

ہو حدیث آخر جہاں ارادی بہذا الاسناد یاتی فی الادب فی باب من سقی باسما الانبیاء ٩١٥

مقدون کذا لک دیاتی ہذا الحدیث لفظ فی التفسیر فی باب من رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام ١٣٥

تشریح

باب کی دوسری حدیث عبد اللہ بن زبیرؓ کی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت زبیرؓ سے عرض کیا کہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں فلاں اور فلاں کی طرح بیان کرتے ہوئے نہیں سنتا، کما یحدث فلاں وفلاں، ایک فلاں سے مراد تو ابن ماجہ کی روایت کی بناء پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نہیں دوسرے فلاں کا علم نہیں شاید حضرت ابو ہریرہؓ مراد ہوں۔

قال اما انی لیس اطارقه انو میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں رہا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہے ہوں کیونکہ سفر و ہجرت میں حضرت زبیرؓ ساتھ نہ تھے، نیز جب حضرت زبیرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ ہی میں تھے اس لئے مقصد صرف کثرت ملازمت اور اغلب احوال میں صحبت و معاشری کو بیان کرنا ہے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے حضورؐ سے اپنی قرآنوں کو پہلے بیان کیا اور پھر کہا کہ میں صحبت نبویؐ میں اثر رہا ہوں اور میرے پاس بھی حدیثیں بکثرت محفوظ ہیں لیکن حضورؐ کا ارشاد سن چکا ہوں کہ جو میرے اوپر جھوٹ بولے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اس لئے احتیاط برتا ہوں۔

تیسری روایت حضرت انسؓ کی ہے ترجمہ گزر چکا ہے

حضرت انسؓ مکتربن فی الحدیث میں سے ہیں ان سے دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں مروی ہیں
(عمدہ ج ۱ ص ۱۲۰) پھر آپ کا یہ قول کیسے صحیح ہوگا؟

اشکال

جواب :- آپ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے جتنی حدیثیں یاد ہیں وہ سب بیان نہیں کرتا۔

حضرت انسؓ از خود بہت کم بیان کرتے تھے لیکن چونکہ دس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور عمر بھی بہت طویل ہوئی صحابہ کے آخر زمان تک زندہ رہے، صحابہ تقریباً سب اٹھ چکے تھے صرف دو چار رہ گئے تھے اس لئے لوگوں کا جوبہ عام انھیں کی طرف تھا پس آپؓ سے کثرتِ سوالات کی وجہ سے روایات کی کثرت ہوئی چونکہ سوال کے بعد کتمانِ علم پر بھی وعید منقول ہے ارشاد نبوی ہے :-

من سئل عن علم فکتمہ الجسم
یومہ القیامۃ بلجام من النار

(ابن ماجہ ص ۲۳)

حدثنا المکی بن ابراہیم الذہبی اس باب کی چوتھی حدیث ہے اور صحیح بخاری شریف کے باب ۲۲ ثلاثیات میں سے پہلی ثلاثی ہے جس میں امام بخاریؒ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہیں، ایک واسطہ کی ابن ابراہیم ہیں جو امام بخاریؒ کے اکابر شیوخ میں سے ہیں اور امام اعظمؒ کے تلامذہ حدیث میں سے ہیں جس کی تصریح خود حافظ عسقلانی شافعی نے کی بن ابراہیم کے حالات میں کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۹۳) حضرت شیخ اکبر حدیث سہارنبوریؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کے باب ۲۲ ثلاثیات میں سے ہیں کے مشائخ حنفی ہیں گویا صحیح بخاری شریف کی سند میں علو امام اعظمؒ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد سے پیدا ہوا۔

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ جس کو امام بخاریؒ کے استادوں نے امام مانا ہے اس کی امامت کیوں تسلیم نہیں؟

جو تھی حدیث حضرت سلمہ بن اکوعؒ کی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ "مَنْ یَقُلْ عَلٰی مَا لِعِرَاقِلْ" میں قول کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس وجہ سے بعض حضرات روایت بالمعنی کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ روایت بالمعنی کی صورت میں ارشاد نبویؐ میں لفظی تغیر واقع ہو جائے گا۔

لیکن جہوں کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :-

واجب من جهة المجوزین بان المراد
الذہبی عن الاتیان بلفظ یوجب تغیر
الحکم علی ان الاتیان باللفظ اولی
بلا شک۔

اور روایت بالمعنی کو جائز قرار دینے والوں کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے حضورؐ کے ارشادات میں ایسے الفاظ لانے کی ممانعت مقصود ہے جو حکم کو بدل دیں۔ البتہ روایت بلفظ نقل کرنا بلا اختلاف سب کے نزدیک اولیٰ ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ آپ کی کنیت ابو سلمہ ہے وقیل ابو عامر وقیل ابو یاس۔ آپ بڑے بہادر اور ماہر تیر انداز صحابی تھے۔ صاحب فضل و کمال اور سخی تھے۔ پہلے دوڑتے تو سواروں سے آگے ہو جاتے، بیعت رضوان میں شریک ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن تین بلد بیعت کی ابتدا میں، درمیان میں، پھر اخیر میں۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ علامہ عینی وغیرہ نے یوں ذکر کیا ہے کہ ان کا خود بیان ہے کہ میں نے ایک بھیڑیا دیکھا جس نے ہرن کو پکڑ لیا ہے تو میں نے بھیڑیے کا تقاب کیا اور اس سے ہرن کو چھین لیا تو بھیڑیا کہنے لگا ”تمہاری خرابی ہو تمہیں میرے معاملہ سے کیا تعلق؟ مجھے خداوند تعالیٰ نے ایک رزق دیا تھا تم نے اُسے چھین لیا حالانکہ تیرا مال نہیں تھا پھر سبھی مجھ سے چھین لیا۔ میں نے سخت حیرت سے کہا لوگو! دیکھو کسی عجیب بات ہے کہ بھیڑیا کلام کبہ پا ہے۔ اس پر بھیڑیے نے کہا اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ کا رسول کھجوروں کے باغوں والے شہر مدینہ طیبہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں اور تم تو ان کی عبادت پر مصر ہو۔

حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سنکر سیدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔

اسی طرح بھیڑیے کے کلام کرنے کا ایک واقعہ مشکوٰۃ میں بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک یہودی چر دانہ نے بھیڑیے کی بات سنی اور حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔
(مشکوٰۃ ص ۵۸۱ باب المعجزات فصل ثانی)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ میں انہی برس کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔

حدیث ناموسی الوہیہ یا بخیر حدیث یعنی اس باب کی آخری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے۔

قال فسقوا باسمی بفتح الیاء والین والیم الشدة امر بصیفة الجمع من باب تفعیل۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے نام پر نام رکھ لو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔

سبب ورود اس حدیث پاک کا شان ورود یہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ بازار تشریف لے جا رہے تھے کسی نے آواز دی ”یا ابوالقاسم“ آپ نے سمجھا کہ مجھے پکارا ہے، آپ اس کی طرف

متوجہ ہوئے تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے آپ کو نہیں بلکہ فلاں شخص کو پکارا ہے، اس التباس کی وجہ سے آپ نے اپنی کنیت سے ممانعت فرمائی اور نام سے چونکہ غوثا نہیں پکارا جاتا تھا اس لئے نام سے منع نہیں فرمایا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہود ابوالقاسم کنیت رکھتے تھے آپ کو ایذا پہنچانے کے لئے چنانچہ جب آپ کو دیکھتے تو پکارتے اے ابوالقاسم! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوتے تو کہتے کہ آپ کو نہیں بلایا بلکہ فلاں کو بلایا ہے اس لئے آپ نے کنیت ابوالقاسم سے منع فرمایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کسی نام سے اگر صلح یا ذم (تعریف یا بُرائی) ظاہر ہو تو اسے لقب کہتے ہیں جیسے حکیم الامت، شیخ الاسلام۔ ورنہ اگر اس کے شروع میں اب یا اُم ہو تو کنیت ہے جیسے ابو بکر، ام الدرداء ورنہ نام ہے جیسے عمر، عثمان۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمدؐ اور کنیت ابوالقاسم اور لقب رسول اللہ سید المرسلین خاتم النبیین ہے۔

اسم گرامی اور کنیت کا حکم | حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز نہیں لیکن محمد یا احمد نام رکھنا جائز ہے۔

لیکن ابوداؤد میں ایک روایت ہے :-

من تسمی باسمی فلا یکنی بکنیتی ومن اکتی بکنیتی فلا یتسمی باسمی۔

(ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۶۷۸ کتاب الادب)

نیز ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یجمع احد بین اسمہ وکنیتہ ویسمی محمداً ابوالقاسم۔

(ترمذی ج ۲ ابواب الادب صفحہ ۱۱)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں (نام اور کنیت) جمع کرنا ممنوع ہے صرف محمد نام رکھنا یا صرف ابوالقاسم کنیت رکھنا منع نہیں تھا چنانچہ بعض حضرات اسی کے قائل ہیں، جہور کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کی ممانعت کا جو بھی حکم تھا وہ خیات مبارکہ ہی تک محدود تھا، حضورؐ کے وصال کے بعد منسوخ ہے نام اور کنیت دونوں کو جمع کرنا خود حضور اقدسؐ کی اجازت سے ثابت ہے۔

ابوداؤد شریف میں محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپؐ کے بعد میرے کوئی لڑکپیدا ہو تو اس کا نام حضورؐ کے نام پر اور اس کی کنیت حضورؐ کی کنیت پر رکھوں؟ فرمایا ہاں اجازت ہے۔ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ابن الحنفیہ کا نام محمد رکھا اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔

پس معلوم ہوا کہ اب دونوں کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ کسی ایک میں مضائقہ ہے کیونکہ ممانعت کی علامت مرفوع ہو گئی۔

قوله "مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَد رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي"

جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا ہے (یعنی کسی دوسری چیز کا وہم نہ کرے) کیونکہ شیطان میری صورت میں متشکل نہیں ہو سکتا ہے (یعنی شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ میری صورت اختیار کر سکے)۔

حافظ عسقلانیؒ نے ایک مستقل رسالہ کتاب الرؤیا کے نام سے لکھا ہے، فرماتے ہیں رؤیا کے تین اقسام ہیں۔

رؤیا یعنی خواب کے اقسام

(۱) کبھی بعینہ اصل چیز نظر آتی ہے یعنی رؤیا (خواب) کسی صحیح واقعہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔

(۲) کبھی شیطان اصل کی صورت میں متشکل ہو کر نظر آتا ہے۔

(۳) کبھی قوت خیال میں جو اشیاء ہوتی ہیں قوت مصورہ انھیں سامنے کھڑا کر دیتی ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری صورت میں متشکل ہو کر کھیلان نہیں آ سکتا، شیطان کو یہ قدرت ہی نہیں کہ اگر یہ کہہ دے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

خواب میں حضورؐ کی رویت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سے متعلق مختلف روایات ہیں۔

(۱) من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی۔

(۲) من رآنی فی المنام فقد رآی الحق۔

(۳) من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة او لکامنہ رآنی فی الیقظة۔

مسلم نے سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے دیکھئے (مسلم ج ۲ ص ۲۴۲)
جہاں متصوفین نے فقہ رائی الحق کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، یہ صریح الحاد اذہبے دینی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا وہ کسی دہم میں نہ پڑے اس نے ٹھیک مجھے ہی دیکھا۔

بعض علماء نے خیراتی کہ روایت کی اصل قرار دیکر یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا وہ آخرت میں مجھے دیکھے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آخرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار تو ہر مومن کو ہو گا تو اس کی کیا تخصیص؟

اشکال

جواب :- اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس شخص کو خاص قسم کی رویت نصیب ہوگی اور اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نظر عنایت ہوگی۔

اور جن روایات میں ہامنی کے صیغے ہیں ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ تحقیق وقوع پر دلالت کے لئے لاشعہ ہیں کافی قولہ تعالیٰ: وسیق الذین کفروا وامثالہ۔

اور بعض نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ یہ حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے

ساتھ مختص تھا، مطلب یہ ہے کہ میری زندگی میں جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ میرے پاس بہو بنگر مجھے دیکھ لے گا۔

اور بعض نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے مابعد پر بھی شامل کہا ہے بایں طور کہ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس کو آپ کے روح مبارک کی زیارت نصیب ہوگی مگر یہ تو جہات اس لئے صحیح نہیں کہ فان الشیطن لا یتمثل فی صورتی کی تعبیل ان کی تردید کرتی ہے۔

لہذا اس روایت کا صحیح مطلب وہی ہے جو اس کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ یہ وہم نہ کرے کہ شاید شیطان تشکل ہو کر آگیا ہو بلکہ اسے یقین رکھنا چاہئے کہ اس نے مجھے ہی دیکھا ہے۔

حل یلزم ان تكون روایتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صورتہ الاصلیۃ ؟
اس میں اختلاف ہے کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی علیہ اور حقیقی صورت کا دیکھنا ضروری ہے یا نہیں ؟

شاہ رفیع الدین اور سید العبرین ابن سیرین اور قاضی عیاض رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مسلک ہے کہ آپ کی اصلی صورت کا دیکھنا ضروری ہے۔

فن تعبیر میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ابن سیرین کے برابر کسی کا درجہ نہیں، آپ کے پاس اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا خواب بیان کرتا تو اس سے علیہ اور علامات دریافت فرماتے، اگر اس کی بتائی ہوئی علامات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان علامات سے مطابقت کرتیں جو کتب سیرت میں منقول ہیں تو قبول فرماتے ورنہ رد فرمادیتے فان الشیطن لا یتمثل فی صورتہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت متعینہ اگر دیکھی ہے تو یقین ہوگا کہ یہ شیطان تشکل نہیں ہے۔

مگر جبہور علماء اور شاہ عبدالعزیز اور امام غزالی رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی علامات کا دیکھنا ضروری نہیں صرف اتنا کافی ہے کہ رائی بوقت روایت یہ یقین کئے ہوئے ہو کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف صورتوں میں دکھائی دینا کبھی رائی کے قلب کا عکس ہوتا ہے مثلاً اچھی صورت میں دکھائی دینا رائی کے قلب کی صفائی کی دلیل ہے اور کسی ناجائز صورت یا ناجائز لباس میں دکھائی دینا رائی کی سیئات کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی رائی کی حالت کی طرف اشارہ نہیں ہوتا بلکہ کسی حالت عامہ سے تعبیر ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالعلی صاحب مدرس مدرسہ عبدالرب نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوٹ چٹون پہنے ہوئے ہیں تو بہت پریشان ہوئے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں لکھا، آپ نے خواب تحریر فرمایا کہ اس میں آپ کی کسی برائی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ دین پر غلبہ

نفرانیت کی طرف اشارہ ہے۔

خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بلا اتفاق حجت نہیں اگر خلاف شرع ہوگا تو قبول نہ کیا جائیگا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگرچہ شیطان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سے متمثل نہیں ہو سکتا مگر یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ شیطان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ سے اپنا لہجہ نہیں ملا سکتا، رالی نے جو کہ سنا اس میں شیطان کے اختلاط کا احتمال ہے اس لئے حجت نہیں۔

مگر فتح الملیحیث میں علامہ سیاحادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حجت نہ ہونے کی مذکورہ بالا وجہ بیان کرنا مناسب نہیں، صحیح و ظہیر ہے کہ حالت نوم حالت غفلت ہے اور مغلط کی روایت قبول نہیں، نوم میں غفلت کی وجہ سے الفاظ کے تغیر اور سیان کا احتمال باقی رہتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حکایت از شیخ اجل عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ مشہد مکی کے از فقرہ مغرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خواب دید کہ اورا لشرب خمر امر فرمایند رخ اشکال را از مشایخ وقت خود استفادہ کرد کہ حقیقت حال چیست؟ پرس از مشایخ اگر تا مغلطے و تبادلتے کردند، در مدینہ منورہ مطہرہ عزیزے بود از مشایخ مشایخ وقت خود کہ ایشان را شیخ محمد بن عراقی می گفتند در غایت اتباع و استقامت چون استفادہ در منظر ایشان در آمد فرمود این چنین نیست، در سامعہ آن شخص غلطے بود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لا تشرب الخمر فرمودہ اند و سے لا تشرب را اشرب شنیدہ۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا خیال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشرب الخمر تہدید فرمایا ہوگا۔

روایتہ صلی اللہ علیہ وسلم تکرر بالجسد المثالی؟

اس موقع پر ایک اور اختلاف ہے کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت جسم مثالی کے ساتھ ہوتی ہے یا کہ جسد حقیقی کے ساتھ بایں طود کہ آپ کی قبر مبارک اور رالی کے درمیان سے حجاب اٹھائے جاتے ہیں۔

امام غزالی و سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ رویت بالمثال کے قائل ہیں اور بعض روایت میں حکماء و راوی کے الفاظ بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔ بعض ادویار کو حالت بیداری میں بھی بصورت کشف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اس حالت میں بھی آپ کا قول حجت نہیں۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف رشد و ہدایت کے مظہر ہیں اور شیطان صرف لطیفہ صفت مخلوقات کا مظہر ہے اور اللہ تعالیٰ بادی بھی ہیں اور مغلط بھی اس لئے شیطان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا اگر کسی شخص نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو

ممكن ہے کہ وہ شیطان ہو اور رائی اسے اللہ تعالیٰ سمجھ رہا ہو۔ (ارشاد القاری)

نقل فی الدر المختار عن امامنا الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اندہ رأی ربہ فی المنام مائۃ
مرۃ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لرؤیتہ تعالیٰ فی المنام قصۃ مشہورۃ
ذکرہا الحافظ النجم الغیثی وہی ان الامام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال
رأیت رب العزت فی المنام تسع وتسعين مرۃ فقلت فی نفسی ان رأیتہ
تمام المائۃ لاسئلنہ بمرینجو الخلاق من عذابہ یوم القيامة قال فرأیتہ
سجانبہ وتعالی فقلت یارب عز جارتک وحل ثنائک وقدست اسمک
بمرینجو مبادک یوم القيامة من عذابک فقال سجانبہ وتعالی من قالے
بعد العتاة والعشی سجان الابدی الابد سجان الواحد الاحد سجان
الفرد الصمد سجان رافع السماء بغیر عمد سجان من بسط الارض
على ماء جمہ سجان من خلق الخلق فاحصا هر عدد سجان من قسم
الرزق ولم ینس احد سجان الذی لم یتخذ صاحبة ولا ولد سجان
الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفرا احد، نجا من عذابی احد (در المختار ج ۱ ص ۳۵)
ارشاد القاری کا حوالہ ممکن ہے کہ مصری نسخہ کا ہو لیکن شای مطبوعہ دیوبند دیکھیے (ج ۱ ص ۳۵)

اجزاء حدیث کا باہمی ربط

اس حدیث میں چار چیزیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ (۱) ایک نام
پر نام رکھنا۔ (۲) کنیت پر کنیت رکھنا۔ (۳) خواب میں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا۔ (۴) آپ پر قصد جھوٹ ہونا۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اجزاء میں ربط کیا ہے؟ علامہ بدر الدین عینی
فرماتے ہیں دوسرے حکم کو پہلے حکم کے بعد ارشاد فرماتا تو ظاہر ہے کیونکہ نام اور کنیت دونوں
ایک ہی دادی کی چیزیں ہیں، اسی طرح حکم رابع کو حکم ثالث کے بعد لانا بھی ظاہر ہے کیونکہ اذا کذب علیہ
باندراہ فی المنام الا یعنی آپ پر جھوٹ ہونا خواہ عالم بیداری میں ہو یا عالم خواب میں دونوں حرام اور
وعید مذکور میں داخل ہیں۔

تیسرے حکم کو دوسرے حکم کے بعد لانے میں کیا ربط ہے؟ اس کی وضاحت کو علامہ عینی نے شاید
مستقبل کے لئے چھوڑ دیا ہو اور سیر تکمیل کا موقع نہ مل سکا۔

بعض علما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت منامی کو تسمیہ سے تعبیر کیا ہے یعنی میرے نام
پر (عہد اور احد) نام رکھو، میری کنیت ابو القاسم نہ رکھو اور جس نے خواب میں مجھ کو دیکھا بیشک اس
نے مجھ ہی کو دیکھا یعنی خواب میں بھی جس چیز پر میرا تسمیہ آجائے بایں طور کہ دل کو ایسا دے یا کوئی

بتا دے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو سمجھ لو کہ میں ہی ہوں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ ۲۱

علمی باتوں کے لکھنے کا بیان۔

ربط قبل

ما قبل کے باب میں اس کی تعلیم اور تاکید تھی کہ نقل روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا گناہ بلکہ اشد کبائر میں سے ہے اس لئے احادیث کے نقل میں احتیاط ضروری ہے۔ اب اس باب میں اس احتیاط کی صورت بیان کی جا رہی ہے کہ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو لکھ لیا جائے اس لئے امام بخاریؒ نے احتیاطی الحدیث اور توفی عن الکذب کے بعد کتابت حدیث کا باب مستفاد کیا ہے۔

مقدمہ

ترجمہ الباب سے مقصد یہ ہے کہ حدیث اور علم دین کی کتابت بدعت نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مزید تفصیل کے لئے شروع مقدمہ میں تدوین حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت نگوہیؒ فرماتے ہیں: "احادیث نبوی عن الکتابت سے ممانعت مفہوم ہو سکتی تھی اس لئے امام بخاریؒ نے اس باب کو مستفاد کر کے اس شبہ کو دفع کر دیا کہ ممانعت ابتداء میں تھی پھر آپؐ نے کتابت کی رخصت عنایت فرمادی۔ (اعداد الباری بحوالہ لامع)

۱۱۰ • حدثنا محمد بن سلام قال اخبرني وكيع عن سفيان عن مطرف عن الشعبي عن ابی جحيفة قال قلت لعلي رضي الله عنه هل عندك كتاب قال لا الا كتاب الله اوفهم اعطيه رجل مسلم او ما في هذه الصحيفة قال قلت وما في هذه الصحيفة قال العقل وفكاك الاسير ولا يقتل مسلم بكافر •

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؑ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں مگر اللہ کی کتاب (قرآن شریف) یا سمجھ جو مسلمان کو دی جاتی ہے یا جو اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے، ابو جحیفہ نے کہا میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا لکھا ہوا ہے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا دیت کے احکام، قیدی کو چھڑانے کا بیان اور یہ حکم کہ مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے۔ مطابقتہ للوجہ: مطابقة الحديث للترجمة في قوله "وما في هذه الصحيفة" لان الصحيفة هي الورقة المكتوبة۔

تعداد الحدیث: والحديث ههنا ۲۱. ویاقی فی کتاب الجہاد ص ۴۳۳ وفي الدیات

ص ۱۰۲ ایضاً ص ۱۰۲۔

تشریح: امام بخاریؒ نے اس باب کے تحت چار احادیث ذکر فرمائے ہیں اور چاروں احادیث

میں علوم نبوت کو ضبط تحریر میں لانے کا ثبوت ہے یہی حدیث ابو حنیفہ کی ہے۔

عن ابی حنیفۃ (بعضہم یلم وفتح الحاء) ان کانام وہب بن عبد اللہ سوائی (بعضہم اسین الہملہ و تخفیف الواد) کوذکرے باشندہ صفار صحابہ میں سے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بانٹے بھی نہیں ہوئے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محبوب اور معتمد تھے حضرت علیؑ نے ان کو کوذکرے بیت المال کا امین مقرر کیا تھا (مکہ میں وصال فرمایا (عمرہ)

ہل عندک کتاب قال لا ابو حضرت ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی اور کتاب (نوشتہ) ہے یعنی اس قرآن حکیم کے علاوہ جو سارے مسلمانوں کے پاس ہے کیا اس کے علاوہ بھی آپ کے پاس کوئی خصوصی مکتوب و نوشتہ ہے؟ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص آپ کو لکھوایا ہو۔

حضرت علیؑ ہی کے دوسرے رافضی شیعوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علیؑ کے پاس کوئی خاص نوشتہ مکتوب کی شکل میں ہے جس کا علم کسی کو نہیں۔

اسی زمانہ میں عبد اللہ بن سبا یہودی نے مسلمانوں میں غلط عقائد کی تبلیغ شروع کر رکھی تھی مثلاً یہ کہ اصل قرآن تو حضرت علیؑ کے پاس محفوظ ہے اور اس کے رکش پاروں میں مناقب اہل بیت کا ذکر ہے، اور یہ قرآن جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے یہ اصل اور پورا قرآن نہیں ہے یہ بیاض ثعلبی ہے، روافض یہ بھی بدویگنہ کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کو بطور خاص وحی کے کچھ علوم و علم فرمائے ہیں جو سینہ بہ سینہ صرف اہل بیت کی طرف منتقل ہوتے رہیں گے۔

اس قسم کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت ابو حنیفہؒ اور بروایت نسائی قیس بن عبادہ اور اشتہیؒ اور مختلف لوگوں نے حضرت علیؑ سے سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی خاص احکام والی وحی ہے؟ یہ حدیث جس میں وحی کے متعلق سوال کی تصریح ہے آگے بخاری اول ص ۴۲۸ پر آئیگی جس کے الفاظ ہیں ہل عندک شیئ من الوحی الہی۔

پھر حال حضرت علیؑ نے جواب دیا لا الا کتاب اللہ او فہم اعطیہ رجل مسلم کوئی نہیں مگر اللہ کی کتاب الہی یعنی ہمارے پاس کوئی خصوصی نوشتہ نہیں الہی۔ گویا حضرت علیؑ نے شیعوں کے اس غلط عقیدے کی تردید کر دی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ غلط کہا جاتا ہے کہ میرے پاس کوئی خاص مکتوب ہے، میرے پاس ارد تو کچھ نہیں وہی کتاب اللہ ہے جو سب کے پاس ہے اور عقل سلیم جو اللہ تعالیٰ رجل مومن کو دیتا ہے (یعنی وہ بھی کوئی خاص خصوصیت میری نہیں ہے) اور وہ کتاب اللہ میں غور کر کے حقائق و معارف اور بہت سی باتیں معلوم

کہ کتاب ہے جن کا ذکر صریحہ کتاب اللہ میں نہیں۔

الا کتاب اللہ اور فہو کے استثناء میں اختلاف ہے کہ یا استثناء متصل ہے یا منقطع ؟ علامہ بدرالدین عینیؒ اور حافظ بن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں استثناء منقطع ہے، اور محدث ابن منیرؒ اور علامہ ابوالحسن سندھیؒ کے نزدیک استثناء متصل ہے۔

محدث ابن منیرؒ فرماتے ہیں کہ الا کتاب اللہ اور فہو کو بارفع ذکر کیا گیا ہے لو کان الاستثناء من غیر الجسد لکان منصوباً (رفع) اگر استثناء غیر جس (یعنی منقطع) ہوتا تو رفع کے بجائے نصب ہوتا۔ اس صورت میں روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے پاس دو چیزیں مکتوب اور لکھی ہوئی ہیں ایک کتاب اللہ اور دوسری اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعم سے استنباط کئے ہوئے مسائل، اور ان کے ارشاد اور فہو اصطلاحیہ رجل مسلوس سے بھی مراد ہے (عہدہ)

علامہ بدرالدین اور حافظ ابن حجر کا ارشاد علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا ترجمان یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس اجتہادی مسائل لکھے ہوئے

ذبحہ یعنی استثناء منقطع ثابت کرنے کے لئے دو استدلال پیش کئے ہیں، ایک وہ روایت جو امام بخاریؒ کتاب الدیات میں لائے ہیں ما عندنا الا ما فی القرآن الا فہما یعطی رجل فی کتابہ منہ (۱۳) یہاں پہلا استدلال استثناء مفرغ ہے اور دوسرا منقطع ہے، یعنی ہمارے پاس صرف کتاب اللہ مکتوب ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنی کتاب (قرآن حکیم) میں خصوصی نعم عطا فرمادے تو قرآن حکیم میں جو اشیاء منصوصہ ہیں وہ ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے استنباط پر قدرت پالیتا ہے فتحصل عنده الزیادۃ بذات الکف الا اعتبار (فتح ۵ ص ۱۶۵)

دوسرا استدلال جو زیادہ واضح ہے جس کو امام احمد نے طارق بن شہاب کے طریق سے بسند حسن نقل کیا ہے۔ شہدت علیا علی المنبر وهو یقول میں نے حضرت علیؑ کو منبر پر دیکھا وہ فرما رہے تھے کہ واللہ ما عندنا کتاب نقرؤہ علیکوالا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ (عہدہ ص ۱۶۵) اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی مراد لفظ فہو سے کوئی مکتوب (لکھی ہوئی چیز) نہیں اگر کچھ اجتہادی مسائل مکتوب ہوتے تو ان کو ضرور ذکر فرماتے۔

صحیفہ میں کیا تھا ؟ ابو حمزہؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہوا ہے ؟ حضرت علیؑ نے فرمایا العقل وفکاٹ الامیر ولا یقتل مسلم بکافر۔

یعنی اس صحیفہ میں دیت کے مسائل ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے بارے میں احکام، اور یہ حکم کہ مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے۔

قوله العقل ، ای الذیة و انما سمیت به لانهم كانوا یعطون فیها الابل ویعطونها
بفضاء دار المقتول بالعقل وهو الحبل و وقع فی رواية ابن ماجه بدل العقل الذیات
والمراد احکامها و مقادیرها و اصنافها (فتح مباحث ۱۶۵ تا ص ۱۶۶)
عقل سے مراد دیت کے احکام و مقادیر و اقسام ہیں۔ یعنی دیت کی کتنی قسمیں ہیں اور اس کے وجوب
کی کیا صورت ہے؟ اور کس طرح ادا کی جاتی ہے؟

لا یقتل مسلم بکافر یہ معرکہ الآراء اور اختلاف فی مسئلہ ہے، اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو قتل کر دے تو
اس قاتل مسلمان کو مقتول کافر کے عوض میں بطور قصاص قتل کیا جائے گا یا نہیں؟
کافر مقتول کی تین صورتیں ہیں: ۱۔ حربی ۲۔ معاهد مستامن ۳۔ ذمی
حربی کافر میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ سب کے نزدیک مباح الدم ہے اس لئے حربی کافر کے قتل پر بالاتفاق
مسلم سے قصاص نہیں لیا جائیگا۔

۲۔ معاهد مستامن اور ذمی میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔
ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مسلم سے قصاص نہیں لیا جائے گا البتہ ذمی و مستامن میں دیت
لازم ہوگی، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ عہد و استیمان کی وجہ سے گو حفاظت لازم ہوگئی مگر جو اصلی علت ہے
اباحت دم کی وہ بدستور قائم ہے اس لئے مسلم کی جان اس کے قصاص میں نہیں لی جاسکتی و بہ قال
الاورانی، واللیث، والشوری، والاسحاق وغیرہم (عمدہ)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ وغیرہ حدیث باب لا یقتل مسلم بکافر سے استدلال کرتے ہیں اور
فرماتے ہیں کہ مسلم بھی نکرہ ہے اور کافر بھی نکرہ، اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا
ہے پس حدیث یک کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا خواہ وہ
کافر حربی ہو یا ذمی۔

ائمہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تو اس کافر ذمی کے عوض میں مسلمان سے
قصاص لیا جائے گا وہو قول النخعی و الشعی و سعید بن المسیب و محمد بن ابی لیلیٰ و عثمان البتی و ہر
روایت عن عمر بن الخطاب و عبد اللہ بن مسعود و عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم، امام مالکؒ اور لیث
بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسلم نے دھوکہ سے کسی ذمی کو قتل کر دیا تو اس مسلم پر قصاص ہوگا اور اگر
دوسرے کسی طریقہ سے قتل کیا تو قصاص نہیں (عمدہ)

ائمہ حنفیہ کے دلائل (۱) قصاص کی نصوص قرآنیہ مطلق ہیں یا ایہا الذین امنوا
کتب علیکم القصاص فی القتلى الحر بالحر المؤمن (مائدہ آیت ۴۵)

(۲) کتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین والا (مائدہ آیت ۴۵)

ان آیات میں ذی کا کوئی استثناء نہیں۔

(۳) وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (سورہ فرقان آیت ۷۱)

اس آیت میں حرمت نفس ذی کو بھی شامل ہے لہذا اس کے قاتل پر قصاص بھی واجب ہونا چاہیے۔

(۴) وَقَالَ بَعْضُ الْعَنْفِيَّةِ وَقَعَ الْجَمَاعُ عَلَى أَنَّ الْمُسْلِمَ تَقْطَعُ يَدَهُ إِذَا سَرَقَ مِنْ مَالِ الذَّمِّيِّ فَكَذَا يَقْتُلُ إِذَا قَتَلَهُ الْإِمْرَاءُ (عمرہ) یعنی اگر کوئی ذی کا مال چرائے تو اس پر بالاتفاق قطعید کی سزا ہے اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوا کہ ذی کے قاتل پر قصاص بشرقی اولیٰ ہونا چاہیے اس لئے کہ قتل نفس کا معامہ سرقہ مال سے بہت زیادہ اہم ہے۔

(۱) امام طحاوی نے یہ جواب دیا ہے کہ لَا يَقْتُلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ میں بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ لَا يَقْتُلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ میں بعض روایات میں

احناف کی طرف سے جواب

لَا يَقْتُلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ کے بعد وَلَا ذُو عَهْدٍ فی عہدہ کے الفاظ بھی ہیں (کافی ابی داؤد ص ۱۲۳) ایضاً طحاوی ص ۱۲۴ باب المؤمن یقتل الکافر متعدياً اس میں داؤد عطفیہ جس کا عطف مسلمان پر ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ کوئی مسلم اور ذُو عہد یعنی ذی کسی کافر کے مقابلہ میں قتل نہ کیا جائے پس ذی اور کافر کے مقابل سے معلوم ہوا کہ کافر سے مراد حربی ہے۔

(۲) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ لَا يَقْتُلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ میں مسلم و ذی فی حکم مراد ہے یعنی لفظ مسلم حقیقی اور حکمی دونوں کو شامل ہے۔ حکمی مسلم سے مراد ذی ہے اس لئے کہ انہوں نے حفاظت مال و دم کے لئے جزیہ قبول کیا۔

۱۱۱ • حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ الْفَضْلُ بْنُ دَكِينٍ قَالَ سَمِعْتُ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خُرَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتْلِ مَنَّهُمْ قَتَلُوهُ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَكَبَ رَأْسَهُ فَخَطَّ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوْ الْفِيلَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَاجْعَلُوا عَلَى الشَّكِّ كَذَا قَالَ أَبُو نَعِيمٍ الْقَتْلَ أَوْ الْفِيلَ وَغَيْرُهُ يَقُولُ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمَرَّ تَجَلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا تَجَلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَا يَفْتُلِي شَوْكُهَا وَلَا يَعْصِدُ شَحْنُهَا وَلَا تَلْتَقِطُ سَائِقُطُهَا إِلَّا لِمَنْشِدٍ فَمَنْ قَتَلَ فَمِنْهُمْ بِخَيْرِ النَّظَرِ إِمَّا أَنْ يَفْعَلَ وَإِمَّا أَنْ يَقَادَ أَهْلَ الْقَتْلِ فَنَجَّوْهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ أَكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَكْتُبُوا لِي فَلَا بِي فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا إِذْ خَرَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بَيْتِنَا وَنَقْبُرُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

علیہ وسلم الا الاذخر الا الاذخر • بخاری ص ۲۱

ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ نے بنو لیت کے ایک شخص کو اس سال مار ڈالا جس سال فتح مکہ ہوا اپنے ایک خون کے بدلے جو بنو لیت نے ان کا کیا تھا اس کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپؐ اپنی اذنہنی پر سوار ہوئے اور خطبہ پڑھا پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل کو یا فیل (دہاتیوں) کو روک دیا، امام بخاری نے کہا اس لفظ کو شک ہی کے ساتھ رکھو ابوہریرہؓ نے یوں ہی کہا انقل یا الفیل، اور ابو نعیم کے سوا اور لوگ کہتے ہیں الفیل (بلا شک) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اللہ کے رسول اور مؤمنین کو اہل مکہ پر غاب کر دیا گیا، اور سن لو کہ وہ مکہ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔

سن رکھو بیشک میرے لئے بھی دن کی ایک گھڑی (شک) مکہ حلال رہا، سن رکھو کہ مکہ اس وقت بھی حرام ہے نہ وہاں کے کانٹے کاٹے جائیں گے اور نہ اس کے (خودرو) درخت قطع کیے جائیں گے اور وہاں کی بڑی ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے مگر جو سپہ بخوانا چاہے (وہ اٹھا سکتا ہے) پس جو شخص قتل کر دیا جائے تو (ورثہ کو) دو میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو دیت لے یا قصاص، اتنے میں بین والوں میں سے ایک شخص (ابو شاہ) آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے لکھ دیجئے تو آپؐ نے فرمایا انقل کے لئے لکھ دو۔ پھر قریش کے ایک شخص (حضرت عباسؓ) نے عرض کیا یا رسول اللہ ازخرو کو مستثنیٰ کر دیجئے کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں اور قبروں میں لگاتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اچھا ازخرو اچھا ازخرو (کاٹ سکتے ہو)۔“

مطابقۃ للترجمة

مطابقۃ للترجمة فی قوله ”اكتبوا لابی فلان“ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حدیث کی کتابت ہو رہی ہے چونکہ یہ ابو شاہؓ بنا تھا اس لئے حضور اکرمؐ سے لکھوانے کی درخواست کی۔

تعداد موضع

والحدیث ھنا فی کتاب العلم ۲۱ وای فی اللقطۃ عن یحییٰ بن موسیٰ ص ۳۲۸ و فی الذیات ص ۱۰۱۶۔

تشریح

اس حدیث میں دو قتل کا ذکر ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔
صلح حدیبیہ کے موقع پر بنو خزاعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے تھے اور بنو بکر یا بنو لیت (ھذا علی الشک) قریش کے حلیف بن گئے تھے اور معاہدہ یہ ہوا تھا کہ دس سال تک کوئی کسی پر حملہ نہ کرے، بنو لیت نے غدر کیا اور خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور کفار قریش نے خفیہ بنو لیت کی مدد کی تو بنو خزاعہ نے اس واقعہ کی اطلاع دینے اور امداد طلب کرنے کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا کیونکہ یہ لوگ آپؐ کے حلیف تھے، آپؐ حضرت میمونہؓ

کے گھر تشریف فرما تھے اور آپ عمر کا حضور فرما رہے تھے وہ دنداب تک نہیں پہنچا تھا حضور اکرم نے فرمایا: لَبَيْكُ، لَبَيْكُ، لَبَيْكُ۔ انصرت، انصرت، انصرت۔ حضرت نمیرہؓ نے تعجب سے دریافت کیا کہ آپ کس کے ساتھ کلام فرما رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا بنو خزاعہ کا وفد طلب امداد کے لئے نکلا رہا ہے بنو لث نے ان سے بد عہدی کی ہے چنانچہ تنقوڑی دیس کے بعد وہ وفد پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور امداد کا وعدہ فرمایا اور یہی واقعہ صلح حدیبیہ توڑنے کا باعث ہوا۔ (درمیان تفصیل کے لئے نہر الباری کتاب المغازی فتح مکہ دیکھئے ص ۳۳ تا ۳۴)

آپ مکہ پر حملہ آور ہوئے اور مکہ فتح ہو گیا اس کے بعد آپ نے امن کا اعلان فرمایا چونکہ بنو خزاعہ اپنا آدمی قتل ہو جانے کی وجہ سے خار کھائے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے جوہنی بنو لث میں سے قاتل کو دیکھا فوراً اس پر ٹوٹ پڑے اور خراش بن امیہ خزاعی نے قتل کر دیا۔ یہ خراش بن امیہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور اعلان امن کے بعد انہوں نے قتل کیا تو ثابت ہو گیا کہ ایک مسلمان نے ذی کو قتل کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم صادر فرمایا؟ اس کا جواب اس حدیث میں بالکل صاف ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی (یعنی قتل المسلم الذی) کی اطلاع دی گئی تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور خطبہ دیا اور باتوں کے علاوہ یہ بھی ارشاد فرمایا:

فمن قتل فهو بخير النظرين اما
أن يعقل ولما أن يقاد۔
جو شخص قتل کر دیا جائے تو درنار کو دو میں سے ایک کا اختیار ہے یا تودیت لے یا قصاص۔

یہ قانون بیان فرمادیا کہ ذمی کے عوض میں مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے۔
إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ حِكْمَةِ الْإِمْلَاءِ اعلان امن کے بعد خزاعی کے قتل کی خبر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا فیل کو روک دیا" آپ نے قتل کا لفظ ارشاد فرمایا یا فیل کا؟ امام بخاریؒ کہتے ہیں اسے شک پر ہی رہنے دیا جائے کیونکہ میرے استاد ابو نعیم نے مجھ سے یہ نہیں تردد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن اس روایت کے دوسرے مادی مثلاً عبید اللہ بن موسیٰ شیبان کے شاگرد وغیرہ متعین طریقے پر الفیل کہتے ہیں، گویا القتل اور الفیل کا شک صرف ابو نعیم کی طرف سے ہے۔

اگر قتل کا لفظ ہو تو یہ مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں قتل روک دیا، حرام کر دیا۔ اور اگر فیل کا لفظ ہو تو اشارہ ہوگا اس واقعہ کی طرف جس کا ذکر سورہ فیل میں ہے یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند روز پیشتر ہوا تھا، تفصیل کے لئے سورہ فیل کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

قوله لا تلتقط ساقطها الا لشد و ہاں کی بڑی ہولی چیز اٹھائی جائے مگر وہ اٹھا سکتا ہے

جو مالک کی تلاش کر کے پہنچنا چاہیے۔ واصل الانشاد رفع الصوت یعنی مالک تک پہنچانے کے ارادہ سے اعلان کرنا۔

بقا ہر شخص بے فائدہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام مواضع کا ہی حکم ہے غیر منشد کے لئے کسی جگہ کے لفظ کو اٹھانا جائز نہیں۔

شواہد و وجہ تخصیص یہ بیان کرتے ہیں کہ حرم مکہ کے لفظ کا انشاد علی وجہ التابید مقصود ہے بخلاف دوسری جگہوں کے لفظوں کے کہ ان کے لئے تو ایک معین مدت تک انشاد کرے پھر بعد میں استعمال کر سکتا ہے، مگر مکہ کے لفظ کو استعمال نہیں کر سکتا ہمیشہ اس کا انشاد کرتا رہے۔

حنفیہ کے نزدیک مکہ معظمہ کے لفظوں کا بھی وہی حکم ہے جو عام لفظوں کا ہے، پھر خصوصیت سے اس کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مالک کا ملنا بہت مشکل ہے کیونکہ موسم حج میں اطراف عالم کے لوگ جمع ہوتے ہیں مزید برآں یہ کہ ان کا ایک جگہ قیام نہیں رہتا۔

اس لئے اس کا مظنہ تھا کہ شاید لاقط انشاد کو فضول سمجھ کر اس میں تساہل کرے کہ لاکھوں کے هجوم میں مالک کے ملنے کی امید نہیں لاؤ استعمال کر لیں اس لئے تاکید فرمادی کہ مکہ کا لفظ وہی اٹھائے جو انشاد کرے۔

فمن قتل ظلہ بخیر النظرین کذا وقع ہذا فیہ حذف وقع بیان فی ردایہ المصنف فی الدیات فمن قتل لہ قتل (فتح) یعنی جو شخص قتل کر دیا جائے تو (اور ثار کو) دو میں سے ایک کا اختیار ہے یا تودیت لے یا قصاص، ہو کی ضمیر وارث مقتول، دلی مقتول کی طرف راجع ہے کیونکہ مقتول تو مرجع اب اس کے خیر بین النظرین کا کیا سوال ؟

اما ان یعقل واما ان یقتاد یہ تفسیر تفصیل ہے نظرن کی یعنی درشہ مقتول کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے وہ جو چاہے پسند کرے دیت لے یا قصاص۔

اب اس میں اللہ کریم کا اختلاف ہے۔ حضرات شوافع و حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک صرف مقتول کے وارث کو اختیار ہے یعنی دیت کے اندر رضائے قاتل شرط نہیں، یہ حضرات حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں رضائے قاتل کا ذکر نہیں ہے۔

حنفیہ و مالکیہ رحمہم اللہ کے نزدیک رضائے قاتل شرط ہے، یہی قول ہے صاحبین، ابراہیم نخعی اور ثوری رحمہم اللہ وغیرہ کا (عمدہ)۔ یعنی دلی مقتول کو قتل کرنے یا معاف کرنے کا حق ہے، لیکن دیت کا حق بغیر قاتل کی رضامندی نہیں ہے، قتل عمدہ کا اصل موجب قصاص ہے کما فی القرآن الحکیم: کتب علیکم

القصاص فی القتل الا ایضا وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس الا

حدیث الباب حقیقہ کے خلاف نہیں ہے

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حدیث الباب ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہاں حدیث میں دئی مقتول کو اختیار دیا گیا ہے قصاص لے یا دیت اور اس کو ہم بھی مانتے ہیں، آگے یہ کہ یہاں رضائے قاتل کا ذکر نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی جان ایسی قیمتی چیز دینے کی جگہ مال دینے پر اس کی رضامندی ظاہر تھی، جو کچھ دشواری بظاہر ہوتی ہے وہ اولیاء مقتول کی رضامندی میں ہوا کرتی ہے کہ وہ دیت کو جان کے بدلہ میں لیتے ہیں تو گویا کم درجہ کی چیز پر راضی ہوتے ہیں۔

اور حافظ عینی نے بخیر النظرین پر لکھا کہ یہ اولیاء مقتول کے لئے تخیر نہیں ہے بلکہ ان کو بطور ترغیب کہا گیا ہے کہ بہتر و اصل صورت کو اختیار کریں تو اچھا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ ان کو مستقل طور سے اختیار دیدیا گیا ہے یا ان کے لئے رضا و قاتل بھی ضروری نہیں رہی حدیث نبویؐ کا منشاء نہیں ہے۔ (انوار الباری)

اس پر مزید مفصل بحث کتاب الدیات میں آئے گی انشاء اللہ المرہان۔

۱۱۲ • حدثنا علی بن عبد اللہ قال ثنا سفیان قال ثنا عمرو قال اخبرني وهب بن منبه عن اخيه قال سمعت ابا هريرة يقول ما من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم واحد اكثر حديثا عنه متي الا ما كان من عبد الله بن عمرو فانه كان يكتب ولا اكتب تابعه معمر بن حزام عن ابي هريرة • بخاری ص ۲۰۲

ترجمہ: • وہب بن منبہ اپنے بھائی (ہمام بن منبہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا آپؓ فرماتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں عبد اللہ بن عمروؓ کے علاوہ مجھ سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا تھا، معمر نے وہب بن منبہ کی متابعت کی وہ ہمام سے روایت کرتے ہیں اور وہ (ہمام) حضرت ابو ہریرہؓ سے۔

مطابقتہ للترجمة • مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة في قوله "فانه كان يكتب ولا اكتب" يعني حضرت عبد اللہ بن عمروؓ احادیث لکھا کرتے تھے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مسودہ لکھ لینے کی اجازت چاہی تھی چنانچہ آپؐ نے مجھے اجازت دے دی اپنی صحابی کے عمل اور حضور اکرمؐ کی اجازت سے کتابت حدیث کا عمل ثابت ہوا۔

تشریح: • ما من اصحاب ابو ما مشابہ لمیس کا اسم احدٌ اللہ اکثر حدیث اس کی خبر اس لئے اکثر کو بالانصب پڑھا جائے اور یہی رائج ہے۔ اور اکثر کو مرفوع پڑھنا بھی درست ہے اس صورت میں احدٌ کی صفت ہوگی۔ (عمدہ)

فائدہ کان یکتب ولا ینکب وہ لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔

یہ بات حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے خیال اور تخمینہ سے کہی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امت محمدیہؐ کو ابو ہریرہؓ سے زیادہ حدیثیں ملیں ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ذخیرہٴ احادیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس زیادہ ہو مگر روایت کی نوبت ان کو کم آئی ہو اور خود زیادہ روایت نہیں کی قلت روایت اس کی دلیل نہیں کہ ان کے پاس ذخیرہٴ احادیث کم تھا چنانچہ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خصوصاً صدیق اکبرؓ سے احادیث بہت کم مروی ہیں کیا ممکن ہے کہ کوئی ایسے کہ صدیق اکبرؓ جو اول المؤمنین ہیں اور جلوت و خلوت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح ہمیشہ مصاحب رہے کہ یا رخسار ایک محاورہ ہی بن گیا اور خصوصیات کا تو ذکر ہی کیا۔ المختصر یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور مشیر خاص تھے تو ایک منٹ کے لئے بھی تصور نہیں کیا جاسکتا کہ حضور اکرمؐ کے حالات و مقالات ابو ہریرہؓ سے کم ہو سچے ہوں گے۔

روایات ابو ہریرہؓ کی کثرت کے اسباب

علامہ عینی وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت روایات کا ایک سبب محل قیام بھی تھا فتوح امصار کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قیام اکثر طائف اور مصر میں رہا ان مقامات کو علمی اعتبار سے کوئی مرکزیت حاصل نہ تھی بخلاف ابو ہریرہؓ کے کہ ابو ہریرہؓ نے مدینہ منورہ کو اپنا وطن بنالیا تھا اور مدینہ منورہ ہر اعتبار سے مسلمانوں کی منزل مراد تھی۔

مدینہ طیبہ کے مرکز علم ہونے کی وجہ سے واردین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اور ابو ہریرہؓ زندگی کے آخری لمحات تک مدینہ منورہ میں فتویٰ و تجدید میں مصروف رہے۔ اور لوگوں کی کثیر تعداد نے ان سے محل روایات کیا جس کی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد بہت بڑھ گئی، حضرت ابو ہریرہؓ نے پانچ ہزار تین سو چوبیس (۵۳۷۴) حدیثیں روایت کی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات سائے سے زیادہ نہیں ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے آٹھ سوتائین نے روایت کی ہے۔

دوسرا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے، ایک مرتبہ ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ نسیان کی وجہ سے بہت زیادہ بھول جاتا ہوں آپؐ نے مخصوص طریقہ اختیار فرما کر ان کے لئے عدم نسیان کی دعا فرمائی یہ آپؐ کی دعا ہی کا فیض تھا کہ امت محمدیہؐ کو علوم نبوت کا وافر حصہ ابو ہریرہؓ کی ذات گرامی سے ملا۔

ابو ہریرہؓ کے لئے دعا والی روایت آگے ”باب حفظ العلم“ میں آرہی ہے۔

تیسرا سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شام میں عبداللہ بن عمرؓ کو اہل کتاب کی کتابوں کا ذخیرہ مل گیا تھا یہ انکا مطالعہ کرتے تھے اور ان میں سے بعض روایات بھی بیان کر دیتے تھے اس وجہ سے بہت سے تابعین نے ان

سے روایات حاصل کرنے سے پرہیز کیا کہ شاید اسرائیلیات میں سے ہو۔
چوتھا سبب حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ: ان عبد اللہ کان مشتغلا بالعبادة اکثر من
اشتغاله بالتعلیم (فتح) یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ تعلیم و تدریس کی بہ نسبت عبادت میں زیادہ مشغول رہا
کرتے تھے۔

اس کے مقابلہ میں ابو ہریرہؓ کا رجحان طبع اشتغال علمی کی طرف زیادہ تھا اس وجہ سے عبد اللہ بن عمرؓ کی
نسبت روایات ابو ہریرہؓ کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

۱۱۳۳ • حدثنا یحییٰ بن سلیمان قال حدثنی ابن وهب قال اخبرنی یونس عن ابن
شہاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباسؓ قال لما اشتد بالنبی صلی
اللہ علیہ وسلم وجعہ قال استوفی بکتاب اکتب لک کتابا لا تضلوا بعدہ
قال عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ
حسبنا فاختلنا واكثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع
فخرج ابن عباسؓ یقول ان التزییۃ کل التزییۃ ما حال بین رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بین کتابہ • ۲۲

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت ہو گئی
تو آپؐ نے (اسی بیماری کی سختی میں) فرمایا میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہارے لئے
ایک کتاب لکھوا دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو، اس پر حضرت عمرؓ نے (لوگوں سے) کہا بلاشبہ (اس وقت)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض (تکلیف) کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہمیں
(ہدایت کے لئے) کافی ہے۔ لوگوں نے اختلاف شروع کیا اور شور و شغب بڑھ گیا آپؐ نے فرمایا میرے
پاس سے اٹھ جاؤ میرے پاس جھگڑا درست نہیں، ابن عباسؓ نے جب یہ حدیث بیان کی تو یوں کہتے
ہوئے نکلے بیشک مصیبت بڑی سخت مصیبت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی کتاب کے
درمیان حائل ہو گئی (یعنی کتاب نہ لکھوانے دی)۔

مطابقتہ للترجمہ مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة في قوله استوفى بکتاب اکتب لک کتابا لا تضلوا بعدہ
کتابا الو۔ یعنی گذشتہ تین روایتوں میں کہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے قصد کتابت کا ذکر نہیں ہے اس لئے اب باب کی جو تفسیر اور آخری روایت بلا کہ حضور اقدسؐ کے ارادہ
کتابت کا بھی ثبوت پیش کر دیا، اس کو حدیث القریاس کہا جاتا ہے۔

تعداد و موضع والحدیث ھینا فی کتاب العلم ۲۲۹ و یا فی فی الجہاد ۲۲۹ والیضا فی بابا خراج
الیهود ۲۲۹ و فی الفاری ۲۳۹ و فی کتاب الرضی ۲۴۶ و فی الاعتصام ۱۰۹۵۔

تنبیہ

اس حدیث القرقاس کی مختصر تفصیل احقر نے نصر الباری کتاب المغازی میں بیان کر دی ہے ملاحظہ ہو نصر الباری کتاب المغازی ص ۵۲۲ تا ۵۲۷۔

اب یہاں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کی تالیف لطیف "ارشاد القاری" سے نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں تاکہ طلباء اس دور کے محدث کبیر کی تقریر سے بھی مستفید ہوں۔

قصہ قرقاس

یہ واقعتہ قرقاس کے نام سے مشہور ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل بخشنہ کے دن اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ قرقاس یعنی کاغذ لاد میں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے لہذا آپ کو زحمت نہ دینی چاہیے اور ضروری احکام کے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ اور بعض نامعلوم الاسماء لوگوں کی رائے ہوئی کہ لکھوا لینا چاہیے، اس اثناء میں کچھ لوگوں نے جن کا نام کسی روایت میں مذکور نہیں کیا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ آپ کی جراثی کا وقت آگیا ہے آپ سے پوچھو تو یہی پھر اس وقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کے لکھوانے کا قطعی حکم دیا اور نہ اس کے کسی اور وقت میں اس کے متعلق کچھ فرمایا حالانکہ چار روز تک اس کے بعد دنیا میں تشریف فرما رہے۔

قصہ تو صرف اسی قدر ہے جو ادب پر بیان ہوا مگر اہل تشیع نے بڑی بے باکی کے ساتھ اس قصہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تین اعتراض بڑے زور شور سے کئے ہیں:-

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے (نعوذ باللہ منہ ذالک) حجر کے معنی ہذیان بکنے کے لیتے ہیں اور اسے حضرت عمرؓ کا مقولہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسی ضروری تحریر جس کے بعد قیامت تک گمراہی کا اندیشہ نہ رہتا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ لکھنے دی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی ہوئی اور تمام مسلمانوں کا نقصان بھی۔

(۳) حضرت عمرؓ نے حسب کتاب اللہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ضروری نہیں ہے۔

اعتراض اول کا جواب

لفظ ھججہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نہیں، کتب اہل سنت میں کوئی ایک صحیح روایت بھی اس افتراء کے ثبوت میں نہیں مل سکتی، حافظ ابن حجر

عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تحفہ اثنا عشریہ میں یہی فرماتے ہیں۔

شیخہ علامہ بھی جنہیں تحسب و عیب حویلی کی خاص مشق ہوتی ہے درجنوں کی درجنوں کئی سو برس سے ایسی روایت کی تلاش میں ہیں مگر مطالبات کے باوجود آج تک کوئی روایت نہیں پیش کر سکے لہذا اگر کسی عالم

اہل حق نے اسے مقولہ عمرہ تسلیم کر لیا تو انھیں دھوکہ ہوا ہے کیونکہ شیعوں نے اپنی افترا پر دوازیوں کو کچھ اس طرح شہرت دی اور عوام میں اس قدر پھیلایا کہ اس عام شہرت سے بعض خواص بھی دھوکہ کھا گئے جس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں متذکرہ جواز اس قدر مشہور ہو گیا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق دھوکہ کھا گئے کسی بڑے سے بڑے عالم کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں اسی وجہ سے ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ کوئی معتبر روایت بسند صحیح پیش کر دے، اول ہر شخص کا بلا سند کوئی بات کہہنا روایت معلق نہیں ہو سکتا، معلق اسے کہتے ہیں کہ کوئی محدث روایت کرتے وقت کسی چیز کو بلا ذکر سند کے بیان کرے، پھر ہر روایت معلق کا صحیح ہونا بھی غلط ہے ورنہ پھر سند تو ایک بیکار شئی ہو جائے گی۔

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ ظفر الامانی ص ۱۸۹ میں فرماتے ہیں: تلك الاخبار لا يعتبر بها عالم يعلم سندها ومخرجها الى ان قال المرسل انما هو ما رسله راي الحديث وترك الواسطة بينه وبين النبي صلى الله عليه وسلم لا مجرد قول كل من قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والا لزم ان يكون قول العوام والسوقية قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا مرسلًا۔

والوجه فيه ان الارسال والا نقطاع ونحو ذلك من صفات الاسناد وتصف الحديث به بواسطة فحيث لا اسناد فلا ارسال ولا انقطاع ولا اتصال وانما هو مجرد نقل اعتمادا على الغير ومن المعلوم ان صاحب الهداية وغيره من اكاابر الفقهاء ومؤلف احياء العلوم وغيره من اجلة العرفاء ليسوا من المحدثين ولا من المخرجين وان كانوا في الفقه والتصوف وغيرهما من الكاملين۔

(۲) ہجرت کے معنی محض ہجرت کے نہیں بلکہ یہ لفظ جدائی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ واهجرهم هجرا جمیلا یہ معنی علماء لغت وشرح حدیث بھی لکھتے ہیں (فتح الباری ج ۸ ص ۱۸) میں ہے: ويعمل ان يكون قوله اهجر فعلا ماضيا من الهجر بفتح الهمزة وكون الهمزة والمفعول محذوف اي الحياة وذكره بلفظ الماضي مبالغة لما رأى من علامات الموت۔

اور علامہ محمد طاہر نجف آبادی مجمع البحار الانوار (جو خاص حدیث کی لغت ہے) جلد ۲ ص ۴۷۷ میں فرماتے ہیں: ويجعل ان يكون معناه هجر كمر رسول الله صلى الله عليه وسلم من الهجر صدد الوصل بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اس لفظ کے اصل معنی جدا ہونے ہی کے ہیں، ہجرت کے معنی میں بھی اسی مناسبت سے آتا ہے اس میں عقل سے جدائی ہوتی ہے اور یہی معنی زیادہ مشہور و متبادر ہیں اردو میں بھی ہجر بمقابلہ وصل بولا جاتا ہے اور حدیث قرطاس میں بھی یہی معنی چسپاں ہوتے ہیں۔

ہدیان کے معنی وہاں دُور جسے نہیں بنتے۔

(۱) ہدیان کا شبہ اس بات پر ہوتا ہے جو خلاف عقل ہو، ایک پیغمبر اپنے آخری وقت میں فرماتے ہیں کہ کاغذ لاؤ ایک ضروری ہدایت نامہ لکھ دو، اس میں کوئی بات خلاف عقل ہے؟ جسے ہدیان کہا جاسکے۔

(۲) روایت میں ہجو کے بعد استفہوع کا لفظ ہے یعنی آپ سے پوچھو، اگر ہجو بمعنی ہدیان لیا جائے تو استفہوع سے ربط بالکل غلط ہو جاتا ہے کیونکہ جسے ہدیان ہو گیا اب اس سے پوچھنا بالکل خلاف عقل ہے۔

اب دیکھئے جدائی کے معنی کس خوبی سے بنتے ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت مرض میں ہدایت نامہ لکھوانے کو فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب پر ایک سبکی سی گر گئی کہ شاید وہ قیامت کی گھڑی آگئی ہے۔

حیف درہم زدن صحبت یار آخر شد یزد رول گل سیر ندیم دیباہ فرخند

کیونکہ ایسی تحریر آخری وقت میں لکھوائی جاتی ہے لہذا انھوں نے کہا اھجو استفہوع یعنی کیا حضرت اب جدا ہو رہے ہیں؟ آپ سے پوچھو تو، یہ لفظ ہجو جس نے بھی کہا کمال عشق اور جذب محبت میں کہا مگر جن کے قلوب در و محبت سے نا آشنا ہیں وہ اس کی قدر کیا کر سکتے ہیں۔

بچوں دل بہر نگاہے زلبستائے ماہ : ترا سوز دروں نیاز ماچہ خبر؟

(۳) بفرض حال اگر یہ لفظ بمعنی ہدیان ہی ہو تو یہ ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے اور استفہام انکاری ہے ممکن ہے کہ یہ قول اس جماعت کا ہو جو تحریر لکھوانے کی مؤید تھی اس نے اپنی رائے کو تقویت دینے کے لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کیوں توقف کرتے ہو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہدیان ہو گیا ہے؟ یعنی ہدیان نہیں ہوا ہے یہ مطلب بھی شراح حدیث نے بیان کیا ہے۔

صحیح بخاری میں یہ روایت سات جگہ پر ہے۔ کتاب الجہاد کے سوا باقی چھ مواضع میں یہ لفظ ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے اور صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتب میں بھی ہمزہ موجود ہے، پس اگر ایک روایت میں ہمزہ نہ ہو تو حرج نہیں، ایک ہی واقعہ کی متعدد اسانید میں اگر ایک لفظ کسی روایت میں ہو اور کسی میں نہ ہو تو یقیناً یہی سمجھا جائیگا کہ جس میں نہیں ہے اس میں مددوی سے چھوٹ ہو گیا ہے، اسی لئے حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری جلد ۸ میں فرماتے ہیں اراج فی اثبات الہمزۃ۔ علاوہ ازیں بلاوۃ استفہام کے بھی استفہام ہوتا ہے۔

ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہوا:

اولاً تو لفظ ہجو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ نہیں۔

ثانیاً بفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہجو بمعنی ہدیان نہیں بلکہ جدائی کے معنی میں ہے جو خاص

محبت کا کلمہ ہے نہ کہ گستاخی کا۔

ثالثاً بالفرض حجج یعنی ہدیان ہو تو ہنرہ استفہام کے ساتھ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ اب ارباب عقل غور کریں کہ اس اعتراض میں کیا جان باقی رہ گئی۔ جب تک شیعہ ان تین باتوں کا جواب نہ دیدیں یعنی کسی روایت میں اس کا مقولہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہونا دکھائیں پھر یہ ثابت کریں کہ ہجر کے معنی سوائے ہدیان کے اور کچھ نہیں ہیں یا یہاں سوائے ہدیان اور کوئی معنی چسپاں نہیں ہوتے، پھر یہ بھی ثابت کریں کہ یہ لفظ استفہام کے ساتھ نہیں یا یہ استفہام انکاری نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تک اس اعتراض کا نام لینا سخت بے غیرتی ہے۔

اعتراض ثانی کا جواب

(۱) النیوم اکملت لکم دینکم وانتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً بالاتفاق اس قصہ قرطاس سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی پس اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی تو دین ہرگز کامل نہیں ہو سکتا اور یہ آیت معاذ اللہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

(۲) قصہ قرطاس پنجشنبہ کے روز واقع ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوشنبہ کو ہوئی، چار روز تک حضور آہدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قصہ کے بعد اس عالم میں تشریف فرما رہے پس اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی ہوتی تو آپ کو اس کے ٹکھرانے کا کافی موقع ملا اس کے باوجود آپ نے نہ لکھوائی یہ ایک بہت بڑا اور سخت الزام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوگا (نفوذ باللہ من ذالک)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہ کھلنے سے یا ان کے خوف سے نہ لکھوانا کوئی مسلمان باور نہیں کر سکتا کیونکہ کسی کے خوف سے اگر انبیاء علیہم السلام تبلیغ سے رک جائیں تو دین سے امان اٹھ جائیگا اور نبوت ایک بازو پکا اطفال ہو جائے گی۔

خیال کیجئے جب کائنات نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کو سلطنت کی خواہش یا کسی حسین عورت کی طلب ہے تو آپ کو سلطنت دیدیں اور تمام عرب سے حسین عورت آپ کو لادیتے ہیں مگر ہمارے معبودوں کو بُرا مت کہو۔ کفار کے مقاطعہ کے وقت ابوطالب نے آپ کو پیغام پہنچایا اور سمجھایا کہ لے بیٹھیجئے تو اس تبلیغ سے باز آجائیں لیلہ سارے عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو آپ نے فرمایا لے چھا اگر میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی اس کا حق سے ہرگز نہ ڈکوں گا۔

غرضیکہ جب آپ تمام عرب سے دین کی خاطر برسرِ پیکار تھے اس وقت تو آپ نے ضروریات دین کو نہیں چھوڑا تو اب ایسی اہم چیز کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

سپہران چار پانچ روز میں دن میں یا رات میں کسی وقت تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر گئے پڑوں گے اس وقت آپ لکھوادیتے۔

(۳) اتنی ضروری تحریر سے اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منہ کیا تھا تو حضرت علی اور دوسرے صحابہ فی اللہ

عنہم کا فرض تھا کہ لکھواتے مگر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ کی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ الزام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہوگا اس لئے کہ بزم شیعہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب سب سے زیادہ تھا۔ نیز ایسا حکم عموماً گھروالوں ہی کو ہوتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو یہ حکم دیا گیا ہوگا جس کی انہوں نے تعمیل نہیں کی، مزید بریں مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ یہ خطاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا۔

(۴) اتنا بڑا واقعہ اور تمام طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی متنفس سوائے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس کی روایت نہیں کرتا، پھر ابن عباس کے سیکڑوں شاگردوں میں سے صرف ان کے بیٹے عبید اللہ اور سعید بن جبیر اس کے ناقل ہیں۔

(۵) اس قصہ قرطاس سے بہت پہلے حدیث ثقلین ارشاد ہو چکی تھی اس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑتا ہوں اگر تم ان دونوں سے تسک کر دو گے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے، پس اگر یہ قصہ قرطاس دالی تحریر کوئی ضروری فرض کجا ہے تو حدیث ثقلین کی تکذیب لازم آئی۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد عقل سلیم دو امور میں سے ایک کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

(۱) یا تو یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے۔ دین کامل ہو چکا تھا اور ہرگز کوئی ایسی ضروری تحریر باقی نہ تھی اور ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قرآنیہ کے خلاف کسی تحریر کے لکھوانے کا ارادہ ظاہر نہیں فرمایا تھا، یہ قصہ محض بے بنیاد اور اعداء دین کا خانہ زاد ہے اور محض اس لئے گھڑا گیا ہے کہ آیت قرآنیہ المیوم اکملت لکم دینکم الا اور حدیث ثقلین کی بھی تکذیب ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تبلیغ رسالت میں کوتاہی کرنے کا الزام قائم ہو کر سارا دین مشکوک ہو جائے۔

مگر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محدثین کی تخریج اس نظریہ کی تردید کرتی ہے۔

(۲) یا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا امتحان لینے کے لئے فرمایا تھا کہ قلم دوڑاتے اور کاغذ لٹاؤ تاکہ میں ایک ایسی ضروری تحریر لکھوادوں کہ اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ درحقیقت نہ کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی اور نہ واقع میں آپ کا ارادہ تھا محض امتحان مقصود تھا کہ یہ لوگ ایمان میں کہاں تک راسخ القدم ہیں۔

اگر کہیں خدا نخواستہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس تحریر کے لکھوانے پر مستعد ہو جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوتا اور فوراً فرماتے المیوم اکملت لکم دینکم الا کے بعد اب بھی تم کسی تحریر کے منتظر ہو اور دین کو کامل نہیں سمجھتے، مگر الحمد للہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امتحان میں بدرجہ علیا کامیاب ہوئے اور اس کامیابی میں نمایاں حصہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

چند نامعلوم الایم لوگوں نے لکھوانے کی تاکید کی، قوی احتمال ہے کہ یہ حضرات جدید الاسلام ہوں گے

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی ممتاز شخصیت یہ قول نقل کرتی تو ان کا نام ضرور کسی روایت میں مذکور ہوتا کہ اس
 ہو ظاہر من داب المحدثین پس ان جدید الاسلام لوگوں کا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آیا
 جس کا اظہار قوموا عنی کے الفاظ سے فرمایا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطریق امتحان تھا اس پر رد و بردست دلیلیں ہیں۔
 (۱) جبکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الیکمال دین اور اتمام نعمت کی خبر دے چکی تھی تو ناممکن تھا
 کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی تحریر کی حاجت ظاہر فرما کر دین کو ناقص اور نعمت خداوندی کو
 ناقص قرار دے۔

(۲) آپ نے جو صفت قرطاس والی تحریر کی بیان فرمائی ہے اسی صفت کی دو چیزیں جب آپ امت کے
 ہاتھ میں دے چکے تھے (جن کا ذکر حدیث ثعلبن میں گذر چکا ہے) تو اب اس تحریر کی کیا حاجت تھی؟ اس کی
 حاجت تو اس وقت ہو سکتی تھی جب ان دونوں چیزوں میں یہ صفت نہ ہوتی لہذا ناممکن ہے کہ حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث کے خلاف ایسی بات فرمائیں۔

علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اور صحیحین کی اس روایت کو اپنے خیال پر قرینہ بناتے ہیں کہ:
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آخری مرض میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد
 اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں ابو بکر کے لئے لکھ دوں تاکہ لوگ میرے بعد اختلاف نہ کریں، اس کے بعد آپ
 نے فرمایا اجماع سے نہ یا ابی اللہ والمؤمنون الا لابی بکر۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے مطمئن کر دیا گیا تھا اس لئے اس ارادہ کو ترک فرمادیا۔
 اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مطمئن ہو جانے کے بعد بھی آپ خلافت صدیقی رہ کر لکھوانا چاہتے تھے
 تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں۔ تو بعد میں آپ کا سکوت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت میں تھا جس میں
 راز یہ تھا کہ انتخاب خلیفہ کا زیر اصول تفویض الی اہل الحل والعقل قائم کر جائیں اور وسیعہ دی کی رسم جاہلیت
 کا تصور اسلام میں باقی نہ رہے۔

کئی مواقع پر آپ نے وحی الہی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت فرمائی اس موقع پر بھی
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت وحی الہی سے تھی۔ اسے شیعہ بھی تسلیم کرتے
 ہیں۔ چنانچہ شیعہ کی نہایت معتبر کتاب فلک النجات ص ۳۲۶ جلد اول میں یہ الفاظ موجود ہیں واما
 سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع فما کان من عنده بل کان من حیث

اپنے من میں ڈوب کر یا جاسرائع زندگی: تو اگر میرا نہیں بنتا بن اپنا تو بن

پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اختلاف اگر بالہام اللہ تعالیٰ اختلاف نظر تھا کا وقع فی

مواضع مشتی تو اس کا مناقب میں شمار ہونا بدیہی ہے اور اگر شدت مرض اور آپ کی تکلیف کے مد نظر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اختلاف کیا تو اس کی نوعیت بعینہ صلح حدیبیہ کے موقع پر لفظ رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار جیسی ہوگی جسے شیعہ مناقب علی رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں۔

یہ تو بعینہ وہ قول ہے جس کو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تین ماہ پیشتر حجۃ الوداع میں لاکھوں کے مجمع میں فرما چکے

اعتراض ثالث کا جواب

تھے یعنی لمن تفضلوا ما تمسکتم بہ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسبنا کتاب اللہ کہنے کا اگر یہی مطلب ہے تو قرآن کریم میں ہے حسبنا اللہ پس اس کا مطلب بھی یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہیں رسول اللہ کی ضرورت نہیں فاما هو جوابکم فہو جوابنا۔

پچھ یہ ہے کہ یہ زریں مقولہ حسبنا کتاب اللہ ایمان کی جان ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ان کلمات کا آئینہ ہے جن کا نمونہ اس آسمان نے بایں ہمہ دور کبھی نہیں دیکھا۔

مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اتیہ بطبق یکتب فیہ ما لا تضل بہ امتہ من بعدہ قال فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ واعی قال اوصی بالصلوۃ والزکوۃ وما ملکت لیمانکم، اس حدیث سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خیال نہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے خلافت کی وصیت تحریر فرمائیں گے اگر آپ کے قلب میں ذرا بھی ایسا خیال ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر فوراً اس کے لکھوانے کی کوشش کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ایسا خیال پیدا کیا گیا تو اس پر بھی آپ کو یہ امید نہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطابق وصیت فرمائیں گے چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اذہب بنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلنسئله فیمن ہذا الا من ان کان فینا علمنا ذلک وان کان فی غیبتنا علمناہ فاوصی بنا فقال علی انا واللہ لئن سألناہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فممننا ہا لا یعطیناھا الناس بعدہ والی واللہ لا اسئلہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) حدیث مذکور میں صراحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ وزکوۃ وما ملکت لیمانکم کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت بلا فصل کی۔

(۳) اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض مصالح کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ارشاد کے باوجود کتابت کا انتظام نہ کیا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کی غرض سے وصیت دیکھوائی پس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مورد الزام بنانا کیسے جائز ہوگا؟

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ۔

قولہ فخرج ابن عباس الزیلعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (نے جب یہ حدیث بیان کی تو یوں) کہتے ہوئے نکلے ان الزیلعی کی الزیلعی الزیلعی یعنی ہائے مصیبت وائے مصیبت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کتاب نہ لکھوائے دی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب واقعہ ہوا تھا اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ سے برآمد ہوئے اس وقت تو ابن عباس رضی اللہ عنہ بہت کم سن تھے۔ صحیح مطلب اس کا یہ ہے کہ مدتوں بعد ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو عبید اللہ بن جراح سے بیان کر کے حسرت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے اپنے مقام سے باہر نکلے۔

بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ

رات کے وقت تعلیم اور وعظ کا بیان۔

رابطہ قبل باب سابق میں علمی باتوں کے لکھنے کا بیان تھا اور کتابت علم منقطع و محنت پر دلالت کرتا ہے جس سے علم سیکھنے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

اب اس باب میں رات کے وقت وعظ و تعلیم کا ذکر ہے جو محنت شدید کی دلیل ہے جس سے علم سیکھنے میں محفوظ ہو جاتا ہے گویا امام بخاریؒ سفینہ میں حفاظت کے بعد سیکھنے میں حفاظت کا ذریعہ بتانا چاہتے ہیں، مشہور ہے خواندن شب بردل نقش می شود۔

مقصد ترجمہ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ یہ ہے کہ ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا

ترمذی جلد اول ص ۲۴۵ ایضاً بخاری جلد اول ص ۵

اس حدیث سے شبہ ہو سکتا تھا کہ تعلیم و تدبیر، وعظ و نصیحت عشاء کے بعد منع ہوں تو امام بخاریؒ نے اس باب سے اس شبہ کو زائل کر دیا۔ اہد بتا دیا کہ عشاء کے بعد دنیاوی اہد بلا ضرورت باقی کرنا جن کا شمار

خیر اور دین میں نہ ہوتا ہو وہ ممنوع ہیں۔
لیکن تعلیم و تذکیر، وعظ و تقریر جو صحیح دینی غرض سے ہو تو بلاشبہ جائز ہے بلکہ اگر ضرورت ہو تو سونے والوں کو جگایا بھی جاسکتا ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ایقظوا صواحب الحجۃ یعنی حجرہ والیوں کو بیدار کر دو۔

چنانچہ حافظ ابن حجر مقلانیؒ فرماتے ہیں و اراد المصنف التنبيه على ان النهي عن الحديث بعد العشاء مخصوص بما لا يكون في الخير (فتح منک)

۱۱۴ • حدثنا صدقة قال اخبرنا ابن عيينة عن معمر عن الزهري عن
هنا عن امر سلمة بن عمرو و يحيى بن سعيد عن الزهري عن هناد عن
امر سلمة قالت استيقظ النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فقال سبحان
الله ماذا أنزل الليلة من الفتن وماذا فتج من الخزائن أيقظوا صواحب
العجر فزيت كاسية في الدنيا عارية في الآخرة

ترجمہ | ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا سبحان اللہ آج کی رات کس قدر فتنے نازل کئے گئے اور کتنے خزانے کھولے گئے (اے لوگو!) حجرے والیوں کو (عبادت کیلئے) جگادو کیونکہ بہت سی عورتیں جو دنیا میں (باریک) کپڑا پہننے والی ہیں وہ آخرت میں برہنہ ہوں گی (یعنی ذلیل ہوں گی)۔

مطابقتی للتوجہ

اس ترجمہ الباب کے دو جز ہیں علم و نصیحت۔

انزل الليلة سے پہلا جز ثابت ہوا کہ ان چیزوں کا علم آپ کو عطا کیا گیا، اور ایقظوا صواحب الحجۃ سے دوسرا جز یعنی وعظ و نصیحت کا ثبوت ہوا، پس باب کے دونوں اجزاء سے حدیث کی مطابقت ہو گئی۔

تعداد موصی

والحدیث ۲۷۱ و یاتی فی کتاب التہجد ص ۱۵۲ تا ص ۱۵۳ و فی اللباس ۸۶۹
و فی الادب ص ۹۱ و فی الفتن ص ۱۳۷

شرح الفاظ

استيقظ بمعنى تيقظ وليس السين فيه للطلب كما في قوله عليه السلام اذا استيقظ احدكم من منامه ومعناه ايقظ، یعنی بیدار ہوئے تو فرمایا، سبحان اللہ یہ کلمہ تسبیح و تتریب کے لئے ہے، عرب مقام تعجب پر اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔

کلمہ ماذا کی تحقیق

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ماذا فیہ اوجہ، الاول ان يكون ما استغفنا وذا إشارة نحو ماذا الوقون۔ الثاني ان يكون ما استغفنا وذا موصولة بمعنى الذي الثالث ان يكون ماذا كلمة استفهام على التركيب كقولك لماذا جئت۔ الرابع ان يكون ما نكرة موصوفة بمعنى شئ

الخامس ان تكون مازائدة وذا للامشارة. السادس ان تكون ما استغناها وذا زائدة (عدة)
تشریح **ما ذا انزل اللہ من الفتن** کس قدر فتنے آج کی رات نازل کئے گئے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ انزال مجازاً بمعنی اعلام ہے یعنی اعلم اللہ الملائکۃ بامر
 المقدر الخ (عدة) یعنی حق تعالیٰ نے فرشتوں کو آئندہ کے امور مقدرہ کا علم عطا فرمایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو بھی اسی روز وحی کی گئی جو فتنوں کی شکل میں امت پر بعد اوقات واقع ہونے والے تھے، علامہ عثمانی رحمہ فرماتے ہیں
 کہ عالم مثال میں تمام اشیاء کا وجود ہے پس فتن کے مثالی وجود آپ پر منکشف کئے گئے۔

بلاشبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالکل صحیح ثابت ہوا کہ آپ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کے آخری دور سے بکثرت فتنے رونما ہوئے اور دنیا کے خزان بھی ہاتھ آئے کہ روم و فارس فتح
 ہوئے اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں کہ جیسی خبر دی ویسی ہی ظاہر ہوئی۔

الخزائن یا خزان سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو، کقولہ تعالیٰ امر عندہم خزائن
رحمة ربک الغرین الوهاب (سورہ ص) قل لو انتم تملکون خزائن رحمة ربی الایۃ
 (سورہ بنی اسرائیل)

ان دونوں یعنی فتوحات و برکات نیز ظہور فتن کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے
 اس لئے آپ نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو جگایا۔

ایقظوا صواحب الحبر حجرے و ایوں کو جگادو (مراد ازواج مطہرات) میں چونکہ یہ موجود تھیں
 کیونکہ یہ وقت قبولیت دعا کا ہے۔

فرب کا سنیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الاخرۃ رب حرف جر ہے حسب سیاق کلام تکثیر و تقلیل کا فائدہ
 دیتا ہے، یہاں تکثیر کے لئے ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے **کاسیۃ** اسم فاعل **کسا** کسو کسو کے معنی
 کپڑا پہنانے کے ہیں، **ولکنہ** بمعنی مکسوة کا فی القرآن **عیشتہ الراضیۃ** بمعنی مرضیۃ ہے۔ حدیث پاک
 کے اس جملہ "فرب کاسیۃ" کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

عالم الملاقی تلبس رقیق البشیاف الی یعنی بہت سی عورتیں نہایت باریک کپڑے دنیا میں پہنتی ہیں کہ سائر
 بدن نہیں ہے بلکہ اندر سے جسم نظر آتا ہے، ایسی عورتوں کو آخرت میں ننگی ہونے کی سزا ملے گی، نہایت
 چست لباس کا بھی یہی حکم ہے۔

عالم دنیا میں مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے نہایت بیش قیمت نفیس لباس پہنتی تھیں مگر لباس تقویٰ
 (اعمال آخرت) سے خالی رہیں اس لئے آخرت کے ثواب سے عاری ہوں گی، ان کو چاہئے تھا کہ دنیا میں
 اسراف و فضول خرچی سے اجتناب کرتے ہوئے کفایت شعاری سے کام لیتیں اور کچھ بچا کر صدقہ کرتیں کہ
 آخرت میں لباس تقویٰ اعمال صالحہ ہی کام آنے والے ہیں۔

بَابُ السَّمرِ فِي الْعِلْمِ ۲۲

رات کو علمی باتیں کرنا، یارات کے وقت علمی گفتگو۔

السمر بفتح السين المهملة واليم وقيل الصواب اسكان اليم لانه اسم الفعل ومعناه الحديث بالليل قبل النوم ولهذا يظهر الفرق بين هذه الترجمة والتي قبلها (فتح)
یعنی سمر کے معنی رات کو سونے سے قبل گفتگو کرنا۔

گزشتہ باب میں یہ بیان تھا کہ سو جانے کے بعد رات کے کسی حصہ میں بیدار ہو کر تعلیم اور علمی گفتگو ثابت ہے۔

ربط و مقصد

اب اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عشاء کے بعد سونے سے پہلے بھی دینی باتیں اور وعظ و نصیحت کر سکتے ہیں۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ فضول قسم کوئی ممنوع ہے اگر کوئی علمی تذکرہ ہو۔ قرآن حکیم یا حدیث پاک کا درس ہو وہ قطعاً ممنوع نہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں:

واما السمر بالخیر فلیس بمنہی بل هو مرغوب (عدہ)

یعنی رات میں خیر کی باتیں ممنوع نہیں بلکہ مرغوب ہیں۔

۱۱۵ • حدثنا سعيد بن عقیب قال حدثني الليث قال حدثني عبد الرحمن بن خالد بن مسافر عن ابن شهاب عن سائر والی بکر بن سلیمان بن ابی حشمة أن عبد الله بن عمر قال صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم العشاء في آخر حياته فلما سلم قام فقال ارايتكم ليلتكم فان راس ما ثلث سنه منها لا يبقى مقيم هو على ظهر الارض أحد •

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری عمر میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی، جب آپ نے سلام پھیرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا تم نے اپنی اس رات کو دیکھا (یعنی اسے یاد رکھا) اس صبح کے آخر تک ان لوگوں میں سے جو اس وقت روئے زمین پر ہیں کوئی باقی (زندہ) نہیں رہے گا۔

مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة وهو ان النبي صلى الله عليه وسلم حدث الصحابة بهذا الحديث بعد صلوة العشاء

و هو سمر بالعلم (عدہ) مطلب یہ ہے کہ حدیث پاک میں صراحت ہے کہ صبح کے بعد آپ نے صحابہ سے خطاب فرمایا اور حدیث بیان کی اور یہ سمر بالعلم ہے۔

ترجمہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات اپنی خالہ میمونہ بنت الحارث کے گھر گزاری جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کو ان کی باری میں انہی کے پاس تھے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز (مسجد میں) پڑھی پھر اپنے گھر تشریف لائے اور چار رکعتیں پڑھیں اور سو گئے، پھر اٹھے اور فرمایا "کیا بچو (بچہ) سو گیا یا اسی جیسا کوئی اور کلمہ ارشاد فرمایا "پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوا آپ نے مجھے دائیں جانب کر لیا اور پانچ رکعتیں پڑھیں پھر آپ نے دو رکعتیں (فجر کی سنت) پڑھیں پھر سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے خزانے کی آواز سنی (جس کو غطیط یا خطیط کہتے ہیں) پھر نماز کے لئے برآمد ہوئے۔

مطابقت الترجمة

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ابن منیر کے نزدیک ارشاد گرامی نام الغلیم (چھوٹا) سو گیا؟ موضع ترجمہ ہے۔ کیونکہ آپ نے ابن عباسؓ سے متعلق حضرت میمونہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا اور نماز عشا کے بعد فرمایا تھا اس لئے سمر با علم ثابت ہو گیا۔ اس کے علاوہ علامہ عینیؒ اور حافظ عسقلانیؒ علامہ کرمائی وغیرہ سے بھی اقوال نقل کئے ہیں، لیکن حافظ عسقلانیؒ کو پسند نہیں فرماتے ہیں: والاولیٰ من هذا کلمہ ان مناسبت الترجمة مستفادة من لفظ آخر فی هذا الحدیث بعینہ من طریق آخری الا (فتح الباری) حافظ عسقلانیؒ ترجمہ سے مناسبت کے لئے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے یہی حدیث کتاب التفسیر ص ۶۵۷ اور کتاب التوحید ص ۱۱۱ میں عن کریب عن ابن عباسؓ لائے ہیں وہاں یہ جملہ موجود ہے فتحدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اہلہ ساعة ثم رقد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلہ عمرہ کے ساتھ کچھ دیر گفتگو فرمائی اس کے بعد سو گئے۔ حافظؒ فرماتے ہیں فصحت الترجمة بحمد اللہ تعالیٰ من غیر حاجة الى تعسف فلا رجم بالظن (فتح)

اور بلاشبہ امام بخاریؒ کے اصول تراجم کے بالکل مطابق ہے، لان تفسیر الحدیث بالحديث اولیٰ من الخوض فیہ بالظن۔

تعداد موضع

والحدیث ہرہا فی العلم ص ۲۷۰ وایاتی فی کتاب الموضوع ص ۲۵۰ ایضاً ص ۳۰۰ و فی کتاب الاذان ص ۹۰ ایضاً ص ۱۱۰ ایضاً ص ۱۱۰ ایضاً ص ۱۱۰ و فی ابواب الوقوف ص ۱۵۹ و فی کتاب التفسیر ص ۶۵۷ ایضاً ص ۶۵۷ و فی اللباس ص ۱۰۰ و فی الادب ص ۹۱ و فی کتاب الدعوات ص ۹۳۲ تا ص ۹۳۵ و فی التوحید ص ۱۱۱۔

بیت کی تحقیق و تعلیل: بکسر الباء الموحدة و تشدید التاء الشاذة صیغہ واحد تکلم از بیت تہ -

اصل میں تھا بَیِّنَات یا محرک یا قبل اس کے فتح یا کو الف سے بدل دیا تو بابت ہوا اجتماع سکنین کی وجہ سے الف کو ساقط کر دیا اور حذف یا پر دلالت کے لئے باء کے فتح کو کسروے بدل دیا بابت ہو گیا۔
خالقی میمونۃ میمونۃ عطف بیان ہے خالق سے۔ غلطیہ او خطیہ شک راوی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی غلطیہ کہا یا خطیہ کہہا؟۔

غلطیہ اور خطیہ دونوں کے معنی ایک ہیں، یعنی سونے والے کی سانس کی آواز یعنی خرناس کی آواز۔
تشریح فصلی اربع رکعات بعض نے کہا ہے کہ یہاں راوی نے اختصار کیا ہے درحقیقت یہ سبھی تہجد کی رکعات ہیں مگر اس روایت کے ظاہر سے متبادر یہ ہے کہ عشاء کے بعد کی چار رکعتیں ہیں دو مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ۔

نام الغلیم غلام کی تصغیر ہے بمعنی بچہ یا یہاں شہر قول یہی ہے کہ ہنوز استفہام محذوف ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی سے پوچھا کیا بچہ سو گیا؟ لیکن اخبار کا بھی احتمال ہے کہ حضور اقدس نے حضرت میمونہ رضی کو بتایا کہ ابن عباس سو گیا ہے، اور ابن عباس نے سکوت اس لئے فرمایا تاکہ آپ بلا تکلف اپنے معمولات ادا فرمائیں۔

فقہت عن یسارہ ابن عباس رضی تا دبا بایں جانب کھڑے ہوئے تھے لیکن حضور نے نماز ہی کی حالت میں دائیں طرف گھمایا۔

قولہ فصلی خمس رکعات ان میں سے دو رکعات نفل اور تین وتر کی ہیں، دونوں کو ملا کر بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس رات میں صلوٰۃ اللیل کی کل تیس سو پڑھی ہیں اس ترتیب سے کہ پہلے عشاء کے بعد کی چار رکعتیں پڑھیں پھر صلوٰۃ اللیل کی آٹھ رکعات پڑھ کر کچھ آرام فرمایا جیسا کہ ابوداؤد کی ایک روایت ہے "قام فصلی رکعتین رکعتین حتی صلی ثمانی رکعات ثم اوتر بخمس لم یجلس بلینہ" (ابوداؤد باب فی صلوٰۃ اللیل ص ۱۹ مطبوعہ رشیدیہ دہلی)۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ہر دو رکعت پر آرام فرماتے تھے بعدہ دو رکعت پڑھ کر متصلاً وتر کی تین رکعات پڑھیں اس کے بعد فجر کی دو رکعت سنت پڑھیں، پس صلوٰۃ اللیل میں سے چونکہ آخری دو رکعتوں کے بعد متصلاً وتر ادا فرمائیے اس لئے راوی نے ان دونوں کو ملا کر بیان کر دیا۔
قولہ ثم صلی رکعتین اس سے فجر کی دو رکعت سنتیں مراد ہیں۔

بَابُ حِفْظِ الْعِلْمِ ۲۲

باب علم کو یاد رکھنا۔

رابط و مقصد | تا قبل کے باب میں سمر با علم یعنی رات کے وقت علمی گفتگو، علمی مشغلہ کا بیان تھا

جس کا تعلق علم سیکھنے اور حاصل کرنے سے تھا۔

اب اس باب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے بعد اس کی حفاظت اور یاد رکھنے کی کوشش بھی ضروری ہے۔

۱۱۷ • حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال حدثني مالك عن ابن شهاب عن
الاعمش عن ابي هريرة قال ان الناس يقولون اكثر ابو هريرة ولولا آياتنا
في كتاب الله ما حدثت حديثاً ثم يتلو ان الذين يكتُمون ما اوتينا من البينات
والهدى الى قوله الرحيم ان اخواننا من المهاجرين كان يشغلهم الصَّفَقُ
بالاسواق وان اخواننا من الانصار كان يشغلهم العمل في اموالهم و
ان ابا هريرة كان يكثر رسول الله صلى الله عليه وسلم يشجع بطنه و
يخض ما لا يحضرون ويحفظ ما لا يحفظون •

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے بہت حدیثیں بیان کیں اور بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا پھر (سورہ بقرہ کی) یہ آیتیں پڑھیں ”جو لوگ چھپاتے ہیں ان کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت کی باتوں کو جو ہم نے انہیں انی قولہ یعنی انا التواب الرحیم تک۔ بیشک ہمارے بھائی مہاجرین تو بازاروں میں خرید و فروخت میں بھٹنے رہتے تھے اور ہمارے انصاری بھائی کھیتی باڑی کے کام میں لگے رہتے تھے اور ابو ہریرہؓ (نہ کوئی پیشہ کرتا تھا نہ سوداگری) وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھاڑتا تھا اور ان مواقع پر حاضر رہتا جہاں وہ حاضر نہ رہتے اور وہ باتیں یاد رکھتا جن کو وہ لوگ یاد نہ رکھتے۔

مطابقة الحديث للترجمة في قوله ”ويحفظ ما لا يحفظون“

والحديث ههنا في العلم ص ۲۲ وبآل في كتاب البيوع ص ۲۷ وفي ابواب

العرف والمزاينة ص ۳۱۶ وفي آخر علامات النبوة ص ۱۵۵ وفي

الاعتصام ص ۱۰۹۳۔

قوله اكثر ابو هريرة چونکہ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کثیرین حدیث میں سے اول نمبر پر ہیں ان سے پانچ ہزار تین سو چوبیس (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں، اس کثرت پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ابو ہریرہؓ کو صرف چار سال کے قریب صحبت با برکت میں رہنا میسر ہوا پھر اتنی زیادہ احادیث کیسے بیان فرماتے ہیں جبکہ بڑے بڑے صحابہؓ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم جو ان سے برسہا برس زیادہ صحبت یافتہ ہیں وہ اتنی احادیث بیان نہیں فرماتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے یہاں دُور بیان فرمائی عا کتاب علم پر وعید آئی ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ الْآيَةِ (سورہ بقرہ آیت ۱۷۵ و ۱۷۶)

بیشک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جسے ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں باوجود کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا ہے ایسوں پر خدا اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں، ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور احکامات کو صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں ان کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا اور رحم والا ہوں۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا لیکن چونکہ کتمان حرام ہے لہذا احادیث کی تبلیغ و اظہار واجب ہے۔

عا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے دینی بھائیوں (مہاجرین و انصار) کے مختلف مشاغل تھے، حضرات مہاجرین و انصار نے ذمہ داریوں میں مصروف رہتے تھے اور حضرات انصار کھیتی باڑی اور زراعت کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور میرا حال یہ تھا کہ نہ زراعت تھی اور نہ میں تجارت کرتا تھا کیوں کہ میرے ذمہ کسی کے حقوق نہ تھے اور نہ مال کمانے کی فکر تھی اس لئے صرف شیخ بطن پر اکتفا کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بمقابلہ ان بھائیوں کے زیادہ رہتا تھا۔

اس لئے میں نے ارشادات نبوی کا وہ ذخیرہ یاد کر لیا جسے یاد کرنے کا انہیں موقع نہ ملتا تھا۔

بشیع بطنہ ایک نسخہ بشیع بطنہ ہے اور باء یا لام کلا ہا للتعلیل ای لا حول شیخ بطنہ وہو بکسر الشین البحر وفتح الموحدة (عہدہ، قس)

اس کے مطلب میں مختلف احتمالات ہیں : عا ایک مطلب تو ترجمہ سے ظاہر ہے کہ صرف ایک پیٹ کی روٹی کافی تھی کسی کے حقوق میرے ذمہ نہ تھے اس لئے شیخ بطن پر اکتفا کر کے ہر وقت حاضر خدمت رہتا تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مجھے تو کوئی کام نہ تھا نہ زراعت نہ ہی تجارت اس لئے پیٹ بھر یعنی جی بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتا تھا جیسا کہ عادیہ ہے فلاں یحدث شیخ بطنہ فلاں شخص پیٹ بھر کر یعنی جی بھر کر باتیں کرتا ہے، فلاں یسافر شیخ بطنہ فلاں آدمی جی بھر سفر کرتا ہے۔ یہ مطلب سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے لیکن یہ معنی تعلیل کے مناسب نہیں۔

بہر حال حضرت ابو ہریرہؓ احادیث نبوی کو یاد کرنے کے لئے دوسری تدبیریں بھی کرتے تھے مثلاً : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کروانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے نسخہ لکھنا اور استعمال کرنا۔ چنانچہ اس کے بعد والی روایت آ رہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا نام زبان جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے عبد شمس تھا اور بعد اسلام عبد الرحمن بن صخر ہوا۔

حضرت ابو ہریرہؓ رضی

ابو ہریرہ کنیت ہے اور آپ کنیت ہی سے مشہور ہیں، اور اس کنیت کے بارے میں خود حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا بیان منقول ہے کہ میں اپنے گھر کی بکری چراتا تھا اور میری ایک چھوٹی سی بٹی تھی جس کو رات کے وقت میں درخت پر رکھ دیتا تھا اور جب دن ہوتا تو میں اس کو اپنے ساتھ لیجاتا اور میں اس سے کھیلا کرتا تھا، لوگوں نے میری کنیت ابو ہریرہ رکھ دی۔ (ترمذی ثانی ابواب المناقب ص ۲۳۴)

تمام محدثین ابو ہریرہؓ غیر منصرف پڑھتے ہیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: وهو اول من كَتَبَ بِهَذِهِ الْكُنْيَةِ لِهَرَقِ كَانِ يَلْعَبُ بِهَا كُنَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ وَقِيلَ وَالِدَةُ (عمدہ جلد اول ص ۱۳۳) فی باب امور الانبیاء حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کا نام میمونہ تھا عرصہ تک اسلام سے مشرف ہوئیں ابو ہریرہؓ کی درخواست پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔

بہر حال ابو ہریرہؓ جلیل القدر صحابی ہیں تمام صحابہؓ سے زیادہ روایتیں ان سے منقول ہیں مگر الحدیث حفظ الصحابہؓ سے ۱۵۰۰ میں مشرف باسلام ہوئے اور ائمہ کبار کی عمر میں ۵۰۰ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کئے گئے۔

۱۱۸ • حَدَّثَنَا أَبُو مَعْصُوبٍ أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ بَنِي إِسْرَافِيلَ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ أَبِي ذُلَيْبٍ عَنْ سَعِيدِ الْمُقْبِرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَائَكَ فَبَسَطْتُهُ فَفَرَفْتُ بِيَدِي ثُمَّ قَالَ ضَعُفَ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدُ •

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت باتیں سنتا ہوں ان کو بھول جاتا ہوں، آپؐ نے فرمایا اپنی چادر بچھاؤ میں نے اپنی چادر بچھا دی تو آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک لپ (چلو) اس میں ڈال دیا پھر فرمایا اس کو لپیٹ لے (یعنی اپنے سینے سے لگا لے) میں نے لپیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا پھر اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولا۔

مطابقتہ للتوجہ

مطابقتہ الحدیث للتوجہ بطریق الالتزام (عمدہ) مطلب یہ ہے

کہ اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسیان کی شکایت کی ہے اور نسیان حفظ کی ضد ہے اور قاعدہ ہے و یضدھا تبتین الاشیاء (چیزوں کے ضد کا ذکر خود ان کے اظہار کا سبب ہے) پس اس طرح ترجمہ الباب ثابت ہو گیا۔ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت اور تواتر حفظ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا نتیجہ ہے۔

تعداد موضع والحدیث ۲۲۵۰ و یاقی فی البیوع ۲۴۵ تا ۲۵۰ و فی

ابواب الحرف والمزاجۃ ص ۲۱۶ وفي کتاب المناقب ص ۵۱۴ تا ص ۵۱۵ ایضاً ص ۱۰۹۔

اشکال

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ کتاب العلم کی اس روایت میں ہے فما نسیت شيئاً بعده اور یہی روایت کتاب الیوم ص ۲۴۳ تا ص ۲۴۵ پر آ رہی ہے جس کے الفاظ ہیں فما نسیت من مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث من شئني اس کتاب الیوم کی روایت کا مطلب تو یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے کوئی چیز نہ بھولے۔ اور روایت الباب کا ظاہر یہ ہے کہ اس دعا کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کچھ نہیں بھولے۔ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

علامہ عینیؒ نیز حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں ويحتمل ان تكون وقعت له قضيتان يعني تعدد واقعه في حصوله۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ دونوں کا سیاق ایک ہے جو تو قد وقعہ کو متقنی ہے۔

۲۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ کتاب الیوم والی روایت میں من مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم میں جو من ہے وہ اجلہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت کے سبب سے پھر میں اس کے بعد کچھ نہیں بھولا۔

(تقریر بخاری ج ۱ ص ۱۹۹)

۱۱۹۔ حدثنا ابراهيم بن السدوسي قال حدثنا ابن ابي فديك بهذا وقال ففروك بسيدة فيه ●

ترجمہ ہم سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا کہا ہم سے ابن ابی فدیک نے (ابن ابی ذئب سے نقل کر کے ان کی سند سے) یہی بیان کیا کہ آپؐ نے ہاتھ سے چلو لیکر اس (کپڑے) میں ڈال دیا۔

تشریح

حدیث مثلاً دوسری سند سے ہے البتہ الفاظ متن میں کچھ فرق ہے کہ پہلی سند میں بسيدة فيه تشبہہ کا لفظ ہے اور فیہ نہیں ہے اور اس دوسری سند (یعنی ۱۱۹) میں بسيدة واحد ہے اور فیہ کا اضافہ ہے۔

امام بخاریؒ کا مقصد ایک دوسری سند پیش کرنا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا "اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری خصوصی عنایت بھی مجھ پر یہ تھی کہ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے میری چادر میں کچھ ڈال دیا تھا، ہاتھ بظاہر خالی تھا مگر اس میں علم کے خزانے تھے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے بعد سے حضورؐ کی کوئی بات بھولنا نہ تھا اس لئے میرے پاس ذخیرہ حدیث بہت تھا اور چھپا نا منع تھا اس لئے میں نے سب ہی کچھ امت کو پہنچا دیا۔ (درس بخاری مطبوعہ دار البیروت)

۱۲۰ • حدثنا اسطعيل قال حدثني اخي عن ابن ابي ذئيب عن سعيد المقبري عن ابي هريرة قال حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم وعائنين فاما احداهما فنبتة واما الاخر فلو بنبتة قطيع هذا الملعوم قال ابو عبد الله الملعوم مجرى الطعام •

ترجمہ | ہم سے اسطیل بن ابی اویس نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے بھائی (عبد الحمید) نے انہوں نے نقل کیا (محمد) ابن ابی ذئب سے انہوں نے سعید مقبری سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (علم کئے) دو چیزیں سیکھے (یعنی دو طرح کے علم حاصل کئے) ایک کو میں نے (لوگوں میں) پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر میں پھیلاؤں تو یہ میرا ملعوم کاٹ ڈالا جائے، امام بخاریؒ نے کہا ملعوم (نفل) وہ ہے جس میں کھانا اترتا ہے۔

مطابقة للتجمة | مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة في قوله " حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم وعائنين " - یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم حاصل کئے، جس میں ایک قسم کے علم کو لوگوں میں پھیلا دیا۔ اس میں صاف اشارہ ہے کہ علم کے اسباب حفظ میں سے ایک عظیم سبب علم کی اشاعت ہے کہ اس سے حاصل شدہ علم برقرار و پائدار ہو جاتا ہے۔
تعدد موضعه :- ملاحظہ ہو ص ۲۲ ص ۲۴ ص ۳۱۶ و ص ۳۱۵ و ص ۱۰۹۳۔

وعائین سے کیا مراد ہے؟

وعائین سے علم کے دو نوع مراد ہیں یعنی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علوم حاصل کئے۔ ایک قسم کے علم کو تو میں نے عام کر دیا پھیلا دیا جن کا تعلق عقائد و احکام اور حلال و حرام سے تھا۔ دوسرے قسم کے علوم کو میں نے ظاہر نہیں کیا۔ اتنی بات تو بالکل واضح ہے کہ اس دوسری قسم کا تعلق احکام شریعت، حلال و حرام سے نہیں تھا ورنہ چھپانا جائز نہ ہوتا، اب سوال یہ ہے کہ اس دوسری قسم سے کیا مراد ہے؟ کس قسم کے علوم تھے؟ اقوال مختلف ہیں :-

ایک قول یہ ہے کہ وہ تصوف کے وہ اسرار و حقائق مراد ہیں جو عقول متوسطہ سے بالاتر ہیں عوام الناس ان اسرار کا تحمل نہیں کر سکتے ان اسرار کو سمجھنے کے لئے دردمخت کی ضرورت ہے کما قال الرومی :-
در درون خود بیغزارد را : تا بینی سبز و سرخ و زرد را

دوسرا قول جو اکثر محدثین و محققین کی تحقیق ہے کہ دعائیں سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں فتنوں کے متعلق تفصیلات اور بعض امراء جو در مقام بادشاہوں کے نام کی تعین اور ان کے حالات ہیں۔ چنانچہ

حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے: قال ابوہریرہؓ ان شئت ان اُسَمِّیَہم بنی فلان و بنی فلان
(بخاری اول ص ۵۹)

بعض ظالم امراء کا اشارہ کنایہ سے ذکر بھی فرمایا کرتے تھے مثلاً:
اعوذ باللہ من رامن الستین و امارق الصبیان، میں اللہ سے اور بچوں کی حکومت سے اللہ کی
پناہ مانگتا ہوں۔

یہ اشارہ تھا خلافت یزید کی طرف کیونکہ یزید اسی سال تخت نشین ہوئے، حضرت ابوہریرہؓ نے ان
حوادث اور فتنوں سے بچنے کے لئے دعا بھی کی تھی اللہم اقتضی الیک قبل الستین خدایا مجھے
لشتم سے پہلے ہی اپنی طرف اٹھالے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور یزید کی حکومت سے ایک سال پہلے ۷۵ھ میں ان کا انتقال
ہو گیا۔

بہر حال ظاہر یہی ہے کہ ظالم بادشاہوں کے نام اور حالات ہی کی جانب اشارہ ہے کہ اگر میں صاف
صاف بتا دوں تو وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں گے۔

بَابُ الْاِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ ۲۳

علماء کی بات سننے کے لئے خاموش رہنا۔

رابطہ مقصد گذشتہ باب میں حفظ علم اور یار کے اہتمام کا ذکر تھا اب اس باب میں حفظ علم کا ایک
بہترین طریقہ بیان کیا جا رہا ہے کہ عالم جب کوئی چیز بیان کرے تو ہم سن گوش ہو کر
پوری توجہ سے سنا جائے اگر سنتے وقت توجہ نہ ہو تو یاد اور حفاظت کس چیز کی کریگا۔
امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی عالم کو کوئی اہم بات بیان کرنی ہو تو لوگوں کو خاموش کر کے
بھی بیاں کر سکتا ہے۔

۱۲۱ • حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ سَمِعْتُ شُعْبَةَ قَالَ اخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مَذْرُؤٍ عَنْ ابْنِ
زُرَّعَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ سَامِعٍ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوُدَّاعِ
اسْتَنْصَتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كَقَدْرٍ لِيَضْرِبَ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ •
حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ان سے فرمایا لوگوں کو
تو کہہ کر خاموش کرو (جب جریر نے خاموش کر دیا) تو فرمایا (لوگو!) میرے بعد پھر کافر معتمد بن جانا
کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

مطابق الحديث للترجمة في قوله "استنصت الناس"

تحدید موضوع

والحدیث ۲۳ و یاتی فی الغازی ۳۳ و فی الدیات ۱۱۵ و فی الفتن ۱۰۸

اشکال

لا الفیتات تاتی القوم و

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی سے ارشاد فرمایا تھا:
 میں نہیں اس طرح دپاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ
 اور وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں اور تم انکی بات کاٹو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ گفتگو میں مشغول ہوں تو قطع کلام کی ممانعت ہے کیونکہ یہ چیز
 حلال اور بخش کا باعث بن سکتی ہے اس کے ظاہر اور عموم سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کو خاموش کر کے
 علم اور دین کی باتوں کی طرف متوجہ کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب منع کر کے ثابت کر دیا کہ تعلیم و تبلیغ کی ضرورت کے وقت انصاف مباح اور
 مستحسن ہے۔ دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں جبکہ لوگ تبلیغ اور ذکر و تلاوت
 میں مشغول تھے علمی بات سنانے کے لئے خاموش کرایا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ انفرادی ذکر و اذکار سے بڑھ کر علماء ربانین کا وعظ مستحسن ہے۔ البتہ بلا ضرورت
 کسی کی گفتگو میں دخل دینا، خلل ڈالنا ممنوع ہوگا۔

قال سفیان الثوری وغیرہ اول العالم الاستماع ثم الحفظ ثم العمل ثم النشر
 حدیث پاک میں استنصت الناس کا تعلق اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
 گرامی سے ہے لیکن بغیر حدیث العلماء و رشتہ الانبیاء علماء ربانین کے متعلق
 بھی یہی حکم ہے اسی مقصد کی خاطر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر انصاف العلماء کا ترجمہ قائم کیا ہے۔

تشریح

لا ترجعوا بعدی کفاراً الخ ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کافروں کے مثل مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی
 گزین مارنے لگو۔ یعنی یہاں کفار کے ساتھ تشبیہ ہے کہ جس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں
 اسی طرح تم میرے بعد ایک دوسرے کا قتل مت کرنا ای لا تفعلوا فعل الکفار فتشبیہوہم الا
 مطلب صاف ہے کہ اگر تم آپس میں قتل و قتال کرو گے تو فعل کفار کا ارتکاب کرو گے، نیز کفر و کفر
 پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ بعض روایتوں میں بجائے کفار کے ضلال آیا ہے اس سے مقصد بالکل
 واضح ہوتا ہے اور معلوم ہو گیا کہ صرف قتل سے خارج از اسلام نہیں ہوتا جیسا کہ قتال کفر میں تاویل کرتے
 ہیں، ہاں اگر قتل مومن حلال و جائز سمجھ کر کیا تو بلاشبہ کافر حقیقی ہو جائے گا۔

بَابُ مَا يَسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سَأَلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَيَكِلُ
 الْعِلْمَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى

جب علم سے بوجھائے کہ جسے زیادہ علم والا کون ہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دے

ربط علامہ عینی فرماتے ہیں: وجہ المناسبة بین البابين من حيث ان المذكور في الباب الاول لزوم الانصات وكول الامر الى الله تعالى اذا سئل عن الاعمال۔
یعنی باب سابق میں عالم کے لئے انصات کے لزوم کا بیان تھا اور یہ خاموشی درحقیقت اپنے معاملہ کو عالم کے حوالے کر دینا ہے۔

اسی طرح اس باب میں ہے کہ جب عالم سے علم کے بارے میں پوچھا جائے تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

مقصد ترجمہ امام بخاری کا مقصد اس ترجمہ الباب سے یہ ہے کہ علماء کبار کو تواضع اختیار کرنا چاہیے عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ انسان جب اس درجہ تک مقبول و مشہور ہو جاتا ہے کہ لوگ اس کی باتوں کو سننے کے لئے خاموش ہو جایا کریں اور اس کی بات کو سنانے کے لئے لوگوں کو خاموش اور متوجہ کیا جانے لگے تو ایسی حالت میں عموماً انسان محب اور بڑائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
اس لئے امام بخاری نے اس باب کو منقذ کر کے متنبہ کر دیا کہ انسان جب علم کے بلند مقام پر پہنچ جائے تو اس کو تواضع اختیار کرنی چاہئے جیسا کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں:
نہد شاخ پر سروہ سر بر زمین

۱۲۲ • حدثنا عبد الله بن محمد السُّدِّيُّ قال ثنا سفيان قال ثنا عمرو قال
أخبرني سعيد بن جبيرة قال قلت لأبي عيسى إن فوفان البكالي يزعم أن موسى
ليس موسى بنى إسرائيل إنما هو موسى آخر فقال كذب عدو الله حدثنا أبي بن
كعب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال قام موسى النبي خطيباً في بني إسرائيل
فسئل أي الناس أعلم فقال أنا أعلم فغضب الله عز وجل عليه أذ لم يرد العلم
إليه فأوحى الله إليه أن عبداً من عبادي بمصبح البحرين هو أعلم منك قال
يارب وكيف به فقيل له أحمل حوتاً في مكمل فاذا فقدته فهو ثمنا نطلق و
انطلق بفتاه يوشع بن نون وحمل حوتاً في مكمل حتى كانا عند الصخرة
وضعا رؤسهما فناما فأنسل العوت من المكمل فأتخذ سبيكه في البحر سرباً
وكان لموسى وفتاه عجباً فأنطلقا بقيه ليكتنهما ويومهما فلما أصبح قال موسى
لفتاه أنتنا غداً نالقد لقينا من سفرنا هذا نصيباً وكفر بجد موسى مساً من
النصيب حتى جاوزا المكان الذي أمر به فقال له فتاه أراك إذا أوتينا السى
الصخرة فإني نسيت العوت قال موسى ذلك ما كنا نبيح فارتداً على آثارهما
قصصاً فلما انتهيا إلى الصخرة إذا رجل مسجى بثوب أرق قال تسجى بثوبه

فَسَلَّمَ مُوسَى فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنْتَ بَارِئُكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَى فَقَالَ مُوسَى
 بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَى أَنْ تَعْلَمَنِي وَمَا عَلَّمْتَ رُسُودًا قَالَ
 إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمْتَنِي لَأَعْلَمَهُ
 أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكُمُ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا
 وَلَا أَمْحِي لَكَ أَمْرًا فَاذْهَبْ يَا مُوسَى عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لِي بِهَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ
 بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمَا أَنْ يَجْمَعُوهُمَا فَعَرَفَتِ الْخَضِرُ فَخَلَّوْهُمَا بَيْنَ نَوَلٍ نَجَاءٍ
 عَصْفُورٍ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَتَقَرَّرَ تَقَرَّرًا أَوْ تَقَرَّرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ
 يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى إِلَّا كَنَقَرَةٍ هَذِهِ الْعَصْفُورُ فِي
 الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَجِ السَّفِينَةِ فَتَرَعَهُ فَقَالَ مُوسَى قَوْمٌ
 حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوَلٍ فَقَدِمْتُ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتُهَا لِمُتَرَقٍّ أَهْلُهَا قَالَ أَلْعُرَاقِلُ إِنَّكَ
 لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تَوَاضِعْ لِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عَسْرًا
 قَالَ فَكَانَتِ الْأَوَّلَى مِنْ مُوسَى لِسِيَانًا فَاذْهَبْ فَإِذَا غَلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَامَانِ فَآخِذْ
 الْخَضِرَ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتُلْ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسَى أَقْتُلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً
 بِغَيْرِ نَفْسٍ قَالَ أَلْعُرَاقِلُ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ ابْنُ عَمِّيْنَةُ وَ
 هَذَا أَوْكَدُ فَاذْهَبْ حَتَّى إِذَا أَنْتَ بِأَهْلِ قَرْيَةٍ اسْتَطَعْنَا أَهْلُهَا فَأَبُو أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا
 فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَاقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى
 لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى لَوْ دَدْنَا لَوْصَبْنَا حَتَّى يَقْضَى عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا
 قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ثَنَا بِهِ عَلِيُّ بْنُ حُثَيْبٍ قَالَ ثَنَا سَفِيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ بِطَوْلَدَ
 حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ نوح بکال کہتا ہے کہ وہ موسیٰؑ
 (جو خضرؑ کے پاس گئے تھے) بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے موسیٰ تھے (میرے
 سنکر) ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کے دشمن غلط کہا ہم سے ابی بن کعبؓ نے بیان کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 سے نقل کر کے (آپؐ نے فرمایا) موسیٰ پیغمبرؑ نے بنی اسرائیل میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا (تقریر کی) تو آپؐ (موسیٰؑ)
 سے پوچھا گیا کہ سب لوگوں میں بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰؑ نے کہا میں بڑا عالم ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر
 عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ کے حوالہ نہیں کیا تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرا ایک بندہ
 ہے وہاں جہاں دو دریا (فارس و روم کے سمندر) ملے ہیں وہ تجھ سے زیادہ علم والا ہے، موسیٰؑ نے کہا اے
 پروردگار میں ان تک کیسے پہنچوں؟ حکم ہوا کہ ایک مچھلی زنبیل (تھیلا) میں رکھ لے پھر جب تم اسے

گم پاؤ تودہ بندہ وہیں ملے گا، پس حضرت موسیٰؑ روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے جوان (خادم) یوشع بن نون کو لے لیا اور دونوں نے ایک چھل زنبیل میں رکھ لی جب دونوں (ایک پتھر) صخرہ کے پاس پہنچے تو دونوں اپنے سر اس پر رکھ کر سو گئے پھر چھل زنبیل بے نکل بھاگی اور دریا میں اس نے اپنا ہاتھ بنا لیا سرنگ بنا کر اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو تعجب ہوا پھر وہ دونوں ایک رات دن میں جتنا باتی تھا اس میں چلتے رہے جب صبح ہوئی تو موسیٰؑ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ بالیقین ہم اس سفر سے تھک گئے اور موسیٰؑ کو تھکان نے چھو بھی نہیں مگر جب اس جگہ سے اگے بڑھ گئے جہاں تک ان کو جانے کا حکم ملا تھا اس وقت ان کے خادم نے کہا کیا آپ نے نہیں دیکھا جب ہم صخرہ کے پاس پتھر سے تھے تو (چھل نکل بھاگی اور) میں اس کا ذکر کرنا بھول گیا موسیٰؑ نے کہا یہی وہ جگہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی آخودہ دونوں کھوج لگاتے ہوئے اپنے پاؤں کے نشان پر لوٹے جب اس صخرہ کے پاس پہنچے دیکھا تو ایک شخص ہے کپڑا پیٹے ہوئے یا کہا اپنا کپڑا پیٹے ہیں، موسیٰؑ نے ان کو سلام کیا خضرؑ نے کہا تمہاری سرزمین میں سلام کہاں؟ پھر موسیٰؑ نے کہا میں موسیٰ ہوں خضرؑ نے کہا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں نے جواب دیا، پھر کہا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ آپ کو جو علم کی باتیں سکھائی گئی ہیں وہ مجھ کو سکھلاؤ، حضرت خضرؑ نے کہا تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے، اے موسیٰ بات یہ ہے کہ اللہ نے ایک (قسم کا) علم مجھ کو دیا ہے جسے تم نہیں جانتے اور تم کو ایک (قسم کا) علم دیا ہے اسے میں نہیں جانتا، موسیٰؑ نے کہا اگر خدا چاہے تو تم ضرور مجھ کو صبر کرنے والا پاؤ گے اور میں آپ کے کسی فرمان کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

چنانچہ دونوں سمندر کے کنارے کٹارے پیدل چلے ان کے پاس کشتی نہ تھی (کہ سمندر پار کر جائیں) اتنے میں ایک کشتی ان کے پاس سے گزری انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں کشتی میں سوار کر لیں، کشتی والوں نے خضرؑ کو پہچان لیا اور انہوں نے دونوں کو بے کرایہ ہی سوار کر لیا اتنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی پھر سمندر میں اس نے ایک بادلوں پر چڑھ کر (اسے دیکھ کر) خضرؑ نے کہا اے موسیٰ میرے اور تمہارے علم (دونوں) نے اللہ کے علم میں سے کچھ کم نہیں کیا مگر جتنا پانی کہ اس چڑیا کی چونچ نے سمندر میں سے پھر حضرت خضرؑ نے کشتی کے تختوں میں ایک تختہ کی طرف قصد فرما کر ایک تختہ نکال دیا، حضرت موسیٰؑ نے کہا ان لوگوں نے تو ہم کو بے کرایہ سوار کیا اور تم نے یہ کام کیا کہ ان کی کشتی میں جمید کر دیا کشتی والوں کو ڈبانا چاہا خضرؑ نے کہا میں نہیں کہہ چکا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے، موسیٰؑ نے کہا آپ میری بھول پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے کام کو مشکل میں نہ پھنسا ئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ پہلا اعتراض تو موسیٰؑ کا بھولے ہی سے تھا۔ پھر دونوں چلے کشتی سے اتر کر دیکھا کہ ایک لڑکا چند لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے خضرؑ نے اس کے سر کو اوپر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کا سر اکھیر لیا، موسیٰؑ نے کہا آپ نے ایک معصوم جان کو ناحق قتل کر دیا، خضرؑ نے کہا کیا میں نے آپ ہی سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ

میں ہے وہ اختلاف دو صحابی کے درمیان ہے یعنی حضرت ابن عباس اور حضرت جر بن قیس رضی اللہ عنہما کے درمیان صاحب موسیٰ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ خضر ہیں یا کوئی اور ہیں ؟
دوسرا اختلاف جو یہاں باب ۸۶ کے تحت والی حدیث میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ دو تابعی کے درمیان اختلاف کا ذکر ہے یعنی نوف بکالی اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ حضرت خضرؑ کے پاس جانے والے موسیٰ کون ہیں ؟

نوف بکالی کا خیال تھا کہ یہ موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نہیں ہیں بلکہ موسیٰ بن میتا حضرت یوسفؑ کے پوتے ہیں۔

پس دونوں اختلاف کا موضوع الگ ہے اختلاف کرنے والے الگ ہیں لہذا تعارض نہیں ہے۔
تشریح کذب عدو اللہ، نوف بکالی مومن تھے عالم فاضل اور اہل دہشوق کے امام تھے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو عدو اللہ فرمایا ؟ یہ فرمانا محض زجراً و توبیخاً ہے حقیقت پر محمول نہیں ہے۔

اس سے تو ایک مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی عالم کسی کی قبیح حرکت دیکھے یا مریخ حدیث کے خلاف کسی کا قول سنے تو شدت انقباض اور دینی حمیت کی وجہ سے اس طرح کے سخت الفاظ کہہ دے تو اس کی گنجائش ہے۔

وکان لموسیٰ وفتاہ عجیباً یعنی یوشع کو اس وقت تعجب ہوا اور حضرت موسیٰ کو یوشع سے پھیلی کا واقعہ سننے کے بعد۔ مگر چونکہ وجوہ تعجب مشترک تھے اس لئے اختصار کے لئے ایک ساتھ ہی دونوں کے تعجب کا ذکر کیا گیا۔

فانطلقا بقیۃ لیلتهما ویومہما ان الفاظ میں قلب ہو گیا ہے یعنی یہاں لیلتهما کو یومہما پر مقدم ذکر کیا گیا ہے، صحیح ترتیب کے ساتھ اسی بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے فانطلقا بقیۃ یومہما ویلیلتهما مطلب یہ ہے کہ دوپہر کو سونے کے بعد جب بیدار ہوئے تو پھلی کا قصہ بتایا یوشع بھول گئے اور دونوں بقیۃ دن اور اس کے بعد آنے والی رات چلتے رہے فلما أصبح ظاہر ہے کہ رات بھر چلتے کے بعد صبح ہوتی ہے تو اس طرح فلما أصبح کا جملہ مروط ہو جاتا ہے۔ نیز مسلم شریف جلد ثانی ص ۲۶۹ میں بھی یوم مقدم اور لیلۃ مؤخر ہے۔

قوله حتی اذا اتیا اهل قریۃ استطعما اھلہا اس میں اشکال یہ ہے کہ اھل دوبارہ کیوں لایا گیا ؟ وضع المنظر المضمر میں کیا حکمت ہے۔

جواب :- یہ ہے کہ اس بستی میں دو نبی تشریف لائے اور ان کے یہاں ہوئے پھر کسی اجنبی سے نہیں بلکہ ان بستی والوں ہی سے طعام طلب بھی کیا اور وہ بستی میں مقیم ہونے کی وجہ سے ان کی پوری قدرت بھی رکھتے

تھے اس کے باوجود ان کی مہمانی کی توفیق نہ ہوئی پس ان کی تفسیر کے لئے لفظ اہل مکرر لائے۔

فائدہ باقی تشریح کے لئے اسی پہلی جلد کا باب ۵۵ ملاحظہ فرمائیے، نیز احقر نے نصر الباری کتاب التفسیر میں تفصیل سے بیان کر دی ہے ملاحظہ فرمائیے نصر الباری کتاب التفسیر ص ۲۹۰ تا ۲۹۳

مسائل مستنبطہ علامہ عینیؒ نے اس حدیث سے بہت سارے مسائل مستنبط فرمائے ہیں۔
۱۔ علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا مستحب ہے ۲۔ سفر کے لئے قوشہ

(کھانے پینے کا سامان) ساتھ لینا جائز ہے۔

۳۔ طالب علم کی فضیلت، عالم کے ساتھ ادب کا معاملہ کرنا، مشائخ و بزرگوں کا احترام کرنا ان پر اعتراض ہے
بھنا، مشائخ کی جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کی تاویل کرنا اور ان کے معاہدے کو پورا کرنا۔ اگر اس میں کوتاہی ہو جائے
تو معذرت کرنا۔

۴۔ ولایت صحیح ہے اور اولیاء کرام کے کرامات حق ہیں ۵۔ بوقت ضرورت کھانا مانگنا جائز ہے ۶۔ اجرت
پر کوئی چیز دینا جائز ہے ۷۔ کشتی یا اور کوئی سواری ہو تو بلا اجرت سوار ہونا جائز ہے بشرطیکہ مالک کی رضامندی
ہو ۸۔ کذب خلاف واقعہ خبر دینے کا نام ہے خواہ عمدہ ہو یا سہواً خلافاً للمعقول۔

۹۔ جب دو مفسدے، دو برائیاں متعارض ہوں تو بڑی برائی کو دفع کرنے کے لئے کم درجہ کی برائی کو
برداشت کر لینا چاہئے جیسے خرق سفید کے ذریعہ غضب سفید کی مصیبت دفع کی گئی اذا ابتلیت
ببلیتین فاختر اھونھما۔

۱۰۔ ایک اہم اور اصولی بات یہ معلوم ہوئی کہ شریعت کے تمام احکام کی تسلیم و اطاعت واجب ہے
خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے وغیرہ۔

بابٌ مِّنْ سَالٍ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا ۲۳

ایک عالم سے جو بیٹھا ہو کوئی کھڑے کھڑے سوال کرے۔

ربط باب سابق میں بھی عالم سے سوال کا تذکرہ تھا اور اس باب میں بھی عالم ہی سے سوال کرنے کا
تذکرہ ہے پس دونوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

مقصد ترجمہ ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی مجلس باقاعدہ تعلیم دین کے
لئے نہ ہو مثلاً حالت سفر ہو اور کسی مسئلہ کو دینی مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش
آجائے تو وہ عالم کے پاس جا کر کھڑے کھڑے بھی سوال کر سکتا ہے۔ یعنی کھڑے کھڑے سوال کرنا
اگرچہ خلاف ادب ہے مگر بضرورت جائز ہے۔

۱۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ پچھلے ابواب میں ایک باب گذرا ہے من برئ علی رکتیہ

عند الامام او المحدث جس سے معلوم ہوا تھا کہ تحصیل علم کے لئے ادب و اطمینان کی نشست اختیار کرنی چاہئے اس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ بیٹھنا ہی ضروری ہو۔

امام بخاریؒ کا مقصد اس ترجمہ سے یہ بتانا ہے کہ بیٹھنے کا حکم استحبابی ہے و جوبی نہیں، ضرورت کے وقت کھڑے کھڑے بھی مسئلہ دریافت کر سکتا ہے۔

۱۲۳ • حدثنا عثمان قال ثنا جرير عن منصور عن ابی وائل عن ابی موسیٰ قال جاء رجل الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ما القتال فی سبیل اللہ فان احدا ینا قاتل غضبا ویقاتل حمیة فرفع الیہ راسہ وما رفع الیہ راسہ الا انہ کان قاعما فقال من قاتل لتكون کلمة اللہ ہی الحلیا فهو فی سبیل اللہ •

ترجمہ حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں لڑنا کون سا لڑنا ہے؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی غصے کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی (شخص یا قومی یا ملکی) حمیت (غیرت) کی وجہ سے لڑتا ہے تو آپؐ نے اس کی طرف سر اٹھایا اس لئے کہ (آپؐ بیٹھے تھے اور) وہ کھڑا تھا، پھر آپؐ نے فرمایا جو کوئی اس لئے لڑے کہ اللہ کا بول بالا ہو تو وہ لڑنا اللہ کی راہ میں ہے۔

مطابقتہ للتوجیہ مطابقة الحديث للترجمة فی قوله "وما رفع الیہ راسہ الا انہ کان قاعما" •

تعداد و موضع والحديث ههنا فی العلم ص ۲۳ و یاتی فی الجہاد ص ۳۹۴ والخصاص ص ۴۴ •

تشریح یہ حدیث جامع الکلم میں سے ہے اگر آپؐ ہر ہر جزئی کی تفصیل فرماتے تو بات بہت طویل ہو جاتی کیونکہ فقہ اگر دین کے لئے ہو تو وہ جہاد فی سبیل اللہ کہلائیگا، اسی طرح حمیت یعنی غیرت اگر دین کے لئے ہے تو بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہو گا لیکن اگر غضب و غیرت کسی فاسد غرض کے لئے ہو تو بلاشبہ فی سبیل اللہ جہاد نہیں ہے۔

نیز بعض روایتوں میں مسائل کے سوال میں دوسرے اسباب قتال ہیں مثلاً کتاب الجہاد کے الفاظ ہیں الرجل یقاتل للفتنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیرضی مکانہ فمن فی سبیل اللہ۔

(بخاری اول ص ۳۹۴)

ان سب امور کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مختصر مگر جامع جواب دیا کہ تمام سوالات کا جواب بھی ہو گیا اور اصل مقصد بھی واضح ہو گیا کہ جس لڑائی سے یہ مقصد ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین

بلند پروہ جہاد فی سبیل اللہ ہوگا اور جس لڑائی سے صرف مال و دولت کمانا یا اپنی شہرت و ناموری مقصود اصلی ہو تو وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہو سکتا۔

بابُ السُّؤَالِ وَالْفَتْیَا عِنْدَ رِیِّ الْجَمَارِ ۲۳

کنکریاں مارنے وقت مسئلہ پوچھنے اور جواب دینے کا بیان۔

رابط باب سابق سے ربط و مناسبت واضح ہے کیونکہ ماقبل کے باب میں سوال و جواب کا تذکرہ ہے اور اس باب میں بھی سوال و جواب کا تذکرہ ہے۔

مقصد ترجمہ اس ترجمہ الباب کے منقذ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی عالم ایسی عبادت میں مشغول ہو جس میں دوسری طرف توجہ کرنے اور بات چیت کرنے کی اجازت ہے اس صورت میں اس

عالم سے علمی بات دریافت کر سکتے ہیں اور عالم بھی جواب دے سکتا ہے خصوصاً جبکہ مسئلہ کا موقع نکل جانے کے خوف سے فوراً سوال کی ضرورت ہو تو اسی وقت سوال کرنا جائز ہے کیونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ری جمار کے وقت مسئلہ بتایا ہے۔ البتہ اگر عالم ایسی عبادت میں مشغول ہے جس میں بات چیت جائز نہیں جیسے نماز کہ اس میں کلام ممنوع اور مفسد صلوٰۃ ہے ایسی صورت میں علمی اور دینی مسئلہ بھی بتانا جائز نہ ہوگا۔

۱۲۲۲ • حَدَّثَنَا أَبُو تَعْيِیْمٍ قَالَ سَمِعْتُ الْعَزِیزَ بْنَ ابْنِ سَلَمَةَ عَنْ الزَّهْرِيِّ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْجَمْرِ قَدْ سَأَلَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ نَعَرْتُ قَبْلَ أَنْ أُرْفَى فَقَالَ إِيْرَمٍ وَلَا حَرْجَ قَالَ آخِرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ قَالَ إِنْحَرْ وَلَا حَرْجَ فَمَا سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ قَدْ مَرَّ وَلَا آخِرَ إِلَّا قَالَ إِفْعَلْ وَلَا حَرْجَ •

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرہ (عقبہ) کے پاس دیکھا کہ لوگ آپ سے مسئلہ پوچھ رہے تھے چنانچہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے (بھول سے) قربانی کر دی، آپ نے فرمایا اب کنکریاں مار لو کوئی حرج نہیں، دوسرے نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے (بھول سے) سرمٹا لیا آپ نے فرمایا اب قربانی کر لو کچھ حرج نہیں، سو آپ سے جو چیز پوچھی گئی کہ آگے کر لی گئی یا پیچھے آپ نے یہی فرمایا اب کر لو کچھ حرج نہیں۔

مطابقتی للترجمة مطابقة الحديث للترجمة في قوله "عند الجمره وهو يسأل" وهذا من جانب المستفتي وقوله "ارم ولا حرج وافعل ولا حرج من جهة"

المفتی فطابق الترجمة بجزئها (عمدہ)

تعدد مواضع - والحديث ههنا ۲۳ تا ۲۴ و یا ۲۳۲ و ۹۸۶

تشریح عند الجعق الامام المبخس فی مثل کل حجره کانت من الحجرات الثلاث اول الجعق
فالمراد حجره العقبة لانها اذا اطلقت کانت ہی المرادة (عمدہ ۲ ج ص ۱۹۸)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرہ عقبہ کے پاس دیکھا کہ آپؐ
سے مسائل دریافت کے جا رہے ہیں، یہ حدیث اس سے پہلے باب الفتیاء و هو واقف علی ظہر
الدابة او غیرہا کے تحت گذر چکی ہے۔ حدیث ۸۲ کی تشریح ملاحظہ فرمائیے۔

باب قول الله تعالى وما أوتيتم من العلم الا قليلا ۲۴

رابطہ باب اللہ تعالیٰ کا (سورہ بنی اسرائیل میں) فرمانا - اور تم کو تنہوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے
وجہ المناسبتہ بین البابین من حیث ان کلا منہما مشتمل علی سوال عن عالم غمیر ان المسؤول قد
بین فی الاول لكونه مما يحتاج الی علم السائل ولم یتبین فی هذا عدم الحاجة الی بیان لكونه مما اختص اللہ
سجاء فیہ (عمدہ)

یعنی ماقبل کے باب میں بھی عالم سے سوال کا تذکرہ تھا اور اس باب میں بھی اس حیثیت سے دونوں بابوں
میں مناسبت ظاہر ہے لیکن دونوں ترجمہ الباب میں تنہوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ ماقبل کے باب میں سائل
کے سوال کا جواب دیا گیا اور اس باب میں سوال کا جواب نہیں دیا گیا کیونکہ پہلا ضرورت کا سوال تھا اس لئے
وہ بتا دیا گیا اور اس باب میں روح کے باب سے سوال ہے اور روح کی حقیقت معلوم کرنا ضروری نہیں پھر
روح کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اس لئے اس کا جواب نہیں دیا گیا یعنی روح کی
حقیقت نہیں بتائی گئی پس معلوم ہوا کہ ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔

مقصد ترجمہ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما اوتیتکم من العلم الا
قلیلا تو کسی کو اپنے علم پر مغرور نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا
عالم کہلانے لگے اس لئے کہ بموجب ارشاد ربانی ساری مخلوق کا علم قلیل ہے تو ان میں سے ایک شخص کا
علم اقل قلیل ہوگا۔

کسی بڑے عالم نے ایک عالم سے مسئلہ دریافت کیا انہوں نے جواب میں لا ادری فرمایا، بڑھیلے ناراض
ہو کر کہا کہ تنخواہ کس چیز کی لیتے ہو؟ اس عالم نے جواب میں فرمایا کہ میں اپنی معلومات کی تنخواہ لیتا
ہوں، اگر معلومات کی کبھی لینے لگوں تو قارون کا خزانہ بھی کافی نہ ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس باب کی غرض ایک دیوبندی

● ١٢٥ ● حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ خَفْصٍ قَالَ ثَنَا عَبْدُ الرَّاحِدِ قَالَ ثَنَا الْأَعْمَشُ سَلِمَانُ

ترجمہ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدرسہ منورہ کے کھنڈروں میں (یا کھیتوں میں) چل رہا تھا آیہ کھجور کی چھڑی برخواست کے باس سستی

سہارا دیکر چل رہے تھے راہ میں چند یہودیوں پر سے آپ گزرے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں سوال کرو اور ان میں سے بعض نے کہا کہ پچھو یہ کہ اسی بات کہہ رہے ہیں یا نہیں پھر ان میں سے بعض نے کہا کہ تو ان سے مزبور پوچھیں گے آفران میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے ابوالقاسم! روح کیا ہے؟ (یہ سنکر آپ غاموش رہے میں نے دل میں کہا کہ آپ پر وحی آرہی ہے اور میں کھڑا ہو گیا پھر جب آپ سے وہ کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے (سورہ بنی اسرائیل کی) یہ آیت پڑھی یَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۚ اَلرُّوحُ مِنْ رَّبِّیْ ۚ لَیْسَ بِشَیْءٍ مِمَّا تَدَّبَّرُوا مِنْ اَمْرِ ۚ یہ لوگ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے روح میرے مالک کا حکم ہے اور ان لوگوں کو متھوڑا ہی علم غلابے، اعمش نے (جن کا نام سلیمان بن مہران ہے) کہا ہماری قرأت میں اسی طرح ہے وَمَا اَرْسَلْنَا (یعنی بصیغہ غائب اور وما اوستیم نہیں)۔

مطابقتہ للترجمة مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة اس لئے کہ ترجمۃ الباب میں آیت کریمہ کا ٹکڑا ہے اور حدیث پاک میں شان نزول کے ساتھ ساتھ

پوری آیت موجود ہے۔

تعدله موضعاً والحديث ههنا في العالم ^{١٢٧} وبأني في التفسير ^{١٢٨} وفي الاعتصام ^{١٢٩}

وفي التوحيد ١١١١ وم ١١٢ -

الفاظ حدیث کی شرح

خوب بفتح الخاء المعجمة وکسر الراء وفتح الهمزة ای بکسر الخاء وفتح الواو جمع خرقة بمعنی کھنڈر، ویرانہ۔ کتاب التفسیر میں فی حوث المدینة

ہے اس لئے توسین میں اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔ عسیب بفتح العين وکسر السین المہملین۔ جرید النخل، کھجور کی ٹہنی جس کے پتے دور کر دیئے گئے ہوں یعنی کھجور کی چھری۔

حدیث کی تشریح

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مدینہ کے کھیتوں میں چل رہا تھا اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھری تھی جس کو آپ نیکے چل رہے تھے اچانک یہود مدینہ کے کچھ لوگوں کے سامنے سے آپ کا گذر ہوا، ان یہودیوں میں سے بعض نے کہا ان سے روح کے بارے میں سوال کیا جائے اور بعض نے کہا مت پوچھو کیونکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ایسی بات کہیں جو تمہیں ناپسند ہو۔

یہود کو معلوم تھا کہ حکماء و فلاسفہ تو اہل بچہ روح کی حقیقت بیان کرنے لگ جاتے ہیں مگر انبیاء سے جب کبھی اس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو وہ خود نہیں کہتے بلکہ علم الہی کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس اگر حضور نے بھی علم الہی کے حوالہ کیا تو لوگوں پر نبوت کی ایک اور حجت قائم ہو جائے گی جس کو وہ پسند نہیں کرتے انہیں معلوم تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہی جواب دیں گے جو تورات میں موجود ہے۔

یہود نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لئے کوئی بات ہاتھ آجائے، اب اگر روح کے متعلق سوال کا جواب بھی وہی ملتا ہے جو موسیٰؑ بیان کر چکے ہیں تو یہ جواب دلیل نبوت بنتا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ یعنی وہ روح جو مدبر بدن ہے جس کی وجہ سے تمام انسانی اعضاء اپنی اپنی جگہ حرکت کرتے ہیں پس اگر آپ چپ ہو رہے، میں کھ گیا کہ آپ پر وحی آرہی ہے میں الگ کھڑا ہو گیا جب وہ حالت و کیفیت جو نزول وحی کے وقت آپ کو پیش آیا کرتی تھی جاتی رہی تو آپ نے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔
لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے اور تمہیں بہت کچھ علم دیا گیا ہے۔

روح کے متعلق یہی جواب تورات میں بھی تھا اب کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی خاموش ہونا پڑا۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ موضع القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے آواز نے کوہ یہود نے پوچھا سو اللہ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا آگے پیچھے دونوں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کیں اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی وہ جی اٹھا جب نکل

گئی مرگیا۔

اس کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ نصر الباری کتاب التفسیر ص ۳۷ تا ۳۸۔

بَابٌ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ مَخَافَةً اَنْ يَقْصُرَ فِهُمْ

بعض الناس فيقعوا في أشد منه ۲۲۷

اس شخص کا بیان جس نے بعض اچھی چیز کو اس خوف سے چھوڑ دیا کہ بعض لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر رہے اور وہ اس سے زیادہ سخت بات (بڑی غلطی) میں مبتلا ہو جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مباحات و جائز امور میں سے راجح کا علم ہوتے ہوئے کسی مصلحت کے پیش نظر مرجوح پر عمل جائز ہے جیسا کہ حضور اقدسؐ نے بناء بیت کو بناء ابراہیمی پر لوٹا دینے کے جائز و اختیاری امر کو مصلحتاً ترک فرمادیا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں اقتضائے حکمت کی وجہ سے سائل کے سوال کا جواب مذہب کا ذکر تھا۔

ما قبل ربط

اس باب میں حکمت و مصلحت کے پیش نظر بعض مختار و پسندیدہ کو ترک کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

امام بخاریؒ کا مقصد مذکورہ بالا ربط ہی سے ظاہر ہے کہ کوئی کام مختار و پسندیدہ ہو لیکن اس پر عمل کرنے سے خطرہ ہو کہ لوگ بڑے فتنے و گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس مختار و

مقصد ترجمہ

راجح کو چھوڑ دینا چاہئے۔

علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ الباب سے امام بخاریؒ تنبیہ کر رہے ہیں کہ عالم کو حکیم بھی ہونا چاہئے اور اصلاح کے وقت لوگوں کے حالات پر نظر رکھنا۔ اس لئے کہ کہیں چھوٹی بات کی اصلاح سے کسی بڑی برائی میں نہ

پر جائیں (درس بخاری)

۱۲۶ • حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَوْسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي اسْحَقَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ الزَّبِيرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيرًا فَمَا حَدَّثْتُكَ فِي الْكَعْبَةِ قُلْتُ قَالَتْ لِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْلَا أَنَّ تَوَلَّيْتُ حَدِيثَ عَهْدٍ هَعَرْتِ قَالَ ابْنُ الزَّبِيرِ يَكْفُرُ لِنَقَضَتِ الْكَعْبَةَ فَجَعَلَتْ لَهَا بَابَيْنِ بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابًا يَخْرُجُونَ مِنْهُ فَقَعَلَهُ ابْنُ الزَّبِيرِ •

اسودؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مجھ سے کہا اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ رحمہ سے بہت باتیں چھپا کر کہتی تھیں تو کیا تم سے کعبہ کے بارے میں بھی کچھ بیان کیا؟ میں نے کہا (ہاں) مجھ سے

ترجمہ

besturduk

مطابقته للقرآن

تعداد موضوعات

تشریح

اور اسود بن یزید کا استنہاد بیٹ الباب سے ظاہر ہے۔

چنانچہ اسود حدیث بیان کرتے ہوئے جب حدیث عہد ہم پر پہونچے تو یا تو بکھر کر پنا سبھول

گئے اور حضرت ابن زبیرؓ نے لقمہ دیا کہ حدیث عہد ہو بکفر ہو۔

یا اس حدیث عہد ہم تک پہنچ کر بکفر سے لیکر اخیر تک بھول گئے اور اپنی زیرِ پٹنے پوری حدیث

پڑھی ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں تین تصرف کرنا چاہتے تھے :-

(۱) حطیم کو بیت اللہ میں داخل کرنا۔

(۲) بیت اللہ کا دروازہ جو ساٹھ چار ذراع زمین سے بلند ہے اسے زمین سے ملانا۔

(۳) دو دروازے بنانا یعنی باب شرقی کے مقابل غربی جانب میں بھی ایک دروازہ ہوتا کہ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوں اور دوسرے دروازے سے خارج ہوں۔

قال النوری قال العلماء بنی البیت خمس مرات بنته الملائكة ثم ابراهيم صلی اللہ علیہ وسلم ثم قریش فی العاہلیۃ

وحضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم هذا البناء وله خمس وثلاثون سنة وقیل خمس وعشرون وفيه سقط علی الارض حین وقع ازاسره ثم بناه ابن الزبیر رضی اللہ عنہما ثم العجاج بن یوسف واستمر الی الان علی بناء العجاج وقیل بنی مرتین اخرین او ثلاثا وقد اوضحته فی کتاب ایضاح المناسک للکبیر (۲۲۹) مسلم جلد اول

تیسری تعمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال یا پندرہ سال قبل قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی جس میں طے پایا کہ خالص حلال مال ہی اس پر صرف کیا جائے، حلال مال جمع کیا گیا تو بیت اللہ کی مکمل تعمیر کے لئے ناکافی تھا اس لئے حطیم کا حصہ چھوڑ دیا اور دروازہ صرف ایک وہ بھی زمین سے بلند اسلئے رکھا کہ دخول بیت پر مکمل ضابطہ رکھ سکیں جسے چاہیں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی سہولت کے لئے مذکورہ تین تصرفات فرمانا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ فعل کوئی واجب نہ تھا صرف محسن تھا مگر اس جدید تعمیر میں یہ خطرہ تھا کہ قریش جدید الاسلام ہیں اور ان کو اپنی آبائی تعمیر کے ساتھ محبت ہے لہذا اسے بدلنا ان لوگوں کے لئے باعث فتنہ نہ ہو۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر کی مگر ابن زبیر کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک ابن مروان کے حکم سے پھر حسب سابق تعمیر کر دی، بعد میں ہارون رشید نے امام مالک سے مشورہ کیا کہ مناسب ہو تو میں پھر بیت اللہ کی تعمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق کروں، امام مالک نے فرمایا کہ بیت اللہ کو بار بار گونا گونا گونا مناسب نہیں اس سے بیت اللہ کی وقعت جلتی ہے گی اور ہر کدہ عمارت نو ساخت کے مطابق طبعی سلاطین بن جائیگا (یعنی بادشاہوں کا تختہ مشق بن جائیگا اور ہر ایک اس میں ترمیم کریگا)

اشکال حطیم بیت اللہ کا جز ہے مگر مع ہذا فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صرف حطیم کے استقبال

سے نماز صحیح نہ ہوگی اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :- نماز میں استقبال بیت کا حکم نص قرآنی سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی حکم ہے اور

حطیم کا جزو البیت ہونا ثابتہ خبر الواعد ہونے کی وجہ سے قطعی ہے۔

نیز اس میں اختلاف ہے کہ کل حطیم بیت اللہ کا جزو ہے یا کہ اس کا کچھ حصہ ؟ صحیح یہ ہے کہ کچھ حصہ جزو البیت ہے اور باقی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بکریوں کا حظیرہ تھا۔

پھر اس میں بھی روایات مختلف ہیں کہ حطیم کا کتنا حصہ بیت اللہ کا جزو ہے ؟ چار، پانچ، چھ ساتھ چھ اور سات ذراع کی روایات ہیں۔

ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ فرج کو چھوڑ کر چار اور پانچ ذراع کے درمیان ہے اور فرج سمیت ساتھ چھ ذراع ہے پس کسر کے حذف یا التمام سے روایا کا شمار مضمر تفع ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ استقبال حکیم سے استقبال بیت کا وقوع متیقن نہیں اس لئے نماز نہ ہوگی۔

باب من خصّ بالعلم قوماً دون قومٍ کراہیۃ ان لا یفہموا
وقال علی رضی اللہ عنہ حدّ ثلث النّاس بما یعرفون اّ تحبّون ان یتکذّب
اللہ ورسولہ ۲۳

علم کی باتیں کچھ لوگوں کو بتانا اور کچھ لوگوں کو نہ بتانا اس خیال سے کہ ان کی سمجھ میں نہ آئیں گی (یعنی ہر ایک کو اس کی عقل و فہم کے مطابق تعلیم دینا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں بیان نہ کرو جنہیں وہ سمجھ سکیں کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔

ما قبل سجدہ باب سابق میں کہا گیا تھا کہ عالم کو لوگوں کے قصور و فہم کے اندیشہ کی وجہ سے اپنے بعض مختارات (پسندیدہ) ترک کر دینی چاہیئے۔

اب اس باب میں یہ بتانا چاہا ہے کہ کچھ علوم و حقائق اہل فہم کے لئے خاص کر تہہ ہوئے قصور و فہم کے اندیشہ کی وجہ سے بعض لوگوں کو ترک کیا جائے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ دونوں ترجمے متعارف ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ باب سابق میں اس حکمت کا ذکر تھا جو ترک افعال سے متعلق ہے اور یہاں اس حکمت کا ذکر ہے جو ترک اقوال سے وابستہ ہے۔ کعبہ کو منہدم نہ کرنا یہ ترک فعل ہے اور خطاب کے وقت ایسی باتیں نہ بانے نہ نکالنا جو مخاطب کی سمجھ سے اونچی ہو یہ ترک قول ہے۔

مقصد ترجمہ :- حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ ترجمہ کا مقصد ظاہر ہے کہ علماء کو تبلیغ و تعلیم میں

مناطین و طلبہ کی حالت کا پورا پورا لحاظ کرنا چاہئے ہر ایسی بات جو مخاطب کی سمجھ سے ادنیٰ ہو ہرگز نہ کہنی چاہئے جس درجہ کا مخاطب ہو اسی درجہ کی بات کہنی چاہئے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: **حدَّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ** اے کلمۃ الناس علی قدر عقولہم

● ۱۲۷ ● **حَدَّثَنَا بَدْعَبْدُ اللَّهِ بْنِ مُوسَى عَنْ مَعْرُوفٍ عَنْ ابْنِ الطُّفَيْلِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ** ●

ہم سے اس قول کو عبید اللہ بن موسیٰ نے بیان کیا انہوں نے معروف سے انہوں نے ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا پھر اس کی سند پیش فرمادی یہ ان روایات میں سے ہے جن میں امام بخاریؒ کو ملو سند حاصل ہے یعنی تالیفات بخاری کے ساتھ ملتی ہے۔ (عمدہ) تالیف وہ ہے کہ تیسرا راوی صحابی ہو، اس میں تیسرا راوی حضرت ابوالطفیل عامر بن وائلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں جو غزوہ احد کے سال ۳ھ میں پیدا ہوئے اور وفات صحیح قول کی بنا پر سنہ ۳۳ھ میں ہوئی، صحابہ کرام میں وفات کے لحاظ سے سب سے آخری صحابی ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا متن پہلے ذکر کیا ہے اور اس کی سند بعد میں پیش فرمایا اس کی وجہ کیا ہے؟

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ کرمانیؒ نے اس کے کئی جواب دیے ہیں:-

(۱) اسناد حدیث اور اسناد اثر میں فرق کرنے کے لئے۔

(۲) مقصود متن اثر کو ترجمۃ الباب کے تحت لینا تھا۔

(۳) اس سند میں ایک راوی معروف بن خربوذ ضعیف تھے لہذا سند کو مؤخر کر کے ضعیف سند کی طرف اشارہ کر دیا۔

(۴) امام بخاریؒ کا تفسیق ہے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں چنانچہ بعض نسخوں میں سند متن سے پہلے ذکر کی گئی ہے۔

علامہ عینیؒ نے علامہ کرمانیؒ کے جوابات نقل کرنے کے بعد ایک جواب اپنی طرف سے لکھا کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کو اثر مذکور معلقاً ذکر کرنے کے بعد سند ملی ہو۔ (عمدہ)

● ۱۲۸ ● **حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ اَنَا مَعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَتَادَةَ قَالَ ثنا انسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَاذُ رَدِيعَهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ سَعْدُكَ قَالَ يَا مَعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ سَعْدُكَ قَالَ يَا مَعَاذُ قَالَ**

لبيك يا رسول الله وسعديك ثلثا قال ما من أحد يشهد أن لا اله إلا الله
وأن محمداً رسول الله صدقاً من قلبه إلا حرمه الله على النار قال
يا رسول الله أفلا أخبر به الناس فيستنبشون قال إذا يتكلموا وأخبر بها
معاذ عند موته تاشمأ •

ترجمہ قنادہ سے روایت ہے کہ ہم سے حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) حضرت معاذؓ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے آپؐ نے فرمایا "اے معاذ بن جبل !
انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ حاضر" آپؐ نے (دوبارہ) فرمایا "اے معاذ ! انہوں نے عرض
کیا یا رسول اللہ حاضر ہوں حاضر" آپؐ نے (سب بارہ) فرمایا "اے معاذ ! انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں
یا رسول اللہ حاضر تین بار" (آپؐ نے معاذ کو پکارا پھر) فرمایا جو شخص سچے دل سے اس بات کی شہادت
دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو
دوزخ پر حرام کر دیگا۔ معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کروں ؟ کہ وہ خوش
ہو جائیں آپؐ نے فرمایا (جب تم یہ خبر سنا دو گے) اس وقت لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور غسل
چھوڑ دیں گے) اور معاذؓ نے عمر وؓ کو گارہونے کے ڈر سے یہ لوگوں سے بیان کر دیا۔

مطابقہ للتوجه مطابقہ الحدیث للتوجه من حیث المعنی وهو انه عليه السلام
حقق معاذ بهذه البشارة العظيمة دون قوم اخرين مخافة
ان يقصر وافي العمل متكلين على هذه البشارة (عمدة)

تعدد موضعه :- والحديث ههنا في العام ۲ والنضاياتي بعده متصلا مختصرا -
الفاظ حدیث کی شرح ردیف پیچھے سوار ہونی والا، از باب نصر، سمع ردفاً پیچھے ہونا امام
نوریؒ فرماتے ہیں ردف بکسر الراء واسكان الال ہو الراكب خلف
الراكب یعنی سوار کے پیچھے سوار ہونے والا۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۴)

اصل میں ردف کے معنی سرین کے ہیں اس لئے پیچھے بیٹھنے والے کو ردیف کہا جاتا ہے۔
لبيك يا رسول الله وسعديك علامہ عینیؒ فرماتے ہیں لبيك بفتح اللام تشنيه لب معناه لاجابة
(عمدة) یعنی لام کے فتح کے ساتھ بمعنی جواب دینے کے ہے، مطلب یہ ہے کہ تیرے بلائے پر حاضر ہوں
تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔

سعد يدك علامہ عینیؒ فرماتے ہیں بفتح السين تشنيه سعد والمعنى اسعادا بعد اسعاد اى انا مسعد
طاعتك اسعادا بعد اسعاد فتشئ للتاكيد كفاي لبيك۔ (عمدة ج ۲ ص ۲۶)
ان دونوں کو تشنيه اس لئے لائے کہ تاکید و تکثير کے معنی حاصل ہو جائیں۔

اب لبیک وسعدیک کے معنی ہوئے آپ کی بارگاہ میں بار بار حاضر ہوں اور حکم بجالانے کیلئے مستعد ہوں۔ آپ نے تنبیہ کے لئے اور بہتر کن گوشت ہونے کے لئے تین بار پکارا تاکہ پورے طور سے متوجہ ہو جائیں جب حضرت معاذ رضی پوری طرح متوجہ ہو گئے تو ارشاد فرمایا "ما من أحد يشهد إلا" جس شخص نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں حضرت ابوہریرہ، حضرت عثمان اور دوسرے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایسی روایتیں آئی ہیں۔ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ گو مومن دوزخ میں نہیں جائیگا صرف شہادت کی وجہ سے دوزخ حرام ہو جاتی ہے، حالانکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گنہگار مسلمان دوزخ میں جائیں گے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور حق تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے دوزخ سے نکل کر جنت میں بھیجے جائیں گے۔

اشکال

نظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔
جواب :- (۱) بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ نزول فرائض و احکامات سے قبل کی حدیث ہے۔ یہ جواب اس لئے صحیح نہیں کہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ اور مسند احمد بن حنبلؓ میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اس مضمون کی روایت ہے حالانکہ ان دونوں حضرات کی صحبت اکثر فرائض کے نزول سے متاخر ہے۔ دونوں حضراتؓ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔
 (۲) اس میں حکم اکثری کا بیان ہے کیونکہ غالب یہ ہے کہ کلمہ گو مومن نیک عمل کرتا ہے اور معاصی سے اجتناب کرتا ہے۔

(۳) دوزخ کے دو طبقے ہیں ایک تو خاص کفار کے لئے اور ایک عصاة المؤمنین کیلئے، یہاں تحریم نار سے دوزخ کا وہ طبقہ مراد ہے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(۴) تحریم علی النار سے مراد حرمت کل ہے کیونکہ مسلم کہ مواضع سجود اور زبان جو کلمہ توحید کا اقرار کرتی تھی نار دوزخ سے محفوظ رہے گی۔

(۵) دخول نار حرام نہیں بلکہ تحریم خلود فرار ہے یعنی مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

(۶) یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو ایمان لانے کے بعد فوراً وفات پا گیا ہو اسے عمل کا موقع ہی نہیں ملا۔
 (۷) حضرات اقبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مفردات کی تاثیر بیان فرماتے ہیں مرکبات کی تاثیر کا ظہور عند المیزان ہوگا۔

پس اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ طیبہ کی تاثیر بحالت افراد بیان فرمائی ہے

کہ یہ محرم نار ہے اس کے ساتھ معاصی کی ترکیب سے اس کی تاثیر بدل جائے گی۔
حضرت نانوتویؒ آپ حیات میں فرماتے ہیں کہ ایمان کی طبعی خاصیت نار سے نجات دینا ہے مگر معاصی کی حرارت سے ایمان گرم ہو جاتا ہے تو یوں دیکھو کہ ایمان کی طبعی خاصیت جاتی رہی جیسے کہ پانی کی طبعی خاصیت برودت ہے آگ پر رکھنے سے جب کھولنے لگتا ہے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طبعی خاصیت ختم ہو گئی مگر درحقیقت ایسا نہیں چنانچہ حقیقت اس طرح منکشف ہوگی کہ اس کھولتے ہوئے پانی کو دہکتی آگ پر ڈالیں تو آگ فوراً بجھ جائے گی معلوم ہوا کہ پانی میں حرارت ایک عارضی ہے جس سے اس کی برودت اصلیت کا بھی فقدان نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ایمان کا ہے کہ اس کی خاصیت مومن کے قلب میں اس طرح سرایت کئے ہوئے رہتی ہے کہ اس کی تاثیر کا ہرگز انفکاک نہیں ہوتا۔

سونے کو آگ میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے | سونے کے میلے کچیلے زیورات کو صراف آگ میں ڈالتا ہے مگر مقصد آگ میں ڈالنے سے صرف

صاف کرنا ہوتا ہے کہ آگ میں میل کھیل زائل ہو کر خالص سونا چمکنے لگے ٹھیک اسی طرح مومن کو جلاسنے اور نفا کرنے کیلئے روزخ میں نہیں ڈالا جائیگا بلکہ صاف دپاک کر کے جنت کے قابل بنانے کیلئے ایسا کیا جائیگا جب صاف ہو جائیگا تو آگ سے نکال لیا جائیگا، یہی وجہ ہے کہ مومن کا دخول فی النار تو ہو سکتا ہے لیکن غلوط نہیں ہو سکتا، ایمان کا اثر طبعی بالآخر ظاہر ہو کر اور اس کو جنت میں داخل کر کے رہیگا۔

قولہ یشککوا (تشدید المشاکاة المشوۃ وکسر الکاٹ) جزا ہے اور شرط محذوف ہے۔ ای ان اخبرتم یشککوا یعنی اگر تم لوگوں کو خبر پہنچا دو گے تو کفر ایمانی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔

واخبر معاذ عند موتہ تاشما یعنی کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے لئے اس حدیث کو بیان فرمایا عند موتہ ای عند موت معاذ یعنی اپنے مرنے کے وقت۔

اشکال | اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو اس حدیث کے بیان کرنے سے منع فرمایا تھا تو حضرت معاذؓ نے کیوں بیان کر دیا ؟

جواب :- (۱) یہی تحریم کے لئے نہ تھی بلکہ مصلحت کی بنا پر نہی تنزیہی تھی اگر حضرت معاذؓ نے یہی کو حرام سمجھتے تو بعد میں بھی قطعاً کسی سے بیان نہ کرتے۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانعت کا تعلق صرف عوام الناس سے تھا جن سے اشکال کا اندیشہ تھا خواص سے نہیں تھا اس لئے آپؐ نے خود بھی صرف حضرت معاذؓ کو خبر دی جو اہل معرفت اور خواص میں سے تھے اور ان سے اشکال کا ڈر نہیں تھا، چنانچہ حضرت معاذؓ نے بھی اپنے مرنے کے وقت خواص کو جمع کر کے بیان کر دیا تھا۔

(۳) یہ بھی جواب دیا جاسکتا ہے کہ ابتداءً اس کے بیان کرنے مانعت تھی پھر جب معاذؓ کو معلوم ہوا کہ

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا تو معاذ نے بھی بیان کر دیا۔

۱۲۹ • حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ ذَكَرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَعَاذٍ مَنِ لَقِيَ اللَّهَ لَا يَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ أَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا أَفَ تَشْكُرُونَ •
ترجمہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ سے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اس کیفیت کے ساتھ ملاقات کرے گا کہ اس نے اللہ کے ساتھ (دنیا میں) کسی کو بالکل شریک نہ کیا ہو وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ معاذؓ نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) کیا میں اس بات کی خوشخبری لوگوں کو نہ سنا دوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں مجھے خوف ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔
 مطابقتہ للترجمة :- مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة مثل مطابقة الحديث السابق - معاذ بن جبلؓ ۱۔ حضرت معاذؓ کا مختصر حال کتاب الایمان کے شروع میں گذر چکا۔

• بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعَالِمِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعَالِمُ مُسْتَحْيٍ وَلَا

مُسْتَكْبِرٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَوْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَتَ يَتَّقِيَهُنَّ فِي الدِّينِ • ص ۲۲

باب :- حصول علم میں شرم کرنا۔ اور مجاہدؓ کہتے ہیں کہ مستکبر اور شرم ماننے والا آدمی علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اور حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ انصار کی عورتیں آپؐ کی عورتوں ہیں کہ شرم انہیں دین کی سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکتی۔

باقبل ربط علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں بعض علمی بات کو ایک جماعت (اہل فہم) کے لئے خاص کرنے کا ذکر تھا۔

اب اس باب میں امام بخاریؒ متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ علم کو کسی خاص قوم کے لئے مخصوص سمجھ کر سوال سے حیا نہ کی جائے بلکہ جب علمی ضرورت پیش آئے خواہ وہ دینی معاملہ سے متعلق ہو یا دنیوی معاملہ سے اس کے دریافت کرنے میں حیا مانع نہیں ہونی چاہئے۔

مقصد ترجمہ حدیث میں آتا ہے کہ الحیاء شعبۂ من الایمان، مسلم کی ایک روایت میں ہے الحیاء کلام خلیل اور ایک روایت میں ہے الحیاء لا یاتی الا بخیر (مسلم اوں صفحہ ۴۳)۔

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ حیا بلاشبہ شعبۂ ایمانیہ میں سے ہے اور خیر ہے لیکن اس کا استعمال ایسے مواقع میں نہ کیا جائے کہ خیر سے محرومی کا باعث ہو، امام بخاریؒ متعلین اور طلبہ علم کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ علم کی جو بات سمجھ میں نہ آئے، کوئی اشکال پیش آئے تو دوبارہ دریافت کر لو علم میں حیا کو مانع نہ ہونا چاہئے اس لئے

کہ جو حیا و علم سے مانع ہو وہ دراصل حیا نہیں وہ کمزوری اور بزدلی ہے۔
اس مقدمہ کی تائید کے لئے امام نے ترجمہ کے ذیل میں اثر مجاہد اور اثر عائشہ صدیقہؓ کو پیش کیا ہے، ترجمہ گزرجا
۱۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ أَنَا أَبُو معاوية قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
زَيْنَبِ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سَلِيمٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَامٍ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَنَهَى عَلَى الْمَرْأَةِ
مَنْ غَسَلَ إِذَا احْتَلَمَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ
أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِي وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرَبَّسَتْ
بِمَيْمَنِكَ فَبِعَ كَيْسِبِهَا وَلَدَهَا •

ترجمہ حضرت زینب بنت ام سلمہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ ام سلمہؓ (والدہ حضرت
النبیؐ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ
تعالیٰ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا اس لئے میں پوچھتی ہوں کہ کیا احتلام سے عورت پر بھی غسل ضروری
ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ہاں) جب عورت پانی دیکھ لے (یعنی جاگ کر کپڑے پر منی کا
اثر دیکھ لے) تو (دیسکر) حضرت ام سلمہؓ نے اپنا چہرہ (شرم سے) ڈھانک لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ!
کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں پھر کیوں اس کا بچہ اس
مشابہ ہوتا ہے؟

مطابقتہ للترجمة مطابقتہ الحدیث للترجمة ظاهرة في قول أم سلمة رضي الله
عنها لا يستحيي إلا اس ارشاد سے حضرت ام سلمہؓ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
حق بات فرمانے سے نہیں رکتے پس میں بھی علی سوال سے نہیں رکتی اگرچہ وہ ایسا سوال ہے جس سے عام
طور پر عورتیں شرم کرتی ہیں۔

تعدد موضعه والحديث ههنا في العلم ۲۴ وياقي في الفصل ۲۲ وفي كتاب الانبياء
۲۶۸ واليضاح ۹ واليضاح ۹۰۔

تشریح اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص کسی سے پڑھنے میں اشکال و شبہ کے باوجود
پوچھنے میں شرم کرے گناہ علم سے محروم رہیگا۔

حضرت امام اعظمؒ نے کسی نے پوچھا آپؒ اتنے بڑے زبردست عالم کیسے ہو گئے؟
فرمایا: جو مجھے معلوم تھا اس کے بتانے میں سخی نہیں کیا اور جو معلوم نہ تھا اس کے حاصل کرنے میں شرم نہیں کی۔

حضرت زینب بنت ام سلمہؓ حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ
عنها کی صاحبزادی ہیں یہ اپنے زمانے کی عورتوں میں بہت بڑی

عالمہ فقیہہ تھیں، یہی زینب بنت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بھی ہیں مگر اثبات شرف کے لئے ماں ام سلمہؓ کی طرف نسبت جوڑی گئی کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے شرف ہوئیں تو صاحبزادی زینب کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں پس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پرورش میں رہیں۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں نسبت الی امہا تشریفاً لكونها زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (فتح) وفات سلمہؓ میں ہوئی (عدہ) توفیت قریباً من سنة اربع و ستین (سیر اعلام النبلا جلد ۱۱) آپ کا اسم مبارک ہند ہے۔ علامہ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں: و حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ قد وہم من سماء ہارملہ (سیر اعلام النبلا ج ۲ ص ۲۳۳) یعنی جن لوگوں نے حضرت ام سلمہؓ کا نام رکھا ہے وہ غلط ہے باقی حالات کے لئے دیکھئے نصر الباری کتاب التفسیر ص ۶۲۳۔

حضرت ام سلیمؓ ان کے کئی نام ہیں علامہ میصاویہؒ ہمیشہ (بالرأء بالمشہ) غیصاء، کلہا بالتفسیر بنت لہمان (بکسر الیم و سکون اللام) حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ اور حضرت ابو طلحہؓ انصاریؓ کی بیوی ہیں مشہور صحابیہ ہیں جن سے بخاری و مسلم وغیرہ میں احادیث کی روایت کی گئی ہے۔ زناد جاہلیت میں ان کے شوہر مالک بن النضر تھے جب یہ اسلام لائیں تو ان کو بھی اسلام لانے کے لئے کہا وہ ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

اس کے بعد حضرت ام سلیمؓ کو حضرت ابو طلحہؓ نے پیام نکاح دیا چونکہ اس وقت وہ مشرک تھے اسلئے ام سلیمؓ نے انکار کر دیا کہ بغیر اسلام کے نکاح نہیں ہوگا چنانچہ انہوں نے مسلمان ہو کر نکاح کیا۔ حضرت ام سلیمؓ نے بیان کیا کہ میرے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اچھی دعا کی تھی جس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۷۱)

۱۳۱ • حدثنا اسمعیل قال حدثنی مالک عن عبید اللہ بن دینار عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجْرًا لَا یَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَتَّى تَوُفَّی مَا هِيَ فَوْقَ النَّاسِ فِی شَجَرِ الْبَادِیَةِ وَوَقَعَ فِی نَفْسِی اَنَّهَا النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَاسْتَعِیْتُ قَالُوا یَا رَسُولَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم هِی النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللّٰہ فَخَدَشْتُ ابِی بِمَا وَقَعَ فِی نَفْسِی فَقَالَ لَا تَكُونِ قَلْبُهَا أَحَبُّ الِیَّ مِنْ اَنْ یَّکُونَ لِی کَذْرُکَذَا • حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درختوں میں

ترجمہ ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کسی نہیں جھڑتے اور اس کی مثال مسلمان جیسی ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ تو لوگ جنگلی درختوں (کے خیال) میں پڑ گئے اور میرے جی میں آیا کہ وہ

کھجور کا درخت ہے، عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر مجھے شرم آئی (اور میں کہہ نہ سکا) آخر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی اس کے بارے میں بتائیے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا جو میرے دل میں آیا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو اس وقت کہہ دیتا تو مجھ کو اتنا مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔

مطابق تہ للترجمة: مطابق الحدیث للترجمة ظاهرة في قوله: "قال عبد الله فاستحييت"

والحدیث ہنا فی العلم ۲۳۷ وقد مضى ۱۳۷ وص ۱۶ تامل ویا قی ۲۹۳ وص ۶۸ ۸۱۹ ۹۰۲ ۹۰۳

تعلیل موضعہ

تشریح جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیا مانع عن تحصیل الفضیلۃ پر کبیر فرمائی تو حیا مانع عن تحصیل العلم بطریق اولیٰ مذموم اور واجب ترک ہوگی۔ یہ حدیث دوبار گزر چکی حدیث ۵۹۰ ملاحظہ فرمائیے۔

بَابٌ مِّنْ اسْتَحْيِ فَاَمْرًا بِالسَّوَالِ ۲۳۷

جو شخص (خود عالم ہے) علم کی بات پوچھنے میں شہسے تو کسی دوسرے سے سوال کرنے کے لئے کہے۔

ربط قبل علامہ عینی فرماتے ہیں وجہ المناسبة بین البایین ظاہر لان کلا منہما مشتق علی الحیاء ۳۰

۲۰ باب سابق سے بظاہر حیا کا قبیح ثابت ہوتا ہے لہذا اس باب میں اس کی تفصیل مقصود ہے کہ اگر حیا تحصیل مقصود سے مانع نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

مقصد ترجمہ امام بخاری کا مقصد اس ترجمہ سے یہ ہے کہ جو حیا علم حاصل کرنے سے مانع ہو وہ حیا مذموم ہے، اگر کسی وجہ سے خود نہیں پوچھ سکتا ہے اور حیا کا موقع ہو تو کوئی ایسی صورت اختیار کر کے، ایسا ذریعہ تلاش کرے کہ حیا بھی ملحوظ رہے اور علمی بات سے محرومی بھی نہ ہو جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خاص وجہ سے شرم محسوس ہوئی تو انہوں نے دوسرے سے دریافت کرنے کو کہا۔

۱۳۲ • حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ مَسْذُومِ الشَّوْرَبِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْعَفْصِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَاغَ فَاَمَرْتُ الْقَدَادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا لَكَ فَقَالَ فِيهِ الْوُضوءُ •

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری مذی بہت نکلا کرتی تھی تو میں نے مقداد سے کہا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مسئلہ پوچھو انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا

اس میں وضو ہے (یعنی مذی نکلنے سے وضو فرض ہوتا ہے)۔

مطابقاً للترجمة

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے پوری مطابقت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ترجمۃ الباب میں دو چیزیں مذکور ہیں۔ ۱۔ استیاء کا ذکر ہے۔ ۲۔ دوسرے کو سوال کا حکم دینا۔ لیکن حدیث باب میں صرف ایک چیز یعنی دوسرے سے سوال کرانے کا ذکر ہے استیاء کا ذکر نہیں، مگر امام بخاریؒ کی نظر ذخائر حدیث میں پہنچتی ہے چنانچہ یہی حدیث کتاب الوضوء میں مندرجہ ہے اس میں ہے قال علیؑ ۱۰ کنت رجلاً مذاء فاستحییت ان اسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاموت المقداد ۱۰ اس میں استیاء کی صراحت موجود ہے۔

تعداد موضوعہ :-۔ والحديث ههنا في كتاب العلم ۲۳ وياتي منه ۳۱۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے حضرت مقدادؓ سے کہا تھا، بعض روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا تھا اور بعض میں ہے کہ حضرت علیؑ نے خود سوال کیا تھا، بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے فکیف التطبیق ؟

جواب تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ابتداء حیا کی وجہ سے حضرت علیؑ نے حضرت مقدادؓ اور حضرت عمارؓ دونوں سے فرمایا، ہوگا اور جب حضرت مقدادؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضرت عمارؓ بھی مجلس میں پہنچ گئے اور حضرت علیؑ کی طرف پوچھنے کی نسبت مجازی ہے چونکہ امر تھے۔

اس حدیث پر مزید تفصیل کتاب الوضوء میں آئے گی انشاء اللہ الرحمن۔ یہاں صرف یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مذی کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوتا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مذی ناپاک ہے جس طرح پیشاب کے بعد وضو ضروری ہے اسی طرح مذی سے بھی صرف وضو ضروری ہے۔

باب ۹۲ ذکر العلم والفتی فی المسجد ۲۵

مسجد میں علمی مذاکرہ اور فتویٰ دینا۔

ربطاً قبل

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں وجہ المناسبة بین البابین من حیث اشتمال کل منہما علی السؤال اما فی الاول فلأنہ فیہ سؤال مقدار عن حکم المذی و فی هذا الباب سؤال ذاک الرجل فی المسجد عن حکم الاھلال للحج و کل منہما عن امر دینی۔ (عمدة القاری)

خلاصہ یہ کہ یہ باب بھی باب سابق کی طرح سوال پر مشتمل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ باب سابق میں حکم مذی کے متعلق حضرت مقدادؓ کے سوال کا ذکر تھا اور اس باب میں مسجد میں احرام باندھنے کے متعلق سوال کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دینی معاملہ ہے۔

مقصد ترجمہ

چونکہ مساجد میں رفع صوت سے ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ مسجد میں فتویٰ دینا اور علمی مذاکرہ و گفتگو بھی جائز نہ ہو کیونکہ اس میں بھی رفع صوت کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے یہ باب منفرد کر کے اس شبہ کا ازالہ کر دیا کہ مسجد میں علمی بات کرنا اور فتویٰ دینا جائز ہے جبکہ کسی کی نماز میں خلل نہ ہو۔

۱۳۳ • حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نَهْلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْلُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَيَهْلُ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجَحْفَةِ وَيَهْلُ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَقَالَ ابْنُ عَمْرٍو يَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيَهْلُ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمَرٍ وَكَانَ ابْنُ عَمْرٍو يَقُولُ لَمْ أَفْقَهُ هَذِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ •

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) ایک آدمی مسجد (نبوی) میں کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمیں کس جگہ سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والے جحفہ سے (احرام باندھیں) اور نجد والے قرین سے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ یمن والے یلم سے احرام باندھیں، ابن عمرؓ کہتے تھے کہ میں نے یہ بات (کہ یمن والے یلم سے احرام باندھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد نہیں کیا۔

مطابقتہ للترجمہ

مطابقة الحديث للترجمة في قوله ان رجلا قام في المسجد فقال يا رسول الله من اين تأمرنا ان نهل الخ

یعنی حدیث الباب میں آپؐ سے سوال اور آپؐ کی طرف سے جواب کی صراحت موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ مسجد میں علمی مذاکرہ اور اہل علم سے مسئلہ دریافت کرنا اور اہل علم کا فتویٰ دینا جائز ہے البتہ زیادتی باتیں ممنوع ہیں۔

تعداد موضوعی والحديث ههنا في كتاب العلم ص ۲۵ وياقي في المناسك في باب مراقبت الحج والعمرة ص ۲۱ ايضا في باب مهمل اهل مكة ص ۲۱ ايضا في باب ميقات اهل المدينة ص ۲۱ ايضا في باب مهمل اهل الشام ص ۲۱ وفي الاعتصام ص ۱۹۱۔

حضرت ابن عمرؓ کی احتیاط

قال ابن عمر ويزعمون الخ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کے لئے یلم کو میقات قرار دیا ہے لیکن میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات صاف نہیں سنی، اس سے روایت

کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احتیاط اور تقویٰ کا اندازہ ہوتا ہے کہ جو کچھ خود سنا ہے تو اعتماد سے بیان کیا اور دوسروں کی بات ان کے حوالے سے بیان فرمایا۔

باب ۱۵۰ من اجاب السائل باكثر مما سألہ

پوچھنے والے نے جتنا پوچھا اس سے زیادہ جواب دینا۔

ربط قبل

علامہ حینیٰ فرماتے ہیں وجہ المناسبة بین البایین من حیث اشتمال کل منہما علی السؤال والجواب وظہر ظاہر۔ (عمدہ)

مطلب یہ ہے کہ باب سابق کی طرح یہ باب بھی سوال و جواب پر مشتمل ہے۔

مقصد ترجمہ

ایک حدیث ہے من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیه " اس کے شبہ ہو سکتا تھا کہ سائل کو صرف سوال کا جواب دینا چاہئے کیونکہ سائل جب اپنے سوال میں مقصد کی تصریح کر رہا ہے تو زیادہ جواب دینا لایعنیہ کے مرادف ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ باب مستند کر کے یہ بتایا کہ اگر زیادتی سائل کے لئے مفید ہو اور ضرورت ہو تو سوال سے زیادہ جواب دینا درست ہے جیسا کہ حدیث الباب سے ثابت ہے اور ملا یضیہ میں اسی وقت داخل ہوگا جبکہ بلا ضرورت اور غیر مفید زیادتی ہو۔

۱۳۴ • حدثنا آدم قال حدثنا ابن أبي ذئب عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم وعن الزهري عن سالم عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أن رجلاً سأل ما يلبس للحر فقال لا يلبس القميص ولا العمامة ولا الشراويل ولا البرنس ولا ثوباً مسه الورس أو الزعفران فإن لم يجد الثعلين فليلبس الخفين وليقطعهما حتى يكونا تحت الكعبين •

ترجمہ ہم سے آدم (بن ابی ایاس) نے بیان کیا کہا ہم سے ابن ابی ذئب نے بیان کیا نافع سے نقل کر کے انہوں نے ابن عمرؓ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (یعنی دوسری سند) ابن ابی ذئب نے اس کو زہری سے بھی نقل کیا انہوں نے سالم سے انہوں نے ابن عمرؓ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا جو شخص احرام باندھے ہو وہ کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا قمیص نہ پہنے اور نہ عمامہ، پانجامہ نہ ٹوپی نہ درہ کپڑا جس میں دس یا زعفران لگی ہو پھر اگر (پہننے کو) جوتیاں نہ ملیں تو موزے کو ٹھنڈوں سے نیچے تک کاٹ کر پہن لے۔

مطابقة الحديث للترجمة في قوله "فإن لم يجد الثعلين فليلبس الخفين" (عمدة القاری)

حاصل یہ کہ یہ ارشاد مقدار سوال سے زیادہ ہے اور یہی ترجمہ ہے۔

تعداد موضوعات | والحدیث طہنا ۲۵ | ویاقی فی الصلوة ۵۳ | وفی الناسک ۳۰۵ | تامت ۲۰۹ | وفی ابواب العزقة ۲۳۸ | ایضاً ۲۳۸ | وفی کتاب اللباس ۸۶۲ | ایضاً ۸۶۳ | ایضاً ۸۶۳ | تامت ۸۶۳ | ومنہ ۸۶۹ |

برئیس بغیر الباء و سکون الراء و ضم النون و ہو ثوب راسہ ملتزق فیہ (یعنی ہر وہ کپڑا جس میں سر پر اوڑھنے کا حصہ رہے یعنی ٹوپی) جڑا ہوا ہو) و قبل قلفسوة طویلة و کان الناسک یلبسہا فی صدر الاسلام (یعنی وہ لمبی ٹوپی جس کو لوگ شروع زمانہ اسلام میں پہنا کرتے تھے۔ (عمدہ)

خلاصہ یہ ہے کہ برئیس وہ کپڑا جس میں ٹوپی لگی جیتہ ہو یا قمیص، برساتی کپڑا۔
ورئیس بفتح الراء و سکون الراء و فی آخرہ سین و ہو ثوب اصفر یکن بالیمین الی (یعنی ورس پیلے رنگ کی گھاس ہے جو صرف یمن میں ہوتی ہے۔ اگر چہرہ پر جھامیں پڑ جائے تو اس کا لیب کرنا مفید ہے۔

قلیل من الخفین ولیقطعہما اگر کسی محرم کے پاس جوتان ہو بلکہ موزہ ہو تو دونوں موزے کو کاٹ دیں۔

الکعبین یہاں وسط قدم کی ٹہنی مراد ہے اور وضو میں ٹخنے مراد ہیں بیچ کی ٹہنی مراد نہیں۔

الغرض محرم سلا ہوا کپڑا نہ پہنے اور نہ سر اور پاؤں کو چھپائے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث نے کتاب العلم کو آیت رب زدنی علماً سے شروع کیا تھا
براعة الاختتام | اب اس کا خاتمہ باب من اجاب السائل باكثر مما سألہ پر کیا کہ شروع میں زیادتی

علم کی دعا تھی، ختم میں سوال سے زیادہ علم سکھانا ثابت کر دیا۔ (مولانا غفرلہ الدین احمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس کو علم باغت میں العمود علی البدو کہہ سکتے ہیں یہ تو ابواب کا براعۃ الاختتام ہوا۔ اور کتاب کا مبراعۃ الاختتام حافظ ابن حجر کی رائے کے مطابق یوں ہے کہ حدیث کے آخر میں ولیقطعہما حتی یکونا تحت الکعبین موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیے۔ اب کتاب العلم قطع یعنی ختم ہو گئی اب دوسری کتاب کے لئے تیار رہو۔

حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق کتاب العلم ختم ہو گئی تو اپنی عمر کے ختم ہونے کو یاد کرو اس کے واسطے احرام کے کپڑوں والی حدیث لائے یہ کپڑے تمہارے کفن کے کپڑوں کے مشابہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (امداد الباری)

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات

الحمد لله نصر الباری شرح بخاری کی جلد اول ۷ اربعہ الثانی بروز در شنبہ ۱۴۱۶ھ کو پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ اس کو اصل کی طرح قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

اب انشاء اللہ جلد ثانی کتاب الوضوء سے شروع ہوگی۔

محمد عثمان غنی البہاری عفرلہ الباری مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور۔



فہرست مضامین مقدمہ نصر الباری مع جلد اول

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰	منکرین حدیث کے دلائل مع جوابات	۳	تقریظ
۲۲	نظریہ ثانیہ کی تردید	۵	سخنہائے گفتنی
۶	نظریہ ثالثہ کی تردید	۷	مقام تشریح
۲۳	تلاوین حدیث	۹	مقدمہ
۷	حفظ روایت	۸	بحث اول علم حدیث کی تعریف
۲۴	دوسرا طریقہ تعامل	۱۰	اقسام علم حدیث
۸	تیسرا طریقہ کتابت	۱۱	علم روایت الحدیث
۲۶	اشکال مع جواب	۱۲	علم روایت الحدیث
۹	مراکز علم	۱۳	حدیث اور سنت میں فرق
۲۹	تحقیق سیرت حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ	۱۴	حدیث و خبر
۳۳	ایک مخالطہ اور اس کا ازالہ	۱۵	حدیث قدسی
۱۰	دوسرا طبقہ	۱۶	الفرق بین الحدیث القدسی والقرآن
۱۱	تیسرا طبقہ	۱۷	دوسری بحث حدیث کا موضوع
۳۵	امام زہری رحمہ	۱۸	تیسری بحث غرض و غایت
۱۲	ترجمہ الامام البخاری رحمہ	۱۹	علم حدیث کی غرض و غایت
۳۶	تحقیق حالات امام بخاری رحمہ	۲۰	چوتھی بحث وجہ تسمیہ
۳۹	احادیث میں اشارہ	۲۱	پانچویں بحث فضیلت
۱۳	اعتناء و تقریظ	۲۲	بحث سادس الزاوع المصنفات فی الحدیث
۴۰	علی وقار کی حفاظت	۲۳	بحث سابع اجناس علوم میں اس کا مقام
۴۱	مسئلہ خلق قرآن اور نیشاپور کا فتنہ	۲۴	بحث ثامن حکم شرعی
۴۳	فائدہ ۱	۲۵	حجیۃ الحدیث
۱۴	فائدہ ۲	۲۶	منکرین حدیث کے تین نظریات
۱۵	امام بخاری رحمہ کا امتحان اور وفات حسرت آیات	۲۷	نظریہ اولیٰ کی تردید
		۲۸	عقلی دلائل

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۱	میری سند	۴۵	ہارگاہ رسالت میں مقبولیت
۷۳	افتتاحی خطبہ	۴۶	اشکال و جواب
۷۴	رسم الخط بسورۃ اللہ الرحمن الرحیم	۴۷	احوال الجامع الصحیح
۷۵	ترکیب	۴۸	درجہ تسمیہ
۷۶	ایک اشکال	۴۹	سبب تالیف
۷۷	باب کیف کان بدرالوہی الخ	۵۰	تعداد روایات بخاری شریف
۷۸	لفظ باب کی تشریح	۵۱	صحیح بخاری کی تالیف
۷۹	درجہ تسمیہ	۵۲	ثلاثیات بخاری شریف
۸۰	سوال و جواب	۵۳	صحیح بخاری کی عظمت و فضیلت
۸۱	اصطلاحات الحدیث	۵۴	ختم بخاری کے برکات
۸۲	تراجم بخاری شریف	۵۵	تراجم بخاری کی اہمیت
۸۳	تراجم بخاری پر تصانیف	۵۶	صحاح ستہ
۸۴	الوہی	۵۷	شروط الخ
۸۵	دی کا اطلاق	۵۸	مصحفین میں موازنہ اور قول فیعل
۸۶	دی شری	۵۹	تعدد نسخ اور وجہ اختلاف
۸۷	اقسام دی	۶۰	علامہ فریری رحمہ
۸۸	نبی اور رسول کا فرق	۶۱	فریری کے نسخوں میں اختلاف کے وجوہات
۸۹	فائدہ	۶۲	ایک غلط فہمی کا ازالہ
۹۰	مسئلہ	۶۳	مسامحات بخاری
۹۱	انتخاب آیت میں امام رحمہ کا کمال	۶۴	سند کے بیان میں تسامح
۹۲	ترجمہ الباب سے آیت کی مناسبت	۶۵	متن حدیث میں تسامح
۹۳	اشکال و جواب	۶۶	استنباط مسائل میں تسامح
۹۴	پہلی حدیث انما الاعمال الخ	۶۷	فہروری تنبیہ
۹۵	فہروری نوٹ	۶۸	شروع بخاری
۹۶	تعدد الحدیث فی الصحیح	۶۹	اہم فائدہ یعنی محدث کیلئے رباعیات
۹۷	مطابقت الحدیث للترجمہ	۷۰	سند و متابعت
۹۸		۷۱	سلسلہ اسناد

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۷	ایک اشکال و جواب	۹۳	اسماء رجال
۱۱۸	دبوجنے کی حکمتیں	۹۴	اہم فائدہ
۱۱۹	شاہ عبدالعزیز رحمہ کی تحقیق امین	۹۵	لفظ ابن کے ہمزہ کا ضابطہ
۱۲۳	سوال و جواب	۹۶	عزم، قصد، نیت
۱۲۴	ام المؤمنین حضرت فدیہ رحمہ	۹۷	بحث و نظر
۱۲۵	اشکال	۹۸	ائمہ کرام کا اصل اختلاف
۱۲۸	اشکال	۹۹	اشکال و جواب
۱۲۹	اشکال و جواب	۱۰۰	اشکال و جواب
۱۳۰	حضرت ورقہ بن نوفل	۱۰۱	اختصار حدیث
۱۳۱	حضرت جابر بن عبد اللہ رحمہ	۱۰۲	اشکال و جواب
۱۳۲	متابعت اور اہل کے اقسام	۱۰۳	دوسری حدیث
۱۳۳	مطابقت الحدیث	۱۰۴	ترجمہ و تعدد الحدیث
۱۳۴	چوتھی حدیث	۱۰۵	بیان رجال
۱۳۵	تعدد الحدیث	۱۰۶	اشکال و جواب
۱۳۶	بیان رجال	۱۰۷	مصلحت الجرس
۱۳۷	حضرت ابن عباس رحمہ	۱۰۸	اشکال و جواب
۱۳۸	اشکال	۱۰۹	مطابقت الحدیث للترجمہ
۱۳۹	اشکال	۱۱۰	تیسری حدیث
۱۴۰	آیت کریمہ لا تحول بہ لسانک کا قبل و بعد سے ربط	۱۱۱	تعدد الحدیث
۱۴۱	مطابقت الحدیث للترجمہ	۱۱۲	بیان رجال
۱۴۲	حدیث ۵	۱۱۳	روایا الانبیاء پر اشکال و جواب
۱۴۳	تعدد الحدیث و بیان رجالہ	۱۱۴	اشکال و جواب
۱۴۴	حاجت خول اور اس کا مقصد	۱۱۵	سب سے بہترین توجیہ
۱۴۵	فائدہ	۱۱۶	انتخاب حرا کے وجوہ
۱۴۶	فائدہ	۱۱۷	غارجہ میں عبادت کی نوعیت
۱۴۷	فائدہ	۱۱۸	نقل و وحی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۴۴	ایمان کے لغوی معنی	۱۴۵	مثله اور نحوہ میں فرق
۱۴۵	ایمان کے شرعی معنی	۱۴۶	جو دو سخا میں فرق
۱۴۶	امام الحرمین و علامہ ابن ہمام رحمہ	"	غلط فہمیوں کا ازالہ
"	خلاصۃ المذاہب فی حقیقۃ الایمان	۱۴۷	سوال و جواب
۱۴۸	ایک مشہور کا ازالہ	۱۴۸	فضل زمان و مکان
۱۵۰	تنبیہ	۱۵۰	مطابقت الحدیث للترجمہ
۱۵۱	اہل سنت و الجماعت	"	حدیث علی
"	امام رازی اور محدثین رحمہ	۱۵۵	تقدیر الحدیث و بیان رجال
۱۵۲	ایمان و اسلام کی باہمی نسبت	۱۵۶	تشریح
۱۵۳	بابت قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس الخ	۱۵۷	قرآنی پیشینگوئی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی جرات
۱۵۴	ترجمہ الباب کا مقصد	۱۵۸	غلبہ روم و شکست فارس
۱۵۵	سوال و جواب	"	حضرت دحیہ بن ابوسفیان اور ہرقل کا اجتماع
"	اشکال	"	تنبیہ
۱۵۶	امام بخاری رحمہ کے دلائل	۱۵۹	حدیث ہرقل کی شرح
۱۵۷	نور	۱۶۲	اشکال
"	سوال و جواب	۱۶۳	تشریح الفاظ مکتوب گرامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
۱۵۸	ضرورت صحبت پر چند دلائل	۱۶۵	تحقیق مشرک
۱۵۹	تشریح الفاظ	"	سجدہ تعبیدی اور تعلیمی میں فرق
۲۰۱	حدیث علی	۱۶۷	اشکال
۲۰۲	مطابقت للترجمہ	۱۶۹	ترتیب واقعات
"	تنبیہ	۱۷۰	مطابقت الحدیث للترجمہ
"	ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مختصر حال	۱۷۲	کتاب الایمان
"	تشریح حدیث علی	"	رابطہ ماقبل
۲۰۳	اشکال و جواب	۱۷۳	اقسام فرق اسلامیہ
"	الفاظ حدیث کی تقدیم و تاخیر	"	اہل سنت و الجماعت کی وجہ تسمیہ
۲۰۴	اعمال اربعہ کی تشریح	"	طبقات اہل سنت و الجماعت

۲۱۹	اشکال و جواب	۲۰۵	فاتحہ کے جملوں پر داد خداوندی
۲۲۱	باب ۱۱ من الایمان ان یحب لاخیرہ یا حب النفس	۲۰۶	حکمت زکوٰۃ
۲۲۲	ما قبل سے ربط	۲۰۷	روزہ و حج
۲۲۲	اشکال و جواب	۲۰۸	باب ۱۲ امور الایمان
۲۲۳	اختلاف اسناد	۲۰۹	ما قبل سے ربط
۲۲۳	باب ۱۳ حب الرسول من الایمان	۲۱۰	آیات مذکورہ سے ترجمہ کا ربط
۲۲۳	حدیث ۱۳	۲۱۱	تشریح حدیث
۲۲۳	ما قبل سے ربط	۲۱۲	جبار کے شرعی معنی
۲۲۳	محبت کے معنی اور اسکے اقسام	۲۱۳	اشکال و جواب
۲۲۳	اشکال و جواب	۲۱۴	دوسرا اشکال
۲۲۳	لاحاجہ کرام کی محبت کے چند خواہد و نمونے	۲۱۵	باب ۱۴ المسلم من سلم المسلمین الی
۲۲۳	حدیث ۱۴	۲۱۶	حدیث ۱۴
۲۲۳	منادہ	۲۱۷	مطابقۃ للترجمہ
۲۲۳	باب ۱۵ حلاۃ الایمان	۲۱۸	باب سابق سے ربط
۲۲۳	حدیث ۱۵	۲۱۹	تشریح
۲۲۳	ما قبل سے ربط	۲۲۰	اشکال
۲۲۳	شر کے اقرب ہو نیکا مطلب	۲۲۱	ان کی وجہ تقدیم
۲۲۳	مشہور سوال مع جواب	۲۲۲	عبداللہ بن عمر بن العاص رضی
۲۲۳	حلاۃ ایمانی سے کیا مراد ہے ؟	۲۲۳	منتخبات خصوصی
۲۲۳	باب ۱۶ علامت الایمان حب الانصار	۲۲۴	باب ۱۵ ائی الاسلام افضل
۲۲۳	حدیث ۱۶ و مطابقۃ	۲۲۵	حدیث ۱۶ و ربط ما قبل
۲۲۳	ما قبل سے ربط	۲۲۶	اشکال و جواب
۲۲۳	اشکال و جواب	۲۲۷	باب ۱۶ حدیث ۱۶
۲۲۳	اختلاف العلماء کی تحقیق	۲۲۸	مطابقۃ للترجمہ
۲۲۳	جو از اختلاف کی شرائط	۲۲۹	ربط ما قبل
۲۲۳	باب ۱۷ بدون الترجمة	۲۳۰	سلام کی ابتدا

صفحة	عنوان	صفحة	عنوان
٢٥٨	تعدد الحديث	٢٢٢	حديث ١٤
•	تشریح الفاظ	٢٢٣	رابط ما قبل
٢٥٩	فائدة	•	تعدد الحديث
•	حديث ٢٢	•	حضرت عبادة بن صامت رضى
٢٦٠	تعدد الحديث	٢٢٥	حدود كفارة بين يانيس ؟
•	مطابقة للترجم	٢٢٦	اشكال وجواب
•	اشكال وجواب	٢٢٩	باب ١٨ من الدين الفرار من القتل
٢٦١	باب ١٨ الحياء من الايمان	•	حديث ١٥
•	حديث ٢٣	٢٥٠	تعدد الحديث
•	مطابقة للترجم	•	مطابقة للترجم
•	رابط	•	حل لغات
٢٦٢	باب ١٩ فان تابلوا واقاموا رزقوا الى	٢٥١	جلوت بهتر ہے يا خلوت
•	حديث ٢٤	•	حضرت ابو سعيد خدرى رضى
•	مطابقة للترجم	•	باب ١٩ قول النبي انا املك باهر من القوة فعل القلب
٢٦٣	تعدد الحديث	٢٥٢	حديث ١٩
•	تشریح	•	رابط ما قبل
•	اشكال وجواب	•	اشكال وجواب
٢٦٣	حكم تارك صلوة	٢٥٣	ترجمة الباب كما مقصد
٢٦٥	باب ٢٠ من قال ان الايمان هو العمل الم	٢٥٥	باب ٢٠ من كره ان يوجد في الكفران
٢٦٦	حديث ٢٥	•	حديث ٢٠
•	رابط ومقصد	•	رابط وتشریح
٢٦٨	مطابقة للترجم	٢٥٦	باب ٢١ تغافل ابل الايمان في الاحمال
•	تعدد الحديث	•	حديث ٢١
•	اشكال وجواب	٢٥٧	رابط ما قبل
•	باب ٢١ اذ الم يكن الاسلام على الحقيقة الم	•	مطابقة للترجم
٢٦٩	حديث ٢٦	•	اشكال وجواب

تقدیر الحدیث

۲۶۹

باب ۲۳ ظلم دون ظلم

مطابقتہ للترجمہ

۲۷۰

حدیث ۳۱

اعتراض وجواب

۲۷۱

مطابقتہ للترجمہ

اشکال وجواب

۲۷۲

تقدیر الحدیث

باب ۲۴ افشاء السلام من الاسلام الخ

۲۷۳

علامہ زحشری کا استدلال

حدیث ۲۵

۲۷۴

اشکال وجواب

رابطہ ما قبل

۲۷۵

باب ۲۵ علامات المنافق

سلام کے متعلق کچھ مسائل

۲۷۶

حدیث ۳۲ و ۳۳

حضرت عمار رضی

۲۷۷

تقدیر الحدیث

باب ۲۶ کفران العشر و کفر دون کفر الخ

۲۷۸

مقصد ترجمہ

حدیث ۲۶

۲۷۹

منافق کی تعریف

مطابقتہ للترجمہ

۲۸۰

اشکال

رابطہ ما قبل

۲۸۱

حسن بھری رحمہ اللہ کا مجموعہ

بدون تکرار روایات بخاری کی تعداد

۲۸۲

باب ۲۶ قیام لیلۃ القدر من الایمان

باب ۲۷ المعاصی من امر الجاہلیۃ الخ

۲۸۳

حدیث ۳۴

رابطہ

۲۸۴

تقدیر الحدیث

مقصد ترجمہ

۲۸۵

رابطہ ما قبل

حدیث ۲۷

۲۸۶

دوسرا رابطہ

مطابقتہ للترجمہ

۲۸۷

لیلۃ القدر

تقدیر الحدیث

۲۸۸

باب ۲۸ الجہاد من الایمان

احنف بن قیس رضی

۲۸۹

حدیث ۳۵

ابوبکرہ رضی

۲۹۰

مطابقتہ للترجمہ

حدیث ۳۶

۲۹۱

تقدیر الحدیث

مطابقتہ للترجمہ

۲۹۲

رابطہ ما قبل

تقدیر الحدیث

۲۹۳

اشکال وجواب

حضرت ابو ذر رضی

۲۹۴

حل لغات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۸	مقصد ترجمہ	۲۹۵	باب ۲۷ تطوع قیام رمضان من الایمان
۰	حدیث ۳۳۷	۰	حدیث ۳۳۷
۰	مطابقتہ للترجمہ	۰	مطابقتہ للترجمہ
۰	تشریح	۰	تعدد الحدیث
۰	باب ۳۲ احب الذین الی اللہ الخ	۲۹۶	باب ۲۸ صوم رمضان احتساباً بالخ
۰	حدیث ۳۱۱	۰	حدیث ۳۳۷
۳۰۹	مطابقتہ للترجمہ	۰	مطابقتہ للترجمہ
۰	رابطہ ما قبل	۰	تعدد الحدیث
۰	تعدد الحدیث	۲۹۷	اشکال وجواب
۰	مقصد ترجمہ	۰	باب ۲۹ الذین یسیر
۳۱۰	اشکال وجواب	۰	حدیث ۳۳۷
۰	تقیب	۲۹۸	مطابقتہ للترجمہ
۳۱۱	باب ۳۳ زیادة الايمان ولقصائده الخ	۰	تعدد الحدیث
۰	حدیث ۳۲۷	۰	اشکال وجواب
۰	مطابقتہ للترجمہ	۰	مقصد ترجمہ
۰	رابطہ ما قبل	۳۰۱	باب ۳۱ الصلوۃ من الایمان
۰	تعدد الحدیث	۰	حدیث ۳۳۷
۳۱۲	متابعیت کے فوائد	۳۰۲	مطابقتہ للترجمہ
۰	حدیث ۳۲۳	۰	تعدد الحدیث
۰	مطابقتہ للترجمہ	۳۰۳	رابطہ ما قبل
۰	تعدد الحدیث	۰	مقصد ترجمہ
۳۱۳	تشریح	۰	اشکال وجواب
۳۱۴	نوٹ	۳۰۵	الفاظ حدیث کی تحقیق و تشریح
۰	باب ۳۴ الزکوة من الاسلام الخ	۳۰۷	اشکال وجواب
۰	حدیث ۳۲۷	۰	باب ۳۲ حسن اسلام المرء
۳۱۵	مطابقتہ للترجمہ	۰	باب سابق سے ربط

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۱	مذہب کی مؤثر ترویج	۳۱۵	رابطہ ماقبل
۳۳۲	توجیہ موفیاء رحمہم اللہ	۳۱۶	تعدد الحدیث
۳۳۳	تکلیف خوارج و معتزلہ	۳۱۷	تشریح
۳۳۴	حدیث ۳۳۷	۳۱۸	مسئلہ دتر
۳۳۵	مطابقتہ للترجمہ	۳۱۹	انعام و عقاب و نوافل
۳۳۶	باب ۳۳۸ سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۲۰	شوائف رو کے دلائل
۳۳۷	عن الایمان والاسلام والاحسان الخ	۳۲۱	احناف کے دلائل
۳۳۸	حدیث ۳۳۹	۳۲۲	اشکال و جواب
۳۳۹	مطابقتہ للترجمہ	۳۲۳	حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی
۳۴۰	تعدد الحدیث	۳۲۴	باب ۳۴۰ اتباع الجنائز من الایمان
۳۴۱	تشریح	۳۲۵	حدیث ۳۴۱
۳۴۲	سوال و جواب	۳۲۶	مطابقتہ للترجمہ
۳۴۳	سوال و جواب	۳۲۷	تعدد الحدیث
۳۴۴	سوال و جواب	۳۲۸	باب سابق سے ربط
۳۴۵	ایمان، اسلام، احسان کی ترتیب	۳۲۹	مقصد ترجمہ
۳۴۶	سوال و جواب	۳۳۰	تشریح
۳۴۷	دو سوال مع جواب	۳۳۱	نماز جنازہ کہاں افضل ہے ؟
۳۴۸	نوٹ	۳۳۲	باب ۳۳۲ خوف المؤمن ان یحبط عملہ الخ
۳۴۹	باب ۳۳۹ بدون الترجمہ	۳۳۳	رابطہ ماقبل
۳۵۰	بلا ترجمہ باب کے توضیحات	۳۳۴	مقصد ترجمہ
۳۵۱	حدیث ۳۴۰	۳۳۵	اشکال و جواب
۳۵۲	حدیث کی تشریح	۳۳۶	حسن بصری رو کا قول
۳۵۳	خرم کی تعریف اور اسکے حوازی پر اختلاف	۳۳۷	حدیث ۳۳۷
۳۵۴	باب ۳۴۱ فقیل من استبرأ لدینہ	۳۳۸	مطابقتہ للترجمہ
۳۵۵	حدیث ۳۴۲	۳۳۹	تعدد الحدیث
۳۵۶	رابطہ ماقبل	۳۴۰	تشریح
۳۵۷	مطابقتہ للترجمہ	۳۴۱	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۰	تعدد الحدیث	۳۴۷	تعدد الحدیث
۳۶۱	تشریح	۳۴۸	مقصد ترجمہ
۳۶۲	فائدہ	۳۴۹	تنبیہ
۳۶۳	کتاب العلم	۳۵۰	عقل کا محل قلب ہے یا دماغ؟
۳۶۴	باب ۳۳ فضل العلم وقول اللہ الخ	۳۵۱	حدیث الباب
۳۶۵	تشریح	۳۵۲	باب ۳۴ ادار الحسن بن الامین
۳۶۶	باب فضل العلم	۳۵۳	حدیث ۵۱
۳۶۷	اشکال وجواب	۳۵۴	رابطہ و مقصد
۳۶۸	باب ۳۵ من سئل علما الخ	۳۵۵	تعدد الحدیث
۳۶۹	حدیث ۵۷	۳۵۶	سہول وجواب
۳۷۰	مطابقتہ للترجمہ	۳۵۷	وفد عبد القیس
۳۷۱	تعدد الحدیث	۳۵۸	اشکال وجواب
۳۷۲	رابطہ ما قبل	۳۵۹	تحقیق الفاظ
۳۷۳	رواۃ حدیث کا احتیاط	۳۶۰	مسئلہ
۳۷۴	مسائل مستنبطہ	۳۶۱	باب ۳۵ ماجاء أن الأعمال بالنية الخ
۳۷۵	باب ۳۶ من رفع صوته بالعلم	۳۶۲	رابطہ ما قبل
۳۷۶	حدیث ۵۸	۳۶۳	مقصد ترجمہ
۳۷۷		۳۶۴	حدیث ۵۲ و ۵۳ و ۵۴
۳۷۸		۳۶۵	مطابقتہ الحدیث للترجمہ
۳۷۹		۳۶۶	تعدد الحدیث
۳۸۰		۳۶۷	باب ۳۷ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم {
۳۸۱		۳۶۸	الذین النصیحة لله الخ
۳۸۲		۳۶۹	مقصد ترجمہ
۳۸۳		۳۷۰	رابطہ ما قبل
۳۸۴		۳۷۱	حدیث ۵۵ و ۵۶
۳۸۵		۳۷۲	مطابقتہ للترجمہ
۳۸۶		۳۷۳	تعدد الحدیث
۳۸۷		۳۷۴	رابطہ ما قبل
۳۸۸		۳۷۵	حدیث ۵۷
۳۸۹		۳۷۶	مطابقتہ للترجمہ
۳۹۰		۳۷۷	تعدد الحدیث

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۹	حدیث ۶۶	۳۷۲	باب ۲۲ طرح الامام المسکتہ الخ
۳۹۰	تعدد الحدیث	۳۷۳	حدیث ۶۷
۳۹۱	تشریح	۳۷۴	رابطہ ما قبل
۳۹۲	باب ۲۳ العلم قبل القول والعمل الخ	۳۷۵	مقصد ترجمہ
۳۹۳	تشریح	۳۷۶	مطابقت الحدیث للترجمہ
۳۹۴	باب ۲۴ ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمواعظ الخ	۳۷۷	باب ۲۵ التفرقة والعرض علی الحدیث الخ
۳۹۵	رابطہ ما قبل	۳۷۸	فائدہ
۳۹۶	حدیث ۶۷ و ۶۸	۳۷۹	رابطہ ما قبل
۳۹۷	تعدد الحدیث	۳۸۰	مقصد ترجمہ
۳۹۸	مطابقت الحدیث	۳۸۱	حدیث ۶۸
۳۹۹	تشریح	۳۸۲	حدیث ۶۹
۴۰۰	باب ۲۵ من جعل لابل العلم ایاماً معلومتہ	۳۸۳	ترجمہ الباب سے مطابقت
۴۰۱	رابطہ	۳۸۴	باب ۲۶ ما یدکر فی المنازلۃ الخ
۴۰۲	بدعت کی تعریف	۳۸۵	رابطہ
۴۰۳	حدیث ۶۹	۳۸۶	حدیث ۷۰
۴۰۴	مطابقت للترجمہ	۳۸۷	مطابقت للترجمہ
۴۰۵	تعدد الحدیث	۳۸۸	باب ۲۷ من تدریج ینتہی بہ المجلس الخ
۴۰۶	باب ۲۶ من یراد الشر بہ خیر الفقہاء فی الدین	۳۸۹	حدیث ۷۱
۴۰۷	رابطہ ما قبل	۳۹۰	مطابقت للترجمہ
۴۰۸	حدیث ۷۱	۳۹۱	رابطہ و مقصد
۴۰۹	مطابقت للترجمہ	۳۹۲	تعدد الحدیث
۴۱۰	تعدد الحدیث	۳۹۳	اشکال و جواب
۴۱۱	باب ۲۷ الفہم فی العلم	۳۹۴	باب ۲۸
۴۱۲	رابطہ ما قبل	۳۹۵	صنعت مشاکلت
۴۱۳	حدیث ۷۲	۳۹۶	نصیحت آمیز واقعہ
۴۱۴		۳۹۷	باب ۲۹ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغ ادعی امن سامع

صفحة	عنوان	صفحة	عنوان
٢١٠	تعدد الحديث	٢٠٠	مطابقة للترجمة
٢١١	تشریح	٢٠١	بجاری تحقیق و تشریح
٢١٢	باب ١٢ الخروج في طلب العلم	٢٠٢	باب ١٢ الاغتباط في العلم والحكمة
٢١٣	حديث ١٢٢	٢٠٣	رابط ما قبل
٢١٤	تعدد الحديث	٢٠٤	حديث ١٢٣
٢١٥	رابط ما قبل	٢٠٥	مطابقة الحديث للترجمة
٢١٦	مقصد ترجمه	٢٠٦	تعدد الحديث
٢١٧	تشریح	٢٠٧	الفرق بين الحمد والغبط
٢١٨	علو سند كيلی میرسيد شریف رحه كاسف	٢٠٨	باب ١٣ ما ذكر في ذهاب موسى في البحر الى الحضرة
٢١٩	مطابقة الحديث للترجمة	٢٠٩	رابط ما قبل
٢٢٠	باب ١٤ فضل من علم وعلم	٢١٠	مقصد ترجمه
٢٢١	رابط ما قبل	٢١١	حديث ١٢٤
٢٢٢	حديث ١٢٥	٢١٢	مطابقة للترجمة
٢٢٣	مطابقة للترجمة	٢١٣	تعدد الحديث
٢٢٤	شرح الفاظ	٢١٤	تشریح
٢٢٥	اشكال	٢١٥	تنبيه
٢٢٦	امام بخاری رحه كاسف عادت	٢١٦	باب ١٥ قول النبي صلى الله عليه وآله وسلم
٢٢٧	باب ١٥ رفع العلم ونظير الجبل	٢١٧	حديث ١٢٥
٢٢٨	رابط ومقصد	٢١٨	رابط ما قبل
٢٢٩	حديث ١٢٦	٢١٩	مقصد ترجمه
٢٣٠	مطابقة الحديث للترجمة	٢٢٠	باب ١٦ متى يصح سماع الصغير
٢٣١	تعدد الحديث	٢٢١	حديث ١٢٦
٢٣٢	حضرت ربيع رحه كاسف مختصر حال	٢٢٢	تعدد الحديث
٢٣٣	اصحاب الراي	٢٢٣	رابط ما قبل
٢٣٤	باب ١٦ فضل العلم	٢٢٤	مقصد ترجمه
٢٣٥	حديث ١٢٧	٢٢٥	مطابقة الحديث للترجمة

عنوان

صفحہ

عنوان

صفحہ

رابطہ ما قبل

مقصد ترجمہ

اشکال

علم اور دودھ میں مناسبت

تبیین

باب ۱۵۱ الفقیہ اور واقف علی ظہر الدارۃ الہی

حدیث ۸۲

مطابقتہ للترجمہ

رابطہ ما قبل

تعدد الحدیث

مقصد ترجمہ

باب ۱۵۲ من اجاب الفقیہ باشارة الید والراس

رابطہ و مقصد ترجمہ

حدیث ۸۳

تعدد الحدیث

حدیث ۸۴

مطابقتہ الحدیث للترجمہ

تعدد الحدیث

حدیث ۸۵

مطابقتہ للترجمہ

تعدد الحدیث

حضرت اسماعیل

اشکال و جواب

جنت و دوزخ موجود ہے

عالم تین ہیں

ہذا کا مثالیہ کیا ہے ؟

باب ۱۵۳ تحریف النبی و ذر عبد القیس الہی

رابطہ ما قبل

مقصد ترجمہ

حدیث ۸۵

مطابقتہ للترجمہ

باب ۱۵۴ الرحلة فی المسئلة النازلة

رابطہ و مقصد

حدیث ۸۶

مطابقتہ للترجمہ

تعدد الحدیث

اشکال و جواب

تہا رضہ کی شہادت ثبوت رضاعت کیلئے کافی یا نہیں ؟

باب ۱۵۵ التناؤب فی العلم

رابطہ

مقصد

حدیث ۸۷

مطابقتہ للترجمہ

تعدد الحدیث

باب ۱۵۶ الغضب فی الموعظة و التعليم الہی

رابطہ ما قبل

مقصد

حدیث ۸۸

مطابقتہ للترجمہ

تعدد الحدیث

حدیث ۸۹

مطابقتہ للترجمہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۴۸	اشکال اول و جواب	۴۴۱	تقدیر الحدیث
•	اشکال دوم و جواب	•	حدیث ۹۱
۴۵۰	اشکال و جواب	۴۴۲	مطابقتہ للترجمہ
۴۵۱	اشکال	•	تقدیر الحدیث
•	تکثر از می الدین ابن عربی	۴۴۳	باب ۱۲ من بک علی رکتہ الہ
۴۵۲	باب ۱۳ عن علیہ السلام النساء الخ	•	رابطہ و مقدمہ
•	رابطہ ما قبل و مقدمہ	•	حدیث ۹۲
•	حدیث ۹۳	•	مطابقتہ للترجمہ
۴۵۳	مطابقتہ للترجمہ	•	تقدیر الحدیث
•	تقدیر الحدیث	۴۴۴	حضرت عمر رضی اللہ عنہما
۴۵۴	باب ۱۴ الحرم علی الحدیث	•	باب ۱۵ من اعاد الحدیث ثلثا الخ
•	رابطہ و مقدمہ	•	رابطہ ما قبل
•	حدیث ۹۴	۴۴۵	مقدمہ
•	مطابقتہ للترجمہ	•	حدیث ۹۳
•	تقدیر الحدیث	•	مطابقتہ للترجمہ
۴۵۵	شفاعت کے اقسام	•	تقدیر الحدیث
•	سوال و جواب	۴۴۶	حدیث ۹۴
۴۵۶	فنا کرہ	•	مطابقتہ للترجمہ
•	باب ۱۶ کیف یقتضی العلم الخ	•	تقدیر الحدیث
۴۵۷	رابطہ و مقدمہ	•	باب ۱۷ تعلیم الرجل اُمۃ و اہلہ
•	حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ	•	رابطہ ما قبل
•	حدیث ۹۵	•	مقدمہ
•	حدیث ۹۶	۴۴۷	حدیث ۹۵
۴۵۸	مطابقتہ للترجمہ	•	مطابقتہ للترجمہ
•	تقدیر الحدیث	•	تقدیر الحدیث
•	علامہ کے جانشین جہاں ہوتا ہے توحید و زعم علم کی علامت ہے	۴۴۸	البحث فی تحقیق سبب الاجرین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۴۰	ربیع بن تراش رحمہ	۲۵۹	اشکال و جواب
۲۴۱	حضرت علی رضی	۲۶۰	باب ۱۱۱ بل یجعل للنساء یوم الحج
۲۴۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوٹا اشکبار میں سے ہے		رابطہ و مقصد
	حدیث ۱۰۶		حدیث ۱۰۱ و حدیث ۱۰۱
	مطابقتہ للترجمہ	۲۶۱	فائدہ
	حدیث ۱۰۷		اشکال و جواب
	مطابقتہ للترجمہ	۲۶۲	باب ۱۱۲ من سمع شیئا فلم یفہمہ الحج
	حدیث ۱۰۸		رابطہ و مقصد
۲۴۳	مطابقتہ للترجمہ		حدیث ۱۰۲
	حدیث ۱۰۹	۲۶۳	مطابقتہ للترجمہ
	مطابقتہ للترجمہ		تعدد الحدیث
	تشریح	۲۶۴	باب ۱۱۳ لیبیخ العلم الشاہد الحج
۲۴۴	اشکال و جواب		رابطہ و مقصد
	روایت بالمعنی		حدیث ۱۰۳
۲۴۵	حضرت مسلم بن اکوعہ رضی	۲۶۵	مطابقتہ للترجمہ
	سبب ورود		تعدد الحدیث
۲۴۶	اہم گرامی اور کنیت کا حکم	۲۶۷	اشکال و جواب
۲۴۷	رد یا یعنی خواب کے اقسام		حرم مکہ کے مسائل اور الزام کرام کے اقوال
	خواب میں حضور ص کی روایت	۲۶۸	حدیث ۱۰۴
	اشکال	۲۶۹	مطابقتہ للترجمہ
۲۴۹	لطیفہ		تعدد الحدیث
۲۸۰	اجزاء حدیث کا باہمی ربط		فائدہ
۲۸۱	باب ۱۱۴ کتابۃ العلم		باب ۱۱۵ اثر من کذب علی النبی الحج
	رابطہ و مقصد	۲۷۰	رابطہ و مقصد
	مقصد		حدیث ۱۰۵
	حدیث ۱۱۰		مطابقتہ للترجمہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰۰	تعدد موضوع	۴۸۱	مطابقتہ للترجمہ
۵۰۱	کلمہ ذاکہ تحقیق	۴۸۲	تعدد الحدیث
۵۰۲	تشریح	۴۸۳	درجہ سوال
۵۰۳	باب ۱۱۱ التمس فی العلم	۴۸۴	علامہ عینی وحافظ عسقلانی کا ارشاد
۵۰۴	ربط و مقصد	۴۸۵	صحیفہ میں کیا تھا؟
۵۰۵	حدیث ۱۱۱	۴۸۶	لا یقتل مسلم بکافر
۵۰۶	مطابقتہ للترجمہ	۴۸۷	الترجمہ کے دلائل
۵۰۷	تعدد موضوع	۴۸۸	حدیث ۱۱۱
۵۰۸	تشریح	۴۸۹	مطابقتہ للترجمہ
۵۰۹	حیات خضرہ کی بحث	۴۹۰	تعدد موضوع
۵۱۰	حدیث ۱۱۱	۴۹۱	تشریح
۵۱۱	مطابقتہ للترجمہ	۴۹۲	حدیث الباب حنفیہ کے خلاف نہیں ہے
۵۱۲	تعدد موضوع	۴۹۳	حدیث ۱۱۲
۵۱۳	باب ۱۱۲ حفظ العلم	۴۹۴	مطابقتہ للترجمہ
۵۱۴	ربط و مقصد	۴۹۵	روایات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت کے اسباب
۵۱۵	حدیث ۱۱۲	۴۹۶	حدیث ۱۱۳
۵۱۶	مطابقتہ للترجمہ	۴۹۷	مطابقتہ للترجمہ
۵۱۷	تعدد موضوع	۴۹۸	تعدد موضوع
۵۱۸	حدیث ۱۱۲	۴۹۹	تنبیہ
۵۱۹	مطابقتہ للترجمہ	۵۰۰	قصہ قرطاس
۵۲۰	تعدد موضوع	۵۰۱	اعتراض اول کا جواب
۵۲۱	حدیث ۱۱۲	۵۰۲	اعتراض ثانی کا جواب
۵۲۲	حدیث ۱۱۲	۵۰۳	اعتراض ثالث کا جواب
۵۲۳	مطابقتہ للترجمہ	۵۰۴	باب ۱۱۳ العلم والعقلۃ باللیل
۵۲۴	وہائیں سے کیا مراد ہے؟	۵۰۵	حدیث ۱۱۴
۵۲۵	باب ۱۱۴ الانصات للعلماء	۵۰۶	مطابقتہ للترجمہ

عنوان

صفحہ

عنوان

صفحہ

رابطہ مقصد

۵۱۱

رابطہ ماقبل

۵۲۱

حدیث ۱۲۱

۵۱۲

مقصد ترجمہ

۵۲۲

مطابقتہ للترجمہ

۵۱۳

حدیث ۱۲۵

۵۲۳

تعدد موضوع

۵۱۴

مطابقتہ للترجمہ

۵۲۴

اشکال مع جواب

۵۱۵

تعدد موضوع

۵۲۵

باب ۸۶ مایہ حق للعالم اذا سئل

۵۱۶

الفاظ حدیث کی شرح

۵۲۶

رابطہ ماقبل

۵۱۷

باب ۸۷ من ترک بعض الاختیار مخفی

۵۲۷

مقصد ترجمہ

۵۱۸

رابطہ ماقبل

۵۲۸

حدیث ۱۲۲

۵۱۹

مقصد ترجمہ

۵۲۹

مطابقتہ للترجمہ

۵۲۰

حدیث ۱۲۶

۵۳۰

تعدد موضوع

۵۲۱

مطابقتہ للترجمہ

۵۳۱

اشکال و جواب

۵۲۲

تعدد موضوع

۵۳۲

ماہل مستنبط

۵۲۳

بیت اشتر کی تفسیر

۵۳۳

باب ۸۸ من سال و ہوتا عالم جالسا

۵۲۴

اشکال و جواب

۵۳۴

رابطہ ماقبل

۵۲۵

باب ۸۹ من خفق بالعلم قوما دون الخ

۵۳۵

مقصد ترجمہ

۵۲۶

رابطہ ماقبل

۵۳۶

حدیث ۱۲۳

۵۲۷

مقصد ترجمہ

۵۳۷

مطابقتہ للترجمہ

۵۲۸

حدیث ۱۲۴

۵۳۸

تعدد موضوع

۵۲۹

سوال و جواب

۵۳۹

باب ۹۰ السؤال والفتیاء عند روى الجمار

۵۳۰

حدیث ۱۲۵

۵۴۰

رابطہ ماقبل

۵۳۱

مقصد ترجمہ

۵۴۱

حدیث ۱۲۶

۵۳۲

مطابقتہ للترجمہ

۵۴۲

تعدد موضوع

۵۳۳

الفاظ حدیث کی شرح

۵۴۳

مطابقتہ للترجمہ

۵۳۴

اشکال و جواب

۵۴۴

تعدد موضوع

۵۳۵

سورۃ کو آگ میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے

۵۴۵

باب ۹۱ قول اللہ تعالیٰ وما اؤتیم من العلم الا قليلا

۵۳۶

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۵	مقدمہ ترجمہ	۵۳۱	اشکال و جواب
۵۳۶	حدیث ۱۳۱	۵۳۲	حدیث ۱۳۹
۵۳۷	مطابقہ للترجمہ	۵۳۳	مطابقہ للترجمہ
۵۳۸	تعدد موضوعات	۵۳۴	معاذ بن جبل رحمہ
۵۳۹	باب ۱۳۲ ذکر العلم والفتیان المسجد	۵۳۵	باب ۱۳۳ الحیار فی العلم الخ
۵۴۰	رابطہ ما قبل	۵۳۶	ما قبل سے رابطہ
۵۴۱	مقدمہ ترجمہ	۵۳۷	مقدمہ ترجمہ
۵۴۲	حدیث ۱۳۲	۵۳۸	حدیث ۱۳۴
۵۴۳	مطابقہ للترجمہ	۵۳۹	مطابقہ للترجمہ
۵۴۴	تعدد موضوعات	۵۴۰	تعدد موضوعات
۵۴۵	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط	۵۴۱	حضرت زید بن ثابت ام سلمہ رضی اللہ عنہما
۵۴۶	باب ۱۳۴ من اجاب التائل	۵۴۲	ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
۵۴۷	بالکثر مما سالہ	۵۴۳	حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا
۵۴۸	رابطہ ما قبل	۵۴۴	حدیث ۱۳۵
۵۴۹	حدیث ۱۳۳	۵۴۵	مطابقہ للترجمہ
۵۵۰	مطابقہ للترجمہ	۵۴۶	تعدد موضوعات
۵۵۱	تعدد موضوعات	۵۴۷	باب ۱۳۵ من استحي فامره غيره بالسؤال
۵۵۲	براحة الاختتام	۵۴۸	رابطہ ما قبل

نصر الباری جلد اول کے احادیث

(۱) کتاب الوسی ۶

(۲) کتاب الايمان ۵۰

(۳) کتاب العلم ۷۸

الْعَبَّاقِيدُ الْعَلِيَّةُ



الْأَسَانِيدُ الْعَلِيَّةُ

جمع فيه المؤلف أسانيد مشايخ ديوبند
إلى الشاه ولي الله الدهلوي ثم منه إلى
أصحاب الكتب الستة وغيرها مع فوائد
ثمينة يحتاج إليها المحدث والطالب .

✽ تاليف ✽

المحدث، الجليل

مولانا محمد حسين الهمداني البزفي النظامي

رحمه الله تعالى

الناشر

مكتبة الشيخ

٣/٣٣٥، بهادر آباد، كراچی نمبر ٥۔

مؤلف دست بر کام کی طرف سے لکھا گیا
اور اشاعت کے ساتھ شکار

الدُّرُ الْمُنْضَوْدُ عَلَى سَيِّدِنَا أَبِي كُرَيْبٍ

اقادات در سبب اضافات و نظریاتی
مولانا محمد عاقل صاحب صدر الدرسین مظاہر علوم
— تلمیذ رشید —
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

ناشر
مکتبۃ الشیخ
۲/۲۲۵-ہادر آباد-کراچی ۵

اہل علم کی طرف سے طلبہ کے لیے قیمتی نصائح

تالیف

مولانا محمد زوج الدائم نقشبندی عفو ری

ناشر

مکتبہ الشیخ

۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی نمبر ۵۔